

مؤلف دامت برکاتہم کی طرف سے تصحیح افادہ  
اور اضافات کے ساتھ

# الدُّرُّ الْمُنِضُّ عَلَى سُنَنِ أَبِي كُرَيْبٍ

الجزء الخامس

افادات و ترجیح

مولانا محمد ماقول صاحب عبداللہ مدین مظاہر علوم

تقریر و تصحیح

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب قدس سرہ

ناشر

مکتبۃ الشیخ

۳/۴۴۵- بہادر آباد- کراچی ۵

مؤلف دامت برکاتہم کی طرف سے صحیح افلاطون  
اور اضافات کے ساتھ پہلی بار

# الدُّرُ الْمُنْضُوءُ

علی

## سینک، ابی کافور

افادات و درمید مع اضافات و نظر ثانی  
مولانا محمد عاقل صاحب صدر الدرسین مظاہر علوم

== تمیز رشید ==

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب قدس سرہ

الجزء العاشر

ناشر

مکتبۃ الشیخ

۲/۲۳۵ - بہادر آباد - کراچی ۵

مؤلف دامت برکاتہم کی طرف سے تصحیح اعلاط اور اضافات کے ساتھ پہلی بار

نام کتاب: ..... الدر المنصود علی متن ابی داؤد (مجموعہ)

افادات درسیہ: ..... حضرت مولانا محمد عاقل صاحب مدظلہ و مولانا درویش درویش مظاہر العلوم

ناشر: ..... مکتبۃ الشیخ ۳۳۵/۳ بہار آباد کراچی ۵

اشاعت طبع جدید: ..... 2008/1429



## مکتبہ خلیلیہ

دکان ۱۹ اسلام کب مارکیٹ بخاری ٹاؤن کراچی

### دیگر ملنے کے پتے:

کتاب خانہ شریفہ	اردو بازار کراچی	مکتبہ انعامیہ	اردو بازار کراچی
زم زم پبلشرز	اردو بازار کراچی	مکتبہ حقانیہ	ملتان
کتاب خانہ مظہری	گلشن اقبال کراچی	کتاب خانہ مجیدیہ	ملتان
اقبال بک سینٹر	صدر کراچی	ادارہ اسلامیات	لاہور
دارالاشاعت	اردو بازار کراچی	مکتبہ سید احمد شہید	لاہور
اسلامی کتب خانہ	بخاری ٹاؤن کراچی	مکتبہ رحمانیہ	لاہور

## فہرست مضامین الدر المنصور علی مسنن ابی داؤد، جلد خامس

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۲۸	ان لہذہ البہائم ادا بدکا وابدالوش	۱۷	ولا نضی بجورار ولا مقابلہ	۱۷	کتاب الضحایا
"	باب ماجاء فی ذبیحۃ المتروکۃ	"	ولامدبرۃ الحدیث	"	مباحث ستہ مفیدہ
"	اما تہون الزکاۃ الامن اللیۃ او الخلی	۲۰	ہی ان نضی بعضہا الاذن والقرن	۲۰	وجوب التیمیہ کی دلیل
"	قال ابو داؤد: لا یصلح هذا الا	۲۱	باب البقر الجوزور عن کم تجزئ	۲۱	باب الاضحیۃ عن المیت
۳۹	فی التردیۃ او اورس پر حضرت	۲۲	باب فی الشاة یضعی بہا عن جماع	"	مسئلۃ الباب میں اختلاف ائمہ
"	کا اشکال اور جواب	"	باب الامام یدبح بالمصلی	"	باب الوجہ یاخذ من
۴۰	باب فی المسالغ فی الذبح	"	باب حبس لحوم الاضاحی	"	شعورہ فی العشاۃ
"	حقیقۃ الذبح	"	مسئلۃ الباب میں مذاہب ائمہ	"	مسئلۃ الباب میں مذاہب ائمہ
"	ہی عن شریطۃ الشیطان الحدیث	۲۳	باب فی الرفق بالذبیحۃ	۲۳	باب ما یستحب من الضحایا
۴۱	باب ماجاء فی ذکاۃ الجنین	"	ہی ان تصبر البہائم الحدیث	"	اللہم تقبل من محمد وال محمد
"	مسئلۃ الباب میں اختلاف ائمہ	"	باب فی المسافر یضعی	"	ومن امة محبتہ ووفایتہ
۴۲	باب للحم لا یدری اذکر اسم اللہ	"	باب فی ذبايح اهل الکتاب	"	قربانی کے جائز میں شرکت
"	علیہ ام لا	"	باب ماجاء فی اکل معاقرة	"	اور اس میں مذاہب ائمہ کی تحقیق
"	شرح السند	"	الاعصاب	"	غریب بدعات سیدہ
"	باب فی العتیوۃ	۲۵	لا عقر فی الاسلام الحدیث	"	دیکھیں اقربین المبین
"	فرع وغیرہ کی بحث منع مذاہب ائمہ	"	باب الذبیحۃ بالمردۃ	"	المبین موجود ہیں
۴۳	فرع کی تفسیر میں اقوال	۲۶	انا تلقی العدو و غدا لیس	۲۶	باب ایجاز فی الضحایا من السن
"	باب فی العقیقۃ	"	معنادی الحدیث	۲۷	ان الجوزور لانی مملو فی منہ الشی
"	عقیقہ سے متعلق بعض ضروری مباحث	۲۸	آلہ ذبح کیسا ہونا چاہئے	"	یا رسول اللہ عنہ عنان
۴۵	عن الغلام شاتان مکانتان	"	اس میں مذاہب ائمہ	"	لبس می خیر من شاتی لحم
"	اقوال الطیر علی مکناہما	۲۹	وتقدم سرعان من الناس فتجملوا	"	قربانی کا وقت کب شروع ہوتا ہے
۴۹	کل غلام رھینۃ بعقیقۃ الحدیث	۳۸	وقسم بنہم فحدل بعرہ بعضہا شیاہ	"	باب ما یکرہ من الضحایا



صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۶۲	باب ماجاء فی الدخول فی الوصایا	۴۹	الم یصل او تجذ فیہ اثر غیر سہمک	۴۹	شرح الحدیث
۶۳	باب ماجاء فی نسخ الوصیۃ	۵۵	اور محض منقن کا حکم	۴۷	عقیقہ میں یوم الایام کی قید
"	للوالدین والاقربین	"	افتی فی آئینہ لمجوس اوانی مشرکین	"	ویرشی، کان قتادہ اذا سئل
"	باب ماجاء فی الوصیۃ للوارث	"	کا استعمال کب جائز ہے	"	عن الیوم الخ
"	باب مخالطۃ الیتیم والطعام	۵۶	باب اذا قطع من الصيد قطعۃ	۴۸	لا یجب الشر یعقوب
۶۴	باب ماجاء فی مال الیتیم	"	باب فی اتباع الصيد	"	البواب الصيد
"	ان ینال من مال الیتیم	۵۷	کتاب الوصایا	۴۹	باب اتخاذ الکلب للصيد
"	باب ماجاء متى یقطع الیتیم	"	باب ماجاء فی ما یؤمر به	"	انقص من اجرہ کل یوم قیراط
"	باب ماجاء فی التشدید فی	"	من الوصیۃ	"	لولا ان الکلابۃ من المام الحدیث
"	اکل مال الیتیم	"	ما حق امری سلمہ شیء یوصی فیہ الخ	۵۰	باب فی الصيد
۶۵	اجتنبوا السبع الموبقات الحدیث	"	حکم الوصیۃ	"	ذکاة کی دو تسمین اختیار کی اضطراری
"	گنہوں میں صفات و کبار ترک بحث	۵۸	ما ترک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم	"	تسمیہ عند الذبح وعند الارسال
"	باب ماجاء فی الدلیل علی	"	دینار و لاد رہا الحدیث	"	میں اختلاف ائمہ
"	ان الکف من جمیع المال	۵۹	باب ماجاء فیما یجوز للوصی فی مالہ	۵۱	فکل مما اسکن علیک
۶۶	باب ماجاء فی الرجل یهب الہیۃ	"	مرض مرضا اشقی فیہ الخ شرح الحدیث	"	تعلیم کلب کے بارے میں جبوت
"	ثم یوصی لہ بہا و یرثہا	"	یا رسول اللہ اتخلف عن حجرتی قال	"	اور امام مالک کی دلیل
"	باب ماجاء فی الرجل یوقف الوقف	"	انک ان تخلف بعدی الخ	"	قلت امری بالمراض الحدیث
"	وقف کی حقیقت میں امام صاحب	۶۰	تنبیہ	۵۲	بندوق کا شکار اور اس میں اختلاف
۶۷	اور جہور کا اختلاف	"	لکن البائس سعد بن خولہ الحدیث	"	وکان لنا جارا و دخیلا
"	اصاب عمر ارضا بخیر الخ	"	وصیت سے متعلق بعض ضروری	"	وربطنا بالبہرین
"	حضرت عمر کے وقف والی حدیث	۶۱	مسائل مع اختلاف ائمہ	۵۳	ولم تجذہ فی ما ولا فیہ اثر غیر سہمک
"	کی شرح	"	باب ماجاء فی کراہیۃ	"	شکار تیر لگنے کے بعد اگر غائب
۶۸	کتاب الوقف کی نقل	"	الاضرار فی الوصیۃ	"	ہو جائے تو اسکا کیا حکم ہے
۶۹	باب ماجاء فی الصدقۃ عن المیت	۶۲	ای الصدقۃ افضل الحدیث	"	مع اختلاف ائمہ بالتفصیل

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۹۲	باب فی المولود یستہل ثم یموت	۷۹	باب فی میراث العصبۃ	۶۹	اذا مات الانسان انقطع عنه عمله الا من ثلثتہ الحدیث
۹۰	باب نسخ میراث العقد	۸۰	باب فی میراث ذوی الاحرام	۷۰	باب ما جاء فی وصیۃ الجور
۹۳	بمیراث الرحمہ		اس سلسلہ میں ائمہ کا اختلاف مدلل		یسلم ولیہ الخ
۹۰	باب فی الحلف		والحال وارث من لا وارث لہ		باب ما جاء فی الرجل یموت وعليہ دین ولہ وقلہ الخ
۹۵	لا حلف فی الاسلام		یعقل عند ویرثہ		حدیث دین جابر کی شرح
۹۵	باب فی المرأة تورث من دینہ زوجہا	۸۱	انا اولیٰ بكل مؤمن من نفسه	۷۱	كتاب الفرائض
۹۷	آیۃ الیراث کی تفسیر و خلاصہ		انا مولیٰ من لا مولیٰ لہ ارث مالہ الخ		العلم ثلاثہ وباسوی ذلک فہوم فضل الحدیث اور اسکی شرح
۹۷	دیت کے بار میں ابتدا و ختم و عمر کی رائے اور پھر اس سے رجوع	۸۲	کیا حضور کسی کے وارث ہوتے تھے	۷۲	باب فی الکلالۃ
۱۰۰	كتاب الخراج والفی والامارۃ		ان عندی میراث رجل من الذر		یا رسول اللہ کیف اصنع فی مالی ولی اخوات الخ
۱۰۰	كتاب الخراج کا موضوع اور حاصل	۸۳	ولست اجد اذویا الخ شرح الحدیث		آیت میراث کا نزول کس یا میں ہوا
۱۰۱	کلمہ راع و کلمہ رسول عن رعیتہ		باب میراث ابن الملائعۃ		باب من کان لیس لہ ولد
۱۰۱	باب ما جاء فی طلب الامارۃ	۸۵	باب هل یورث المسلم الکافر		ولصاحبات تنبیہ
۱۰۲	باب فی الضمیر یؤتی	۸۶	هل ترک لنا عقیل منزلاً الخ		الاوصی لا خواتی بالثلثین قال الحسن
۱۰۲	باب فی اتخاذ الوزییر		لا یتوارث اهل ملتین شتی	۷۵	شرح الحدیث
۱۰۳	باب فی العرافۃ	۸۷	باب فیمن اسلم علی میراث		آخر آیت نزلت فی الکلالۃ الخ
۱۰۳	باب فی اتخاذ الکاتب		باب فی الولاء	۷۶	باب ما جاء فی میراث الصلب
۱۰۴	آپ کے کاتبین کے اسماء گرامی		ولاء کی قسمیں مع اختلاف علماء		لقد ضللت اذا وانا من المبتدین
۱۰۴	باب فی السعایۃ علی الصدقۃ		ارادت عائشۃ ان تشری جاریۃ تعقبها		باب فی الجدۃ
۱۰۴	لا یدخل الخیمۃ صاحب کس		شراب بریرہ والی حدیث پر کلام	۷۷	باب ما جاء فی میراث الجد
۱۰۵	باب فی الخلیفۃ یتخلف	۸۸	ان رباب بن حذیفۃ تزوج		
۱۰۶	باب ما جاء فی البیعۃ		امراۃ الحدیث و هل یجوز التوارث		
۱۰۶	باب فی ارزاق العمال	۹۰	فی اللوار		
۱۰۷	باب فی ہدایا العمال	۹۱	باب فی الرجل یسلم علی یدی الرجل		
			باب فی بیع الولاء		

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۱۳۹	ان ام حکم اوضاعہ امتی الزبیر بن عبد المطلب حدیثہ عن اہل اصحابہ اس مسئلہ کی تحقیق	۱۲۲	طلب میراث کے سلسلہ میں بعض اشکال و جواب	۱۰۸	باب فی غلول الصدقات
۱۴۱	کنا نقول انہ من الابدال قبل ان یصح ان الابدال من الموالی	۱۲۳	ارض بنو نضیر کے مال فی ہونے میں اختلاف	۱۰۹	باب فیما یلزم الامام من امر الرعیۃ
۱۴۲	ابدال داؤد کا ثبوت احادیث سے	۱۲۵	کانت لرسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ثلاث صفایا	۱۱۰	قول عمر انا باحق بہذا الفی منکم مال فی کے بار میں حضرت عمر کے رائے
۱۴۳	باب ماجاء فی سہم الصفی حضرت صفیہ آپ کے حصہ میں کیسے آئیں اسکے بارے میں روایات	۱۲۶	حضرت علی و عباس کے درمیان ولایت میں اختلاف کا منشاء	۱۱۱	ارض مفتوحہ کے بار میں حضرت عمر کے رائے مال فی اور غنیمت میں فرق اور ہر ایک کا حکم اور مصرف
۱۴۴	باب کیف کان اخراج الیہود من المدینۃ اور اسکی مختصر تاریخ	۱۲۷	سورہ حشر کی آیت کا نزول فدک کے بار میں حضرت عمر بن عبد العزیز کا کمال انصاف	۱۱۲	باب فی قسم الفی
۱۴۵	کعب بن الاشرف یہودی کے قتل کا قصہ یا معشر الیہود اسلموا	۱۲۹	حضرت فاطمہ کی صدیق اکبر سے ناراضگی ترک کلام اور اسکی توجیہ	۱۱۳	باب فی ارزاق الذمیریۃ
۱۴۶	باب فی خبر النضیر بنو نضیر کے نقص عہد اور غزائی کا واقعہ	۱۳۱	ازواج مطہرات کا صدیق اکبر سے طلب میراث کا ارادہ	۱۱۴	باب متی یغرض للوجل فی المقاتلۃ
۱۴۷	باب ماجاء فی حکم ارض خیبر	۱۳۲	باب فی بیان مواضع قسم الخمس و سہم ذی القربی	۱۱۵	باب فی کراہیۃ الافتراض فی آخر الزمان
۱۴۸	باب سے متعلق مباحث اربعہ مفیدہ	۱۳۳	ترجمہ غنیمت کے بار میں آیت کریمہ	۱۱۶	باب فی تدوین العطاء
۱۴۹	ارض مفتوحہ کی تقسیم و ترک تقسیم کی بحث	۱۳۴	ترجمہ البابا لے سلسلہ میں مذاہب ائمہ خمس غنیمت میں بنو نفل و بنو عبد شمس کو شامل نہ کرنا	۱۱۷	باب فی صفیاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من الاموال
۱۵۰	بحث رابع عشری اور خراجی زمین کی تفصیل	۱۳۵	حضرت علی کی ولایت خمس انجس میں حدیث میں شاید یوں محسوس	۱۱۸	ترجمہ الباب کی تشریح اور غرض مصنف آپ کیلئے غنیمت میں تین حصے ہوتے تھے آپ کے صفیاء کا مصداق و تعیین آپ کے بعض ورثہ کا میراث طلب کرنا
۱۵۱	ارض بنو نضیر میں یا خراجی غزوہ خیبر کا بیان	۱۳۶	سے متعلق ایک دلچسپ واقعہ	۱۱۹	حضرت عمر کی طویل حدیث انتقام علی و عباس کے بار میں اور اسکی مفصل شرح
۱۵۲	خیبر کی فتح عنوة ہے یا صلحی	۱۳۸	حضرت علی کے ولیمہ سے متعلق ایک واقعہ	۱۲۰	مصنف کی ایک عادت شریفہ اور کمال ادب

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۱۵۸	قال ابو داؤد وقرئ علی الحارث بن مسکین	۱۵۸	لئن یقیمت لنصارى بنی تغلب	۱۵۸	قال ابو داؤد وقرئ علی الحارث بن مسکین
۱۵۹	مصنف حارث بن مسکین سے	۱۵۹	لا تمکن المقاتلة اس حدیث کی	۱۵۹	مصنف حارث بن مسکین سے
۱۶۰	روایت کرنے کا طرز	۱۶۰	شرح اور اس پر کلام	۱۶۰	روایت کرنے کا طرز
۱۶۱	قول عمر: لولا آخر المسلمین ما فتحت	۱۶۱	آپ کی نصاریٰ بخران کیساتھ صحت	۱۶۱	قول عمر: لولا آخر المسلمین ما فتحت
۱۶۲	قریۃ الاقسامہا	۱۶۲	باب فی اخذ الجزیۃ من المجوس	۱۶۲	قریۃ الاقسامہا
۱۶۳	باب ماجاء فی خبر مکہ	۱۶۳	مجوس سے جزیرہ لینے میں عمر فاروق	۱۶۳	باب ماجاء فی خبر مکہ
۱۶۴	فتح مکہ سے متعلق حدیث	۱۶۴	کا تردد	۱۶۴	فتح مکہ سے متعلق حدیث
۱۶۵	باب ماجاء فی خبر الطائف	۱۶۵	ایک اصولی مسئلہ صیغہ تحدیث سے متعلق	۱۶۵	باب ماجاء فی خبر الطائف
۱۶۶	غزوة طائف	۱۶۶	باب التشدید فی جلیلیۃ الجزیۃ	۱۶۶	غزوة طائف
۱۶۷	اسلام میں نماز کی غایت درجہ اہمیت	۱۶۷	باب فی تشدید اهل الذمۃ	۱۶۷	اسلام میں نماز کی غایت درجہ اہمیت
۱۶۸	باب ماجاء فی حکم ارض الیمین	۱۶۸	اذا اختلفوا فی التجارۃ	۱۶۸	باب ماجاء فی حکم ارض الیمین
۱۶۹	باب فی اخراج الیہود من	۱۶۹	مسئلہ مذکورہ فی الہاب کی تفتیح و تشریح	۱۶۹	باب فی اخراج الیہود من
۱۷۰	جزیرۃ العرب	۱۷۰	اس مسئلہ میں مذہب ائمہ بالتفصیل	۱۷۰	جزیرۃ العرب
۱۷۱	جزیرۃ العرب کی تحدید اور اس کا مصادیق	۱۷۱	ابن العثور علی الیہود والنصارى الحدیث	۱۷۱	جزیرۃ العرب کی تحدید اور اس کا مصادیق
۱۷۲	لا ینکون قبلتان فی بلد واحد الحدیث	۱۷۲	ذمیوں کیساتھ معاملات میں	۱۷۲	لا ینکون قبلتان فی بلد واحد الحدیث
۱۷۳	باب فی یقاف ارض السواد	۱۷۳	احتیاط اور زیادتی پر وعید	۱۷۳	باب فی یقاف ارض السواد
۱۷۴	عشر اور خراج میں فرق	۱۷۴	عن آباءہم دینہ اس لفظ کی شرح	۱۷۴	عشر اور خراج میں فرق
۱۷۵	منعت العراق قفیزہا ودرجہا	۱۷۵	باب فی الذمی یسلم فی بعض	۱۷۵	منعت العراق قفیزہا ودرجہا
۱۷۶	ومنعت الشام بدیمہا ودرجہا الحدیث	۱۷۶	السنة هل علیہ جزیۃ	۱۷۶	ومنعت الشام بدیمہا ودرجہا الحدیث
۱۷۷	صحیفہ ہمام بن منبہ کی روایت	۱۷۷	شرح الحدیث و مذاہب الائمة	۱۷۷	صحیفہ ہمام بن منبہ کی روایت
۱۷۸	اور اس صحیفہ کا تعارف	۱۷۸	باب فی الامام یقبیل	۱۷۸	اور اس صحیفہ کا تعارف
۱۷۹	باب فی اخذ الجزیۃ	۱۷۹	هدایا المشرکین	۱۷۹	باب فی اخذ الجزیۃ
۱۸۰	شرائط وجوب جزیرہ	۱۸۰	آپ کی معیشت اور گزروان کے	۱۸۰	شرائط وجوب جزیرہ
۱۸۱		۱۸۱	بارے میں ایک طویل حدیث	۱۸۱	
۱۸۲		۱۸۲		۱۸۲	
۱۸۳	انی یقیمت عن زید المشرکین	۱۸۳	اس سلسلہ میں روایات کا	۱۸۳	انی یقیمت عن زید المشرکین
۱۸۴	اختلاف اور اس کی توجیہ	۱۸۴	باب فی اقطاع الارضین	۱۸۴	اختلاف اور اس کی توجیہ
۱۸۵	اقطاع اور احیاء کی تعریف	۱۸۵	اور دونوں میں فرق	۱۸۵	اقطاع اور احیاء کی تعریف
۱۸۶	اقطاع بلال بن الحارث المزنی	۱۸۶	معادن القبلیۃ	۱۸۶	اقطاع بلال بن الحارث المزنی
۱۸۷	معادن القبلیۃ	۱۸۷	معادن میں زکاة واجب ہے	۱۸۷	معادن القبلیۃ
۱۸۸	یا خمس اور اس میں اختلاف ائمہ	۱۸۸	معادن قبلیۃ والی حدیث کے	۱۸۸	یا خمس اور اس میں اختلاف ائمہ
۱۸۹	خفیفہ کی طرف سے جوابات	۱۸۹	انا قطعت للامار العذر الحدیث	۱۸۹	خفیفہ کی طرف سے جوابات
۱۹۰	اور اس کی شرح	۱۹۰	وسأله عما یجی من الاراک	۱۹۰	اور اس کی شرح
۱۹۱	قال ما لم تنلہ خفاف	۱۹۱	ان القوم اذا سلموا احرزوا	۱۹۱	قال ما لم تنلہ خفاف
۱۹۲	دہائیم و اموالہم	۱۹۲	حدیث پر ایک قوی اشکال	۱۹۲	دہائیم و اموالہم
۱۹۳	حدیث پر ایک قوی اشکال	۱۹۳	اور اس کا جواب	۱۹۳	حدیث پر ایک قوی اشکال
۱۹۴	آپ کی ناقہ و عصار کا واقعہ	۱۹۴	ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم	۱۹۴	آپ کی ناقہ و عصار کا واقعہ
۱۹۵	اقطاع الزبیر بخلاف	۱۹۵	الکلام علی الحدیث من حیث الفقه	۱۹۵	اقطاع الزبیر بخلاف
۱۹۶		۱۹۶		۱۹۶	



صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۲۱۲	باب فضل من مات بالطاعون	۲۰۱	فقد قبر ابی رغال وكان بهذا الحرم يدفع عنه ابورغال كاتعارف	۱۹۱	حدیثی جدتای صفیہ وحبیبہ الحدیث اور اس کی شرح
۲۱۳	شہادت کے اسباب سب کے تشریح اسباب الشہادۃ کی تعداد اور ان کے مصادیق	۲۰۲	كتاب الجنائز	۱۹۳	من سبق الی ما لم یسبق الیه المسلمون فہولہ الحدیث
۲۱۵	باب المریض یؤخذ من اظفاره وعانتہ	۲۰۳	فائدہ تاریخیہ بذل الجہود سے متعلق باب الامراض المكفرۃ للذنوب	۱۹۵	قطع الزبیر حضرت فرماوری قرر الحدیث باب احياء الموات
۲۱۶	حضرت حبیب بن عدی کی شہادت	۲۰۵	باب عیادۃ النساء قول عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا انی لا علم لشدائی فی کتاب اللہ الحدیث	۱۹۷	فاصدی ملک الیہ الی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بقولہ بیضاء وکتب لہ بحجر الحدیث اور اس کی شرح
۲۱۷	باب ما یستحب من حسن الظن باللہ عند الموت	۲۰۶	باب فی العیادۃ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا عبداللہ بن ابی کی عیادت کے لئے تشریف لیجانا اور اپنا فیمل کو پہنانا	۱۹۸	امر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان تورث دور المهاجرین النساء الحدیث
۲۱۸	باب ما یستحب من تطہیر ثیاب المیت عند الموت	۲۰۷	باب فی عیادۃ الذمی باب المشی فی العیادۃ	۱۹۹	باب ماجاء فی الدخول فی ارض الخراج
۲۱۹	دو متعارض حدیثوں کے درمیان تطبیق	۲۰۸	باب فی فضل العیادۃ باب فی العیادۃ مرارا	۲۰۰	من افاض ارضا بجزیرتہا فقد استقال حجر باب فی الارض یحبیہا الامام او الرجل
۲۲۰	باب ما یقال عند المیت من الکلام	۲۰۹	باب العیادۃ من الرمد ثلاثۃ لیس لہم عیادۃ الحدیث	۲۰۱	حمی اور احیاء میں فرق باب جاء فی الرکاز وما یدیه فی الرکاز الخمس الحدیث اور اس میں اختلاف ائمہ
۲۲۱	باب فی التلقین	۲۱۰	باب الخروج من الطاعون باب الدعاء للمریض	۲۰۲	ذهب المقداد لحاجۃ تنقیح النجیۃ الحدیث اور اس کی شرح
۲۲۲	باب تغیض المیت	۲۱۱	باب الدعاء عند العیادۃ باب الدعاء للمریض عند العیادۃ	۲۰۳	باب نبش القبور العادیۃ
۲۲۳	باب فی الاسترجاع	۲۱۲	باب کراہیۃ تمعی الموت باب فی موت الفجاءۃ		
۲۲۴	باب فی المیت یسجی				
۲۲۵	باب القراءۃ عند المیت				
۲۲۶	باب المجلس عند المصیبة				
۲۲۷	باب التعزیه				
۲۲۸	لو بلغت رحمہم اللہ فی ذلک تشدید فی ذلک				

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۲۳۶	ایک ذکر جہری کرنا والے کی خوش نصیبی { اور آپ کا اسکی قبر میں نزول	۲۳۷	آپ کے کفن کی تحقیق میں { حضرت عائشہ کی رائے	۲۳۲	آپ کے والدین کا حکم اخروی
"	باب فی المیت یجمل من ارض { الی ارض	"	لیس فیہا قمیص ولا عمامۃ	۲۳۳	باب الصبر عند المصیبتہ
"	نقل میت کے بار میں مذاہب ائمہ	۲۳۸	کفن الرجل کے مصداق میں { ائمہ اربعہ کے مسالک	"	باب فی البکاء علی المیت
۲۳۸	باب فی الصف علی الجنائزۃ	"	لیس فیہا قمیص ولا عمامۃ الخ	۲۳۴	باب فی النوح
"	باب اتباع النساء الجنائزۃ	"	کس کی دلیل ہے	"	المیت یعذب بیکار اھلہ علیہ
۲۳۹	باب فضل الصلوٰۃ علی الجنائز	۲۳۹	کفن کے تین درجات	۲۳۵	اس حدیث کی تحقیق اور توجیہ
۲۵۰	باب فی اتباع المیت بالنساء	"	باب کراہیۃ المغالاة فی الکفن	۲۳۸	باب صنعة الطعام لاهل المیت
"	باب القیام للجنائزۃ	"	مصعب بن عمیر قتل یوم احد { ولم یکن لہ الا نمرۃ	"	باب فی الشہید یغسل
۲۵۱	یہاں پر دو مسئلے ہیں اور { ان کی وضاحت	۲۴۰	باب فی کفن المرأة	"	صلوٰۃ علی الشہید کی بحث
۲۵۳	باب الرکوب فی الجنائزۃ	"	عورت کے کفن کی تفصیل { عند الائمة الاربعة	"	ثوب واحد میں ایک سے زائد
۲۵۴	باب المشی امام الجنائزۃ	۲۴۱	باب فی المسک للمیت	"	میت کی تکفین
"	مسئلہ الباب میں مذاہب ائمہ	۲۴۲	باب فی تعجیل الجنائزۃ	۲۳۲	باب فی سترة المیت عند غسلہ
۲۵۵	صلوٰۃ علی الطفل میں مذاہب ائمہ	"	اس تعجیل کی مصلحت	"	آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل سے { متعلق حدیث
"	باب الاسماء بالجنائزۃ	"	باب فی الغسل من غسل المیت	"	احد الزوجین کا آخر کو غسل
۲۵۶	باب الامام یصلی علی { من قتل نفسه	۲۴۳	اس مسئلہ میں اختلاف علماء	۲۳۳	دینا و مذاہب الائمة فیہ { فقال فیسلہا ثلاثا او خمساً الخ
"	باب الصلوٰۃ علی من { قتلتہ الحدود	۲۴۴	باب فی تقبیل المیت	"	استبراک بآثار الصالحین اور اس { بار سے میں بخاری کی ایک حدیث
۲۵۷	صلوٰۃ علی ماعز بن مالک کے { بار میں اختلاف روایات	۲۵۱	غسل میت کی علت میں علماء { کے اقوال	"	باب کیف غسل المیت
"	بخطاف امرأة قادیہ کے {	"	باب فی الدفن باللیل	"	قالت وضفر تار اسہا ثلثة قرون { ثم القیناھا ظہرنا الحدیث
"		"		"	باب فی الکفن
"		"		"	دفن باللیل سے منع کی حدیث



صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۲۸۸	باب فی الحلف کاذباً متعمداً	۲۸۸	یمین غموس کا حکم	۲۸۸	باب فی من حلف لیقتطع بہا مالا
۲۸۹	باب کم الصاع فی الکفارة	۲۸۹	کفارة یمین کی تفصیل مع مذاہب ائمہ	۲۸۹	احادیث الباب کا تجزیہ اور تخریج
۲۹۰	کفارة یمین کی مقدار اور اس کی تحقیق	۲۹۰	مدہ شام کی مقدار اور اس کی تحقیق	۲۹۰	باب ما جاء فی تعظیم الیمین
۲۹۱	باب فی الرقبة المؤمنة	۲۹۱	باب کراہیۃ النذر	۲۹۱	عند منہو النذر علیہ السلام
۲۹۲	باب کراہیۃ النذر	۲۹۱	حکم نذر میں مذاہب ائمہ	۲۹۱	باب الیمین بغیر اللہ
۲۹۳	حکم نذر میں مذاہب ائمہ	۲۹۲	باب النذر فی المعصیۃ	۲۹۲	قولہ فی اللہ ما حلفت
۲۹۴	باب النذر فی المعصیۃ	۲۹۲	باب من رای علیہ کفارة	۲۹۲	بہاذا کرا ولا اشر
۲۹۵	باب من رای علیہ کفارة	۲۹۳	قال ابو داود کی تشریح و تفریح	۲۹۳	باب کراہیۃ الحلف بالامانة
۲۹۶	عریث الباب پر محدثین کا فقرہ	۲۹۳	اور حنفیہ کی طرف سے اس کا جواب	۲۹۳	باب المعارض فی الایمان
۲۹۷	روایات الباب کا تجزیہ	۲۹۴	رای رجال بہادی بن ابیہ الحدیث	۲۹۴	باب ما جاء فی الحلف بالبراءة
۲۹۸	والکلام علی الحدیث من حیث الفقہ	۲۹۴	باب من نذر ان یصلی	۲۹۴	من ملۃ غیر الاسلام
۲۹۹	باب من نذر ان یصلی	۲۹۵	فی بیت المقدس	۲۹۵	ترجمۃ الباب میں اختلاف نسخ
۳۰۰	باب من نذر ان یصلی	۲۹۵	شرح السند	۲۹۵	اور اس کی تحقیق
۳۰۱	باب من نذر ان یصلی	۲۹۶	باب قضاء النذر عن المیت	۲۹۶	باب الرجل یحلف ان لا یتادم
۳۰۲	باب من نذر ان یصلی	۲۹۷	باب ما یؤمر بہ من وقایہ النذر	۲۹۷	باب الاستثناء فی الیمین
۳۰۳	باب من نذر ان یصلی	۲۹۸	باب النذر فیما لا یملک	۲۹۸	باب ما جاء فی یمین النبی
۳۰۴	باب من نذر ان یصلی	۲۹۹	قال کانت العضار لرجل من بنی	۲۹۹	صلی اللہ علیہ وسلم ما کان
۳۰۵	باب من نذر ان یصلی	۳۰۰	عقیل الحدیث	۳۰۰	تحقیق سند
۳۰۶	باب من نذر ان یصلی	۳۰۱	استیلاء الکافر علی مال المسلم کی بحث	۳۰۱	باب الحنث اذا کان خیاراً
۳۰۷	باب من نذر ان یصلی	۳۰۲	باب من نذر ان یصلی	۳۰۲	تقدیم الکفارة علی الحنث میں
۳۰۸	باب من نذر ان یصلی	۳۰۳	باب من نذر ان یصلی	۳۰۳	اختلاف علماء
۳۰۹	باب من نذر ان یصلی	۳۰۴	باب من نذر ان یصلی	۳۰۴	باب فی القسم هل یمکن معیناً
۳۱۰	باب من نذر ان یصلی	۳۰۵	باب من نذر ان یصلی		
۳۱۱	باب من نذر ان یصلی	۳۰۶	باب من نذر ان یصلی		
۳۱۲	باب من نذر ان یصلی	۳۰۷	باب من نذر ان یصلی		
۳۱۳	باب من نذر ان یصلی	۳۰۸	باب من نذر ان یصلی		
۳۱۴	باب من نذر ان یصلی	۳۰۹	باب من نذر ان یصلی		
۳۱۵	باب من نذر ان یصلی	۳۱۰	باب من نذر ان یصلی		
۳۱۶	باب من نذر ان یصلی	۳۱۱	باب من نذر ان یصلی		
۳۱۷	باب من نذر ان یصلی	۳۱۲	باب من نذر ان یصلی		
۳۱۸	باب من نذر ان یصلی	۳۱۳	باب من نذر ان یصلی		
۳۱۹	باب من نذر ان یصلی	۳۱۴	باب من نذر ان یصلی		
۳۲۰	باب من نذر ان یصلی	۳۱۵	باب من نذر ان یصلی		
۳۲۱	باب من نذر ان یصلی	۳۱۶	باب من نذر ان یصلی		
۳۲۲	باب من نذر ان یصلی	۳۱۷	باب من نذر ان یصلی		
۳۲۳	باب من نذر ان یصلی	۳۱۸	باب من نذر ان یصلی		
۳۲۴	باب من نذر ان یصلی	۳۱۹	باب من نذر ان یصلی		
۳۲۵	باب من نذر ان یصلی	۳۲۰	باب من نذر ان یصلی		
۳۲۶	باب من نذر ان یصلی	۳۲۱	باب من نذر ان یصلی		
۳۲۷	باب من نذر ان یصلی	۳۲۲	باب من نذر ان یصلی		
۳۲۸	باب من نذر ان یصلی	۳۲۳	باب من نذر ان یصلی		
۳۲۹	باب من نذر ان یصلی	۳۲۴	باب من نذر ان یصلی		
۳۳۰	باب من نذر ان یصلی	۳۲۵	باب من نذر ان یصلی		
۳۳۱	باب من نذر ان یصلی	۳۲۶	باب من نذر ان یصلی		
۳۳۲	باب من نذر ان یصلی	۳۲۷	باب من نذر ان یصلی		
۳۳۳	باب من نذر ان یصلی	۳۲۸	باب من نذر ان یصلی		
۳۳۴	باب من نذر ان یصلی	۳۲۹	باب من نذر ان یصلی		
۳۳۵	باب من نذر ان یصلی	۳۳۰	باب من نذر ان یصلی		
۳۳۶	باب من نذر ان یصلی	۳۳۱	باب من نذر ان یصلی		
۳۳۷	باب من نذر ان یصلی	۳۳۲	باب من نذر ان یصلی		
۳۳۸	باب من نذر ان یصلی	۳۳۳	باب من نذر ان یصلی		
۳۳۹	باب من نذر ان یصلی	۳۳۴	باب من نذر ان یصلی		
۳۴۰	باب من نذر ان یصلی	۳۳۵	باب من نذر ان یصلی		
۳۴۱	باب من نذر ان یصلی	۳۳۶	باب من نذر ان یصلی		
۳۴۲	باب من نذر ان یصلی	۳۳۷	باب من نذر ان یصلی		
۳۴۳	باب من نذر ان یصلی	۳۳۸	باب من نذر ان یصلی		
۳۴۴	باب من نذر ان یصلی	۳۳۹	باب من نذر ان یصلی		
۳۴۵	باب من نذر ان یصلی	۳۴۰	باب من نذر ان یصلی		
۳۴۶	باب من نذر ان یصلی	۳۴۱	باب من نذر ان یصلی		
۳۴۷	باب من نذر ان یصلی	۳۴۲	باب من نذر ان یصلی		
۳۴۸	باب من نذر ان یصلی	۳۴۳	باب من نذر ان یصلی		
۳۴۹	باب من نذر ان یصلی	۳۴۴	باب من نذر ان یصلی		
۳۵۰	باب من نذر ان یصلی	۳۴۵	باب من نذر ان یصلی		
۳۵۱	باب من نذر ان یصلی	۳۴۶	باب من نذر ان یصلی		
۳۵۲	باب من نذر ان یصلی	۳۴۷	باب من نذر ان یصلی		
۳۵۳	باب من نذر ان یصلی	۳۴۸	باب من نذر ان یصلی		
۳۵۴	باب من نذر ان یصلی	۳۴۹	باب من نذر ان یصلی		
۳۵۵	باب من نذر ان یصلی	۳۵۰	باب من نذر ان یصلی		
۳۵۶	باب من نذر ان یصلی	۳۵۱	باب من نذر ان یصلی		
۳۵۷	باب من نذر ان یصلی	۳۵۲	باب من نذر ان یصلی		
۳۵۸	باب من نذر ان یصلی	۳۵۳	باب من نذر ان یصلی		
۳۵۹	باب من نذر ان یصلی	۳۵۴	باب من نذر ان یصلی		
۳۶۰	باب من نذر ان یصلی	۳۵۵	باب من نذر ان یصلی		
۳۶۱	باب من نذر ان یصلی	۳۵۶	باب من نذر ان یصلی		
۳۶۲	باب من نذر ان یصلی	۳۵۷	باب من نذر ان یصلی		
۳۶۳	باب من نذر ان یصلی	۳۵۸	باب من نذر ان یصلی		
۳۶۴	باب من نذر ان یصلی	۳۵۹	باب من نذر ان یصلی		
۳۶۵	باب من نذر ان یصلی	۳۶۰	باب من نذر ان یصلی		
۳۶۶	باب من نذر ان یصلی	۳۶۱	باب من نذر ان یصلی		
۳۶۷	باب من نذر ان یصلی	۳۶۲	باب من نذر ان یصلی		
۳۶۸	باب من نذر ان یصلی	۳۶۳	باب من نذر ان یصلی		
۳۶۹	باب من نذر ان یصلی	۳۶۴	باب من نذر ان یصلی		
۳۷۰	باب من نذر ان یصلی	۳۶۵	باب من نذر ان یصلی		
۳۷۱	باب من نذر ان یصلی	۳۶۶	باب من نذر ان یصلی		
۳۷۲	باب من نذر ان یصلی	۳۶۷	باب من نذر ان یصلی		
۳۷۳	باب من نذر ان یصلی	۳۶۸	باب من نذر ان یصلی		
۳۷۴	باب من نذر ان یصلی	۳۶۹	باب من نذر ان یصلی		
۳۷۵	باب من نذر ان یصلی	۳۷۰	باب من نذر ان یصلی		
۳۷۶	باب من نذر ان یصلی	۳۷۱	باب من نذر ان یصلی		
۳۷۷	باب من نذر ان یصلی	۳۷۲	باب من نذر ان یصلی		
۳۷۸	باب من نذر ان یصلی	۳۷۳	باب من نذر ان یصلی		
۳۷۹	باب من نذر ان یصلی	۳۷۴	باب من نذر ان یصلی		
۳۸۰	باب من نذر ان یصلی	۳۷۵	باب من نذر ان یصلی		
۳۸۱	باب من نذر ان یصلی	۳۷۶	باب من نذر ان یصلی		
۳۸۲	باب من نذر ان یصلی	۳۷۷	باب من نذر ان یصلی		
۳۸۳	باب من نذر ان یصلی	۳۷۸	باب من نذر ان یصلی		
۳۸۴	باب من نذر ان یصلی	۳۷۹	باب من نذر ان یصلی		
۳۸۵	باب من نذر ان یصلی	۳۸۰	باب من نذر ان یصلی		
۳۸۶	باب من نذر ان یصلی	۳۸۱	باب من نذر ان یصلی		
۳۸۷	باب من نذر ان یصلی	۳۸۲	باب من نذر ان یصلی		
۳۸۸	باب من نذر ان یصلی	۳۸۳	باب من نذر ان یصلی		
۳۸۹	باب من نذر ان یصلی	۳۸۴	باب من نذر ان یصلی		
۳۹۰	باب من نذر ان یصلی	۳۸۵	باب من نذر ان یصلی		
۳۹۱	باب من نذر ان یصلی	۳۸۶	باب من نذر ان یصلی		
۳۹۲	باب من نذر ان یصلی	۳۸۷	باب من نذر ان یصلی		
۳۹۳	باب من نذر ان یصلی	۳۸۸	باب من نذر ان یصلی		
۳۹۴	باب من نذر ان یصلی	۳۸۹	باب من نذر ان یصلی		
۳۹۵	باب من نذر ان یصلی	۳۹۰	باب من نذر ان یصلی		
۳۹۶	باب من نذر ان یصلی	۳۹۱	باب من نذر ان یصلی		
۳۹۷	باب من نذر ان یصلی	۳۹۲	باب من نذر ان یصلی		
۳۹۸	باب من نذر ان یصلی	۳۹۳	باب من نذر ان یصلی		
۳۹۹	باب من نذر ان یصلی	۳۹۴	باب من نذر ان یصلی		
۴۰۰	باب من نذر ان یصلی	۳۹۵	باب من نذر ان یصلی		



صفحة	مضامین	صفحة	مضامین	صفحة	مضامین
۲۵۶	باب فی بیع الغرر	۲۲۰	بیع الصرف کی تعریف اور حکم	۲۲۷	باب فی التجارة یخاطبها {
۲۵۷	بیع الملامسة والمنایة	"	ربا الفضل کے عدم جوازیں {		الحلف واللغو
۲۵۸	بنی عن بیع خبل بحیلة	"	بعض صحابہ کا اختلاف	۲۲۸	باب فی استخراج المعادن
"	باب فی بیع المضطر	"	ربا کی تعریف	۲۲۹	باب فی اجتناب الشبهات
۲۵۹	باب فی الشركة	"	الذهب بالذهب ربا الاھار {	"	الحلال بین والحرام بین الحدیث
۲۶۰	باب فی المضارب یخالف	۲۲۱	وھار الحدیث اور اس کی	۲۳۰	اشیاء میں اصل اباحت ہے یا توقف
۲۶۱	بیع فضولی میں مذاہب ائمہ	"	شرح بالتفصیل	"	اہل بیت میت کی طرف سے {
۲۶۲	باب فی الرجل یتجر فی مال الرجل	"	باب فی حلیۃ السیف {	۲۳۱	ضیافت اشکال و جواب {
۲۶۳	حدیث الفار کا ایک قطعہ	۲۲۲	تباع بالدر اھم {	۲۳۲	باب فی وضع الربا
"	باب فی الشركة علی غیر رأس مال	۲۲۵	مسئلہ مدعوہ اور اس کی شرح	"	باب فی کمال ھیۃ الیمین {
۲۶۴	باب فی المزارعة	۲۲۶	باب فی اقتضاء الذهب {	"	فی البیع {
۲۶۵	مزارعة کے اقسام و مذاہب ائمہ	"	من الورق	"	باب الرجحان فی الوزن {
"	مساقاة اور اسمیں اختلاف ائمہ	۲۲۷	باب فی بیع الحیوان بالحویوان {	۲۲۳	والوزن بالاجر {
۲۶۷	رافع بن خدیج کی حدیث میں اضطراب	"	باب فی الرخصة	۲۲۴	شرح السند
"	باب فی زرع الارض بغیر {	۲۲۸	باب فی التمر بالتمر	"	باب فی قول النبی صلی اللہ
"	اذن صاحبھا	۲۵۰	باب فی المزابنة	۲۳۵	تعالی علیہ وسلم المکیال {
۲۷۰	باب فی المخابرة	۲۵۱	باب فی بیع العرایا	"	مکیال اهل المدينة {
۲۷۱	باب فی المساقاة	"	عرایا کی حقیقت اور اسمیں اختلاف ائمہ	۲۳۶	باب فی التشدید فی الدین
"	آپ کا معاملہ یہود وغیرہ کے ساتھ {	۲۵۲	باب فی مقدار العریۃ	۲۳۷	انا اولی بكل مؤمن من نفسه
"	مزارعة کا تھا یا خراج کا {	"	باب تفسیر العرایا	"	صحۃ الکفالة عن الیتیم {
۲۷۲	باب فی الضرع	۲۵۳	باب فی بیع الثمار قبل {	۲۳۸	اختلاف علماء
۲۷۳	کتاب الاجارة	"	ان ینید وصلاحھا {	"	باب فی المطل
۲۷۴	باب فی کسب المعلم	۲۵۶	باب فی بیع السنین	۲۳۹	باب فی حسن القضاء
۲۷۵	باب فی کسب الاطباء	"	وضع الجوارح کا حکم	۲۴۰	باب فی الصرف

صفحة	مضامین	صفحة	مضامین	صفحة	مضامین
۳۱۳	لا یحل سلف و بیع ولا شرطان {	۳۹۶	رک جہاد پر وعید شدید	۳۷۷	باب فی کسب الحجام
"	فی بیع الحدیث، اور اسکی شرح {	۳۹۷	باب فی السلف	۳۷۸	باب فی کسب الاماء
"	باب فی شرطی بیع	"	صحہ سلم کے شرائط	۳۷۹	باب فی عسب الفحل
"	حضرت جابر کی شرار جمل الی حدیث	۳۹۹	سلم فی المنقطع کی تفصیل	"	باب فی الصائغ
۳۱۴	باب فی عہدۃ الرقیق	"	باب فی السلم فی شرة بعیتھا	۳۸۰	باب فی العبد یباع ولہ مال
۳۱۶	باب فیمن اشتري عبداً {	"	باب السلف لا یحول	۳۸۱	باب فی المتلقی
"	فاستعملہ الخ	۴۰۰	باب فی وضع الجائحة	۳۸۲	بیع علی بیع الخیر کی شرح
۳۱۷	الخراج بالغنم الحدیث	۴۰۱	باب فی تفسیر الجائحة	"	باب فی النهی عن المعش
"	باب اذا اختلف البیعان {	"	باب فی منع الماء	۳۸۳	باب فی النهی ان یبیع حاضر لباد
۳۱۸	والمبیع قائم	۴۰۲	باب فی بیع فضل الماء	"	باب من اشتري مصة {
۳۱۹	باب فی الشفعة	۴۰۳	باب فی ثمن السنور	"	فکرھا
"	شفعة کے لغوی واصطلاحی {	"	باب فی اثمان الکلاب	۳۸۷	باب فی النهی عن الحکرة
"	معنی کی تحقیق و تنقیح {	۴۰۴	باب فی ثمن الخمر والمیتة	"	احتکار کی حقیقت و تعریف
۳۲۲	باب فی الرجل یفلس	"	شرح الحدیث بالتفصیل	"	احتکار کن کن چیزوں میں منع ہے
"	فیجد الرجل متاعه بعینه {	۴۰۷	باب فی بیع الطعام قبل {	۳۸۸	باب فی کسر الدراهم
۳۲۳	باب فی من احب حسینا	"	ان یستوفی	۳۸۹	باب فی التسغیر
۳۲۵	باب فی الوهن	۴۰۸	بیع قبل القبض سے نہی کن کن {	"	باب فی النهی عن الغش
"	باب فی الرجل یا کل من {	"	اشیار میں ہے	۳۹۰	باب فی خيار المتبايعین
۳۲۶	مال ولده	"	باب فی الرجل یقول عند {	"	خيار مجلس کے ثبوت میں علماء کا اختلاف
"	باب فی الرجل یجد عین {	۴۱۰	البیع لاخلابة	۳۹۳	باب فی فضل الا قتالہ
۳۲۷	ماله عند رجل	"	غائب الائمة فی خيار المغبون	"	باب فی من باع بیعتین {
"	باب فی الرجل یاخذ {	۴۱۱	باب فی العربان	"	فی بیعة
"	حقہ من تحت یدہ	"	باب فی الرجل یبیع {	۳۹۶	باب فی النهی عن العینة
۳۲۸	مسئله النظر کی تشریح اور مذاہب	۴۱۲	مالیس عندہ	"	بیع مینہ کی تعریف اور حکم

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۲۵۰	اصلاح جائز بین المسلمین { الاصلیٰ احرم جلالاً الخ {	۲۲۹	باب فی ہدایا العمال	۲۲۹	باب فی قبل الهدایا
"	انام تریڈی پر تصحیح حدیث { میں محدثین کا اعتراض {	۲۳۰	قاضی و عامل کے لئے قبول ہدیہ { کب جائز ہے {	۲۳۰	باب الرجوع فی الہبہ
۲۵۱	باب فی الشهادات	۲۳۱	باب کیف القضاء	"	باب فی الہدیۃ فی { قضاء الحاجة {
"	الاخبر کم بخیر الشہداء الخ { اور دفع تعارض بین المحدثین {	۲۳۲	قضاء علی الغائب میں { اختلاف علماء {	"	باب فی الرجل یفضل { بعض ولیدۃ فی النحل {
۲۵۲	باب فی الرجل یعلن علی { خصومتہ من غیر ان یعلم { امرہا {	۲۳۳	باب فی قضاء القاضی { اذا اخطأ {	۲۳۳	باب فی عطیۃ المرأة { بغیر اذن زوجها {
۲۵۳	باب فی شہادۃ الزور	۲۳۴	قضاء القاضی کا نفاذ صرف { ظاہر ہو تا ہے یا ظاہر و باطن {	"	باب فی العمری
"	باب من ترد شہادۃ	۲۳۵	آپ کے لئے جواز اجتہاد	۲۳۵	باب فی الرقبی
۲۵۴	باب شہادۃ البدوی { علی اہل الامصار {	۲۳۶	باب کیف یجلس الخصمان { بین یدی القاضی {	۲۳۶	باب فی تضمین العاریۃ
"	باب الشہادۃ علی الرضاع	۲۳۷	باب القاضی یقضی { وہو غضبان {	۲۳۷	باب ینمن افسد شیئاً { یغرم مثله {
۲۵۵	باب شہادۃ اہل الذمۃ { والوصیۃ فی السفر {	۲۳۸	باب الحکم بین اہل الذمۃ	"	وجوب ضمان کا ضابطہ
"	عدی بن بدار اور تمیم داری { کا قصہ {	۲۳۹	باب اجتہاد الرأی فی القضاء	"	آپ کے کمال حسن معاشرت { کی حکایت {
۲۵۶	باب اذا علم الحاكم { صدق شہادۃ الواحد {	۲۴۰	قول معاذ اقضی بکتاب اللہ قال { فان لم تجد فی کتاب اللہ الحدیث {	۲۴۰	باب المواشی تفسد { نزع فتوم {
"	قضاء القاضی بعلمہ میں { مذہب ائمہ {	۲۴۱	حجۃ قیاس کا ثبوت { حدیث الباب سے {	۲۴۱	کتاب القضاء
"		۲۴۲	محدثین کا اس حدیث پر نقد	"	باب فی طلب القضاء
		۲۴۳	باب فی الصلح	"	باب فی القاضی یخطئ
		"		"	باب فی طلب القضاء { والتسرع الیہ { باب فی کراہیۃ الرشوة

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۳۹۵	باب فی الاوعیۃ	۳۷۴	کتابۃ العلم	۳۷۷	آپ ﷺ کے شراہ میں کا ایک عبرت کا واقعہ
"	نہی عن الدباء والحتم والمزفت الخ	"	باب التشدید فی الکذب علی	۳۷۸	باب القضاء بالیمن والشاهد
"	مکینزہ میں فیضانے کی مصلحت	"	رسول اللہ ﷺ	۳۷۹	فکان سهیل بعد یحدثه عن {
"	اوعیہ اربعہ کی تشریح	۳۷۵	باب الکلام فی کتاب اللہ بلا علم	"	وبعۃ عنه الخ
۳۹۶	وفد عبد القیس والی حدیث کی شرح	"	حدیث الباب کی شرح اور تفسیر بالرائے	"	من حدث ونسی
۳۹۹	باب فی الغلبین	۳۷۷	باب تکریر الحدیث	"	بعث رسول اللہ ﷺ حبشۃ الی بنی
"	کجھور کی مختلف انواع اور ان کے اسامہ	"	کان اذا حدث حلیۃ اعاده {	"	العنبر الحدیث ، اور اس کی
۵۰۰	باب فی نبیذ البسر	"	ثلاث مرات	"	مفصل شرح
"	باب فی صفۃ النبیذ	۳۷۸	باب فی سرد الحدیث	۳۸۱	باب الرجلان یدعیان نشینا ولیس {
۵۰۲	باب فی شراب العسل	"	باب التوفی فی الفتیاء	"	بینہما ہینۃ
۵۰۳	تحريم عمل والی حدیث	"	نہی عن القلو طات	۳۸۲	باب الیمن علی المدعی علیہ
۵۰۴	تحريم غسل اور تحريم ماریکا بیان	۳۷۹	باب کراہیۃ منع العلم	"	باب کیف الیمن
۵۰۵	باب فی النبیذ اذا غلا	۳۸۰	باب فضل نشر العلم	۳۸۳	باب الرجل یحلف علی علمہ {
"	باب الشرب فانما	۳۸۱	باب الحدیث عن بنی اسرائیل	"	فیما غاب عنه
۵۰۶	باب الشراب من فی السقاء	"	باب فی طلب العلم لغير الله تعالیٰ	"	باب اللیسی کیف یستحلف
"	باب فی اختناث الاسقبۃ	"	باب فی القصص	"	باب الرجل یحلف علی حقہ
۵۰۷	باب فی الشرب من للمة القدح	۳۸۲	لا یقص الامیرا وماور او مختار	۳۸۳	باب فی الذین هل یحبس بہ
"	باب فی الشرب فی انیۃ {	۳۸۳	کتاب الاشربہ	۳۸۵	باب فی الوکالۃ
"	الذهب والفضۃ	۳۸۴	باب تحريم الخمر	"	باب فی القضاء
۵۰۸	باب فی الکروع	۳۸۵	اشرب کے بارے میں حنفی اور جمہور علماء {	۳۸۷	ان رجلا خاصم الزبیر فی شراج {
۵۰۹	باب فی الساقی متى بشرب	"	کالاشرب فی الفصل	"	الحرۃ الحدیث
۵۱۰	باب فی النفع فی الشراب	۳۸۶	ما اسکر کثرہ فقلیلہ منہ حرام	۳۸۸	اختصم الی رسول اللہ ﷺ
"	کیا آپ ﷺ کا معمول کھانے کے	۳۹۰	باب العصر للخمر	"	رجلان فی حریم نخلة النبی
۵۱۱	ساتھ ہی پانی نوش فرمانے کا تھا؟	"	لن رسول اللہ ﷺ فی الخمر عشرة	۳۹۱	کتاب العلم
۵۱۲	باب ما یقول اذا شرب اللبن	"	باب ماجاء فی الخمر تحلل	۳۹۰	باب فی فضل العلم
۵۱۳	باب فی ایکاء الانیۃ	۳۹۱	باب الخمر ممہیۃ	"	ان الملائکۃ لنضع احتجتها شعبت
"	❀❀❀	"	حنفی کے مسلک میں انیہ و ترج	۳۹۱	باب رواۃ حدیث اهل الکتاب
"	وینلوه الجزء السادس اوله	۳۹۲	باب ماجاء فی السکر	۳۹۲	ایک نوع کے دو باب اور ان میں جو فرق
"	کتاب الأطعمۃ	۳۹۳	نہی عن کل مسکر و مقتر	"	اسرائیلیات کا حکم
"	وهو الجزء الاخير انشاء الله تعالیٰ	۳۹۴	باب فی الدادی	۳۹۳	تورات اور انجیل کی زبان کوئی ہے؟
"		"	طلاء کی تفسیر و تحقیق	"	کاتبین و صحابہ بدر کی تعیین



# مکتوب گرامی

مکرم و محترم مولانا برہان الدین صاحب منجھلی زید مجدہم  
صدر شعبہ تفسیر و استاد حدیث، و ناظم تحقیقات شرعیہ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

..... مولانا محمد عاقل صاحب دامت برکاتکم و مدت فیوضکم۔  
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج گرامی؛ خدا کرے بہمہ وجوہ مع انجیر ہوں۔

کوئی ایک ہفتہ ہوا جناب کا گرانقدر علی تحفہ۔ الدر المنفود جلد چہارم، موصول ہوا۔ آپ نے جس درجہ اس میں محنت اور عرق نشانی کی ہے اس کا اندازہ دراصل وہی لگا سکتا ہے جس نے اس کو چہ کی سیر کی ہے، راقم بھی چونکہ اس کو چہ کا بھٹکتا راہی ہے (یار ہا ہے) اسلئے اسے قدر و قیمت کا اندازہ کرنے میں دشواری نہیں ہوئی۔ بعض جگہیں تو بے ساختہ سبحان اللہ۔ الحمد للہ، للہ درۃ جیسے دعائیہ اور تعریفی کلمات کا صحیح محل معلوم ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ یہ فیض برابر جاری رہے۔

قال ابو داؤد کی گتھی سلجھانے میں جو آپ نے زرف نگاہی اور بیدار مغزی کا ثبوت دیا ہے وہ درحقیقت کتاب کی قدر و قیمت کا تعین کرنے میں معین ہوتا ہے اور قاری کو سکون ذہنی عطا کرتا ہے، ورنہ دوسرے پہلوؤں پر تو اور لوگوں نے بھی قابل تعریف کام کیا ہے۔ جلد اول مستحاضہ کی بحث میں (ایکے اقسام و احکام) میں جو وضاحت فرمائی ہے وہ بہت ہی نافع ہے۔ اسی بحث میں انواع مستحاضہ کا بیان نمبر وار بہت آسان ہے۔

اللہ سے دعا ہے کہ وہ یہ کام مکمل کرائے تاکہ اہل علم (خاص طور سے مدرسین) کو زیادہ سے زیادہ آسانی میسر آجائے۔ اس وقت تو جلد رابع کی وصولیابی کی اطلاع اور اس پر شکر گزاری کا اظہار مقصود ہے، کتاب پر اظہار رائے نہیں۔ دعلئے خیر میں یاد رکھنے کی خصوصی درخواست ہے۔ والسلام

احقر  
محمد برہان الدین

۵۲۳/۶/۱۴

# اول کتاب الاضحیا

یہاں نسخے مختلف ہیں، ایک نسخہ میں "اضحیا" کے بجائے "الاضاحی" ہے، امام بخاری نے بھی "الاضاحی" کا لفظ اختیار کیا ہے، ہمارے نسخہ میں اسی سرخی کے بعد حدیث شروع ہو رہی ہے، و فی بعض النسخ۔ کمافی حاشیۃ المبدل۔ باب ماجاء فی ایجاب الاضاحی کی زیادتی ہے۔

**مباحث سترہ مفیدہ** | یہاں چند امور قابل ذکر ہیں (۱) اس کتاب کی ماقبل سے مناسبت (۲) اضحیۃ لغت و شرعاً (۳) اختلاف فی حکمها (۴) عدد ایام اضحیۃ میں اختلاف (۵) وقت ذبح کی ابتداء۔ (۶) مشروعیۃ اضحیۃ کی ابتداء۔

**بحث اول:**۔ اس کتاب کی مناسبت کتاب الجہاد سے ظاہر ہے کہ جہاد میں اپنی جان و مال دونوں کا انفاق اور قربانی ہوتی ہے، اور اضحیۃ میں مال خرچ کر کے حیوان کی قربانی ہوتی ہے۔ ہمارے یہاں اس کے بعد کتاب الصيد آرہی ہے، بخاری میں اس کے برعکس "کتاب الصيد والذبايح" کتاب الاضاحی سے پہلے ہے۔

**بحث ثانی:**۔ بذل الجہود میں اس میں چار لغات لکھے ہیں۔ اضحیۃ (بضم الهمزة) اضحیۃ (بکسر الهمزة) اس کی جمع "اضاحی" ہے جیسے اُمنیۃ کی جمع امانی، ضحیۃ اس کی جمع "ضحایا" کعطیۃ و عطایا، اضاخۃ اس کی جمع "اضخی" جیسے ارطۃ کی جمع ارطی، اھ۔

وفی الدر المختار: الاضحیۃ لغۃ اسم لما یذبح ایام الاضحی، من تسمیۃ الشئ باسم وقتہ اھ وقال الکرمانی، وھی ما یذبح یوم العید تقریاً الی اللہ تعالیٰ، وسمیت بذلک لانہا تفعل بالضحی اھ (الحل المفہم ص ۳۰)

اضحیۃ کی مشروعیت کتاب و سنت اور اجماع تینوں سے ہے، اما الکتاب فقوله تعالیٰ "فصل لربک وانحر" قال بعض اهل التفسیر: المراد به الاضحیۃ بعد صلاة العید، واما السنۃ فماروی عن النضر بن السهمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ انه **صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم** ضحی بکبشن المبین، الحدیث متفق علیہ، وجميع المسلمون علی مشروعیتہا (ادجز عن المغنی) **کتاب ثالث:**۔ اضحیۃ کے حکم میں وجوب اور سنیت کے اعتبار سے اختلاف ہے، اکثر علماء کے نزدیک

لہ وفی الادجز ص ۲۱۱ عن ابن عابدین: فیہ ثمان لغات: الاضحیۃ بضم الهمزة وکسرہا مع تشدید الیاء وتخفیفہا، وضحیۃ بلا همز بفتح الصاد وکسرہا، واضخۃ بفتح الهمزة وکسرہا، اھ۔

جس میں ائمہ ثلاثہ بھی ہیں یہ سنت مؤکدہ ہے، امام مالک کا قول مشہور یہی ہے، اور حنفیہ اور امام مالک - فی روایت - کے نزدیک قربانی واجب ہے، وحلی العینی عن الہدایۃ - الاضحیۃ واجبۃ علی کل مسلم حریم مومرا الوجب فقول ابی حنیفہ و محمد واحدی الروایتین عن ابی یوسف، وعنه ابنہما سنۃ، علامہ عینی فرماتے ہیں کہ امام طحاوی نے اس کا وجوب امام ابو حنیفہ کا قول قرار دیا ہے، اور صاحبین کا قول یہ کہ وہ سنت مؤکدہ ہے، دلیل وجوب ابن ماجہ کی روایت ہے من حدیث ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فروعا من کانت لہ سعة ولم یضغ فلا یقرن مصلانا،

قال العینی واخرجه الحاکم وقال صحیح الاسناد و یسطر الشیخ فی البذل — فی مستدلات الحنفیۃ فارجح الیہم الاول

**انواع اضحیہ** | بذل میں لکھا ہے اضحیہ کی دو قسمیں ہیں، واجب اور تطوع، اور پھر واجب کی چند قسمیں ہیں، ایک وہ جس کا وجوب غنی اور فقیر دونوں پر ہو جیسے مذکور قربانی اس کا وجوب مطلق ہے اسلئے کہ وجوب نذر کی وجہ سے ہے جس میں فقیر اور غنی دونوں برابر ہیں، اور ایک قسم وہ ہے جو واجب ہو فقیر پر نہ کہ غنی پر جیسے وہ جانور جس کو فقیر آدمی قربانی کی نیت سے خریدے اس لئے کہ وہ جانور شرار کی وجہ سے متعین ہو گیا بخلاف غنی کے کہ اگر وہ کوئی جانور قربانی کی نیت سے خریدے تو اس پر شرار کی وجہ سے اس کی قربانی واجب نہ ہوگی اس کو چھوڑ کر دوسری کر سکتا ہے، تیسری قسم وہ ہے ما یجب علی الغنی دون الفقیر، اور یہ اس صورت میں ہے جب کہ نہ نذر پائی جائے نہ شرار اھ۔

**اضحیہ کیلئے رغنی شرط ہے یا نہیں؟** | اس کے بعد سمجھئے کہ حنفیہ کے نزدیک جیسا کہ اوپر ہدایہ سے گذر چکا اضحیہ کے وجوب کے لئے غنی شرط ہے اور جمہور کے نزدیک اگرچہ قربانی تو سنت

مؤکدہ ہے واجب نہیں اب یہ کہ تا کد سنیت کے لئے غنی شرط ہے یا نہیں؟ تو کتب مالکیہ میں تو غنی کو شرط قرار دیا ہے ان کے نزدیک جو شخص توکب عام کا مالک نہ ہو اس کے حق میں سنت نہیں، اور کتب شافعیہ میں تصریح ہے کہ اس کے لئے غنی شرط نہیں مستطیع ہونا کافی ہے، مسافر پر اضحیہ ہے یا نہیں؟ اس پر مستقل کلام باب فی المسافر یعنی کے ذیل میں آ رہا ہے۔

فاشدا ۱۔ باب کی آخری حدیث؛ ولکن تاخذ من شعوک و اظفارک الخ کے ذیل میں بذل المجہود میں لکھا ہے

لہ اب یہ کہ سنت مؤکدہ علی الکفایہ ہے یا علی العین سو مالکیہ کے یہاں تو تصریح ہے سنت مؤکدہ لعینہ کی نفی حاشیۃ الشرح الصغیر للدرر ج ۱۲۹ قولہ من دنا کہ عینا ای علی المشہور وقیل ابنہا واجبۃ، وقولہ عینا ای علی کل واحد لعینہ من استوفی الشروط الآتیۃ اھ اور کتب شافعیہ میں اس کو سنت علی الکفایہ لکھا ہے نفی شرح الافناع ص والتعویۃ سنۃ مؤکدہ فی حقنا علی الکفایۃ ان تعد اہل البیت فلا یفعلہا واحد من اہل البیت کفی عن الجميع والا فسنۃ عین اھ وقال کاظمی فی الفتح ص ہی عند الشافعیۃ والمجہود سنۃ مؤکدہ علی الکفایۃ اھ

ثم ظاهر الحديث وجوب الاضحية الاعلى العاجز ولذا قال جمع من السلف تجب على المعسر ولؤيده حديث يارسول الله استدين واضحي قال نعم فانه دين مقضى الى آخره في البذل، يعني بعض علماء کے نزدیک فقیر پر بھی قربانی واجب ہے اس لئے کہ حدیث میں ہے ایک سائل کے سوال پر آپ نے فرمایا کہ ہاں قرض لے کر بھی قربانی کرو اس لئے کہ یہ دین ادا ہو جائے گا، یا مطلب یہ کہ یہ قربانی آدمی پر ایک قسم کا دین اور واجب ہے۔

بحث رابع :- ایام اضحیہ کی تعیین و تعداد میں کافی اختلاف ہے جس کو حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے وجہ میں تحریر فرمایا ہے، اس کے آخر میں حضرت شیخ لکھتے ہیں: والجملة ان فی تعیین ایام الاضحية سبعة مذاهب الاول يوم النحر فقط وهو مذهب داود وابن سيرين. الثاني ثلاثة ايام وهو مذهب الائمة الثلاثة وغيرهم. الثالث اربعة ايام وهو مذهب الشافعي وغيره. الرابع يوم النحر وستة ايام بعده وهو قول قتادة. الخامس عشرة ايام حكاه ابن التين السادس الى آخره في النجدة وهو مذهب ابن حزم ولرواية ابى سلمة بن عبد الرحمن وسليمان بن يسار قال بلغنا ان رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم قال الاضحي الى صلال المحرم لمن استأن بذلك (كذا في المحلى) السابع يوم في الامصار وثلاثة في منى وهو قول سعيد بن جبير وجابر بن زيد، الى آخره في الادجز اور متن ابی شجاع ۲۳۷ میں ہے وقت الذبح من وقت صلاة العيد الى غروب الشمس من آخر ايام التشريق اه اور اس کے حاشیہ میں ہے یعنی گیارہ ذی الحجہ اور بارہ اور تیرہ روى ابن حبان عن جبير بن مطعم رضى الله تعالى عنه قال قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم "وكلي ايام التشريق ذبح" اى وقت للذبح اه اس تفصیل سے معلوم ہوا ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ایام اضحیہ تین ہیں اور شافعیہ کے نزدیک چار دن ہیں دس ذی الحجہ سے لے کر تیرہ کی شام تک۔

بحث خامس :- وقت ذبح کی ابتداء کب سے ہے سو اس پر تو علماء کا اتفاق ہے ان الذبح قبل صلاة العيد لا يجوز، اور اس میں اختلاف ہو رہا ہے کہ امام کی قربانی سے قبل دوسرے لوگوں کے لئے قربانی جائز ہے یا نہیں، جمہور علماء اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جائز ہے، امام مالک کے نزدیک ذبح امام سے قبل کسی کے لئے ذبح کرنا جائز نہیں، و سبب اختلافہم اختلاف الآثار فی هذا الباب، وذلك انه جاء في بعضها انه صلى الله تعالى عليه وآله وسلم امر لمن ذبح قبل الصلاة ان يعيد الذبح وفي بعضها انه امر لمن ذبح قبل ذبحه ان يعيد ذبحه مسلم، الى آخره في الادجز اس میں مزید تفصیل باب ما يجوز في الضحيا من السن کے آخر میں آ رہی ہے۔

بحث سادس :- قربانی کی مشروعیت کی ابتداء قرآن کریم میں مذکور ہے، چنانچہ ارشاد ہے :- فلما بلغ معه السعي قال يا بني اني اري في المنام اني اذبحك فانظر ماذا ترى الآية، حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام کے جب تک اولاد نہ ہوئی تھی تو انہوں نے اللہ تعالیٰ شانہ سے دعا کی، رب صہ لی من الصالحین فبشرناہ بخلام علیہم، اس کے بعد وہ ادھر والی آیت مذکور ہے کہ جب وہ فرزند (اسمعیل علیہ السلام) ایسی عمر کو پہنچا کہ



اپنے باپ کے ساتھ چلنے پھرنے لگا بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ اس وقت ان کی عمر تیرہ سال کی ہو چکی تھی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے اس اکلوتے بیٹے سے فرمایا بر خور دار میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں تم کو ذبح کر رہا ہوں سو تم بھی سوچ لو کہ تمہاری کیا رائے ہے، اس پر انہوں نے عرض کیا یا ابنا فعل ما تو امر، ابا جان جس بات کا آپ کو حکم دیا گیا ہے آپ اس کو کر گزریئے الی آخر القصة جس میں یہ ہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام چھری چلانے لگے تو بار بار چلانے کے باوجود گلا کٹتا نہیں تھا و نادیناہ ان یا ابراہیم قد صدقت الرؤیا الآیہ روایات میں ہے کہ حضرت ابراہیم نے یہ آسمانی آواز سن کر اوپر کی طرف دیکھا تو حضرت جبریل علیہ السلام ایک مینڈھالے کھڑے تھے، یہ جنتی مینڈھا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو عطا ہوا اور انہوں نے اللہ تعالیٰ شانہ کے حکم سے اپنے بیٹے کے بجائے اس کو قربان کیا۔ (معارف القرآن لمختصاً)

یہ مضمون سنن ابن ماجہ اور مسند احمد کی روایت میں اس طرح مذکور ہے عن زید بن ارقم قال قال اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما هذه الاضاحی یا رسول اللہ؟ قال سنتہ ایکم ابراہیم علیہ السلام قالوا فما لنا فیہا یا رسول اللہ؟ قال بكل شعرة حسنة الحدیث آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بھی یہی ارشاد فرما رہے ہیں کہ یہ اضحیہ ہمارے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے اس کی ابتداء وہاں سے ہوئی ہے۔

انباؤ مخفف بن سلیم قال: وقف مع رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بعرفات

قال یا یہا الناس ان علی اهل كل بيت في كل عام اضحية وعتيرة

مخفف بن سلیم صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جس وقت ہم حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ عرفات میں وقف کرنے والے تھے تو آپ نے فرمایا اے لوگو! ہر گھر والے کے اوپر اور ان کے ذمہ ہر سال میں اضحیہ اور عتیہ ہے، اور پھر فرمایا آپ نے جلتے ہو عتیہ کیا چیز ہے؟ عتیہ وہی ہے جس کو لوگ رجبیتہ کہتے ہیں۔

وجوب اضحیہ کی دلیل | مخفف نے اس حدیث سے وجوب اضحیہ پر استدلال کیا ہے اس لئے کہ لفظ "علی" الزام اور وجوب کے لئے آتا ہے، اور دوسری چیز جو اس حدیث میں مذکور ہے،

یعنی عتیہ، وہ عند الجہور دوسری احادیث کی بنا پر منسوخ ہے لہذا قربانی کا وجوب باقی رہا، عتیہ کی تفسیر جیسا کہ خود اس حدیث میں مذکور ہے اس ذبیحہ اور قربانی کا نام ہے جو ابتداء اسلام میں رجب کے عشرہ اولیٰ میں کی جاتی تھی، اسی لئے اس کو رجبیتہ بھی کہتے ہیں۔

یہاں ایک تیسری چیز اور ہے جو احادیث میں وارد ہے یعنی فرع، ان دونوں کا ذکر کتاب الاضحیہ کے اخیر میں آخری باب "باب فی العتیہ" میں آ رہا ہے لہذا ان دونوں پر کلام انشاء اللہ تعالیٰ اسی جگہ آئے گا۔

والحدیث الخرجہ الترمذی والنسائی وابن ماجہ، قال المنذری۔

عن عبد الله بن عمرو بن العاص رضي الله تعالى عنهما ان النبي صلى الله تعالى عليه وسلم

قال: اموت بيوم الاضحية عيداً يجعله الله لهذه الامة

**شرح الحدیث** | آپ فرما رہے ہیں کہ مجھ کو اس بات کا حکم کیا گیا ہے کہ میں یوم الاضحیٰ کو عید کا دن منادوں، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس دن کو میری امت کے لئے عید کا دن قرار دیا ہے (اور چونکہ اس دن کے احکام میں سے ایک حکم شرعی قربانی کا بھی ہے اس لئے سائل نے آپ سے وہ سوال کیا جو یہاں حدیث میں مذکور ہے وہ یہ کہ ایک صحابی نے عرض کیا کہ اگر میرے پاس منیجہ کے علاوہ کچھ اور نہ ہو تو کیا میں اسی کی قربانی کروں؟ تو آپ نے فرمایا نہیں بلکہ تو ایسا کر کہ اس دن میں اپنے بال اور ناخن تراش، اور اپنی لبیں لے اور زیر ناف بالوں کا حلق کر، تیری پوری قربانی اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہی ہے۔

آپ نے ان مذکورہ امور کو گویا اس کے حق میں قربانی کا بدل قرار دیا۔

منیجہ کا اطلاق اس دودھ دینے والی اونٹنی یا بکری پر ہوتا ہے جس کو اس کا مالک کسی دوسرے ضرورت مند شخص کو کچھ مدت کے لئے دیدے تاکہ وہ اس کے دودھ سے اس مدت میں منتفع ہوتا رہے اور پھر اس جانور کو اس کے مالک کی طرف لوٹا دے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان صحابی کو اس منیجہ کی قربانی سے منع فرمادیا، یا تو اس لئے کہ وہ اس کی ضرورت کی چیز تھی اس کے پاس اس کے علاوہ کوئی اور دودھ کا جانور نہیں تھا (کذا فی المیزان) اور یا اس لئے منع فرمایا کہ جیسا کہ ابھی اوپر گذرا منیجہ کا تو آدمی خود مالک نہیں ہوتا، وہ دوسرے کی چیز ہوتی ہے جس کو بعد میں واپس کیا جاتا ہے۔ والحدیث اخرجه النسائي، قال المنذرى۔

## باب الاضحية عن الميت

عن حنّش قال رأيت علياً يضحى بكبشين فقلت له ما هذا

حنّش کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا کہ وہ ہمیشہ دو مینڈھوں کی قربانی کرتے تھے تو میں نے اس کے بارے میں ان سے سوال کیا کہ آپ دو جانور کی قربانی کیوں کرتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا: اس لئے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ کو وصیت فرمائی تھی کہ میں آپ کی طرف سے قربانی کیا کروں، لہذا ایک کی قربانی میں اپنی طرف سے کرتا ہوں اور دوسرے کی آپ کی طرف سے۔

یہ روایت ترمذی میں بھی ہے اور اس کے اخیر میں یہ زیادتی ہے۔ فلا أدعہ ابداً کہ میں اس کو چھوڑوں گا نہیں بلکہ ہمیشہ اسی طرح کرتا رہوں گا۔

**مسئلۃ الباب میں مذاہب ائمہ** | امام ترمذی فرماتے ہیں: بعض اہل علم کے نزدیک میت کی طرف سے قربانی کرنا جائز ہے اور بعض اس کو جائز نہیں سمجھتے، اور پھر عبداللہ بن المبارک کا مسلک یہ نقل کیا ہے کہ میرے نزدیک بہتر یہ ہے کہ میت کی جانب سے صدقہ کیا جائے نہ کہ قربانی، اور اگر کوئی شخص میت کی جانب سے قربانی کرے تو اس میں سے خود کچھ نہ کھائے بلکہ سبھی کو صدقہ کر دے اور یہ کہتے ہیں کہ \_\_\_\_\_

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا اپنی پوری امت کی طرف سے قربانی کرنا ثابت ہے جس میں احیاء اور اموات بھی داخل ہیں، نیز یہ بھی ثابت نہیں کہ آپ جو قربانی امت کی طرف سے کرتے تھے اس میں سے خود کچھ نوش نہیں فرماتے تھے بلکہ سب صدقہ کر دیتے تھے، اور حنفیہ کا مسلک اس میں وہ ہے جو الکوکب الدرر میں مذکور ہے، نفیہ: قوله ولم یر بعدہم ان یضی عنہ، وھولاء حملوا هذا الحدیث علی خصوصیتہ، وعندنا لہ ان یضی عن المیت غیر انہ ان کان بوصیتہ منہ لیس لہ ان یا کل منہ، وان لم یکن وصیتہ منہ حل لہ اکلہا کما فی اصحیۃ نفسہ من غیر فصل اھ

والحدیث اخر جالب ترمذی، قال المنذری۔

## باب الرجل یاخذ من شعرة فی العشر وہو یرید ان یضی

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم من کان لہ ذبیح یدبحہ فاذا اهل ھلال ذی الحجة فلا یاخذ من شعرة الا۔

لفظ ذبح کسر ذال کے ساتھ ہے یعنی ذبیحہ، وہ جالوز جس کو ذبح کرنے کا ارادہ ہے کما فی قولہ تعالیٰ و فذیناہ بذبح عظیم، اور جو ذبح بالفتح ہے وہ مصدر ہے۔

یعنی جس شخص کا ارادہ قربانی کرنے کا ہو تو اس شخص کو یکم ذی الحجہ سے لیکر قربانی کرنے تک حلقِ شعریٰ تعلیمِ اظفار نہ کرنا چاہیئے۔

**مسئلۃ الباب میں مذاہب ائمہ** | یہ بھی ظاہر یہ اور حنبلیہ کے نزدیک تحریم کے لئے ہے اور امام شافعی و مالک کے نزدیک کراہت کے لئے ہے، اور حنفیہ کے نزدیک خلافِ اولیٰ ہے کما فی البذل۔

امام ترمذی اس حدیث کے بعد لکھتے ہیں: والی هذا الحدیث ذهب احمد واسحاق وخص بعض اہل العلم فی ذلک فقالوا لا بأس ان یاخذ من شعرة واظفاره وھو قول الشافعی واجتہد بحدیث عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کان یبعث بالہدی من المذینۃ قلہ یجتنب شیئاً ما یجتنب منہ المحرم اھ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے امام شافعی کا مسلک اس میں کراہت تنزیہی لکھا ہے، غالباً امام ترمذی کی مراد لا بأس سے یہی ہے یعنی جائز مگر کراہت، اس کے بعد امام ترمذی نے امام شافعی کی دلیل میں حدیث عائشہ کو پیش فرمایا ہے، اس کا جواب عرف الشذی میں

شاہ صاحب نے یہ دیا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا باعث ہدیٰ غیر ذی الحجہ میں ہوتا تھا اسی لئے آپ اس سے اجتناب نہیں فرماتے تھے، نیز شاہ صاحب فرماتے ہیں والنقض التثاقل بالکحل یعنی حدیث الباب میں اخذ شعر اور تقلم الاظفار کی جو ممانعت ہے اس سے مقصود قربانی کرنے والے کو مشابہت اختیار کرنا ہے حلج محرم کے ساتھ۔  
والحدیث اخرجه سلم والترندی والنسائی، وابن ماجہ بمعناه قالہ المنذری۔

## باب ما يستحب من الضحايا

عن عائشة رضي الله تعالى عنها ان رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم امر بكبش

اقرون، يطأ في سواد وينظر في سواد اذن۔

**شرح الحدیث** یعنی آپ نے ایسے خوبصورت مینڈھے کی قربانی کا حکم فرمایا جس میں یہ اوصاف پائے جاتے ہوں کہ سینگوں والا ہو، چلتا ہو سیاہی میں یعنی اس کی ٹانگیں سیاہ ہوں، اور دیکھتا ہو سیاہی میں یعنی اس کی آنکھیں خوبصورت سرگیں ہوں، پیٹھتا ہو سیاہی میں یعنی اس کا پیٹ اور پہلو سیاہ ہو، پھر آپ نے فرمایا اسے عائشہ چھری لیکر آؤ اور اس کی دھار پتھر پر رگڑ کر تیز کرو، پھر آپ نے اس کو لٹایا اور ذبح کیا اور ذبح کے وقت یہ پڑھا، بِسْمِ اللّٰهِ اللّٰهُ تَقْبِلُ مِن مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ وَمِنْ أُمَّةٍ مُّحَمَّدٍ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) قربانی کے جانور کو ذبح کے وقت اس کی بائیں کروٹ پر لٹایا جائے جس سے اس کا سر ذبح کی بائیں طرف ہو جائے اور وہ اس کے سر کو بائیں ہاتھ سے دبا کر دائیں ہاتھ سے بہولت ذبح کر سکے، قالہ النووی وذكر اتفاق العلماء علیہ نیز اس کی شکل یہ ہوگی کہ اضمحیہ کا سر بجانب جنوب اور ٹانگیں شمال کی جانب میں رکھی جائیں اور بائیں کروٹ پر لٹایا جائے تاکہ جانور کا استقبال قبلہ ہو جائے۔

اس حدیث میں یہ ہے کہ آپ نے ایک مینڈھے کی قربانی اپنی اور اپنے اہل بیت بلکہ اپنی تمام امت کی طرف سے کی، کیا ایک بکری کی قربانی چند لوگوں کی طرف سے ہو سکتی ہے، اس مسئلہ کے لئے آگے کتاب میں مستقل ایک باب آرہا ہے۔  
باب فی الشاة یضعی بها عن جماعة۔

**قربانی کے جانور میں شرکت** اس میں بعض علماء جیسے امام مالک و احمد و اوزاعی کا مسلک یہی ہے کہ ایک بکری پورے ایک گھروالوں کی طرف سے کرنا جائز ہے اگرچہ وہ سات سے بھی زائد ہوں، اور دو گھروالوں کی طرف سے جائز نہیں اور اسمیں مذاہب ائمہ کی تفصیل و تحقیق

اگرچہ ان کی تعداد سات سے کم ہو، کذا فی البدائع وغیرہ و سبھی تفصیل المذاهب، حنفیہ کی طرف سے اس کا یہ جواب دیا گیا ہے یا تو یہ کہا جائے کہ یہ حدیث منسوخ ہے اس حدیث کی بنا پر جو آئندہ باب البقر عن کم تجزئ کے تحت آرہی ہے

اور یہ کہا جائے کہ یہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیات میں سے ہے، اور تیسری تاویل یہ کی گئی ہے کہ اس سے مقصود شرکۃ فی الثواب ہے نہ کہ تفضیہ عن الجميع، واللہ تعالیٰ اعلم۔ یہ آخری توجیہ زیادہ عمدہ معلوم ہوتی ہے۔

موظا مالک میں الشکرۃ فی الصغایا، عنوان کے تحت اور جرح مہم میں حضرت شیخ رحمہ اللہ تعالیٰ نے مذاہب ائمہ اس طرح لکھے ہیں امام مالک کا مسلک علامہ باجی مالکی سے یہ نقل کیا ہے کہ ان کے نزدیک ہدی واجب میں اور اضحیہ میں یہ بات جائز نہیں ہے کہ ایک جماعت قربانی کے جانور کی قیمت میں شریک ہو کر خریدیں اور اس کی قربانی کریں خواہ وہ بقرہ ہو یا بدنہ، اور ہدی تطوع میں ان کے دو قول ہیں، قول مشہور یہی ہے کہ اس میں بھی اشترک جائز نہیں، اور دوسری روایت اس میں ان سے جواز کی ہے، اس کے بعد لکھتے ہیں کہ امام مالک کے نزدیک یہ بات جائز ہے کہ ایک شخص کے لئے قربانی کا جانور ہو اور وہ اس کی قربانی کرے اپنی طرف سے اور اپنے اہل و عیال کی طرف سے اگرچہ وہ سات سے زائد ہوں اھ گویا اس کا حاصل یہ ہوا کہ امام مالک کے نزدیک قربانی کا جانور بقرہ ہو یا بدنہ یا شاة اس کی قربانی ایک ہی شخص کی طرف سے ہو سکتی ہے، ہاں خاص اپنے اہل بیت کی اس میں اگر نیت کرے تو وہ درست ہے چاہے وہ اہل بیت سات سے زیادہ ہی کیوں ہوں، اور حنفیہ کا مسلک باجی نے یہ بیان کیا ہے کہ ان کے نزدیک ہدی اور اضحیہ ہر دو میں سات شخصوں کی شرکت ہو سکتی ہے (ای فی البدنۃ والبقرة) بشرطیکہ تمام شرکاء کا مقصود اس ذبح سے قربت ہو گو وجہ قربت مختلف ہوں، جیسے جزاء صید اور فدیہ اذی وغیرہ، اور اگر ان شرکاء میں سے کسی شریک کا مقصود قربت نہ ہو بلکہ لحم مقصود ہو تو وہ قربانی درست نہ ہوگی وہ فرماتے ہیں کہ امام شافعی کے نزدیک ہر صورت میں جائز ہے (سب کا مقصد قربت ہو یا نہ ہو) اور ان دونوں (حنفیہ شافعیہ) کا اس پر اتفاق ہے کہ سات سے زائد کی شرکت جائز نہیں، فالخلاف بیننا وبينهم فی فصلین احدهما انہ لا يجوز الاشرک فی الرقبۃ عندنا ويجوز عندہم والثانی انہ يجوز عندنا ان تتخرق البدن الواحدة عن اکثر من سبعة وعندہم لا يجوز ذلک اھ علامہ باجی نے حنابلہ کا مسلک نقل نہیں کیا، ابن قدامہ نے ان کا مسلک اس میں حنفیہ اور شافعیہ ہی کے موافق لکھا ہے، یعنی یہ کہ بدنہ و بقرہ میں سات نفر کی شرکت ہو سکتی ہے، نیت قربت کا ہونا شافعیہ کی طرح ان کے یہاں بھی ضروری نہیں اور مالکیہ کے نزدیک تو چونکہ نفس شرکت ہی جائز نہیں اس لئے وہاں اتحاد نیت یا اختلاف نیت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، ابن قدامہ فرماتے ہیں کہ بدنہ و بقرہ میں سات کی شرکت مطلقاً جائز ہے سواء کان المشرکون من اہل بیت اولم یکنوا، پھر آگے ابن قدامہ نے کفایۃ عن اہل بیت واحد والے مسئلہ میں لکھا ہے ولا بأس ان یذبح الرجل عن اہل بیۃ شاة واحدة او بقرۃ او بدنتہ نص علیہ احمد وبہ قال مالک واللیث والاذاعی اھ

اس کے بعد آپ سمجھئے کہ شاة کے بارے میں شافعیہ و حنابلہ مالکیہ تینوں کی کتب فروع میں یہ ملتا ہے انھا تجزئ عن الرجل وعن اہل بیۃ وان کا نوا سبعة او اکثر، لیکن جائز ہونے کا مفہوم ان کے نزدیک یہ ہے کہ اضحیہ تو ذابح ہی کی

طرف سے سمجھی جائے گی اور ثواب کا استحقاق بھی خاص اسی کیلئے ہوگا لیکن چونکہ ان حضرات کے نزدیک قربانی سنت علی الکفایہ ہے اس لئے یہ ایک شخص کا قربانی کرنا اس کے تمام اہل بیت کی طرف سے کفایت کر جائیگا جس کو ان کی کتابوں میں سقوط الطلب سے تعبیر کیا گیا ہے یعنی اس قربانی کے بعد باقی گھر والوں سے اٹھنے کا شرعاً مطالبہ نہیں رہا اور حدیث الباب جس میں یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے کبش واحد کی قربانی اپنی اور پوری امت کی جانب سے فرمائی اس کو انہوں نے خصوصیت پر محمول کیا ہے حصول ثواب للامة کے حق میں۔  
والحدیث اخرجه مسلم قال المنذرى۔

نحو سبب بدعات پیدا کیا ماوضی بالمدينة بکشین اقوتین املحین۔

**شرح الحدیث** | یہ حدیث بخاری کی کتاب الحج میں "باب من خرمه بیده" اسی طریق سے اسی طرح مروی ہے ملاحظہ فرمائیے کہ واقعہ مکہ مکرمہ کا ہے، اور کبشین المہین کی قربانی کا واقعہ۔ جیسا کہ روایت میں تصریح ہے۔ مدینہ منورہ کا ہے، اب یہ سوال ہوگا کہ حج میں تو آپ نے جیسا کہ روایات میں تصریح ہے ایک سو ہدایا کا نحر فرمایا تھا اس کا جواب کتاب الحج کی طرف رجوع کرنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اس میں روایات مختلف ہیں سب بدعات کی بھی ایک روایت ہے، اور سبب کی تخصیص کی ایک وجہ کتاب الحج میں یہ گزر چکی کہ یعنی ان میں سے ہر ایک آپ کے قریب ہو رہی تھی کہ دیکھیں ہم میں سے کس سے ابتداء فرماتے ہیں۔ کلہن یذلفن الیہ بایتہن پیدا ملہ

املح وہ جانور جس کے بالوں کی سفیدی اس کی سیاہی پر غالب ہو (بذل) وہی المرات، الالاح انفل من الملحہ وہی بیاض بخالط السواد وعلیہ اکثر اہل اللغة وقیل بیاضہ اکثر من سوادہ، وقیل هو نفی البیاض اھ (عون) تنبیہ: یہ حدیث تمام صحیح بخاری میں موجود ہے کما تقدم فالعجب من الحافظ المنذری حیث قال اخرج البخاری قصۃ الکبشین فقط بخوہ۔

عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال ذبح النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

لہ ففی شرح الاقتناع من فروع الشافعیہ ص ۲۴۰ وتجزی البدن عن سبعة ذک البقرة، وتجزی الشاة عن واحد فقط، فان ذبحا عنہ وعن اہل اعدنہ وشرک غیرہ فی ثوابہا جاز اھ وہی ہامشہ، والشاة عن واحد فقط فان قلت ہذا مناف لما بعدہ حیث قال فان ذبحا عنہ وعن اہل اعدنہ اجیب بان لا منافاة، لان قوله عن واحد ای من حیث حصول التضییۃ حقیقۃ، وما بعدہ الحاصل للغير انما هو سقوط الطلب عنہ، واما الثواب والتضییۃ حقیقۃ فخاصان بالفاعل علی کل حال اھ وہی الرض المربع وقیل المارب من فروع المجاہلہ، تجزی الشاة عن واحد واهل بیتہ وعلیہ والبدنہ والبقرة عن سبعة۔ لہ لیکن البوداؤد میں یہ حدیث عبد اللہ بن قرقطی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے ہے ولغظہ وقرب لرسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بدعات خمس ادست فطفق بزللفن الیہ بایتہن پیدا ملہ حدیث۔



یوم الذبیح کبشین اقربین املحین موحثین، وفي بعض النسخ موحثین، وفي بعضها موحثین یعنی خصی، خطاباً کہتے ہیں اس میں دلیل ہے اس بات پر کہ خصی کی قربانی مکروہ نہیں اور بعض اہل علم نے اس کو مکروہ قرار دیا ہے لنقص العضو، لیکن یہ نقص عیب نہیں ہے اس لئے کہ خنثار کی وجہ سے گوشت عمدہ ہو جاتا ہے اور اس کی رائحہ کمرہ بہ دور ہو جاتی ہے۔

اور اس کے بعد والی حدیث میں جس کے راوی ابوسعید خدری ہیں اس میں ہے کبش اقرب فحیل یعنی ایسا کبش جو جفتی میں بہت عمدہ ہو، اور فحل کا اطلاق مطلق نہ رہتا ہے، دونوں روایتوں میں بظاہر تعارض ہے جیسا کہ ابن العربی نے ہی سمجھا دیا ہے کہ اس حدیث ابوسعید سے اس روایت کی تردید ہو رہی ہے جس میں ابو جوثین وارد ہوا ہے، حافظ فرماتے ہیں یہ بات نہیں بلکہ اس میں احتمال تعدد واقعہ کا ہے ایک مرتبہ آپ نے قربانی خصی کی کی اور ایک مرتبہ غیر خصی کی۔ (تحفۃ الاحوذی)

حدیث جابر بنی اللہ تعالیٰ عنہ، ازہ بن ماجہ وحدیث ابی سعید ازہ بن ماجہ والترمذی والنسائی وابن ماجہ قالہ المنذری۔

## باب ما يجوز في الضحايا من السن

یعنی کس عمر کے جانور کی قربانی جائز ہے۔

عن جابر بنی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم لا تذبحوا

الأمیسة الا ان یعسر علیکم فتذبحوا جذعہ من الضانی۔

مسئدہ کا مصداق مع اختلاف النہ | آپ فرما رہے ہیں کہ قربانی فہرہ سنہ کی کیجیے اور اس کم کی نہ کیجیے، مسئدہ بمعنی عمر والا جس کو شی بھی کہتے ہیں، پھر جانتا چاہئے کہ مسئدہ ہر جانور کا الگ الگ ہوتا ہے، پس مسئدہ الابل وہ ہے جو پانچ سال کا ہو کر چھٹے سال میں داخل ہو جائے اور مسئدہ البقر وہ ہے جو پورے دو سال کا ہو کر تیسرے میں داخل ہو جائے اور غنم میں خواہ وہ بھیڑ ہو یا بکری وہ ہے جو پورے ایک سال کا ہو کر دوسرے میں داخل ہو جائے۔

جانتا چاہئے کہ غنم جنس ہے جس کی دو صنف ہیں معز (بکری) اور ضأن (بھیڑ) اس کے بعد حدیث میں یہ ہے کہ اگر کسی شخص کو مسئدہ نہ حاصل ہو تو وہ جذع من الضان کر سکتا ہے، جذع لغتاً تو اس کو کہتے ہیں جو پورے ایک سال کا ہو اور شہر عا جو کم از کم چھ ماہ کا ہو تا مت لم یستہ اشھر کذا فی الہدایۃ، اور بعض علماء نے اس کی تفسیر یہ کی ہے ماتی علیہ اکثر الحول یعنی جس پر سال کا اکثر حصہ گزر چکا ہو، اس حدیث میں جذع کے ساتھ ضأن کی قید ہے اسی لئے جذع من المعز (بکری کا ششما بہ پھر) النہ اربعہ میں سے کسی کے نزدیک جائز نہیں، امام نووی فرماتے ہیں جذع

من الضأن مطلقاً سبب علماء کے نزدیک جائز ہے سوا درجد غیرہ ام لا، بذل الجہود میں لکھا ہے کہ فقہاء نے جذع کے اندر یہ شرط لگائی ہے کہ وہ ایسا تندرست اور فربہ ہو کہ اگر اس کو پورے سال والوں میں خلط کر دیا جائے تو فرق محسوس نہ ہو۔ یہ جو کچھ ہم نے مسنہ کے مصداق کے بارے میں لکھا اس میں حنفیہ اور حنابلہ کا مسلک تو بعینہ ہی ہے لیکن شافعیہ اور مالکیہ کا ان میں سے بعض میں اختلاف ہے، چنانچہ شافعیہ کے نزدیک مسنہ الغنم خواہ وہ معز ہو یا ضأن وہ ہے جو پورے دو سال کا ہو، اور جذع من المعز والضأن وہ ہے جو ایک سال کا ہو، اور مالکیہ کے نزدیک مسنہ البقر میں اختلاف ہے ان کے نزدیک مسنہ البقر وہ ہے جو تین سال کا ہو، پس شافعیہ کا اختلاف غنم میں اور مالکیہ کا بقر میں ہوا، نیز اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جذع من الضأن جس کی حدیث میں اجازت دی گئی ہے وہ ائمہ ثلاث کے نزدیک تو وہ ہے جو چھ ماہ کا ہو یا یہ کہئے ایک سال سے کم کا ہو، اور شافعیہ کے نزدیک وہ ہے جو پورے ایک سال کا ہو، یہ بھی جانتا چاہئے کہ جذع من الضأن جو عند الجہود والائمه الاربعہ جائز ہے اس میں ابن عمر اور زہری کا اختلاف ہے وہ اسکو جائز نہیں رکھتے کما فی الشرح (من الاوجز والہذل)

والحدیث اخرجه مسلم والنسائی وابن ماجہ، قال المنذری۔

عن زید بن خالد الجهني رضي الله تعالى عنه قال قسم رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله

وسلم في اصحابه ضحايا فاعطاني عتوداً جذاً

**شرح الحدیث** یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب میں قربانی کے جانور تقسیم فرمائے، آپ نے مجھے بھی ایک بکری کا بچہ (پٹھیا) عطا فرمایا۔ وہ کہتے ہیں میں اس کو لیکر آپ کے پاس آیا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہ تو جذع یعنی ناقص العمر ہے، آپ نے فرمایا تو اس کی قربانی کرے۔

یہ جذع اگر من المعز تھا تب تو یہ ان صحابی کی خصوصیت ہوگی کسی اور کے لئے جائز نہ ہوگا، اور اگر جذع من الضأن تھا تب خصوصیت پر حمل کی ضرورت نہیں۔

والحدیث اخرجه البخاری ومسلم من روايه عقبة بن عامر الجهني رضي الله تعالى عنه، قال المنذری۔

عن عاصم بن كليب عن ابيه قال كنا مع رجل ..... فعمرت الغنم فاصرونا ديا فنادى ان

رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم كان يقول ان الجذع يوفى مما يوفى منه النسيء۔

کلیب کہتے ہیں کہ ہم ایک صحابی کے ساتھ تھے جن کا نام مجاشع ہے، ایک سال ایسا ہوا کہ کبریوں کی قلت ہو گئی یعنی پوری عمر والیوں کی، تو ان صحابی نے ایک شخص سے یہ اعلان کر لیا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ بھڑکا ششماہہ بچہ وہی کام دیتا ہے جو پوری عمر والا دیتا ہے۔

والحدیث اخرجه ابن ماجہ، قال المنذری۔

عن البراء رضى الله تعالى عنه قال خطبنا رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم يوم النحر بعد الصلاة فقال من صلى صلاتنا ونسك نسكنا

### شرح الحديث

یعنی ایک مرتبہ آپ نے دسویں ذی الحجہ کو عید کی نماز کے بعد خطبہ دیا جس میں آپ نے فرمایا کہ جو شخص ہماری طرح اولاً عید کی نماز ادا کرے اور اس کے بعد ہماری طرح قربانی کرے تو اس کی قربانی تو درست ہے اور جو شخص عید کی نماز سے قبل قربانی کرے تو یہ اس کا ذبح کرنا گوشت کے لئے ہو گا نہ کہ قربانی کے طور پر اس پر ایک صحابی ابو بردہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ میں نے عید کی نماز سے پہلے قربانی کر لی اس پر آپ نے فرمایا کہ یہ شاة تمہاری شاة لحم ہے اس پر انہوں نے عرض کیا کہ میرے پاس ایک بکری کا بچہ ہے جذع جو دوشاة لحم سے بھی بہتر ہے، شرح نے لکھا ہے کہ مراد یہ ہے کہ کھانے والوں کے حق میں اس کا گوشت بہت عمدہ ہے یا یہ کہیے کہ چونکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان صحابی کی سابق قربانی کے بارے میں یہ فرمایا تھا کہ وہ قربانی نہیں بلکہ شاة لحم ہے اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ان صحابی نے عرض کیا کہ میرے پاس ایک بکری ہے جو گو چھوٹی ہے لیکن میری پہلی قربانی کی بکری سے گوشت اور فرہی میں تقریباً دو گنی ہے۔ تو کیا اس کی قربانی میرے لئے کافی ہوگی؟ آپ نے فرمایا تیرے لئے کافی ہو جائے گی اور تیرے علاوہ کسی اور کے لئے کافی نہ ہوگی، بظاہر یہ جذع من المعز ہو گا اسی لئے آپ نے جواز کو ان کے ساتھ مقید فرمادیا، لہذا یہ جواز ان ہی صحابی کے ساتھ خاص رہے گا، یہ روایت سنن ترمذی شریف میں بھی ہے ولفظ: قال (ای البراء) فقام خالی فقال یا رسول اللہ هذا يوم اللحم فيه مكروه وانى عجلت نسكى. وفي آخره. یا رسول اللہ عندی عنات لبن هی خیر من شاتی لحمر. عنات لبن کے معنی شرح نے یہ لکھے ہیں: بکری کا وہ دودھ پیتا بچہ جس کا ابھی تک فطام نہیں ہوا، اور کوکب الدبی میں یہ ہے کہا گیا ہے عنات لبن سے مراد یہ ہے کہ وہ بڑی عمدہ نسل کی بکری کا بچہ ہے جو بہت دودھ دینے والا ہے اور کہا گیا ہے کہ مراد یہ ہے کہ اتہام تباة بلبن کثیر کہ اس کو خوب دودھ پلا پلا کر پرورش کیا گیا ہے تاکہ خوب اچھا اور فرہ ہو جائے۔

اس کے بعد آپ سمجھئے کہ ترمذی کی اس روایت میں یہ ہے کہ: هذا يوم اللحم فيه مكروه. اس کا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ آج کے دن یعنی قربانی کے دن صبح صبح کے وقت تو گوشت پسند کیا جاتا ہے اور مرغوب ہوتا ہے اور دیر ہونے کے بعد نا پسندیدہ اور غیر مرغوب ہو جاتا ہے اسی لئے میں نے ایسا کیا کہ صبح سویرے قربانی کر لی تاکہ لوگ اس کو بشوق و رغبت کھائیں، ویسے فی نفسہ اس میں روایات مختلف ہیں، چنانچہ مسلم کی ایک روایت میں تو اسی طرح ہے، اور دوسری روایت میں ہے هذا يوم اللحم فيه مقروم جسکے معنی ہیں پسندیدہ کے، يقال ترمتم الى اللحم، وقرمته اذا اشتہيته، اس صورت میں معنی حدیث کے ظاہر ہیں کہ چونکہ آج کے دن لوگوں کی رغبت اور اشتہار گوشت کی طرف بہت ہوتی ہے

اس لئے میں نے اپنی قربانی جلدی کر لی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**قربانی کا وقت کب شروع ہوتا ہے** | اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز سے قبل قربانی درست نہیں اسی لئے اس حدیث پر امام ترمذی نے باب باندھنا ہے باب ما جاء فی الذبح بعد الصلوة امام ترمذی اس حدیث کے بعد فرماتے ہیں والعمل علی ہذا عند اہل العلم ان لا یضعی بالمصر حتی یصلی الامام وقد رخص قوم من اهل العلم لاهل القری فی الذبح اذا طلع الفجر وهو قول ابن المبارک اھ حنفیہ کا مسلک قربانی کے وقت میں یہ ہے کہ قربانی کا وقت دس ذی الحجہ کو صبح صادق ہونے پر شروع ہو جاتا ہے خواہ اہل مصر ہوں یا اہل قریہ لیکن اہل مصر کے حق میں جواز کے لئے ایک شرط زائد ہے وہ یہ کہ عید کی نماز کے بعد کی جائے اس پر تقدیم جائز نہیں ہے کذا فی البذل عن البدائع اور شافعیہ وحنابلہ کا مسلک اس میں (اہل قریہ و مصر دونوں کے حق میں) یہ ہے کہ طلوع شمس کے بعد اتنا وقت گزر جائے جس میں عید کی نماز اور خطبہ ادا ہو سکتا ہو، خواہ ابھی نماز ادا کی گئی ہو یا نہیں، بس اتنے وقت کا گزرنا کافی ہے۔ کذا فی الادب عن کتب الفروغ، یہ مسئلہ ابتدائی مباحث میں مختصراً گذر چکا ہے اس جگہ یہاں کا حوالہ دیا گیا ہے۔  
والحدیث اخرہما البخاری ومسلم والترمذی والنسائی، قالہ المنذری۔

## باب ما یکرہ من الضحایا

سالت البراء بن عازب ما لا یجوز فی الاضاحی فقال قام فیما رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم  
**شرح الحدیث** | عبید بن فیروز نے حضرت براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال کیا کہ کون سے جانور ایسے ہیں جن کی قربانی جائز نہیں تو انہوں نے فرمایا کہ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے کھڑے ہو کر ہم لوگوں کو خطاب فرمایا اور چونکہ آپ نے آنے والے مضمون کو اپنے دست مبارک کی انگلیوں کے اشارہ کے ساتھ بیان فرمایا تھا اور پھر آپ کے اتباع میں حضرت براء نے بھی اسی طرح اپنی انگلیوں سے اشارہ کیا اس لئے وہ آگے فرار ہے ہیں کہ میری انگلیاں تو بہت کوتاہ ہیں آپ کی انگلیوں سے اور میرے پورے بہت کوتاہ اور گھٹیا ہیں آپ کے پوروں سے، پس آپ نے فرمایا کہ چار قسم کے جانور ایسے ہیں جن کی قربانی جائز نہیں (۱) ایک عوراء جس کا عور بالکل ظاہر ہو یعنی جس کی ایک آنکھ خراب ہو اس سے نظر نہ آتا ہو اس کی قربانی جائز نہیں، اور اگر وہ دونوں آنکھوں سے اندھا ہو تو اس کی قربانی بطریق ادنیٰ ناجائز ہوگی (۲) وہ مریض جانور جس کا مرض صاف ظاہر ہو، اس سے مراد وہ مریض ہے الی لا تعلف جس نے مرض کی وجہ سے گھاس کھانا چھوڑ دیا ہو (۳) عرجاء جس کا لنگڑاپن ظاہر ہو قطعاً یعنی عرج ای بین عرجھا اس سے مراد وہ جانور ہے الی لا تمشی الی المنسک کہ جو ذبح تک چل کر نہ جاسکے (۴) الکبیر یعنی بوڑھی اور راز عمر

التي لا تنتهي يعني التي لا تنتهي لها انقي بروزن سذر ہڈی کے اندر کا گودا یعنی ایسی بوڑھی جس کی ہڈیوں میں گودا تک نہ رہا ہو، اس کے بعد روایت میں یہ ہے کہ میں نے براہ سے عرض کیا کہ میں قربانی کے جانور میں یہ اچھا نہیں سمجھتا ہوں کہ وہ کم عمر ہو، انہوں نے فرمایا کہ جو تجھ کو پسند نہ ہو تو خود اس کو چھوڑ دے لیکن دوسرے کے لئے ناجائز قرار نہ دے نقص فی آسن سے مراد نقص شرعی نہیں ہے کیونکہ وہ تو کسی کے لئے بھی جائز نہیں بلکہ اس سے وہ نقص مراد ہے جو ظاہر میں دیکھنے کے لحاظ سے اور عرف کے لحاظ سے ہو، مثلاً ایک سال کی بکری یہ گوشت فاسد نہیں ہے لیکن شرعاً قربانی کے لائق ہے۔

اس کے بعد جانئے کہ جو چار قسمیں اس حدیث میں مذکور ہیں ان کی قربانی چاروں ائمہ کے نزدیک ناجائز ہے  
وفی الاوجز ملایہ حکى الاجماع على ذلك ابن رشد المالكي في الهداية والموافق في المعنى والشوكاني في النيل وغيرهم، وكذلك اجماع ائمة النيسابور هذه العيوب الاربعة لا يضر والكيه يمنع، ثم اختلفوا في الحد الفاصل بين البشير والكثير الى آخر ما في الادب من التفاصيل في ذلك۔

والحدیث اخرجه الترمذی والنسائی وابن ماجه قاله المنذرى۔

اخبرني يزيد ذوو موضوع قال اتيت عقبه بن عبد السميع الخ

شرح الحدیث

یزید بن جن کا لقب ذو مضر ہے وہ کہتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ عقبہ بن عبدالمطلب کے پاس گیا اور میں نے ان سے کہا کہ میں قربانی کے جانور تلاش کرنے کے لئے نکلا تھا تو مجھے ان جانوروں میں جو میں نے دیکھے اول تو کوئی پسند ہی نہیں آیا اور جو پسند آیا وہ شراب سے ماسقطہ الاسنان، اس لئے میں نے اس کو بھی ناپسند کر دیا، اس میں آپ کی کیا رائے ہے، انہوں نے جواب دیا کہ تم اس کو میرے پاس کیوں نہ لے آئے (میں اس کی قربانی کر لیتا) میں نے کہا سبحان اللہ یہ عجیب بات ہے کہ تمہارے لئے تو جائز ہو جائے اور میرے لئے جائز نہ ہو، انہوں نے فرمایا یہ اس لئے کہ تم شک کر رہے ہو اس کے جواز میں اور میں شک نہیں کر رہا ہوں، اسکے بعد انہوں نے فرمایا

انما نهى رسول الله صلى الله تعالى عليه واله وسلم عن المصفرة والمستأصلة والبخقاء والمشيعكة والكسراء الخ۔ اس کے بعد پھر آگے روایت میں ان پانچوں صفات کی تفسیر و تشریح مذکور ہے وہ یہ کہ مصفوة سے مراد وہ جانور ہے کہ جس کا کان بالکل جڑ سے جدا کر دیا گیا ہو، یہاں تک کہ کان کا سوراخ نظر آنے لگے اور مستأصلة وہ جانور ہے جس کا سینگ جڑ سے ٹوٹ گیا ہو اور بخقاء وہ جانور ہے جس کی آنکھ کی روشنی جاتی رہی ہو (اور آنکھ اپنی جگہ صحیح و سالم ہو) اور مشيعكة وہ بکری ہے جو دوسری بکریوں کے ساتھ ریوڑ میں نہ چل سکتی ہو ضعف کی وجہ سے اور كسراء وہ جانور ہے جو کسورۃ الرجل ہو۔

عن علي رضي الله تعالى عنه قال امرنا رسول الله صلى الله تعالى عليه واله وسلم ان نستشرف العين

والاذن ولا تضج بعرواء ولا مقابلة ولا صدابرة ولا خرقاء ولا مشرقاء الخ۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرما رہے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں امر فرمایا ہے کہ ہم لوگ قربانی کے جانور کی آنکھ اور کان کو بخور دیکھا کریں (کہ وہ صحیح سالم بھی ہیں) اور پھر اُنکے حدیث میں اور چار جانوروں کا ذکر ہے جن کی قربانی کرنے سے آپ نے منع فرمایا۔ ان چاروں کا تعلق عیب فی الاذن سے ہے چنانچہ مقابلہ وہ جانور ہے جس کے کان کا کچھ حصہ مقدم اذن یعنی اُنکے کی جانب سے کاٹ کر اس کو وہیں چھوڑ دیا گیا ہو (الگ نہ کیا گیا ہو) اور مدبرہ وہ جانور ہے جس کے کان کا کچھ حصہ پیچھے کی طرف سے کاٹ کر اس کو ویسا ہی چھوڑ دیا گیا ہو اور شرقا وہ جانور ہے جس کا کان طولا چیر دیا گیا ہو (ماخوذ من الشرق ای الشق) اور خرقا وہ جانور ہے جس کے کان میں گول سوراخ کر دیا گیا ہو، للتیمۃ یعنی علامت کے طور پر۔

**حدیث الباب میں مذاہب ائمہ** | ان چاروں قسموں کی قربانی شافعیہ کے یہاں ناجائز ہے لہذا یہ بھی ان کے نزدیک تحریم کے لئے ہے اور عندا حنفیہ للترزیہ، اس لئے کہ حنفیہ کے نزدیک اذن کے بارے میں یہ ہے کہ اگر وہ نصف یا اکثر مقطوع ہو تو اس کی قربانی ناجائز ہے اور اگر مادون النصف مقطوع ہو تو وہ جائز ہے، اور مالکیہ کے نزدیک ثلث اگر مقطوع ہے تو جائز ہے اور ما فوق الثلث جائز نہیں کیا یظہر من کلام الدرریر اور شافعیہ کے نزدیک اس میں مطلقاً گنجائش نہیں، ففی شرح الاقناع: ولا یجوز مقطوع بعض الاذن وان کان لیسیراً۔ وقال البوصیفہ ان کان المقطوع دون الثلث اجزاً اھ مذہب حنفی کے نقل میں اس میں تسامح ہے بلکہ ہمارے یہاں مادون النصف معفو عنہ ہے مگر تقدم اور حنابلہ کے نزدیک اذن میں دو روایتیں ہیں ایک مثل حنفیہ کے مادون النصف معاف ہے، اور دوسری روایت نصف کی ہے، ففی الروض المربع مثلاً: ویجوز مع الکراہۃ ما باذنہ او قرنہ خرق او شق او قطع اقل من النصف او النصف فقط علی ما نص علیہ فی روایۃ منیل وغیرہ اھ

والحدیث اخرجه الترمذی والنسائی وابن ماجہ قالہ المنذری۔

من علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نہی ان یضج بعضہاء الاذن

والقرن۔ یعنی مقطوع الاذن اور کسور القرن، آگے روایت میں ہے قلت لسعید بن المسیب ما الا عصب قال النصف فما فوقہ بظاہر سعید بن المسیب کے کلام کا تعلق اعصاب القرن سے ہے نہ کہ اعصاب الاذن سے اس لئے کہ اذن میں تو تفصیل ہے اور مذاہب مختلف ہیں مگر تقدم قریباً، اور اعصاب القرن یعنی کسور القرن مطلقاً جائز ہے لہذا النصف فما فوقہ اسی میں جاری ہوگا۔

حدیث علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اخرجه الترمذی والنسائی وابن ماجہ قالہ المنذری۔



## باب البقر والجزور عن کم تجزئ؟

عن جابر بن عبد الله رضي الله تعالى عنه قال كنا نتمتع في عهد رسول الله صلى الله تعالى

عليه واله وسلم تذبح البقرة عن سبعة والجزور عن سبعة الخ۔

جہور علماء کا مسلک یہی ہے کہ بقرہ ہو یا اونٹ دونوں میں سات نفر کی شرکت ہو سکتی ہے، امام ترمذی اس حدیث کی تخریج کے بعد فرماتے ہیں ہذا حدیث حسن صحیح والعمل علی ہذا عند اهل العلم، ثم قال وقال اسحاق یجری ایضا البعیر عن عشرة واحتج بحديث ابن عباس رضي الله تعالى عنهما اھ، ابن عباس رضي الله تعالى عنہما کی حدیث ترمذی میں اس سے پہلے گزر چکی، ولفظ: کنا مع رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم فی سفر فحضر الاضحية فاشترکنا فی البقرة سبعة وفي البعیر عشرة، قال ابو عیسی حدیث ابن عباس حدیث حسن غریب لانعرفه الا من حدیث فضل بن یونس اھ یہ حدیث ابن عباس ابوداؤد میں نہیں ہے باقی سنن ثلاثہ میں ہے اور حدیث جابر بخاری کے علاوہ باقی سب کتب صحاح میں موجود ہے جہور کے نزدیک یہی رائج ہے، اور علامہ شوکانی نے حدیث ابن عباس کو اضحیہ پر محمول کیا ہے اور حدیث جابر کو ہدی پر یعنی بدنہ کی قربانی میں دس آدمیوں کی شرکت ہو سکتی ہے اور اگر وہ ہدی ہے تو صرف سات کی شرکت ہو سکتی ہے والحدیث اخرجه مسلم والنسائی قالہ المندزی۔

## باب فی الشاة یضحي بها عن جماعة

مسئلة الباب اور حدیث الباب پر کلام قریب میں فی باب ما یستحب من الضحایا کے تحت گزر چکا۔

## باب الامام یدبح بالمصلی

وفی الادجز ص۔ عن المسوی الذبح فی المصلی احسن اظہاراً لشعار الدین اھ جہور کے نزدیک تو یہ عام ہے اسی لئے امام بخاری نے ترجمہ قائم کیا۔ باب الاضحية والنحر بالمصلی، لیکن امام ابوداؤد نے اس ترجمہ میں امام کے ساتھ اس کو مقید کیا جو کہ امام مالک کا مسلک ہے، ففی الابواب والترجمہ ج ۳ ص ۶۳۶ قال ابن بطال: ہوسنة للامام فامة عند مالک، قال مالک انما یذبح احد قبلہ ولید نہجوا بعده علی یقین ولستعلموامة صفۃ الذبح اھ میں کہتا ہوں، اور ہمارے یہاں ابتدائی مباحث میں بھی یہ گزر چکا ہے کہ امام مالک کا مسلک یہ ہے کہ لوگوں کے لئے قربانی کرنا اس وقت تک جائز نہیں

لہ اور مالکیہ کے مسلک کی تحقیق پہلے گزر چکی کہ ان کے نزدیک شرکت فی الاضحية جائز نہیں۔

جب تک امام قربانی نہ کر چکے۔

وحدیث الباب اخرجہ البخاری والنسائی وابن ماجہ بخوہ قالہ المنذری۔

## باب حبس لحوم الاضاحی

سمعت عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا تقول: دف ناس من اهل البادية خَضَوْا الاضاحی

فی زمان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

**مضمون حدیث** | مضمون حدیث یہ ہے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں قربانی کے موقع پر کچھ دیہات سے لوگ مدینہ آگئے، اس پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں سے فرمایا کہ وہ اپنی اپنی قربانی کا گوشت تین دن کے بقدر روک کر باقی کو صدقہ کر دیں پھر جب آئندہ سال قربانی کا زمانہ آیا تو لوگوں نے آپ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ لوگ اپنی قربانی کے گوشت سے مستفیع ہوتے تھے اور اس کی چربی کو پگھلا کر رکھ لیتے تھے اور قربانی کے چمڑوں سے مشکیزے بناتے تھے، اس پر آپ نے پوچھا، وما ذاک؟ کہ پھر کیا بات ہے (یعنی اب تم کو اس میں کیا اشکال ہو رہا ہے؟) لوگوں نے عرض کیا اس لئے کہ آپ نے لحوم اضاحی کے امساک سے منع فرمایا تھا کہ تین دن سے زائد نہ روکا جائے، اس پر آپ نے ارشاد فرمایا: انہا نہیتکم من اجل الداقة الّتی دفت علیکم، کہ میں نے تو گذشتہ سال دیہات سے آنے والوں کی وجہ سے روکا تھا (یعنی وقتی طور پر، نہ ہمیشہ کے لئے) لہذا قربانی کا گوشت کھاؤ، بھی، صدقہ بھی کرو اور ذخیرہ بنا کر بھی رکھو۔

بخاری میں ہے "باب ما یؤکل من لحوم الاضاحی وما یتر ود منها۔ قال الحافظ ای من غیر تقیید بثلث ولا نصف ثم قال والتقیید بثلاثة ایام اما نسخ واما خاص بسبب اھ۔"

**مسئلۃ الباب میں مذاہب ائمہ** | ہمارے فقہاء نے لکھا ہے کہ افضل یہ ہے کہ ایک تہائی گوشت کا صدقہ کیا جائے، اور ایک تہائی اقرباء و احباب کی ضیافت کے لئے رکھا جائے اور ایک ثلث کو اپنے لئے ذخیرہ بنائے، اور ایسا کرنا صرف مستحب ہے، اگر سارا ہی اپنی ضرورت کے لئے رکھ لے تو بھی جائز ہے، دینی "الدر المختار" وندب ترک التصدق لذی عیال غیر موشع الحال توسعة علیہم، اور کتب شافعیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ حصہ لحم اضحیہ کا صدقہ کرنا واجب ہے بلکہ افضل یہ ہے کہ ایک دو لقمہ چھوڑ کر باقی سبھی کا صدقہ کیا جائے

(من الابواب والترجم صحیح)

والحدیث اخرجہ مسلم والنسائی قالہ المنذری۔

باب کی حدیث ثانی میں ہے "فکلوا وادخروا وادخروا" یہ لفظ اجر سے ماخوذ ہے جس کو باب افتعال میں لے گئے یعنی الاستیجار یعنی جبر و ثواب حاصل کرنا کوئی اس کو تشدید تاکہ ساتھ نہ پڑھے و اتجر و اکیونکہ یہ تجارت سے نہیں ہے۔  
والحدیث اخرجه النسائی بتمامہ، وابن ماجہ مختصراً علی الاذن فی الادخار فوق ثلاث، و اخرج مسلم الفصل الثانی فی ذکر الاکل والشرب والذکر قال المنذری۔

## باب فی الرفق بالذبیحة

عن شداد بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: خصلتان سمعتہما من رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان اللہ یتب الاحسن علی کل شیء۔  
صحابی فرما رہے ہیں کہ دو باتیں میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے سنی ہیں جو اس ضابطہ کے تحت ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان پر یہ بات واجب کی ہے کہ وہ ہر چیز میں احسان کا لحاظ رکھے کہ اس کو حسن و خوبی اور نرمی کیساتھ کرے۔ آگے ان دو خصلتوں کا بیان ہے کہ اگر تم کسی کافر کو قتل بھی کرو تو اس کو اچھے طریقہ سے کرو یعنی مثلہ نہ کرو، اور ایسے ہی جب کسی جانور کو ذبح کرو تو اس کو ذبح بھی اچھی طرح کرو، یعنی چھری کو اچھی طرح تیز کرو اور ذبیحہ کو راحت پہنچاؤ کہ ذبح کے بعد فوراً اس کی کھال نہ کھینچو بلکہ اس کے ٹھنڈا ہونے کا انتظار کرو۔  
والحدیث اخرجه مسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ قال المنذری۔

نہی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان تصبر البہائم  
شرح الحدیث صبر کے معنی روکنے اور قید کرنے کے ہیں، اور مطلب یہ ہے کہ جانور کو قاعدہ کے اندر ذبح کیا جائے جو ذبح کا طریقہ ہے، اور صبر بہائم یہ ہے کہ کسی جانور مثلاً کسی مرغی کو باندھ جوڑ کر اس کو سامنے بٹھا کر اس کو تیر کا نشانہ بنایا جائے، اور جس جانور کے ساتھ ایسا کیا جائے اس کو مصبورہ اور نجمۃ بھی کہا جاتا ہے، چونکہ یہ ذبح ذبح شرعی نہیں ہے اس طرح وہ جانور حلال بھی نہیں ہوتا حرام ہو جاتا ہے، جیسا کہ کتاب الاطعمۃ میں آئے گا۔  
والحدیث اخرجه البخاری ومسلم والنسائی وابن ماجہ قال المنذری۔

## باب فی المسافر یضحی

امام شافعی کا مسلک یہ ہے کہ اضحیہ کی سنیت سب لوگوں کے حق میں ہے مقیم ہو یا مسافر، امام مالک کا مسلک بھی یہی ہے کہ مقیم و مسافر سب کے حق میں سنت ہو لہذا ہے الا الحجاج یعنی قاہنم لاضحیہ علیہم وسنتہم الہدی (الکافی لابن عبد البر)

لہ وفیہ وقال مالک: الصدقة بمن الضحیہ بمن احب الیہ

اور حنفیہ کے نزدیک مسافر کے حق میں قربانی واجب نہیں ہے صرف مقیم کے حق میں واجب ہے۔  
 حدیث الباب میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی جس قربانی کا ذکر ہے بظاہر یہ سفر حجۃ الوداع کا واقعہ ہے۔  
 بذل میں ہے، فاضیۃ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم محمولہ عندنا علی السقوط اھ  
 والحدیث اخرجه البخاری ومسلم والنسائی قالہ المنذری

## باب فی ذبائح اهل الكتاب

اہل کتاب کے ذبیحہ کی اباحت پر ابن قدامنہ نے مغنی میں علماء کا اجماع نقل کیا ہے، البتہ اہل کتاب کے صید میں اختلاف ہے، اکثر علماء کی رائے تو اس میں بھی اباحت ہی کی ہے البتہ امام مالک کا اس میں ابن قدامنہ نے اختلاف لکھا ہے  
 ولغة: الا ان مالکاً اباح ذبائحهم وحرم صيدهم، ولا يصح لان صيدهم من طعامهم فيدخل في عموم الآية اھ (تراجم ص ۲۵)  
 قلت: قال الدردير: لا كافر ولو كذباً فلا يؤكل صيده ولو سمي الله عليه لان الصيد رخصة والكافر ليس من اهلها اھ لیکن  
 کتاب الکافی لابن عبد البر میں یہ لکھا ہے کہ امام مالک کے نزدیک صید اہل کتاب مکروہ ہے حرام نہیں، بقول الشرح وجل  
 "تتأله ایدیکم ورماحکم یعنی اہل الایمان، وهو عند جمهور اہل العلم مثل ذبائحهم اھ۔

عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما في قوله تعالى: وان الشياطين ليوحون الي اولياءهم يخافون  
 یعنی شیاطین کفار کے دل میں یہ بات ڈالتے ہیں کہ تم اللہ کے ذبیحہ کو تو کھاتے نہیں۔ اللہ کے ذبیحہ سے مراد  
 وہ جانور جس کو اللہ تعالیٰ نے موت دیدی ہو یعنی میت۔ اور اپنے ذبیحہ کو تم حلال سمجھتے ہو اور کھاتے ہو یعنی یہ کیسی  
 بے انصافی ہے، تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی، "ولاتا کلوا مما لم يذكر اسم الله عليه" یعنی اس جواب کا حاصل یہ ہے کہ انسان  
 کا ذبیحہ محض اس وجہ سے حلال نہیں ہے کہ وہ انسان کا ذبیحہ ہے بلکہ اس حیثیت سے کہ اس پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا  
 گیا ہے، بخلاف ما ذبح اللہ کے کہ اس پر اللہ تعالیٰ کا نام نہیں لیا جاتا۔  
 والحدیث اخرجه ابن ماجه قالہ المنذری۔

## باب ما جاء في اكل معاقرۃ الاعراب

معاقرۃ بمعنی ذبح، لیکن یہاں پر یہ مصدر بمعنی مفعول ہے ای معاقرۃ الاعراب۔  
 نہی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عن معاقرۃ الاعراب۔

یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے گاؤں اور جاہلوں کے ذبیحہ کے کھانے سے منع فرمایا ہے  
 اس سے مراد وہ قربانی ہے جو بطور فخر و ریاء اور دوسروں کے مقابلہ کے لئے کی جائے، فقہار نے لکھا؟

شرح الحدیث

وذلك كل طعام صنع ريار ومفاخرة، یعنی جو قربانی یا کھانا صرف نام و نمود کے لئے کیا جائے اس کا کھانا ممنوع ہے۔  
**خاندلا:** اسی قسم کی ایک اور حدیث کتاب الجنازہ باب کراہیۃ الذبح عند القبر میں آرہی ہے قال رسول اللہ  
 صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم لا عقر فی الاسلام، اس حدیث کے معنی دوسرے ہیں جیسا کہ ترجمۃ البہار معلوم  
 ہو رہا ہے چنانچہ وہاں متن میں آرہا ہے کاؤا یعقرون عند القبر بقرۃ او بشی، یعنی زمانہ جاہلیت میں بعض لوگ اپنے  
 کسی سخی کی قبر پر اونٹ وغیرہ کوئی جانور ذبح کیا کرتے تھے، بعض تو اس خیال سے کہ شیخ اپنی زندگی میں مہمان نوازی  
 کیا کرتا تھا ہم اس کے بدلہ میں اس کی قبر پر اس کی طرف سے یہ ذبح کر رہے ہیں تاکہ اس کو درندے اور پرندے کھائیں  
 اور بعض اس خیال سے ایسا کرتے تھے تاکہ جو جانور اس کی قبر پر ذبح کیا جا رہا ہے وہ قبر سے اٹھنے کے وقت اس کی  
 سواری بنے، کیونکہ بعض کفار بعث کے قائل تھے۔

## باب الذبیحة بالمروۃ

مروہ سے مراد الحجر المحمد یعنی دھاردار پتھر جو چھری کی طرح کام کرتا ہو، اور غرض مصنف کی یہ ہے کہ ہر دھاردار  
 چیز سے ذبح کرنا جس سے رگیں کٹ کر خون بہنے لگے جائز ہے، خاص چھری ہی کا ہونا اس کے لئے ضروری نہیں جیسا  
 کہ حدیث میں آرہا ہے۔

فقلت یا رسول اللہ! انا لنقی العدو غداً وليس معنا مدد، فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ  
 والہ وسلم ارن او اعجل۔

**شرح الحدیث** ارن کے ضبط میں شدید اختلاف ہے اور مختلف اقوال ہیں (۱) ارن بکسر الراء علی وزن اطع ای  
 اھلکنا ذبحاً، یعنی ذبح کر اور مار ڈال اس کو (یعنی ہر دھاردار چیز سے) (۲) کہا گیا ہے کہ  
 مجمع یہ ہے کہ یہ افطار ارن ہے من ارن یا ارن من باب سمع جس کے معنی ہیں اعجل اور مطلب یہ ہے کہ کسی بھی دھاردار  
 چیز سے اس کو ذبح کر دے اور ذبح کرنے میں جلدی کر اس لئے کہ لوہے کے علاوہ کسی دوسری دھاردار چیز سے  
 یہ خطرہ رہتا ہے کہ تمام رگوں کے کٹنے سے پہلے ہی کہیں وہ مر نہ جائے، اس لئے فرمایا کہ ذبح کرنے میں جلدی کر، اسکے  
 علاوہ اور بھی اقوال ہیں، مضمون حدیث یہ ہے حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ سے عرض کیا کہ ہم آئندہ  
 کل سفر جہاد میں جارہے ہیں (اور ہمارے ساتھ گوتلواریں ہیں لیکن ان کو تو ذبح میں استعمال کرنا مناسب نہیں)  
 اور ہمارے پاس چھریاں ہیں ہمیں تو اگر ذبح کی ذبح آئے تو کس چیز سے ذبح کریں، تو آپ نے فرمایا کہ جو آلہ بھی  
 جانور کا خون بہا دے اس حال میں کہ خون بہاتے وقت اس پر اللہ تعالیٰ کا نام بھی لیا گیا ہو تم اس کو کھاؤ، پھر آگے  
 آپ نے ایک استثناء فرمایا کہ وہ خون بہانے والی چیز دانت اور ناخن کے علاوہ ہونی چاہیے اور آگے آپ نے اس کی

وجہ بیان فرمائی کہ دانت سے تو اس لئے نہیں کہ وہ بڑی ہے، اور ناخون کے بارے میں فرمایا۔ کہ وہ حبشیوں کی چھری ہے، سن کے بارے میں آپ نے فرمایا کہ وہ بڑی ہے اس کی شرح میں امام نووی فرماتے ہیں عظم سے ذبح نہ کرو اس لئے کہ وہ خون سے نجس ہو جائے گی اور حال یہ کہ تم کو تجنیس عظم سے منع کیا گیا ہے لہذا زاد اخوانہ من الجن، اور ظفر سے منع کرنے کی وجہ آپ نے بیان فرمائی کہ وہ اہل حبشہ کی چھری ہے لہذا اس سے ذبح کرنے میں تشبہ بکفار الحبشہ ہے۔

**آلہ ذبح کیسا ہونا چاہیے**  
**اس میں مذاہب ائمہ**

آلہ ذبح کیا ہونا چاہیے؟ اس بارے میں اوجز المسائل ج ۴ ص ۱۱۱ میں مذاہب ائمہ کی تفصیل اس طرح لکھی ہے: ابن رشد مالکی فرماتے ہیں کہ علماء کا اس پر اجماع ہے کہ جو چیز حیوان کا خون بہادے اور اوداج (گلے کی رگیں) قطع کر دے

خواہ وہ حدید ہو یا پتھر یا کچھ اور اس کے ذریعہ ذبح کرنا جائز ہے، لیکن تین چیزوں میں علماء کا اختلاف ہے، سن اور ظفر اور عظم (یعنی سن کے علاوہ دوسری ہڈی) پھر آگے لکھتے ہیں کہ مالکیہ کے مذہب میں اس میں تو کوئی اختلاف نہیں کہ ذبح بالعظم جائز ہے اذا نهر الدم، البتہ سن اور ظفر ان دو میں مالکیہ کا اختلاف ہے جس میں تین قول ہیں۔

المنع مطلقا الفرق بین الانفصال والاتصال اور تیسرا قول یہ ہے کہ صرف کراہیت ہے نہ کہ منع، اور ابن قدامہ نے حنابلہ کا مذہب سن اور ظفر کے بارے میں صرف عدم جواز لکھا ہے مطلقا بمنزوع، یوں یا غیر منزوع، اور مطلق عظم (غیر السن) کے بارے میں امام احمد کے دو قول لکھے ہیں، اباحت اور عدم اباحت، اور انہوں نے اباحت کو ترجیح دی ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں والاول اصح ان شاء اللہ تعالیٰ لان العظم دخل فی عموم اللفظ المبیح ثم استثنی السن والظفر خاصۃ فیبقی سائر العظام داخلا فیما یباح الذبح بہ اھ اور شافعیہ کا مسلک شرح اقناع وغیرہ میں ان تین (السن والظفر ومطلق العظم) کے بارے میں مطلقا عدم جواز لکھا ہے اتصال والانفصال کے فرق کے بغیر پھر آگے لکھا ہے کہ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ ذبح بالعظام سے نہی تعبدی ہے جیسا کہ ابن الصلاح وغیرہ کی رائے ہے یا غیر تعبدی یعنی معطل والیہ مال نووی یعنی تجنیس عظم جو کہ ممنوع ہے، اور حنفیہ کا مذہب جیسا کہ مشہور ہے الفرق بین الاتصال والانفصال یعنی ظفر اور سن اگر بدن سے متصل ہے تب ذبح ناجائز ہے اور اگر منفصل ہو تو جائز ہے لیکن ایسا کرنا مکروہ ہے، ذبیحہ میں کوئی کراہت نہیں، دنی، البدایہ، ومارواہ (الشافعی) محمول علی غیر المنزوع فان الحبشہ كانوا یفعلون ذلک، ولان آلہ جارحہ فیحصل بہ ما هو المقصود و هو اخراج الدم، بخلاف غیر المنزوع لانه یقتل بالشغل فیکون فی معنی المتخفہ (مفصلا من الادجز منہ)۔

آگے حدیث میں ہے وقد قدم سرعان من الناس فتعجلوا فاصابوا من الغنائم الخ۔

**شرح الحدیث** یعنی بعض جلد باز قسم کے لوگوں نے مال غنیمت میں سے قبل التقسیم بعض بکریاں وغیرہ ذبح کر کے کھانے کے لئے ہانڈیاں چڑھا دیں، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پیچھے کی طرف تھے جب آپ کا گذران ہانڈیوں پر ہوا تو آپ نے ان کو اوندھا کر دینے کا حکم دیدیا تاکہ کوئی کھانہ سکے۔

مال غنیمت سے انتفاع قبل التقسیم طعام کے اندر جائز ہے جس کی تفصیل کتاب الجہاد کے ابواب میں گذر گئی اس کی طرف رجوع کیا جائے۔

پھر آگے حدیث میں ہے وقسم بینہم فعدل بغير ابعثر شیاء۔ یعنی مال غنیمت کی تقسیم کے وقت آپ نے ایک اونٹ کو دس بکریوں کے برابر قرار دیا، اس سے بعض علماء جیسے اسحاق بن راہویہ وغیرہ نے اس پر استدلال کیا ہے کہ ایک اونٹ کی قربانی میں دس آدمیوں کی شرکت ہو سکتی ہے، لیکن یہ استدلال بس ایسا ہی ہے، حافظ فرماتے ہیں ولعلہ کانت قيمة الغنم اذ ذاک کذلک، یعنی ہو سکتا ہے اس زمانہ میں بازار میں دس بکریاں ایک اونٹ کی قیمت کے برابر ہوتی ہوں آگے حدیث میں ہے ومنذ بعیر من ابل القوم ولم یکن معہم خیل فرماہ رجل بسہم الخ۔ یعنی اس سفر میں یہ واقعہ بھی پیش آیا کہ اونٹوں میں سے ایک اونٹ بگڑ گیا اور متوحش ہو کر بھاگنے لگا اور قابلو سے باہر ہو گیا تو ایک شخص نے اس کے ساتھ وہ معاملہ کیا جو شکار کے ساتھ کیا جاتا ہے یعنی بسم اللہ پڑھ کے اس کے تیر مارا جس سے وہ پھر گیا اور قبضہ میں آ گیا، اس موقع پر آپ نے ارشاد فرمایا ان لہذا البہائم ابد کا وابد الوحش کہ بیشک ہمارے ان مانوس جانوروں میں بعض وحشی جانوروں کی طرح متوحش ہو جاتے ہیں پس اگر کوئی جانور اس طرح ہو جائے تو اس کے ساتھ یہ معاملہ کرنا جائز ہے، یعنی اس قسم کا جانور شکار کے حکم میں ہو جاتا ہے اور جس طرح شکار کرنے کا شریعت میں طریقہ ہے اس کو ایسے جانور میں اختیار کرنا جائز ہے۔  
والحدیث اخرجہ البخاری ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ قالہ المنذری۔

عن رجل من بني حارثة انه كان يرمى لفحة بشعب من شعاب احد فاخذها الموت الخ۔  
یعنی ایک شخص اپنی اونٹنی کو جبل احد کی کسی گھاٹی میں چر رہا تھا اسی اثنائے میں وہ اونٹنی قریب المرگ ہو گئی اس شخص نے اس کا ٹھکرنا چاہا مگر کوئی چیز نہ ملی سوائے لوبہ کی ایک سیخ کے جس کو اس نے اس کے سینہ میں گھسا دیا جس سے اس کا خون بہہ گیا اور پھر اگر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے اس کے کھانے کی اجازت دیدی ایدبح بالمرقة وشقة العصا مژذہ دھاردار پتھر اور شقۃ العصا کسی لکڑی کا دھاردار ٹکڑا اور حصہ۔  
وحدیث عدی بن حاتم ہذا اخرجہ النسائی وابن ماجہ قالہ المنذری۔

## باب ماجاء فی ذبیحة المتریة

عن ابی العشر عن ابیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ انه قال یا رسول اللہ اما ترون الذکاة الامن

اللہ او الحلق الخ

شرح الحدیث | ابو العشر اور ان کے باپ کے نام میں اختلاف ہے جس کی تفصیل بذل الجہود میں ہے، نیز ابو العشر



کے اپنے باپ سے سماع میں بھی اختلاف ہے، امام ترمذی اس کے بارے میں فرماتے ہیں ہذا حدیث غریب لانعرف الا من حدیث حماد بن سلمہ ولا نعرف لانی العشر عن ابیہ غیر ہذا الحدیث واختلفوا فی اسم ابی العشر فقال بعضهم اسمہ اسمہ بن قبطم ویقال یسار بن بکر ویقال ابن بلز، ویقال اسمہ عطار، نسب الی جدہ اھ، اور مسند احمد میں ہے الافی الحلق واللبۃ ان صحابی نے آپ سے دریافت کیا کہ کیا زکوٰۃ شرعی حلق اور لبہ ہی کے ساتھ خاص ہے؟ (حلق کا تعلق تو ذبح سے ہے اور لبہ کا خمر سے جس کا ذکر ہمارے یہاں کتاب الحج میں گذر چکا، لبہ سینہ کا بالائی حصہ (موضع القلادۃ من الصدر اور حلق تو معروف ہے) تو آپ نے ارشاد فرمایا: نہیں، بلکہ اگر جانور کی ران میں بھی جرح کر دیا جائے تو کافی ہے۔

جانتا چاہیے کہ ذکاۃ شرعی کی دو قسمیں ہیں ایک اختیاری دوسری اضطراری، اختیاری تو وہ ہے جو مانوس اور مقبوض جانوروں میں ہوتی ہے، یہ تو حلق اور لبہ ہی کے ساتھ خاص ہے، اور دوسری قسم یعنی ذکاۃ اضطراری متوحش اور غیر مانوس جانوروں میں ہوتی ہے، یعنی شکار میں یہ حلق اور لبہ کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ بدن کے کسی بھی حصہ میں جرح کر دینا، یہاں حدیث میں سائل کا سوال ذکاۃ اختیاری سے متعلق تھا جو لبہ اور حلق ہی کے ساتھ خاص ہے

اسی لئے امام ابو داؤد اس حدیث کی تشریح اور تاویل میں فرما رہے ہیں: قال ابو داؤد! لایصلح هذا الا فی المتوحش والمقحش، متوحش سے مراد تو وہی جانور ہے جس کا ذکر وَنَذَّ بَعِیْرٌ مِنْ اَبْلِ الْقَوْمِ میں گذر چکا، اور متردب سے مراد وہ مانوس اور مقبوض جانور ہے جو اوپر سے کسی نیچے جگہ میں گر جائے مثلاً کنویں میں، اور اس قسم کے جانور کا حکم جو کنویں میں گر جائے ظاہر ہے کہ اس میں ذکاۃ اختیاری کا جو طریق ہے وہ نہیں ہو سکتا، تو مصنف فرما رہے ہیں کہ حدیث الباب کا محمل ہی مجبوری والی شکل ہے، اسلئے کہ اگر وہاں بھی ذکاۃ اختیاری کو ضروری قرار دیا جائے تو ہو سکتا ہے وہ جانور اس کی نوبت آنے سے پہلے ہی مر جائے، ہمارے فقہار نے بھی ایسی مجبوری کی صورت میں اس کا حل یہی لکھا ہے امام ترمذی نے بھی اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد ہی تاویل ذکر کی ہے، وہ فرماتے ہیں قال یزید بن ہارون ہذا فی الضرۃ اھ۔

فائدہ: حضرت سہارنپوری نے بذیل المجلد میں مصنف کی اس تاویل پر ایک نقد فرمایا ہے جو بظاہر اصول اور قواعد کے مطابق ہے لیکن مصنف جو مسئلہ بیان کر رہے ہیں اس کی تصریح ہدایہ میں موجود ہے، لہذا مصنف کی تاویل اپنی جگہ درست ہے ۱۰۰۰ واحدیث اخرجه الترمذی والنسائی وابن ماجہ قالہ المنذری۔

۱۱۔ اس کی پوری تفصیل کتاب الصيد میں آرہی ہے ۱۲۔ میری ایک یادداشت میں اس طرح نکلا کہ مصنف کی توجیہ کا حاصل یہ ہے کہ یہ حدیث ذکاۃ اضطراریہ پر محمول ہے نہ اختیاریہ پر، اور مصنف نے اس کے دو فرد بیان کئے ایک متوحش کا تقدّم ان لہذہ البہائم اوابد کا وابد الوحش الخ، اور ایک متردب، اول میں تو کوئی اشکال نہیں خود حدیث میں اس کی تصریح ہے، لیکن متردب پر محمول کرنا۔۔۔

## باب فی المبالغة فی الذبح

یعنی جانور کو اچھی طرح ذبح کرنا ضروری ہے ویسے ہی معمولی سا شتر مار دیا جس سے وہ جانور آہستہ آہستہ خون بہہ کر ختم ہو جائے یہ معتبر نہیں۔

### حقیقۃ الذبح

بدل میں ترجمۃ الباری کے ذیل میں لکھا ہے حتی یقطع الحلقوم والمرئی والودجان یعنی کامل ذبح یہ ہے کہ ان تینوں رگوں کا قطع ہو جائے، حلقوم کہتے ہیں مجری النفس کو (سانس کی نالی) اور مرئی کہتے ہیں طعام و شراب کی نالی کو، اور وودجان خون کی دو رگیں و فی الہدایۃ ج ۴ ص ۵۵: والعروق التي تقطع فی الذکاة اربعة الحلقوم والمرئی والودجان لقوله علیہ السلام افری اللوداج بما شئت وھی اسم جمع وائلہ الثلاث فیتناول المرئی والودجین، پھر آگے ہدایہ میں اس مسئلہ میں اختلاف لکھا ہے ان چاروں کا قطع ضروری ہے یا اکثر کا قطع کرنا کافی ہے؟ اس پر انہوں نے مدلل بالتفصیل کلام فرمایا ہے اور دوسرے ائمہ کا بھی اختلاف لکھا ہے فارجع الیہ لوشئت۔

نہی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عن شریطة الشیطان۔

### شرح الحدیث

یعنی آپ نے اس ذبیحہ کے کھانے سے منع فرمایا ہے جس کو ناقص طور پر ذبح کیا گیا ہو۔ یہ لفظ ماخوذ ہے شرط الحجام سے حجام یعنی پچھنے لگانے والا جس جگہ پچھنے لگاتا ہے اس جگہ کو پہلے بشرط انشرکھا کر زخمی کرتا ہے، لہذا مطلب یہ ہوا کہ معمولی سا قطع کرنا جائز نہیں، اس سے وہ جانور حلال نہیں ہوتا زمانہ جاہلیت میں بعض لوگ ایسا ہی کرتے تھے کہ حلق کے بعض حصہ کو قطع کر کے اس جانور کو ویسے ہی چھوڑ دیتے تھے یہاں تک کہ وہ مر جاتا تھا، حدیث میں اس فعل کو شیطان کی طرف منسوب اسلئے کیا ہے کہ ایسی حرکت پر انسان کو وہی ابھارتا ہے، اس حدیث کی شرح خود متن میں بھی موجود ہے وہی التي تذبح فیقطع الجذء۔

— مفید نہیں اس لئے کہ متردید کو قرآن کریم میں میت کی جگہ میں دکھا ہے اگرچہ مصنف کی مراد یہ ہے کہ تردی کے بعد مطلق جرح کافی ہے یعنی ذکاة اضطرابی لیکن اس میں اشکال یہ ہے کہ اگر حدیث کو ذکاة اضطرابیہ پر محمول کریں، تب بھی درست نہیں اسلئے کہ اس صورت میں اس متردید کی موت کے دو سبب جمع ہو جائیں گے ایک تردی اور ایک جرح، جرح تو ذکاة اضطرابی میں صحیح ہے، لیکن تردی بھی چونکہ سبب موت ہے اور یہاں وہ موجود ہے اور ذکاة اضطرابیہ میں اگر دو سبب جمع ہو جائیں جن میں ایک سبب ایسا ہو جس کا شکار حلال نہیں، داتا پھر ایسا کیا ہوا شکار جائز نہیں ہوتا، یہی اشکال حضرت نے بدل میں فرمایا ہے حضرت کا یہ اشکال اور تحقیق اصول و قواعد کے مطابق معلوم ہوتی ہے لیکن متردید کی جو شکل مصنف نے لکھی ہے اس کے بارے میں جزیئہ ہدایہ رابع میں مصرح ہے اور اس کو جائز لکھا ہے فلا اشکال فی توجیہ المصنف فمدبر و تشکر، نہی علی ملک الجزیئہ بعض المطلبہ فی اثناء اندرس جزاء اللہ تعالیٰ فیہ۔

## باب ماجاء في ذكاة الجنين

عن ابی سعید قال سألت رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم عن الجنين..... فان ذكاته ذكاة امه۔

مضمون حدیث یہ ہے کہ آپ سے سوال کیا گیا کہ یا رسول اللہ ہم بعض مرتبہ جس جانور کو ذبح کرتے ہیں تو اس کے پیٹ سے بچہ نکلتا ہے اس کا ہم کیا کریں اس کو کھائیں یا پھینک دیں؟ آپ نے فرمایا کہ کھا سکتے ہو اس لئے کہ اس کی ماں کا ذبح خود اس کا ذبح ہے، یعنی وہ بچہ ذبح میں ماں کے ذبح کے تابع ہے لہذا اس کے مستقل ذبح کی حاجت نہیں اور یہ جو حکم حدیث میں مذکور ہے اس صورت میں ہے جبکہ وہ جنین مردہ ہو، اور اگر وہ زندہ نکلے اس صورت میں یہ حکم نہیں، اس صورت میں اس کے حلال ہونے کے لئے بالاتفاق ذبح کرنا ضروری ہوگا۔

**مسئلۃ الباب میں اختلاف ائمہ** | اس کے بعد آپ سمجھئے کہ اس حدیث پر ائمہ ثلاث اور صاحبین کا عمل ہے امام ابو حنیفہ کی رائے یہ نہیں ہے نفی الہدایۃ: ومن نحر ناقۃ اود ذبح بقرة فوجد فی بطنها جنینا میتا لم یوکل اشعرا ولم یسعر، وهذا عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ وهو قول زفر والحسن بن زیاد رحمہ اللہ تعالیٰ وقال ابو یوسف ومحمد رحمہما اللہ تعالیٰ اذا تم خلقۃ اکل وهو قول الشافعی لقوله علیہ السلام ذكاة الجنین ذكاة امه الى آخره وفي هامشه: وقال الامام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ فی موطاہ: فاما ابو حنیفۃ فكان یکرہ اكله حتی یخرج حیاً فیذک دکان یرد عن حماد عن ابراہیم قال لا تكون ذكاة نفس ذكاة نفسین۔

**الجواب عن الامام ابی حنیفۃ** | حنفیہ کی طرف سے اس حدیث کا ایک جواب یہ دیا گیا ہے کہ اس حدیث سے مقصود تشبیہ ہے ای ذكاة الجنین کذكاة امه، اور تشبیہ کبھی حرف تشبیہ کے حذف کے ساتھ بھی ہوتی ہے کافی قولہ تعالیٰ: وجنتہ عرضہا السموات والارض، ای عرضہا كعرض السموات والارض، اور اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے جو کہا گیا ہے کہ ایک روایت اس حدیث میں ذكاة کے نصب کیساتھ بھی ہے ذكاة الجنین ذكاة امه، اور یہ منصوب بنزع الخافض ہے کافی قولہ تعالیٰ: وصی تمرر السحاب۔

نیز امام صاحب کی طرف سے کہا گیا ہے کہ جنین میتہ جس میں علماء کا اختلاف ہو رہا ہے وہ دو حال سے خالی نہیں، یا تو وہ پہلے ہی سے اپنی ماں کے پیٹ میں میتہ ہو گا تب تو اس کی حرمت ظاہر ہی ہے، اور یا ماں کے ذبح کے بعد اس پر موت واقع ہوئی ہوگی اختلاف یعنی سانس رکھنے کی وجہ سے، لہذا اس صورت میں وہ مخففہ ہوا، یعنی ایک صورت میں میتہ اور ایک صورت میں مخففہ و کلاہما حرامان بنص القرآن، نیز کہا گیا ہے کہ اگر حدیث سے مقصود تشبیہ نہ ہو بلکہ بیان حکم اور نہایت ہوتا تو پھر اس کے لئے تعمیر اس طرح ہونی چاہئے تھی ذكاة ام الجنین ذکاتہ۔ وحیث اخرجہ الترمذی وابن ماجہ قالہ اللہ تعالیٰ

## باب اللحم لا یدری اذکر اسم اللہ علیہ ام لا

ولم یذکر عن حماد و مالک عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

**شرح السند** لفظ عن عائشة ترکیب میں لم یذکر کا مفعول یہ ہے مصنف کے اس حدیث میں تین استاد ہیں، موسیٰ اور القعنی تیسرے یوسف، لہذا مطلب یہ ہوا مصنف فرما رہے ہیں میرے استاد موسیٰ نے حماد سے اور قعنی نے اپنے استاد مالک سے اس سند میں لفظ عن عائشة ذکر نہیں کیا، بلکہ صرف تیسرے استاد یعنی یوسف بن موسیٰ نے اس کو ذکر کیا ہے، لہذا پہلے دو کی روایت مرسل ہوئی اور یہ دوسری موصول۔

مضمون حدیث یہ ہے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں بعض صحابہ نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ بعض نو مسلم لوگ ہمارے پاس ذبیحہ کا گوشت لاتے ہیں جس کے بارے میں ہم نہیں جانتے کہ انہوں نے بوقت ذبح بسم اللہ پڑھی تھی یا نہیں تو کیا ہم اس کو کھا سکتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ بسم اللہ پڑھو اور کھاؤ یعنی جو کھانے کا مسنون طریقہ ہے کہ بسم اللہ پڑھ کر کھایا جائے وہ کرو، یعنی ان نو مسلموں کے ساتھ حسن ظن کا معاملہ کرتے ہوئے اس کو کھالینا چاہیے، اور یہ مطلب نہیں کہ تسمیہ عند الاکل - تسمیہ عند الذبح کے قائم مقام ہو جاتا ہے۔

والحدیث اخرجه البخاری والنسائی وابن ماجہ قالہ للندری۔

## باب فی العتیرۃ

**فروع و عتیرہ کی بحث مع مذاہب ائمہ** عتیرہ کا ذکر کتاب الضحایا کی سب سے پہلی حدیث میں بھی گذر چکا، اور اس آئے والے باب کا حوالہ بھی، عتیرہ اس قربانی کا نام ہے جو ابتداء اسلام میں رجب کے پہلے عشرہ میں کی جاتی تھی کا تقدم فی اول الکتاب، امام ابو داؤد نے تو یہاں صرف ایک ہی باب (عتیرہ پر) قائم کیا ہے اور امام بخاری نے عتیرہ اور فروع دونوں پر الگ الگ باب قائم کئے ہیں اور دونوں میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث مرفوعہ لافزع ولا عتیرۃ ذکر فرمائی ہے، روایات میں دونوں ہی کے بارے میں اختلاف ہے نفیاً و اثباتاً، چنانچہ کتاب کے شروع میں جو حدیث گذری ہے اس میں عتیرہ کا جواز مذکور ہے اور یہاں حدیث الباب میں اس کی نفی مذکور ہے، صحیحین میں تو دونوں کی نفی اور عدم جواز مذکور ہے، البتہ سنن کی روایات اس میں مختلف ہیں، چنانچہ عتیرہ کے بارے میں تو بھی اختلاف گذر چکا اور فروع کے بارے میں اس باب کی پہلی حدیث میں تو اس کا اثبات مذکور ہے فی کل سائتہ فروع۔ اور باب کی دوسری حدیث میں اس کی نفی ہے لافزع ولا عتیرۃ اسی طرح آگے باب الحقیقہ میں ایک حدیث میں آ رہا ہے والفروع حق جمہور علماء و ائمہ ثلاث کے نزدیک تو یہ دونوں ہی منسوخ ہیں البتہ حضرت امام شافعی اور بعض

دوسرے علماء کے نزدیک یہ دونوں اب بھی مستحب ہیں جیسا کہ امام نووی نے امام شافعی سے انکے استنباط کی تصریح نقل کی ہے یہ پہلے گزر چکا کہ جمہور کا عمل تو حدیث صحیحین لافرع ولا غیرہ پر ہے اور وہ ان دونوں کو منسوخ مانتے ہیں اور حضرت امام شافعی نے اثبات اور نفی کی روایات میں دفع تعارض ایسے فرمایا ہے کہ نفی کو محمول کیا ہے نفی وجوب پر اور اثبات کی روایت کو استحباب پر۔

**فرع کی تفسیر میں اقوال** | اس کے بعد آپ سمجھئے کہ عتیرہ کی تفسیر تو اوپر گزر چکی اور فرع کی تفسیر میں اقوال مختلف ہیں۔ (۱) کسی دابہ کا پہلا بچہ (جیٹھا) جس کو مشرکین اصنام کے نام پر ذبح کرتے تھے خیر و برکت کے لئے اور ابتداء اسلام میں اس کو اللہ تعالیٰ کے نام ذبح کیا جاتا تھا، دوسرا فرق یہ تھا کہ مشرکین تو اس کو پیدائش کے بعد شروع ہی میں ذبح کرتے تھے اور ابتداء اسلام میں بڑا ہونے کے بعد جیسا کہ آگے الوداؤد کی ایک روایت مرفوعہ میں اس کا ذکر آ رہا ہے (۲) پورے گلے میں سے جو نسا جانور پہلے بیائے اس کا بچہ، خواہ فی نفسہ وہ اس کا پہلا نہ ہو، (۳) آدمی کی ملک میں بکری ہو یا اونٹ، سو کاغذ پورا ہونے کے بعد جو بچہ پیدا ہو (۴) ہر پچاس بکریوں میں سے ایک بکری کو مانی الحدیث الآتی من کل تمسین شاة شاة۔

فی کل سائمة فرع تغذولة ماشيتك حتى اذا استعمل للحجيج ذبحة فتصدق بثلثها۔

فرع کے بارے میں جیسا کہ اوپر گزر چکا کہ زمانہ جاہلیت میں اس بچہ کو پہلے ہی دن ذبح کر دیا جاتا تھا، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس حدیث میں فرما رہے ہیں کہ فرع تو برحق ہے لیکن پہلے ہی دن ذبح کرنے کی بات غلط ہے بلکہ تم کو چاہیئے کہ جب وہ تمہارا اپنا جانور ہے تو اس کو پاؤ پر درش کرو جب وہ بڑا ہو جائے سواری کے قابل ہو جائے تب اس کو ذبح کر کے اس کے گوشت کو صدقہ کرو، اور اسی طرح کی ہدایت آپ کی جانب سے آگے ایک روایت میں آ رہی ہے (جس کا حوالہ اوپر گزر چکا) والفرع حق وان تتركوه حتى يكون بكموا شغوراً ابن مغازی وابن ابی لبون اس کا ترجمہ یہ ہے: اور یہ بات کہ تم اس بچہ کو چھوڑے رکھو یہاں تک کہ وہ جوان ہو جائے، اور پھر اس کو تم کسی مسکین عورت کو عطا کر دیا جہاد میں اس کو استعمال کرو تو یہ بہتر ہے اس بات سے کہ تو پیدا ہونے کے بعد فوراً اس کو ذبح کرے اور اس کا گوشت اس کی کھال اور اون ہی کو لگا رہ جائے اور تو اپنے دودھ کے برتن کو اوندھا کرے، اور تو اس بچہ کی

لہ فی ہاش البذل: وعند الحنابلة لا یسن ولا یکرہ والمراد بالنفی عندہم نفی السنۃ لکما جزم فی "الرد المحتار"۔

لہ جیسا کہ آگے راوی کے کلام میں آ رہا ہے حکم السنۃ؟ قال: منہ، اور اسی طرح کتاب الطہارۃ میں باب فی الاستنثار میں جو حدیث طویل گزری ہے اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے وفیر قولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم لا تحسبن انامن ابلک ذبحنا، لنا غنم منہ لا نزید ان تزید فاذا ولد الراعی بہمہ ذبحنا مکا ہنا شاة الحدیث۔

ماں کو رکھ پہنچائے دودھ کے برتن کو اوندھا کرنے کا مطلب ظاہر ہے کہ جب اونٹنی کے بچہ کو بچپن ہی میں ذبح کر دیا جائے گا تو پھر وہ اونٹنی بغیر اپنے بچہ کے دودھ کیسے دے سکتی ہے۔

حدیث نبیشتہ از جرحہ النساء ابی ماجہ، وحیث ابی ہریرۃ از جرحہ البخاری ومسلم والترندی والنسائی وابن ماجہ، قالہ المنذری۔

## باب فی العقیقۃ

صحیح بخاری کا عنوان کتاب العقیقۃ ہے جس کو انہوں نے کتاب الاطعمۃ کے بعد متصلاً ذکر کیا ہے، باب الفرع والعیرۃ سے پہلے، اور اس میں امام بخاری نے صرف دو باب قائم کئے ہیں۔ ”باب تسمیۃ المولود غداۃ یولد لمن لم یعق عنہ وتحنیکہ“ اور دوسرا باب اطعمۃ الماذی عن الصبی فی العقیقۃ جس میں یہ حدیث ذکر کی ہے ”مع الغلام عقیقۃ فاهر نقوا عنہ دماً وامیطوا عنہ الماذی“۔

عقیقۃ متعلق بعض ضروری مباحث | عقیقۃ غنّ سے ماخوذ ہے جس کے معنی شق اور قطع کے آتے ہیں، عقیقۃ کا اطلاق مولود کے سر کے بالوں پر بھی ہوتا ہے جن کو قطع کیا جاتا ہے، اور اس ذبیحہ پر بھی۔

عقیقۃ ان امور میں سے ہے جو زمانہ جاہلیت میں بھی رائج تھے لیکن وہ لوگ یہ کرتے تھے کہ ذبیحہ کے خون کو مولود کے سر پر ملتے تھے، اسلام میں اصل عقیقۃ کو تو باقی رکھا گیا لیکن دوسری خصلت یعنی اللطخ بالدم سے منع کر دیا گیا اور اس کے بجائے زعفران استعمال کیا گیا، یہ مضمون باب کی آخری حدیث میں آ رہا ہے۔

آجوز میں کتاب العقیقۃ کے شروع میں دس بحثیں ذکر کی ہیں جن کا ذکر مجملۃ حاشیہ لایع اور الابواب والترجمہ میں آیا ہے۔ بحث اول تو لغوی تحقیق میں ہے اور دوسری بحث اس کے حکم میں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ عقیقۃ ظاہر یہ کہ نزدیک واجب ہے وھو روایۃ عن احمد واھسن، اور شافعیہ و حنابلہ کے نزدیک سنت مؤکدہ ہے، اور امام مالک کے نزدیک مستحب ہے کافی الموطا و کلام الدرر دیر اور حنفیہ کی اس بارے میں تین روایات ہیں، اول یہ کہ مستحب ہے وھو المعروف فی فروغہم، دوسری یہ کہ مباح ہے، اور تیسری روایت یہ ہے کہ انھما بدعت و نسب الی الامام، وانکر الانساب العلمۃ العینی، صحیح عمدۃ حنفیہ یہی ہے کہ عقیقۃ مستحب ہے البتہ صاحب بدائع کی رائے اس کے خلاف ہے انہوں نے اس کو منسوخ اور مکروہ قرار دیا ہے، موطا میں امام محمدؒ نے بھی نسخ ہی لکھا ہے لیکن اس کے حشی نے اس پر تعقب کرتے ہوئے تفصیلی کلام کیا ہے، اور کتب شافعیہ میں یہ بھی ہے کہ عقیقۃ امت کے حق میں تو مستحب ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں واجب۔

ایک بحث ان مباحث میں سے یہ ہے کہ عقیقۃ میں غلام اور جاریہ دونوں کا حکم کیسا ہے یا اس میں فرق ہے؟

جمہور اور ائمہ ثلاث کی رائے یہ ہے۔ جیسا کہ حدیث الباب میں تصریح ہے کہ غلام کی طرف سے شاتین اور لڑکی کی طرف سے شاة واحدہ، اور امام مالک کی رائے اس میں یہ ہے کہ دونوں کے لئے ایک ایک بکری ہے چنانچہ انہوں نے مؤطا میں حضرت ابن عمر کا یہ فعل نقل کیا ہے کہ کان یعنی عن ولدہ بشاة بشاة للذکور والاناث اور التین المجدی میں یہ ہے کہ جمہور کا مسلک یعنی عن الغلام شاتان وعن الجارية شاة حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے متعدد طرق سے ثابت ہے، البتہ آپ کے فعل میں روایات مختلف ہیں یعنی حضرات حسین کے بارے میں دونوں طرح کی روایتیں ہیں بعض روایات میں کہ بشاة بشاة ہے اور بعض میں کبشین کبشین۔ چنانچہ ترمذی میں ہے عن علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال عن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بشاة الحمدیث قال ابو عیسیٰ هذا حدیث حسن غریب، وفي البذل عن الحافظ، واحتج مالک بإجاز ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عن عن الحسن والحسین کبشاة کبشاة ولا حجة فیہ نقد اخرج ابوالشیخ عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بلفظ کبشین کبشین اھ میں کہتا ہوں اسی طرح ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی یہ روایت کبشین کبشین والی نسائی میں بھی ہے اور بعض کتب مالکیہ میں جیسے ارشاد السالک اس طرح ہے العقیقہ ذبح شاة اور پھر آگے ہے والا فضل عن الذکر بشاتین یعنی اولی ان کے نزدیک بھی یہی ہے کہ لڑکے کی طرف سے شاتین کی جائیں اور ابن رشد مالکی کا میلان بھی اسی طرف ہے کافی الاثر۔

عن ام کریم الکعبیة رضي الله تعالى عنها قالت سمعت رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم يقول عن الغلام شاتان مكفنتان وعن الجارية شاة۔

ام ترمذی اس حدیث کی تخریج کے بعد فرماتے ہیں: ہذا حدیث حسن صحیح والعمل علیہ..... وروی عن النسبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ایضاً عن عن الحسن بن علی بشاة اھ

**شرح الحدیث** یعنی لڑکے کی طرف سے عقیقہ دو بکریاں کی جائیں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری مکفنتان کی شرح میں مختلف قول ہیں، تقریباً تین قول ہیں (۱) ایسی دو بکریاں جو آپس میں عمر میں برابر ہوں (چھوٹی بڑی نہ ہوں) حکاہ المصنف عن الامام احمد (۲) ایسی دو بکریاں جو برابر ہوں ان بکریوں کے جو اٹھیہ میں یکجائی ہیں یعنی عمر کے اعتبار سے اس سے کم نہ ہوں، قالہ الزمخشری (۳) ایسی دو بکریاں جو برابر ہوں یا اعتبار ذبح کے یعنی دونوں کو ایک ساتھ ذبح کیا جائے، یہ نہ ہو کہ ایک کو مثلاً صبح کے وقت ذبح کیا اور دوسری کو شام کے وقت روی ذلک عن زی بن اسلم هذا باہمت من الشرح۔ والحدیث اخرجہ النسائی قالہ الشیخ محمد عوامہ۔

عن ام کریم رضي الله تعالى عنها قالت سمعت النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم يقول اقروا الطير على مكفنتها مكفنت. کو کئی طرح ضبط کیا گیا ہے فتح میم اور کسر کاف، اور دونوں کا فتح، اس صورت میں اس کے معنی لکھے ہیں۔ بیضہ، فتح میم اور ضم کاف اس کی تفسیر کی گئی ہے اماکن کے ساتھ، لہذا پہلی صورت میں حدیث کے



معنی ہوں گے کہ پرندوں کو ان کے بیضوں پر بیٹھا رہنے دو اور برقرار رکھو اور دوسری صورت میں پرندوں کو بیٹھا رہنے دو ان کے آشیانوں میں، اب یہ کہ آپ کی غرض اس سے کیا ہے فقیل الغرض المنع عن زجر الطیر وتفرغها من اماكنها اذ فيه اذى للحیوان، یعنی خواہ مخواہ بلا وجہ پرندوں کو پریشان مت کرو ان کو چھیڑ کر، وقیل الغرض المنع عن الصيد لئلا لان اللیل وقت راحتھا، یعنی رات میں پرندوں کا شکار نہ کیا جائے، رات ان کی راحت کا وقت ہے اگر شکار کرنا ہے تو دن میں کرو، وقیل الغرض المنع عن الطیرة یعنی اچھی بری فال نکالنے کے لئے ان کو ان کی جگہ سے مت اڑاؤ، اذ لا طیرة فی الاسلام لا یضی کما اذ کنانک ام اناثا، یعنی اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ وہ دونوں نر ہوں یا مادہ، والحدیث عزاه المزنی فی التحفة الی النسائی وابن ماجہ قالہ الشیخ محمد غولمہ۔

قال ابو داؤد: هذا هو الحدیث وحديث سفیان وھو، سفیان کے طریق میں عبید اللہ کے بعد عن ابیہ کی زیادتی ہے جو کہ حماد کی روایت میں نہیں ہے، مصنف اسی کے بارے میں فرما رہے ہیں کہ یہ زیادتی وہم ہے۔ والحدیث اخرجه الترمذی مختفراً واخرجه النسائی بتمامه ومختفراً، واخرجه ابن ماجہ مختفراً، قالہ المنذری، کل غلام رھینہ بعقیقۃ تذبح عنہ یوم السابع ویخلق رأسہ ویذقہ۔

**شرح الحدیث** | اور ترمذی کی روایت میں اس طرح ہے، الغلام مرتین بعقیقۃ، مرتین اسم مفعول کا صیغہ ہے بمعنی مرہون اس حدیث کی شرح میں چند قول ہیں (۱) عقیقہ ہر نومولود کے لئے لازم اور ضروری ہے جس طرح شئی مرہون کامرتین کے ہاتھ میں رہنا ضروری ہوتا ہے، تشبیہ باعتبار لزوم کے ہے گویا مقصود تاکید عقیقہ ہے اور بظاہر اس سے تائید ہوتی ہے قول وجوب کی کما ذہب الیہ بعضہم (۲) نومولود اپنے بالوں کی اذیت میں مرہون یعنی مقید اور جکڑا رہتا ہے جب تک ان کو زائل نہ کیا جائے (لہذا یہ گندے بال اس سے جلدی ہی زائل کرنے چاہئیں بعض لوگ اس میں بہت تاخیر اور سستی کرتے ہیں، ہم نے اپنے بعض اساتذہ سے اس حدیث کی شرح میں سنا کہ پچھ کا عقیقہ کر کے بلا تاخیر اس کی آلا بکلا کو دور کرنا چاہیے (۳) حضرت امام احمد سے منقول ہے کہ یہ حدیث شفاعت کے بارے میں ہے یعنی یہ کہ اگر نومولود کی طرف سے عقیقہ نہ کیا جائے اور پھر وہ صغر سنی میں مر جائے تو اپنے والدین کے بارے میں شفاعت نہیں کرتا۔ یہ پہلے گزر چکا کہ عقیقہ کا اطلاق نومولود کے سر کے بال اور ذبیحہ دونوں پر ہوتا ہے، ان معانی میں سے بھی بعض کا تعلق بالوں سے ہے اور بعض کا ذبیحہ سے

علاء میری ایک یادداشت میں اس حدیث کے معانی اس طرح لے، کل غلام مؤثمن بعقیقۃ، (۱) عقیقہ سے مراد ذبیحہ بکری وغیرہ جو ذبح کی جاتی ہے، یہ کنایہ لزوم اور وجوب سے ہر نومولود کیلئے عقیقہ لازم ہے جس طرح شئی مرہون کامرتین کے ہاتھ میں رہنا ضروری ہے جب تک قرض ادا نہ ہو (۲) ہر نومولود شیطان کے تصرفات کیساتھ مقید اور جکڑا ہوا رہتا ہے جب تک اس کا عقیقہ نہ کیا جائے، تو گویا عقیقہ بمنزلہ ذبیحہ کے ہے اس کی وجہ سے وہ نومولود شیطان کے تصرفات سے نجات پاتا ہے۔ (۳) ہر نومولود اپنے والدین کیلئے سفارش ہے وگرنہ اسے جب تک والدین اس کی طرف سے عقیقہ کر کے اس کا حق ادا نہ کریں، یہ تقریر امام احمد بن حنبل کی طرف سے ہے۔ (۴) عقیقہ سے مراد نومولود کے سر کے بال ہیں، یعنی ہر نومولود اپنے سر کے اگندے بالوں کیساتھ مقید اور جکڑا ہوا رہتا ہے جب تک ان بالوں کو اس کے زائل نہ کیا جائے (لہذا عقیقہ

**عقیقہ میں یوم السابع کی قید** | آگے حدیث میں ہے کہ عقیقہ ساتویں دن ذبح کیا جائے اور اسی طرح سر کا حلق، اس پر امام ترمذی فرماتے ہیں کہ بہتر تو یہی ہے کہ عقیقہ ساتویں دن کیا جائے،

اور اگر ساتویں دن میسر نہ ہو تو پھر چودھویں دن کیا جائے۔ اور اگر اس میں بھی میسر نہ ہو تو پھر اکیسویں دن کیا جائے، اس تعیین وقت میں فقہار کا اختلاف ہے یوم السابع کی قید مالکیہ کے نزدیک تو معتبر اور ضروری ہے، ان کے نزدیک عقیقہ یوم السابع سے پہلے معتبر نہیں اور نہ اس کے بعد معتبر ہے نیز ان سے منقول ہے کہ جو پھر یوم السابع سے پہلے مر جائے اس کا عقیقہ ساقط ہے اور ابن وہب کی روایت امام مالک سے یہ ہے کہ اگر السابع اول میں عقیقہ نہ کیا گیا ہو تو پھر السابع ثانی میں کیا جائے اور تیسرے میں بھی کچھ حرج نہیں، کذا فی اللطیع و کذا فی الدسوقی، حنابلہ کے نزدیک یہ قید ضروری نہیں، ان کے نزدیک قبل السابع بھی جائز ہے کما فی نیل المآرب، و فی الروض لطرح، ولایعتبر الا سبوع بعد ذلک فیعنی فی ای یوم اراد، اور شافعیہ کا مذہب شرع اقلع میں یہ لکھا ہے ویدخل وقته من الولادة ویسن یوم السابع، ویسقط بعد اکثر مدة النفاس و فیما بینما تردد، اور حنفیہ کا مسلک کما فی بہشتی زیورہ کہ ساتویں روز کی رعایت مستحب ہے اگرچہ کتنے ہی دن گزر جائیں، اور اس کی صورت یہ لکھی ہے کہ بچہ کا عقیقہ جب بھی کیا جائے ولادۃ والے روز سے ایک دن پہلے کیا جائے، مثلاً اگر پیدائش بچہ کی جمعہ کے دن ہے تو جب بھی عقیقہ کیا جائے جمعہ سے ایک روز قبل یعنی جمعرات کو کیا جائے (من ہاشم الہندل)

ویدعی فکان قتادة اذا سئل عن الدم کیف یصنع بہ قال اذا ذبحت الحقیقة انہ۔

**حدیث الحقیقہ میں لفظ یدعی کی تحقیق** | اس روایت میں لفظ یدعی وارد ہے تدمیر سے، جو ماخوذ ہے "دم" سے یعنی خون نکال جائے، قتادہ سے سوال کیا گیا کہ اس کی کیا صورت ہوئی چاہیے تو انہوں نے کہا کہ جو بکری تو ذبح کرے تو اس کا تھوڑا سا صوف لے اور اس صوف کو عقیقہ کے گلے کی رگوں پر لگائے اور پھر اس پھانے کو بچہ کے نالو پر مل دے یہاں تک کہ اس کے سر پر سے خون کی دھاری بہنے لگے اور پھر بعد میں سر کو دھو کر اس کا حلق کر دیا جائے۔

آگے کتاب میں ہے مصنف فرما رہے ہیں۔ یدعی، کا لفظ اس روایت میں ہمام راوی کا وہم ہے، چنانچہ اس کے بعد والی روایت میں جس کو قتادہ سے روایت کرتے والے سعید ہیں، بجائے ہمام کے اس میں یدعی کے بجائے یدعی ہے۔ امام ابو داؤد فرماتے ہیں کہ یدعی، ہی اصح ہے۔

یدعی کو وہم ہمام قرار دینے پر حافظ نے یہ اشکال کیا ہے کہ اس کو وہم قرار دینا کیونکر صحیح ہے اس لئے کہ آگے روایت میں تو یہ موجود ہے، ہمام کہتے ہیں کہ جب ہمارے استاد قتادہ سے دم کے بارے میں سوال کیا جاتا تھا کہ اس کا کیا کیا جائے، تو اس پر وہ اس کا طریقہ بتاتے، یہ سب تو ضبط ہمام پر دلالت کرتا ہے نہ کہ اسکے وہم پر، الا یہ کہ یوں کہا

جائے کہ اصل حدیث میں تو یہی تھا لیکن اس کے بعد قتادہ نے اہل جاہلیت کے دم کا ذکر کیا تو پھر ہام کے سوال پر انہوں نے اس کا طریقہ بتلایا، لیکن ہام کو وہ ہم ہوا کہ وہ یہی کے بجائے یہی نقل کرنے لگے، اور بعض نے یہ توجیہ کی کہ یہ منسوخ ہے، اور ایک توجیہ اس کی یہ کی گئی کہ اس سے مراد ٹخنوں ہے کہ بچہ کی قند کی جاتے، لیکن اس سب کے باوجود شرح نے لکھا ہے کہ بعض علماء جیسے ابن عمر اور عطاء وقتادہ استحباب تدمیہ کے قائل تھے، والحدیث رواہ الترمذی والنسائی وابن ماجہ۔

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عقی عن الحسن والحسین کبشا کبشا، اس حدیث کے بعض طرق میں کبشین کبشین ہے کما تقدم قریبا۔  
والحدیث اخرجه النسائی، قال المنذری۔

عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده قال سئل النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم عن  
العقيقة فقال لا يحب الله العقوق۔

**شرح الحدیث** یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے عقیقہ کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ عقوق کو پسند نہیں کرتے، عقیقہ اور عقوق دونوں ایک ہی اصل کی طرف راجع ہیں یعنی، عقیقہ جس کے معنی قطع اور شق کے ہیں اور اسی سے ماخوذ ہے عقوق الوالدین، آگے روایت میں ہے راوی کا کلام کہ شاید آپ کو یہ نام پسند نہیں، راوی کا یہ خیال صحیح ہے اس لئے کہ اسی حدیث میں اس کے بعد آپ عقیقہ کا حکم فرما رہے ہیں مگر عقیقہ کے لفظ کے ساتھ نہیں بلکہ لفظ ننگ کے ساتھ، لہذا اس میں اشارہ ہوا اس طرف کہ عقیقہ کے بجائے اس کو نسیک یا کسی دوسرے لفظ سے تعبیر کیا جائے جو حضرات استحباب عقیقہ کے قائل نہیں بلکہ اس کو مکروہ کہتے ہیں انہوں نے اس روایت سے بھی استدلال کیا ہے لیکن یہ استدلال ضعیف ہے پھر آگے حدیث میں فرع کے بارے میں سوال وجواب ہے جس کی شرح ہمارے یہاں باب العتیرہ میں گذر چکی، اس میں ایک لفظ شَعْنُ بَا ہے اس کے بارے میں شرح کی تحقیق یہ ہے کہ یہ لفظ مضمون ہے اور مَجْنُوزُ خُزْنُ بَا ہے ای غلیظاً قویاً، ایسے ہی اس میں ایک لفظ یہ ہے ”وَتَوَلَّى نَاقَتَكَ يَوْمَ تَوَلَّى وُكُوهُ“ سے ماخوذ ہے وهو ذهاب العقل لانجل فقدان الولد یعنی بچے کے مرنے کی وجہ سے اس کی ماں کا پاگل ہو جانا۔  
والحدیث اخرجه النسائی قال المنذری۔

سمعت ابی ہریرۃ یقول کنا فی الجاہلیۃ اذا ولد لاحدنا غلاماً  
بریدہ ترکیب میں بدل واقع ہو رہا ہے۔ ابی سے یعنی عبداللہ بن بریدہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد بریدہ سے سنا،  
اس روایت کا مضمون ہمارے یہاں ابتداء میں گذر چکا۔

## ابواب الصيد

کذا فی بعض النسخ، اور ہمارے پاس جو نسخہ ہندیہ ہے اس میں ہے۔ آخر الاضافی، اول الصيد۔

## باب اتخاذ الکلب للصيد وغيره

من اتخذ كلبا الا كلب ماشية او صيد او زرع انقص من اجره كل يوم قيراط،

حدیث سے معلوم ہوا کہ شکار کے لئے کیا پالنا اور پھر اس کے ذریعہ شکار کرنا جائز ہے، ترجمۃ الباب کے مصنف کی غرض بھی یہی ہے مسئلہ اجتماعی ہے خود قرآن کریم میں موجود ہے، یسئلونک ماذا احل لہم قتل احل لکم الطیبات وما علمتہم من الجوارح مکلبین الا یہ، اس حدیث میں یہ ہے کہ جو شخص امور ثلاثہ مذکورہ فی الحدیث کے علاوہ کسی اور غرض کے لئے کیتے کو پالے تو ہر روز اس کے ثواب میں سے ایک قیراط گھٹا دیا جاتا ہے۔

**قیراط اور قیراطان کے اختلاف کی توجیہ** | اس روایت میں قیراط بصیغہ مفرد ہے، اور اسی حدیث کے دوسرے طریق میں یعنی من طریق الزہری عن سعید بن المسیب جو مسلم کی روایت میں ہے اس میں بجائے قیراط کے قیراطان ہے، اس کے بارے میں بذل میں اس طرح ہے واختلاف فی اختلاف الروایتین فی القیراطین والقیراط فقیل الحکم للزائد لکونه حفظا لم یحفظ الاخر، یعنی زیادتی والی روایت راجح ہے، یا یہ کہا جائے کہ شروع میں آپ نے ایک قیراط کے بارے میں فرمایا وعید کو ذرا ہلکا کرتے ہوئے پھر اس کے بعد تاکید تغیر کے لئے ذو قیراط فرمایا لیکن ایک راوی نے صرف ایک قیراط والی روایت کو سنا اور دوسرے راوی نے قیراطین کا لفظ سنا، فکل روی بما سماع (۳) کلاب مختلف ہوتے ہیں قلیل الضرر اور کثیر الضرر، اول میں ایک قیراط کا نقصان اور ثانی میں دو قیراط کا (۴) قیراطان والی روایت مدینہ منورہ پر محمول ہے اہل قیراط والی غیر مدینہ پر وغیرہ ذلک من التوجیہات۔ والحدیث اخرہ مسلم والترمذی والنسائی قالہ المنذری۔

عن عبد الله بن مغفل رضي الله تعالى عنه ..... لو لان الكلاب امة من الامة لاصرت بقتلها

**شرح الحدیث** | شروع میں آپ نے کلاب کے بارے میں شمت اختیار فرمائی اور سب کے قتل کرنے کا حکم فرمایا چنانچہ اس کے بعد والی روایت میں آپ کا ہے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں حتیٰ کہ دیہات سے آنے والی عورت کے ساتھ بھی اگر کتا ہوتا تھا تو ہم اس کو بھی قتل کر دیا کرتے تھے، پھر بعد میں آپ کی رائے میں تبدیلی آئی اور حکم سابق سے روک دیا اور یہ فرمایا کہ کلاب بھی مخلوقات کی ایک نوع ہے تو اول تو مخلوق کی ایک پوری نوع کو قتل کرنا انسان کے بس میں نہیں، اور دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ کی ہر نوع مخلوق کی تخلیق میں یقیناً مصلحت ہوتی ہے اسلئے بھی سب کو قتل کرنا مناسب نہیں تاہم ان میں جو زیادہ شریر اور خبیث ہوتا ہے یعنی کلب اسود اس کو تو قتل کر ہی دیا کرو، امام نووی فرماتے ہیں کلب عقور کے قتل پر تمام علماء کا اتفاق ہے البتہ جو کلب بے ضرر ہو اس کے قتل میں اختلاف ہے

لیکن یہ جواب اس وقت صحیح رہتا جب رائی حدیث الگ الگ ہوتا لیکن جب صحاح ایک ہی ہے پھر یہ جواب صحیح نہ ہوگا اور یہ بھی ہے کہ کئے کے سلسلہ میں پہلے پہل تو تشدید زیادہ

امام الحرمین کی رائے یہ ہے کہ شریعت کا استقرار نسخ قتل پر ہی ہو چکا اب کسی کلب کا قتل جائز نہیں حتیٰ کہ اسود ہیم کا قتل بھی جائز نہیں، لیکن اس رائے پر ملا علی قاری کو انشراح نہیں وہ فرماتے ہیں یہ محتاج دلیل ہے (بذل)  
والحدیث اخرجه الترمذی والنسائی وابن ماجہ قالہ المنذی۔

## باب فی الصيد

صيد کبھی صید کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور کبھی معنی مصدری میں، یہاں یہی مراد ہے، یعنی کلب معلم اور تیرکان وغیرہ کے ذریعہ شکار کرنے کے بیان میں۔

ذکاۃ کی دو قسمیں اختیاری اور اضطراری | جانتا چاہیے کہ ذکاۃ شرعی کی دو قسمیں ہیں اختیاری و اضطراری، اختیاری حیوان مقبوض و مانوس — میں ہوتی ہے اور اضطراری غیر مقبوض اور غیر مانوس جانور میں جیسے شکار، اور جیسا کہ اس سے پہلے بھی گذر چکا کہ ذکاۃ اختیاری تو خاص ہے لہٰذا اور حلق کے ساتھ، اور ذکاۃ اضطراری نام ہے مطلق جرح کا، فی آئی موضع کان من البدن اور جرح سے مراد امرار الدم ہے، اس تمہید کے بعد اب آپ سمجھئے کہ ذکاۃ اضطراری جن آلات سے ہوتی ہے وہ تین ہیں، ایحوان الجرح، التحذ یعنی ہر دھار دار چیز جیسے ہیم، المشقل کا لٹخ و الخشب، ان میں جو پہلی دو چیزیں ہیں ان سے شکار کرنا ائمہ اربعہ کے نزدیک جائز ہے اور تیسری چیز — یعنی مشقل، اس کے ذریعہ شکار کرنا ائمہ اربعہ اور جمہور کے نزدیک جائز نہیں، البتہ بعض علماء شام مثل کمحول و اوزاعی ان کے نزدیک جائز ہے، اسی لئے ان کے نزدیک صید مغراض اور ایسے ہی صید بندوقہ جائز ہے (سبل السلام) پھر اسکے بعد جانتا چاہیے کہ اگر ذکاۃ اضطراری حیوان جرح کے ذریعہ سے ہو تو اس میں شرط یہ ہے کہ وہ جارح معلم ہو، اور یہ امر متفق علیہ ہے قال تعالیٰ۔ وما علمتم من الجوارح مکلبین، اور علامت تعلیم کلب میں دو چیزوں کا پایا جانا ہے اول امساک علی صاحبہ — یعنی عدم الاکل، کہ وہ کتا شکار میں سے کچھ کھائے نہیں اور دوسری چیز یہ ہے کہ جب شکار کی طرف اس کو چھوڑا جائے تو فوراً اس کی طرف جائے، اور جب بلایا جائے اور روکا جائے تو رک جائے یہ ائمہ ثلاثہ کا مسلک ہے اور امام مالک کے نزدیک تعلیم کلب کے لئے امساک علی صاحبہ ضروری نہیں، صرف امر ثانی کا پایا جانا کافی ہے، اور علامت تعلیم طیر جیسے بازی وغیرہ میں یہ ہے کہ جب اس کو پکارا جائے تو فوراً آئے، اور یہاں امساک بالتحقیق ضروری نہیں ہے۔ (بذل)

ذکاۃ اضطراری کے شرائط بالتفصیل۔ بذل المجہود۔ میں مذکور ہیں وہاں دیکھا جائے۔

تسمیہ عند الذبح وعند الارسال میں اختلاف ائمہ | نیز جانتا چاہیے کہ یہ ارسال کلب شکار کے وقت ایسے ہی تیر کا چلانا بمنزلہ چھری چلانے کے ہے عند الذبح اس لئے اس

ارسال اور رُئی تسمیہ کے وقت تسمیہ ضروری ہے جیسا کہ احادیث الباب میں مصرح ہے، و فی الہدایۃ ج ۴ ص ۱۶۸ و اذا رسل

کلمہ المعلم او بازیہ و ذکر اسم اللہ تعالیٰ عند ارسالہ فاخذ الصيد وجرص فأت حل اكله لما روينا من حديث عدي رضي الله تعالى عنه ولان الكلب او البازی آله والذبح لا يحصل بمجرد الآله الا بالاستعمال، وذلك فيها بالارسال فنزل (الارسال) منزلة الرمي وامر السكين فلا بد من التسمية عنده ولو تركه ناسيا حل ايضا اهـ ویسے دوسرے ائمہ کا اس میں اختلاف بھی ہے اور وہ یہ ہے کافی ہاش البذل واختلف نقل المذاهب فيه، والصحيح من مذاہبہم ان ترک التسمیۃ عمدا لا يجوز عند مالك ويجوز ان كان الترك سهواً فال تسمیۃ شرط عند الذکر وعند الشافعي يجوز مطلقا في السهو والعمد في ستمۃ عنده واما احمد فانه فرق بين الصيد والذبیحۃ ففي الذبیحۃ هو محتاد في الصيد لا يجوز مطلقا (من الادبۃ)

عن عدي بن حاتم رضي الله تعالى عنه قال: سألت النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم .....

فكل مما مسكن عليك -

یہ حدیث ائمہ ثلاث کی دلیل ہے کہ کلب معلم کے ذریعہ شکار میں عدم اکل ضروری تعلیم کلب کے باریکین جمہور اور امام مالک کی دلیل ہے، اور یہ روایت مالکیہ کے خلاف ہے امام مالک کا استدلال ائمہ آنے والی ابو ثعلبۃ النخشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے جس میں اس طرح ہے اذا رسلت کلبک و ذکر ت اسم اللہ تعالیٰ فکل وان اکل منه، امام نووی شرح مسلم میں فرماتے ہیں کہ جمہور علماء نے عدي بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کو مقدم رکھا ہے ابو ثعلبۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث پر کیونکہ حدیث عدي اس سے صحیح ہے (مستقن علیہ ہے) اور بعض علماء نے حدیث ابو ثعلبۃ کی یہ تاویل کی ہے کہ یہاں کھانے سے عین شکار کے وقت اس کتے کا کھانا مراد نہیں ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ ابتداء میں وہ کتا اس شکار کو مار کر فارغ ہو کر چلا گیا اور پھر بعد میں جب اس شکار کو وہاں پڑا دیکھا اس وقت اس میں سے کھانے لگا، پس اس کا یہ کھانا مضر نہیں ہے۔

قلت ارعى بالمعروض فاصيب آفاكل ابو معارض کی تفسیر میں اختلاف سبب ہے، ابن التین فرماتے ہیں یعنی وہ عصا جس کے سرے میں دھار دار چیز لگی ہوئی ہو لوہا وغیرہ، اور امام نووی فرماتے ہیں وہ ایک بھاری سی لکڑی ہوتی ہے، یا عصا جس کے سرے پر دھار دار چیز لگی ہوئی ہے، اور کبھی سادہ ہوتا ہے بغیر دھار دار چیز کے، میں کہتا ہوں کہ اس کی مثال بلم سے بھی دی جاسکتی ہے وہ بھی ایک عصا ہوتا ہے جس کے سرے پر دھار دار لوہا لگا ہوتا ہے، بہر حال حدیث میں یہ ہے کہ اگر معارض سے شکار کیا جائے تو اگر شکار کے اس کا دھار دار حصہ لگ کر اس کو زخمی کر دیتا اور اس کے اندر نفوذ کر جاتا ہے تب تو وہ شکار حلال ہے اس کو کھا سکتے ہیں، اور اگر وہ معارض اپنی چوڑائی میں سے شکار پر جا کر لگا ہے تو وہ حرام ہے، اس کا کھانا جائز نہیں، کیونکہ اس صورت میں وہ وقید ہو گا، قال تعالیٰ: والمخفقۃ والموقوۃ والمتردۃ، اور موقوۃ اسی شکار کو کہتے ہیں جو مشقل اور غیر دھار دار چیز سے مارا جائے۔

**بندوق کا شکار اور اسمیں اختلاف** | جمہور نے صید بالندقہ کی حرمت پر اسی حدیث سے استدلال کیا ہے اور اس میں اوزاعی اور کحول وغیرہ کا اختلاف ہے کما تقدم قریبا، لہذا یہ حدیث ان کے خلاف ہے۔

فائدہ ۱۰۔ یہ عدی بن حاتم راوی حدیث حاتم طائی مشہور سنی ہی کے بیٹے ہیں، یہ مؤخرین میں سے ہیں، ان کے بارے میں لکھا ہے کہ انہوں نے ایک سو اسی سال کی عمر پائی، یہ خود اپنے بارے میں فرماتے ہیں کہ جب سے میں اسلام میں داخل ہوا ہوں اس وقت سے اب تک کسی نماز کی اقامت نہیں ہوئی مگر یہ کہ میں اس وقت با وضو تھا (تہذیب الہندیہ) والحدیث اخرجه البخاری ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ، قالہ المنذری۔

عن عامر عن عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال، سألت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صحیح مسلم کی حدیث کے ایک جملہ کی تشریح | عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ حدیث جس کو ان سے روایت کرنے والے عامر شعبی میں متعدد طرق سے صحیح مسلم اور نسائی میں بھی ہے

ان روایات میں سے صحیح مسلم اور نسائی میں ایک روایت میں اس طرح ہے۔ حدثنا الشعبي قال سمعت عدی بن حاتم۔ وكان لنا جار ود خيلا وربط بالانهرين۔ انه سأل النبي صلى الله عليه وآله وسلم الحديث، اس میں جار اور دخیل کے معنی تو ظاہر ہیں جار پڑوسی اور دخیل وہ شخص جو کسی سے خصوصی تعلق رکھتا ہو اور اس کے امور میں اس کا معاون اور مشیر ہو، لیکن ربط کے بارے میں امام نووی نے تویہ لکھا ہے، والربط ههنا بمعنى المرباط وهو الملازمة والرباط الملازمة، قالوا والمراد ههنا ربط نفسه على العبادة وعن الدنيا اه اور قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی شرح میں ربط کے صرف پہلے معنی لکھ کر اسی پر اکتفا کیا ہے، چنانچہ اس میں ہے، والربط ههنا المرباط الملازمة من الرباط اه بظاہر امام نووی نے بھی اسی معنی کو اختیار کیا ہے چنانچہ انہوں نے پہلے اس معنی کو لکھ کر دوسرے معنی جو لکھے ہیں وہ "قالوا" کے ساتھ لکھے ہیں یعنی بعض شراح کی رائے یہ ہے، مربوط کہتے ہیں سرحد پر پہرہ دینے والے کو جیسا کہ کتب احادیث میں آتا ہے اور مشہور ہے، اور دوسرے معنی جو نووی نے لکھے ہیں اس کا حاصل، یعنی وہ شخص جو زاہد اور منقطع عن الدنيا ہو، اور ہر وقت عبادت میں مشغول رہتا ہو، لیکن اس معنی کا دخیل کے ساتھ جوڑ نہیں بیٹھتا۔ اور اس "ربط بالانهرين" کا تعلق، واللہ اعلم بظاہر سمعت سے ہے یعنی شعبی کہہ رہے ہیں کہ میں نے یہ حدیث عدی بن حاتم سے جو ہمارے پڑوسی اور دخیل تھے اس وقت میں سنی جبکہ وہ مقام نہرین میں مربوط تھے یعنی پہرہ دے رہے تھے اور جو سمکتا ہے مطلق ان کی صفت بیان کرنا مقصود ہو جار

۱۱ جیسا کہ ابوداؤد کی اس روایت میں ہے عن ابی سالم الجیشانی عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما یہ کزدک و هو مربوط بحصن یا ایون۔ یہاں پر بھی یہی ہے کہ ابوسلمہ جیشانی نے یہ حدیث عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے اس وقت سنی جبکہ وہ ان کیساتھ حصن یا ایون میں پہرہ دیر رہے تھے۔ ذکر الہطبارۃ باب ما یبغی حذر ان یستغنی

اور ذیل کی طرح، اور نہرین ظاہر یہی ہے کہ یہ کسی جگہ کا نام ہے جس کی تصریح تو کہیں اب تک ملی نہیں، البتہ بمعجم البلدان میں نہر ان کا نام ملا ہے جس کے بارے میں وہ لکھتے ہیں: من قری الیمین من ناحیۃ ذماراھ ہو سکتا ہے روایت میں نہرین سے یہی مراد ہو واللہ تعالیٰ اعلم۔

اذار میت سہمک و ذکر اسم اللہ فوجدتہ من الخد ولم تجدہ فی ماء ولا فیہ اثر غیر سہمک فکل  
 شکار تیر لگنے کے بعد اگر غائب یعنی اگر کوئی شخص شکار پر تیر چلائے اور وہ اس کے لگ بھی جائے لیکن اس وقت وہ شکار نظروں سے غائب ہو جائے، پھر لگے روز وہ کسی جگہ پڑا ہوا ملے بشرطیکہ پانی میں نہ ہو، اور دوسری شرط یہ کہ اس میں تیر سے تیر کے علاوہ کسی دوسرے کے تیر کا اثر نہ ہو تو اس کو کھا سکتا ہے۔

اس حدیث میں دو شرطیں مذکور ہیں ایک یہ کہ وہ شکار پانی میں نہ گرے۔ یہ وقوع فی الماء کب مضر ہے؟ اس میں ائمہ کا اختلاف ہے، حنفیہ و حنابلہ کے نزدیک بہر صورت مضر ہے خواہ جراحت جو شکار کو پہنچی ہے موجب ہلاکت ہو یا نہ ہو بشرطیکہ وہ پانی اتنی مقدار میں ہو جو شکار کے لئے قاتل ہو، امام احمد کی مشہور روایت یہی ہے، اور دوسری روایت امام احمد سے یہ ہے کہ اگر جراحت موجب ہلاکت ہو تو پھر وقوع فی الماء مضر نہیں، یہی قول ہے امام شافعی اور امام مالک کا (ادجز) اور دوسری شرط جو اس حدیث میں مذکور ہے کہ اس میں تمہارے تیر کے علاوہ دوسرے کے تیر کا اثر نہ ہو یہ شرط متفق علیہ بین الائمۃ الاربعہ ہے کما یظہر من کلام الشراح و کتب الفروع، شکار کی غیبت والے مسئلہ میں ایک یہ بھی اختلاف ہو رہا ہے کہ کتنی غیبت مستقر ہے چنانچہ امام بخاری نے باب بانھا ہے "باب الصيد اذا غاب عنہ یومین او ثلاثہ" اس میں امام مالک کا مسلک جیسا کہ موطا اور مدونہ میں ہے وہ فرماتے ہیں کہ جب شکاری سے اس کا شکار غائب ہو جائے مجروح ہونے کے بعد، اس کے بعد پھر وہ ملے اور اس میں اس شکاری کے کتے یا تیر کا اثر موجود ہو تو اس کو کھا سکتا ہے ما لم یبث یعنی جب تک رات نہ گزرے، اور اگر رات گزر گئی تو اب اس کو کھانا جائز نہیں اور دوسری روایت ان سے یہ ہے کہ اگر وہ شکار تیر کلب سے تو کھایا جاسکتا ہے اور اگر کلب کا کیا ہوا شکار ہے تو کھانا جائز نہیں اھ اور امام نووی شرح مسلم میں فرماتے ہیں کہ یہ حدیث دلیل ہے کہ جب شکار زخمی ہونے کے بعد غائب ہو جائے پھر اس کے بعد وہ ملے ہوا بشرطیکہ اس میں اس کے تیر کے علاوہ کوئی اور اثر نہ ہو تو وہ حلال ہے امام شافعی کے ایک قول میں، اور امام مالک کے نزدیک بھی، اور امام شافعی کا قول ثانی یہ ہے کہ حرام ہے وھو الاصح عند اصحابنا، اور تیسرا قول یہ ہے کہ کلب کے شکار میں ناجائز ہے اور تیر کے شکار میں جائز ہے، پھر وہ فرماتے ہیں کہ پہلا قول یعنی مطلقاً جل اتوی اور اقرب الی الاحادیث الصحیحہ ہے، اور امام احمد کا قول مشہور شکار کے غائب ہونے کی صورت میں حلت یہی ہے اور دوسری روایت ان سے یہ ہے ان غاب بہا ر فلا یأسی بہ وان غاب لیلا لم یأکلہ، اور تیسری



روایت ان سے یہ ہے ان غاب مدة طويلة لم تبح وان كانت يسيرة ايج، قيل له ان غاب يوماً؛ قال يوم كثير، نیز موفی کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ غیبت صید کے مسئلہ میں امام احمد کے یہاں اقتضار اور طلب شرط نہیں، اور مالکیہ کے یہاں اس میں دونوں روایتیں معلوم ہوتی ہیں فقہ الاوجز ۱۸۷ نقلاً عن البیاجی: قال القاضی ابوالحسن اذا كان مجرداً في طلب حتى وجده على هذه الحالة فانه يجوز اكله وان تشاغل عنه ثم وجده ميتاً فانه لا يجوز اكله، وفيه بعد اسطر: وحكى القاضی ابو محمد عن مالک فی الصيد بالکلب انه یؤکل وان بات عنه سوارکان صاحبہ یطلبہ او لا یطلبہ اھ (اوجز و تراجم البخاری) اور حنفیہ و شافعیہ کے یہاں بھی اقتضار شرط ہے کما قال الحافظ فی الفتح و کذا فی فروع الحنفیہ، یہ اقتضار اور طلب گویا تیسری شرط ہوئی جس کا ذکر آئندہ حدیث میں آ رہا ہے احدنا یرمی الصيد فیقتفی اثره الیومین والثلاثة الخ یعنی شکار کے غائب ہونے کے بعد اس کے حلال ہونے کیلئے اس کا اقتضار بھی ضروری ہے، یعنی شکاری اس شکار کی تلاش اور طلب میں لگا رہے، اس سے فارغ ہو کر نہ بیٹھے، اور یہ اقتضار اور طلب کی شرط حنفیہ و شافعیہ دونوں کے نزدیک ہے حنابلہ کے نزدیک نہیں، وعن المالکیة روايتان كما تقدم قريباً۔

عن ابی ثعلبة الغششی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم الخ۔ اب تک سلسلہ عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایات کا چل رہا تھا اور یہ روایت ابو ثعلبة الغششی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہے جو مالکیہ کی دلیل ہے تعلیم کلب کے مسئلہ میں کما تقدم فی اول الکتاب، اور جمہور کا استدلال عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے ہے جو اس سے زیادہ صحیح ہے لانہ فی الصحیحین۔ وکل ما رکت الیہ یدک، اور کھارے تو جو لوٹائے تجھ پر تیرا ہاتھ، اس سے مراد تیرا شکار ہے جس کو آدمی اپنے ہاتھ سے چلاتا ہے۔

عن عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ انه قال یارسول اللہ احدنا یرمی الصيد فیقتفی اثره الیومین والثلاثة الخ اقتضار کے مسئلہ میں اختلاف اور پر گزر چکا، والحدیث اخرجه البخاری معلقاً۔

سمعت ابی ثعلبة الغششی رضی اللہ تعالیٰ عنہ یقول..... وما اصدت بکلب الذی لیس

بمعلم فادرکت ذکاته فکل۔

یعنی کلب معلم کا شکار تو جائز ہے، اور جو شکار کلب غیر معلم کے ذریعہ کیا جائے تو اس میں دو صورتیں ہیں اگر اسکو اس کتے نے مار ڈالا تب تو وہ حرام ہے اور اگر مارا نہیں حتیٰ کہ شکاری نے اس کو پکڑ کر ذبح کر لیا ہو تب وہ جائز ہے۔ والحدیث ابن البخاری و مسلم والنسائی قالہ المنذری، وقال الشيخ محمد عواصم: عزاه الهزی الی الجماعة، وهو عند ابن ماجہ بزیادة، واما الترمذی فرواه بمثل اسناد المصنف اھ

اس کے بعد والی روایت میں آ رہا ہے، فکل ذکیتاً وغیر ذکیت یعنی مذبوح اور غیر مذبوح، دونوں صورتوں میں

جائز ہے، جو شکار تیر یا کلب معلم کے ذریعہ سے مر جائے اور اس کو ذبح کی نوبت نہ آئے وہ تو ہوا غیر ذکی، اور جو تیر وغیرہ کے ذریعہ سے مرانہ ہو بلکہ وہ زندہ ہی ہے یہاں تک کہ شکاری اس کے پاس پہنچ گیا تو پھر اس کو ذبح کرنا ضروری ہے یہی مراد ہے ذکی سے۔

وان تغیب عنک مالہ یصل او تجدنیہ اشرع غیر سہمک۔

**شرح الحدیث اور لحم منقن کا حکم** | یعنی شکار کے غائب ہو جانے کی صورت میں اس کو اس وقت کھانا جائز ہے جب اس میں دو شرطیں پائی جائیں، ایک یہ کہ وہ جانور سترانہ ہو اور دوسری یہ کہ اس میں تیر سے تیر کے علاوہ دوسرے تیر کا اثر نہ ہو، مالم یصل.. فتح یار اور کسر صا کے ساتھ ہے اور تشدید لام کہا جاتا ہے صلّ اللحم صلوا اذا انتن، یعنی جب اس گوشت میں سے بدبو آنے لگے، اور سلم کی حدیث میں، مالم یتن.. ہے حنفیہ وشافعیہ کے نزدیک یہ قید برائے استحباب ہے، ان کے نزدیک لحم منقن کا کھانا مکروہ تنزیہی ہے، اور مالکیہ کے نزدیک حرام ہے، شافعیہ کا استدلال حدیث العنبر سے ہے جس کو صحابہ کرام نے نصف ماہ سے زائد تک کھایا تھا، اور اتنی مدت تک گوشت میں رائحہ کریمہ پیدا نہ ہو یہ بہت مشکل ہے، لیکن حافظ فرماتے ہیں کہ محمل انہم ملحوہ وقد وہ، کہ ممکن ہے صحابہ نے اس کے ٹکڑے کر کے ان کو نمک مل دیا ہو (ہامش البذل) و فی الشامل للترمذی فی باب توضیح رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم من حدیث انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہما کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یدعی الی خبز الشعیر والاحالۃ السخنة، وکذا اخرجه البخاری فی البیوع والزہد، ولفظه فی البیوع فی باب شرار البنی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بالنسبۃ عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ مشی الی البنی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بخبز شعیر واهالۃ سخة الحدیث، اس حدیث میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پرانی بودار چکنائی کھانے کا ذکر ہے، حدیث الباب ابو ثعلبۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ حدیث آئندہ بھی آرہی ہے وہاں بذل میں لکھا ہے: قال القاری قال علماؤنا: وهذا علی طریق الاستحباب والافانتن لا اثر له فی الحرمة: قال ابن الملق و قد روی انہ علیہ السلام اکل متغیر الریح الی آخرہ۔

قال: افتنی فی آتیۃ المجوس اذا اضطروا بنا الیہا، قال اغسلہا وکل فیہا۔

**اوانی مشرکین کا استعمال کب جائز ہے؟** | آپ مجوس کے ظروف کے استعمال کے بارے میں دریافت کیا گیا کہ کیا مجبوری کے وقت ان کو استعمال کر سکتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ بعد الغسل ان کو استعمال کر سکتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ اوانی مشرکین کا استعمال بعد الغسل عند الاضطرار جائز ہے، اور یہ بھی کہ بغیر مجبوری کے بعد الغسل بھی ان کا استعمال مکروہ ہے حالانکہ فقہاء کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ اوانی مشرکین کا استعمال بعد الغسل مطلقاً کراہتہ جائز ہے، جواب اس کا یہ ہے کہ یہاں حدیث میں اوانی مجوس

سے وہ ادائی مراد ہیں جس میں وہ لحم خنزیر کا طبخ کرتے ہوں یا جن کو شرب خمر میں استعمال کرتے ہوں جیسا کہ اس کی تصریح ابوداؤد کی بعض روایات میں ہے، اور فقہاء کا کلام مطلق ادائی سے متعلق ہے یعنی ان ادائی سے جن کو وہ نجاست میں استعمال نہیں کرتے (بذل) اس سلسلہ میں روایات ابوداؤد اور ترمذی وغیرہ میں دونوں طرح کی ہیں بعض مطلق ہیں جیسا کہ حدیث الباب، اور بعض مقید ہیں جیسا کہ حضرت نے بذل میں تحریر فرمایا، حضرت کی مراد یہ ہے کہ روایات مطلقہ میں اختصار ہے وہ بھی مقیدہ پر ہی محمول ہیں۔

### باب اذا قطع من الصيد قطعة

ما قطع من البهيمة وهي حية فهي ميتة۔

یعنی زندہ ماکول جانور کا کوئی عضو کاٹ لیا جائے تو وہ حرام ہے حکم میں میتہ کے ہے، یہ روایت ترمذی میں بھی ہے ابوداؤد کی روایت سے اطول، اس میں یہ ہے کہ جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو وہاں آپ نے دیکھا کہ کچھ لوگ اونٹ کا کوہان، اسی طرح مینڈھے کی چکیتیاں (الکيات النعم) کاٹ لیتے ہیں تو اس پر آپ نے وہ فرمایا جو یہاں حدیث میں مذکور ہے۔

فائدہ: فقہاء نے نافخۃ المسک کے بارے میں تصریح فرمائی ہے کہ وہ بھی طاہر ہے مشک کی طرح اور ماکول ہے اس کا کھانا حلال ہے، لہذا مسئلہ الباب سے اس کا استثناء کیا جائے گا یہ والحدیث: اخرجه الترمذی اتم منه، واخرجه ابن ماجہ من حدیث عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قالہ المنذری۔

### باب فی اتباع الصيد

من سكن البادية جفاء ومن اتبع الصيد غفل۔

یعنی جنگل میں رہنے والا سخت مزاج ہو جاتا ہے، لوگوں کے ساتھ رہن سہن کی کمی کی وجہ سے، اس لئے کہ جو لوگوں سے خلا ملتا رکھتا ہے تو وہ دوسروں کی اذیتیں اور مشاق برداشت کرنے کا عادی ہو جاتا ہے، نیز اس لئے بھی کہ ایسے لوگ حکومت اور اس کی دار و گیر سے دور رہتے ہیں۔

اور جو شکار کے درپے ہوتا ہے، مراد تو غل ہے کہ اسی کو اپنا مشغلہ بنالے تو اس کی زندگی غفلت میں گذرتی ہے نماز اذان کی کچھ خبر نہیں رہتی۔

یہ نفع نور الایضاح فی بیان الدیاقۃ، ونافخۃ المسک طاہرۃ کالمسک واکلہ حلال اھ۔

اور جو امر اور سلاطین کے پاس جاتا ہے وہ دین و دنیا دونوں کے اعتبار سے فتنہ میں مبتلا ہوتا ہے۔ (بذل)  
والحدیث اخرجه الترمذی والنسائی مرئوفا قال المنذری۔

عن ابی ثعلبۃ الخشعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اذا رمیت  
الصید فادرکتہ بعد ثلاث لیل وسمہا فیکل مالہ میتن۔  
یہ حدیث مصری نسخوں میں نہیں ہے اور ہوئی بھی نہ چاہیے، مضمون کے لحاظ سے یہ حدیث مکرر ہے، پہلی جگہ  
اس میں مال میتن کے بجائے مال یصل کا لفظ آیا تھا۔

## اول کتاب الوصایا

وصایا جمع ہے وصیۃ کی جیسے ہدایا و ہدیہ، وصیۃ کا استعمال معنی مصدری یعنی ایصال اور مایوصی بہ، یعنی  
جس چیز کی وصیت کی جائے دونوں میں ہوتا ہے، وصیۃ کی تعریف شرعیہ کی گئی ہے جو عہد خاص مضاف الی ما  
بعد الموت، یعنی وہ معاملہ جس کا تعلق با بعد الموت سے ہو، اور وصیت کا استعمال بمعنی نصیحت یعنی امر بالمعروف اور  
نہی عن المنکر پر بھی ہوتا ہے۔ (من البذل)

## باب ماجاء فی مایؤمر بہ من الوصیۃ

ہمارے اس نسخہ میں "یأمر" بصیغہ معروف ہے، اور بعض میں "یؤمر" ہے وهو الاوضح، اس لئے کہ معروف کی صورت  
میں اس کے لئے فاعل مقدر ماننا پڑے گا مثلاً الشرع یا الاسلام۔

عن عبید اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما عن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال ما حق  
امری مسلم لہ شیء یوصی فیہ بیئت لیلیتن الا وصیۃ مکتوبۃ عندہ۔

شرح الحدیث وحکم الوصیۃ | یوصی فیہ ترکیب میں "شیء" کی صفت ہے، اور "بیئت لیلیتن" حق کی  
خبر ہے، یعنی جس مسلمان کے پاس کوئی ایسی شئی ہو جو قابل وصیت ہو تو اس کے  
لئے لائق نہیں یہ بات کہ دو راتیں گزراں ہو مگر اس حال میں کہ اس کی وصیت اس کے پاس لکھی ہوئی ہو، اور ایک  
روایت میں لیلۃ او لیلیتن ہے، اور مسلم اور نسائی کی روایت میں بیئت ثلاث لیل ہے، و بذلک علی انہ للتقریب  
لالتحدید ای ولو زمانا قلیلا (بذل)

وصیت ظاہر یہ اور بعض علماء زہری و عطاء و ابن جریر اور امام شافعی کے قول قدیم میں مطلقاً ای فی کل حال  
واجب ہے اور عند الجہور جس شخص کے ذمہ دیون یا حقوق العباد ہوں اس پر وصیت واجب ہے لیکن اس کا مکتوب

ہونا اور اس میں تعجیل کرنا یہ مستحب ہے، علامہ شامی نے لکھا ہے کہ وصیت کی چار قسمیں ہیں، واجب کا الوصیۃ برد الودائع والدیون المجهولہ، و مستحبہ کا الوصیۃ للکفارات و فدیۃ الصلۃ و نحوھا، و متباحہ کا الوصیۃ للافعیار من الایمان والاقارب، و مکروہہ کا الوصیۃ لاهل الفسوق والمعاصی، و فی البدایۃ، القیاس یا بی جواز الوصیۃ لانه تملیک مضاف الی حال زوال مالکیتہ الا انما استحسنہا لحاجۃ الناس الیھا، الی آخرہ اھ من التراجم۔

والحدیث اخرجه البخاری ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ قالہ المنذری۔

عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت ما ترک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم دینا سوا

ولا درہما ولا بعیرا ولا شاة، ولا وصی بشئ۔

**شرح الحدیث** | اور آپ نے کسی چیز کی وصیت نہیں کی، یعنی مال یا خلافت کے بارے میں، لیکن کتاب اللہ کے بارے میں اور اپنے اہل بیت کے بارے میں اور اخراج الیہود من جزیرۃ العرب وغیرہ ان امور کی

آپ نے وصیت یقیناً فرمائی ہے کافی الاحادیث الصحیحہ۔

دراہم و دنانیر کے بارے میں بڈل میں سیرت حلبیہ سے یہ نقل کیا ہے کہ آپ کے پاس وفات سے پہلے چھ یا سات دینار تھے آپ نے وہ اپنے ہاتھ میں لے کر حضرت عائشہ کو دیئے کہ ان کو صدقہ کر دیا جائے، اور روایت میں ہے کہ آپ نے ان سے فرمایا کہ ان کو علی کے پاس بھیج دو تاکہ وہ صدقہ کر دیں، اس حدیث میں بعیر اور شاة کی بھی نفی ہے، اس کے بارے میں ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ وہ جو بعض اہل بیت نے لکھا ہے کہ آپ کی ملک میں بہت سے اونٹ تھے، اور بیس اونٹنیاں تھیں دودھ دینے والی نواحی مدینہ میں، اور سات بکریاں تھیں وغیرہ وغیرہ، اہل بیت کی یہ روایت اس حدیث صحیح کے معارض نہیں ہو سکتی فلا تقیر، اور آگے فرماتے ہیں کہ اگر صحیح بھی مان لیا جائے تو اس کو اس پر محمول کیا جائے گا کہ وہ اونٹ صدقہ کے تھے جن کو آپ نے اہل صفہ اور فقراء صحابہ کے لئے چھوڑا تھا، اور اس کے علاوہ جو آپ کی بعض زمینیں تھیں خیبر اور فذک میں سوان کو تو آپ نے اپنی حیات مبارکہ ہی میں مسلمانوں کی ضروریات کے لئے صدقہ اور وقف فرمادیا تھا، جیسا کہ صحیحین کی حدیث میں ہے ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا یقسم بشری دینارا ما ترکت بعد نفقۃ نسائی، و مؤنۃ عاقلی فہو صدقہ، و فی روایت: لا نورث ما ترکنا صدقۃ اھ من البڈل، یعنی ان

لہ یعنی چونکہ وصیت کا تعلق ما بعد الموت سے ہے اور موت کے بعد انسان میں کسی بھی فعل کی خواہ وہ تملیک ہو یا کچھ اور صلاحیت باقی نہیں رہتی لہذا وصیت کا جواز خلاف قیاس ہے مگر استحسانا اور ضرورۃ اس کو جائز قرار دیا گیا ہے، اور وہ ضرورت یہ ہے کہ انسان اپنی زندگی پر مغرور ہوتا ہے اور کاموں کو ٹھاتا رہتا ہے زندگی کے غرور میں جس سے بہت سی واجب الادار چیزیں ذمہ میں رہ جاتی ہیں اچانک موت پیش آنے کی وجہ سے تو اس کی تلافی کے لئے شریعت نے یہ صورت نکالی ہے۔

زمینوں کے بارے میں تو چونکہ آپ نے اپنی حیات ہی میں فیصلہ فرمادیا تھا، لہذا اس کو وصیت نہیں کہا جائے گا۔  
والحدیث اخرجه مسلم والنسائی وابن ماجہ، قالہ المنذری۔

## باب ماجاء فیما یجوز للموصی فی مالہ

یعنی مرنے والا اپنے مال میں کتنی وصیت کر سکتا ہے،

عن عامر بن سعد عن ابیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال مرض مرضاً اشفی فیہ الخ۔

**شرح الحدیث** عامر اپنے والد حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ وہ ایک مرتبہ شدید بیمار ہوئے ایسے کہ قریب المرگ ہو گئے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان کے پاس عیادت کے لئے تشریف لاتے تو میرے والد نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرے پاس مال بہت ہے اور میرے اس مال کا وارث کوئی نہیں سوائے میری بیٹی کے، تو کیا میں اس صورت میں اپنے مال کا دثلث صدقہ کر سکتا ہوں؟ آپ نے فرمایا نہیں پھر انہوں نے نصف کے بارے میں دریافت کیا آپ نے اس سے بھی منع فرمادیا، اور پھر ایک ثلث کی آپ نے اجازت دی، اذفرمایا کہ تو اپنے ورثہ کو اغنیاء چھوڑ کر مرے یہ بہتر ہے اس سے کہ تو ان کو فقیر چھوڑ کر جائے لوگوں کے سامنے دست سوال دراز کریں، اس حدیث میں یہ ہے کہ میرا کوئی وارث نہیں سوائے ایک بیٹی کے، شرح فرماتے ہیں کہ مراد یہ ہے کہ بیٹی کے علاوہ ذوی الفروض میں سے کوئی وارث نہیں، اور مطلق نفی مراد نہیں اس لئے کہ ذوی الفروض کے علاوہ دوسرے ورثاء عصبہ ان کے تھے جیسا کہ خود اس حدیث میں ہے ان سترک ورثک اغنیاء

قلت یا رسول اللہ! اُتخلف عن حجوتی، قال انک ان تَخلف بعدی فتعمل عملاً یتبد بہ وجهہ اللہ تعالیٰ مسئلہ وصیت کے بعد انہوں نے آپ سے یہ عرض کیا کہ میں اپنی ہجرت سے پیچھے ہٹا جا رہا ہوں، اس کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ یہ مہاجرین میں سے ہیں اور یہ مکہ مکرمہ میں آکر شدید بیمار ہو گئے تھے حجۃ الوداع کے موقع پر تو ان کو اپنی موت کا خطرہ ہوا کہ مکہ مکرمہ میں یعنی غیر مہاجر میں، اور اپنی ہجرت کے باطل ہونے کا اندیشہ ہوا اس پر آپ نے ان کو تسلی

لہ لہذا اب یہ اشکال واقع نہوگا کہ آپ نے زمینوں کے بارے میں تو وصیت فرمائی ہے، پھر اس حدیث میں وصیت کی نفی کیوں کی گئی ہے؟  
لہ اور ترمذی کی روایت میں عام الفتح ہے جو ابن عیینہ راوی کا وہم ہے قال الخافض واتفقوا علی ما نہ وہم فیہ ابن عیینہ من اصحاب الزہری، ثم قال، ویکن الجمع بین الروایتین بان یکون ذلک وقع لمرئین مرة عام الفتح ومرة عام حجة الوداع، ففی الاولی لم یکن لہ وارث من الاولاد اصلاً،  
وفی الثانیہ کانت ابنہ فقط اس کے بارے میں مزید آگے شرح میں آ رہا ہے ۱۱

سے مہاجر وہ جگہ اور مقام جہاں آدمی ہجرت کر کے جاتے، جیسے مہاجرین مکہ کا مہاجر مدینہ منورہ تھا ۱۲

دلالتی وہ یہ کہ ان شاء اللہ تعالیٰ ایسا نہیں ہوگا بلکہ تم میرے بعد بہت دن تک زندہ رہو گے اور اعمال کے ذریعہ سے تمہارے درجات بلند ہوں گے، اور بعض اقوام یعنی مسلمین تم سے منتفع ہوں گی، اور بعض دوسرے یعنی مشرکین تم سے ضرر پذیر ہوں گے، اور آپ نے دعا بھی فرمائی۔ اللہھامض لاصحابی ہجرتھم ولا تذرہم علی اعتقادھم۔ شرح نے لکھا ہے کہ آپ کی یہ پیش گوئی اللہ تعالیٰ نے پوری فرمائی، اور یہ صحابی اس مرض سے صحت یاب ہو کر بہت مدت تک زندہ رہے، اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں عراق وغیرہ کو فتح کیا اور عراق کے گورنر بنے، اور آپ کے بعد تقریباً چالیس سال زندہ رہے حتیٰ مات سنۃ خمسین علی المشہور وقیل غیر ذلک۔

تنبیہ۔ حضرت سعد بن ابی وقاص کا یہ واقعہ جیسا کہ ہم اوپر لکھ چکے ہیں حجۃ الوداع کا ہے جیسا کہ صحیحین کی بعض روایات میں اس کی تصریح ہے اور ترمذی کی روایت میں اس کو عام الفتح کا واقعہ قرار دیا ہے، ہمارے عربی حاشیہ میں یہ گزر گیا ہے کہ حفاظ حدیث نے اس کو وہم قرار دیا ہے اور حافظ کی رائے جمع بین الروایتین کی ہے یعنی تعدد واقعہ، لیکن امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس اختلاف روایتین کو مشکل الآثار میں باقاعدہ اس کے لئے مستقل باب قائم کر کے اس کو بیان کیا ہے اور پھر ایک روایت مفصلہ کے ذریعہ جو بہت واضح ہے عالم الفتح کا واقعہ ہونے کو ترجیح دی ہے گویا ان کی تحقیق اکثر محدثین کی رائے کے خلاف ہے بعد میں حافظ نے بھی اسی روایت مفصلہ کے پیش نظر اپنی رائے بدلی ہے مگر انہوں نے سچائے ترجیح کے تعدد واقعہ کو اختیار کیا ہے تو اب گویا اس میں تین آراء ہو گئیں اکثر محدثین کی جس کی حفاظ اتفاق حفاظ سے تعبیر کر رہے ہیں، اور دوسری امام طحاوی کی اور تیسری حافظ ابن حجر کی، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

لکن الباش سعد بن خولۃ یرثی لہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان مات بھکۃ۔

**شرح الحدیث** آپ فرما رہے ہیں: لیکن قابل افسوس حال تو سعد بن خولہ کا ہے یا قابل رحم تو سعد بن خولہ ہیں۔ اگے راوی اس کی وضاحت کرتے ہوئے کہہ رہا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم رحمہما رہے ہیں سعد بن خولہ پر اس لئے کہ ان کی موت مکہ میں ہوئی، سعد بن خولہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں اختلاف ہے بعض کی رائے یہ ہے کہ انہوں نے مکہ مکرمہ سے ہجرت ہی نہیں کی تھی حتیٰ کہ انہوں نے وہیں وفات پائی، اور اکثر کی رائے یہ ہے کہ انہوں نے ہجرت تو کی تھی لیکن وفات ان کی حجۃ الوداع میں مکہ مکرمہ میں ہوئی، یعنی غیر مہاجر میں باشیں من اصحابہ بؤس ایضی یعنی نقصان اٹھانے والا، شرح نے لکھا ہے کہ اس میں صلاحیت مذمت کی بھی ہے اور ترمذی کا بھی، لہذا پہلی صورت (عدم الهجرة) میں آپ کا یہ فرمان بطریق مذمت ہوگا، اور دوسری صورت میں بطریق ترمذی، یہ نیز سے ماخوذ ہے جس کا استعمال میت میں ہوتا ہے، یعنی محاسن میت کا ذکر (تحفہ)

علماء کا اس میں اختلاف ہو رہا ہے کہ اگر مہاجر کی موت مکہ میں واقع ہو تو بعض کہتے ہیں اگر ایسا اس کے اختیار سے ہوا ہے تب تو اس کا اجر، ہجرت حبط ہوتا ہے ورنہ نہیں، وقیل یحبط مطلقاً وصیت سے

متعلق بعض ضروری مسائل ہم نے حاشیہ میں لکھے ہیں ان کو دیکھا جائے۔  
والحدیث اخرجه البخاری ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ، قال المنذری۔

## باب ماجاء فی کراہیۃ الاضرار فی الوصیۃ

اضرار سے اضرار ورنہ مراد ہے، یعنی خلاف قاعدہ وصیت کر کے ورنہ کو ضرر و اذیت پہنچانا۔

لے وصیت متعلق بعض ضروری حدیث الباب سے معلوم ہو رہا ہے کہ انسان کے لئے زائد سے زائد ایک ثلث کی وصیت غیر وارث کے مسائل مع اختلاف الممۃ لئے جائز ہے، لہم بخاری کا ترجمہ ہے مہلب الوصیۃ بالثلث۔ اس پر حافظ لکھتے ہیں اس پر طحاوی کا اجماع ہے کہ ثلث سے زائد وصیت ممنوع ہے (پھر حدیث دو مال سے خالی نہیں اس کے ورنہ ہوں گے یا نہیں، شق ثانی میں تو کوئی اختلاف نہیں کہ ایسے شخص کے لئے ثلث سے زائد وصیت جائز نہیں) اور اگر شق اول ہے یعنی میت کے ورنہ میں تو اس وقت بھی ثلث سے زائد کی وصیت کو جہود طحاوی ناجائز قرار دیتے ہیں لیکن حنفیہ اور اشعری اور احمدی روایت نے اس کو جائز رکھا ہے اور یعنی بشرطیکہ ورنہ کی طرف سے اس کی اجازت ہو، چنانچہ ہدایہ میں ہے: ثم یصح للاجتنبی فی الثلث من غیر اجازۃ الورثۃ ولا تجوز بما زاد علی الثلث الا ان یجوز بالورثۃ بعد موتہم کما لان الامتناع لثقتهم وحم سقطہ، ولا معتبر باجازۃ تم فی مال حیاتیۃ اور نیز مانتا چاہیے کہ وصیۃ للوارث کا مسئلہ بھی مختلف ہے، ظاہر ہے کہ نزدیک قویہ حکم مطلقا ہے حدیث لا وصیۃ لوارث اخرجه ابو داؤد والترمذی وغیرہا اور عند المجہور وصیۃ لبعض الورثۃ کا جواز موقوف ہے بقیہ ورنہ کی اجازت پر اگر بقیہ ورنہ موت موسیٰ کے بعد اس کی اجازت دیدیں تو پھر وہ وصیۃ معتبر اور جائز ہے لروایۃ الدارقطنی لا وصیۃ لوارث الا ان یشار الورثۃ، قال الحافظ ورجالہ ثقات الا انہ معلول (ترجمہ بخاری) وفی المعنی قال المنذری انما یبطل الوصیۃ للوارث فی قول اکثر اهل العلم من اجل حقوق سائر الورثۃ، فاذا اجازوا حاجات کم اذا اجازوا الزیادۃ علی الثلث، وذهب بعضهم الی انہا لا تجوز وان اجازوها، لان المبیح فی الشرع وهذا قول اهل الظاہر، (عمدۃ القاری ج ۱ ص ۱۸۱) وفی البدایۃ، ولا تجوز لوارث الا ان یکون حیا الورثۃ لان الامتناع لثقتهم فیکون جائز ہتم، ولو اجاز بعض ورثۃ بعض تجوز علی المجیز بقدر حصۃ ولایۃ علیہ (اور انحصار المستطاع) نیز جانتا چاہیے کہ اگر کوئی شخص مرض الوفاۃ میں اپنے کسی وارث کو کوئی چیز فی الحال ہب کرے تو وہ حکم میں وصیۃ کے ہے وفی البدایۃ والہبۃ من المریض (مرض الموت) للوارث فی ہذا نظیر الوصیۃ لا ہبنا وصیۃ حکما، نیز حدیث میں ہے والثلث کثیر اسی لئے علماء فرماتے ہیں وصیت اگر ثلث سے کم ہو تو یہ بہتر ہے نفی البدایۃ ویستحب ان یوصی الانسان بدون الثلث سوا کانت الورثۃ اختیار او فقراء، لان فی التخصیص صلوۃ القریب یتربک علیہم بخلاف استکمال الثلث لانه استیفاء تمام حق فاصلہ ولا منہ، پھر یہ کہ بدون الثلث کی بھی وصیت کرنا اولیٰ ہے یا اس کا ترک اولیٰ ہے اس میں دو قول ہیں ایک یہ کہ اگر ورنہ، فقراء میں اس صورت میں ترک وصیت اولیٰ ہے اور اگر وہ اختیار میں تو وصیت کرنا اولیٰ ہے، اور دوسرا قول یہ ہے موسیٰ کو اختیار ہے تو کسی چاہے شی اختیار کرے اس لئے کہ ہر ایک شخص میں من وجہ فضیلت ہے اور مختص من البدایۃ۔



یا رسول اللہ! ای الصدقة افضل؟ قال ان تصدق وانت صحيح الخ۔

آپ سے سوال کیا گیا افضل الصدقة کے بارے میں تو آپ نے فرمایا کہ۔ سب سے افضل صدقہ وہ ہے جو اس حال میں کیا جائے کہ آدمی تندرست ہو، اور اس کو مال کی حرص اور محبت بھی ہو صحت اور توانائی کی دہر سے کافی روز تک اپنے زندہ رہنے کی توقع ہو، اور فقر سے ڈرتا ہو تو جو صدقہ اس حال میں کیا جائے گا وہ سب سے افضل ہوگا۔ لہذا اسی حالت میں آدمی کو صدقہ کرنا چاہیے، اور پھر آگے اس کی ضد سے آپ منع فرما رہے ہیں کہ مت تاخیر کر اور نہ مہلت دے اپنے نفس کو صدقہ کرنے سے یہاں تک کہ جب روح حلق تک پہنچ جائے تو تو کہنے لگے (بطور وصیت کے) فلاں کو اتنا دیا جائے، فلاں کو اتنا دیا جائے، حالانکہ وہ دوسرے فلاں کا ہو چکا یعنی وارث کا۔  
والحدیث أخرجه البخاری ومسلم والنسائی، قالہ المنذری۔

ان الرجل لیعمل والہدایة بطاعة الله مستین سنة ثم یحضرهما الموت فیضاران فی الوصیة فتجب لهما النار۔ آپ فرما رہے ہیں: بلاشبہ بعض مرد اور بعض عورتیں ایسی ہیں جو ساٹھ ساٹھ سال تک اللہ تعالیٰ کی اطاعت شعاری میں زندگی گزارتے ہیں، پھر جب موت کا وقت آتا ہے تو وصیت کے بارے میں ورثہ کو نقصان پہنچاتے ہیں اور جہنم کے سختی ہو جاتے ہیں۔

مصنف نے اس باب میں بعض حدیثیں تصدق کی ذکر کی ہیں اس لئے کہ تصدق عند الموت وصیت ہی کے حکم میں ہوتا ہے اور جس طرح وصیت ثلث سے زائد کی جائز نہیں ایسے ہی تصدق بھی جائز نہیں، اور اگر تصدق ورثہ کو نقصان پہنچانے کی غرض سے ہو تو وہ مطلقاً جائز نہیں، خواہ ثلث ہو یا اقل من الثلث (بدل)  
والحدیث أخرجه الترمذی وابن ماجہ قالہ المنذری۔

## باب ما جاء فی الدخول فی الوصایا

یعنی کسی کا وہی بن کر وصیتوں کے مسائل میں داخل ہونا اور ذمہ داریوں میں پڑنا۔

یا اباذر انی اراک ضعیفا وانی احب لک ما احب لنفسی فلا تأمرن علی اثنتین ولا تؤکین مالا یتیم۔  
شرح الحدیث | حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے یہ نصیحت فرمائی کہ اے ابوذر میں تم کو کمزور پایا ہوں یعنی امارت کی مصالح اور اس کی ذمہ داریوں کے پورا کرنے میں، لہذا کبھی دو آدمیوں پر بھی امیر نہ بننا (چہ جائیکہ اس سے زائد پر) اور ہرگز کسی یتیم کے مال کا متولی نہ بننا۔

لہ اسلئے کہ ان حالات کا نقصان یہ ہے کہ صدقہ نہ کیا جائے لیکن وہ شخص باوجود اس کے اپنے نفس کی مخالفت کر کے صدقہ کر رہا ہے ۱۱

اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ آپ تو فرما رہے ہیں احب لک ما احب لنفسی حالانکہ آپ تو امیر الامراء اور ولی الاولیاء تھے، اس کا جواب ظاہر ہے کہ آپ کا حضرت ابوذر کو قبول امارت و تولیۃ سے منع فرمانا ایک علت کیساتھ معلل ہے یعنی ان کا ضعف اور وہ علت آپ میں مفقود ہے، اور پھر آپ کی امارت اور تولیۃ وغیرہ آپ کی اپنی اختیار کردہ تھوڑا ہی ہے وہ تو اللہ تعالیٰ کی جانب سے عطا ہے۔ والحديث اخرجه مسلم والنسائي، قاله المنذرى۔

### باب ماجاء فى نسخ الوصية للوالدين والاقربين

شروع میں آیت میراث کے نازل ہونے سے قبل وصیت للوالدين والاقربين کا حکم تھا قیل وجوبا، وقیل استحبابا، قال اللہ تعالیٰ۔ یا ایہا الذین امنوا اذا جاء احدکم الموت ان ترک خیراً الوصیۃ للوالدین والاقربین بالمعروف والآیۃ، پھر آیت میراث کے نزول سے یہ حکم منسوخ ہو گیا، یہی مضمون ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت مذکورہ فی الباب میں ہے۔

### باب ماجاء فى الوصية للوارث

سمعت ابا امامة رضى الله تعالى عنه يقول سمعت رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم يقول ان وصیت سے متعلق بعض ضروری مسائل مع اختلاف ائمہ گذشتہ باب سے پہلے باب میں گذر گئے جنہیں مسئلۃ الباب بھی ہے۔ والحديث اخرجه الترمذی وابن ماجه، قاله المنذرى۔

### باب مخالطة اليتيم فى الطعام

عن ابن عباس رضى الله تعالى عنهما قال لما انزل الله عز وجل رد لا تقربوا مال اليتيم الا بالحق

هى احسن، وان الذین یا کون اموال الیتام فی ظلماء، الآیۃ الخ۔

مضمون حدیث واضح ہے کہ ابتداء میں ایسا تھا جن لوگوں کی ذمہ داری میں یتیم بچے پرورش پاتے تھے اور وہ ان کے مالوں کے متولی تھے تو وہ ان یتیم بچوں کا کھانا اپنے کھانے کے ساتھ شرکت میں تیار کرتے تھے جس میں یتامی ہی کا فائدہ تھا تو جب یہ دو آیتیں۔ جو روایت میں ہیں۔ نازل ہوئیں تو ان اولیاء نے احتیاطاً ایسا کیا کہ ان یتامی کے کھانے پینے کا انتظام مستقل الگ شروع کر دیا، خلط بین الطعام سے بچنے کے لئے، جب الگ پکانا شروع کر دیا تو اب اکثر اس کھانے میں سے کچھ بچ جاتا تھا تو وہ بچا ہوا یا تو باسی ان یتامی کو کھانا پڑتا تھا یا وہ مٹرتا تھا، یہ صورت حال ان پر گرلا گئی اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تو اس پر وہ دوسری آیت نازل ہوئی جو حدیث میں مذکور ہے، اس پر حسب سابق ان صحابہ نے کھانے کے بارے میں عمل شروع کر دیا۔ والحديث اخرجه النسائي، قاله المنذرى۔

## باب ماجاء فیما ولی الیتیم ان ینال من مال الیتیم

ولی الیتیم یعنی وصی اور متولی، حاصل ترجمہ یہ ہے کہ کیا متولی یتیم مال یتیم کی نگرانی و خدمت کی اجرت و وظیفہ لے سکتا ہے مال یتیم سے؟۔

قال: فکل من مال یتیمک غیر مسروق ولا مبادر ولا متاثر۔

ترجمہ الباب والے مسئلہ میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کو یہ فرمایا کہ ہاں ایسی صورت میں تو اپنے یتیم کے مال سے حق الن خدمت لے سکتا ہے اس حال میں کہ اسراف کرنے والا نہ ہو اور نہ جلدی کرنے والا ہو اور نہ سراپہ جمع کرنے والا ہو۔

یہ اشارہ ہے اس آیت کے مضمون کی طرف۔ ولاتاکلوا اموالکم اسرافاً وابداناً ان یکبروا۔۔ بڈرا، کا مطلب جس سے روکا جا رہا ہے یہ ہے کہ وہ متولی یتیم جلدی جلدی یتیم کے مال کو خرچ کرے یتیم کے بالغ ہونے سے پہلے، کیونکہ اس کے بالغ ہونے کے بعد تو ولیہ ختم ہو جائے گی، ممائل۔ ای غیر متخذ منہ مال۔ یہ اٹکلہ سے ہے، اٹکلہ اشئ اصلہ یعنی ایسا نہ ہونا چاہیے کہ مال یتیم کو اپنے لئے ذخیرہ اور رأس المال بنایا جائے، صرف حق الن خدمت لیا جائے، اور شرح میں اس کی تفسیر اس طرح کی ہے کہ وہ متولی مال یتیم میں تجارت کرے اور اس کے رأس المال سے کما رہے اور یتیم کے بالغ ہونے کے بعد درج خود رکھ کر اس کو صرف رأس المال دے۔

والحدیث اخرجه النسائی وابن ماجه، قاله المنذری۔

## باب ماجاء متی ینقطع الیتیم

لا یتربعد احتلام ولا صمات یوم الی اللیل،

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرما رہے ہیں کہ مجھے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث اچھی طرح محفوظ ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ احتکام کے بعد یتیم یتیم نہیں رہتا بلکہ اس پر بالغین کے احکام جاری ہو جاتے ہیں، اور گویا ولی کی تولیت اس سے ہٹ جاتی ہے، وہ خود اپنا اور اپنے مال کا ذمہ دار ہو جاتا ہے، اور دوسری بات جو مجھ کو آپ سے محفوظ ہے یہ ہے کہ صبح سے شام تک خاموش رہنا یعنی صوم سکوت یہ اسلام میں نہیں ہے لائے من عبادة الجاهلیة، بلکہ اسلام کی تعلیم تو یہ ہے کہ ذکر اللہ اور کلمہ الخیر زبان سے بولا جائے۔

## باب ماجاء فی التشدید فی اکل مال الیتیم

حدیث الباب میں ناحق مال یتیم کھانے کو سب کبار مہلکات میں شمار کیا گیا ہے۔

اجتنبوا السبع الموبقات الخ۔

**شرح الحدیث** | تولى يوم الزحف، زحف سے مراد قتال اور جنگ۔ یعنی لڑائی سے منہ موڑ کر جانا، وقذف المحصنات الغافلات یعنی پاکدامن اور بھولی بھالی ایماندار عورتوں پر تہمت لگانا، اور بعد والی روایت میں

اس طرح ہے یا رسول اللہ الکبائر؟ قال هن تسع وذكر معناه، وعقوق الوالدين المسلمين، واستحلال البيت الحرام قبلتكم احياء وامواتا، اس حدیث میں کبائر کی تعداد آپ نے نو فرمائی ہے، گزشتہ سات، کے علاوہ دو کا اضافہ ہے عقوق الوالدين، اور کعبۃ اللہ کا استحلال یعنی ہتک حرمت، جو چیزیں اس میں حرام کی گئی ہیں ان سے نہ رکنا، آگے سے روایت میں کہ وہ کعبہ جو کہ تمہارا قبلہ ہے زندوں کے لئے بھی اور مردوں کے لئے بھی، چنانچہ زندگی میں آدمی اس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتا ہے، اور مرنے کے بعد قبر میں میت کے چہرہ کو اسی کی طرف متوجہ کیا جاتا ہے۔

**گناہوں میں صغائر و کبائر کی بحث** | اس حدیث سے ایک قویہ بات معلوم ہوئی معاصی کی تقسیم، یعنی بعض معاصی عند الشارع صغیرہ ہیں اور بعض کبیرہ، دوسری چیز ان کی تعداد، جہور علماء کی رائے تو یہی ہے کہ گناہ دو قسم کے ہیں صغائر اور کبائر۔ اور بعض علماء اس تقسیم کے قائل نہیں، وہ کہتے ہیں کہ اللہ رب العالمین احکم الحاکمین کی ہر نافرمانی کبیرہ گناہ ہے، لیکن ظاہر قرآن و احادیث سے جہوری کے مسلک کی تائید ہوتی ہے، نیز حد کبیرہ یعنی اس کی تعریف میں بھی علماء کے اقوال مختلف ہیں، نفی الکیبرۃ ہی الموجبۃ للحد، وقیل ما لم یحق الوعد بصاحبہ نبھی کتاب او سنۃ، یعنی جس گناہ کے بارے میں قرآن یا حدیث میں وعید وارد ہوئی ہو، وقیل کل ذنب ادخل صاحبہ النار وغیر ذلک الی آخر ما فی البذل۔

دوسری چیز حدیث میں تعداد کبائر ہے، پہلی حدیث میں سات اور دوسری میں نو بیان کئے گئے ہیں، ان کے علاوہ بھی احادیث میں دوسرے کبائر ذکر کئے گئے ہیں چنانچہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کل ما نبی اللہ تعالیٰ عنہ ہو کبیرۃ، نیز ان سے سوال کیا گیا کہ کیا کبائر نو ہیں تو انہوں نے فرمایا صی الی سبعین یعنی ان کی تعداد ستر تک پہنچتی ہے اور ایک روایت میں ان سے سبع مئة یعنی سات سو ہے۔

حضرات علماء نے کبائر کے نام سے مستقل تصنیفات بھی لکھی ہیں مثلاً الکبائر للذہبی الصغائر والکبائر لابن نجیم البواب لابن حجر البیہقی، الکبائر لابن عبد الوہاب۔

حدیث ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اخرجه البخاری ومسلم والنسائی، و حدیث عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اخرجه النسائی قال المنذری

### باب ما جاء في الدليل على ان الكفن من جمع المال

وفي بعض النسخ من رأس المال - یعنی میت کے کفن کا تعلق میت کے پورے مال سے ہے، اگر پورا ترکہ اس میں

صرف ہو جائے تو ہوا کرے، لہذا کفن مقدم ہوگا دین اور وصیت اور میراث سب پر، اسی سے اس باب کی مناسبت بھی کتاب الوصیۃ کے ساتھ ظاہر ہوگئی۔

عن خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: مصعب بن عمیر قتل یوم احد ولم یکن لہ الانصرۃ اذ قال کا فاعل ضمیر مفعول ہے جو خباب کی طرف راجع ہے، اور مصعب ترکیب میں مبتلا اور قتل اس کی خبر ہے، حضرت خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنگ احد میں اس حال میں شہید کئے گئے کہ ان کے پاس سوائے ایک ادنیٰ چادر کے کچھ بھی نہیں تھا، اور وہ بھی ایسی تھی کہ اگر ہم اس سے ان کے سر کو ڈھانپتے تھے تو ان کے پاؤں کھل جاتے تھے اور اگر پاؤں ڈھانپتے تھے تو سر کھل جاتا تھا، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو سر کی جانب کر دو، اور پاؤں پر اذخر کے پتے رکھ دو۔ والحدیث اخرجہ البخاری و مسلم و الترمذی والنسائی، قالہ المنذری۔

### باب ماجاء فی الرجل یهب الہبۃ ثم یوصی لہ بہا ویرثہا

عن عبد اللہ بن بریدۃ عن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان امرأۃ انت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم وقالت کنت تصدقت علی امی بولیدۃ اذ۔

**شرح الحدیث** | یعنی ایک عورت آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اس نے یہ عرض کیا کہ میری والدہ کا انتقال ہو گیا اور میں نے ان کو ان کی زندگی میں ایک جاریہ بہہ کی تھی اور اب وہ اس جاریہ کو ترکہ میں چھوڑ گئی،

یعنی کیا میں اس کو لے سکتی ہوں؟ آپ نے اجازت دے دی اور فرمایا تیرا اجر اپنی جگہ قائم ہے اور وہ تیرے پاس میراث میں لوٹ کر آگئی۔ جمہور کا مسلک یہی ہے کہ صدقہ کیا ہو مال اگر میراث کے طور پر آئے تو اس کو لینا جائز ہے، بعض علماء کا اس میں اختلاف ہے وہ کہتے ہیں کہ اس کو لینے کے بعد صدقہ کرنا ضروری ہے۔ (بذل)

پھر اسی عورت نے یہ سوال بھی کیا کہ میری والدہ کے ذمہ ایک ماہ کے روزے بھی ہیں تو کیا یہ کافی ہے کہ ان کی طرف سے روزہ رکھ لوں؟ آپ نے فرمایا: نعم، اور پھر یہی سوال حج کے بارے میں آگے مذکور ہے۔

یہ مسئلہ کہ عبادت میں نیابت جاری ہو سکتی ہے یا نہیں بالتفصیل کتاب الصوم اور حج میں گذر چکا۔ والحدیث اخرجہ مسلم و الترمذی والنسائی وابن ماجہ قالہ المنذری۔

### باب ماجاء فی الرجل یوقف الوقف

**ذکر وقف میں مصنفین کا طرز عمل** | یہ باب وقف سے متعلق ہے جس کو مصنف کتاب الوصیۃ کے ضمن میں لائے ہیں،

حضرت امام بخاری نے بھی ایسا ہی کیا ہے، اور امام ترمذی نے وقف کا باب ابواب الاحکام کے ضمن میں لیا ہے، اور امام شافعی نے مستقل کتاب "کتاب الارباح" کے عنوان سے قائم کر کے اس کے تحت میں متعدد ابواب ذکر کئے ہیں، اور اس کے بعد مستصلاً کتاب الوصایا کو ذکر فرمایا۔

**وقف کی حقیقت میں امام حنفی اور جمہور کا اختلاف**

الواقف والتصدق بالمنفعة یعنی اصل شے کو اپنی ملکیت پر باقی رکھتے ہوئے اس کے منافع کا صدقہ کرنا کسی شخص پر یا کسی جماعت پر، خواہ فقرا ہوں یا اغنیاء، یہ تعریف امام ابوحنیفہ کے نزدیک ہے اور صاحبین کے نزدیک اس کی تعریف یہ ہے: حبس العین علی ملک اللہ تعالیٰ والتصدق بالمنفعة، یعنی کسی شخص کا اپنی کسی چیز کو مالک حقیقی یعنی اللہ تعالیٰ کی ملکیت ٹھہراتے ہوئے اس کی منفعت کا صدقہ کرنا، امام صاحب کے نزدیک واقف کی ملکیت وقف کردہ شے میں باقی رہتی ہے اور صاحبین کے نزدیک وہ شے مالک کی ملکیت سے خارج ہو جاتی ہے، نیز وقف امام صاحب کے نزدیک جائز ہے لازم نہیں مثل عاریۃ کے ہے۔ واقف کی حیات میں وہ شے اس کی ملک میں رہتی ہے اور اس کی وفات کے بعد ملک ورثہ ہو جاتی ہے بحیث بیاع و یوصب، وکذا جاز رجوع الواقف عن الوقف فی حیاتیہ مع الکراہۃ، اور صاحبین کے نزدیک وقف کے لئے ابطال وقف جائز نہیں بلکہ وہ لازم ہوتا ہے، اسی طرح اس میں میراث بھی جاری نہیں ہوتی وعلیہ الفتری (الدر المختار، جمہور علماء اور ائمہ ثلاث کا مسلک بھی یہی ہے۔

من ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال اصاب عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ دیناراً بخیر فاتی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم الخ۔

**مضمون حدیث (وقف عمر رضی اللہ عنہ)** مصنف نے اس باب میں دو حدیثیں ذکر فرمائی ہیں دونوں کا تعلق حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وقف سے ہے جنہوں نے اپنی دوزمینیں شمع اور صرۃ ابن الاکوع حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے مشورہ کے بعد وقف کی تھیں، ان دو میں پہلی حدیث تو ذرا مختصر ہے اور دوسری مفصل جس میں پورا وقف نامہ یعنی کتاب الوقف مذکور ہے، پہلی حدیث کا مضمون یہ ہے: حضرت عمر نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ میں نے ایک ایسی زمین حاصل کی ہے کہ اس سے زیادہ نفیس مالی مجھے کبھی حاصل نہیں ہوا، تو میں اس کا کیا کروں اور کیسے صدقہ کروں، اس میں آپ کا کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا اگر تم چاہو اصل زمین کو روک کر اس کے منافع کا صدقہ کر دو، چنانچہ حضرت عمر نے آپ کے فرمان کے مطابق اس کا تصدق کر دیا اس شرط کے ساتھ لایباع اصلہا ولا یوصب ولا یورث کہ اصل زمین کو نہ بیع کی جائے نہ ہبہ اور نہ اس میں میراث

جاری کی جائے، آگے موقوف علیہم کا بیان ہے للفقراء والقرطی والرقاب وفی سبیل اللہ قربی سے مراد یا تو واقف کے اقارب ہیں، اور ہو سکتا ہے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اقارب مراد ہوں، اور رقاب سے مراد کتب رقاب یعنی غلاموں کو آزاد کرنا اور مکاتیب کے دیون ادا کرنا، لاجتاحت علی من ولیہا ان یا کل منها بالمعروف، یعنی متولی وقف کے لئے یہ جائز ہو گا کہ اس سے معتمد اور معروف طریقہ سے منتفع ہو اور اپنے دوست کو بھی کھلانا لیکن یہ نہ ہو کہ اس میں سے اپنے لئے رکھ کر جمع کرے، گویا صرف حسب حاجت انفاق کی اجازت ہے جمع کی نہیں، تغیر متائل مالا، متائل اٹلہ سے ماخوذ ہے اٹلہ اصل شئی کو کہتے ہیں قال امرئ القیس ع وقد یدرک الحمد الموشل امثالی، یعنی وقف کے مال کو اپنا رأس المال نہ بنائے۔

اس روایت سے بظاہر یہ معلوم ہو رہا ہے کہ اس وقف میں یہ شرطیں لایا باع ولایوہب وغیرہ حضرت عمر کی جانب سے تھیں، اور بخاری کی بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان شروط کی ہدایت خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمر کو فرمائی تھی، حافظ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ ان شروط کا مرفوعاً ثابت ہونا ہی زیادہ صحیح ہے کیونکہ رفع والی روایت اتم اور اصرح ہے اور صاحب تحفۃ الاخوان نے روایتین کا تعارض لکھ کر یہ توجیہ کی ہے کہ ان دونوں کے درمیان جمع اس طور پر ممکن ہے کہ جس روایت میں یہ شرائط حضرت عمر کی طرف منسوب ہیں وہ روایت بعد کی ہے اولاً خود حضور نے ان کو ان شرائط کی ہدایت فرمائی تھی پھر حضرت عمر نے آپ کے حکم کی تعمیل میں وہ شرطیں لکھوائیں یہ نہ کہا جائے کہ یہ حدیث وقف کے سلسلہ میں جہور اور صاحبین کے موافق ہے کیونکہ اس میں لایا باع ولایوہب ولایورث کی تصریح ہے جہور بھی وقف کے بارے میں یہی کہتے ہیں اور یہ اس لئے کہ یہ حدیث اس بات پر دال نہیں ہے کہ یہ امور حقیقت وقف میں داخل ہیں بلکہ یہ تو شرط کے قبیلہ سے ہیں اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ چیزیں حقیقت وقف میں داخل ہوں، ہذا ما یخطر بالبال فیلسل۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔  
والحمد للہ الخرج البخاری وسلم والترذی والنسائی وابن ماجہ قالہ المنذری۔

عن یحییٰ بن سعید عن صدقۃ عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال سئل عن عبد الحمید ابن عبد اللہ بن عبد اللہ بن عمر بن الخطاب یسمی اللہ الرحمن الرحیم ہذا ما کتب عبد اللہ عمر فی شیخ، فقض من خبرہ نحو حدیث نافع، قال غیب متائل مالا فما عطا عنہ من شہوہ فهو للسان والمعمر کتاب الوقف کی شرح | یحییٰ بن سعید روایت کرتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وقف کے بارے میں کہ اس وقف نامہ کو مجھے لکھ کر دیا یعنی اس کی نقل عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پوتے عبد الحمید نے، آگے اس کتاب الوقف (وقف نامہ) کی عبارت ہے، اس عبارت میں ”عمر“ عبد اللہ سے بدل واقع ہو رہا ہے، ترجمہ یہ ہو گا یہ وہ چیز ہے جس کو اللہ تعالیٰ کا بندہ عمر لکھ رہا ہے شیخ کے بارے میں، آگے

مصنف حوالہ کے طور پر کہہ رہے ہیں کہ پھر یحییٰ بن سعید نے آگے وقف کے سلسلہ میں اسی طرح ذکر کیا جیسے اس سے پہلے نافع کی روایت میں آیا تھا اور یحییٰ کی روایت میں غیر متاثر الماثب ہے پھر اس روایت میں جو گزشتہ روایت سے زائد ہے اس کو روایت کرتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ جو کچھ ان مصارف مذکورہ میں خرچ کرنے کے بعد بچے اس کے پھلوں میں سے تو سائل اور محروم سبک لئے ہے، قالہ وساق الفصحة یعنی راوی نے اور کچھ بیان کیا، اس طرح وہاں کہتے ہیں جہاں اختصار کرنا مقصود ہو جیسے الی آخرہ کہتے ہیں آگے یہ ہے کہ اگر موتی شمع چاہے تو اس زمین کی آمدنی میں سے زمین کی خدمت اور کام کے لئے غلام خرید سکتا ہے۔ وکتب معقیب و شہد عبد اللہ بن الارقمہ یعنی اس وقف نامہ کو لکھنے والا معقیب ہے اور گواہ عبد اللہ بن الارقم ہیں، تحریر کے اخیر میں بن طرح کاتب اپنا نام لکھا کرتا ہے یہ وہی ہے، معقیب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خزانچی اور منشی تھے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم هذا ما اوصى به عبد اللہ عمر امير المؤمنين ان حدث به حدث ان شفا و صرمة ابن الاكوع الخ۔

بظاہر یہ وقف نامہ کی اصل اور مسلسل عبارت ہے، اوپر چونکہ مصنف وقف نامہ کی عبارت شروع کر کے اخلاص روایات کو بیان کرنے لگے تھے وہاں پوری عبارت نہیں آسکی تھی اس لئے یہاں دو پوری عبارت منقول ہے صداما فہت واللہ تعالیٰ اعلم۔  
مرۃ ابن الاكوع بھی شمع کی طرح زمین کا نام ہے۔

والتمۃ النجا اطعمہ معتمد علی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلمہ بالوادی، یعنی اور وہ سو حصے (ان کو بھی وقف میں شامل کر رہے ہیں) جو محمد کو یعنی عمر کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے عطا کئے تھے وادی میں، وادی سے مراد وادی القری ہے جو مدینہ اور تبوک کے درمیان ہے۔

تلبہ حفصۃ ما عاشت یعنی اس وقف کی تولیت میری بیٹی حفصہ کے لئے ہوگی جب تک وہ حیات رہے پھر اس کے بعد اس کے خاندان میں سے جو ذی رائے ہو۔

## باب ماجاء فی الصدقة عن المیت

اذا مات الانسان انقطع عنه عمله الا من ثلاثة اشياء من صدقة جاریة او علم

لے اس کے لکھنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ یہاں عبارت میں بظاہر تکرار محسوس ہو رہا ہے۔

تھ اور مرۃ بن تنس ایک انصاری صحابی کا نام ہے جو کتاب الصوم کے شروع میں گذرا ہے، اور اس پہلے ابواب الاذان اخیلت الصلاة ثلاثہ حوالہ کے ذیل میں فت ذکر۔



ينتفع به او ولد صالح يدعوله۔

**شرح الحدیث** یعنی آدمی کے مرنے پر اس کے سارے اعمال منقطع ہو جاتے ہیں، اسی طرح سلسلہ ثواب کا بھی منقطع ہو جاتا ہے انقطاع عمل سے، لیکن اس میں آپ نے تین عملوں کا استثناء فرمایا کہ وہاں سلسلہ ثواب انقطاع عمل سے منقطع نہیں ہوتا (۱) صدقہ جاریہ یعنی ایسا صدقہ جس کا نفع لوگوں میں جاری رہے جیسے اوقاف (۲) ایسا علم جس سے لوگ منتفع ہوتے رہیں جیسے تعلیم و تصنیف، قال التاج السبکی التصفیۃ اوقی من التعلیم بطول بقائه (۳) ولد صالح جو اپنے باپ کے لئے دعا کرتا ہو، صلح سے مراد یہاں یومین ہے کما قال ابن حجر المکی۔ ہمارے ایک استاد فرماتے تھے مولانا امیر احمد صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ کہ یہ دعولہ کی قید احترازی نہیں اتفاقی ہے اسلئے کہ آدمی کی یومین اولاد اس کے لئے ویسے بھی صدقہ ہے خواہ دعا کرے یا نہ کرے۔

مصنف نے ترجمہ قائم کیا صدقہ عن المیت، اس میں ایصال ثواب برائے موتی کا مسئلہ ہے اس پر کلام ہمارے یہاں کتاب الزکاۃ باب فی فضل سقی الماریں گذر چکا، اس مسئلہ پر یہاں بذل میں بھی تفصیلی کلام کیا ہے جو دیکھنا چاہے دیکھ لے۔ والحدیث أخرجه مسلم والترمذی والنسائی قال المنذری۔

### باب ماجاء فی من مات عن غیر وصیۃ یتصدق عنه

ترجمہ اور حدیث الباب ظاہر ہے محتاج تشریح نہیں۔

حدیث عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا أخرجه النسائی وابن ماجہ، و حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما أخرجه البخاری والترمذی والنسائی، قال المنذری۔

### باب ماجاء فی وصیۃ الحر بنی سلم ولیہ ایلزمہ ان ینفذها

یعنی اگر کوئی کافر کوئی وصیت کرے مرے اور حال یہ کہ اس کا وارث مسلمان ہو جائے تو کیا اس صورت میں اس وارث مسلم پر یہ واجب ہے کہ اس کافر باپ کی وصیت کو پورا کرے۔

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اس پر وصیت کو پورا کرنا لازم نہیں جیسا کہ حدیث الباب سے سمجھ میں آرہا ہے حدیث الباب یہ ہے۔ ان العاص بن واصل اوصی ان یعتق عنه مئة و قبة فاعتق ابنه هشام خمسين رقبة (۱)۔

یعنی عاص بن واصل جو کہ کافر تھا اسلام نہیں لایا اگرچہ اس نے اسلام کا نانا پیا ہے، اس نے یہ وصیت کی کہ میری

طرف سے سو غلام آزاد کئے جائیں، تو ان کے ایک بیٹے ہشام بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تو پچاس غلام آزاد کر دیئے اور اس کے دوسرے بیٹے عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی ارادہ کیا باقی پچاس آزاد کرنے کا، تو انہوں نے سوچا کہ اول حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کر لیا جائے، چنانچہ آپ کی خدمت میں آکر انہوں نے دریافت کیا اور آکر آپ کی خدمت میں اپنے باپ کی وصیت کا ذکر کیا اور یہ کہ میرے بھائی نے تو پچاس اس کی طرف سے آزاد کر دیئے ہیں تو کیا باقی پچاس میں اس کی طرف سے آزاد کر دوں، حضور نے فرمایا کہ اگر تیرا باپ مسلم ہوتا اور پھر تم لوگ اس کی طرف سے آزاد کرتے یا صدقہ کرتے یا اس کی طرف سے حج کرتے تب تو اس کا ثواب اس کو پہنچتا (لیکن موجودہ صورت میں آزاد کرنا بیکار ہے) دیکھئے اسلام کتنی بڑی نعمت ہے کہ اسکی وجہ مرتکب بے حیثیت کو فوائد پہنچانے جاسکتے ہیں نا محمد لہ الذی ہدانا

## باب ما جاء في الرجل يموت وعليه دين وله وفاء يستظر

### عمر ماؤة ويرفوق بالوارث

یعنی اگر کوئی شخص اس حال میں مرے کہ اس کے ذمہ کسی کا دین ہو اور وہ اتنا مال چھوڑ کر بھی مرے جس سے دین ادا ہو سکتا ہو تو اس کے قرض خواہوں سے کیا مہلت طلب کی جائے اور وارث کے ساتھ نرمی کا معاملہ کیا جائے۔ یہ ترجمہ یا تو بطریق استفہام کے ہے بتقدیر ہمزۃ الاستفہام، اور احتمال اس میں خبر کا بھی ہے (بذل)

عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ اخبرہ ان اباہ توفی وتوفی علیہ ثلاثین وسقاً الرجل من یهود اذ  
**حدیث دین جابر کی شرح** یہ حدیث دین جابر کی کہلاتی ہے، ان کے دین کا قصہ روایات میں مشہور ہے بخاری میں یہ حدیث متعدد مواضع میں ہے، کتاب البیوع، کتاب الصلح، کتاب الاستقراض، کتاب الہبۃ، کتاب الوصایا، علامات النبوة الفسیانہ وغیرہ، اسی طرح نسائی میں بھی بالتفصیل متعدد طرق سے آئی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت جابر کے والد عبد اللہ بن عمرو بن حرام رضی اللہ تعالیٰ عنہما جنگ احد میں شہید ہو گئے تھے اور ان کے ذمہ جیسا کہ ابوداؤد کی اس روایت میں ہے ایک یہودی کی تیس دسوق کھجوریں تھیں، حضرت نے بذل میں لکھا ہے کہ بخاری وغیرہ کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے غریب یعنی قرض خواہ بہت سے تھے لہذا ابوداؤد کی روایت کا مطلب یہ لیا جائے گا کہ ان غریبوں میں سے تیس دسوق کھجوریں صرف ایک غریب کی تھیں اور دوسرے غریب کے جوان پر دین تھے وہ اس کے علاوہ تھے غرضیکہ حضرت جابر نے اپنے والد کے غریب سے اول تو کچھ دین کی معافی کی بات رکھی کہ چھوڑ دیا جائے، جب انہوں نے اس کو نہ مانا تو پھر انہوں نے استنظار یعنی مہلت طلب کی، جب انہوں نے اس سے بھی انکار کر دیا تو پھر حضرت

عہ منکونہ شریف نصف اول کی یہ آخری حدیث ہے جسکی نسبت اس میں صرف ابوداؤد کی طرف کی ہے۔

جابر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے عرض کیا کہ آپ ہی کچھ سفارش فرمادیجئے آپ نے ان غرام سے ان کے لئے سفارش فرمائی، انہوں نے تب بھی نہیں مانا، حضرت جابر فرماتے ہیں کہ حضور نے مجھ سے فرمایا اچھا جاؤ اپنے باغ میں اور کھجوریں توڑو اور ہر قسم کی کھجور کو علیحدہ علیحدہ جمع کرو، یعنی ان کو خلط نہ کیا جائے اور جب تم یہ سب کلام کر چکو تو مجھے اطلاع کر دینا حضرت جابر فرماتے ہیں کہ میں نے ایسا ہی کیا اور کھجوروں کے ڈھیر لگا کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع کرادی، آپ تشریف لائے اور ان ڈھیروں میں سے ایک پر بیٹھ گئے اور فرمایا کہ ان لوگوں کو ناپ ناپ کر کھجوریں دینی شروع کرو، وہ فرماتے ہیں میں نے ایسا ہی کیا اور حضور برکت کی دعا فرماتے رہے یہاں تک کہ سب کا حق پورا ادا ہو گیا اور میری کھجوروں کا حال یہ تھا کہ گویا ان میں سے کچھ لیا ہی نہیں گیا، ایک روایت میں ہے کہ ہم یہ سمجھتے تھے کہ ہمارے باغ کی کئی سال کی فصلوں میں جا کر یہ قرض ادا ہو گا، مگر وہ ایک ہی سال کی فصل سے ادا ہو گیا، اور روایت میں ہے کہ ہمارے دو باغ تھے ایک چھوٹا ایک بڑا، اور یہ سارا قرض ایک چھوٹے باغ سے پورا ہو گیا حتیٰ وفینا جمیع حقہ من اصغر الحدیقتین، اور ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ جب سب کے حقوق ادا ہو گئے تو حضور نے حضرت جابر سے فرمایا کہ جاؤ ابو بکر و عمر کو بھی اس کی اطلاع کر دو، وہ کہتے ہیں کہ میں نے ان کو اس کی اطلاع کی ان دونوں نے فرمایا کہ ہم تو پہلے ہی سمجھ گئے تھے کہ جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بہ نفس نفیس باغ میں تشریف لچارے ہیں تو پھر ایسا ہی ہو گا، یہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا معجزہ ظاہر ہے اسی وجہ سے امام بخاری نے اس کو علامات نبوة میں بھی ذکر کیا ہے صلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا محمد وآلہ وصحبہ وسلم تسلیما کثیرا۔

والحدیث اخرجه البخاری والنسائی وابن ماجہ، قال المنذری، وثی۔ البذل، والحدیث تمامہ مذکور فی البخاری ومسلم وغیرہما قلت لم اجدہ فی صحیح مسلم ولعلہ سبق فلم، والصواب بدلہ والنسائی یقول۔

## اول کتاب الفرائض

العلم ثلاثہ وما سوی ذلک فهو فضل ایۃ محکمۃ اوسنۃ قائمۃ اوفریضۃ عادلۃ۔

شرح الحدیث | یعنی علوم شرعیہ معتبرہ تین ہیں، اور ان کے علاوہ جو ہے وہ ضرورت سے زائد اور غیر ضروری ہے آگے ان تین کا بیان ہے (۱۱) آیات محکمہ، یعنی غیر منسوخہ، یا صریحہ غیر محتمل تاویل (۲) احادیث صحیحہ ثابتہ (۳) فریضہ عادلہ فریضہ سے مراد یا تو وہ احکام و اصول ہیں جن سے تقسیم بین الارثہ عدل کے ساتھ یعنی پوری پوری ہو سکے اور یہ بات علم الفرائض سے حاصل ہوتی ہے اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ اس سے مراد مطلق وہ فرائض و احکام ہیں جن پر عمل واجب ہے، اور عادلہ سے مراد ہے مساویہ، یعنی وہ احکام مستنبطہ جو مساوی اور موافق ہوں یا یؤخذ

من الكتاب والسنة کے واللہ تعالیٰ اعلم، قضیہ اشارۃ الی الاجماع والقیاس، لہذا اس حدیث میں چاروں اولاد شرعیہ کتاب وسنتہ اجماع و قیاس کا ذکر آگیا۔ اس حدیث کی شرح میں یہ دونوں احتمال بذل میں فتح الودود کے حوالے سے لکھے ہیں، امام ترمذی نے کتاب الفرائض کے شروع میں باب ماجاء فی تعلیم الفرائض کے تحت میں یہ حدیث ذکر کی ہے عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تعلموا الفرائض والقرآن وعلما الناس فانی مقبوض و فی ہامشہ عن مجمع البحار قیل ای علم المیراث، ولادلیل علیہ والظاهر ما فرض اللہ تعالیٰ، ویکون ان یراد سننا صادرة منہ مشتملة علی الاولاد والنواھی، ای تعلموا الکتاب والسنتہ۔

## باب فی الکلالۃ

کلامہ عند المجہور وہ میت ہے جو والد اور ولد چھوڑ کر نہ مرے من لا والد لہ ولاد لہ، اور اس میں یہ بھی کہا گیا ہے وہ ورثہ جہن میں میت کا والد اور ولد نہ ہوں، یہ دونوں تو تقریباً ایک ہی ہیں، وقیل من لا والد لہ فقط وھو قول عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، او من لا والد لہ فقط۔

انہ سمع جابر ارضی اللہ تعالیٰ عنہ یقول مرضت فأتانی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

..... یا رسول اللہ کیف اصنع فی مالی ولی اخوات قال فنزلت آیت المیراث۔

مضمون حدیث جابر فی الوصیۃ | اس باب میں مصنف نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ذکر کی جس میں وہ یہ فرما رہے ہیں کہ میں ایک مرتبہ بیمار ہوا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

میری عیادت کے لئے تشریف لائے تو میں اس وقت بے ہوش تھا آپ سے بات نہیں کر سکا، آپ نے وضو فرمائی اور وضو کا بچا ہوا پانی یا غسل لے۔ (وبالآخر جزم الحافظ فی الفتح کافی بامش الہنل) مجھ پر چھڑکا جس سے میں ہوش میں آگیا، اس وقت میں نے آپ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں اپنے مال میں کیا کروں (یعنی اگر کچھ وصیت کرنا چاہوں تو کر سکتا ہوں) اور میرے وارثوں میں صرف میری بہنیں ہیں، وہ فرماتے ہیں اس پر آیت میراث نازل ہوئی (آیت میراث کمصداق

لہ میری تقریر ابوداؤد کی ایک کاپی میں اس طرح ملتا: علوم شرعیہ معتبرہ تین ہیں آیات صریحہ حکمہ، احادیث صحیحہ ثابتہ، وہ احکام اور فرائض جو قسین اولین سے ماخوذ و مستنبط ہوں (اشارۃ الی القیاس والاجماع) العادلہ یعنی برابر یعنی یہ احکام اور فرائض مستنبط معتبر ہوں اور واجب العمل ہونے میں برابر ہیں قسین اولین کے لیکن مصنف کی مراد یہ معنی نہیں بلکہ دوسرے معنی مراد ہیں وہ یہ کہ فریقہ عادلہ سے مراد وہ احکام اور اصول ہیں جن سے عدل بین الورثۃ فی الخصص المعینہ حاصل ہو، اور یہ بات علم الفرائض سے حاصل ہوتی ہے، وہ المعنی ہوا المطابق لفرض المصنف یعنی العادلۃ علی الاول العادلۃ ای المستویۃ للقسین الاولین فی الحجۃ علی الشائی بمعنی العادلۃ فی القسمۃ۔



لیس لہ ولد ولہ اخوات۔ اور من لیس لہ ولد یہی کلام ہے (علی قول) لہذا پہلا باب اور یہ باب دونوں کلام سے متعلق ہیں، فالفرق بین الترجمتین بقولہ صہنا ولہ اخوات، وهذا القید لیس بملحوظ فی الترجمة السابقة۔

عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قالت اشکیت وعندی سبع اخوات..... الاوصی لاختواتی

بالتین؛ قال أحسن، قلت الشطر؛ قال أحسن۔

**شرح الحدیث** | ظاہر الفاظ حدیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ حضرت جابر نے آپ سے یہ دریافت کیا کہ کیا میں اپنی بہنوں کے لئے وصیت کی وصیت کر دوں، اس پر آپ نے فرمایا کہ نہیں بلکہ اپنی اخوات کے ساتھ احسان کر، انہوں نے عرض کیا کہ اچھا نصف کی وصیت کر دوں؟ آپ نے پھر وہی فرمایا احسن، اس حدیث پر بادی الرأی میں دو اعتراض ہوتے ہیں اول یہ کہ اخوات کے لئے وصیت کہاں جائز ہے وہ تو وارث ہیں ولاد وصیت لوارث، دوسرے یہ کہ وہ تو ثلثین کی وصیت کی اجازت لینا چاہتے تھے، آپ نے فرمایا احسن الی الاخوات، اس پر انہوں نے نصف کی وصیت کی اجازت طلب کی، اس میں احسان الی الاخوات کہاں ہے اس میں تو اور بھی نقصان پایا جا رہا ہے، اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ باب وصیت میں لام موصی لہ پر داخل ہوتا ہے لیکن یہاں لا اختواتی میں یہ لام جملہ کا نہیں ہے اور موصی لہ پر داخل نہیں ہو رہا ہے بلکہ یہ لام اعلیہ ہے یعنی لاجل اختواتی، اور مطلب یہ ہے کہ میں جو آپ سے وصیت کی اجازت طلب کر رہا ہوں وہ اخوات کے موجود ہونے کی وجہ سے ہے کہ چونکہ میرے ورثاء میں میری اخوات موجود ہیں تو کیا ان کے ہوتے ہوئے میں کسی شخص کے لئے ثلثین کی وصیت کر سکتا ہوں، فرال الاشکال بحذافیرہ کذا سمعت من الاساتذہ۔ پھر آگے روایت میں یہ ہے: آپ نے حضرت جابر سے فرمایا کہ میرا خیال ہے کہ تم اپنے اس مرض میں وفات نہیں پاؤ گے۔

**تنبیہ**، حضرت جابر کا کلام ہونا اور پھر محدثین کا ان کی روایت کو باب الکلام میں ذکر کرنا یہ ان کی اُس موجودہ حالت کے اعتبار سے ہے جو بوقت سوال تھی ورنہ بعد میں تو جب وہ اس مرض سے صحت یاب ہو گئے تو شاوی کی صاحبزادہ ہوئے اور بہت زمانہ تک زندہ رہے حتیٰ کوئی ۷۳ھ وھو ابن اربعة و سبعین سنہ وھو اخر من مات بالمدينة من الصحابة (کذا فی التہذیب) والحدیث اخرہ النسائی، قال المنذری۔

→ (۴) حدیثنا منصور بن ابی مزاحم جو ہمارے یہاں اس ترجمہ ثانیہ کے تحت آگے آرہی ہے، اور چاروں حدیثیں ترجمہ الباب کے مطابق ہیں دوسرا اختلاف نسخ یہاں پر یہ ہے کہ ہمارے نسخہ میں ترجمہ ثانیہ کے تحت جو تیسری حدیث ہے حدیثا موسیٰ بن اسماعیل، اور جو تھی حدیثا مسدد اور پانچویں حدیثا ابن السرح، بعض دوسرے نسخوں میں یہ تینوں حدیثیں آئندہ آنے والے باب یعنی باب ماجاء فی میراث الصلابة تحت میں مذکور ہیں اور ہونا بھی ایسا ہی چاہیئے کہ ان تینوں روایتوں کو ہمارے ترجمہ الباب (من کان لیس لہ ولد ولہ اخوات) سے کوئی مناسبت نہیں بلکہ اس کے منافی ہیں۔

عن البراء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: اخبرني آية نزلت في الكلالۃ :-

نزلت آية کی صفت ہے، یعنی آخری آیت جو کلالہ کے بارے میں نازل ہوئی وہ یہ ستفتونک الخ ہے، اسی آیت کو آية الصیف کہا جاتا ہے اور وہ جو سورہ نسا کے شروع میں ہے اس کو آية الشمار کہتے ہیں۔

والحدیث اخرجه البخاری وسلم والنسائی، قاله المنذرى۔

نجات البراءة بافتين لها فقالت يا رسول الله۔

اس روایت کا ذکر ہمارے یہاں شروع میں آچکا، مضمون حدیث یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں سعد بن الزریع کی زوجہ نے اپنی دو بیٹیوں کو پیش کیا اور عرض کیا کہ یہ دونوں سعد بن الزریع کی بیٹیاں ہیں جو آپ کے ساتھ جنگ احد میں تھے اور شہید ہو گئے تھے، ان دونوں کے چچا نے ان کا سارا مال اور میراث قبضا لیا، اب کیا کیا جائے، بغیر مال کے ان کا نکاح کیسے کیا جائے گا، آپ نے اس عورت کی بات سن کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس بارے میں کچھ فیصلہ فرمائیں گے، اس پر پھر آیت میراث، یو صیکم اللہ فی اولادکم، نازل ہوئی، اس آیت کے نازل ہونے کے بعد آپ نے اس عورت کو اور اس کے صاحب معاملہ کو بلوایا، اور ان کے آنے کے بعد آپ نے ان لڑکیوں کے چچا سے فرمایا کہ دو ثلث میراث کا ان دونوں کو دے اور ثمن ان کی والدہ کو، آگے جو بچے وہ تیرے لئے ہے۔

والحدیث اخرجه الترمذی وابن ماجہ، فی حدیثہما سعد بن الزریع، قاله المنذرى۔

حدثنا منصور بن ابی مزاحم..... عن البراء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال جاء رجل

الى النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم :-

خطابی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کلالہ کے بارے میں دو آیتیں نازل فرمائیں ایک سردی کے زمانہ میں اور یہ وہ آیت ہے جو سورہ نسا کے شروع میں ہے جس میں اجمال و ابہام ہے پھر دوسری آیت نازل فرمائی گرمی کے زمانہ میں اور یہ وہ ہے جو سورہ نسا کے آخر میں ہے جس میں تفصیل اور وضاحت ہے اس لئے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس سائل کو اسی آية الصیف کا حوالہ دیا کہ اس کو پڑھ وہ تیرے لئے کافی ہو جائے گی۔

والحدیث اخرجه الترمذی، قاله المنذرى۔

## باب ماجاء فی میراث الصلب

جاء رجل الى ابی موسی الاشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ وسلمان بن ربیعۃ :-

ایک شخص ابوموسی اشعریؓ کے پاس جو کہ اس وقت حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جانب سے امیر کوفہ تھے اور سلمان بن ربیعہ کے پاس (جو کہ قاضی کوفہ تھے) آیا، اور اس نے ان دونوں

مضمون حدیث

سے قرائن کا یہ مسئلہ دریافت کیا کہ ایک شخص کا انتقال ہوا اور اس نے ایک بیٹی اور ایک پوتی اور ایک حقیقی بہن چھوڑی ان دونوں نے یہ فیصلہ فرمایا کہ نصف میراث بیٹی کے لئے ہے (لقولہ تعالیٰ ان کانت واحدة فلها النصف) اور نصف بہن کیلئے اور پوتی کو کچھ نہیں دیا اور ان دونوں نے اس سائل سے یہ بھی فرمایا کہ ابن مسعود کے پاس بھی چلے جاؤ وہ بھی اس فیصلہ کی موافقت فرمائیں گے، یہ سائل ان کی خدمت میں پہنچا اور ان دونوں کا فیصلہ سنایا، انہوں نے فرمایا: لقد ضللت اذا وما انامن المہتدین کہ اگر میں یہ فیصلہ کروں تو میں سیدھی راہ سے بھٹک جاؤں گا اور پھر انہوں نے فیصلہ یہ کیا کہ نصف بیٹی کے لئے اور سدس پوتی کے لئے مکملہ للثلاثین، اور باقی یعنی ثلث بہن کے لئے۔

مکملہ للثلاثین کا مطلب سراجی پڑھنے والے جانتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ قرآن پاک میں تصریح ہے اس بات کی کہ اگر بیٹی ایک ہو تو اس کے لئے نصف ہے اور اگر ایک سے زائد ہوں تو پھر ان کا حصہ دو ثلث ہے (لقولہ تعالیٰ فان كن نساء فوق اثنتين فلهن ثلثا من ترك) یہاں چونکہ بنت ایک تھی کتاب اللہ کی تصریح کے مطابق نصف تو اس کا ہو گیا اور چونکہ بنت الابن بھی بنت ہی ہے مگر ذرا بعید اس لئے بنت کو نصف دینے کے بعد ثلثین میں سے جو سدس باقی رہ گیا تھا وہ دوسرے درجہ کی بنت کو دیدیا گیا تاکہ مجموعہ بنات کا حصہ پورا دو ثلث ہو جائے اور دونوں آیتوں کے مضمون پر عمل ہو جائے، یہی مطلب ہے مکملہ للثلاثین کا۔

والحدیث اخرہ البخاری والترذی والنسائی وابن ماجہ بخوہ، قالہ المنذری۔

## باب فی الجدة

جدہ سے یہاں دادی اور نانی دونوں مراد ہیں کیونکہ دونوں ذوی الفروض میں سے ہیں اور دونوں کا ہم بھی ایک ہی ہے یعنی سدس، اگر دونوں میں سے ایک ہوگی تو تنہا سدس وہ لے لیگی اور اگر دونوں میں تو سدس میں دونوں مشترک ہو جائیں گی جیسا کہ حدیث الباب میں ہے۔

جانتا چاہیے کہ ذوی الفروض یعنی وہ در شمار جن کے حصص متعین ہیں وہ دو طرح کے ہیں اکثر تو وہ ہیں جن کے حصہ کی تصریح کتاب اللہ میں ہے اور بعض ایسے ہیں کہ ان کا فرض اور حصہ کتاب اللہ سے ثابت نہیں بلکہ حدیث سے ہے چنانچہ جدہ خواہ ام الاب ہو یا ام الام اسی قسم ثانی میں سے ہے، چنانچہ حدیث الباب میں ہے کہ کسی میت کی جدہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئی اپنی میراث طلب کرنے، تو انہوں نے فرمایا مالک فی کتاب اللہ شیء کہ کتاب اللہ میں تو تیرا حصہ مذکور نہیں اور کسی حدیث سے تیرا حصہ ثابت ہے یا نہیں، یہ میرے علم میں نہیں، البتہ میں اس کے بارے میں لوگوں سے معلوم کروں گا، ان کے سوال کرنے پر حضرت میسرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ میرے سامنے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جدہ کو سدس عطا کیا ہے، اور محمد بن مسلمہ نے بھی اس کی



تائید فرمائی، ان دو صحابیوں کی روایت پر حضرت ابو بکر نے اس حصہ کا نفاذ فرمادیا پھر آگے روایت میں یہ ہے کہ پھر عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں اسی میت کی جدہ اخری آئی اور اپنی میراث طلب کی تو انہوں نے فرمایا کہ جدہ کے لئے ایک ہی سوس ہے اگر وہ تنہا ہو تنہا لے لے، اور اگر دو ہوں (دادی اور نانی) تو وہ اس میں مشترک ہوں گی۔

جدہ کا اطلاق چونکہ دادی اور نانی دونوں پر ہوتا ہے اور دونوں کا حکم بھی ایک ہی ہے اس لئے یہ کہا جائیگا کہ اگر صدیق اکبر کے پاس آنے والی اس میت کی دادی تھی تو فاروق اعظم کے پاس آنیوالی اس کی نانی ہوگی، اور ہو سکتا ہے اس کا عکس ہو، واللہ تعالیٰ اعلم۔  
والحدیث اخرجہ الترمذی والنسائی وابن ماجہ، قالہ المنذری۔

### باب ماجاء فی میراث الجد

جد سے مراد ابوالاب جو کہ ذوی الفروض میں سے ہے مگر باسند نہ کہ بالکتاب، اور جد سے ابوالام مراد نہیں ہو سکتا جس کو جد فاسد کہتے ہیں اس لئے کہ وہ ذوی الارحام میں سے ہے جن کی توریث میں اختلاف ہے اور اس کا باب آگے آ رہا ہے، میراث جد کی جدہ کی طرح سوس ہے۔

عن عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رجلاً اتى النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم  
**مضمون حدیث** ایک شخص آپ کی خدمت میں آئے، یعنی مرنے والے کا دادا، اس نے عرض کیا کہ میرا پوتا مر گیا ہے مجھے اس کی کتنی میراث ملے گی، آپ نے فرمایا سوس، جب وہ جانے لگا تو آپ نے اس کو بلایا اور فرمایا تیرے لئے ایک سوس اور ہے، پھر جب وہ جانے لگا تو آپ نے اس کو پکارا اور فرمایا کہ یہ دو سوس تیرے معینہ حصہ سے زائد ہے۔

دادا کا اصل حصہ یعنی فرض تو سوس ہی ہے، اور یہاں سوس آخر جو اس کو ماوہ تعصیب کے طور پر ہے جس کی بظاہر شکل یہ ہوگی کہ مرنے والے نے اپنے جد کو چھوڑا اور بنتیں کو، بنتیں کا فرض دو ثلث ہے تو باقی ایک ثلث میں سے نصف یعنی سوس یہ دادا کا حصہ تھا وہ آپ نے اس کو دیا، اور پھر جو سوس بچا وہ بھی آپ نے اس کو دیدیا، اور شروع ہی میں پورا ثلث اس لئے نہیں دیا تاکہ اس کو معلوم رہے کہ میرا اصل فرض ایک سوس ہے والحدیث اخرجہ الترمذی والنسائی، قالہ المنذری۔

عن الحسن بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال ایکہ یعلم ما ورث رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم لجد الخ۔

**مضمون حدیث** حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مرتبہ حاضرین مجلس سے دریافت فرمایا کہ تم میں سے کسی کو یہ معلوم ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جد کا میراث میں کتنا حصہ لگایا، اس پر عقیل بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ میں جانتا ہوں کہ آپ نے دادا کا حصہ سدس لگایا، حضرت عمر نے دریافت کیا کہ آپ نے دادا کو سدس کن ورثاء کے ہوتے ہوئے دیا؟ اس پر عقیل نے کہا کہ یہ تو مجھے معلوم نہیں، حضرت عمر نے فرمایا کہ پھر تمہیں اس کا کچھ علم نہیں، صرف اتنا جانتا کہ سدس دلایا مفید نہیں، اور یہ اس لئے کہ میراث میں ذوی الفروض کو اصل فرض کے علاوہ بعض صورتوں میں عصبہ ہونے کی حیثیت سے کچھ زائد بھی ملتا ہے جیسا کہ ابھی اوپر والی حدیث میں گذرا، تو جب تک سب ورثاء کا علم نہ ہو اس وقت تک بات منقح نہیں ہو سکتی۔ جانا چاہیے کہ میراث الجدد میں یعنی اس کی مقدار میں صحابہ کرام کا اختلاف رہا ہے، خود حضرت عمر سے بھی اس میں مختلف فیصلے منقول ہیں، ابو داؤد میں کتاب الاشراف کے شروع میں حضرت عمر کی یہ حدیث آ رہی ہے، ثلث و دلت ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم لم یفرقنا حتی یعبد الینا فیہن عہد انتم ہی الیہ الحمد والکمالہ والواب من ابواب الرباء (ینظر البذل ۴۷ ص ۳۳۳) والحدیث اخرجه النسائی، وابن ماجہ بخوہ قالہ المنذری۔

### باب فی میراث العصبہ

جاننا چاہیے کہ وراثت کے اعتبار سے ورثاء کے درمیان ترتیب اس طرح ہے، اولاً ذوی الفروض، ثم العصباء النسبیۃ، ثم العصباء السببیۃ یعنی موالی العتاقہ اس لئے کہ اس کی عصبیت نسب کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ ایک دوسرے سبب کی وجہ سے ہے یعنی عتاق ثم ذوی الارحام۔ عصبہ ان رشتہ داروں کو کہتے ہیں جن کا حصہ لگایا نہ ہو، (اگر ہو تو ذوی الفروض کہلاتا ہے بلکہ ذوی الفروض کے دینے کے بعد جو بچے وہ ان کو ملے۔

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اقسیم المال بین اهل الفرائض جلی کتاب اللہ، فما ترک الفرائض فلا ولی ذکر لہ

لہ ای الاقرب فی النسب الی المورث دون الای بعد فان استودا اشرکوا، و اقرب العصباء البنون ثم بنوهم وان سقطوا، ثم الاب ثم الجد ابوالاب وان علوا، قال الخطابی اقرب العصبۃ الی المیت کالارحام والعم فان الارحام اقرب من العم، والعم و ابن العم، فالاول اقرب من الثاني اھ عون۔

یعنی میراث کو اولاً ذوی الفروض میں تقسیم کیا جائے کتاب اللہ کے مطابق، پس ذوی الفروض کو ان کے فرض دینے کے بعد جو بچے وہ میت کے قریب ترین مرد رشتہ دار کے لئے ہے، اس سے مراد عصبہ بنفسہ ہے جو مرد ہی ہوتا ہے، اور اولی کے معنی اقرب کے ہیں جو ماخوذ ہے ولی بمعنی القرب سے کافی قولہ تعالیٰ ان اولی الناس بابراہیم للذین اتبعوه۔ وقولہ علیہ السلام ان اولی الناس بی یوم القيمة اکثرہم علی صلوة۔ یعنی اولی سے مراد احق اور ارجح نہیں ہے، اس لئے کہ ہمیں کیا معلوم احق اور ارجح کون ہے، ہاں اقرب نسباً کون ہے اس کو سب جانتے ہیں۔ والحديث اخرجه البخاری ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ بخوہ، قالہ المنذری۔

### باب فی میراث ذوی الارحام

ذوی الارحام کی تعریف یہ لکھی ہے کہ آدمی کے وہ اقارب جو ذوی الفروض اور عصبہ کے علاوہ ہیں۔ ترجمۃ الباب والے مسئلہ میں جانتا چاہیے کہ ذوی الارحام کی تواریث میں اختلاف ہے صحابہ اور تابعین اسی طرح فقہاء کے درمیان بھی، ائمہ میں سے حنفیہ اور حنابلہ قائل ہیں، ائمہ کا اختلاف اور دلیل اور شافعیہ و مالکیہ قائل نہیں، و فی البذل: اما من نفی تواریثہم استدلالاً بالآیات المواریث بان اللہ سبحانہ لم يذكر لذوی الارحام شيئاً وما كان ربك نسياً، وايضا تواریثہم زیادہ علی کتاب اللہ وذلك لا يثبت بخلاف الواحد والقياس، الى آخر ما قال، یعنی آیات میراث میں ذوی الارحام کا کوئی ذکر نہیں، لہذا خبر واحد یا قیاس سے کتاب اللہ پر زیادتی جائز نہیں، ومن قال بتواریثہم استدلالاً بقولہ تعالیٰ واولوا الارحام بعضهم اولی ببعض فی کتاب اللہ، وهذا اثبات الاستحقاق بالوصف العام، وقال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم الخال وارث من لا وارث له، و فی روایۃ الخال وارث من لا وارث له، یرثہ ویعقل عنه، الى آخر ما بسط فی البذل۔ قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم من ترک کلاً خالی، ومن ترک مالا فلورثتہ وانا وارث من لا وارث له اعقل له وارثه والخال وارث من لا وارث له یعقل عنه یرثہ۔

شرح الحدیث | کئی کہتے ہیں ثقل اور بوجھ کو اور یہاں مراد اس سے عیال اور دین ہے، یعنی جو شخص نابالغ بچے چھوڑ کر مر جائے یا دین تو ان کی ذمہ داری مجھ پر ہے، اور جو مال چھوڑ کر مرے سو وہ اس کے ورثہ کے لئے ہے، اور جس شخص کے کوئی وارث نہ ہو اس کا وارث میں ہوں چنانچہ اس کی طرف سے میں ہی دیت ادا کروں گا اور اس کے مال کا وارث ہوں گا، یعنی اگر وہ کوئی مال چھوڑ کر مرے اور اس کے کوئی وارث نہ ہو تو میں اس کے مال کا وارث ہوں گا، یعنی بیت المال کے لئے، یہ وراثت آپ کی انتظام اور بیت المال کے اعتبار سے ہے، اور یہ جو حدیث میں ہے ماموں وارث ہے اس شخص کا جس کا کوئی وارث نہ ہو دیت ادا کرے گا

وہ ماموں اپنے بھانجے کی طرف سے اور اس کا وارث ہوگا، اس جملہ سے حنفیہ اور حنابلہ کی تائید ہو رہی ہے، خال (ماموں) اور خالہ عتمہ یہ سب ذوی الارحام میں سے ہیں اور یہ جو فرمایا کہ خال دیت ادا کرے گا بھانجے کی طرف سے، یعنی اگر کسی شخص کا بھانجہ کسی پر جنایت کرے اور اس کے کوئی عصبہ نہ ہو تو اس کی طرف سے دیت اس کا ماموں ادا کرے گا، جس طرح سے عصبہ دیت ادا کرتے ہیں، میں کہتا ہوں: اور اسی طرح حدیث میں آیا ہے ان اخت القوم منہم لہذا ماموں بھانجے ایک دوسرے کے وارث ہوں گے، مگر وہ حضرات جو توریث ذوی الارحام کے قائل نہیں وہ اس حدیث کو وراثت پر محمول نہیں کرتے بلکہ اس کو وہ حمایت اور اعانت پر محمول کرتے ہیں، یعنی اگر کسی شخص کا بھانجہ حق پر ہو تو اس کے ماموں کو چاہیے کہ اس کی اعانت کرے، یعنی اعانت اور نصرت ذوی الفروض اور عصبات کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ ذوی الارحام کی بھی کرنا ضروری ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔  
والحدیث اخرہ النسائی وابن ماجہ، قالہ المنذری۔

انا ولی بکل مؤمن من نفسه۔

**آپ کی امت کیسا ساتھ غایۃ محبت** | آپ فرما رہے ہیں کہ میں ہر مسلمان کے اسکی ذات سے بھی زیادہ قریب ہوں، یعنی آدمی کے مرنے کے بعد اس کے انور کی ایسی ذمہ داری لیتا ہوں اور اس کی اس طرح نصرت کرنے والا ہوں کہ اگر وہ مرنے والا زندہ ہوتا تو وہ خود بھی اپنا اتنا انتظام و انصرام نہ کر سکتا جتنا میں اس کی طرف سے کر نیا لا ہوں، بڑی عجیب بات ہے آپ کو اپنے ہر فرد امت سے کتنا قوی اور گہرا تعلق ہے کہ آدمی خود بھی اپنے امور کا خیال اتنا نہیں رکھ سکتا جتنا آپ رکھ سکتے ہیں، آپ کی امت سے تعلق اور محبت کی احادیث تو بہت سی ہیں جیسا کہ کتاب الحج میں گذرا کہ آپ نے حجۃ الوداع کے خطبات میں بار بار فرمایا: خذوا عني مناسككم على الاذن بعد عا می هذا، اور ایک حدیث میں ہے وددت انی رأیت اخوانی کہ میرا جی چاہتا ہے کہ میں اپنے بھائیوں کو دیکھتا، صحابہ نے عرض کیا کہ کیا ہم آپ کے اخوان نہیں ہیں، اس پر آپ نے فرمایا کہ تم تو میرے اصحاب ہو اور ہر وقت پیاس رہنے والے ہو، میری مراد تو اخوان سے وہ امتی ہیں جو میرے بعد میں آئیں گے اور پیدا ہوں گے، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم وجزاه اللہ عنا ما اھواھلہ۔  
آگے حدیث میں ضیعۃ کا لفظ ہے اس سے مراد عیال یعنی چھوٹے بچے اور عورتیں ہیں کیونکہ اگر ان کی خبر نہ لی جائے تو وہ جلدی ضائع ہو جاتے ہیں اسی لئے ان کو ضیعہ کہا جاتا ہے۔

وانامولی من لامولی لہ ارث مالہ وافلک عانہ۔

مولیٰ سے مراد وارث ہے جیسا کہ پہلی حدیث میں گذر چکا ارث مالہ ای لاجل بیت المال وافلک عانہ اس کی قید کو چھڑاتا، ہوں عان کے معنی قید، اسی لئے قیدی کو عانی کہتے ہیں جیسا کہ کتاب الجنائز کی ایک حدیث

میں آرہا ہے، اطعموا البائع وعودوا المريض وقلوا العانی، قال سفیان والغانی الاسیر۔ اور یہاں قید سے مراد مالیزمہ من المحقوق مثل الدین والدیۃ، اس لئے کہ یہ چیزیں ایسی ہیں کہ آدمی ان میں مقید اور جبکڑا رہتا ہے، اور ایک روایت میں جو آگے آرہی ہے اس میں عقی کا لفظ ہے اَفَلَکَ عُنَیْدَہ۔  
والحدیث اخرجه النسائی وابن ماجہ کما فی التحفۃ، قال الشیخ محمد عوامہ۔

عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان مولیٰ للنبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مات وترك شیثا ولم یدغ ولد اولادہم۔

یعنی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ایک آزاد کردہ غلام کا انتقال ہوا اور اس نے کچھ میراث بھی چھوڑی لیکن اس نے اپنی کوئی اولاد اور رشتہ دار نہیں چھوڑا، تو آپ نے فرمایا کہ اسکی میراث اسکی بستی والوں میں سے کسی کو دیدی جائے۔

**الکلام علی الحدیث من حیث الفقہ** | آپ کا اس کی میراث کو اس کے کسی بستی والے کو دلوانا یہ من حیث الاستحقاق نہ تھا بلکہ من حیث المصروف، کیونکہ اس قسم کی میراث (جس کا کوئی وارث نہ ہو) بیت المال میں داخل کی جاتی ہے، اور بیت المال کا مال عام لوگوں پر اور ضرورت مندوں پر خرچ ہوتا ہے اس لئے آپ نے پہلے ہی ایسے شخص کو دلوا دی۔

**کیا حضور کسی کے وارث ہوتے تھے** | اس کے بعد جانتا چاہیے کہ یہ توجیہ اس صورت میں ہے جب یہ مانا جائے کہ جس طرح حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا کوئی وارث نہیں ہوتا آپ خود بھی کسی کے وارث نہیں ہوتے جیسا کہ بعض علماء کی رائے ہے، لیکن اگر دوسرا قول لیا جائے جس کو بعض دوسرے علماء نے اختیار کیا ہے اور ہمارے حضرت گنگوہی نے بھی کہ گو آپ کا کوئی وارث نہیں ہوتا لیکن خود آپ دوسرے کے وارث ہوتے تھے تو اس صورت میں یہ کہا جائے گا یہ آپ کا دلوانا من حیث التبرع اور تصدق تھا اپنی جانب سے کیونکہ یہ آپ کا اپنا حق تھا، آپ اگر چاہتے تو خود بھی لے سکتے تھے، حضرت گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وہ جو بعض روایات میں لا توارث کیساتھ لا توارث بھی ہے یہ زیادتی غلط ہے ثابت نہیں، کما فی البدل والحدیث اخرجه الترمذی والنسائی وابن ماجہ، قال المنذری۔

عن عبد اللہ بن بریدۃ عن امیہ قال قال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم رجل فقال ان عندی میراث رجل من الازد ولست اجد ازیا اذفعہ الیہ۔

**شرح الحدیث** | ایک شخص آپ کی خدمت میں آیا کہ میرے پاس قبیلہ ازد کے ایک شخص کی میراث ہے لیکن مجھے کوئی ازدی شخص مل نہیں رہا ہے جس کو میں یہ مال دوں، آپ نے فرمایا جا اور

کسی ازدی کو ایک سال تک تلاش کرتا رہ، ایک سال کے بعد وہ شخص آیا کہ کوئی ازدی نہیں ملا، آپ نے فرمایا:  
 فانطلق فانظر اول خزاعي تلقاه فادفعه اليه. فلما ولي قال علي الرجل فلما جاء لا قال انظر كبر خزاعة  
 فادفعه اليه۔ یعنی جب اس کو کوئی ازدی نہیں ملا تو آپ نے فرمایا کہ اچھا جاؤ کسی اول خزاعی کو تلاش کرو جو تمہیں  
 ملے پس اس کو یہ دیدو، اول بمعنی اقرب، یعنی جو شخص قبیلہ خزاعہ کے نورثِ اعلیٰ سے زیادہ قریب ہو اس کو یہ مال  
 دے دو، پھر جب وہ جانے لگا تو آپ نے فرمایا بلاؤ اس شخص کو جب وہ آیا تو آپ نے فرمایا انظر كبر خزاعة،  
 آپ کا یہ فرمانا بطور تفسیر کے ہے، یعنی اول خزاعی کی تفسیر اور اس کی مراد آپ نے اس لفظ سے بیان فرمائی، كبر یعنی  
 اکبر، اکبر سے مراد بھی وہی اقرب ہے، یہاں پر سوال یہ ہے کہ ازد جو کہ مین کے قبائل میں سے ایک قبیلہ ہے اسکی  
 میراث ایک خزاعی شخص کو کیوں دلائی جا رہی ہے اس کا جواب شرح نے یہ دیا ہے کہ قبیلہ خزاعہ بھی دراصل ازد  
 ہی سے ہے یعنی شروع کے اعتبار سے جب یہ سب لوگ مین میں تھے، پھر جب یہ لوگ مین سے نکل کر مکہ مکرمہ میں  
 آئے تو وہاں آکر انہوں نے بنو ہاشم سے محالفت کر لی تو ان کا نام خزاعہ پڑ گیا، ففی القاموس الخزع القطع والخزاعہ  
 القطعة تقطع من الشیء حتی من الازد سموا بذلك لانهم خرجوا عن قومهم واقاموا بمكة۔ احمد شریعت کا مطلب واضح  
 ہو گیا۔ والحدیث اخرجه النسائی مسنداً ومسلماً، قال المنذرى۔

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان رجلاً مات ولم یَدَعْ واریث الا غلاماً له کان اعتقه الخ۔  
 یعنی ایک شخص کا انتقال ہوا اور کوئی وارث اس نے اپنا نہیں چھوڑا البتہ اس نے اپنا آزاد کردہ غلام چھوڑا، آپ  
 صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی اطلاع کی گئی تو آپ نے اس شخص کی میراث اسی آزاد کردہ غلام کو دلا دی۔  
 اگر کسی شخص کا آزاد کردہ غلام مرے اور اس کے کوئی وارث نہ ہو سوائے اس کے آقا اور سید کے تو اس کی  
 میراث کا اس کا آقا مالک ہوتا ہے جس کو ولا رکہتے ہیں، اور یہ مسئلہ اجماعی ہے، لحدیث الولار لمن اعتق اور یہاں  
 اس حدیث میں یہ صورت نہیں بلکہ اس کے برعکس ہے یعنی آقا کی میراث اس کے آزاد کردہ غلام کو دی گئی، یہ تہمیداً  
 میں سے کسی کا مذہب نہیں سوائے شریع اور طاؤس کے، ان دونوں نے اسی حدیث سے استدلال کیا اور جمہور جو  
 اس کے قائل نہیں ہیں بلکہ یہ کہتے ہیں کہ ولا منحصر ہے معتق کے حق میں حدیث صحیح کی بنا پر وہ حدیث الباب کی تاویل  
 کرتے ہیں کہ آپ کا یہ میراث دلانا من حیث الاستحقاق نہ تھا بلکہ من حیث التصدق والمصرف تھا، کما مر فی الحدیث  
 السابق ای حدیث الازدی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ والحدیث اخرجه الترمذی والنسائی وابن ماجہ، قال المنذرى۔

لے میری ایک کاپی میں اس طرح ملا۔ یخبر البذل فیہ کلام شیخ الگنگوہی، اور حاصل اس کا یہ ہے کہ جس ترکہ کا کوئی وارث نہ ہو وہ حکم میں غلط ہے  
 ہوتا ہے اور غلط کا حکم چونکہ تصدیق ہے تو یہ بھی بطور تصدیق کے تھا، اور اکبر خزاعی کی تخصیص اسوجہ سے کہ وہ بنسبت دوسرے زیادہ اقرب ہے۔

## باب میراث ابن الملائعنة

باب اللعان میں یہ مسئلہ گذر چکا کہ لعان کے بعد ملائعنة کے جو بچہ پیدا ہو اس کا نسب اس کی ماں یعنی ملائعنة سے تو ثابت ہوتا ہے اور باب سے ثابت نہیں ہوتا اسی لئے ماں اور بیٹے کے درمیان تو میراث جاری ہوتی ہے لیکن اس بڑے اور اس کے باپ یعنی ملائعنة کے درمیان جاری نہیں ہوتی، اور یہ مسئلہ جماعی ہے۔

المسألة تخص ثلاث موارد عتيقها ولقيطها وولدها الذي لا عنت عليه.

الكلام على الحديث من حيث الفقه | یعنی عورت تین قسم کی میراث حاصل کرتی ہے ایک اپنے آزاد کردہ غلام کی دوسرے اپنے لقیط کی یعنی اگر کوئی عورت کسی پڑے ہوئے بچہ کو اٹھا کر اس کو پالے پرورش کرے اور وہ بڑا ہو جائے تو اس کے مال کی وہ عورت وارث ہوگی، اور تیسری میراث حدیث میں وہی ہے جو ترجمۃ الباب میں مذکور ہے۔

اس حدیث کا پہلا جزو اور آخری جزو یہ دونوں تو متفق علیہ ہیں اور درمیانی یعنی میراث لقیط کا مسئلہ یہ صرف اسحاق بن راہویہ کا مذہب ہے، جمہور علماء و منہم الائمة الاربعہ کے نزدیک لقیط کی میراث بیت المال کے لئے ہے الایہ کہ ملقط فقیر ہو تو پھر بحیثیت مصرف کے وہ اس کو بھی بن سکتی ہے، اس حدیث کا جواب جمہور کی جانب سے ایک تو یہی ہے کہ اس سے مراد استحقاق نہیں بلکہ مقصود بیان مصرف اور تصدق ہے اور دوسرا جواب یہ ہے ان هذا الحديث غیر ثابت کافی شرح المسئلة۔

والحدیث اخرجه الترمذی والنسائی وابن ماجه، قاله المنذرى۔

## باب هل يرث المسلم الكافر

کیا مسلمان کافر کا وارث ہو سکتا ہے | حدیث الباب میں اس کی نفی ہے چنانچہ جمہور علماء اور ائمہ اربعہ کا اس پر اتفاق ہے، اور اتفاق جانیبن سے ہے کہ ایک دوسرے کا وارث نہیں ہوتا، بعض صحابہ اور تابعین جیسے معاذ بن جبل اور سعید بن المسیب وغیرہ فرماتے ہیں کہ کافر تو مسلم کا وارث نہیں ہوتا لیکن اس کا عکس یعنی مسلم کافر کا وارث ہوتا ہے لحدیث الاسلام بزید ولما ینفق، و لحدیث الاسلام

لہ قال الخطابی فی المعالم ہذا الحدیث غیر ثابت عند اهل النقل، واذالم یثبت الحدیث لم یلزم القول به وکان ماذہب الیہ عامۃ العلماء اولی اھ

وزاد علی المنذری قال الیہی لم یثبت البخاری ولا مسلم ہذا الحدیث لجملة بعض رواۃ اھ۔

یعلو ولا یعلیٰ، کما سیأتی فی آخر الباب۔

**مرتد کی وراثت کا مسئلہ** | یہاں ایک مسئلہ اور ہے وہ یہ کہ مرتد کا حکم کیا ہے وہ اپنے مسلم رشتہ داروں کا وارث ہوتا ہے یا نہیں؟ سو اس پر تو اجماع ہے کہ مرتد وارث نہیں ہوتا لیکن اس کا عکس یعنی مرتد کے مرنے کے بعد اس کا مسلم رشتہ دار اس کا وارث ہوتا ہے یا نہیں؟ امام مالک وشافعی کے نزدیک وارث نہیں ہوتا، اور حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ مرتد نے جو مال حاصل کیا ہو اپنی ردت کی حالت میں وہ تو بیت المال کیلئے ہے اور جو مال اس نے حاصل کیا ہو قبل الارتداد، اسلام کی حالت میں اس کے اندر وراثت جاری ہوتی ہے، امام ترمذی نے بھی اس مسئلہ کو اسی حدیث کے ضمن میں بیان کیا ہے۔

والحدیث، أخرجه البخاری ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ، قال المنذری۔

عن اسامة بن زید وصلى الله تعالى عليهما قال قلت يا رسول الله اين تنزل غذا - في حجة - قال

وهل تترك لنا عقيل منزلاً؟

**شرح الحدیث** | اس حدیث کی پوری شرح کتاب الحج میں گذر چکی اور وہاں یہ بھی گذر چکا کہ یہ حدیث کتاب الفرائض میں بھی آرہی ہے اور اس کی وجہ بھی گذر چکی، خلاصہ کے طور پر یہ سمجھ لیجئے کہ جس منزل کا حضور ذکر فرما رہے ہیں اس سے مراد حضور کا جدی مکان ہے جس کو عبدالمطلب نے جب وہ عمر ہو گئے اپنی زندگی میں اپنے بیٹوں کے درمیان تقسیم کر دیا تھا جس میں حضور کے والد عبد اللہ بھی تھے پھر اخیر میں وہ مکان ابوطالب کے قبضہ میں تھا، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت علیؑ یہ دونوں تو، ہجرت کر کے پہلے ہی مدینہ منورہ چلے آئے تھے، اور ابوطالب کی وفات کے وقت علی و جعفر دونوں اسلام لا چکے تھے، وہ دو تو اس مکان کے اس لئے وارث نہ ہو سکے، اور ابوطالب کا ایک تیسرا بیٹا طالب جنگ بدر میں مفقود ہو گیا تھا، البتہ عقیل موت ابوطالب کے وقت تک اسلام نہیں لائے تھے اسی لئے تنہا وہ اس کے وارث ہونے لگے مگر انہوں نے اس مکان کو۔ کہا گیا ہے کہ۔ فروخت کر دیا تھا اسی کو حضور فرما رہے ہیں کہ عقیل نے ہمارے لئے مکان کہاں چھوڑا ہے، یعنی اگر وہ فروخت نہ کرتے تو پھر مئی سے روانہ ہو کر ہم مکہ پہنچ کر اس میں قیام کر لیتے، اس لئے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی یہ رائے ہوئی کہ مئی سے نکلنے کے بعد رات محصب ہی میں گزار دی جلتے، پھر صبح کو وہاں سے مکہ روانہ ہو کر صبح کی نماز اور طواف و دایع کرتے ہوئے مدینہ چلے جائیں گے، اس صورت میں قیام مکہ کی نوبت ہی نہیں آئے گی اور نہ قیام گاہ کی ضرورت پیش آئے گی

والحدیث أخرجه البخاری ومسلم والنسائی وابن ماجہ، قال المنذری



قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم لا يتوارث اهل ملتین شتی۔

**حدیث الباب میں مذاہب ائمہ** | توارث کے لئے وارث اور مورث کے درمیان اتحاد ملت بالاتفاق شرط ہے، اس حدیث میں بھی مسئلہ مذکور ہے لیکن اس کے باوجود اس مسئلہ کی تفصیل میں اختلاف ہے حنفیہ اور شافعیہ کا مسلک تو یہ ہے الکفر ملۃ واحدة، خواہ وہ کتابی ہو یا مشرک یہودی ہو یا نصرانی ان دونوں کے نزدیک یہ سب ایک ہیں لہذا ایک دوسرے کے وارث ہوں گے، اصل تقابل اسلام اور کفر کے درمیان ہے وہاں اختلاف ملت ہے، اور مالکیہ و حنابلہ کے نزدیک ادیان سماویہ جیسے یہودیت اور نصرانیت یہ آپس میں مختلف ہیں لہذا ان میں ایک دوسرے کا وارث نہیں ہوگا، اور ادیان غیر سماویہ کے بارے میں امام مالک تو یہ فرماتے ہیں کہ انواع شرک سب ملت واحدة ہیں، اور امام احمد فرماتے ہیں مختلف انواع شرک مختلف مل ہیں مثلاً بت پرست اور آتش پرست یہ الگ الگ ہیں لہذا توارث نہیں ہوگا اور امام مالک کے نزدیک توارث ہوگا۔ (من ہامش الکوکب پنہ)۔  
والحدیث اخرجه النسائی وابن ماجہ، قاله المنذری۔

ان معاذ اقال سمعت رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم يقول الاسلام يزيد ولا ينقص  
حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مسلک اور یہ حدیث اور اس پر کلام ابھی قریب میں گذر چکا، جمہور یہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث اور اسی طرح، الاسلام یعلو ولا یعلی۔ اس کا تعلق اسلام کی عزت اور غلبہ سے ہے، میراث سے اس کا کوئی واسطہ نہیں۔

### باب فی من اسلم علی میراث

**شرح الترجمہ** | یعنی جو شخص تقسیم میراث کے موقع پر اسلام لے آئے، یعنی موت مورث کے بعد۔  
جاننا چاہیئے کہ یہ جو ابھی مسئلہ گذرا ہے کہ توارث کے لئے اتحاد ملت شرط ہے اختلاف ملت کے وقت میراث جاری نہیں ہوتی اس سلسلہ میں جاننا چاہئے کہ اتحاد ملت وہ مفید اور معتبر ہے جو موت مورث کے وقت ہو، اگر بعد میں اتحاد پایا جائے تو وہ مفید نہیں، اسی طرح اختلاف ملت وہ مضر ہے جو موت مورث کے وقت ہو، اور اگر اختلاف کا تحقق موت مورث کے بعد ہو تو وہ مضر نہیں، اب ہر ایک کو مثال سے سمجھئے اول صورت کی مثال یہ ہوگی کہ ایک مسلمان کا انتقال ہوا اور حال یہ کہ اس کا ایک بیٹا مسلمان تھا اور ایک کافر، باپ کے انتقال کے بعد تقسیم میراث سے پہلے وہ ذلیر کافر بھی اسلام لے آیا تو یہاں یہ اسلام لانے والا بیٹا وارث نہیں ہوگا، جو پہلے سے مسلمان ہے صرف وہی وارث ہوگا، اور دوسری صورت کی مثال یہ ہے ایک کافر شخص کا انتقال ہوا جبکہ اس کا ایک بیٹا مسلم تھا اور ایک کافر، تقسیم میراث سے پہلے وہ ذلیر کافر بھی اسلام لے آیا،

یہاں پر یہ اسلام لانے والا وارث ہوگا، اور جو پہلے سے مسلم تھا اس کی وراثت کا تو کوئی سوال ہی نہیں۔

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال قال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کل قسّم قسّم فی الجاہلیۃ فهو علی ما قسّم، وکل قسّم اذ رکہ الاسلام فاند علی قسّم الاسلام۔

یعنی جس میراث کی تقسیم اسلام سے قبل زمانہ جاہلیت میں ہو چکی ہے اس کو اسی طرح باقی رکھا جائے گا، اس میں مداخلت نہیں کی جائے گی اور جو تقسیم کسی میراث وغیرہ کی اسلام میں داخل ہونے کے بعد کی جائے گی اس کو اسلامی قانون کے مطابق کیا جائے گا اور وہ اسلامی قانون وہی ہے جو اوپر گزرا کہ اتحاد ملت کی صورت میں تواریث ہوتا ہے اختلاف ملت کی صورت میں نہیں۔

والحدیث أخرجه ابن ماجہ، قالہ المنذری۔

## باب فی الولاء

ولاء کی قسمیں مع اختلاف علماء یہاں مصنف نے ولاء کے سلسلہ میں دو باب ذکر کئے ایک یہ اور دوسرا اس کے بعد۔ باب فی الرجل یسلم علی یدی الرجل، اس کے بعد ایک تیسرا باب

دو بابوں کے فصل کے ساتھ آرہا ہے۔ باب نسخ میراث العقب بمیراث الرحم، ان تینوں بابوں کا تعلق ولاء سے ہے کیونکہ ولاء کی تین قسمیں ہیں، ولاء العتق، ولاء الاسلام، ولاء الموالاتہ، پہلے باب میں قسم اولیٰ مذکور ہے اور دوسرے باب میں قسم ثانی اور تیسرے باب میں قسم ثالث، قسم اول یعنی ولاء العتق یہ تو بالاتفاق معتبر اور ثابت ہے اور قسم ثانی یعنی ولاء الاسلام یہ جمہور علماء ومنہم الائمۃ الاربعہ کے نزدیک معتبر نہیں، بعض دوسرے علماء ابراہیم مخفی، سعید ابن المسیب کے نزدیک معتبر ہے، اور تیسری قسم ولاء الموالاتہ یہ حنفیہ کے یہاں معتبر ہے، عند الجمہور ولاء کی یہ قسم منسوخ ہے

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ارادت ان تشتري جارية تعتقها

فقال اهلها نبیعکھا علی ان ولاء ہالت الخ۔

شرار بریرہ والی حدیث پر کلام حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی یہ حدیث شرار بریرہ کے سلسلہ میں آگے

آ رہی ہے اس پر کلام وہیں آئے گا ان شار اللہ تعالیٰ اس حدیث میں یہ ہے الولاء لمن اعنت جو کہ مسئلہ اجماعی ہے اور مطلب اس کا یہ ہے کہ اگر کسی شخص کا آزاد کردہ غلام مر جائے اور وہ اپنا کوئی وارث نہ چھوڑے تو پھر اس صورت میں اس کی میراث کا ستمی اس کا مولیٰ یعنی اس کا آزاد کرنے والا ہوگا، اس واقعہ میں ایک مشہور اشکال یہ ہوتا ہے کہ آپ نے حضرت عائشہ کو کیسے اجازت دی، شرار بریرہ میں ولاء کی شرط کہ وہ بائع کے لئے ہوگا لگانے کی

اسلئے کہ یہ شرط بالاجماع ناجائز ہے، جواب یہ ہے کہ آپ نے ایسا جزا فرمایا تھا یعنی اس شرط کی اجازت اس کو باقی رکھنے کے لئے آپ نے نہیں دی تھی بلکہ اس کو باطل کرنا مقصود تھا، چنانچہ آپ نے بعد میں خطبہ دیا تھا کہ لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ بیع کے اندر ولار کی شرط لگاتے ہیں، لوگوں کا شرط لگانا باطل ہے وان کان مٹہ شرط، شرط اللہ احق، یہ زیادتی روایات مفصلہ میں ہے، یہاں پر روایت مختصر ہے۔

والحیث اخرجه البخاری ومسلم والنسائی، قال المنذری، واخرجه الترمذی ایضاً فی آخر کتاب الوصایا مفصلاً و فی بیع الولار وصیئہ مختصراً۔

عن عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده ان رباب بن حذيفة تزوج امرأة فولدت له ثلاثاً  
علمية فماتت امهم فورثوها رباعاً ولاء موالیہا۔

**شرح الحدیث والکلام علیہ بالبسط** یہ حدیث تو ریث الولار کے سلسلہ میں ہے، اس کا مضمون یہ ہے کہ ایک شخص جس کا نام رباب بن حذیفہ ہے اس نے ایک عورت سے شادی کی جس کا نام ام وائل بنت عمر ہے، اس کے اس بیوی سے تین لڑکے پیدا ہوئے کچھ روز بعد ان لڑکوں کی ماں کا انتقال ہو گیا اور وہ لڑکے اپنی ماں کے رباع یعنی مکانات جائداد وغیرہ کے اور اس کے موالی کے ولار کے وارث ہو گئے (یہاں تک تو اس روایت پر کوئی اشکال نہیں، مسئلہ صاف ہے اب آگے سنئے) آگے روایت میں یہ ہے کہ عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان لڑکوں کے عصبہ تھے (روایت میں رشتہ کی کوئی تعین نہیں، ممکن ہے عم یا ابن العم ہوں) تو یہ عمرو بن العاص ان لڑکوں کو اپنے ساتھ سفر میں ملک شام لے گئے، وہاں پر اس زمانہ میں طاعون پھیلا ہوا تھا یعنی طاعون عمو اس جو۔ تاریخ میں مشہور ہے اور حضرت عمر کے زمانہ میں ہوا تھا، یہ تینوں لڑکے بھی اس طاعون میں ختم ہو گئے، حضرت عمرو بن العاص جب سفر سے لوٹ کر واپس آئے تو واپسی میں ان کو معلوم ہوا کہ اس عورت یعنی ام وائل کا ایک مولیٰ یعنی آزاد کردہ غلام اور مرا ہے اور اس نے مال بھی چھوڑا ہے، اب اس ولار میں ام وائل کے بھائیوں کا اور عمرو بن العاص کا اختلاف ہوا، یعنی عمرو بن العاص مدعی تھے کہ یہ ولار مجھ کو ملنا چاہئے اور ام وائل کے برادران کہتے تھے کہ اس کے مستحق ہم ہیں اس لئے کہ ہم اس عورت کے عصبہ ہیں جس کے غلام کا یہ ولار ہے، اور عمرو بن العاص کا یہ کہنا تھا کہ میں اس عورت کے بیٹوں کا عصبہ ہوں اگر وہ بیٹے زندہ ہوتے تو اس کے وہ وارث ہوتے تو اب جبکہ وہ نہیں رہے تو ان بیٹوں کا عصبہ ہونے کی حیثیت سے مجھے وارث ہونا چاہیئے چونکہ یہ واقعہ حضرت عمر کی خلافت کے زمانہ کا ہے اس لئے یہ مقدمہ وہاں پیش ہوا، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صورت مسئلہ سمجھنے کے بعد یہ فرمایا: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم ما احرز الولد الا والی الدفہو لعصبته من کان۔ یعنی میت کا بیٹا یا والد جو کچھ ترکہ میں حاصل کرے

وہ اس کے بعد اس کے عصیہ کے لئے ہے وہ عصیہ جو بھی ہو، یہاں اس حدیث کی رو سے عصیہ الولد کا مصداق عمرو بن العاص بنتے ہیں چنانچہ حضرت عمرؓ نے عمرو بن العاص کے حق میں فیصلہ فرمایا اور اپنے فیصلہ کو لکھ کر جس میں دو شخصوں کی شہادت یعنی عبدالرحمن بن عوف اور زید بن ثابت اور ایک اور تیسرے شخص کی بھی تھی۔

فلما استخلف عبد الملك اختصموا الى هشام بن اسماعيل فرفعه الى عبد الملك.

چونکہ اخوة المرأة کو حضرت عمرؓ کے فیصلہ پر تسلی نہیں ہوئی تھی گو خاموش ہو گئے تھے اسی لئے جب عبد الملك بن مروان کا زمانہ آیا تو اس وقت میں امیر مدینہ ہشام بن اسماعیل تھا لہذا یہ اخوة المرأة اپنا یہ معاملہ اس کے پاس لے گئے، ہشام بن اسماعیل نے یہ قضیہ عبد الملك کے سامنے پیش کیا، عبد الملك نے اس فیصلہ کو سمجھ کر یہ کہا: هذا من القضاء الذي ما كنت اراه۔ بذل میں یہ لکھا ہے کہ اس لفظ ما میں دو احتمال ہیں، یہ کہ زائد ہو اور یا نافہ، زائد ہونے کی صورت میں تو مطلب یہ ہوگا کہ میری بھی رائے حضرت عمرؓ کے اسی فیصلہ کے مطابق ہے اور نافہ ہونے کی صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ عبد الملك یہ کہہ رہا ہے کہ اس فیصلہ میں اگرچہ میری رائے یہ نہیں ہے مگر چونکہ عمر فاروق کا کیا ہوا یہ فیصلہ ہے اس لئے میں اسی کو برقرار رکھتا ہوں۔

ففتح فيه الى الساحة۔ سخن کا مصداق عمرو بن العاص کی اولاد کہ ہم آج تک اسی فیصلہ پر ہیں، یہ روایت بالتفصیل سنن ابن ماجہ میں ہے جیسا کہ بذل میں اس کو نقل کیا گیا ہے اس کو دیکھنے سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ عبد الملك نے حضرت عمرؓ کے فیصلہ کی موافقت ہی فرمائی، لہذا ما كنت اراه میں ما نافہ نہیں ہے بلکہ موصولہ یا زائد ہے۔

اس کے بعد سمجھئے کہ یہاں پر روایت میں یہ ہے فقد مر عمرو بن العاص ومات مولیٰ لها، یہ جملہ ومات مولیٰ لها محتاج تاویل ہے ای وقد مات مولیٰ لها، اور یہ جملہ حالیہ ہے، یعنی عمرو بن العاص جب ملک شام سے واپس آئے تو یہاں آکر معلوم ہوا کہ اس عورت کا ایک غلام مر چکا ہے یعنی ان لڑکوں کی زندگی میں، اور یہ مطلب نہیں کہ عمرو بن العاص کے آنے کے بعد اس عورت کے ایک مولیٰ کا انتقال ہوا، اور یہ تاویل اس لئے ضروری ہے تاکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جو استدلال اس مقام پر ما احرز الولد سے ہے وہ درست ہو جائے اور اس واقعہ پر منطبق ہو جائے اس لئے کہ ظاہر ہے احرز ولد اس کی حیات ہی میں ہوگا نہ کہ بعد الوفا، یہ اشکال وجواب ابو داؤد کی اس روایت پر تذکرۃ الترغیب میں مذکور ہے، حضرت گنگوہیؒ سے یہ اشکال ایک عالم نے کیا تھا حضرت نے اس کا یہ جواب ارشاد فرمایا جو اوپر مذکور ہوا۔

اس کے بعد آپ سمجھئے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فیصلہ کا حاصل تو ریث الاولاء ہے یعنی یہ کہ ولار کے اندر بھی میراث جاری ہوتی ہے جس طرح اور دوسرے امور میں جاری ہوتی ہے لیکن جمہور علماء ومنہم الائمة الاربعہ اس کے قائل نہیں ہیں نعم فی روایۃ عن احمد وکذا روی عن علی دون الخلفاء الثلاثة۔ جیسا کہ ابوداؤد کے ایک نسخہ میں ہے جو بذل المجہود کے حاشیہ پر ہے۔ اس نسخہ کی عبارت یہ ہے: الناس یتہمون عمرو بن شعیب فی هذا الحدیث، قال ابوداؤد: وروی عن ابی بکر وعمر وعثمان خلاف هذا الحدیث الا انه روی عن علی بن ابی طالب بمثل هذا، جمہور کا استدلال اس حدیث سے ہے، الاولاء لمحۃ کلحۃ۔ النسب لا یباع ولا یورث، یعنی ولار تو ایک قسم کا نسب ہی ہے اور نسب کی بیع یا تو ریث تھوڑی ہی ہوتی ہے بلکہ جمہور کا مسلک یہ ہے کہ ولار مولیٰ کے لئے ہوتا ہے اور اگر وہ نہ ہو تو پھر اقرب العصبہ الی المولیٰ کے لئے ہے، دوسرے اموال کی طرح اس میں باقاعدہ میراث جاری نہیں ہوتی کہ تمام ورثہ میں تقسیم ہو، امام ابوداؤد کے جواب کا حاصل۔ جو ہم نے حاشیہ سے نقل کیا ہے۔ یہ ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے بلکہ ثابت نہیں اس لئے کہ یہ عمرو بن شعیب عن امیہ عن جدہ کی سند سے ہے جس پر کلام مشہور ہے، اور دوسرے اس لئے بھی کہ یہ ایک دوسری مشہور اور صحیح حدیث کے خلاف ہے یعنی الاولاء لمن اعتق مگر حضرت گنگوہی کی بعض تعابیر میں یہ ہے کہ حضرت عمر کی حدیث میں جو یہ مذکور ہے، ما احرز الولد، تو احراز کا تعلق تو ترکہ سے ہوتا ہے ولار سے اس کا تعلق نہیں ہو سکتا اذہو لمحۃ کلحۃ۔ النسب فلا یکن احرازہ مثل النسب، اور وراثت جاری ہوتی ہے مال میں نہ کہ نسب میں، لہذا یہ کہا جائے گا کہ حضرت عمرؓ کے فیصلہ کا تعلق رابع وغیرہ اموال سے ہے ولار سے نہیں ہے اھ قلت لکن فیہ ما فیہ۔ یہ حدیث مجھے سبق میں بہت مشکل معلوم ہوئی، الحمد للہ کہ حل ہو گئی۔

والحدیث اخرجه النسائی وابن ماجہ، واخرجه النسائی ايضا مرسلًا، قالہ المنذری۔

### باب فی الرجل یسلم علی یدی الرجل

ان تیسارہی اللہ تعالیٰ عنہ قال یا رسول اللہ! ما السنۃ فی الرجل یسلم علی یدی الرجل؟ قال

هو ادلی الناس بمعیاہ ومما بہ۔

شرح الحدیث والکلام علیہ من حیث الفقہ | یعنی آپ سے سوال کیا گیا کہ شریعت کا فیصلہ اس شخص کے بارے میں کیا ہے جو کسی مسلمان کے ہاتھ پر اسلام لائے؟ (ظاہرات ہے کہ یہ اس کا احسان عظیم ہے اس نو مسلم پر چنانچہ آگے آپ فرما رہے ہیں) وہ یعنی جس شخص کے ہاتھ پر اسلام لایا گیا تمام لوگوں میں سب سے زیادہ سچو ہے اس نو مسلم کی زندگی میں بھی اور اس کے مرنے کے بعد بھی، جب تمام انسانوں میں سب سے زیادہ وہی اولیٰ اور احق ہے اس نو مسلم کا تو اس کا ولار بھی اسی کے لئے ہوگا جس طرح

آزاد کردہ غلام کا ولا، معتق کے لئے ہوتا ہے۔

یہ حدیث جو علماء ولاہ الاسلام کے قائل ہیں ان کی دلیل ہے جیسے عمر بن عبد العزیز اور سعید بن المسیب وغیرہ کا تقدم فی مبدأ الباب اور جمہور کا استدلال مشہور حدیث ولاہ لمن اعتق سے ہے جو کہ متفق علیہ ہے کیونکہ اس حدیث میں حصر کے ساتھ بیان کیا گیا ہے ولاہ کا معتق کے لئے ہونا، معلوم ہوا ولاہ کا سبب صرف اعتق ہے اسلام یا اور کچھ نہیں، اور حدیث الباب کا جواب یہ ہے کہ وہ ضعیف ہے، امام ترمذی نے بھی اس پر کلام کیا ہے اور دوسرے حضرات محدثین نے بھی، اس میں ایک راوی عبد العزیز بن عمر ہے وہ ضعیف ہے اسی طرح ابن وہب راوی غیر معروف ہے، بخلاف جمہور کی دلیل کے کہ وہ متفق علیہ حدیث ہے، اور دوسرا جواب اس حدیث کا یہ دیا گیا ہے کہ یہ منسوخ ہے، ہو سکتا ہے کہ ابتداء اسلام میں آپ نے فرمایا ہو، کیونکہ ابتداء اسلام میں اسلام اور نصرة کی بنیاد پر توارث ہوتا تھا جو بعد میں منسوخ ہو گیا، بعض شراح نے حنفیہ کا مذہب بھی اس حدیث کے موافق لکھ دیا ہے کہ حنفیہ بھی ولاہ الاسلام کے قائل ہیں، لیکن یہ نقل مطلقاً صحیح نہیں ہاں اگر اسلام کے ساتھ موالاة اور کالۃ کا بھی اقرار ہو جائے تو امر آخر ہے اس صورت میں ہمارے یہاں یہ معتبر ہوگا اور اس صورت میں اس کے لئے ولاہ ہوگا، کیونکہ احناف ولاہ الموالاة کے قائل ہیں جس کے جمہور قائل نہیں لہذا تقدم قبل ذلک، خوب سمجھ لیجئے! کذا قال الشيخ فی البذل.

والحدیث اخرجه الترمذی والنسائی وابن ماجہ، قالہ المنذری۔

## باب فی بیع الولاء

نہی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم عن بیع الولاء وعن ہبۃ۔

شرح الحدیث | زمانہ جاہلیت میں عرب لوگ ولاہ کی بیع کرتے تھے اور اس کا معاوضہ لیتے تھے، اسلام نے اگر اس سے منع کیا کیونکہ ولاہ۔ کوئی مال نہیں ہے کہ اس کی بیع کی جاسکے بل ہو حق من الحقوق فلایرد علیہ البیع (بذل) یعنی ولاہ استحقات ارث کا نام ہے یعنی معتق (آزاد کردہ غلام) کی میراث کا استحقاق جو معتق کو حاصل ہوتا ہے عتق کی بدولت، عتق ایک احسان عظیم ہے مولیٰ کی جانب سے اپنے غلام پر تو اس کے صلہ میں شریعت نے معتق کو معتق کی میراث کا حق عطا کیا تاکہ اس کے مرنے کے بعد وہ اس کے آقا کو ملے، جیسے نسب سبب استحقاق ہوتا ہے پس جس طرح نسب سے حق میراث حاصل ہوتا ہے اسی طرح عتق سے حق میراث حاصل ہوتا ہے جس کو ولاہ سے تعبیر کرتے ہیں اور ظاہر بات ہے بیع اور ہبہ وغیرہ ہوا کرتی ہے جو اہر کی نہ کہ معانی اور اغراض کی، اصل معنی تو ولاہ کے ہیں یہ، ویسے اس کا اطلاق اور استعمال میراث المعتق پر بھی ہوتا ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم و هذا غایہ تسہیل لہذا المقام والحديث اخرجه البخاري ومسلم والترمذي والنسائي وابن ماجه قال المنذري

## باب فی المولود یستہل ثم یموت

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال اذا استہل المولود وُرث، استہلال کے اصل معنی تو چاند دیکھنے کے ہیں (رویت ہلال) اسکے بعد اس کا استعمال ہو ارفع الصوت میں یعنی چیخنا چلانا، اس مناسبت سے کہ پہلی رات میں چاند کو دیکھ کر لوگ شور کرتے ہیں کہ چاند ہو گیا، پھر اس کے بعد اس کا استعمال آثار حیات اور بچہ کے رونے میں ہونے لگا وہی یہاں حدیث میں مراد ہے۔

حدیث الباب میں اختلاف ائمہ | اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ بچہ کے پیدا ہونے کے بعد اگر اس میں آثار حیات پائے گئے اور اس دوران میں اس کا کوئی عزیز قریب

مرا تو وہ مولود اس کا وارث ہوگا اور اگر نہ پائے گئے تو نہیں ہوگا، حنفیہ شافعیہ کے یہاں تو اسی طرح ہے کہ صرف آثار حیات کا پایا جانا کافی ہے، وقال مالک و احمد بشرط الرضا، کذا فی ہامش البذل عن الشرائع۔

یہاں پر ایک مسئلہ اور ہے صلوة علی الطفل کا جو کتاب الجنائز میں آ رہا ہے، وہ یہ کہ صلوة علی الطفل کے لئے بھی آثار حیات کا پایا جانا ضروری ہے یا نہیں؟ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے، ائمہ ثلاث اور جمہور کے نزدیک تو وہاں بھی استہلال شرط ہے، امام احمد کا اس میں اختلاف ہے ان کے نزدیک شرط نہیں، دلیل مسئلہ کی اپنے مقام پر آئے گی، یہاں تبعا آگیا۔

## باب نسخ میراث العقد بمیراث الرحم

شرح الحدیث وایضاح المسئلة | یہ دلائل کے سلسلہ کا تیسرا باب ہے جس کا ذکر شروع میں آچکا، عقد سے مراد عقد موالاة جس کو دلائل الموالات بھی کہتے ہیں، مصنف کا یہ ترجمہ

ائمہ ثلاث کے مسلک کے مطابق ہے جو یہ کہتے ہیں کہ عقد موالاة کے ذریعہ استحقاق ارث اب نہیں رہا منسوخ ہو چکا

میراث رحم کے ذریعہ سے، رحم سے مراد رشتہ اور قرابت ہے، یعنی اقارب کی میراث نے اگر عقد موالاة کی میراث کو منسوخ کر دیا، ناسخ اور منسوخ دونوں کا بیان حدیث الباب میں مذکور ہے چنانچہ پہلی آیت والذین عاقدت ایمانکم

میں میراث موالاة کا ثبوت ہے جیسا کہ ابن عباس فرما رہے ہیں کہ شروع میں یہ ہوتا تھا کہ ایک شخص کسی اجنبی شخص کے ساتھ محالفت یعنی دوستی کا عقد کر لیتا تھا بغیر کسی نسبی تعلق کے اور پھر اس عقد کی وجہ سے ایک دوسرے

کا وارث ہوتا تھا جیسا کہ مہاجرین اور انصار کے درمیان ایسا ہو چکا ہے، ابن عباس فرما رہے ہیں کہ اس آیت کو

سورۃ انفال کی آیت۔ واولوا الارحام بعضهم اولی ببعض نے منسوخ کر دیا، اور ابن عباس کی اس کے بعد انیوالی

روایت میں بھی بعینہ یہی مضمون ہے کہ جب مہاجرین مدینہ میں پہنچے تو ان کو انصار کا وارث بنایا جاتا تھا نہ کہ اقارب کو یعنی انصار کے وارث مہاجرین ہوتے تھے بجائے اقارب کے وارث ہونے کے، فلما نزلت هذه الآية ولكل جعلنا موالی مما ترك قال نسختها، یعنی جب یہ دوسری آیت، ولكل جعلنا موالی، نازل ہوئی اس نے اس پہلی آیت کو منسوخ کر دیا، اس عبارت میں نسخت کا فاعل یہ آیت ثانیہ یعنی، ولكل جعلنا موالی، ہے اور ضمیمہ مصوب راجع ہے آیت اولی، والذین عاقدت ایمانکم کی طرف، اور یہ جملہ بس یہیں پورا ہو گیا ناسخ اور منسوخ دونوں کا بیان آچکا، پھر اس کے بعد دوبارہ جو آیت اور عبارت آئی ہے، والذین عاقدت ایمانکم فأتوهم نصیبهم من النضر والنصبیحة الخ اس سے مقصود حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا یہ بیان کرنا ہے کہ اس آیت کے منسوخ ہونے کے بعد اب اس آیت کا مفہوم جس پر عمل ہونا چاہیے وہ صرف نصر اور نصیحت باقی رہ گیا وقد ذهب المیراث، یعنی میراث کے بارے میں یہ آیت منسوخ ہو گئی اور باقی نصرت اور تعاون اور خیر خواہی کے بارے میں باقی رہ گئی، یعنی ہر لحاظ سے یہ آیت منسوخ نہیں ہوئی صرف میراث کے اعتبار سے منسوخ ہوئی اس کی اس طرح وضاحت کرنے کی ضرورت ہمیں اس لئے پیش آئی کہ بادی الرائی میں عبارت اس طرح ہے۔ نسختها والذین عاقدت ایمانکم، یعنی بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ نسخت کا فاعل، والذین عاقدت ایمانکم، ہے اور ذہا، ضمیمہ، ولكل جعلنا، کی طرف لوٹ رہی ہے، اس صورت میں مطلب بالکل برعکس ہو جاتا ہے، خوب اچھی طرح سمجھ لیجئے، محنت اور غور کرنے کی ضرورت ہے بغیر اسکے کچھ ماصل نہیں ہوتا، یہ ابن عباس کی روایت اور جو کچھ انہوں نے نسخ کے بارے میں فرمایا ائمہ ثلاث کے موافق ہے اور ان کی رائے یہی ہے، اس کے برخلاف حنفیہ جو میراث العقد کے قائل ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ والذین عاقدت ایمانکم اس آیت کے لئے وہ دوسری آیت اولوا الارحام بعضهم اولی ببعض ناسخ نہیں ہے بلکہ دونوں آیتیں معمول بہا ہیں فرق یہ ہے کہ شروع میں عقد موالاة پر میراث جاری ہوتی تھی اور اقارب کو وارث نہیں بنایا جاتا تھا، پھر بعد میں جب یہ دوسری آیت نازل ہوئی تو اس کا مطلب وہ یہ لیتے ہیں کہ اقارب کو تو ریش میں مقدم رکھا جائے عقد موالاة والوں پر یعنی ان کے ہوتے ہوئے مولی الموالاة وارث نہ ہوگا، اور اگر ذوی الارحام میں سے کوئی نہ ہو تو اس وقت مولی الموالاة وارث ہو جائے گا، ذوی الارحام سے مراد اقارب اور رشتہ دار ہیں۔ بکذا یبغی ان نعیم بذالمقام فاذ من زوال الاقدام۔

والحدیث اخرجه ازہ البخاری والنسائی، قال المنذری۔

عن داؤد بن الحصین قال کنت اقرا علی ام سعد بنت الربیع وكانت یتیمہ فی حجر ابوبکر رضی اللہ عنہ  
**مضمون حدیث** | داؤد بن الحصین کہتے ہیں کہ میں ام سعد کے پاس قرآن پڑھا کرتا تھا اور ان سے سیکھتا تھا اور یہ ام سعد حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یہاں پلی تھیں، چونکہ یہ یتیم ہو گئی تھیں



اس لئے انہی کے یہاں پرورش پائی، تو ایک روز جب میں ان کے پاس قرارت کر رہا تھا تو میں نے یہ آیت اس طرح پڑھی۔  
 وَالَّذِينَ عَاقَدُوا اِيْمَانَكُمْ بِمَا نَحْمُكَ (باب مفاعلتہ سے) تو انہوں نے مجھے ٹوکا کہ اس طرح مت پڑھ بلکہ، "وَالَّذِينَ عَاقَدُوا اِيْمَانَكُمْ"  
 پڑھ (یعنی مجھ سے) اور اس کی وجہ یہ بیان کی کہ مجھے معلوم ہے کہ یہ آیت حضرت ابو بکرؓ اور ان کے بیٹے عبدالرحمنؓ کے بارے میں نازل ہوئی ہے جب شروع میں عبدالرحمنؓ نے اسلام لانے سے انکار کر دیا تھا تو حضرت ابو بکرؓ نے ان سے ناراض ہو کر یہ قسم کھائی تھی کہ میں تجھ کو وارث نہیں بناؤں گا، یعنی تو ہم میں سے کسی کا وارث نہیں ہوگا جب تو اسلام نہیں لارہا ہے، وہ کہتی ہیں کہ پھر جب وہ اسلام لے آئے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابو بکرؓ کو حکم دیا کہ اس کو اس کا حصہ دیں اور وارث بنائیں، ام سعدیہ کہنا چاہتی ہیں کہ اس آیت میں عقد سے مراد حلف ہے اور قسم کھانے والے تنہا ابو بکرؓ تھے تو اس کے لئے لفظ عقدت، مناسب ہے نہ کہ "عاقدت"، کیونکہ باب مفاعلتہ تو شرکت اور تعدد کو چاہتا ہے۔

یہ ام سعدیہ کی بات ایک لحاظ سے تو اپنی جگہ درست ہے لیکن "عاقدت" تو مستقل ایک قرارت ہے ہو سکتا ہے ان کو اس کا علم نہ ہو، آگے روایت میں ہے راوی کہتا ہے فَمَا اسلم حتى حمل على الاسلام يا سيف، راوی عبدالرحمنؓ کے اسلام کا حال بیان کر رہا ہے کہ وہ ابتداء میں تو اسلام لائے نہیں تھے ابتداء میں تو مسلمانوں کے دشمن ہی رہے، مسلمانوں کے خلاف تلوار اٹھائی (اسلئے کہ یہ جنگ بدر میں مشرکین کیساتھ آئے تھے) ثم هداه الله تعالى فاسلم قبيل الفتح۔ پھر بعد میں اللہ تعالیٰ شانہ نے ان کو اسلام سے سرفراز فرمایا، فتح مکہ سے کچھ پہلے۔

عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما..... فكان الاعرابي لا يرث المهاجر ولا يرث المهاجر الا اعرابي کہتے ہیں غیر مہاجر کو یعنی جو شخص اسلام لا کر اپنی ہی بستی میں ٹھہرا رہے اور ہجرت نہ کرے، یعنی شروع میں وراثت کا مدار نسب پر نہیں تھا بلکہ ہجرت و نفرت پر تھا اسی لئے مہاجر انصاری کا اور انصاری مہاجر کا باوجود عدم نسب کے وارث ہوتا تھا، اور مہاجر غیر مہاجر کا باوجود نسب کے وارث نہ ہوتا تھا۔

### باب في الحلف

یہ حلف کس مراد اور سکون لام کے ساتھ ہے بمعنی مخالفت، ففی القاموس: والحلف بالكسر العهد بين القوم اھ اور وہ جو حلف قسم کے معنی میں ہے اس کو قاموس میں تین طرح ضبط کیا ہے حلف حلف اور حلف۔  
 قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم لا حلف في الاسلام۔

شرح الحدیث | زمانہ جاہلیت میں قتال اور غارات اور مظالم پر آپس میں تو میں معاہدہ کیا کرتی تھیں تو ظاہر بات ہے اسلام میں اس کی کہاں گنجائش ہے، اسی کو آپ فرما رہے ہیں۔

لا حلف فی الاسلام وایما حلف کان فی الجاهلیة لم یزده الاسلام الا شدة۔ زمانہ جاہلیت میں محالفت کبھی خیر اور امور حقہ پر بھی ہوتی تھی، اس جملہ میں آپ اسی کے بارے میں فرما رہے ہیں کہ اس طرح کے حلف کو اسلام نے نہیں توڑا بلکہ اور مضبوط کیا ہے جو معنی حلف کے ہم نے جملہ ثانیہ میں لئے ہیں اگر یہی معنی فقرہ اولیٰ میں بھی لئے جاتیں تو یہ بھی ہو سکتا ہے اور اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ اسلام میں امور حقہ اور خیر پر محالفت کی حاجت نہیں بلکہ اخوت اسلامی بذات خود کافی ہے امور خیر پر تعاون کے لئے کذا قالوا۔  
والحدیث اخرجه مسلم قال المنذری۔

## باب فی المرأة ترث من دية زوجها

عن سعید قال کان عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ یقول: الدیة للعائلة، ولا ترث المرأة من دية زوجها شیئاً۔

یعنی شروع میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ رائے تھی کہ مقتول کی دیت عصبہ المقتول کے لئے ہوگی، اور عورت اپنے خاوند کی دیت کی وارث نہ ہوگی، یہاں تک کہ حضرت عمر سے ضحاک بن سفیان نے بتایا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تحریر میرے پاس یہ آئی تھی وَرَثَ امْرَاةٌ اَشْهِمُ الضَّيْبَانِ مِنْ دِيَةِ زَوْجِهَا یعنی ایشیم ضیابان جب مقتول ہو گئے تھے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ضحاک کو لکھا کہ ان کی دیت میں سے ان کی بیوی کو بھی وارث بنانا، تو اس پر حضرت عمر نے اپنی سابق رائے سے رجوع فرمایا۔

یہ ضحاک بن سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہ ہیں جن کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی قوم کے صدقات وصول کرنے پر عامل بنایا تھا، اس مسئلہ میں جو رائے حضرت عمر کی تھی کہا گیا ہے کہ حضرت علی کی رائے بھی وہی تھی، لیکن حضرت عمر کا تو رجوع ثابت ہو گیا جہور کے مسلک کی طرف ضحاک بن سفیان کی روایت کی وجہ سے۔

دیت کے بارے میں ابتداءً حضرت عمرؓ کی رائے اور پھر اس سے رجوع

جاننا چاہیے کہ دیت کا مسئلہ اور قاعدہ عند الجہور یہ ہے کہ وہ واجب تو ہوتی ہے عاقلہ یعنی عصبہ القاتل پر اور ملتی ہے ورثہ المقتول کو، اس میں حضرت عمرؓ کی رائے جہور کے خلاف

تھی وہ یہ کہ دیت واجب بھی عاقلہ پر ہوتی ہے اور ملتی بھی ہے عاقلہ ہی کو، تو چونکہ ان کا مسلک یہ تھا اسی کے پیش نظر وہ زوج کی دیت میں سے زوجہ کے حصہ کے قائل نہ تھے کیونکہ زوجہ عاقلہ میں سے نہیں، لیکن جب ان کو ضحاک بن سفیان کی روایت پہنچی تو انہوں نے اپنی رائے سے رجوع فرمایا، یہاں پر یہ سوال ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کی یہ رائے کیوں تھی کہ دیت میں وراثت جاری نہیں ہوتی اور وہ ورثہ کو نہیں ملتی بلکہ صرف عاقلہ کو ملنی چاہیے؟

اس کی وجہ جیسا کہ شرح نے لکھا ہے علی ظاہر القیاس یہ ہے کہ وراثت جاری ہوتی ہے اس مال میں جو ملک میت ہو عند الموت (جیسے عام مال ہوتے ہیں دیت کے علاوہ) اور دیت کا وجوب و ثبوت چونکہ ہوتا ہے موت مقتول کے بعد اور میت میں مالک ہونے کی صلاحیت ہے نہیں اس لئے اس کا تعاضل یہ ہے کہ دیت میں وراثت بھی نہ ہونی چاہیے، بس صرف عاقلہ کو ملنی چاہیے تحمل دیت کی وجہ سے، یعنی چونکہ عاقلہ ہی قاتل کی طرف سے مقتول کی دیت کے تحمل ہوتے ہیں اس تحمل کی وجہ سے ملنی بھی صرف عاقلہ کو چاہیے، لہذا نہ زوجہ کو ملنی چاہئے نہ اس کے علاوہ دوسرے ورثاء کو، لیکن پھر جب حضرت عمر کو ضحاک بن سفیان کے واسطے سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے فیصلہ کا علم ہوا کہ آپ نے دیت زوج میں زوجہ کا حصہ لگانے کو فرمایا ہے تو اس پر انہوں نے اپنی رائے اور قیاس کو ترک کر کے رجوع نہ کیا والحدیث اخرجه الترمذی والنسائی وابن ماجہ، قالہ الترمذی۔

تنبیہ: ضحاک بن سفیان کی یہ روایت حضرت عمر کی رائے دیت زوج کے سلسلہ ہماری سنن کی روایات میں ابوداؤد ترمذی وغیرہ صرف اتنی ہی ہے جس سے بادی الرأی میں یہ سمجھا جاتا ہے کہ حضرت عمر کی یہ رائے صرف زوجہ سے متعلق ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ حضرت عمر کی رائے دیت کے بارے میں مطلقاً یہ تھی کہ وہ للعاقلہ ہے للورثۃ نہیں بخلاف جمہور علماء کے کہ ان کی رائے یہ ہے کہ دیت واجب تو ہوتی ہے عاقلہ پر اور وراثت میں سبقت ہوتے ہیں اس کے ورثاء، تو گویا حضرت عمر کا اختلاف جمہور سے اصل مسئلہ میں ہے، چنانچہ نصب الرایہ رحمہ اللہ میں ہے اسی سلسلہ کی روایات کے ذیل میں علامہ زلیحی نے سنن والی روایت کی تخریج کے بعد مصنف عبدالرزاق سے یہ روایت نقل کی ہے ورواہ عبدالرزاق فی مصنفہ اخرنا عن الزہری عن ابیہ عن ابن المسیب ان عمر بن الخطاب قال، ما رى الدیۃ الا للعیسۃ لا ینہم یعقلون عنہ، فھل سمع احدکم من رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فی ذلک شیئاً؟ فقال الضحاک بن سفیان الکلابی وکان علیہ السلام استعمل علی الاعراب۔ کتب الی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان اؤرث امرأۃ اشیم الضابی من دیۃ زوجہا، فاخذ بہ عمر اھ اور اسی طرح موطا محمد میں، باب الرجل یرث من دیۃ امرأۃ والمرأۃ یرث من دیۃ زوجہا، میں روایت اس طرح ہے ان عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ فشد الناس بمنی، من کان عنده علم فی الدیۃ ان ینخرنی بہ، فقام الضحاک بن سفیان فقال: کتب الخ۔ اور یہ جو ان روایات میں زوجہ کی تخصیص ہے اس کا منشاء بھی بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے، وہ یہ کہ ایک عورت نے حضرت عمر سے منی میں اپنے لئے دیت زوج میں سے حصہ کا مطالبہ کیا تھا، چنانچہ التعلیق المجید میں ہے عن سعید قال جارت امرأۃ الی عمر تساکہ ان یؤرثہا من دیۃ زوجہا فقال ما علم لک شیئاً، فشد الناس الحدیث۔ پھر اس کے بعد اسی

حاشیہ میں وہ روایت بھی مذکور ہے جو شروع میں نصب الرایۃ سے ہم نے نقل کی، نتیجی علیٰ هذا التفصیل وان اختلفا  
عمریس فی ہذہ الجزیۃ فقط بل فی اصل المسئلۃ - عزیزی المولوی حبیب اللہ مظاہری الجبار فی ثم المدنی جزاء اللہ تعالیٰ خیرا۔

### الحزب کتاب الفسراض

مسائل میراث کی تفصیل مستقل ایک فن ہے جو اس فن کی کتب میں مسطور و مذکور ہے، لیکن اس فن کی جو بنیاد ہے یعنی قرآن کریم  
کی آیات المیراث جی جابا کہ کم از کم ان آیات میں مذکور در ثا اور ان کے حصص ہم اپنی اس کتاب میں ذکر کر دیں۔ تاکہ بنیاد علم میں آنے  
کے بعد پڑھنے والوں کو مزید تفصیل معلوم کرنیکا شوق پیدا ہو، اور اس طور پر حدیث شریف تعلو الفرائض و علوہا الناس فابہا  
نصف العلم پر عمل کی توفیق میسر ہو جائے، واللہ الموفق۔ بندہ نے یہ خدمت اپنے مدرسہ کے بعض فضلا کو سونپی، ماشاء اللہ وہ  
اس کو بحسن و خوبی لکھ کر لاتے جو حاشیہ میں درج ہے۔

۱۔ وراثت کے سلسلہ میں زمانہ قدیم ہی سے معاشرہ کے اندر پائی جانوالی زیادتیوں کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے اندر اس مسئلہ کو بہت  
اہمیت اور خاصی تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔

چنانچہ سورۃ نسا کی آیت ۱۱، ۱۲، اور ۱۷ کے تحت اس مسئلہ کی بنیادی تفصیل انتہائی وضاحت کے ساتھ موجود ہیں، مناسب  
معلوم ہوتا ہے کہ کتب تفسیر و فقہ کی روشنی میں مختصر تشریحات کیساتھ ان آیات میں مذکور حصص اور ان کے مستحقین کو یہاں ترتیب کیساتھ  
ذکر کر دیا جائے۔ مذکورہ بالا آیات میں سب سے پہلا حکم یہ ہے کہ میت کے کل مال سے اولاً اس کے ذین ادا کئے جائیں اور اس سے بچے  
ہوئے مال کے تہائی سے تنفیذ وصیت کی جائے۔

چنانچہ آیت ۱۱، اور ۱۲ دونوں ہی میں کچھ کچھ حصص اور ان کے مستحقین کے ذکر کے بعد ارشاد ہے: **مَنْ بَعْدَ وَصِيَّةٍ يوصي بِهَا**  
اور ذین، کہ یہ سب تقسیم میراث ذین کی ادائیگی اور تنفیذ وصیت کے بعد ہو۔

پھر ان آیات میں جسے کل چھ بیان کئے گئے ہیں: **نصف** (کل مال کا آدھا) **رباع** (چوتھائی) **ثلث** (آٹھواں) **ثلثان** (دو تہائی)  
**ثلث** (ایک تہائی) **سدس** (چھٹا حصہ)

اور ان کے مستحقین سات طرح کے ہیں: اولاد (جس میں مذکور وراثت ساری فروغ داخل ہیں، یعنی بیٹے، بیٹیاں، پوتے  
پوتیاں، اسی طرح نیچے تک۔ لیکن یہ واضح رہے کہ اوپر والی فرع کی موجودگی میں نیچے کی فروغ محروم رہیں گی، جیسے بیٹے بیٹیوں کی  
موجودگی میں پوتے پوتیاں) باپ (اور اس کے نہ ہونے کی صورت میں دادا، اسی طرح اوپر تک) ماں (اور اس کے نہ ہونے کی صورت  
میں دادی اور نانی جو ایک درجہ میں ہیں اسی طرح اوپر تک، لیکن ان میں جو اقرب الی اللیت ہو وہ ابعدا الی اللیت کیلئے حاجب ہوگی)  
شوھر، بیوٹی، اخیالی (ماں شریک) بھائی بہن۔ حقیقی (ماں باپ دونوں) و علانی (صرف باپ شریک) بھائی بہن۔

مذکورہ حصص اور ان کے مستحقین کی تفصیل حسب تصریح قرآنی اس طرح ہے: اولاد۔ ان کے وارث ہونے کی چار صورتیں ہیں  
(۱) مذکور وراثت دونوں ہوں تو اس صورت کیلئے حکم ہے: **يوصيكم الله في اولادكم للذكور وللنساء حظ الاثني عشر**، کہ مذکور وراثت سے

اور مؤنث کو ایک حصہ ملے گا (۲) صرف ایک مؤنث ہو تو ذوات کانت واحداً فلها النصف۔ کی بنا پر نصف ترکہ کی مستحق ہوگی۔ (۳) اگر مؤنث اولاد نہ دیا اس سے زائد ہو تو۔ فان کن نساء فوق اثنتین فلھن ثلثا مائرک۔ کی وجہ سے دو تہائی مال کی مستحق ہوگی (واضح رہے کہ یہاں عبارتہ النص اگرچہ دُکھ سے زائد کے لئے ہے لیکن اقتضاء النفس اور احادیث سے دُکھ کے لئے بھی یہی حصہ ثابت ہوتا ہے، تفسیر ابن کثیر وغیرہ میں اس کی تفصیل موجود ہے) (۴) چوتھی صورت یہ ہے کہ وارث صرف مذکر اولاد ہو (ایک یا زائد)

وہ عصبہ ہو نیکی بنا پر ذوی الفروض سے بچے ہوئے کل مال کی مستحق ہوگی (کتب تفسیر و سراجی)

باپ :- اس کے وارث ہونے کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں (۱) اگر اس کے ساتھ میت کی کوئی اولاد مذکر بھی ہو (خواہ مؤنث ہو یا نہ ہو) تو اس صورت میں ولایہ لکلی والدہ منہما السدس مائرک ان کان ولد۔ کی وجہ سے وہ کل مال کے چھٹے حصہ کا مستحق ہوگا (۲) اولاد مذکر نہ ہو نیکی صورت میں جبکہ اولاد مؤنث ہو (ایک یا متعدد) باپ بطور فرض کے ایک سدس کا۔ اور بطور عصبہ کے بچے ہوئے کل مال کا مستحق ہوگا۔ (۳) اور میت کی کسی بھی قسم کی اولاد نہ ہو تو ذوی الفروض سے بچا ہوا کل مال باپ کو طیکہ انصیب کی بنا پر (ان دونوں صورتوں کا حکم کتب تفسیر اور کتب فقہ میں دیکھئے)

مال :- (۱) میت کی اولاد (مذکر و مؤنث) میں سے کسی کے بھی ہوتے ہوئے سدس کی مستحق ہوگی، ارشاد ہے "ولایہ لکلی واحد منہما السدس"۔ (۲) میت کے بھائی بہنوں میں سے دو یا اس سے زائد کیساتھ ہو جب بھی اُسے سدس ملے گا: "فان کان لہ اخوة فلاہ السدس"۔ (۳) نہ میت کی کوئی اولاد ہو نہ بھائی بہنوں میں سے دو کا نصب ہو تو۔ فان لم یکن لہ ولد وورثہ ابوا فلاہم الثلث۔ کے حکم کے مطابق ثلث دیا جائیگا (پھر اس ثلث میں کچھ اختلاف ہے کہ کس صورت میں کل مال کا تہائی دیا جائیگا، اور کب ثلث باقی کی مستحق ہوگی) شوہر :- (۱) اگر بیوی کسی بھی طرح کی اولاد چھوڑ کر مری ہے، خواہ اسی شوہر سے یا کسی اور شوہر سے تو۔ فان کان لہن ولد فلکھ الربع مائرک۔ کی بنا پر شوہر جو بھائی مال کا مستحق ہوگا (۲) اور اولاد نہ ہونے کی صورت میں شوہر کو نصف ملے گا، بقولہ تعالیٰ: "ولکم نصف ما ترک ازواجکم ان لم یکن لہن ولد"۔

بیوی :- (۱) اگر بیوی کے ساتھ مرنے والے شوہر کی کوئی اولاد بھی ہو تو۔ فان کان لکم ولد فلھن النصف۔ کے مطابق بیوی کو کل مال کا آٹھواں حصہ ملے گا (۲) اور اگر اولاد نہ ہو تو اس کے حصہ میں جو بھائی بیگاہ۔ ولہن الربع مائرک تم ان لم یکن لکم ولد۔ تنبیہ :- اگر میت کی کوئی اولاد نہ ہو (اور اس کے حقیقی و علاقائی بھائی بہنوں میں سے کوئی ہو) تو ایسی میت کو "کلالہ" کہتے ہیں، "ان امرؤ هلك ليس له ولد"۔ سے یہی مراد ہے۔

حقیقی و علاقائی بھائی بہن :- (۱) اگر میت (کلالہ) مذکر ہو اور اس کی حقیقی و علاقائی صرف ایک بہن ہو تو اسے کل مال کا آدھا ملے گا۔ "ولہ اخت فلها نصف ما ترک"۔ (۲) اور اگر دو یا اس سے زائد بہنیں ہوں تو دو تہائی مال کی مستحق ہو کر اس میں برابر کی شریک ہوں گی۔ "فان کانت اثنتین فلھن ثلثا مائرک"۔

واضح رہے کہ یہاں عبارتہ النص اگرچہ دو ہی کے لئے ہے لیکن اقتضاء النفس کی روشنی میں قیاساً علی الاولاد الاناث اور

بطریق اولیت دوسے زائد کے لئے بھی حکم ہے (دیکھو کتب تفسیر وفقہ) (۳) اور اگر میت مؤنث ہے اور ورثہ میں صرف بھائی ہیں (خواہ ایک ہوں یا زیادہ) وہ بطور حصہ کے کل مال کے مستحق ہوں گے۔ وہ وراثت میں حصہ لیں گے۔ (۴) اور اگر بھائی بہن دونوں ہیں تو سب حصہ بنیں گے، اور بھائی دو دو، بہنیں ایک ایک حصہ کی مستحق ہوں گی۔ ارشاد ہے: "وإن كانوا إخوة رجالاً ونساءً فللذكر مثل حظ الأنثیین"۔

تنبیہ:- علاقائی و حقیقی بھائی بہنوں کا حکم تقسیم میراث میں ایک ہی ہے، لیکن حقیقی بھائی علاقائی بھائی بہنوں کے لئے واجب اسی طرح حقیقی بہن بھی جب کہ وہ میت کی اولاد انات کی وجہ سے حصہ ہو۔ اور ایک حقیقی بہن کی موجودگی میں علاقائی بہنوں کو سب سے ملے گا کلمۃ الثلثین۔

اخینانی بھائی بہن:- (۱) ماں شریک بھائی بہنوں میں سے اگر کوئی تنہا ہو تو اس کو سب سے ملے گا۔ "ولہ أخ أو أخت فلكل واحد منهما السدس"۔ (۲) اور اگر ایک سے زائد ہو خواہ صرف بھائی یا صرف بہنیں یا مخلوط ہوں تو ان کے لئے ثلث مال ہوگا، جس میں وہ برابر کے شریک ہوں گے۔ "فإن كانوا أكثر من ذلك فهم شركاء فی الثلث"۔

تنبیہ:- (۱) یہاں آیت کریمہ میں "ولہ أخ أو أخت" سے اخینانی بھائی بہن مراد ہیں، جیسا کہ بعض صحابہ کی قراۃ میں "من أم" کی زیادتی وارد بھی ہوئی ہے، اور اس کی یہی تفسیر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی بھی ہے۔ (ابن کثیر) (۲) اخینانی بھائی بہن حصص میں برابر کے شریک رہتے ہیں۔ "فهم شركاء فی الثلث" کے اطلاق کی وجہ سے، لہذا "للذكر مثل حظ الأنثیین" کا کلیہ ان پر جاری نہ ہوگا۔ (دیکھو کتب تفسیر اور سراجی وغیرہ)

(۳) حقیقی و علاقائی بھائی بہن اسی طرح میت کے اصول ذکر اور فرد مطلق یہ سب کے سب اخینانی بھائی بہنوں کیلئے واجب ہیں خاتمۃ میراث کے حصص اور ان کے مستحقین کا یہ ایک اجمالی بیان ہے، جو قرآن کریم کے عبارتہ انص کو سامنے رکھ کر پیش کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ جب شریعت کے اصول چار ہیں (جن سے ثابت شدہ احکام کے مجموعہ کا نام فقہ ہے) تو کسی بھی مسئلہ کی مکمل وضاحت ان چاروں اصول کی مراجعت کے بغیر ہو ہی نہیں سکتی۔ لہذا مسئلہ میراث میں بھی مزید تفصیل و توضیح کے لئے اس فن کی مستقل کتابوں (مثلاً سراجی وغیرہ) کی طرف مراجعت ناگزیر ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ۔

## اَوَّلُ كِتَابِ الْخِرَاجِ وَالْفَيْ وَالْاِمَارَةِ

اس کتاب کی مناسبت ماقبل میں کتاب الجہاد سے ظاہر ہے اس لئے کہ جہاد کے ذریعہ جو زمینیں فتح کی جاتی ہیں بعض تو ان میں سے خراج ہوتی ہیں اور بعض عشری اس لئے ضرورت پیش آتی خراج و عشر وغیرہ کے احکام بیان کرنے کی، اور چونکہ ان تمام چیزوں کے انتظام و انصرام کے لئے امیر کی ضرورت ہوتی ہے، اس لئے مصنف نے امارت کو بھی ترجمہ الباب میں لے لیا، نیز فی سے مراد مصنف کی طرف ہی نہیں ہے بلکہ غنیمت بھی اس میں شامل ہے اس لئے کہ مصنف نے اس کتاب میں غنیمت اور خمس غنیمت کے مصارف سب کچھ بیان کئے ہیں اور ایسے ہی خراج کے ساتھ جزیرہ کو بھی بیان کیا ہے۔

کتاب الخراج کا موضوع اور حاصل | جانتا چاہیے کہ خراج جو کہ زمین کے ٹیکس کا نام ہے اور جزیرہ یوں سمجھئے جان کے ٹیکس کا نام ہے جو ان کفار (ذیموں) سے لیا جاتا ہے جو ہمارے ملک دارالاسلام میں رہتے اور بستے ہیں، یہ سب چیزیں ملک کے اندر کی آمدنیاں ہیں تو کتاب الخراج میں یہی احکام بیان کئے جاتے ہیں، مثلاً جزیرہ کس کس سے لیا جائے گا اور کتنی مقدار میں لیا جائے گا اور کس زمین سے خراج لیا جائے گا، اور کس سے عشر لیا جائے گا اور پھر ان سب چیزوں کو وصول کرنے کے بعد ان آمدنیوں کے مصارف کیا ہوں گے، کون سے مال کو کہاں اور کس ضرورت میں خرچ کیا جائے گا، گویا کتاب الخراج کے موضوع کا حاصل یہ ہے کہ وہ اسلام کے نظام اقتصادی کا ایک حصہ و شعبہ ہے اور اس موضوع پر علماء نے مستقل تصنیفات لکھی ہیں، مثلاً، کتاب الخراج للامام ابی یوسف، الخراج لیحییٰ بن آدم، الاموال لابن عبید القاسم بن سلام، کتاب الاموال

لہ اور کتاب الجہاد کے بعد متصلاً جو ابواب و کتب گذریں اضحیٰ، صید، وصیۃ، فرائض یہ سب بھی جہاد سے مربوط ہیں،

ادنی تأمل سے ربط سمجھ میں آجائے ۱۲۔

لرنجیہ وغیرہ، اور ہمارے زمانہ کے مولانا حفظ الرحمن صاحب سیوہاروی ناظم جمعیتہ العلماء ہند جو بڑے جید عالم اور بہت سی تصانیف کے مصنف ہیں انہوں نے بھی اس موضوع پر ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام ہے اسلام کا اقتصادی نظام ہے۔ چنانچہ مولانا نے اپنی اس تصنیف میں مذکورہ بالا قدیم تصنیفات سے ہی اپنی یہ کتاب ترتیب دی ہے چنانچہ اس میں جا بجا ان کتابوں کا حوالہ ہے اور ان کے اقتباسات درج ہیں، اسی طرح مولانا سید مناظر احسن گیلانی کی کتاب "اسلامی معاشیات" بھی اسی موضوع پر ہے، لہذا الوداؤد کی اس کتاب الخراج کو اچھی طرح سمجھنے کے لئے طلبہ حدیث کو اردو کی ان تصانیف کا مطالعہ کرنا چاہیے کہ موجب بصیرت ہے، واللہ تعالیٰ الموفق۔

### باب ما یلزم الامام من حق الرعیۃ

اس باب میں مصنف نے یہ مشہور حدیث الا کلکھ راع و کلکھ مسئول عن رعیتہ ذکر فرمائی ہے، یہ حدیث بہت اہم ہے ہر بڑے کو اپنے ماتحتوں کے ساتھ معاملہ میں یہ پیش نظر رکھنے کی ہے، خواہ وہ پورے ملک کا ذمہ دار ہو یا کسی ادارہ کا یا کسی محکمہ کا یا اپنے گھر ہی کا، سب کے لئے ہے۔ واللہ تعالیٰ الموفق۔  
والحدیث أخرجه البخاری ومسلم والترمذی والنسائی، قال المنذری۔

### باب ما جاء فی طلب الامارۃ

یہ امارت بکسر الهمزہ ہے، اور جو امارت بفتح الهمزہ ہے اس کے معنی علامت کے ہیں، حدیث الباب میں طلب امارت سے روکا گیا ہے، اور آپ نے فرمایا کہ جو عہدہ اور امارت طلب کر کے حاصل کیا جائے اس میں آدمی کی من جانب اللہ تعالیٰ اعانت نہیں ہوتی، کیونکہ طلب کرنا مصطفیٰ ہے اپنے نفس پر اعتماد کو، اللہ تعالیٰ کی نصرت ہوتی ہے اظہار احتیاج و انتقار پر۔  
والحدیث أخرجه البخاری ومسلم والترمذی والنسائی مختصراً ومطولاً بخوہ، قال المنذری۔

عن ابی موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال انطلقت مع رجلین الی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اذ اس روایت کا مضمون اور حوالہ ہمارے یہاں کتاب الظہارت، باب کیف یستاک، کے ضمن میں گزر چکا اس کو دیکھا جائے، اس حدیث میں ایک لفظ یہ ہے فقال ان اخوتکم عندنا من طلبہ، اخوتن خیانت سے اسم تفضیل ہے یعنی عہدہ عمل کو طلب کرنا یا تم میں سب سے بڑا خائن ہے۔

والحدیث أخرجه البخاری ومسلم، قال المنذری، زاد الشیخ محمد عوامہ النسائی ایضاً۔

### باب فی الضریر یؤتی

یعنی نابینا شخص کو امور مسلمین میں سے کسی کام پر والی اور ذمہ دار بنانا۔



عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم استخلف ابن ام مکتوم علی المدینۃ مرتین۔ ابن ام مکتوم کو آپ نے مدینہ پر اپنا خلیفہ بنایا دوسرے مرتبہ خطابی فرماتے ہیں کہ یہ ولایت ولایت عامہ نہ تھی، احکام اور قضایا پر، بلکہ صرف نماز کے بارے میں تھی، اور یہ آپ کی جانب سے ان کا اکرام تھا اس خاص واقعہ کی بنا پر جس پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو ان کے بارے میں تنبیہ کی گئی تھی (عس وتولی ان جارہ الاعی) حافظ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا معمول غزوات میں تشریف لے جاتے وقت ان کو اپنا نائب بنانے کا تھا نماز کی امامت میں، اور یہ استخلاف ان کے حق میں تیرہ مرتبہ پیش آیا، ان سب غزوات کا نام بذل میں مذکور ہیں، اس کے بعد حافظ لکھتے ہیں کہ وہ جو اس روایت میں استخلاف مرتین مذکور ہے وہ راوی نے اپنے علم کے اعتبار سے کہا۔

### باب فی اتخاذ الوزير

یعنی خلیفہ کے لئے ایک وزیر بھی ہونا چاہیئے اور وہ کیسا ہونا چاہیئے وہ آگے حدیث میں آرہا ہے۔ وزیر "وزرہ" سے ماخوذ ہے جس کے معنی ثقل اور بوجھ کے ہیں، وزیر اس شخص کو کہتے ہیں جو امیر کا بوجھ اٹھائے اور جو ذمہ داریاں امیر نے لے رکھی ہیں اس کے ساتھ بوجھ اٹھانے میں وہ بھی شریک ہو، نفی الجمع، الوزير من یوازر الامیر فحمل عنہ ما حملہ من الاثقال، الی آخر مانی التہذیل۔ اس باب میں مصنف نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث ذکر کی ہے جس کا مضمون واضح ہے۔

### باب فی العرافۃ

عرافہ کہتے ہیں عمل العریف کو، عریف یعنی چودھری اور اپنی قوم کا ذمہ دار، عرافت چودھراہٹ۔

افلحت یا قد یران مت ولم تکن امیرا ولا کاتباً ولا حریفاً۔

قدیم مصفر ہے مقدم کا، بحذف الزوائد، مطلب ظاہر ہے

عن رجل عن ابیہ عن جدہ انہم کانوا علی منہل من المناہل فلما بلغہم الاسلام جعل

صاحب الماء لقومہ مشۃ من الابل علی ان یسلموا فاسلموا الخ

لے اور یہ اس لئے کہ امارت عامہ اور امامت کبریٰ کے لئے کمال خلقت شرط ہے، نفی ہامش البذل: قال الموفق (فی شرائط الامارۃ) بشرط

کمال الخلقۃ فیکون متکلماً بصیراً، وقال بعض اصحاب الشافعی یجوز ان یشترط ان یشترط

فیہ شرائط الشہادۃ، وقال فی باب الشہادۃ: لا تقبل شہادۃ الا علی ۱۲۔

اس حدیث کا راوی صحابی اور اس سے نیچے کا راوی دونوں تینوں مجہول ہیں۔

**مضمون حدیث** مضمون حدیث یہ ہے ایک نامعلوم الاسم صحابی کہتے ہیں کہ ہم اور ہماری قوم ایک چشمہ پر آباد تھے جب ان لوگوں کو اسلام کی خبر پہنچی تو صباغیب الماری یعنی اس چشمہ پر جو قوم آباد تھی اس کے

چودھری نے اپنی قوم سے یہ وعدہ کیا کہ اگر تم سب اسلام لے آئے تو میں تم کو سٹاؤنٹ دوں گا، اس پر وہ سب لوگ اسلام لے آئے اور اس چودھری نے سٹاؤنٹ بھی ان پر تقسیم کر دیئے، لیکن پھر بعد میں اس کی رائے اپنے بہرے رجوع کرنے کی ہوئی، تو رجوع سے پہلے اپنے بیٹے کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھیجا، اور اس بیٹے سے یہ بات کہی کہ آپ کی خدمت میں جا کر یہ کہنا کہ میرے باپ نے آپ کو سلام عرض کیا ہے اور پھر اس واقعہ کا ذکر کرنا قوم کے اسلام لانے اور ان پر اونٹ تقسیم کرنے کا، اور یہ پوچھنا کہ اب اس کی رائے اس میں رجوع کی ہو رہی ہے تو کیا اس کے لئے رجوع کرنے کا حق ہے؟ اور کہا کہ آپ اس کا جو بھی جواب دیں ہاں یا نہیں اس کو سنکر دوسری بات یہ دریافت کرنا کہ میرا باپ اب بوڑھا ہو گیا اور وہ ان چشمہ والوں کا عریف ہے، تو وہ آپ سے یہ درخواست کرتا ہے کہ آپ مجھ کو میرے باپ کی جگہ عریف بنادیں، چنانچہ اس کا بیٹا ان سب باتوں کو لیکر حضور کی خدمت میں پہنچا، اور اولاً اپنے باپ کا سلام پہنچایا آپ نے فرمایا، وعلیک وعلى ایک السلام۔

**رجوع فی البہ کے جواز کی دلیل** اس کے بعد قوم کے اسلام لانے کا اور ان کو سٹاؤنٹ دینے کا، اور پھر اس بہ میں رجوع کرنے کا ساری بات اس نے حضور سے عرض کی، آپ نے

فرمایا کہ وہ اونٹ ان کو دینا چاہے دے، اور رجوع کرنا چاہے تو رجوع کر سکتا ہے پھر اگر وہ اسلام پر ہائی رہتے ہیں نبھا، ان کا اسلام ان کو مبارک، اور اگر اسلام سے پھریں تو ان سے قتال کیا جائے، اس کے بعد اس نے عرفات کے بارے میں دریافت کیا، اس پر آپ نے فرمایا کہ عرفات برحق ہے، کوئی ناجائز چیز نہیں ہے بلکہ لوگوں کے لئے عرفاء کا ہونا ضروری بھی ہے۔ لکن العرفاء فی النار۔ لیکن یہ عریف لوگ جہنم میں جائیں گے۔

آپ کے اس فرمان کا منشا یہ ہے کہ یہ چودھری لوگ جو ہوتے ہیں اپنی چودھراہٹ میں عام طور پر لوگوں پر ظلم و زیادتی کرتے ہیں۔

والحدیث سکت علیہ المنذری، وعزاه المزی الی النسائی، وفیہ طرف یرمیز، وهو عند المصنف ایضاً (۵۱۸۹) قالہ شیخ

محمد عوامہ۔

## باب فی اتخاذ الکاتب

کتاب الخراج کی سرفہ میں چونکہ فی اور امارت کا بھی ذکر ہے اسلئے بہت سی چیزیں امارت سے بھی متعلق بیان کی جا رہی ہیں، اس باب میں یہ کہہ رہے ہیں کہ امیر کے لئے ایک کاتب اور منشی کی بھی ضرورت ہے اس کو بھی رکھنا چاہیئے

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال: السَّجِّلُ كَاتِبٌ كَانَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ قرآن کریم میں جو آیت ہے یوم نطوي السماء كطي السجل للكتب، اس کے بارے میں ابن عباس فرما رہے ہیں کہ اس آیت میں سجل سے مراد وہ شخص ہے جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا کاتب تھا، اس صورت میں آیت کریمہ کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم بروز قیامت آسمانوں کو اس طرح پیٹ دیں گے جس طرح سجل کاتب لکھائی سے فارغ ہونے کے بعد تمام منتشر اوراق کو یکجا پیٹ کر رکھ دیا کرتا ہے، سجل کی تفسیر میں دو قول اور ہیں، قیل اسم ملک (ایک فرشتہ کا نام ہے) وقیل اسم الصیفة، اور اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ جس طرح بڑے رجسٹر میں اوراق سمیٹ کر رکھ دیئے جاتے ہیں اسی طرح ہم آسمانوں کو پیٹ دیں گے، ان اقوال میں آخری قول کو اصح کہا گیا ہے۔

آپ کے کاتبین کے اسماء یہاں پر بذل الجہود میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے کاتبین کی تعیین اور ان کے اسماء مذکور ہیں، ہمیشہ نام اس میں مذکور ہیں۔

### باب فی السعیۃ علی الصدقة

یعنی صدقات اور ایسے ہی خراج وغیرہ وصول کرنے کے لئے مستقل آدمی کی ضرورت ہوتی ہے لہذا امیر کے فرائض میں سے عاملین کو بھی مقرر کرنا ہے، حدیث الباب میں دیانت دار عامل کی فضیلت اور اس کا ثواب مذکور ہے،

العامل علی الصدقة بالحق کاغازی فی سبیل اللہ حتی یرجع الی بیتہ۔ یعنی ان عاملین کو بھی ایسا ہی ثواب ملتا ہے جس طرح مجاہدین کو سفر جہاد میں ملتا ہے، گھر لوٹنے تک ملتا ہی رہتا ہے۔ قلت ومثلہ سفراء المدارس فی هذا الزمان، بشرطیکہ پوری دیانتداری اور محنت سے کام کریں والاعمال بالنیات۔

والحدیث أخرجه الترمذی وابن ماجہ، قال المنذری۔

لا یدخل الجنة صاحب مکس۔

شرح الحدیث | (مکس) یعنی ٹیکس اور صاحب مکس کو مکس کہتے ہیں، وهو العشار، یعنی چنگی پر بیٹھنے والے جو مال لیکر گذر نیوالوں سے ٹیکس وصول کرتے ہیں، بظاہر اس حدیث میں ان ٹیکسوں کا ذکر ہے جو خلاف شرع طریقہ پر حکومتیں رعایا سے وصول کرتی ہیں، اور جن لوگوں کو اس کام پر مقرر کیا جاتا ہے وہی صاحب مکس ہیں تو جب صاحب مکس گنہ گار ہے تو وہ امیر جس کے حکم سے وہ ٹیکس وصول کر رہا ہے بطریق اولیٰ عاصی اور گنہگار ہوگا، اور عشر وغیرہ جو شرعی قاعدہ کے مطابق وصول کئے جاتے ہیں وہ اس سے مراد نہیں، اس کی فضیلت تو اوپر والی حدیث میں گذر رہی چکی ہے کہ وہ بمنزلہ غازی کے ہے۔ (بذل)

## باب فی الخلیفۃ یتخلف

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال عمر بنی ان لا یتخلف فان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ

والہ وسلم لم یتخلف وان یتخلف فان ابابکر قد استخلف۔

**شرح الحدیث** حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں میرے والد عمر نے فرمایا یعنی اپنے مرض الوفا میں۔ کہ اگر میں کسی کو خلیفہ نہ بناؤں (تب بھی ٹھیک ہے) اس لئے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے کسی کو اپنا خلیفہ نہیں بنایا اور اگر میں کسی کو خلیفہ بناؤں (تب بھی ٹھیک ہے) اس لئے کہ ابوبکر نے خلیفہ بنایا تھا، آگے یہ ہے، ابن عمر فرماتے ہیں کہ ان کے اس جملہ سے میں کچھ گیا کہ وہ حضور کے طرز عمل کو ابوبکر کے عمل کے برابر نہیں رکھیں گے بلکہ یقیناً وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے عمل کو ترجیح دیں گے۔ یہ روایت یہاں مختصر ہے، صحیح مسلم میں مفصل ہے اس کی طرف رجوع کیا جائے، وہاں یہ بھی ہے کہ لوگوں نے ان سے عرض کیا کہ کسی کو خلیفہ بنا دیجئے تو فرمانے لگے اتھل امر کم حیا ومیتاً کہ تمہارا ابوجہ زندگی میں بھی اٹھاؤں اور مرنے کے بعد بھی، لودوت ان حطی منها الکفان لاعلی ولائی، میں تو یہ چاہتا ہوں کہ میرا حصہ اس خلافت میں برابر سرا بر ہو جائے، نہ مجھے اس پر کچھ ملے، اجر و ثواب، اور نہ کچھ مواخذہ ہی ہو، یعنی اگر اللہ تعالیٰ کے یہاں معاملہ برابر سرا بر منٹ جائے تو اسی کو غنیمت سمجھتا ہوں، اللہ اکبر! کیا ٹھکانہ ہے اس خشیت و لہیت کا، ساتھ میں امید و رجاء غفوی بھی ہے الایمان بین الخوف والرجاء۔ اس حدیث کی شرح میں امام نووی نے لکھا ہے کہ مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ خلیفہ پر اپنی زندگی میں نہ استخلاف واجب ہے نہ ترک استخلاف، دونوں صورتیں اس کے لئے جائز ہیں اور پھر آگے لکھتے ہیں کہ علماء کا اس پر بھی اجماع ہے کہ خلافت کا انعقاد خلیفہ اول کے استخلاف سے بھی ہو جاتا ہے اور اگر وہ استخلاف نہ کرے تو پھر اباب حل و عقد کے اختیار کرنے سے اس کا انعقاد ہو جاتا ہے، اور اس کے جواز پر بھی اجماع ہے کہ خلیفہ اول امر خلافت کو کسی جماعت کے سپرد کر دے، کما فعل عمر بالشتہ، نیز وہ لکھتے ہیں یہ حدیث دلیل ہے اس بات پر کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے

لے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی شہادت کے موقع پر ابو لؤلؤہ مخوصی کے حملہ کے بعد انتقال سے پہلے خلافت کے مسئلہ کو چھ صحابہ کرام کے مشورہ پر محول فرمادیا تھا، عثمان و غلی، عبدالرحمن بن عوف، طلحہ بن عبید اللہ، زبیر بن العوام، سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہم کہ یہ آپس میں مشورہ سے جس کو مناسب سمجھیں اسکو خلیفہ بنا دیں، چنانچہ مشورہ کے وقت میں یہ ہوا کہ ان میں سے پانچ حضرات نے عبدالرحمن بن عوف کو حکم بنا دیا کہ وہ اپنی رائے سے جس کو مناسب سمجھیں طے فرمادیں انہوں نے حضرت عثمان کو انتخاب فرمایا، صحابہ کرام کی ایک جماعت کی موجودگی میں، اور حضرت عمر کی وفات کے تین دن بعد لوگوں کی بیعت ہوئی (نیز اس شرح عقائد)

کسی خلیفہ کی خلافت پر تصریح نہیں فرمائی اور یہ تمام اہل سنت کا اجماعی مسئلہ ہے، قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ اس اجماع کی بعضوں نے مخالفت کی ہے، چنانچہ بکر ابن اخنث عبد الواحد نے دعویٰ کیا ابو بکر کی تنصیف پر، اور ابن الروندی نے عباس کی تنصیف پر، اور شیعہ اور روافض کہتے ہیں علی کے بارے میں، وھذہ دعاوی باطلہ جسارۃ علی الافزار الی آخر ما ذکر (مسلم ج ۲ ص ۲۸۷)

والحدیث اخرجه مسلم والترمذی، قال المنذری۔

## باب ماجاء فی البیعة

قالت ما من النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم بیدۃ امرأۃ قط الا ان یاخذ علیہا فاذا اخذ علیہا فاعطیۃ قال اذہی فصد بایعتک۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں بیعت النساء کے بارے میں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ہر وقت بیعت اپنے دست مبارک سے کسی بھی عورت کو نہیں چھوا، بس آپ زبانی عہد لیتے تھے، زبانی عہد کو جب وہ قبول کر لیتی تھی تو آپ اس سے فرمادیتے تھے کہ بس اب چلی جا میں نے تجھے بیعت کر لیا۔

والحدیث اخرجه البخاری ومسلم والنسائی، قال المنذری۔

حدثنا ابو عقیل زھرۃ بن معبد عن جدۃ عبد اللہ بن ہشام الخ

مضمون حدیث یہ ہے کہ عبد اللہ بن ہشام جنہوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا زمانہ پایا ہے اپنے بچپن میں ان کو ان کی والدہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لے گئیں، اور کہا یا رسول اللہ اس کو بیعت کر لیجئے، آپ نے فرمایا: ہوصغیر فمسح رأسہ، یعنی آپ نے ان کی بیعت سے عذر فرمادیا کہ یہ ابھی بچہ ہے البتہ اپنا دست مبارک ان کے سر پر پھیر دیا۔

بیعت چونکہ ایک خاص قسم کا معاہدہ ہے جو باب تکلیف سے ہے اور نابالغ غیر مکلف ہوتا ہے اسلئے آپ نے بیعت نہیں کیا۔

والحدیث اخرجه البخاری، قال المنذری۔

## باب فی آرزاق العمال

آرزاق یعنی وظائف جو عمال کو بیت المال سے دیئے جاتے ہیں۔

من استعملناہ علی عمل فروقناہ رزقا فما اخذ بعد ذلک فهو غلول۔

آپ فرما رہے ہیں کہ جس شخص کو ہم عامل بنائیں تو اس کی جو تنخواہ اور وظیفہ ہم مقرر کریں وہ تو اس کے لئے حلال ہے

اس سے زائد سے جو وہ لے گا تو وہ غلول اور خیانت ہوگا۔

من کان لنا عاملاً فليكتب زوجة۔

جس شخص کو ہم عامل بنائیں تو اس کو چاہیے کہ اپنی شادی کر لے یعنی بیت المال کے خرچہ سے اور ایسے ہی اگر اس کے پاس خادم نہ ہو تو ایک خادم بیت المال سے حاصل کر لے، اور رہنے کے لئے مکان نہ ہو تو ایک مسکن کا انتظام کر لے۔

## باب فی ہدایا العمال

یعنی عمال جب صدقات وصول کرتے جائیں اور صدقات کے علاوہ ان کو کہیں سے ہدیہ میں کچھ ملے تو اس کا کیا حکم ہے، ابن عبدالبر کی التہدید میں ہے کہ ہدایا العمال عند الجہور فی حکم الفی ہیں، لہذا ان کو بیت المال میں داخل کرنا چاہیے، بخلاف حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے کہ آپ کی خدمت میں جو ہدیہ پیش ہو وہ آپ کے لئے ہے۔ (ہاشم البہذلی، وحکذا فی السیر الکبیر۔)

تنبیہ: بعینہ ہی ترجمہ باب فی ہدایا العمال آگے، کتاب اقتضاء میں بھی آ رہا ہے، وہاں مصنف نے ایک دوسری حدیث ذکر کی ہے:

عن ابی حمید الساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم استعمل رجلاً

من الازدی قال لہ ابن اللتیبة قال ابن السرح ابن الاتیبة علی الصدقة الخ۔

**شرح الحدیث** | اس رجل ازدی عامل کا نام عبد اللہ ہے، یہاں نسبت ماں کی طرف ہے، بنو لثب ایک قبیلہ ہے نام اس کی ماں کا معلوم نہیں کیا ہے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو صدقات پر عامل بنایا، ایک مرتبہ وہ صدقات لے کر آیا اور کہا کہ یہ مال تو صدقہ کا ہے اور یہ مال مجھے ہدیہ میں ملا ہے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی چونکہ عادت شریعہ ایسے موقع پر ایک عام نصیحت فرمانے کی ہوتی تھی بلا تخصیص کے اس لئے آپ منبر پر تشریف لے گئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کے بعد یہ تنبیہ فرمائی کہ بعض عامل ایسے ہیں کہ ہم ان کو بھیجتے ہیں وہ پھر آ کر کہتے ہیں کہ یہ مال تو صدقہ کا ہے، اور یہ ماں میرے لئے ہدیہ ہے، آگے آپ فرما رہے ہیں کہ یہ شخص اپنی مینا یا باپ کے گھر کیوں نہ بیٹھا پھر دیکھتا کہ اس کو ہدیہ کیا جاتا ہے یا نہیں، پھر آگے جو آپ نے فرمایا اس کا حاصل یہ ہے کہ اس طرح کا مال مال غلول ہے، اور جو غلول کے بارے میں وعید آئی ہے وہ آپ نے بیان فرمائی، وہ یہ کہ مال غلول میں اگر اونٹ ہو تو میدان حشر میں وہ اونٹ اس کی پشت پر سوار ہو کر آواز نکالتا ہوا آئے گا، اور اگر وہ مال غلول بقرہ ہو گا وہ بھی اسی طرح آئے گی، اسی طرح بکری، الی آخر الحدیث۔

عمال کے ہدایا کے بارے میں شراح نے لکھا ہے وہ حرام ہے اور رشوت ہے، وہ دوسرے ہدایا کی طرح نہیں ہے اس لئے کہ عاملین کو لوگ جو ہدایا پیش کرتے ہیں اس کی غرض فاسد ہوتی ہے تاکہ وہ زکوٰۃ وصول کرنے میں تخفیف کرے

اور پورا حق واجب اس سے نہ لے۔

**جو چیز ذریعہ بنے امر محظور کا وہ بھی محظور ہے** | نیز شرح نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس حدیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ جو شئی ذریعہ بنے کسی امر محظور و ممنوع کا تو وہ ذریعہ بھی

محظور و ممنوع ہے، اس لئے کہ آپ فرما رہے ہیں کہ اس قسم کے عامل کو چاہیے کہ وہ اپنے گھر بیٹھ کر دیکھے کہ اس کو وہ ہدیہ ملتا ہے یا نہیں، ظاہر ہے کہ نہیں ملے گا، تو اس سے معلوم ہوا کہ اس کو جو ہدیہ دیا گیا ہے وہ اس کی ذات کو نہیں دیا گیا ہے۔ بلکہ کسی چیز کے عوض میں دیا گیا ہے اور وہ وہی ہے یعنی عدم استیفاء حق واجب یعنی پوری زکاۃ وصول نہ کرنا، تو یہ ہدیہ ذریعہ بن رہا ہے عدم استیفاء زکوٰۃ کا جو امر محظور ہے۔  
والحدیث اخرجه البخاری ومسلم، قال المنذری۔

## باب فی غلول الصدقة

عن ابی مسعود الانصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: بعد ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ساعیا الخ۔  
غلول فی الصدقة ہی کے بارے میں یہ حدیث ہے اور اس پر وعید ہے، جس کا مضمون ابھی اوپر گذرا۔

## باب فیما یلزم الامام من امر الرعية

یعنی امام پر رعایا کا جو حق واجب ہے ان کی خبر گیری ان کی ضروریات کو پورا کرنا وغیرہ۔

ان ابامریعہ الازدی اخبرنا قال دخلت علی معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال ما انعمنا بک ابا فلان الخ۔  
**مضمون حدیث** | ابو مریم ازدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گیا تو انہوں نے مجھ کو دیکھ کر اظہار مسرت کیا اور عرب لوگوں کی عادت کے موافق ما انعمنا بک یہ جملہ استعمال کیا، یہ صیغہ تعجب ہے یعنی یہ آپ کا ہمارے پاس آنا اللہ تعالیٰ کا کتنا بڑا انعام ہے، انہوں نے فرمایا میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے ایک حدیث سنی تھی وہ تم کو سنانے آیا ہوں، وہ یہ کہ آپ نے فرمایا کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے امور میں سے کسی امر کا ذمہ دار بنائے اور پھر وہ لوگوں کی ضرورت کے وقت ان کے سامنے نہ آئے پس پردہ بیٹھ جائے تو ایسے شخص کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھی ایسا ہی معاملہ فرماتے ہیں کہ اس کی حاجت اور ضرورت کے وقت اس سے پردہ میں ہو جاتے ہیں، آگے روایت میں ہے فجعل رجلا علی حوائج الناس کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ حدیث سنکر ایک شخص کو مقرر کر دیا لوگوں کی حاجت پر، یعنی جوان کی حاجتیں اور مطالبات ان تک پہنچا دے۔

یہ حضرت معاویہ کا کمال اتباع و انقیاد ہے کہ رعایا میں سے ایک شخص نے ان کی تنبیہ کے لئے ایک حدیث سنائی تو اس کے سنتے ہی فوراً اس کے مطابق عمل شروع کر دیا بغیر کسی قسم کی ناگواری اور ترش روئی ظاہر کئے، آخر خلیفہ تھے امیر تھے، حضرت معاویہ کے اس طرح کے اور بھی واقعات ہیں کتب حدیث میں جو ان کے کمالِ حلم پر دلالت کرتے ہیں اور ان کا حلم مشہور بھی ہے۔  
والحدیث أخرجه الترمذی، قالہ المستذری۔

عن مالك بن اوس بن الحدثان قال ذكر عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنه يوماً الفئ فقال ما انا باحق بهذا الفئ منكم وما احدٌ منا احق به من احدٍ الا انا على منازلنا من كتاب الله عز وجل وقسم رسول الله فالفئ وقتاً منة، والرجل وبلادة والرجل وعماله والرجل وحاجته۔

**مال فئ کے بارے میں** اشرع عمرؓ کی تشریح اور یہ فرمایا اس مال فئ کا میں تم سے زیادہ مستحق نہیں ہوں، بلکہ کوئی بھی ہم میں سے اس کا زیادہ مستحق نہیں ہے بلکہ یہ مال مشترک ہے سب اس میں برابر کے شریک ہیں، پھر آگے فرمایا گو نفس استحقاق میں سب برابر ہیں لیکن فرق مراتب کو ملحوظ رکھنے کے ساتھ کتاب اللہ کے موافق اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے عمل تقسیم کی روشنی میں، پھر آگے اس کی وضاحت ہے فرماتے ہیں، ایک شخص ہے اور اس کی قدامت یعنی ایک شخص قدیم الاسلام ہے، اسلام میں اس کی خدمات ہیں، اور ایک شخص ہے اور اس کی مشقتیں و بلائیں (جو اس نے دین و اسلام کے بارے میں برداشت کی ہیں) اور ایک شخص ہے اور اس کی عیال اور اولاد یعنی ایک شخص ذی عیال ہے اور دوسرا غیر ذی عیال اور ایک شخص ہے اور اس کی حاجت، یعنی ایک شخص واقعی حاجت مند ہے اور دوسرے شخص کی ایسی کوئی حاجت ہے نہیں الحاصل ان تمام چیزوں کی رعایت کرنا بھی ضروری ہے۔

**مال فئ اور غنیمت میں فرق** حضرت عمرؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس حدیث میں مال فئ کا حکم مذکور ہے مال فئ وہ مال ہے جو بغیر قتال کے حاصل ہو جیسے وہ ارضی جنگو مسلمانوں نے مشرکین سے ان کو جلا وطن کر کے خالی کر لیا ہو بغیر قتال کے، جیسے ارض بنو نضیر وفد کی اسی طرح

ارض مفتوحہ کے بارے میں حضرت عمرؓ کی رائے اے اسی طرح ارض مفتوحہ کے بارے میں بھی حضرت عمرؓ رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ اسکو تقسیم نہ کیا جائے کہ تمام مسلمانوں کی ضروریات کیلئے اس کو محفوظ رکھا جائے تاکہ سب لوگ منتفع ہو سکیں ورنہ تقسیم کی صورت میں تو اس میں اشخاص کی ملکیت ہو جاتی ہے۔ چنانچہ انکی یہ حدیث آگے آرہی باب جارحی حکم ارض خیر کی آخری حدیث ہے، لولا آخر السملین ما فحمت قرۃ الا قسمتها لاقسم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم خیر



کسی مقام اور شہر کو فتح کرنے کے بعد اس شہر کے اندر کی جو چیزیں حاصل ہوتی ہیں جیسے جزیہ وغیرہ اور معاویہ  
یہ سب مال فی ہے، مال غنیمت کا حکم تو قرآن کریم میں منصوص ہے کہ اس کی تخمیس کی جائے، یعنی ایک خمس کو تو  
علیحدہ کر لیا جائے اور باقی اربعہ اجناس کو غنائم میں تقسیم کر دیا جائے، پھر اس خمس کے بارے میں یہ ہے کہ  
اس کو پانچ جگہ تقسیم کیا جائے جیسا کہ اس آیت میں مذکور ہے۔ **وَالَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَأَمْسَكَوا مَالَهُمْ خَشْيَةً لِّلَّهِ خُصْمَةٌ لِّلرَّسُولِ**  
**وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ** اس کے شروع میں اللہ تعالیٰ کا نام تو برکت کے لئے ہے  
آگے پانچ باقی رہ گئے تو گویا اس خمس کو پانچ جگہ تقسیم کیا جاتا ہے، اس صورت میں ہر ایک کے حصہ میں خمس الخمس  
بیٹھتا ہے، آگے ایک مستقل باب آرہا ہے باب بیان مواضع قسم الخمس، وہاں مزید تفصیل اس کی ان شاء اللہ تعالیٰ  
آجائے گی، یہاں تو بتائی کے تقابل کی وجہ سے بیان کر دیا گیا۔

فی کے بارے میں جو رائے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مذکور ہوئی وہی جمہور علماء اور ائمہ ثلاث کی رائے ہے  
اس میں حضرت امام شافعی کا اختلاف ہے، ان کے نزدیک جو حکم غنیمت کا ہے وہی فی کا ہے یعنی مال فی کی تخمیس کی جائے  
پھر اس خمس کو مصارف خمس میں صرف کیا جائے، اور باقی اربعہ اجناس کو مقابلین پر تقسیم کر دیا جائے، چنانچہ  
شرح افناع میں ہے: **خمس الفی فیصرف الخمس مصارف الخمس، ویصرف اربعہ اجناس علی المقابلیۃ ای المرتزقۃ للقتال**  
**خلافاً للائمۃ الثلاثۃ اذا قالوا لا خمس الفی بل جمیعہ لمصالح المسلمین** یہ

لے حکم فی کے بارے میں مزید تحقیق | **وفی الجواب عنہ ص ۲۹۹** ذکر النوذی ان جماعة العلماء سوى الشافعی قالوا لا خمس فی الفی، وقال  
ابن المنذر لا نعلم احدا قبل الشافعی قال بالخمس فی الفی، وقال ابو عمر فی التبیید وهو قول ضعیف لا وجه له من جهة النظر الصحیح ولا الاثر وفي العالم  
للخطابی کان رأى عمر فی الفی ان لا خمس لکن یكون لجماعة المسلمين لمصالحهم، والیه ذهب عامة اهل الفتوی غیر الشافعی فانه کان يرى ان خمس  
وفی قواعد ابن رشد قال قوم الفی یصرف لجمع المسلمين الفقیر والغنی ویعطى الامام منه المقاتلۃ والولایة والحکام وینفق منه فی النواصب  
التي تنوب المسلمين کبناء القناطر واصلاح المساجد ولا خمس فی شئ منه ویرى قتال الجمهور، وهو ثابت عن ابی بکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما  
ولم یقل احد تخمیس الفی قبل الشافعی، وانما حمل علی ذلك انه رأى الفی قسم فی الآیۃ علی عدد الاصناف الذی قسم علیهم (الخمس) فاعتقد ان  
فیه (الفی) الخمس لانه ان هذه القسمۃ محتمة بالخمس وليس ذلك بظاهر بل الظاهر ان هذه القسمۃ تخص جمیع الفی لا جزاء منه، وفي التجرید  
للمقدوری ما لم یخصه قال اصحابنا الفی کل مال وصل الینا من الشرکین بلا قتال کالاراضی التي اجلوا عنها وهو الخراج والعشر والحجریۃ  
تصرف الی مصالح المسلمين وقال لشافعی اربعۃ اجناس للفی علی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم وخمسۃ یقسم کما یقسم خمس الفیغنیۃ، الی آخر ما ذکر  
من الدلیل للحنفیۃ، اور بیان القرآن میں ہے: جو مال اہل حرب سے بلا قتال حاصل ہو وہ فی ہے کذا فی البدایۃ اموال بنو نضیر  
اسی قبیل سے تھے اور مذکور اور نصف خیر بھی، مال فی میں امام صاحب کے نزدیک خمس نہیں ہے، اور ان اموال کا حکم یہ ہے کہ

یہ اختلافی مسئلہ کتاب الجہاد باب دعار الشریکین میں حدیث کے تحت اس طرح گزر چکا ہے کہ شافعیہ کے یہاں بیت المال میں مال دو طرح کا ہوتا ہے، ہر قسم کا مصروف الگ ہے (۱) زکوٰۃ و صدقات کا مال، یہ عامۃ المسلمین غیر غزاة کیلئے ہے۔ (۲) مال فی، یہ صرف غزاة اور مجاہدین کے لئے ہے، صرح بہ النووی وقال ایضاً: ولم یفرق بینہما ابو حنیفہ و مالک۔ مصنف کو حضرت عمر کی یہ حدیث آئندہ باب ہی میں ذکر کرنی چاہئے تھی کہ اس میں یہی مسئلہ مذکور ہے تقسیم فی، اگر میرے ذہن میں یہ بات ہے کہ مصنف بسا اوقات ایسا کرتے ہیں کہ سابق باب کے اخیر میں ایسی حدیث لاتے ہیں جو آنے والے باب کے مناسب ہو بمنزلہ تہید کے واللہ تعالیٰ اعلم۔

## باب فی قسم الفی

ان عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما دخل علی معاویہ فقال حاجتک یا ابا عبد الرحمن؟ فقال عطاء المحررین الخ۔

**مضمون حدیث** حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضرت معاویہ کے پاس گئے انہوں نے پوچھا کیا حاجت ہے، کیسے آئے؟ انہوں نے فرمایا محررین کا حصہ لینے آیا ہوں، اسلئے کہ میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا ہے کہ جب آپ کے پاس کہیں سے مال آتا تھا تو اس کی تقسیم کی ابتدا محررین سے آپ فرماتے تھے، محررین کے مصداق میں تین قول۔ بذل میں لکھے ہیں (۱) محققین یعنی آزاد کردہ غلام (اسلئے کہ ان کی ضرورت ظاہر ہے ابھی تو آزاد ہوئے ہیں معاش کا مستقل بندوبست اتنی جلدی کہاں ہوتا ہے) (۲) مکاتبین، تاکہ وہ اپنا بدل کتابت ادا کر سکیں

— جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جیسا کہ روایات کے الفاظ معلوم ہوتا ہے اس کے مالک تھے اور اس میں جو مصارف آپ کو ملنے گئے وہ جو بایا نہ بادہ ایسا ہے جیسے اہل اموال پر زکاۃ و صدقہ ہے، البتہ یہ اموال ملوکہ آپ کے بعد محل میراث نہ تھے بلکہ وقف تھے اور یہ خصوصیت تھی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی رواہ الشیخان، چنانچہ آپ نے اموال بونفیر کا اکثر حصہ مہاجرین کو اور انصار میں سے بعض کو تقسیم فرمایا، رواہ البیہقی، اور بقیہ میں سے اپنے اہل و عیال کو سال بھر کا خرچ دیکر جو بچا وہ سامان جہاد سلاح و کراع میں صرف فرمادیا جانا آخر بھہرہ الشیخان وغیرہما، اور خیر کی آمدنی سے فقرہ مہاجرین کی اور فدک سے مسافروں کی امداد فرماتے آخر بھہرہ الوداد و ابن مردیہ، اور بعد آپ کی حیات کے انکے مصارف صرف مصالح عامہ ہیں مثل سد ثغور و بنار قناطر و جسور اور قضاۃ و مال و علماء مسلمین و ارباب متاعین و ذرائع مقالتیں کذا فی الہدایۃ اور ان مصالح میں مصارف خمس غنیمت سیائی و تساکین — و ابن السبیل بھی داخل ہیں، و غیر بعد ذلک، اور یہ تھمر مذکور (جس کو ہم نے مختصر کر دیا) حنفیہ کے مسلک پر ہے اور شافعی کے نزدیک فی میں بھی خمس ہے اور چار اخلاص مصارف مذکورہ میں صرف ہوں گے اہ مختصر لیکن پوری عبارت جو پورے ایک صفحہ کے اندر ہے طلبہ اور مدرسین کیلئے قابل مطالعہ اور اس مقام کو سمجھنے کے لئے بہت مفید ہے۔

(۳) عبادت گزار اللہ تعالیٰ کے بندے جو گوشہ نشین ہوں۔

حدیث کی مناسبت ترجمہ الباب سے ظاہر ہے اس لئے کہ اول ملجاء متبی اس سے مال فی ہی مراد ہے۔

عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم أتى بظبية فيها خروف فقسها للمحروقة والامة، یعنی آپ کے پاس ایک قبیلہ آئی جس میں میرے جواہرات تھے تو آپ نے ان کو عورتوں میں حرہ اور باندی سب میں تقسیم کر دیا، آگے حضرت عائشہ فرمادی ہیں کہ اسی طرح میرے والد بھی حرہ اور عبد سبھی میں تقسیم فرمایا کرتے تھے، یعنی مال فی کو، اور عائشہ کی روایت مرفوعہ میں حرہ اور امۃ کی تخصیص خرز کے لحاظ سے ہے کہ وہ ان ہی کے کام کی چیز ہوتی ہے

عن عوف بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم كان اذا اناة الغنم قسمه في يومه فاعطى الابل حظين واعطى العزب حظاً۔

یعنی جب آپ کے پاس مال فی آتا تھا تو اسی دن آپ اس کو تقسیم کر دیتے تھے، غیر شادی شدہ اور مجرد کو ایک حصہ، اور شادی شدہ کو اس کا دو گنا مرحمت فرماتے تھے۔

## باب فی أرزاق الذرية

ذریۃ سے مراد یتیم نابالغ بچے، مطلب یہ ہے کہ اگر وہ فقیر ہوں تو ان کا نفقہ بیت المال سے ہوگا، حدیث الباب کا مضمون پہلے گذر چکا ہے، خطابی کی شرح میں ہے کہ عورتیں بھی اسی حکم میں ہیں یعنی یہ وہ اور ضرورت مند۔ والحدیث آخر جہ ابن ماجہ، قالہ المنذری۔

احادیث الباب کتاب الفرائض میں گذر گئیں، فلا حاجة الی شرحہا۔

## باب متى يفرض للرجل في المقاتلة

شرح الحدیث | المقاتلة بکسر التاء وصیفة المؤنث باعتبار الجماعة، اس سے مراد مقاتلین اور غزاة ہیں، اور یہ ذریۃ کا مقابل ہے جو باب سائق میں گذرا، فرض کہتے ہیں اس مقررہ حصہ کو جو بیت المال سے مجاہدین کو ملتا ہے، اور جہاد میں وہی شخص جاسکتا ہے جو بالغ ہو، تو ترجمہ الباب کا حاصل یہ ہوا کہ آدمی کو مقاتلین میں شمار کر کے جب یعنی کس عمر میں اس کا حصہ مقرر کیا جائے گا؟ اور جواب اس کا یہ ہے کہ جب وہ بالغ ہو جائے گا، اور قبل البلوغ

نہ وہ مقابلین کی فہرست میں آسکتا ہے اور نہ اس کو مقابلین والا حصہ مل سکتا ہے۔

اس باب میں مصنف نے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا واقعہ ذکر کیا ہے کہ ان کو ان کے گھر والوں نے جنگ احد کے موقع پر آپ کے سامنے پیش کیا یعنی جہاد میں شرکت کی اجازت کے لئے جبکہ وہ چودہ سال کے تھے تو آپ نے اجازت نہیں دی، اور پھر آئندہ سال غزوہ خندق کے موقع پر جب ان کو آپ پر پیش کیا گیا تو اس وقت آپ نے ان کو اجازت دیدی جبکہ وہ پندرہ برس کے ہو چکے تھے۔

ائمہ ثلاث اور صاحبین کا مسلک یہی ہے کہ حد بلوغ پندرہ سال ہے، وعند الامام ابی حنیفہ خمس عشرۃ سنۃ لانی، وثمانیۃ عشر للذکر، وفي البذل هذا اذ لم يحلم، واما اذا احتلم قبل ذلك حکم ببلوغه من الاحتلام امامہ والحدیث اخرجه البخاری ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ، قالہ المنذری۔

### باب فی کراہیۃ الافتراض فی اخر الزمان

افتراض یعنی اخذ الفرض والحکمۃ، یعنی بیت المال سے غازی کا اپنا حصہ اور وظیفہ لینا، فرض کے معنی حصہ دینا اور افتراض کے معنی حصہ لینا، مثل الکیل والاکتیل۔

حدیثی ابی، مطہرانہ خرج حاجا حتی اذا کان بالسویداء اذا اناب رجل قد جاء کانه یطلب دواء لو خففنا شرح الحدیث | سلیم بن مطیر کہتے ہیں کہ مجھ سے بیان کیا میرے باپ مطیر نے کہ وہ حج کے لئے جا رہے تھے، جب مقام سویداء میں پہنچے تو مطیر کہتے ہیں کہ مجھ سے ایک شخص ملا جو کوئی دوا تلاش کر رہا تھا، یا یہ کہا کہ شخص تلاش کر رہا تھا، یہ بھی ایک دوا کا نام ہے جس کو، رموت کہتے ہیں، عطار لوگ خوب جانتے ہیں، مطیر کہتے ہیں اس آنے والے شخص نے مجھے ایک حدیث سنائی جو ان کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے بالواسطہ پہنچی تھی، وہ یہ کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کو وعظ و نصیحت فرما رہے تھے حجۃ الوداع میں، اس میں آپ نے یہ بھی فرمایا یا ایہا الناس خذوا العطاء ما کان عطاء فاذا تراجعت قریشی علی الملک وکان عن دین احدکم، فسدوا۔ یعنی آپ نے فرمایا کہ عطا لیتے رہو جب تک کہ وہ عطا عطا رہے، اس سے مراد وہ وظیفہ ہے جو بیت المال سے غزاة اور مجاہدین کو ملا کرتا ہے، پس جبکہ قریش حکومت اور بادشاہت پر لڑنے کیلئے لگیں اور وہ عطا دن کے مقابلہ اور بدلہ میں ہو جاتے تو پھر اس کو چھوڑ دو، اور اس سے اگلی روایت میں ہے وعاد العطاء و مشافد عود یعنی جب وظیفہ وظیفہ نہ ہے بلکہ رشوت بن جائے تو پھر اس کو چھوڑ دو، یعنی جب حکومت فوج کو باطل اور ظلم کی حمایت میں استعمال کرنے لگے

لہ رشایع رشوة والرشوة یا عی لا حقان باطل ادا بطل حق۔

حق اور ناحق کو نہ دیکھا جائے تو اس وقت کے وظیفہ کی نوعیت رشوت کی ہو جائے گی اور رشوت لینا ناجائز ہے۔

## باب فی تدوین العطاء

یعنی مجاہدین کے ناموں کے اندراج کے لئے دیوان مرتب کرنا یعنی رجسٹر۔  
قبل اول من دون الديوان عمر، یعنی سب سے پہلے یہ کام حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا، دیوان بمعنی رجسٹر جس کی جمع دواوین آتی ہے، مجاہدین (فوج) کے نام باقاعدہ رجسٹر میں لکھے جاتے ہیں پھر اسی کے مطابق ان کو وظیفہ دیا جاتا ہے، نیز ان کا تبادلہ ہوتا رہتا ہے سال بہ سال کما فی حدیث الباب۔

عن عبد الله بن كعب بن مالك الانصاري رضي الله تعالى عنهما ان جيشا من الانصار كانوا يارضون

فارس مع اميرهم وكان عمر يعقب الجيوش في كل عام فشغل عنهم عمر فلما مر الاجل قبل اهل ذلك الثغراء  
مضمون حدیث | یعنی انصار کا ایک لشکر اپنے امیر کے ساتھ ارض فارس جہاد کے لئے گیا ہوا تھا، لڑائی کا سلسلہ چونکہ مسلسل تھا اس لئے حضرت عمر ہر سال لشکر بدلتے رہا کرتے تھے، یعنی سال پورا ہونے پر جو لشکر گیا ہوا ہوتا تھا دوسرے لشکر کو اس کی جگہ بھیج کر پہلے لشکر کو بلا لیا جاتا تھا، ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ حضرت عمر ۱۰ سال پورا ہونے پر دوسرا لشکر بھیج سکے، اس لشکر کی جب مدت پوری ہو گئی تو وہ وہاں سے چلا آیا، جب حضرت عمر نے ان کو دیکھا تو ان پر بگڑے اور سخت سست کہا، راوی کہتا ہے دھماکے والے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم یعنی وہ آخر عالی مرتبت صحابہ کرام تھے، جب انہوں نے زیادہ ہی ڈانٹا تو ان حضرات نے کہا (ذرا ہمت کر کے) يا عمر انت غفلة عنا، اے عمر دیکھتے! غفلت اور چوک آپ کی طرف سے ہوئی ہے، آپ نے وہ چیز جس کا حضورؐ نے حکم فرما رکھا ہے یعنی متبادل فوج روانہ کرنا آپ نے ایسا کیوں نہیں کیا۔

یہاں ٹوکنے والے ڈانٹنے والے اور ڈانٹ سننے والے دونوں ہی پیکر اخلاص تھے، ہر ایک کو دوسرے پر اطمینان اور اعتماد تھا، یہ جماعت جانتی تھی حضرت عمر کی شان اللہ کان دافعا عند کتب اللہ تعالیٰ، کہ وہ حق بات کے سامنے فوراً سرنگوں ہو جاتے تھے اسی لئے ان حضرات کو جواب دینے کی ہمت ہوئی، چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ انکو ان کے اس جواب پر ذرا ناگواری نہیں ہوئی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ورضقنا شیئنا من اتباعہم۔

مناسبة الحدیث للترجمة | یہاں یہ سوال ہوتا ہے کہ اس حدیث کو ترجمہ انبیا سے کیا مطابقت ہے، بظاہر مناسبہ الحدیث للترجمة | کچھ نہیں، بآئی یہ کہا جاسکتا ہے کہ ممکن ہے کہ حضرت عمر کے اعقاب جیش میں جو دیر ہوئی وہ شاید اسی وجہ سے ہوئی ہو کہ وہ دیوان کے تیار کرنے میں مشغول تھے، کذا فی البذل عن فتح الورد للعلامة السدقی یا یہ کہیے کہ بروقت جو اعقاب جیش نہ ہو سکا اس میں اسی کو دخل تھا کہ اب تک اس قسم کا کوئی دیوان تیار نہیں ہوا تھا

جس میں لشکریوں کے نام ہوا کرتے ہیں اسی لئے متبادل جماعت بھیجنے سے ذہول ہو گیا اور پھر اس واقعہ کے پیش آنے پر اس کو مرتب کیا گیا۔

ان عمرو بن عبد العزیز کتب ان من سال عن مواضع الفی فہو ما حکم فیہ عمر بن الخطاب ذاکا البرموتون  
عدلا موافقا لقول النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جعل اللہ الحق علی لسان عمرو وقلیہ فرض الاعطیۃ  
وعقد لاهل الادیان ذمۃ بما فرض علیہم من الجزیۃ لم یضرب فیہا بخمس ولا مضجیرہ

**شرح الحدیث** یعنی حضرت عمر بن عبد العزیز، عمر ثانی نے اپنے عمال کے نام یہ مضمون لکھا کہ جو شخص تم سے سوال کرے تقسیم فی کے بارے میں (کہ وہ کس کس کو دیا جاتا ہے) تو تم اس کو یہ جواب دینا کہ مواضع فی وہی ہیں جس کا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فیصلہ فرمایا اور تمام مسلمانوں نے اس کو تسلیم کیا اور اس کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اس قول کے موافق پایا **جعل اللہ الحق علی لسان عمرو وقلیہ**۔ (اس کے بعد حضرت عمر کا طرز عمل مذکور ہے) انہوں نے لشکریوں کے وظائف مقرر کئے اور اہل ادیان یعنی اہل کتاب کے لئے عہد و پیمان کا معاملہ کیا جزیہ کے بدلہ میں، انہوں نے اس جزیہ میں (اور ایسے ہی دوسرے اموال فی میں) خمس مقرر نہیں کیا، عدم تخمیس کا مطلب یہی ہے کہ انہوں نے مال فی بیت المال میں رکھ چھوڑا عام مصالح مسلمین کے لئے، اور اسی کو عمر ثانی عمر بن عبد العزیز نے اختیار کیا ہے، اس میں حضرت امام شافعی کا اختلاف اوپر گذر چکا کہ وہ مال فی میں تخمیس اور تقسیم بین الغزاة کے قائل ہیں

## باب فی صفایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم من الاموال

یہ باب خاصا طویل ہے نیز محتاج توضیح بھی ہے میرے نزدیک بہت مشکل ہے۔

**ترجمۃ النیاب کی تشریح اور غرض مصنف** صفایا صفی کی جمع ہے، چند ابواب کے بعد ایک باب آرہا ہے، باب الگ ہیں، یہاں پر تو صفایا سے مطلق اموال فی مراد ہیں کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں جو مال فی حاصل ہوتا تھا وہ حسب تصریح قرآن کریم خود حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لئے ہوتا تھا، واما ان اللہ علی رسولہ نہم فما اوجفتم علیہ من خیل ولارکاب ولکن اللہ یسلطہ رسالہ علی من یشاء۔ اسی لئے یہاں صفایا جمع کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے اور اس کی اضافت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی طرف کی گئی ہے۔  
گذشتہ باب میں مال فی کا جو حکم بیان کیا گیا ہے وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ کے بعد

کے لئے ہے، یعنی عام حکم، اب جب یہ بات ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ کا مال فنی وہ خالص آپ کی ملک تھا آپ کو اس میں اختیار تھا کہ آپ اس کو جہاں چاہیں صرف فرمائیں، تو پھر اب یہ سوال پیدا ہوتا تھا کہ اس قسم کے صفایا یعنی اموال خالصہ لرسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم وہ کیا گناہیں، نیز یہ کہ آپ ان صفایا میں اپنی حیات میں کس طرح تصرف فرماتے تھے کہاں اور کیسے خرچ فرماتے تھے اور یہ کہ اس کے بارے میں مابعد الوفا کے لئے آپ نے کیا فیصلہ فرمایا یہ حاصل ہے ترجمۃ الباب کا جسکی تفصیل آگے کتاب میں مذکور ہے۔

**آپ کے لئے غنیمت میں تین حصے ہوتے تھے** اور وہ سہم صفی جس کا ذکر آئندہ باب میں آرہا ہے وہ دوسری چیز ہے اس لئے کہ مشہور ہے یہ بات کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وآلہ وسلم کے لئے تین سہام تھے (۱) سہم سہم ابدال الفانین (۲) خمس الخمس، یعنی خمس مال غنیمت کو چونکہ پانچ جنگہ تقسیم کیا جاتا ہے اس میں ایک حصہ آپ کا ہے جو خمس الخمس ہوا (۳) سہم صفی، صفی بمعنی منتخب اور پسندیدہ یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اس بات کا حق تھا کہ وہ کل مال غنیمت میں سے کوئی سی ایک چیز جس کو پسند فرمائیں سواری ہو، جاریہ ہو یا کوئی ہتھیار ہو وہ لے سکتے ہیں، ان تین سہام میں سے پہلے دو کے بارے میں تو روایات میں تصریح اور علماء کا اتفاق ہے کہ وہ آپ کے لئے ہر حال میں تھے خواہ آپ اس غزوہ میں شریک ہوں یا نہ ہوں شہد القتال اولم یشهد، اور اس قسم ثالث میں روایات مختلف ہیں، اس آئندہ آنے والے باب میں ایک روایت میں تصریح ہے کہ سہم صفی شرکت فی الغزوۃ کی صورت میں آپ کے لئے ہوتا تھا ویسے نہیں، اور اسی باب کی آخری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ مطلقاً تھا۔ حضرت گسنگوہی کی رائے یہی ہے کہ وہ بھی آپ کے لئے مطلقاً ہی تھا، لیکن حضرت سہارنپوری نے بذل میں تحریر فرمایا ہے لم اجد التصریح فی کتب الفقہ بذلک۔

**آپ کے صفایا کا مصداق و تعیین** اب موجودہ باب کے بارے میں یعنی صفایا کے سلسلہ میں آپ سنئے، یہ صفایا کیا کیا تھے، اس کی تفصیل اس پورے باب میں جو خاصا طویل ہے

مختلف روایات کے ضمن میں پھیلی ہوئی ہے، چنانچہ آگے ایک روایت میں اس طرح آرہا ہے کانت لرسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ثلاث صفایا بنو النضیر وخیبر و فذک الی آخر الحدیث۔ لیکن ان تین ہی میں انحصار نہیں ہے بلکہ ان کے علاوہ بھی ہیں، اس باب کی مجموعہ روایات اور کلام شراح سے آپ کے صفایا کی تفصیل جو سمجھ میں آتی ہے وہ حسب ذیل ہے (۱) ہما تین مویہ مویہ یعنی چند وہ باغات جو بعض یہود نے بوقت اسلام لانے کے آپ کو ہبہ کئے تھے بطریق وصیت کے، اور اسی طرح بعض وہ اراضی جو بعض انصار نے آپ کو ہبہ پیش کی تھیں (۲) نصف ارض فذک جس وقت یہود خیبر کے ساتھ جنگ ہو رہی تھی اور مسلمان اس کو فتح کر رہے تھے تو اس وقت یہود فذک نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے نصف ارض فذک پر صلح کر لی تھی آپ نے اس صلح کو قبول فرمایا تھا

اور وہاں قتال وغیرہ کی ذمہ داری نہیں آتی تھی اسلئے یہ نصف ارض فدک مال فی ہوا اور مال فی آپ کی ملک ہوتا ہی تھا لہذا مقدم ہماری اردو کی کتابوں میں یہ باغ فدک کے ساتھ مشہور ہے۔ (۳) نصف ارض خیبر آپ نے خیبر کو فتح کرنے کے بعد نصف ارض خیبر کو تو غنائم کے درمیان تقسیم فرما دیا تھا اور نصف کو باقی رکھا تھا بلکہ (۴) ارض بنو نضیر بنو نضیر یہود کا مشہور ایک بڑا قبیلہ تھا جو مدینہ کے قریب ہی متصل تقریباً دو میل کے فاصلہ پر ایک قریہ میں آباد تھا، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کے ساتھ ان سے قتال کے لئے تشریف لے گئے۔ معمولی سی جھڑپ کے بعد وہ لوگ اپنی جان بچانے کیلئے قلعہ بند ہو گئے وہاں مسلمانوں کا محاصرہ رہا، ختم نہ ہوا اعلیٰ الجلاء یعنی اس شرط پر وہ نیچے اتر آئے کہ ہم اپنے اس قریہ کو چھوڑ کر چلے جائیں گے اور ان سے یہ طے ہو گیا تھا کہ وہ اپنے اموال منقولہ میں سے جتنا ساتھ لے جاسکتے ہیں لے جائیں سوائے اسلحہ کے تو چونکہ ارض بنو نضیر کے فتح کرنے میں بھی باقاعدہ ایجاب خیل و رکاب کی ذمہ داری نہیں آتی مدینہ کے بالکل قریب ہونے کی وجہ سے اس لئے یہ بھی مال فی ہوا تو یہ ارض بنو نضیر تو آپ کی ملک ہوئی، اور بعض دوسرے اموال منقولہ جن کو وہ اپنے ساتھ نہیں لے جاسکے ان کو آپ نے مسلمانوں پر تقسیم فرما دیا۔ (۵) ثلث ارض وادی القری، چونکہ وادی القری کے یہود سے ثلث ارض پر آپ نے مصالحت فرمائی تھی، لہذا ارض فدک کی طرح یہ بھی مال فی ہوا۔ (۶) خمس غنائم خیبر یعنی نصف خیبر جس کو آپ نے تقسیم کیا اس کا خمس (بذل الجہود عن القاضی غیاض) یہ ہیں وہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے صفایا اور املاک جس پر مصنف نے ترجمہ قائم کیا ہے۔

ان صفایا کے مصارف کا بیان  
فی حیاتہ و بعد وفاتہ  
مصنف کی غرض ترجمہ سے ایک تو یہی ہے کہ ان صفایا کی تعیین ہو، دوسرے یہ کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنی حیات میں ان صفایا کے ساتھ کیا معاملہ فرماتے تھے، اور ما بعد الوفات کے لئے کیا فیصلہ فرمائے، سوا احادیث الہیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یصر فہا علی از واجہ علی المسلمین عامۃ ای فی حیاتہ، وجعلہا صدقۃ بعد وفاتہ حیث قال ماترکت بعد نفقۃ نسائی و مؤنۃ عاملی فہو صدقۃ، وفی روایۃ کئی الصحیحین ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال لا یقسم وراثتی دیناراً، وفی روایۃ لا نورث ماترکنا صدقۃ، یعنی آپ ان تمام اموال کو اور ان اراضی کی تمام آمدنی کو اپنی حیات مبارکہ میں تو مصالح مسلمین اور خیل جہاد وغیرہ میں اور ازواج مطہرات کے نفقات میں خرچ فرماتے تھے، اور اپنی وفات کے بعد ان ہی مصارف کے لئے وقف فرمائے، اور ان زمینوں کو آپ نے اپنی جاگیر اور ایسا ذاتی مال جس میں آپ کے بعد بطور میراث تقسیم جاری ہو ایسا قرار نہیں دیا بلکہ

لہ یہ مسئلہ کہ ارض مفتوحہ کی تقسیم ضروری ہے یا غیر ضروری مختلف فیہ بین الائمہ ہے جو آگے آئے گا۔



دقت کا فیصلہ فرما گئے۔

آپ کے بعض ورثہ کا میراث طلب کرنا | لیکن اس کے باوجود آپ کے بعض ورثہ نے خلیفہ اول سے میراث کا مطالبہ کیا، ان بعض نے مراد حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہیں، حضرت عباس کا مطالبہ بحیثیت عصہ ہونے کے اور حضرت علی کا اپنی اہلیۃ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی حضرت فاطمہ کی طرف سے تھا، ان دونوں کی طلب میراث کی روایات اسی باب میں آ رہی ہیں بلکہ باب کی پہلی ہی حدیث میں ہے جو کافی مفصل روایت ہے۔

اگے ایک روایت میں یہ بھی آ رہا ہے کہ ازواج مطہرات نے بھی میراث میں اپنے حصہ کے مطالبہ کا ارادہ کیا تھا اور حضرت عثمان کو صدیق اکبر کی خدمت میں بھیجنا چاہتی تھیں لیکن جب حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اس کا پتہ چلا تو انہوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث یاد دلا کر ان کو اس مطالبہ سے روک دیا اور انہوں نے اس کو تسلیم کر لیا رضی اللہ عنہن۔

عن مالک بن اوس بن الحد ثان قال ارسل الی عمر بن عبد الرحمن بن النہار فجمتہ فوجدتہ جالساً علی سیر مفضیاً الی زمالہ، فقال حین دخلت علیہ یا مال انہ قد دقت اہل ابیات من قومک۔

حضرت عمر کی طویل حدیث اختصام | مالک بن اوس فرماتے ہیں کہ حضرت عمر نے مجھے بلانے کے لئے ایک علی و عباس کے باریکیں اور اسکی مفصل شرح | قاصد بھیجا اور تفاع شمس کے دقت میں آپ کی خدمت میں پہنچا تو میں نے آپ کو اس حال میں پایا کہ ایک تخت جس پر بویا بچھا ہوا تھا اس پر بیٹھ ہوئے تھے، رمال الحصیر کہتے ہیں کھجور کے پورے کے پھوں کو، اس کا حاصل یہ ہے وہ خالص پورے پر بیٹھے ہوئے تھے اس پر اور کوئی کپڑا وغیرہ بچھا ہوا نہیں تھا، حضرت عمر نے مجھے دیکھ کر فرمایا کہ میں نے تمہیں اسلئے بلایا ہے کہ تمہاری قوم کے کچھ گھرانے آئے ہوئے ہیں تو میں ان پر تمہارے ذریعہ کچھ تقسیم کرانا چاہتا ہوں، میں نے اس سے عذر کرنا چاہا مگر انہوں نے قبول نہیں کیا بلکہ مجھ کو تقسیم کے لئے دے ہی دیا، مصنف کے ترجمہ کے لحاظ سے یہ اتنا مضمون نہی اور غیر مقصود ہے، اصل مصنف کے کام کی بات اب شروع ہو رہی ہے۔

فجاء یوماً فقال یا امیر المؤمنین هل لك في عثمان بن عفان وعبد الرحمن بن عوف والزبير بن العوام؟ قال نعم،

لہ آپ کا جسم پہنچنے والا تھا رمال حصیر کی طرف یعنی بدن لگا ہوا تھا رمال سے، رمال کی اضافت یہاں بظاہر سریر کی طرف ہے جو ادنیٰ ملا بہتہ کی وجہ سے ہے اسلئے کہ رمال سریر کے نہیں ہوتے بلکہ حصیر کے ہوتے ہیں مگر چونکہ وہ حصیر تخت پر بچھا ہوا تھا اس لئے اس کی اضافت سریر کی طرف کر دی گئی، ہذا خاطر بہالی و اللہ تعالیٰ اعلم ۱۲

یہاں حضرت عمرؓ کے صاحب کا نام ہے، مالک بن اوس راوی حدیث یہ کہ ربیعہ میں کہ میری موجودگی میں حضرت عمرؓ کے دربان نے آکر ان سے عرض کیا اور ان مذکور چاروں صحابہ کے نام لیکر یہ کہا کہ یہ حضرات کھڑے ہیں آنے کی اجازت لے رہے ہیں، حضرت عمرؓ نے اجازت دیدی اور وہ اندر داخل ہو گئے، تھوڑے ہی دیر کے بعد بر فادو بارہ آئے اور کہا یا امیر المؤمنین ہل لک فی العباس وعلی، یعنی عباس اور علی کھڑے ہیں اور اجازت چاہتے ہیں چنانچہ ان کو بھی اجازت دے دی گئی، اور وہ اندر داخل ہو گئے بیٹھتے ہی حضرت عباس نے عرض کیا کہ میرے اور اس کے درمیان فیصلہ فرمادیجئے۔

حضرت عباسؓ کے علیؓ کے حق میں سخت الفاظ اور اس کی توجیہ

ابوداؤد کی روایت میں تو صرف بین ہذا ہے اور مسلم کی روایت میں ہے بین و بین ہذا الاثم الکاذب الغادر، مراد علی ہیں جیسا کہ حدیث میں تصریح ہے اسی طرح اسی حدیث میں آگے چل کر حضرت عمرؓ کے کلام میں آ رہا ہے

۔ فقال ابو بکر قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم لا نورث ما ترکنا صدقۃ، اس کے بعد ابوداؤد میں تو یہ ہے واللہ یعلم انہ صادق باثر اشد تابع للحق، اور مسلم میں اس سے پہلے یہ جملہ ہے جس کو مصنف نے حذف کر دیا، فرأیتماہ کاذبا آثما خائنا، اس کے بارے میں میری ایک کاپی میں اس پر اس طرح اشکال و جواب لکھا ہے، مسلم میں ہے کہ حضرت عباس نے حضرت علیؓ کے متعلق یہ فرمایا کہ وہ کاذب ہے خائن ہے غادر ہے، اسی طرح حضرت عمرؓ کے کلام میں ہے کہ تم دونوں نے

مصنف کی ایک عادت بشریفہ کمال ادب کی ہے مصنف کی عادت ہے کہ وہ جب کسی حدیث میں کسی شخص کے بارے میں کوئی سخت وعید یا کوئی سخت لفظ آتا ہے تو مصنف اس کو ادباً حذف کر دیتے ہیں، اور کبھی اس کی طرف بھلا اشارہ بھی کر دیتے ہیں، جیسے کتاب الجنائز میں مصنف نے ایسا کیا چنانچہ باب التعزیه میں ایک حدیث ہے جس میں یہ ہے ایک صحابی فرماتے ہیں کہ ہم حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ دفن بیت کے بعد قبرستان سے لوٹ رہے تھے، آپ جب اپنے دروازہ کے قریب پہنچے تو ٹھہر گئے اور دیکھا کہ سامنے سے ایک عورت آرہی ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ ہمارا خیال ہے آپ نے اس کو پہچان لیا تھا۔ جب وہ آپ کے قریب آئیں تو پتہ چلا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی فاطمہ ہیں، آپ نے ان سے معلوم کیا کہ تم کہاں سے آرہی ہو؟ تو انہوں نے عرض کیا کہ یہاں پڑوس میں جو میست ہو گئی ہے ان کے یہاں گئی تھی تعزیت کے لئے، آپ نے پوچھا کہ تم ان کے ساتھ قبرستان تو نہیں گئی تھیں، انہوں نے عرض کیا نہیں، معاذ اللہ، تو آپ نے فرمایا۔ لو بلغت معهم الکدئی۔ فذکر تشدید افی ذلک۔ یہاں بھی مصنف نے ایسا ہی کہا، حالانکہ سنائی کی روایت میں اس طرح ہے۔ فقال لها لو بلغتہما معہم ہارایت الجمۃ حتی یراجعا جدایک۔ کہ اگر تو ان کے ساتھ قبرستان جاتی تو اس وقت تک جنت میں نہ جاسکتی جب تک تیرے باب کا دادا جنت کو نہ دیکھ لیتا۔

ابو بکر کو خائن غادر کا ذب سمجھا۔ اب اس روایت پر اشکال ظاہر ہے کہ ایک صحابی دوسرے صحابی کے بارے میں اس طرح سخت الفاظ اور بدگمانی کرے۔ امام نووی ج ۲ صفحہ ۲ پر مازری سے نقل کرتے ہیں کہ بعض علماء نے تو اس سب کو دہم رواۃ کی طرف منسوب کیا ہے اور اس کو اپنی کتاب سے حذف بھی کر دیا ہے، لیکن اگر تسلیم کیا جائے تو پھر اول کا جواب یہ ہے کہ حضرت عباس، علی کے بڑے تھے بمنزلہ باپ کے اور بسا اوقات جب بڑا اپنے کسی چھوٹے کو تنبیہ کرتا ہے تو اس کو بعض ایسی باتیں بھی کہہ جاتا ہے جس کے بارے میں وہ خود بھی جانتا ہے کہ یہ اس میں نہیں ہیں، وذلک علی جہۃ الادلال، اور یا یہ کہا جاتے کہ مطلب یہ ہے کہ اے علی جو کچھ تم کر رہے ہو اگر یہ سب کچھ تم اس صورت میں کرتے کہ تمہارے ذہن میں بھی وہی ہوتا جو میرے ذہن میں ہے اور تمہاری رائے اس مال کے بارے میں وہی ہوتی جو میری ہے اور پھر تم وہ کرتے جواب کر رہے ہو تو یقیناً خائن غادر کا ذب ہوتے، اور آگے حضرت عمر کے کلام میں جو آیا ہے اس کی توجیہ یہ ہے کہ حضرت عمر کا مقصد یہ ہے کہ تم دونوں کا ابو بکر صدیق سے اس طرح سوال کرنا اور اپنے حق کا اس طرح مطالبہ کرنا اور تمہارا ان پر خفا ہونا اس سب کا مقتضی قویہ ہے کہ گویا وہ تمہارے نزدیک ایسے اور ویسے ہیں واللہ تعالیٰ اعلم (صلی اللہ علیہ وسلم) فقال بعضهم اجل یا امیر المؤمنین، اس پر ان حاضرین میں سے جن کا اوپر ذکر آچکا بعض نے کہا ہاں امیر المؤمنین ضرور فیصلہ فرمادیجئے، قال مالک بن ادیس الخ جب ان حاضرین نے ان دونوں کی تائید کی تو اس پر مالک بن ادیس کہتے ہیں کہ میرے ذہن میں یہ بات آئی کہ اس جماعت کو ان دوہی نے اپنے آنے سے پہلے دربار عمری میں

بیچا تھا (بطور سفارش) فقال عمر اتعدا شہم اتقبل علی اولئک الرھط فقال انشد کھ باللہ الذی یا ذنہ تقوم السماء والارض، اب حضرت عمر فیصلہ کے لئے تیار ہو کر حاضرین کی طرف متوجہ ہو گئے اور ان دونوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ دیکھو جلدی نہ کرو اطمینان رکھو، اور اس جماعت کی طرف خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ تم سے اس اللہ تعالیٰ کا واسطہ اور قسم دیکر پوچھتا ہوں کہ جس کے حکم سے آسمان و زمین قائم ہیں، کیا تمہیں اس بات کا علم ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی حیات میں یہ فرمایا تھا لا نورث، ماترکننا صدقہ کہ ہمارا (انبیاء کا) کوئی وارث نہیں ہوتا ہم جو کچھ چھوڑ جاتے ہیں وہ سب صدقہ ہوتا ہے، اس پر ان سب نے اس کی تصدیق کی، پھر امیر المؤمنین، حضرت علی اور حضرت عباس کی طرف متوجہ ہوئے اور ان کو اسی طرح اللہ تعالیٰ کی قسم دیکر حضور کی حدیث کے بارے میں یہی سوال کیا فقلا انقسم، انہوں نے بھی اس حدیث کے جاننے کا اعتراف کیا۔

قال فان اللہ خص رسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، حضرت عمر کی جانب سے یہ بیان ہے اس چیز کا جس کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم صدقہ کر کے چھوڑ گئے، اور اس موقع پر انہوں نے اموال بنو نضیر کا ذکر فرمایا۔ لہ

لہ حضرت عمر کے اس کلام سے مستفاد ہو رہا ہے کہ آیت کریمہ "وما افار اللہ علی رسولہ منہم فما اذ جفتم علیہ من خیل ابوہم بنو نضیر جو مال فی تمنا اس کا ذکر ہے، اس پر ایک اشکال بھی ہو جائے گی۔

فوالله ما استأثر بها عليكم ولا اخذها دونكم۔ یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس ارض بنو نضیر کے ساتھ نہ تو تمہارے علاوہ کسی اور کو ترجیح دی اور نہ ہمیں چھوڑ کر سارا خود لیا، بلکہ یہ کیلہ جو آگے روایت میں مذکور ہے، وکان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یاخذ منها نفقة سنة۔ یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس مال میں سے اپنا اور اپنی ازواج کا ایک سال کا نفقہ لیتے تھے ويجعل ما بقى اسوة المال، اور اس نفقہ کے علاوہ باقی سب کو مال غنیمت کے برابر قرار دیتے تھے یعنی خمس غنیمت کے برابر، باعتبار صرف کے کہ جس طرح خمس غنیمت کو کراہ اور صلاح اور مصالح مسلمین میں صرف فرماتے۔ اسی طرح اس مال فی کو صرف فرماتے۔

ثم اقبل على اولئك الوهط..... ثم اقبل على العباس وعلى، یعنی حضرت عمر نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے طرز عمل کو بیان کرنے کے بعد اول اصحاب کرام کی جماعت سے ثانیاً ان دونوں سے اپنے اس بیان کی تصدیق طلب کی ان سب نے آپ کی تصدیق اور تائید کی کہ ہاں واقعی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا طرز عمل اس مال فی کے ساتھ ہی تھا، فلما توفي رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم قال ابو بكر انما في رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم اب حضرت عمر یہاں سے ان دونوں حضرات پر حجت قائم فرما رہے ہیں کہ دیکھو تم اس سب کے جاننے کے باوجود خلیفہ اول کے پاس میراث طلب کرنے کے لئے آئے، عباس اپنی میراث (عصبہ ہونے کی وجہ سے) اور حضرت علی، حضرت فاطمہ کی میراث، اس پر انہوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی مذکورہ بالا حدیث لا وراثہ، ماترکنا صدقہ، تم کو یاد دلانی، واللہ یعلم انہ صادق بار راشد تابع للحق، یہاں پر اس کا مقابل محذوف ہے جس کا ذکر ہمارے یہاں پہلے آچکا، فوليها ابو بكر پس اس ارض بنو نضیر کے ابو بکر ہی متولی رہے یعنی انہوں نے وہ زمین تم کو نہ بطریق میراث دی اور نہ بطریق تولیت، فلما توفي ابو بكر پھر جب ابو بکر کی وفات ہو گئی اور میں ان کی جگہ آیا اور کچھ زمانہ میری خلافت کا گزر گیا پس اس وقت تم اور یہ دونوں میرے پاس آئے تھے، اس وقت تم دونوں باہم متفق تھے اور اگر مجھ سے اس زمین کا سوال کیا۔ یہاں اس کی تصریح نہیں کہ یہ سوال اور مطالبہ کس لحاظ سے تھا، آیا بطور میراث کے یا بطریق تولیت؟۔ مگر آگے حضرت عمر کے کلام میں بطریق تولیت کی تصریح آرہی ہے، فقلت ان شئنا ان ادفعها اليكما على ان عليكما عهد الله ان تليها بالذي كان رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم يديها۔ یعنی میں نے تم سے اس وقت یہ کہا تھا کہ اگر تم چاہو کہ میں تم کو وہ زمین اس عہد کے ساتھ دوں کہ تم اس کی ولایت اور انتظام اسی طرح کرو جس طرح حضور فرماتے تھے تو دے سکتا ہوں، چنانچہ تم نے وہ زمین مجھ سے اس عہد پر لے لی تھی یعنی مشترک تولیت پر بلا تقسیم کے، ثم جئتماني لاقضي بينكما بغير ذلك، یعنی پھر

لے ای اے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم لم يجعل هذا الفی وهو مال بنی النضیر لکانا لفقہ فاصلة بل بعدا فہ حسب الحاجة یصرف فی مصالح المسلمین۔

اب دوسری مرتبہ میرے پاس آئے ہوتا کہ پہلے فیصلہ کے خلاف اب فیصلہ کروں، یعنی بجائے مشترک تولیت کے ہر ایک کی تولیت الگ الگ ہو جائے، واللہ لا اقصیٰ بینکما بخیر ذلک، یعنی بخدا پہلے فیصلہ کے خلاف میں اب کوئی فیصلہ نہیں کروں گا قیامت تک، پھر اگر تم اس طرح تولیت کرنے سے عاجز ہو تو پھر اس زمین کو میری طرف لوٹا دو۔

آگے روایت میں ہے: قال ابو داؤد ارا دان لایوقع علیہ اسم قسم مصنف فرما رہے ہیں کہ حضرت عمر کا منشاء یہ تھا کہ یہاں پر تقسیم کا نام بھی نہ آئے، یعنی خواہ وہ بطریق تولیت ہی کیوں نہ ہوتا کہ تطاول زمان کے بعد اور بات پرانی ہو جانے کے بعد لوگوں کو سمجھنے لگیں کہ یہ میراث کا مال ہے خصوصاً جبکہ میراث کی تقسیم بین البنات والعم ہے بھی نصف نصف طلب میراث کے سلسلہ میں جانتا چاہئے کہ اس مقام کی توضیح و تنقیح میں ایک دوسوال ہیں، اول یہ کہ ان دونوں حضرات نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث کے ہوتے ہوئے صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے میراث کا مطالبہ کیوں کیا؟ جواب اس کا یہ دیا

بعض اشکال وجواب

گیا ہے کہ ممکن ہے ان دونوں کے علم میں یہ حدیث نہ آئی ہو۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ سننے کے باوجود ذہنوں ہو گیا ہو لیکن جب صدیق اکبر نے ان دونوں کو یہ حدیث سنائی تو ان کو تنبیہ ہو گیا اور پھر خاموش ہو گئے، پھر اب دوسرا اشکال یہ ہو گا کہ جب حدیث مستحضر ہو گئی تھی تو عمر فاروق سے — ان کی خلافت کے زمانہ میں دوبارہ کیوں مطالبہ کیا، اس کا جواب اولاً یہ ہے کہ حضرت عمر سے ان حضرات کا مطالبہ میراث کا نہیں تھا بلکہ تولیت کا تھا اور قرینہ اس پر یہ ہے کہ اگر ان کا مطالبہ میراث کا ہوتا تو حضرت علی کم از کم اپنی خلافت کے زمانہ میں تو اس پر قادر تھے کہ اس کو میراث قرار دیکر تقسیم فرما دیتے، لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا، حالانکہ بعض دوسرے مسائل میں جن میں رائے کا اختلاف تھا ان میں حضرت علی اپنی رائے پر قائم رہے جیسے متعہ الحج کے مسئلہ میں کہ حضرت عمر و عثمان وغیرہ اس کو منع فرماتے تھے لیکن حضرت علی کی رائے جواز کی تھی وہ اس مسئلہ میں اپنی رائے پر قائم رہے اور حضرت عمر وغیرہ کی اس میں انہوں نے پرواہ نہیں کی، لہذا کوئی اشکال کی بات نہیں، اور اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ حضرت عمر کے پاس طلب میراث ہی کیلئے آئے تھے تو اس کا منشاء حضرت گنگوہی کی تقریر (الکوکب الدریج، ص ۲۲۳) میں یہ لکھا ہے کہ دراصل بات یہ ہے کہ ان حضرات کے ذہن میں اس حدیث (لا نورث ما ترکنا صدقہ) کا محل عام نہ تھا بلکہ وہ اس حدیث کو صرف منقولات پر محمول کرتے تھے ان کے نزدیک غیر منقولات یعنی اراضی اس حدیث کے مفہوم میں داخل نہ تھیں، اسی لئے یہ دونوں حضرات اس تو قیہ پر کہ ممکن ہے عمر فاروق کو ہماری اس رائے سے اتفاق ہو جائے کہ یہ حدیث عام نہیں بلکہ خاص ہے ان کے

لے کذا قال الشراح لیکن حدیث الباب میں تصریح ہے کہ حضرت عمر کے سوال پر ان دونوں حضرات نے بلکہ تمام ہی حاضرین نے اس حدیث کے علم میں ہونے کا اعتراف کیا۔ فالادلی فی الجواب ماسیاتی من تقریر الشیخ الکتکوی ص ۱۲۔

پاس طلب میراث کے لئے آئے لیکن عمر فاروق کو بھی ان کی اس رائے سے اتفاق نہ ہوا۔  
والحدیث اخرجه البخاری ومسلم والترمذی والنسائی مطولاً ومختصراً، قال المنذری۔

عن مالك بن اوس بن الحد ثمان عن عمر رضي الله تعالى عنه قال كانت اموال بني النضير مما

افاء الله على رسوله مما لم يوجف المسلمون عليه بخيل ولا ركاب۔

حضرت عمر فرما رہے ہیں کہ ارض بنو نضیر اور اموال بنو نضیر اس آیت کریمہ کا مصداق ہیں، وما افاء الله على رسوله منهم فما اوجفتم عليه من خيل ولا ركاب، یعنی ارض بنو نضیر ایسی ہے کہ جس کو حاصل کرنے اور فتح کرنے میں مسلمانوں کو ایجاز خیل و رکاب کی نوبت نہیں آئی لہذا یہ مال فی ہوا جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لئے خالص تھا جس میں سے آپ اپنے ازواج پر انفاق فرماتے تھے سالانہ قوت کا، اور پھر جو باقی بچتا تھا اس کو کرایع یعنی خیل جہاد اور جہاد کی دوسری تیاریوں میں صرف فرماتے تھے۔

ارض بنی نضیر کے مال فی ہونے میں اختلاف | جانتا چاہیے کہ اموال بنو نضیر کے فی ہونے میں کتب تفسیر وغیرہ میں اشکال کیا گیا ہے وہ یہ کہ ارض بنو نضیر کو فتح کرنے کیلئے

قتل و قتال اور محاصرہ وغیرہ سب چیزوں کی نوبت آئی ہے اسی پر ان لوگوں نے مصالحت علی الجلاء کی لہذا یہ اموال تو غنیمت کے قبیل سے ہوئے نہ کہ مال فی، اسی لئے بعض مفسرین کی تو رائے یہ ہے کہ مذکورہ بالا آیت کا نزول ارض بنو نضیر کے بارے میں نہیں ہے اس لئے کہ وہاں تو ایجاز خیل و رکاب ہوا ہے، بلکہ اس کا مصداق ارض فدک ہے وہاں ان چیزوں کی واقعی نوبت نہیں آئی، اور بعض کی رائے یہ ہے کہ اس کا مصداق ارض بنو نضیر ہی ہے، اسلئے کہ وہاں کچھ زیادہ دوڑ دھوپ اور قتل و قتال کی نوبت نہیں آئی، اور نہ کوئی خاص مسافت طے کرنے کی ضرورت پیش آئی، کیونکہ یہ لوگ مدینہ سے صرف دو میل پر آباد تھے صحابہ کرام وہاں پیدل ہی پہنچ گئے تھے بغیر سواروں کے، اور آپ کے علاوہ کوئی سوار نہیں تھا، اس لئے اس کو ان اموال سے قرار دیا گیا جو بغیر قتال کے حاصل ہوتے ہوں (من البدل ص ۱۲۱)

والحدیث اخرجه البخاری ومسلم والترمذی والنسائی، قال المنذری۔

عن الزهري قال قال عمر رضي الله تعالى عنه وما افاء الله على رسوله منهم فما اوجفتم عليه من

خيل ولا ركاب، قال الزهري قال عمر هذه لرسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم خاصة قري  
عربينة وفدك وكذا وكذا، ما افاء الله على رسوله من اهل القرى فملكه وللسول۔

لے چنانچہ اسکے موافق ایک حدیث آگے قریب ہی میں آرہی ہے ۱۱ ۱۲ لفظ ہمارے ہندی نسخے میں اسی طرح ہے عربینہ۔

## شرح الحدیث حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہاں پر دو آیتیں ذکر فرمائیں آیت اولیٰ کی ابتداء و ما افار اللہ

سے ہے حرف عطف کے ساتھ اور دوسری آیت کی ابتداء "ما افار اللہ علی رسولہ" سے ہے بغیر حرف عطف کے، اور اس دوسری آیت میں بجائے "منہم" کے "من اهل القری" ہے، حضرت عمر پہلی آیت کے بارے میں فرما رہے ہیں کہ اس آیت میں اس مال فی کا ذکر ہے جو فالص حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لئے تھا، اور اس کا مصداق انہوں نے ان مقامات کو بیان کیا قرنی عربینہ اور مذک، اور ان کے علاوہ اموال کی طرف اشارہ کیا، کذا سے یہ اشارہ اموال بنی نضیر کی طرف ہے جیسا کہ اس سے اوپر والی حدیث میں مذکور ہے اور حضرت عمر ہی سے مروی ہے، اور دوسرے کذا سے نصف خیبر کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے جس کو آپ نے تقسیم نہیں فرمایا تھا اس بنا پر کہ وہ صلحا فتح ہوا تھا علی باقیل؛ (اس کے بعد حضرت عمر دوسری آیت کے بارے میں فرما رہے ہیں جس کے اندر رسول کا ذکر ہے اور ذوی القرنی، یتامی اور مساکین اور ابن السبیل اور فقراء مہاجرین اور انصار اور ان سب کے بعد میں آنے والوں کا) کہ اس آیت نے تمام مسلمانوں کا استیعاب اور احاطہ کر لیا، اور اب مسلمانوں میں کوئی ایسا فرد بیکار باقی نہیں رہا جس کا اس مال فی میں حق نہ ہو سوائے غلاموں کے (کیونکہ غلام میں مالک بننے کی صلاحیت نہیں ہوتی وہ تو خود ہی دوسرے کا مملوک ہوتا ہے) البوداؤد میں تو یہ اثر عمر اتنا ہی ہے اور سنن نسائی میں اس کے بعد یہ زیادتی ہے "ولئن عشت ان شار اللہ لیا یتیم علی کل مسلم حقہ" اوقال حفصہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر میں کچھ اور زندہ رہا تو ان شار اللہ ہر فرد مسلم کو بالضرور اس کا حق پہنچ کر رہے گا

بادی الرائے میں اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آیت اولیٰ میں صرف اس مال فی کا ذکر ہے جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کیساتھ خاص تھا اور آپ کی ملک تھا، اور دوسری آیت میں ان اموال فی کا ذکر ہے جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور باقی مصارف سبعہ مذکورہ فی الآیہ کے درمیان مشترک ہیں، حالانکہ ایسا نہیں کیونکہ جو مال فی آپ کی حیات میں حاصل ہو گا وہ آپ ہی کی ملک ہو گا اور اس کی تقسیم آپ کی رائے پر موقوف ہوگی کہ مالکانہ طور پر اس کو جہاں چاہیں اور خصوصاً ان مصارف میں جو آیت میں مذکور ہیں تقسیم فرمادیں، ہر اس

بالن بعد الیہ التمامیہ تصنیف عربیہ، اور نسخہ عون المعبود میں بھی اسی طرح ہے، اور شارح نے اس کو اسی طرح ضبط بھی کیا ہے اور پھر آگے لکھا ہے موضع ہر قری کا نہ بنو امی الشام، یعنی کوئی علاقہ ہے جس میں متعدد گاؤں ہیں، شاید اطراف شام میں اہ اور البوداؤد کے اکثر مصریوں میں قری عربیہ ہے اور صرف ایک نسخہ میں وہاں کے عربینہ ہے، شیخ محمد عوامہ نے اس اختلاف کو خوب بسط سے لکھا ہے، وہ لکھتے ہیں کہ سنن نسائی میں کبریٰ و صغریٰ ان دونوں میں بھی عربیہ ہی ہے، اور بھی بہت سی کتب تفسیر وغیرہ کے حوالے دیئے ہیں جن میں بعض میں عربیہ ہے اور بعض میں عربیہ، اور ان قری کے اسماء یہ نقل کئے ہیں۔ الصفار، والینیویع و وادی القری۔ اہ لفظ ہمارے پاس جو سنن نسائی کا نسخہ ہے اس میں جیسا کہ شیخ عوامہ نے لکھا۔ قری عربیہ۔ ہی ہے اور اس کے حاشیہ پر نسخہ کی علامت بنا کر عربیہ لکھا ہے۔

مال فی کا یہی حکم ہے جو آپ کی حیات میں حاصل ہوگا، اور کسی مال فی کے بارے میں یہ کہنا درست نہ ہوگا کہ فلاں آپ کی ملک خاص ہے اور فلاں آپ اور آپ کے غیر میں مشترک ہے، پھر آیت میں دو قسمیں کر کے کیوں بیان کیا ہے اس کا جواب یہ سمجھ میں آتا ہے کہ پہلی آیت میں ان اموال فی کا ذکر ہے جو نزول آیت کے وقت حاصل ہو چکے تھے، اور دوسری آیت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ان اموال فی کے علاوہ بھی اس کے بعد جو حاصل ہوں گے ان کا حکم بھی یہی ہے کہ وہ آپ کی ملک ہیں آپ اپنی صوابدید سے جیسے چاہیں ان مصارف مذکورہ میں مالکانہ تصرف و اختیار کیسا تھے نظم فرمائیں (مستفاد من بیان القرآن للشیخ التھالوی)

فائدہ: اس حدیث عمر میں، قریٰ عرینہ کا ذکر آیا اور بعض نسخوں میں، قریٰ عربیہ ہے اس کے بارے میں تفصیل حاشیہ میں دیکھی جائے، یہاں پر ایک لفظ اور ہے، وادی القریٰ، وہ بھی ابوداؤد میں چند مقامات پر آیا ہے مثلاً کتاب الجہاد باب فی تنظیم الغلول وغیرہ، قال فوجہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نحو وادی القریٰ، اسی طرح آئندہ کتاب الخراج ہی میں باب فی اخراج الیہود من جزیرۃ العرب میں، اس میں ہے قال مالک: عمر اعلیٰ اهل نجران ولم یجلوا من تیار لانہا لیت سن بلاد العرب، فاما الوادی فانی اری انہا لم یجل من فیہا من الیہود انہم لم یروا من ارض العرب، بذل میں اس وادی کی شرح وادی القریٰ سے کی ہے، اسی طرح باب احیاء الموات میں ایک طویل حدیث کے اخیر میں فلما اتینا وادی القریٰ قال للمرأة تم کان فی حدیثک الحدیث، اور ہمارے یہاں حاشیہ پر جو تحقیق مذکور ہے اس میں قریٰ عربیہ کے مصداق میں وادی القریٰ بھی مذکور ہے، وقد ذكرت هذا المزیہ فائدة الطلاب۔

عن مالک بن اوس بن الحدّثان قال کان فیما احتج بہ عمر انہ قال کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وآلہ وسلم ثلاث صفایا بنوا المنضیر وخیب ووندک، فاما بنو المنضیر انہ۔

یہ بھی مالک بن اوس کی روایت ہے، دراصل باب کے شروع میں منازعت عباس وعلی رضی اللہ تعالیٰ عنہما والی طویل روایت جو گزری ہے اس کے راوی بھی مالک بن اوس ہی ہیں، اس کے بعد بھی مالک بن اوس ہی کی چند روایتیں گزر چکیں، اب یہ بھی ان ہی کی روایت ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کو یہ حدیث متعدد اسانید و طرق سے پہنچی ہے، اور ان روایات میں کی زیادتی ہے اسی لئے امام ابوداؤد اس روایت کو مختلف طرق سے لارہے ہیں تاکہ وہ جو زیادات ہیں اس میں وہ سامنے آجائیں۔

شرح الحدیث | اس روایت کا مضمون یہ ہے کہ حضرت عباس وعلی کے باہمی نزاع کے سلسلہ میں حضرت عمر نے جو تقریر اور استدلال ان دونوں کے سامنے فرمایا تھا، اس میں یہ بھی تھا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لئے تین صفایا تھے، فلاں فلاں، اور پھر ہر ایک کے بارے میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا طرز عمل کہ اس کو کہاں صرف فرماتے تھے، ہر ایک کی تعیین بالتفصیل انہوں نے بیان کی، اور بظاہر غرض حضرت عمر کی اس سبب یہ ہے کہ



حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنے ان صفایا و اموال خالصہ میں سے صرف بقدر ضرورت لیتے تھے، اپنی ضرورت اور ازواج مطہرات کی، باقی سب کو کراغ اور سلاح و مصالح مسلمانوں میں صرف فرمادیتے تھے، اور آپ نے ان چیزوں کو اپنی ملک اور جاگیر نہیں بنایا، یعنی ایسی ملک اور جاگیر جس میں میراث جاری ہو، یہ تو ہوا آپ کا طرز عمل، اور تو لا آپ نے اس طرح تصریح فرمادی۔ مائترکت بعد نفقۃ نسائی و مؤنتہ عالمی فہو صدقۃ و اللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا زوج النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم انہا اخبرتہ ان فاطمۃ

ہنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ارسلت الی ابی بکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تسأله فی اثباتہ

شرح الحدیث اس روایت میں یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے صدیق اکبر کے پاس اپنی میراث طلب کرنے کے لئے کسی قاصد کو بھیجا۔ بظاہر یہ قاصدان کے شوہر

علی ہی ہوں گے، جیسا کہ گذشتہ روایت سے معلوم ہوتا ہے اس مال فی سے جو آپ کا مدینہ میں ہے یعنی ارض بنو نضیر اور ارض فدک سے اور غنائم خیبر کے خمس سے، یعنی جس نصف خیبر کو آپ نے مسلمانوں کے درمیان تقسیم فرمادیا تھا اس مال غنیمت میں جو آپ کا حصہ یعنی خمس انخس پیٹھا ہے، اس کی میراث، پھر آگے حدیث میں صدیق اکبر کا جواب مذکور ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ نے حضرت فاطمہ کو میراث دینے سے انکار فرمادیا۔

یہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث بطریق عروہ ہے۔ اس کو مصنف نے آگے بھی دو طریق سے ذکر کیا ہے

اس کے ایک طریق میں آگے یہ آ رہا ہے، فاما صدقۃ بالمدينة فدفعتها عمر الی علی و عباس فغلب علی علیہا

حضرت علی و عباس کے درمیان تولیۃ میں اختلاف کا منشا عمر نے بطریق تولیت علی اور عباس دونوں کے حوالہ کر دیا لیکن حضرت علی کا اس زمین کی تولیت پر غلبہ رہا یعنی اس کے انتظام و انصرام میں بڑھ چڑھ کر

حصہ لیا، گویا حضرت علی پیش قدمی فرماتے تھے اس کے انتظامات میں۔ میں نے حضرت شیخ سے یہاں سبق میں سنا تھا کہ دراصل حضرت علی کے مزاج میں بہت زیادہ سخاوت اور فیاضی تھی، وہ اس کی آمدنی کو خوب لٹاتے تھے، لے بھائی اور لے بھائی، ادمر بھی اور ادمر بھی، اور حضرت عباس کے مزاج میں یہ بات تھی نہیں وہ بہت احتیاط سے خرچ

کرنا چاہتے تھے، لیکن اس معاملہ میں ان کی چلی نہیں، اسی بنا پر ان دونوں میں اختلاف اور نزاع کی ذہبت آئی جس کو لیکر وہ فاروق اعظم کے یہاں پہنچے تقسیم تولیت کیلئے کما سبق مفصل فی الحدیث الاول من الباب، آگے روایت میں ہے واما خیبر و فدک فامسکھا عمر اء یعنی ان دونوں کی تولیت میں صرف ارض بنو نضیر دی گئی، اور ارض خیبر و فدک کو حضرت عمر نے اپنے انتظام کے تحت رکھا ان کی تولیت میں نہیں دیا۔

قال صالح النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اهل فذک وقری۔ قد سماها لا احفظها۔ وهو محاصر قوماً اخرین فارسلوا الیہ بالصلح۔

قری سے مراد وہی قری عرینہ ہے۔ راوی کہہ رہا ہے کہ ان قری کے نام مجھے محفوظ نہیں رہے۔

روایت کا مضمون یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اہل فذک سے مصالحت ایسے وقت میں فرمائی جبکہ آپ ایک دوسری قوم یعنی اہل خیبر کا محاصرہ کئے ہوئے تھے تو اسی دوران اہل فذک نے آپ کے پاس صلح کا پیغام بھیجا۔ چنانچہ آپ نے اس صلح کو قبول فرمایا، یعنی جس وقت آپ جنگ خیبر میں مشغول تھے اور ابھی تک فذک کی طرف آپ نے رخ بھی نہیں فرمایا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان پر ایسی ہیبت اور رعب طاری فرمایا کہ انہوں نے از خود مصالحت کی پیشکش کی اور گھبرا کر وہیں سے اس کام کے لئے ایک آدمی بھیجا، اسی لئے ارض فذک مال فی کہا جاتا ہے۔ قال فما اوجفتہ علیہ من خیل ولا رکاب یقول بغیر قتال۔

سورہ حشر کی آیت کا نزول اس اثر زہری کے سیاق سے یہ سمجھ میں آ رہا ہے کہ یہ آیت کریمہ فذک کے بارے میں ہے نہ کہ ارض بنو نضیر کے، چنانچہ بعض مفسرین کی رائے یہی ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ بنو نضیر کو فتح کرنے میں تو قتال کی نوبت آئی تھی وقد تقدم الكلام علیہ قبل فذلک لیکن اسکے بعد امام زہری ارض بنو نضیر کے بارے میں بھی یہی کہہ رہے ہیں کہ اس کو بھی صلح ہی فتح کیا گیا تھا اب ان دونوں باتوں کے ملانے سے یہ نکلا کہ آیت کا نزول تو فذک ہی کے بارے میں ہوا لیکن حال بنو نضیر کا بھی یہی ہے۔ آگے اموال بنو نضیر کے بارے میں یہ ہے کہ آپ نے اس کو ہاجرین کے درمیان تقسیم فرمایا، انصار کو اس میں سے آپ نے کچھ نہیں عطا فرمایا سوائے دو شخصوں کے جو حاجت مند تھے، اس کے بارے میں یہاں پر بذل میں یہ لکھا ہے لم اتف علی تسمیتہا لیکن آگے باب فی خبر بنی نضیر میں ان انصار کا تسمیہ بذل میں حضرت نے تفسیر کبیر سے نقل فرمایا ہے اور وہاں تین نام مذکور ہیں، ابو دجانہ، سہل بن حنیف، النجار بن الصمہ۔

عن المغيرة رضي الله تعالى عنه قال جمع عمرو بن عبد العزيز بن مروان حين استخلف فقال ان

رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم۔

حضرت عمر بن عبد العزیز کا کمال انصاف | مضمون روایت یہ ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز بن مروان بن الحکم جب خلیفہ بنائے گئے تو انہوں نے اپنے خاندان کے

لوگوں کو جمع کیا اور ایک تقریر فرمائی جس میں یہ بیان کیا کہ یہ ارض فذک حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لئے تھی جس کی آمدنی آپ بنو ہاشم کے بچوں پر خرچ فرماتے تھے، اور بیواؤں کی شادی میں ————— اور آپ کی صاحبزادی فاطمہ نے اس فذک کو آپ سے مانگا تھا آپ نے انکار فرمادیا تھا، غرض کہ آپ اپنی حیات میں اسکو اسی

طرح خرچ فرماتے رہے پھر آپ کے بعد جب حضرت ابو بکر خلیفہ ہوئے تو انہوں نے بھی اس میں وہی طرز عمل رکھا جو حضورؐ کا تھا اور اس کے بعد پھر اسی طرح حضرت عمرؓ نے بھی، پھر جب ہمارے جد امجد خلیفہ بنے یعنی مروان تو انہوں نے اس پر قبضہ مالکانہ کر لیا۔ پھر اب شدہ شدہ وہ منتقل ہو کر عمر بن عبد العزیز کے لئے ہو گیا۔ اس پر وہ فرماتے ہیں کہ میں نے یہ سوچا کہ جس چیز کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی صاحبزادی فاطمہ کو نہیں دیا تو میں اس کا حقدار کیسے ہو سکتا ہوں، اور دیکھو! میں تم سب کو گواہ بنا رہا ہوں کہ میں اس باغ فدک کو اس کی سابق حالت پر لوٹا رہا ہوں جو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں تھی، حضرت عمر بن عبد العزیز کا عدل و انصاف زہد و تورع خشیت و انابت الی اللہ ضرب المثل ہے جس کے واقعات کتب تاریخ میں معروف ہیں، خاص ان کی سیرت پر بھی کتابیں لکھی گئی ہیں، ابن عبد الحکم جو امام مالک کے بلا واسطہ شاگرد ہیں انہوں نے بھی ان کی سوانح عمری لکھی ہے جو اردو ترجمہ کے ساتھ شائع ہوئی رہتی ہے، اسی طرح ابن الجوزی نے بھی مناقب عمر بن عبد العزیز لکھی ہے، امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں:

جب آپ دیکھیں کہ کوئی شخص حضرت عمر بن عبد العزیز سے محبت کرتا ہے ان کے محاسن کا ذکر اور اس کی اشاعت کا اہتمام کرتا ہے تو اس کا نتیجہ انشاء اللہ تعالیٰ خیر ہی خیر ہے۔

ابوداؤد کے بعض نسخوں میں یہاں ایک عبارت ہے جو بذل الجہود کے حاشیہ پر علامت نسخہ بنا کر لکھی ہے۔

قال ابوداؤد فی عمرو بن عبد العزیز الخلفاء و غلته اربعون الف دینار و توفي و غلته اربع مئة دینار و لویقی لکان اقل یعنی عمر بن عبد العزیز کی ذاتی سالانہ آمدنی خلافت سے قبل چالیس ہزار دینار تھی، اور خلیفہ بننے کے بعد وہ آمدنی گھٹے گھٹے چار سو دینار پر اتر آئی تھی، اور اگر کچھ اور زندہ رہتے تو اس سے بھی کم رہ جاتی۔

لہ خطابی کی شرح معالم السنن میں ہے انما اقطع ہامروان فی ایام حیاة عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ، یعنی مروان نے فدک کا اقطاع اپنے لئے حضرت عثمان کی حیات میں کیا تھا اور یہ من جملہ ان اعتراضات کے ہے جو ان پر کئے گئے ہیں۔ پھر آگے انہوں نے اس کی حضرت عثمان کے جانب سے تاویل و توجیہ کی ہے وہ یہ کہ اس کا منشاء ہو سکتا ہے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث ہو جو ان کو پہنچی ہو اذا اطعم اللہ نبیا طعمہ فی اللذی یقوم من بعدہ یعنی جب اللہ تعالیٰ کسی نبی کو کوئی خاص مال عطا فرمائیں تو وہ اس نبی کے بعد اس کے لئے ہے جو ان کے قائم مقام بنے، اور چونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ارض فدک سے اپنے اوپر بھی خرچ فرماتے تھے اور اپنی عیال کے لئے سالانہ قوت بھی اس سے لیتے تھے اور باقی کو آپ مصرف فی میں صرف فرمادیتے تھے، اب جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بعد خلافت اور قائم مقامی کی نوبت حضرت عثمان کو پہنچی تو اس ارض فدک میں ان کا بھی استحقاق ہوا وہ اس میں سے اپنے اوپر خرچ کر سکتے تھے لیکن وہ چونکہ اپنے ذاتی متول کی وجہ سے اس سے مستحق تھے اس لئے انہوں نے اس کی آمدنی کو اپنے اقرباء کے لئے روانہ کیا۔ مگر مکتبہ خلیفہ سہارنپور نے شائع کیا ہے۔

مگر عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ تعالیٰ مدینہ منورہ کے گورنر رہے اور ان کے والد مصر کے گورنر تھے، اور دوسری جائیدادیں بھی ہو گئی اس لئے یہ مستبعد نہیں۔

جاءت فاطمة الى ابي بكر رضي الله تعالى عنهما تطلب ميراثها من النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم قال فقال ابو بكر يعني حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئیں میراث لینے کے لئے تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی نبی کو کسی چیز کا مالک بنانا ہے تو پھر وہ اس کے لئے ہو جاتی ہے جو اس نبی کے بعد اس کا قائم مقام ہو، یعنی باعتبار انتظام ولایت کے (بذل) اس حدیث میں حضرت فاطمہ کے صدیق اکبر سے طلب میراث کا ذکر ہے

حضرت فاطمہ کی صدیق اکبر سے ناراضگی یہاں ابو داؤد کی روایت میں تو صرف صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جواب مذکور ہے کہ انہوں نے حدیث سنا کر دینے سے انکار فرمایا اور اس کے بعد کچھ نہیں، اور صحیح بخاری کتاب الجہاد باب فرض الخس ۴۲

میں اس کے بعد یہ زیادتی ہے فغضب فاطمة بنت رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم لهجرت ابا بكر بعد نزول مهاجرة حتى توفيت الله، یعنی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس جواب سے ناراض ہو گئیں اور صدیق اکبر سے ترک کلام کر لیا آخر حیات تک، حضرت فاطمہ کے اس طرز پر ہجران مسلم کا اشکال مشہور ہے کہ ہجران مسلم حرام ہے، اس پر لامع اور حاشیہ لامع میں حضرت شیخ رحمہ اللہ تعالیٰ نے تفصیلی کلام فرمایا ہے اور پھر اخیر میں حضرت شیخ نے اپنی رائے بھی لکھی ہے، شرح حدیث نے اس اشکال کے مختلف جوابات دیئے ہیں، بعض شرح نے بنیادی طور پر ہجران مسلم کا جواب یہ دیا ہے کہ ہجران مسلم جو حرام ہے وہ تو یہ ہے کہ ان یلتقی فلا یسلم احدھا علی صاحبہ کہ اتفاقاً جب ان دونوں کا کسی راستہ میں گذر ہو رہا ہو تو ایک دوسرے کو دیکھ کر اس سے منہ موڑ لے اور سلام و کلام سے اعراض کرے اور صرف ترک ملاقات، یعنی قصداً ملاقات کے لئے نہ جانا اور اس کو چھوڑ بیٹھنا یہ ممنوع نہیں، اور یہاں ان دونوں کے درمیان یہ ثابت نہیں کہ کسی موقع پر یہ دونوں حضرات جمع ہوئے ہوں اور پھر حضرت فاطمہ نے صدیق اکبر سے ترک سلام و کلام اور اعراض کیا ہو اور رہا مسئلہ ترک نماز کا سو اس کا منشاء غضب اور ناراضگی نہیں ہے بلکہ اس کا منشاء انقباض طبعی ہے

یہ جواب علامہ عینی نے مشہور شارح بخاری ہلب سے نقل کیا ہے، یہ جواب تو ہوا ترک کلام و ہجران کا، رہی بات ان کے خصم کی جو کہ بخاری کی روایت میں مصرح ہے اس کا منشاء یہ ہے کہ ان کے نزدیک ابو بکر کا استدلال صحیح نہیں تھا کیونکہ فاطمہ کے نزدیک حدیث مؤول تھی اور وہ اس بارے میں تخصیص کی قائل تھیں اور ابو بکر قائل بالعموم تھے، عموم و خصوص سے مراد وہی فرق اور عدم فرق بین المنقولات و غیر المنقولات ہے کما تقدم فی شرح حدیث عمر اور دوسرا جواب اس کا یہ دیا گیا ہے کہ حضرت فاطمہ کے ہجران سے مراد جو بخاری کی روایت میں ہے — ترک کلام فی المال والمیراث ہے جیسا کہ عمر بن شہب کی روایت میں ہے بطریق معرفتم بکلمہ فذلك المال، حافظ کہتے ہیں کہ ایسے ہی امام ترمذی نے اپنے بعض

مشایخ سے نقل کیا ہے کہ ترک کلام فی المیراث مراد ہے، اس جواب پر بعض شراح کو اشکال ہے کہ روایت میں غضبت کی تصریح ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ترک کلام مطلقاً تھا لیکن یہ اشکال قوی نہیں اسلئے کہ ہم یہ کہتے ہیں کہ غصہ ہی کی وجہ سے تو دوبارہ میراث کا سوال نہیں کیا کہ اچھا امت دو ہم بھی آئندہ کبھی سوال نہیں کریں گے۔ اور ایک جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ غضب اور ترک کلام وقتی طور پر تھا بعد میں صلح صفائی ہو گئی تھی، چنانچہ یہی تھی نے روایت کیا بطریق شعبی کہ صدیق اکبر حضرت فاطمہ کی عیادت کے لئے ان کے دروازہ پر پہنچے اس پر حضرت علی نے فاطمہ سے کہا ہذا ابو بکر یستأذن علیک، کہ ابو بکر اندر آنے کی اجازت چاہ رہے ہیں۔ اس پر وہ بولیں کہ کیا آپ کے نزدیک یہ مناسب ہے کہ میں ان کو اجازت دیدوں، حضرت علی نے اس کا اثبات میں جواب دیا پس حضرت فاطمہ نے اجازت دیدی فدخل علیہا فذضلھا حتی رضیت کہ حضرت ابو بکر نے ان کے پاس جا کر ان کو راضی کر لیا اور منالیا، قال الحافظ دھودان کان مرسلان فاستأذنه الی الشعیب صحیح وہ یزول الاشکال فی ترددی فاطمہ علیہا السلام علی ہجر ابی بکر، اس سب کے بعد حاشیہ لامع میں شیخ نے اپنی رائے یہ بیان فرمائی ہے کہ اگر مذکورہ بالا توجیہات کو نظر انداز بھی کر دیا جائے اور یہ تسلیم کر لیا جائے کہ حضرت فاطمہ کی ناراضگی اور ترک سلام و کلام میراث ہی کی وجہ سے تھا تب بھی کوئی — اشکال نہیں بلکہ یہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا تعلق فی الدین ہے اور اپنے حق شرعی کا جو ان کے نزدیک شرعاً واجب و ثابت ہے اس کا مطالبہ تھا اور یہ بات صحابہ کرام کے احوال سے معلوم و معروف ہے کہ وہ امر دین میں بڑے سخت کار اور مضبوط تھے، اور وہ اس میں لومتہ لازم کی کوئی پرواہ نہ کرتے تھے، چونکہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ذہن میں یہ بات تھی کہ حدیث ائمت عام نہیں لہذا میراث میں ان کا حق شرعی ثابت ہے اس لئے وہ اپنے حق شرعی کی طلب میں مہم ہوئیں اور صدیق اکبر کے نہ دینے پر ناراض ہو گئیں، پس ان کی یہ ناراضگی خدا نخواستہ کسی حرص اور طمع و طلب دنیا کے لحاظ سے نہ تھی، ان کا زہد و قناعت اور اعراض عن الدنیا تو اظہر من الشمس ہے بلکہ یہ ناراضگی ان کے نزدیک صدیق اکبر کے حق شرعی کے انکار کی بنا پر تھی اھ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال لا یقتسم ورثتی دیناراً ما ترکت بعد نفقۃ نسائی وموئنتہ عاملی فہو صدقۃ۔

آپ فرما رہے ہیں کہ میرے ورثہ میرے مال کو بطریق میراث نہ لیں، اس لئے کہ میں جو کچھ چھوڑ کر جا رہا ہوں وہ بعد نفقۃ ازواج۔ اور موئنتہ عامل کے باقی سب صدقہ ہے۔

عامل کی تفسیر میں اختلاف ہے، فقیل المراد بہ الخلیفۃ، وقیل العامل علی الصدقۃ أو خادمہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم والحدیث اخرجہ البخاری ومسلم والترمذی، قالہ المنذری۔

عن البیہقی قال سمعت محمد بن یساک عن رجل فاعجبني فقلت اكتبه لی، فاتی بہ مکتوباً مذبذباً

ابو البقری کہتے ہیں کہ میں نے ایک شخص سے ایک حدیث سنی تو مجھے وہ بہت پسند آئی اسلئے میں نے اس سے کہا

کہ یہ حدیث مجھ کو لکھ کر لادے، چنانچہ وہ اس حدیث کو لکھ کر لایا بہت عمدہ۔ آگے روایت میں اس حدیث کا بیان ہے یہ وہی اختصار عباسی و علی کی حدیث ہے۔ جو ہمارے یہاں باب کے شروع میں مفصلاً گذری، اور پھر بعد میں مختلف روایات میں اس کے قطعات گذر چکے، جس کے راوی مالک بن اوس بن الحد ثانی ہیں، اس روایت میں رجل بہم سے یہی مراد ہیں۔

عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت ان ازواج النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم حين توفي النبي -  
اس روایت کا مضمون ہمارے یہاں باب کے بالکل شروع میں گذر چکا کہ ازواج مطہرات نے بھی صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اپنی میراث طلب کرنے کا ارادہ کیا تھا اور پھر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حدیث یاد دلانے پر اپنا ارادہ انہوں نے ملتوی کر دیا تھا۔

والحدیث اخرجه البخاری ومسلم والترمذی والنسائی، قاله المنذری۔  
الحمد للہ تعالیٰ کہ باب فی صفایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جو ایک طویل اور اہم باب تھا اسکی احادیث کی شرح اور بحث پوری ہوئی۔

## باب فی بیان مواضع قسم الخمس وسہم ذی القربی

گذشتہ باب اور اس کی احادیث کا تعلق تو مال فی سے تھا، اس باب کے اندر خمس غنیمت کا حکم اور یہ کہ وہ اب کن کن مصارف میں تقسیم کیا جائے گا بیان کر رہے ہیں۔

تقسیم غنیمت کے بار میں آیت کریمہ | مال غنیمت کی تقسیم کا طریقہ خود قرآن کریم میں منصوص و مصرح ہے۔  
واعلموا ان ما غنمتم من شئ فان الله خمسہ للرسول ولذی القربى والیتامى والمساكين

یعنی اولاً کل مال غنیمت کی تخمیس کی جائے یعنی اس کے برابر برابر پانچ حصے کئے جائیں اور پھر ایک حصہ کو ان مواقع میں جو اس آیت میں مذکور ہیں ان میں تقسیم کر دیا جائے اور باقی اربعہ اخماس یہ ظاہر ہے کہ مجاہدین پر تقسیم کئے جائیں گے، اس آیت میں تقسیم خمس کے چھ مواضع مذکور ہیں، جس میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کا نام ہے، اس کے بارے میں جمہور کی رائے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا تو سب کچھ ہی ہے، اللہ تعالیٰ کا نام یہاں تبرکاً مذکور ہے، امام نسائی نے اپنی سنن صغریٰ میں اسس پوری آیت کریمہ کو ذکر کرنے کے بعد خود اس کی تشریح اپنے کلام سے فرمائی ہے، کافی مفصل کلام ہے انہوں نے اللہ تعالیٰ کے نام ذکر کرنے کی یہی وجہ بیان کی ہے، اور ایک بات اور لکھی ہے ولعلہ انما استفتح الکلام فی الفی والخمس بذکر نفسه لانہا اشرف الکسب ولم ینسب الصدقة الی نفسه عز وجل لانہا اوساخ الناس یعنی اللہ تعالیٰ نے صدقہ کے مصداق جہاں بیان کئے ہیں وہاں شروع میں اپنا نام ذکر نہیں فرمایا بلکہ اس طرح فرمایا انما الصدقات للفقراء والمساكين العالمین علیہا

علیہا الخ بخلاف غنیمت کے کہ وہ اشرف المکاسب میں سے ہے، اسلئے اس کی ابتدا اپنے نام سے فرمائی، اور صدقاً چونکہ اوساخ الناس ہیں وہاں اللہ تعالیٰ نے اپنا نام ذکر نہیں فرمایا اور پھر آگے انہوں نے بعض علماء کا یہ مذہب نقل کیا ہے کہ ان کی رائے یہ ہے کہ غنیمت میں سے اللہ تعالیٰ کے نام کا بھی نکالا جائے اور پھر اس کو کعبۃ اللہ پر حشر کر دیا جائے۔ الی آخر ما ذکر، اس بعض سے مراد ابو العالیہ ہیں۔

**ترجمة الباب الی مسئلہ میں مذاہب ائمہ** | اب اس کے بعد آپ ترجمۃ الباب سے متعلق خلاصہ کے طور پر سمجھتے وہ یہ کہ اس کی تقسیم علی رأی الامام ہے، جملہ مصارف مذکورہ فی الآیہ میں صرف کرنا ضروری نہیں البتہ ذوی القربی کا حصہ ضرور لگایا جائے گا، اور شائعہ اور منالہ کا مسلک یہ ہے کہ خمس غنیمت کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد بھی پانچ جگہ تقسیم کیا جائے گا چنانچہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا حصہ بھی نکالا جائے گا جس کو امام المسلمین وہاں صرف کرے جہاں خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم صرف کرتے تھے، مصارف المسلمین میں، اور باقی چار حصے ان کو دیتے جائیں گے جو ایت میں مذکور ہیں، اور حنفیہ کا مسلک اس میں یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا حصہ آپ کی وفات سے ساقط ہو گیا، ایسے ہی سہم ذوی القربی کے بارے میں بھی ان کی رائے یہ ہے کہ ان کو فقر کی وجہ سے دیا جاتا تھا، لہذا فقر ذوی القربی کو دیا جائے گا اختیار کو نہیں، لہذا باقی تین جو رہ گئے (یتامی بساکین۔ ابن السبیل) ان ہی میں اس کو تقسیم کیا جائے گا، اور ان تین کو بھی ان کے نزدیک سستی جو شکی حیثیت سے نہیں بلکہ معرف ہونے کی حیثیت سے

**اشرف المکاسب کی بحث** | لے اس سلسلہ میں امام بخاری نے بھی کتاب البیوع میں ایک باب قائم فرمایا ہے۔ باب کسب الرجل وعملہ میرہ۔ واصل فیہ عن المقدم عن ابی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال ما اکل احد طعاماً قط خیر من ان یاکل من عمل یدہ وان نبی اللہ داود کان یاکل من عمل یدہ، وایضاً اخری حدیث ما نطہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت لما استخلف ابو بکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قد علمت فی ان حرفی لم تکن تجوز من ثمنۃ اعلی وطلعت بالمرسلین فیاکل آل ابی بکر من هذا المال ویخلف المسلمین فیہ (بخاری ص ۲۶۷) وفی الاوابہ التزامم ص ۲۲۷ عن الحافظ قد اختلف العلماء فی افضل المکاسب، قال المادری، اصول المکاسب الزراعت والتجارة والصنعة، والاشیہ بمذہب الشافعی ان اطیبها التجارة قال والاربع حندی ان اطیبها الزراعت لاجل اقرب الی التوکل، وتعمق النووی بحدیث المقدم، وان الصواب ان اطیب الکسب ما کان بعمل الید، قال فان کان زراعاً فہو اطیب المکاسب لما یشتمل علیہ من کونہ عمل الید ولما فیہ من التوکل۔ الی آخر ما قال۔ قال الحافظ، وفق ذلک من عمل الید ما یکتب من اموال الکفار بالجہاد وهو کسب البنی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم واصحابہ وهو اشرف المکاسب لما فیہ من عار کلمۃ اللہ تعالیٰ وخذلان کلمۃ امرئ، والفتح الاخری، قال ومن لم یعمل میرہ فالزراعت فی حقہ افضل۔ الی آخر ما فی الابواب والتراجم من اقوال الشراح فی ذلک وفی قلت وظاہر الترجمة الاشارة الی ترجیح المحرفہ بوجہ مرجع العین والقبطلانی۔ الی آخر ما فیہ، فارجع الیہ لو شئت التفصیل۔

دیا جاتا ہے، حتیٰ لو صرف الی صنف واحد منہم جاز، امام نسائی نے بھی سہم ذوی القربی کے بارے میں اپنی رائے یہی لکھی ہے جو حنفیہ کی ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں: وقد قيل انه للفقير منهم دون الغني كاليتمى وابن السبيل وهو شبه القولين بالصواب عندی، والله اعلم۔ ۱ھ

نیز جانتا چاہیے کہ تقسیم خمس میں ذوی القربی کے مصداق میں بنو ہاشم کے ساتھ بنو المطلب بھی داخل ہیں جیسا کہ حدیث الثبا میں اس کا ذکر آ رہا ہے، البتہ مسئلہ زکاة میں بنو ہاشم کے ساتھ بنو المطلب کا داخل ہونا مختلف قیہ ہے وقد مر فی کتاب الزکاة۔

اخبرني جبير بن مطعم انه جاء هو وعثمان بن عفان رضي الله تعالى عنهما يكسان رسول الله صلى الله

تعالى عليهما والى وسلم في ما قسم من الخمس بين بني هاشم وبني المطلب اء۔

**مضمون حدیث** | مضمون حدیث سے پہلے آپ یہ سمجھئے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے خمس ذوی القربی کو بنی ہاشم اور بنو المطلب دو کے درمیان تقسیم فرمایا تھا، اس پر حضرت جبر بن مطعم جو کہ نوفلی ہیں نوفل بن عبد مناف کی اولاد میں سے ہیں، اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو کہ حبشی ہیں عبد شمس بن عبد مناف کی اولاد میں سے ہیں، یہ دونوں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ عرض کیا کہ آپ نے ہمارے بھائی بنو المطلب کے لئے خمس میں حصہ لگایا اور ہم دو کو کچھ نہیں عطا فرمایا حالانکہ جو قرابت بنو المطلب کی آپ سے ہے وہی بنو نوفل اور بنو عبد شمس کی بھی ہے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: انما بنو ہاشم و بنو المطلب شیء واحد اس روایت میں تو صرف یہی ہے اور آگے یہ آ رہا ہے کہ آپ نے یہ فرمایا کہ بنو ہاشم اور بنو المطلب ہمیشہ ہا بلیت میں بھی اور اسلام میں بھی ساتھ رہے ہیں، وانما نحنی وھم شیء واحد و شہاء بین اصابعہ، یعنی آپ نے اپنی انگلیوں میں انگلیاں داخل کر کے فرمایا کہ یہ دونوں قبیلے ہمیشہ اس طرح ساتھ رہے ہیں، آپ کے اس جواب کا حاصل یہ ہوا کہ یہ تو صحیح ہے کہ قرابت کے اعتبار سے چاروں خاندان برابر ہیں، لیکن بنو المطلب کو جو دریا گیا ہے وہ صرف قرابت کی بنا پر نہیں بلکہ قرابت مع النصر والامانة کی بنا پر جو بنو المطلب میں پائی جاتی ہے، ہائی دو میں مفقود ہے۔

آگے روایت میں یہ ہے۔ وكان ابوبکر يقسم الخمس نحو قسم رسول الله صلى الله تعالى عليه

والله وسلم خيرا انه لم يكن يعطى قربي رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم ما كان انهم مصل الله تعالى عليه وآله وسلم يعطيهم، قال كان عمر بن الخطاب يعطيهم من وعثمان بعده۔

۱ھ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے جد راجع عبد مناف کے چار بیٹے تھے، ہاشم، مطلب، نوفل، عبد شمس۔ لہذا یہ چار خاندان ہوتے، بنو ہاشم حسین حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہیں، بنو المطلب، بنو نوفل، بنو عبد شمس۔

حضرت جبر کا مسئلہ نسبت ہے جبر بن مطعم بن ہدی بن نوفل بن عبد مناف حضرت عثمان کا یہ ہے عثمان بن عفان بن ابی العاص بن امیہ بن عبد شمس



یعنی ابوبکر بھی خمس کو اسی طرح تقسیم فرماتے تھے جس طرح حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، بس فرق یہ تھا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تو ذوی القربی کو ان کا حصہ عطا فرماتے تھے، لیکن حضرت ابوبکر نہیں دیتے تھے، اسی طرح عمر اور عثمان بھی حضور کی طرح دیتے تھے۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس عمل سے حنفیہ کی ذوی القربی کے مسئلہ میں تائید ہوتی ہے کہ ان کا مستقل حصہ نہیں ہے بلکہ عند الحاجة والفقرة بذل میں لکھا ہے غالباً صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ان کو نہ دینا اسی بنا پر تھا کہ وہ ان کے زمانہ میں اغنیاء تھے، اور انہوں نے غیر ذوی القربی کو احوج سمجھا ان سے اسی لئے ان کو دیا۔  
والحدیث اخبرہ البخاری والنسائی وابن ماجہ مختصراً، قال المنذری۔

عن السدی فی ذی القربی قال ھو بنو عبد المطلب

حضرت نے بذل میں لکھا ہے کہ تمام مطہورہ اور قلمی نسخوں میں اسی طرح ہے، لیکن نسخہ مصریہ میں بجائے اس کے بنو المطلب ہے، اگر بنو المطلب ہے اس صورت میں مطلب یہ ہو گا کہ بنو ہاشم کے ساتھ اس میں صرف بنو المطلب شامل ہیں یعنی بنو نوفل اور بنو عبد شمس ذوی القربی کے مصداق میں داخل نہیں، اور اگر یہاں روایت میں بنو عبد المطلب ہے تو چونکہ وہ بنو ہاشم سے بھی اخص ہے چہ جائیکہ بنو المطلب کو شامل ہو، اسلئے یوں کہا جائے گا کہ اس تفسیر سے مقصود حصر نہیں ہے۔

اخبرنا یزید بن ہرمزان بخدمة الحروری حین حج فی قسمة ابن النبی اس سئل الی ابن

عباس یسأله عن سهم ذی القربی ویقول لمن تولا؟

مضمون حدیث | حروری یعنی خارجی اور یہ بخدمة رئیس الخوارج تھا، عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے قتال کے سال میں جب اس نے حج کیا تو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس ایک قاصد بھیج کر سهم ذوی القربی کے بارے میں سوال کیا کہ یہ کس کو ملنا چاہیے آپ کی رائے کیا ہے؟ حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اقرباء کے لئے جیسا کہ خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم — ان کا حصہ لگاتے تھے۔ آگے ابن عباس فرما رہے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عمر نے اسی حصہ میں سے ہمیں کچھ پیش کیا تھا مگر ہم نے اس کو اپنے حق سے کم سمجھ کر اس کو رد کر دیا تھا۔

اس روایت سے ایک حیثیت سے حنفیہ کی تائید ہوتی ہے سهم ذوی القربی کے سلسلہ میں وہ یہ کہ ان کا حق وہ حصہ عند الحاجة وبقدر الحاجة ہے تو حضرت عمر نے بقدر الحاجة پیش فرمایا ہو گا، اور ابن عباس کے طرز عمل سے شائعہ وحنابلہ کے مسلک کی تائید ہوتی ہے جن کے نزدیک ان کا حصہ مطلقاً ہر صورت میں واجب ہے۔

لہ بنو المطلب اور بنو عبد المطلب کے درمیان فرق ظاہر ہے کہ عبد المطلب بنو ابن ہاشم، والمطلب بنو ابو ہاشم۔



آگے یہ بھی ہے کہ جب میں حضرت عمرؓ کی مجلس سے باہر نکل کر آیا تو میری ملاقات حضرت عباسؓ سے ہوئی تو انہوں نے مجھ سے فرمایا اے علیؓ! آج تو تم نے ہمارے حصہ سے ہمیں محروم کر ڈالا، اب کبھی ہمیں یہ نہیں ملے گا، حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ واقعی تجھے حضرت عباسؓ بڑے فہیم اور تجربہ کار۔

اخبرني عبد الله بن العارث بن نوفل الهاشمي ان عبد المطلب بن ربيعة بن الحارث بن عبد المطلب اخبره ان ابا له ربيعة بن العارث وعباس بن عبد المطلب قال لعبد المطلب بن ربيعة وللفضل بن عباس انتم رسول الله صلى الله تعالى عليه والموسلم فقول له يا رسول الله قد بلغنا من السن ما ترى واحببت ان تنزويح الخ۔

حدیث میں شادیوں کے مسائل | یہ حدیث طویل ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ ربيعة بن الحارث کے بیٹے عبد المطلب سے متعلق ایک دلچسپ واقعہ

والد عباسؓ نے یہ کہا کہ جاؤ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس، اور جا کر عرض کرنا کہ یا رسول اللہ ہم دونوں کی جو عمر ہو گئی ہے وہ آپ دیکھ رہے ہیں (یعنی شادی کے قابل ہو چکے ہیں) اور اب ہم شادی کرنا چاہتے ہیں، اور آپ لوگوں میں سب سے زیادہ احسان اور صلہ رحمی کرنے والے ہیں، اور ہم دونوں کے باپوں کے پاس اتنا نہیں ہے کہ وہ ہماری طرف سے مہر کا انتظام کر سکیں لہذا آپ ہم دونوں کو صدقات وصول کرنے پر عامل بنائیجئے جس طرح عمال اموال زکاۃ لا کر آپ کو پہنچاتے ہیں اسی طرح ہم بھی پہنچائیں گے، اور جو کچھ ہمارا حق ہوگا وہ ہمیں مل جایا کرے گا، یعنی عامل کی تنخواہ اور وظیفہ، یہ ربيعة جن کے بیٹے عبد المطلب ہیں آپ کے چچا زاد بھائی ہیں اور حضرت عباسؓ کا آپ کا چچا بھنا تو مشہور ہی ہے، تو گویا یہ عبد المطلب آپ کے چچا زاد بھائی کے بیٹے ہوئے اور فضل چچا زاد بھائی۔ یہ قصہ ان دو ہی سے متعلق ہے، آگے روایت میں ہے عبد المطلب کہتے ہیں کہ جس مجلس میں ہماری یہ گفتگو اور مشورہ ہو رہا تھا، وہاں علی بن ابی طالب اتفاق سے پہنچ گئے (جب ان کے علم میں وہ بات آئی جو یہاں مجلس میں چل رہی تھی) تو اس پر وہ فرماتے لگے بخدا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تم میں سے کسی کو عامل علی الصدقہ نہیں بنائیں گے اس پر عبد المطلب کے والد ربيعة بولے کہ تم کو جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی دامادی ملی ہے ہم نے تو تم سے اس پر کبھی حسد کیا نہیں (مطلب یہ کہ پھر تمہیں کیوں ہمارے اس مشورہ سے پریشانی اور ملن ہو رہی ہے) قال علیؓ رداءۃ شرا ضطجع علیہ فقال انا ابو حسن القرم یعنی حضرت علیؓ کو بھی ربيعة کا یہ جملہ سن کر طیش آگیا اور اور اپنی چادر جو اوڑھ رہے تھے اس کو بچھا کر اس پر لیٹ گئے اور لیٹے وقت فرمایا (لو میں بھی کہیں نہیں جاتا) میں بھی اپنے نام کا ابو حسن بہادر ہوں، واللہ میں یہاں سے نہیں ہٹوں گا جب تک تم دونوں کے بیٹے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب لے کر نہ آجائیں۔ (خوار بمعنی جواب) عبد المطلب کہتے ہیں کہ میں اور فضل دونوں مشورہ کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وسلم

کی خدمت میں چل دیئے، جب ہم وہاں پہنچے تو ظہر کی نماز کھڑی ہو چکی تھی، ہم نے لوگوں کے ساتھ نماز پڑھی، نماز سے فارغ ہو کر میں اور فضل دونوں، باب حجرہ کی طرف گئے، اس دن حضرت زینب کی باری تھی اس لئے آپ ان کے یہاں تھے، غرضیکہ ہم آپ سے پہلے ہی دروازہ پر جا کر کھڑے ہو گئے، تھوڑی دیر میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے آئے، اور ہم دونوں میں سے ہر ایک کا کان پکڑ کر فرمایا کہ اپنے جی کی بات بتاؤ کہ کیا ہے (ہم خاموش رہے) پھر آپ اندر تشریف لے گئے اور اندر پہنچ کر ہم دونوں کو بھی اندر آنے کی اجازت دیدی، ہم اندر چلے گئے، ہم دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کو حضور سے عرض کرنے کو کہتا، غرضیکہ ہم دونوں میں سے کسی ایک نے راوی کو تعین میں شک ہو رہا ہے، حضور کے سامنے وہی بات رکھی جس کا ہمارے باپوں نے حکم کیا تھا، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہماری بات سن کر خاموش رہے اور اپنی نگاہ چھت کی طرف اٹھائے رہے (جیسے بعض مرتبہ سوچ میں آدی کرتا ہے) جس میں کافی دیر ہو گئی، ہم سمجھے شاید کچھ جواب نہیں ملے گا (ہم کچھ مایوس سے ہوئے) یہاں تک کہ حضرت زینب کو ہم نے دیکھا جو ہمارے سامنے کی جانب میں پس پردہ نقیس وہ اپنے ہاتھ سے اشارہ کرنے لگیں جس کا مفہوم یہ تھا کہ جلدی نہ کرو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تمہارے ہی مسئلہ کا حل سوچ رہے ہیں، پھر کافی دیر بعد اپنے سر اوپر سے نیچے کی طرف کیا اور فرمایا کہ ارے بھائی یہ صدقہ کا مال لوگوں کا میل کیل ہے یہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) اور آل محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کیلئے حلال نہیں (پھر آپ نے ان کے مسئلہ کا جو حل سوچا تھا اس کو فرمایا) اور فرمایا آپ نے کہ نوفل بن الحارث کو بلاؤ، پس نوفل سے آپ نے فرمایا کہ عبد المطلب کا نکاح کر دو، نوفل نے میرا نکاح کر دیا، اور فرمایا بلاؤ میرے پاس عجمیہ بن جزم کو، راوی کہتا ہے کہ یہ عجمیہ آپ کی جانب سے آٹھاس کے مستظم تھے، تو آپ نے فرمایا عجمیہ سے کہ فضل کی شادی کر دو اور پھر مال سے یہ فرمایا کہ ان دونوں کی جانب سے خمس میں سے مہر ادا کر دو۔

یہ جو اس حدیث کا آخری جملہ ہے اُضِدُّقِ عَنْهُمَا مِنَ الْخَمْسِ اسی سے ترجمہ الباب ثابت ہو رہا ہے، ایسے موقع پر شرح لکھا کرتے ہیں فیہ الترجمة، مصنف کی غرض اس قصہ کو یہاں بیان کرنے سے یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم خمس میں سے اپنے ذوی القربی کا حصہ نکالتے تھے، کیونکہ عبد المطلب بن ربیعہ اور فضل بن عباس دونوں ذوی القربی میں سے ہیں، اس قصہ سے یہ بھی سمجھ میں آتا ہے کہ بیاہ شادی میں زیادہ فکر کی چیز وہ پس مہر (اور نفقہ) کا مسئلہ ہے اور تیسری چیز ولیمہ ہے جس کا ذکر آگے حضرت علی کے قصہ میں آ رہا ہے۔ دوسرے لوازمات فضول ہیں۔  
والحدیث اخرجه مسلم والنسائی، قال المنذری۔

ان الحسين بن علي رضي الله تعالى عنهما الخبره ان علي بن ابي طالب رضي الله تعالى عنه قال

كان لي شارف من نصيبي من المغنم يوم بدر وكان رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم اعطاني

شارف من الخمس يومئذ في الخ

حضرت علیؑ کے ولیمہ سے متعلق ایک واقعہ | یہ بھی ایک طویل قصہ ہے اسی قسم کا وہ یہ کہ حسین بن علی فرماتے ہیں

کہ مجھ سے میرے والد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان کیا کہ میری ملک میں ایک جوانی اونٹنی تھی جو جنگ بدر کے مال غنیمت میں سے مجھے ملی تھی اور ایک ایسی ہی اونٹنی اور تھی جو آپؐ نے مجھ کو حصہ خمس میں سے دی تھی (ترجمۃ الباب تو اسی سے ثابت ہو گیا آگے مصنف قصہ کی تکمیل کرتے ہیں) جب میرا ارادہ ہوا فاطمہ کو نکاح کے بعد اپنے یہاں لانے کا (جس کو رخصتی کہتے ہیں) تو ولیمہ کی تیاری میں میں نے یہ منصوبہ بنایا جس کو آگے بیان کر رہے ہیں، وہ یہ کہ میں نے ایک متواغ یعنی زرگر سے یہ وعدہ لیا کہ وہ میرے ساتھ جنگل جائے تاکہ ہم وہاں سے اذخر جمع کر کے لائیں اور مواعین کے ہاتھ اس کو فروخت کریں تاکہ اس کی آمدنی سے ولیمہ کا بندوبست ہو سکے، چنانچہ میں نے ایسا کیا کہ ان دونوں اونٹنیوں کو ایک انصاری کے گھر کے سامنے لاکر بٹھادیا اور خود میں ان اونٹنیوں پر باندھنے کے لئے پالان تھیلے اور رسیاں وغیرہ جمع کرنے کے لئے چلا گیا، جب میں وہ سب چیزیں جمع کر کے لایا تو دیکھتا ہوں کہ میری ان دونوں اونٹنیوں کے کوہان کاٹ لئے گئے اور ان کے پہلوؤں سے گوشت بھی کاٹ لیا گیا، اور ان کی کلیجیاں نکال لی گئیں، مجھے یہ منظر دیکھ کر بے اختیار رونا آ گیا، پھر میں نے پوچھا لوگوں سے کہ ایسا کس نے کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ حمزہ بن عبدالمطلب نے کیا ہے، اور سامنے ایک گھر کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ وہ اسمیں ہیں بہت سے شراب پیئے والوں کے ساتھ، اس مجلس میں ایک گانے والی نے ان کے اور ان کے اصحاب کے سامنے اپنے غنا میں یہ شعر پڑھ دیا ہے

الایا حمزہ لشریف النصار  
ومن مقلات بالہنار

ضع السکین فی اللہات ہنار  
وفر جن حمزہ بالدار

جس کا ترجمہ یہ ہے کہ اے حمزہ دیکھو یہ سامنے جوان اور فربہ اونٹنیاں ہیں جو گھر کے سامنے بندھی ہوئی ہیں ان کے گلوں پر چھری چلاؤ اور ان کو خون میں لت پت کر دو، شرف جمع ہے شارف کی بمعنی جوان اونٹنی، اور ہزار جمع ہے ناویہ کی یعنی فربہ، حضرت حمزہ گانے والی کا یہ شعر سنکر اپنی تلوار کی طرف لپکے اور یہ سب کام کر گزرے، حضرت علی فرماتے ہیں کہ یہ سب کچھ سنکر میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں گیا، اس وقت آپؐ کے پاس حضرت زید بن حارثہ تھے آپؐ نے میرے چہرہ کو دیکھ کر اندازہ لگا لیا میری پریشانی کا اور پوچھا کہ کیا ہوا؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ آج جیسا ناگوار منظر میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا اور سارا واقعہ بیان کیا، اور میں نے یہ بھی بتلادیا کہ وہ ایک گھر میں مجلس ہو رہی ہے شراب نوشی کی اس میں ہیں (تحریم خمر سے پہلے کا واقعہ ہے) اس پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی چادر منگائی اور اس کو اڑھ کر چل دیئے، میں اور زید آپؐ کے پیچھے پیچھے، یہاں تک کہ آپؐ اس گھر تک پہنچے جس میں حمزہ تھے آپؐ استیذان کے بعد اندر داخل ہوئے جہاں سب لوگ موجود تھے، آپؐ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حمزہ کو ملامت

کرنے لگے ان کی اس حرکت پر حمزہ کا حال یہ تھا کہ وہ شراب کے نشہ میں مست تھے آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں، اب حمزہ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی طرف تیز نگاہ سے دیکھنا شروع کیا، اور نشہ کے ایک خاص انداز میں پہلے تو حضور کے پاؤں کی طرف گھورتے رہے کچھ دیر بعد نظر ذرا اوپر اٹھائی اور آپ کے گھٹنوں کو گھورتے رہے، پھر نظر کچھ اوپر اٹھا ئی آپ کی ناف کے قریب تک، وہاں ہورتے رہے، اسی طرح پھر چہرہ کو گھورتے رہے، یہ گھورنا تو بالکل خاموشی کے ساتھ رہا، اور پھر اخیر میں بولے تیز لہجے میں دھل انتم الاعبيد لابی کہ ارے تم سب میرے باپ کے غلام ہی تو ہو! چونکہ حمزہ کے باپ حضور کے بھی اور علی کے بھی دادا اور بڑے تھے، اور گویا سردار تھے، اور حمزہ ان سے بہ نسبت ان دو کے زیادہ قریب تھے اس لئے بطور فخر یہ جملہ کہا، علی کہتے ہیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سمجھ گئے کہ یہ تو مست ہیں (اور معاملہ گڑ بڑ ہے) اسلئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم الٹے پیروں لوٹ گئے (تاکہ کہیں دست درازی نہ کر بیٹھیں) اور غرضیکہ آپ وہاں سے نکل آئے اور ہم سب بھی آپ کے ساتھ۔

والحدیث اخرجه البخاری و مسلم، قاله المنذری۔  
یہ قصہ ہمارے لئے بڑا قابل عبرت ہے کہ دو جہان کے سردار کی صاحبزادی کی رخصتی ہو رہی ہو جس کے ولیمہ کے انتظام کیلئے آپ کے داماد محترم جنگل سے گھاس اکٹھا کرتے پھریں، اور اس میں بھی پھر حسب منشا کامیاب نہ ہو۔

حدثني عياش بن عتبة الحضرمي عن الفضل بن الحسن الضمري ان ام الحكم اوضباعة

ابن الزبير بن عبد المطلب حدثت عن احداها۔

تحقیق سند یہ سند محتاج تحقیق و تفتیش ہے، یہاں نسخے مختلف ہیں چنانچہ دو اختلاف دیئے۔ آئے ہمارے اس نسخے میں ان ام الحكم اوضباعة ہے اور ابن داسہ کے نسخہ میں (کافی تعلیق اشع محمد بن عوامہ) اس کے بجائے۔ ان ابن ام الحكم اوضباعة ہے، اور دوسرا اختلاف اس کے بعد لفظ "حدثت" میں ہے ہمارے اس نسخہ میں بعینہ "مؤثث" ہے اور ایک دوسرے نسخہ میں کما علی الہامش۔ "حدثت" بعینہ مذکور ہے، یہ روایت ابو داؤد میں مکرر ہے دوبارہ مصنف اس حدیث کو کتاب الادب باب فی الشیخ عند النعم میں بھی لائے ہیں بعینہ اسی سند سے لیکن وہاں ابن داسہ کے نسخہ کی طرح ہے، ان ابن ام الحكم اوضباعة ابن الزبير حدثت عن احداها، اور تہذیب الکمال میں حافظ مزنی نے اپنی سند سے اس حدیث کو جب ذکر کیا تو اس میں بھی اسی طرح ہے، لہذا ترجیح ابن داسہ والے نسخہ کی روایت کو ہوگی اور اس صورت میں سند کا مطلب یہ ہوگا، فضل بن الحسن کہتے ہیں کہ مجھ سے ام الحكم کے بیٹے یا ضباعہ کے بیٹے نے بیان کیا، ان دونوں (ام الحكم وضباعہ) میں سے کسی ایک سے روایت کرتے ہوئے۔ اور

لہذا راوی بیٹا ہوا اور مروی عنہ اس کی ماں یا خالہ ۳

ہمارے موجودہ نسخہ کی صورت میں سند کا مفہوم یہ ہوگا کہ فضل بن الحسن کہتے ہیں کہ مجھ سے ام الحکم یا ضباطہ کسی ایک نے روایت کیا دوسری سے، یعنی فضل کو شک ہو رہا ہے کہ میرا استاد اس حدیث میں ام الحکم ہے یا ضباطہ اور بہر صورت ان میں سے ایک دوسری سے روایت کر رہا ہے، چونکہ صاحب عون المعبود کا بھی نسخہ یہی ہے اسلئے انہوں نے سند کی شرح اسی طرح کی ہے، لیکن اس نسخہ کو اگر اختیار کیا جائے تو اس میں محض کئے لحاظ سے یہ اشکال ہے کہ جب حضور کی خدمت میں جانے والی یہ دونوں بہنیں تھیں جیسا کہ روایت میں تصریح ہے فذہبت انا واخوتي تو پھر ایک کے دوسرے سے روایت کرنے کی کیا وجہ؟ دونوں صاحب واقعہ ہیں نیز کتب رجال سے بھی ان میں سے ایک کا دوسری سے روایت کرنا ثابت نہیں، کما فی البذل۔ بخلاف نسخہ ثانیہ کے کہ وہ اس اشکال سے محفوظ ہے، مگر حضرت شیخ الہند نے اپنے حاشیہ میں ہمارے موجودہ نسخہ کی سند کی اس طرح توجیہ و تاویل فرمائی ہے جس پر یہ اشکال وارد نہیں ہوتا، حضرت شیخ الہند کی تاویل کا حاصل یہ ہے کہ عن اصحابنا بطور لب لباب کے بدل واقع ہو رہا ہے اپنے سابق سے کہ فضل بن الحسن روایت کرتے ہیں ان دو عورتوں میں سے کسی ایک سے، بدل قرار دینے کی صورت میں اوپر والا اشکال پیدا نہیں ہوتا، ہمارے حضرت سہارنپوری نے سند کا مفہوم تو یہی متعین فرمایا ہے جو نسخہ ابن داسہ والی سند کہے مگر اس میں یہ توضیح و تشریح نہیں ہے کہ ہماری یہ سند محتاج تاویل ہے یا نہیں، بلکہ اس سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ ہمارے نسخہ کی عبارت کا مفہوم بھی وہی ہے جو دوسرے نسخہ کی عبارت کا ہے، واللہ کما فی حاشیہ شیخ الہند رحمۃ اللہ تعالیٰ، وھذا جہد المقل فی شرح ہذا السند واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

مضمون حدیث واضح ہے کہ یہ دونوں اور تیسری حضرت فاطمہ خمس غنیمت میں سے خادم طلب کرنے کیلئے گئیں تھیں تو آپ نے عذر فرمایا سبقتن یتامی بدر کہ یتامی بدر تم سے پہلے چونکہ طلب کرنے آگئے تھے اس لئے سارے غلام ان کو دیدیتے گئے اور یا مطلب یہ ہے کہ یتامی بدر استحقاق کے اعتبار سے تم پر مقدم اور رائج تھے اسلئے ان کو دے دیا یا دیا جلتے گا، اس صورت میں حدیث حنفیہ کی مؤید ہو سکتی ہے کہ وہ اس مسئلہ میں ذوی القربی کے حق کا مدار افتقار اور احتیاج پر رکھتے ہیں، پھر آپ نے ان تینوں کی دجوتی اور تلافی میں خادم کا بدل، یعنی بدل معنوی تجویز فرمایا جو تسبیح کامل کے نام سے معروف ہے۔

عن ابن اُمیَہ قال قال علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ الا احذ ثلث عنی وعن فاطمة الخ۔

اس حدیث اور پہلی حدیث کا مضمون تقریباً ایک ہی ہے، اس میں یہ ہے کہ حضرت علی نے فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا کہ اپنے باپ کے پاس جا کر ایک خادم ان سے لے لو، اس پر وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس گئیں، الی الخ الفصۃ وقد اخرج البخاری ومسلم والبداء والنسائی عن حدیث عبد الرحمن بن ابی لیلی عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہذا الحدیث بخوہ، وسیحی ان شاء اللہ تعالیٰ فی کتاب الادب من کتابنا هذا، قال المنذری۔

حدثنا محمد بن عیسیٰ نا عنہ بن عبد الواحد القرشی، قال ابو جعفر یعنی ابن عیسیٰ۔

کنا نقول انه من الابدال قبل ان تسمع ان الابدال من العوالی۔

محمّد بن عیسیٰ استاذ مصنف جن کی کنیت ابو جعفر ہے وہ اپنے استاد غنیمہ کے بارے میں کہہ رہے ہیں کہ ہم لوگ یہ سمجھتے تھے غنیمہ کے بارے میں کہ وہ ابدال کی جماعت میں سے ہیں قبل اس کے کہ ہم یہ سنیں کہ ابدال موالیٰ میں سے ہوتے ہیں یعنی غلاموں میں سے۔

مطلب یہ ہے کہ غنیمہ تو موالیٰ میں سے نہیں ہیں لہذا وہ ابدال میں سے بھی نہیں، لہذا ہمارا پہلا خیال غلط نکلا اختار هذا المعنی شیخنا فی البذل، اور صاحب عون المعبود نے موالیٰ کو ممالیک کے معنی میں نہیں لیا بلکہ سادات کے معنی میں لیا یعنی مولیٰ اعلیٰ، اور غنیمہ ششی ہیں سادات میں سے ہیں، اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ شروع میں تو یہ ہمارا گمان ہی گمان تھا بعد میں پھر وہ گمان یقین سے بدل گیا اور ہمیں ان کے ابدال میں سے ہونے کا یقین ہو گیا، ہذا المعنی عکس المعنی السابق۔

**ابدال و او تاد کا ثبوت احادیث سے** | یہاں اس روایت کی سند میں ابدال کا ذکر آیا، ابدال کا ذکر ابوداؤد میں کتاب الفتن کے بعد باب فی ذکر المہدیٰ میں بھی آیا ہے جس کے لفظ یہ ہیں

فاذا رأى الناس ذلك اتاه ابدال الشام وعصائب اهل العراق فيبايعونه جس کا مضمون یہ ہے کہ اخیر زمانہ میں جب امام مہدیٰ کے ہاتھ پر مکہ مکرمہ میں حجر اسود اور مقام ابراہیم کے درمیان لوگ ان سے بیعت ہوں گے تو اس کے بعد ان کے مخالفین کا ایک لشکر اٹھے گا ملک شام سے جو ان سے لڑنے کے لئے ملے گا تو ان کو اللہ تعالیٰ راستہ ہی میں مکہ مدینہ کے درمیان زمین میں دھنسا دیں گے، جب لوگوں کو یہ معلوم ہوگا تو اس سے لوگوں کے دلوں میں ان کی بڑی وقعت بڑھے گی، چنانچہ عراق کے عبّاد و زناد اور ملک شام کے ابدال اگر ان کے ہاتھ پر بیعت ہوں گے حضرت شیخ رحمہ اللہ کے حاشیہ بذل میں ہے علامہ سیوطی سے نقل کیا ہے کہ صحاح ستہ میں ابدال کا ذکر نہیں ہے سوائے ابوداؤد کی اس روایت کے، واخرجه الحاكم ومحمّد، ووروفي غير الصحاح ذکر ہم فی عدة احادیث جمعہ ثانی مؤلف، حضرت شیخ نے اپنے اس حاشیہ میں ابدال کے بارے میں بہت سی کتب حدیث و تصوف و رجال تاریخ کے حوالے تحریر فرمائے ہیں، اس حاشیہ میں ہے کہ علامہ شامی کا بھی ایک رسالہ ہے جس کا نام ہے "اجابة الفتوى ببيان حال النقباء والنجباء والابدال والاو تاد والفتوى" اسی طرح علامہ سیوطی کی الحاوی للفتاویٰ میں ایک رسالہ ہے، النجرات الدال علی وجود القطب والاو تاد والنجباء والابدال، اور سیوطی نے التعقیبات علی الموضوعات میں حدیث الابدال کے بارے میں لکھا ہے: صحیح وان شئت قلت متواتر اھ

حدثني الدخيل بن اياس بن فوح بن معجاعة عن هلال بن سراج بن معجاعة عن ابيه عن جده معجاعة انه اتى النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم يطلب دية اخيه قتلته بنو سدون من بني ذهل.

اے مجھ سے محب مکرّم مولانا حکیم سعید صاحب (المعروف بعلم اجری) نے ذکر کیا کہ میں نے بھی ابدال سے متعلق تقریباً ستر روایات جمع کی ہیں ۱۲



## مضمون حدیث

اس حدیث کے راوی مجاہد بن عمرہ ہیں جو یمامہ کے رہنے والے قبیلہ بنو حنیفہ سے تھے یہ صحابہ میں سے ہیں اپنی قوم کے سردار تھے۔ ان کے کافر بھائی کو بنو سدوس نے قتل کر دیا تھا تو اسکی دیت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے لینے آئے تھے، شاید بیت المال سے لینا مراد ہے، آپ نے فرمایا کہ اگر مشرک کی دیت ہو اگر قریبی تو میں ترے بھائی کی دیت بھی دیدیتا۔ ہاں البتہ میں دیت کے عوض میں کچھ دوں گا یعنی ان کی تالیف قلب کے لئے کیونکہ یہ اپنی قوم کے رئیس تھے تاکہ ان کی قوم بھی اسلام کی طرف مائل ہو جائے، اور ظاہر یہ ہے کہ مجاہد اس طلب دیت کے وقت مشرف باسلام ہو چکے تھے (بذل) چنانچہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے لئے ایک تحریر لکھ دی کہ مشرکین بنو ذیل کی غنیمت سے جب پہلے پہل خمس نکالا جائے تو اس میں سے سو اونٹ ان کو دیئے جائیں، ان سو میں سے کچھ حصہ تو ان کو مل گیا اور کچھ باقی رہ گیا، اور ادھر یہ ہوا کہ بنو ذهل اسلام لے آئے، پھر صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں یہ سچا ان کے پاس آئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تحریر لکیر، تو انہوں نے ان کو باقی دیت کے بارے میں لکھ دیا بارہ ہزار صاع اس صدقہ سے جو — یمامہ سے وصول ہو، چار ہزار صاع گہو، چار ہزار جو اور چار ہزار تمر، اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تحریر جو آپ نے ان کو دی تھی وہ اس طرح ہے: بسم الله الرحمن الرحيم: هذا كتاب من محمد النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم لجماعة بن مرواة من بنى سلمي، انى اعطيتهم مئة من الابل من اول خمس يخرج من مشركى بنى ذهل عقيقة من اخيه۔

## باب ماجاء فى سهم الصفى

اس باب پر کلام باب فی الصفايا میں گذر چکا، اور صفی سے متعلق مسائل بھی، اس باب کی پہلی حدیث میں ہے۔  
یختارہ قبل الخمس کہ آپ بہم صفی لیا کرتے تھے، خمس نکالنے سے پہلے، یعنی اصل غنیمت سے، بذل میں لکھانے کے ہمارا مذہب بھی یہی ہے، لیکن اس کے بعد والی روایت میں آرہا ہے، والصفی یؤخذ له رأس من الخمس قبل كل شئ۔ یہ پہلی حدیث کے خلاف ہے، اور دفع تعارض ایسے ہو سکتا ہے کہ پہلی روایت میں قبل الخمس سے مراد قبل تقسیم الخمس لیا جائے، یعنی خمس میں سے بہم صفی لینے کے بعد اس کی تقسیم کی جاتی، فار تعارض۔

باب کی تیسری حدیث یہ ہے، عن قتادة قال كان رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم اذا غزا كان له سهم صاف۔ اس روایت میں بہم صفی کے بارے میں یہ ہے کہ وہ آپ کے لئے اس وقت ہوتا تھا جبکہ آپ اس غزوہ میں خود شریک ہوں اور وہ آپ کا جو دوسرا حصہ ہوتا تھا غنیمت میں وہ مطلقاً تھا، غزوہ کے اندر آپ کی شرکت ہو یا نہ ہو لیکن اس باب کی جو آخری حدیث آرہی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بہم صفی اور بہم غنیمت دونوں ہی عام تھے، یہ ساری بحث باب الصفايا میں گذر چکی۔

عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت كانت صفية من الصفي  
يعني آپ کی زوجہ محترمہ حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ کو ہم صفی میں مٹی تھی، یہ روایت آئندہ آنے والی مفصل  
روایت کے خلاف ہے، اور صحیح بات وہی ہے جو روایت مفصل میں آرہی ہے لہذا اس روایت کی تاویل یہ کیجائے کہ مراد  
من حیث المال ہے اور وہ جو آئندہ روایت آرہی ہے اس میں اس طرح ہے: عن انس رضي الله تعالى عنه قال جمع  
السبي بخيبر فجاء: حية فقال يا رسول الله اعطني جارية من السبي، قال اذهب فخذ جارية فاخذ  
صفية ابنة حيمي.

حضرت صفیہ آپ کے حصّہ میں کیسے آئیں؟ | یعنی خیبر کے قیدیوں کو جب جمع کیا گیا تو دحمیہ کلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ  
آپ کی خدمت میں آئے اور آپ سے ان قیدیوں میں سے ایک  
باندی کی فرمائش کی، آپ نے ان کو اختیار دیدیا کہ ایک جاریہ لے لو، انہوں نے صفیہ کو لے لیا، تو ایک شخص آپ کی خدمت  
میں آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ آپ نے دحمیہ کو صفیہ دیدی وہ تو بنو قریظہ اور بنو نضیر دونوں کی سردار ہے وہ دحمیہ کے لئے  
مناسب نہیں آپ ہی کے لئے مناسب ہے، اس پر آپ نے دحمیہ کو صفیہ کے ساتھ بلایا، اور آپ نے ان پر نظر ڈال کر فرمایا کہ  
کوئی دوسری جاریہ لیلو، اور پھر آپ نے حضرت صفیہ کو آزاد کر کے ان سے نکال کر لیا۔

ان روایات میں سے ایک میں یہ بھی ہے صفیہ کے بارے میں وقد قتل زوجها وكانت عروسا، نیز یہ بھی ہے  
فخرج بها حتى بلغنا سد الصهباء حلت نبي بها، یعنی خیبر سے واپسی میں جب آپ مقام سد الصهباء پر پہنچے تو وہ آپ  
کے لئے حلال ہو گئیں، اس سے طہارت من الخیض مراد ہے، یعنی استبراء حاصل ہو گیا، اسکے بعد آپ نے ان کیساتھ بنار کی (تخلیہ)  
اور روایات الباب میں سے ایک میں یہ ہے کہ دحمیہ کے حصّہ میں ایک جاریہ جیلہ آئی تھی فاشترها رسول الله صلى الله  
تعالى عليه وآله وسلم بسبعة ارضين، یعنی آپ ایک باندی کو سات باندیوں کے بدلہ میں خریدا، اس سے مراد یہ ہے کہ  
آپ نے دحمیہ سے صفیہ کو لیکر ان کے بدلے میں سات باندیاں عطا کیں، اور یہ جو روایت میں آیا کہ ایک صحابی نے آپ سے  
آکر عرض کیا کہ وہ آپ ہی کے مناسب ہے دحمیہ کے مناسب نہیں مطلب یہ ہے کہ اس کا دحمیہ کے پاس جانا خلاف مصلحت  
ہے، اس لئے کہ صحابی میں دحمیہ جیسے بلکہ ان سے افضل بہت سے تھے اور یہ ایک عالی شان جاریہ تھیں تو دحمیہ کے پاس  
ہونے سے دوسرے حضرات کو احساس ہوتا اور بتافہاتے بشریت تنافس کا یہ مقام تھا، اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم  
کے پاس ہونے کی صورت میں کسی کو کوئی اشکال نہوتا۔

کہا گیا ہے کہ صفیہ کا نام حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اصطفاء سے پہلے زینب تھا پھر جب وہ ہم صفی میں سے  
قرار دے دی گئیں تو ان کا نام صفیہ رکھ دیا گیا، کذا فی البذل، لیکن عون المعبود میں امام نووی سے نقل کیا ہے کہ  
صحیح یہ ہے کہ ان کا نام صفیہ پہلے ہی سے تھا۔

سمعت یزید بن عبد اللہ قال کنا بالمربد فجاء رجل اشعث الرأس بسیدة قطععة اذیم احمر  
فقلنا کانک من اهل المہادیة۔

**مضمون حدیث** | یہ اس باب کی آخری حدیث ہے جس کا ذکر ہمارے یہاں ابھی قریب میں آیا تھا۔ اس کا مضمون یہ ہے  
یزید بن عبد اللہ کہتے ہیں کہ ہم مقام مرید میں تھے (موضع بالمصرۃ) تو ایک شخص پر آگندہ ہالوں والا آیا  
جس کے ہاتھ میں سوخ چمڑے کا ایک ٹکڑا تھا (جس پر کچھ لکھا ہوا تھا) ہم نے اس سے کہا کہ تو یہاں کی معلوم ہوتا ہے  
اس نے کہاں ہاں، ہم نے کہا تیرے ہاتھ میں جو یہ ٹکڑا ہے ذرا ہمیں دے اس نے ہمیں دے دیا تو ہم نے دیکھا اس میں  
یہ لکھا ہوا تھا، من محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم الی بنی زہیر بن اقیس انکمران  
شہد تھران لا الہ الا اللہ وان محمد رسول اللہ واقسم الصلوۃ و اتیم الزکاۃ و اذیم الخمس من  
المغنم و سہم النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم و سہم الصفی انتم آمنون بامان اللہ و رسولہ۔

آپ کی اس تحریر میں آپ کے دو حصوں کا ذکر ہے ایک سہم غنیمت اور دوسرا سہم صفی، اور ان دونوں کے بارے میں  
یہ ہے کہ اگر تم یہ دونوں ادا کرتے رہو گے (مع ان باقی امور کے جو تحریر میں مذکور ہیں) تو تم ہماری طرف سے امن میں ہو  
اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے لئے دونوں حصے مطلقاً تھے، شرکت فی الغزوہ کی قید نہ تھی، سہم غنیمت کے بارے میں تو  
روایات میں بھی اتفاق ہے اور علماء کے مابین بھی لیکن سہم صفی کے بارے میں باب کے شروع میں جو حدیث گزری ہے وہ  
اس کے خلاف ہے، حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے اس آخری حدیث کے پیش نظر عدم تقیید کہ ہے، اور گذشتہ باب  
میں یہ گذر چکا کہ حضرت نے بذل میں یہ لکھا ہے کہ کتب فقہ میں مجھے اس کی تصریح نہیں ملی۔  
حدیث یزید بن عبد اللہ سمکت علیہ المنذرئی و کتب الشیخ محمد عوامہ ان المرء یراہ الی النساء۔

## باب کیف کان اخراج الیہود من المدینۃ

**مختصر تاریخ متعلق بہ غزوات یہود** | ترجمۃ الباب یعنی کیفیت اخراج یہود من المدینہ کے بارے میں آپ یہ سمجھتے کہ یہ یہود  
جن سے آپ کو غزوات کی نوبت آئی دو طرح کے تھے، بعض تو وہ تھے جو مدینہ  
سے باہر خیبر میں آباد تھے، یہ خیبر جو ایک بڑی بستی ہے مدینہ سے شمال مغرب میں تقریباً ڈیڑھ سو کلومیٹر کے فاصلہ پر واقع  
ہے، اور بعض قبائل یہود وہ تھے جو مدینہ اور اس کے آس پاس میں پھیلے ہوئے تھے، اس لئے اولاً تو غزوہ کی نوبت آئی  
یہود مدینہ کے ساتھ جن کو مدینہ سے خارج کر دیا گیا یا قتل کر دیا گیا جس کی تفصیل آگے آرہی ہے، اور یہود خیبر سے قتال کی  
نوبت بعد میں آئی لیکن بعد الفتح ان کو وہاں سے نکالا نہیں گیا بلکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کا ان سے معاہدہ ہو گیا  
کہ جب مسلمان چاہیں گے نکال دیں گے۔

اس کے بعد آپ سمجھئے کہ جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ منورہ پہنچے تو اس وقت وہاں کی آبادی جیسا کہ حدیث الباب میں آرہا ہے مخلوط تھی بین المسلمین والمشرکین والیہود، مشرکین کے دو مشہور قبیلے تھے اوس اور خزرج جن کا لقب ان کے مشرف باسلام ہونے کے بعد انصار ہوا، اور یہود کے تین بڑے قبیلے وہاں آباد تھے، بنو نضیر (جن کا شمار اشراف میں تھا) اور بنو قریظہ (جو کم درجہ کے سمجھے جاتے تھے) اور بنو قینقاع (عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قوم) آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ پہنچنے کے بعد اوائل ہجرت ہی میں یہود مدینہ سے معاہدہ فرمایا تھا اس زمانہ قائم رکھنے کا۔۔۔ مگر یہ لوگ عہد شکنی کرتے رہے جس پر ان کے ساتھ قتال ہوتا رہا، چنانچہ سب سے پہلے عہد شکنی بنو قینقاع نے کی، یہ واقعہ شوال سنہ ۱ء کا ہے، جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے قتال کا ارادہ فرمایا تو وہ لوگ مقابلہ سے ہچکچاہٹ رہ گئے، آپ نے ان کا محاصرہ فرمایا، جب وہ محاصرہ سے تنگ آ گئے تو وہ جلا وطنی منظور کر کے قلعہ سے نیچے اتر آئے اور ملک شام چلے گئے، اس کے بعد سنہ ۲ء میں یہود بنو نضیر نے مسلمانوں کے ساتھ بد عہدی کی ان کی اس بد عہدی کا واقعہ آئندہ باب فی خبر النضیر میں متن میں آرہا ہے، چنانچہ ان سے مقابلہ کی نوبت آئی تو وہ بھی قلعہ بند ہو گئے حتیٰ کہ عاجز ہو کر جلا وطنی منظور کی اور یہ لوگ مدینہ سے نکل کر خیبر میں جا بسے اور گویا خیبر یہود کام کر اور ان کی سازشوں کا اڈہ بن گیا، بنو قریظہ سے اس موقع پر مصالحت ہو گئی تھی، چنانچہ آگے روایت میں آرہا ہے عن ابن عمر ان یہود النضیر و قریظہ حاربوا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فاجل رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بنی النضیر و اقر قریظہ۔۔۔ حدیث یعنی اس موقع پر بنو قریظہ کو مدینہ میں برقرار رکھا گیا، لیکن ان لوگوں نے غزوہ احزاب کے موقع پر مشرکین کا ساتھ دیا چنانچہ آپ نے غزوہ احزاب سے فارغ ہو کر شہرہ میں ان پر چڑھائی کی وہ بھی قلعہ بند ہو گئے اور انہوں نے مجبور ہو کر قبیلہ اوس کے مسلمانوں کو بیچ میں ڈال کر حضرت سعد بن معاذ الاوسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم بنایا، انہوں نے ان کے قتل کا فیصلہ دیا جس پر یہود بنو قریظہ کے مردوں کو جن کی تعداد روایات میں چار سو آتی ہے سب کو مدینہ منورہ میں قتل کیا گیا، اور یہ اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ بنو نضیر مدینہ سے اجڑ کر خیبر جا بسے تھے اور ہر وقت مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتے رہتے تھے یہاں تک کہ سنہ ۱۰ء میں آپ نے ان پر خروج فرمایا مسلمانوں کو فتح ہوئی، غنیمت میں مسلمانوں کو بہت مال و دولت حاصل ہوئی، حضرت علی فاتح خیبر مشہور ہیں، باقی اس فتح میں ان کو وہاں سے نکالا نہیں گیا بلکہ معاہدہ ہو گیا کہ وہ وہیں ذمی بن کر رہیں گے، مزید برآں ان لوگوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے یہ گزارش کی کہ آپ حضرات کو تو اپنے دین کے کاموں ہی سے فرصت نہیں ہے آپ کا کام کاشتکاری نہیں ہے، ان زمینوں اور باغات کو ہمارے ہی حوالہ فرمادیں ہم ہی ان زمینوں میں کاشت کریں گے اور آپ کو تیار غلہ ملا کرے گا، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے اس پر مزارعت کا معاملہ فرمایا جس کو معاہدہ بھی کہتے ہیں، اور باغات کا بھی معاملہ کر لیا جس کو مساقاۃ کہتے ہیں یہ بہت بڑے

بڑے کھجوروں کے باغات تھے یہ اور ان سے اس وقت یہ طے ہو گیا کہ تم یہاں رہتے ہوئے کاشت وغیرہ کرتے رہو، جب مسلمان چاہیں گے تمہارا یہاں سے اخراج کر دیں گے، حضرت صدیق اکبر کی خلافت تک تو وہ ہاں بسے رہے، حضرت عمر کی خلافت کا جب زمانہ آیا تو انہوں نے ان کو اریحار اور تیمار کی طرف نکال دیا تھا جیسا کہ آگے روایت میں آ رہا ہے۔ شروع میں یہ مختصر تاریخ غزوات یہودی کی اور ان کے ساتھ جہاد کی مجملہ لکھ دی تاکہ آئندہ الجواب اور ان کی احادیث کے سمجھنے میں سہولت ہو جائے۔ واللہ تعالیٰ الموفق والمیسر۔

عن عبد الرحمن بن عبد اللہ بن کعب بن مالک عن ابیہ۔ وكان احد الثلاثة الذين تيب عليهم عبد الرحمن اپنے باپ عبد اللہ بن کعب سے روایت کرتے ہیں، آگے روایت میں ہے: وكان احد الثلاثة ضمیر بظاہر عبد اللہ کی طرف لوٹ رہی ہے، مگر مراد وہ نہیں بلکہ ان کے باپ کعب بن مالک مراد ہیں (یہ امر قابل تنبیہ ہے) ورنہ ظاہر عبارت سے خلاف واقعہ کا شبہ ہوتا ہے

**کعب بن الاشرف یہودی کے قتل کا قصہ** | یہ کعب بن الاشرف یہودی قینقار سے تھا بہت شان ہاں والا اور شاعر قسم کا آدمی تھا اور بڑا موزی تھا، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اشعار میں ہجو کرتا تھا، اور کفار قریش کو مسلمانوں کے خلاف ابھارتا تھا، آگے راوی کہتا ہے کہ جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو وہاں کی آبادی مخلوط تھی مسلمین اور مشرکین اور یہود سب ہی وہاں بسے تھے اور یہ یہودی حضور اور آپ کے اصحاب کو ایذا پہنچاتے تھے، اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو عفو اور صبر کا حکم دیتے رہے، چنانچہ آپ ان کو درگزر فرماتے رہے، فلما ابی کعب بن الاشرف ان یئزع عن اذی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم امر النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سعد بن معاذ ان یبعث رھطاً یقتلونه فبعث محمد بن مسلمہ۔

یعنی جب کعب بن الاشرف آپ کو اذیت پہنچانے سے کسی طرح باز نہ آیا تو آپ نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم فرمایا کہ ایک جماعت کو اس کے قتل کے لئے بھیجیں، چنانچہ انہوں نے محمد بن مسلمہ وغیرہ کو بھیجا۔ آگے روایت میں یہ ہے کہ جب کعب بن الاشرف کو قتل کر دیا گیا جو ان کے ایک ہم آدمی کا قتل تھا تو اس پر یہود اور مشرکین سب گھبرائے اور چونکہ یہ قصہ ان کے قتل کا رات میں پیش آیا تھا اس لئے یہ لوگ علی الصبح حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پہنچے اور آپ سے جا کر شکایت کی کہ رات ہمارا فلاں آدمی مار دیا گیا ہے، تو آپ نے ان سے اس کی شرارتوں اور ایذا رسائیوں کا ذکر فرمایا، پھر آپ نے ان کے سامنے معاہدہ کی بات رکھی، چنانچہ عہد نامہ لکھا گیا، روایت میں اتنا ہی،

لے چنانچہ ان باغات میں ایک باغ کا نام کتیثہ ہے جس کا ذکر باب ماجاء فی حکم ارض خبیر میں ایک روایت میں اس طرح ہے کہ امام مالک سے ان کے شاگرد نے پوچھا کہ کتیثہ کیا چیز ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ خبیر کا ایک باغ ہے جس میں چالیس ہزار کھجور کے درخت تھے۔

لیکن صرف اس سے ترجمۃ الباب سے مناسبت ظاہر نہیں ہوتی اس لئے یہ کہا جائے گا کہ اس حدیث میں معاہدہ کا ذکر ہے  
یہی تو سبب بنان کے اخراج کا کہ چونکہ وہ اپنے معاہدہ پر قائم نہیں رہے اور نقص عہد کیا اسی پر ان سے قتال اور اخراج ہوا  
اس روایت میں یہ ہے کہ آپ نے قتل کعب کا حکم سعد بن معاذ کو دیا، حالانکہ اس سے پہلے کتاب الجہاد میں باب فی العہد  
یونانی علی غرقہ میں یہ گزر چکا کہ آپ نے فرمایا: من لکعب بن الاشرف؛ فقام محمد بن مسلمۃ الحدیث بطولہ، جس میں اس کے قتل کی  
تفصیل مذکور ہے، اس اشکال کا جواب بظاہر وہاں گزر چکا ہوگا، وہ یہ کہ اصل تو وہی روایت ہے جو پہلے گزر چکی لیکن جب  
محمد بن مسلمہ قتل کے لئے تیار ہو گئے تو آپ نے چاہا کہ ان کے ساتھ چند آدمی اور کر دیئے جائیں چنانچہ سعد بن معاذ وغیرہ کو  
ان کے ساتھ بھیج دیا۔

یہ قتل کعب ربیع الاول ۱۰۰ھ میں پیش آیا، اور اس روایت میں یہ ہے کہ یہود کے ساتھ معاہدہ اس واقعہ کے بعد  
ہوا، اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ یہود کے ساتھ معاہدہ کی ابتداء ۱۰۰ھ سے ہے۔

وقد اخرج البخاری ومسلم وابوداؤد والنسائی قتل کعب بن الاشرف اتم من ہذا، وقد تقدم فی کتاب الجہاد، قال المنذری۔

من ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال لما اصاب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قریشا  
یوم بدر وقدم المدینۃ جمع الیہود فی سوق بنی قینقاع، فقال یا معشر یہود اسلموا قبل ان یشیبکم مثل  
ما اصاب قریشا۔

**مضمون حدیث** | یعنی جب آپ نے جنگ بدر میں قریش پر فتح پالی اور بدر سے مدینہ واپس پہنچ گئے تو آپ نے یہود کو جمع  
کیا اور فرمایا کہ تم لوگ اسلام لے آؤ قبل اس کے کہ تم پر وہ مصیبت آئے جو قریش پر آئی، اس پر  
انہوں نے آپ کو یہ جواب دیا کہ دیکھئے آپ کو یہ چیز دھوکہ میں نہ ڈالے کہ آپ نے اپنی قوم قریش کے چند افراد کو قتل کر ڈالا، کانوا اعضاءاً  
(یہ غم کی جمع ہے بمعنی نا تجربہ کار اور ناٹری) جو کہ ناٹری تھے، جنگ کرنا نہیں جانتے، فزون حرب سے واقف نہیں، آپ ہم سے  
قتال کر کے دیکھئے تو آپ پہچان جائیں گے کہ ہم یعنی یہودی انسان ہیں، اور آپ کو ابھی تک ہم جیسوں سے سابقہ نہیں پڑا  
اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ قتل للذین کفروا مستغلبون و یخشون اللہ جہنم۔

حدثنی بنت محیصۃ عن ابیہا محیصۃ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال من  
ظفر تحربہ من رجال یہود فاقتلوا۔ یعنی ایک دن آپ نے یہ فرمایا کہ رجال یہود میں سے جو بھی نے اسے قتل کر ڈالا،  
تو راوی حدیث یعنی محیصہ خود اپنے بارے میں کہتے ہیں کہ ایک یہودی شبیبہ نامی جو تجارت یہود سے تھا اور ان محیصہ کا  
اس کے ساتھ رہن ہن اور لہن دین بھی تھا (مگر چونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد تھا اس لئے) محیصہ نے  
اس کو قتل کر دیا اور محیصہ کا بڑا بھائی حویصہ جو اس وقت تک اسلام نہیں لایا تھا اس کو اس پر بہت غصہ آیا، اور لگا  
محیصہ کی پٹائی کرنے اور کہتا تھا ائی عذرا اللہ اما اللہ لو لم یطعن فی بطنک من ماله کہ اے اللہ کے دشمن تیرے

پیٹ میں بہت ساری چربی اسی کے مال سے پیدا ہوئی ہے جس کو تو نے قتل کر دیا۔

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ قال بینا نحن فی المسجد اذ خرج الینا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فقال انطلقوا الی یہود فخرجنا معہ حتی جئناہم۔

**مضمون حدیث** حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم بہت سے لوگ مسجد میں بیٹھے تھے، اچانک

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تشریف لاتے ہماری طرف، پس فرمایا کہ چلو یہود کی طرف، ہم آپ کے ساتھ چل دیے حتیٰ کہ آپ ان کے یہاں پہنچے، آپ نے وہاں کھڑے ہو کر ان کو پکار کر فرمایا یا معشر یہود اسلموا تسلموا

کہ اے یہودیو! اسلام لے آؤ تاکہ صحیح سالم رہو (اور نہ تمہاری خیر نہیں) انہوں نے یہ سن کر کہا قد بلغت یا ابا القاسم

کہ آپ نے اپنی بات ہم تک پہنچا دی ہے حضور نے پھر یہی فرمایا۔ انہوں نے بھی پھر وہی اس کے جواب میں کہا، اس پر آپ

نے فرمایا لک اربید کہ ہاں بس میں بھی یہی چاہتا تھا (کہ تم میری تبلیغ کا اقرار کرو) اور اس کے بعد پھر آپ نے یہ فرمایا:

جان لو کہ بلا شک یہ زمین اللہ اور اس کے رسول کی ہے، اور میں تم کو یہاں سے نکالنے کا ارادہ کر رہا ہوں، پس جو شخص

تم میں سے اپنے مال کے بدلہ میں کچھ حاصل کر سکتا ہو۔ تو اس کو فروخت کر دے، یعنی جو مال تمہارا ایسا ہے کہ تم اٹھا کر

بیجا سکتے ہو اس کو اٹھا کر بیجاؤ، اور جس کو اٹھا کر نہیں بیجا سکتے اور اس کا عوض تمہیں یہاں مل سکتا ہو یعنی کسی خریدار

سے تو اس کو فروخت کر دو، اور اگر نہیں بیچو گے تو نقصان تم ہی اٹھاؤ گے اور یہ اچھی طرح جان لو کہ زمین تو ہماری ہے۔

بنو نضیر جو مسلمانوں کے محاصرہ پر قلعہ بند ہو گئے تھے تو وہ جلا وطنی کی شرط منظور کر کے نیچے اترے تھے اس طور پر کہ

جو سامان قابل نفل ہے اس کو تم جس طرح بھی بیجا سکتے ہو بیجاؤ، زمین جو ہے وہ تو اللہ تعالیٰ کے رسول کے لئے ہو چکی

ہے، چنانچہ انہوں نے منقولات کو منتقل کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، دروازے اور چوکھٹے تک اتار کر ساتھ لے گئے

اس آیت کریمہ میں اسی کی طرف اشارہ ہے "يُخْرِجُونَ نَبِيَّتَهُمْ بِأَيْدِي الْمُؤْمِنِينَ"۔

**ایک اشکال و جواب** اس حدیث میں ظاہر یہ ہے کہ یہود بنو نضیر کا ذکر ہے، سیاق روایت سے ہی ظاہر ہوتا ہے

اس لئے کہ نہ تو وہ خاص مدینہ کے اندر تھے اور نہ زیادہ فاصلہ پر تھے جس کیلئے لمبی چوڑی مسافت

طے کرنی پڑے یا سواری کی ضرورت پڑے، مختصر سی مسافت تھی جہاں پیدل چل کر پہنچ گئے جیسا کہ روایت سے استفاد

ہو رہا ہے، لیکن اس پر۔ اشکال یہ ہوتا ہے کہ ان کا اجلار تو مسلمانوں میں ہوا تھا اور یہاں پر اس قصہ کے راوی حضرت

ابو ہریرہ ہیں جن کا اسلام مسلمانوں میں ہے تو پھر ابو ہریرہ کا خروج حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کیسے

ہو سکتا تھا، اس کی توجیہ یہ کی گئی ہے کہ اس سے جملہ بنو نضیر مراد نہیں بلکہ ان میں سے بعض اور بقایا جو وہاں رہ گئے ہونگے

اور یا پھر یہ کہا جائے کہ حدیث مرسل صحابی ہے، لکن مقدمہ ہذا التوجیہ فی حدیث ذی الیدین۔

والحدیث اخرجه البخاری وسلم والنسائی، قالہ المنذری۔

## باب فی خبر النصیر

ای فی بیان ما فعلوا بالنبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم واصحابہ وما آل الیہ امر ہم من اخراجہم واجلاہم من المدینۃ۔  
اس باب میں مصنف نے وہ حدیث ذکر کی ہے جس میں بنو نصیر کے نقص عہد اور غداری کا ذکر ہے جس کے نتیجے میں  
حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ نے ان پر چڑھائی کی، جس پر عاجز آکر وہ جلا وطنی کی شرط پر نیچے اترے اور  
مدینہ چھوڑ کر چلے گئے، مسلمانوں کے ساتھ انہوں نے کیسے غدر کرنا چاہا تھا اس کا بیان آگے آئے گا۔

عن رجل من اصحاب النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان کفار قریش کتبوا الی ابن ابی و من  
کان یعبد معہ الاوثان من الاوس والخزرج۔

**مضمون حدیث** | یہ ہے کہ جنگ بدر سے پہلے کا واقعہ ہے کہ کفار قریش نے رأس المنافقین عبداللہ بن ابی جو کہ مشرکین  
میں سے تھا اور جو اس کے ساتھ دوسرے مشرک تھے ادس و خزرج میں سے، ان کو یہ لکھ کر بھیجا کہ  
تم نے ہمارے آدمی کو پناہ دی ہے اور اس کو اپنے یہاں ٹھہرایا ہے (یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) ہم تم کو خبردار  
کرتے ہیں کہ یا تو تم اس کے ساتھ قتال کرو یا اس کا وہاں سے اخراج کرو، ورنہ ہم قسم کھا کر کہتے ہیں کہ ہم سارے مکہ  
والے تم پر چڑھائی کر دیں گے، تمہارے مقابلین یعنی مردوں کو قتل کر ڈالیں گے اور تمہاری عورتوں کو اپنے لئے مسباح  
کریں گے جب عبداللہ بن ابی کے پاس ان کی یہ تحریر اور دھکی پہنچی تو وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ قتال  
کرنے کے لئے جمع ہونے لگے، جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اس بات کی خبر ہوئی تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم  
ان کے پاس تشریف لے گئے ملاقات کے لئے، جب آپ وہاں پہنچے تو آپ نے ان لوگوں کے سامنے یہ بات رکھی کہ مجھے  
معلوم ہوا ہے کہ تمہارے پاس قریش کی حد درجہ کی وعید پہنچی ہے، دیکھو! یہ قریش تم کو اتنا نقصان نہیں پہنچا سکتے  
جتنا تم خود اپنے آپ کو نقصان پہنچانے کا ارادہ کر رہے ہو، پھر اگلے جملہ سے آپ نے اس کی تشریح فرمائی تو یہ دونوں  
ان تقاتلوا ابناءکم و اخوانکم کیا تم خود اپنے ہاتھ اپنی ہی اولاد اور بھائیوں کو قتل کرنا چاہتے ہو، مطلب یہ تھا کہ  
تم میں سے بعض کی اولاد اور بعض کے بھائی اور دوسرے اعزہ اسلام لاکر ہمارے ساتھ ہو گئے ہیں تو اس صورت میں  
مسلمانوں پر حملہ کرنا خود اپنے لوگوں پر حملہ کرنا ہے۔ آگے روایت میں ہے کہ جب ان لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم  
کی یہ تقریر سنی تو وہ سب لوگ جو قتال کیلئے جمع ہو گئے تھے منتشر ہو گئے اس ساری بات کی اطلاع کفار قریش کو بھی ہو گئی، تو اب  
کفار قریش نے دوبارہ تحریر لکھی اور یہ جنگ بدر کے بعد کی بات ہے، اور اس مرتبہ بجائے مشرکین کے یہود کی طرف وہ  
تحریر لکھی جس کا مضمون یہ ہے کہ بیشک تم ہتھیار والے ہو قلعوں والے ہو (ایسے ہو اور ویسے ہو) یا تو تم ہمارے  
آدمی کو قتل کرو ورنہ ہم تمہارا یہ کر دیں گے وہ کر دیں گے اور ہمارے درمیان اور تمہاری عورتوں کے پار یہوں کے درمیان



کوئی چیز حاصل نہ رہے گی، یعنی ہم ان کی عصمت دری کریں گے۔ (خدم جمع خدمۃ کی یعنی پازیب جس کو راوی کہہ رہا ہے) وہی الخلا خیل فلما بلغ کتابہم النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یعنی پس جب ان کی یہ تحریر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچی۔ یہاں پر یہ اشکال ہے کہ وہ تحریر تو یہود کے نام تھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس کیسے پہنچی چنانچہ درمنثور کی روایت میں ہے فلما بلغ کتابہم الیہود جواب یہ ہے کہ تقدیر عبارت یہ ہے فلما بلغ خبر کتابہم اصل کتاب مراد نہیں بلکہ اس کی خبر آگے روایت میں ہے۔ اجمعت بنو نضیر بالغدر فارسلوا الی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم أخرج الینا فی ثلاثین رجلا من اصحابک۔

**بنو نضیر کا آپ کیساتھ غدر وقتک کا قصہ** | یعنی یہود بنو نضیر نے کفار قریش کی اس وعید پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ غدر کا ارادہ کیا، یعنی آپ کے قتل کی خفیہ سازش دھوکہ دیکر چنانچہ آپ کے سامنے بات رکھی گئی مذہب اسلام کو قبول کرنے نہ کرنے کی، وہ یہ کہ انہوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس یہ کہلویا کہ تیس آدمیوں کو آپ لے کر چلے اور تیس آدمی ہمارے احبار علماء یہود نکلیں، اور کسی معین جگہ پر ملاقات کریں اور ہمارے احبار آپ کی بات سنیں، پس اگر انہوں نے آپ کی تصدیق کر دی اور آپ پر ایمان لے آئے تو ہم سب بھی آپ پر ایمان لے آئیں گے مصنف نے یہ واقعہ اتنا ہی ذکر کیا، آگے کیا ہوا اس کو یہ کہہ کر چھوڑ دیا فقط خبر یہ یعنی راوی نے پورا قصہ بیان کیا، اس قصہ کو حضرت نے بذل میں سیوطی سے نقل کیا ہے وہ اس طرح کہ حسب قرار داد دونوں طرف سے تیس تیس نفر چل دیے، یہ منظر دیکھ کر بعض یہود کو تردد ہوا کہ جب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیساتھ تیس آدمی ہیں تو پھر تم ان تک کیسے پہنچ سکو گے، ان میں سے تو ہر ایک کا مال یہ ہے کہ وہ یہ چاہتا ہے کہ آپ سے پہلے میری موت آجائے، تو انہوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو یہ کہلا بھیجا کہ ہم سب مل کر ساتھ آدمی ہو گئے، ساتھ آدمیوں کے درمیان مسئلہ کیسے حل ہوگا، یعنی یہ بڑی جماعت ہو گئی اس میں سب کا ایک رائے پر متفق ہونا مشکل معلوم ہوتا ہے، لہذا آدمیوں کی تعداد میں کمی کرنی چاہیے، بجائے تیس کے تین آپ لیں، تین ہم، چنانچہ پھر ایسا ہی ہوا صرف تین تین ہو گئے، لیکن ان خبیثوں نے خنجر اپنے ساتھ خفیہ طور پر لے لئے کہ فی الواقع مناظرہ مقصود نہیں تھا بلکہ دھوکہ سے قتل کرنا چاہتے تھے، اللہ تعالیٰ نے غیب سے آپ کی حمایت کی یہ صورت پیدا فرمائی کہ ایک یہودی عورت کا بھائی مسلمان تھا اس کو اپنے بھائی کی فکر ہوئی تو اس نے چپکے سے اپنے بھائی کے پاس یہود کی اس خفیہ سازش کی خبر پہنچا دی، اس کا بھائی فوراً دوڑا ہوا حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پہنچا اور آپ سے اس بارے میں سرگوشی کی، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ابھی تک یہود کے پاس پہنچے نہیں تھے اسلئے آپ لوٹ آئے، پھر اگلے دن آپ نے ان پر علی الصبح چڑھائی کر دی جیسا کہ یہاں روایت میں ہے۔

لے قصہ کی غیر راوی کی طرف راجع ہے، اور صاحب عون المعبود سے یہاں پر چوک ہوئی کہ انہوں نے اسکی خفیہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوطی، کنانی البذل

فلما كان الغد عند اعلیٰهم رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم بالكتائب فجمعهم، سارے دن ان سے قتال ہوا اور پھر اگلے روز علی الصباح بنو قریظہ پر آپ نے چڑھائی کی، اور بنو نضیر جو قلعہ بند ہو گئے تھے ان کو اسی حال میں چھوڑا، اور بنو قریظہ کے سامنے آپ نے معاہدہ کی بات رکھی وہ معاہدہ کے لئے تیار ہو گئے، لہذا آپ وہاں سے لوٹ آئے اور اگلے روز پھر بنو نضیر کی طرف متوجہ ہو گئے قتال کے لئے، حتیٰ نزول علی الجلاء فجعلت بنو النضیر ای الی الشام وبعضہم الی خیبر، اور اپنا سامان اونٹوں پر لاد کر لے گئے، دروازے اور ان کی لکڑیاں مکہ آگے راوی کہہ رہا ہے کہ: فکان نخل بنی النضیر لرسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم خاصة، آگے جو روایت کا مضمون ہے وہ ہمارے یہاں پہلے گزر چکا۔

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان یہود النضیر وقریظۃ حار ہوا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔ اس روایت کا مضمون ہمارے یہاں پہلے گزر چکا، اس روایت کے اخیر میں یہ ہے کہ مدینہ میں جتنے یہودی تھے بنی قینقاع (قوم عبد اللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اور یہود بنو حارثہ اور ہر اس یہودی کو جو مدینہ میں تھا آپ نے سب کو مدینہ سے نکال دیا۔ والحدیث اخرجه البخاری وسلم قال المنذری۔

## باب ماجاء فی حکم ارض خیبر

باب متعلق مباحث اربعہ مفیدہ | ترجمہ الباب اور اس کی احادیث کو سمجھنے کے لئے بطور تمہید چند امور کا جاننا ضروری ہے (۱) آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یہود خیبر کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا، اور خیبر کو کیسے فتح کیا صلحا یا عنوة (۲) فتح کے بعد ارض خیبر کو کیسے تقسیم فرمایا (۳) ارض نفوصہ کا حکم بتایا اس کی تقسیم ضروری ہے یا غیر ضروری (۴) ارض خیبر عشری ہے یا خراجی، کونسی زمین عشری ہوتی ہے اور کون سی خراجی، یہ سب اہم علمی مباحث ہیں اب ہم ان امور کو ترتیب وار بخون اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں وہو الموفق والمیسر۔

بحث اول: گذشتہ روایات کے ضمن میں یہ آچکا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جب اخراج الیہود من المدینہ سے فارغ ہو گئے تو پھر مدینہ میں آپ خیبر کی طرف متوجہ ہوئے ان کے ساتھ قتال اور محاصرہ وغیرہ سب چیزوں کی نوبت آئی اور آخر کار اللہ تعالیٰ کے فضل سے مسلمانوں نے یہود کو زیر کر کے خیبر کو فتح کر لیا، اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ پورا خیبر عنوة فتح ہوا یا بعض صلحا، اس کی بحث اس باب کی پہلی حدیث کے ذیل میں آرہی ہے۔

بحث ثانی: آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے نصف ارض خیبر کو مجاہدین کے درمیان تقسیم فرمایا، کتاب المجاہد میں مجمع بن جاریہ انصاری کی روایت گزر چکی، اور آگے یہاں بھی آرہی ہے اس میں تقسیم کی تفصیل اس طرح مذکور ہے کہ مجاہدین کی کل تعداد پندرہ سو تھی جس میں بارہ سو راجل اور تین سو فارس تھے، اور چونکہ فارس کا حصہ عند تحقیق دو گنا

ہوتا ہے اسلئے تین سو فارس تھے سو راجل کے برابر ہو گئے بارہ اور چھ کل اٹھارہ ہوئے تو اس نصف ارض کو آپ نے اٹھارہ سہام پر تقسیم فرمایا، ہر سہم مشتمل تھا سو حصوں پر، اور جس روایت میں یہ آتا ہے کہ آپ نے ارض خیمہ کو چھتیس سہام پر تقسیم فرمایا وہ بھی اپنی جگہ درست ہے یعنی مجموعہ زمین کے اعتبار سے، اور نصف ارض کو آپ نے اپنی اور اپنی ازواج اور مصاح مسلمین کے لئے باقی رکھا۔

**بحث ثالث:** ارض مفتوحہ کی تقسیم عند الشافی ضروری ہے اور امام مالک کی رائے یہ ہے کہ اس کو تقسیم نہیں کیا جائے گا، بلکہ ایقاف ضروری ہے یعنی اس کی آمدنی بیت المال میں رہے گی اور مصاح مسلمین میں اس کو صرف کیا جائے گا، اور حنفیہ و حنابلہ کے نزدیک اس کی تقسیم اور عدم تقسیم علی رأی الامام ہے اس کو دونوں کا اختیار ہے، اس میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عمل ایقاف اور ترک تقسیم تھا، اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے تقسیم اور عدم تقسیم دونوں کا ثبوت ہے، لہذا حنفیہ اور حنابلہ کے مسلک پر تو کوئی اشکال وارد نہیں ہوتا، اسی طرح امام مالک کے مسلک پر بھی۔ کوئی خاص اشکال نہیں کیونکہ آپ سے دونوں طرح ثابت ہے، البتہ حضرت امام شافعی کے مسلک پر اشکال ہوگا عمل عمر سے اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ لم یقسم عمر برضا الغائبین یعنی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس زمین کو تقسیم نہیں فرماتے تھے غائبین کی اجازت اور ان کی رضا مندی سے، لیکن اس جواب پر اشکال ہے چنانچہ ابن قیم فرماتے ہیں: ولا یصح ان یقال انه استأذن

لہ اور اگر فارس کے لئے تین سہام ہوتے کما قال الاممۃ الثلاثہ - والعاصمان، تو پھر اس کا مقتضی یہ تھا کہ ارض خیمہ کو اکیس سہام پر تقسیم کیا جاتا یہ بحث کتاب الجہاد میں گذر چکی ہے۔

**ارض مفتوحہ کی تقسیم و ترک تقسیم کی بحث** | ابن قیم فرماتے ہیں کہ جمہور صحابہ اور ان کے بعد ائمہ کی رائے یہ ہے کہ ارض مفتوحہ غنائم میں داخل ہی نہیں ہے، چنانچہ خاٹا، راشدین کا طرز عمل یہی رہا ہے اسی لئے حضرت بلال اور ان کے اصحاب نے جب حضرت عمر سے مطالبہ کیا اس بات کا کہ وہ زمین جس کو انہوں نے غنۃ فتح کیا ہے وہی ارض الشام و ماحولہا کو اس کا شمس نکال کر باقی کو تقسیم کر دیجئے تو اس پر حضرت عمر نے فرمایا کہ شمس نکال کر باقی کو تقسیم کر نہ دیں اس میں داخل نہیں ہے اسلئے میں تو اس کو روک کر رکھوں گا تم اور سب مسلمانوں کی ضروریات کے لئے، لیکن اس کے بعد بھی حضرت بلال اور ان کے اصحاب نے تقسیم ہی پر اصرار کیا تو اس پر حضرت عمر نے فرمایا: اللہم اکنفی ہلاکاً و ذویہ، باقی تمام صحابہ کو حضرت عمر کی اس رائے سے اتفاق ہوا، پھر آگے ابن قیم نے حضرت عمر کی اس رائے کی بہت زیادہ تعریف اور اس کے ثمرات و فوائد لکھے، حضرت عمر کے اس طرز پر حضرت بلال وغیرہ صحابہ کی ناگواری کی طرف اشارہ حضرت عمر کے کلام میں صحیح بخاری کی روایت میں بھی موجود ہے، اس کی ایک طویل حدیث میں ہے و امیر اللہ انہم لیرون انی قد ظلمتہم الحدیث۔ (بخاری کتاب الجہاد ص ۳۰۳) باب اذا سلم قوم فی دار الحرب (۱) اونی البدایت اذا فتح الامام بلاداً غنۃ فهو بالخیار ان شاء قہبہا میں المسلمین کا فعل علیہ الصلوٰۃ والسلام بخیر دان شار اقرار صلح الجریۃ علیہم و علی اراضہم الخراج کا فعل عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بسواد العراق بموافقة من الصحابة، وفي العقار خلاف الشافعی، اونی آخرہ اللہ من ہامش البدل مختصراً۔

نفوسہم ووقعہا برضاہم فانہم قد نازعوا فی ذلک وہو یابی علیہم ودعا علی بلال واصحابہ، یعنی حضرت بلال اور ان کے بعض ساتھیوں کو حضرت عمرؓ نے جب وہ فعل عمرؓ پر راضی نہ ہوئے تو انہوں نے ان کو بددعا بھی دی۔

بحث رابع: زمین کے عشری اور خراجی ہونے کے اعتبار سے جو تفصیل ہے یہ اس طرح ہے مزید تفصیل کیلئے مطولات کی طرف رجوع کیا جائے حضرت شیخ کے حاشیہ بذل میں اس کے بارے میں بہت سی کتب کے حوالے اور کچھ عبارات درج ہیں۔ صاحب بدائع نے بھی اس پر تفصیل سے کلام فرمایا ہے

جاننا چاہیے کہ ارض کی اولاد دو قسمیں ہیں، مفتوحہ اور غیر مفتوحہ، غیر مفتوحہ سے مراد وہ زمین جس کو فتح کرنے کی نوبت نہیں آئی بلکہ اس کے باشندگان خود بخود اسلام میں داخل ہو گئے جیسے ارض یمن و مدینہ و طائف و بحرین، یہ قسم ثانی زمین کی عشری ہے، اور قسم اول یعنی ارض مفتوحہ اس کی پھر دو قسمیں ہیں ارض عنوہ، و ارض صلیح، عنوہ: جس کو قتال کے ذریعہ فتح کیا گیا ہو، جیسے ارض عراق و مصر و شام و خیبر، اور دوسری وہ ہے جس کو خراج معین پر صلح کر کے فتح کیا گیا ہو، جیسے ارض خیراٹ، اس قسم ثانی کا حکم یہ ہے کہ جس چیز پر ان سے صلح ہوئی بس وہی ان سے لیا جائے گا، وہی اس کا خراج ہے اور قسم اول یعنی ارض عنوہ اس کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جس کو غنائم کے درمیان تقسیم کر دیا گیا ہو جیسے نصف ارض خیبر، اور دوسری وہ جس کو فتح کے بعد کفار سے نہ لیا گیا ہو بلکہ ان ہی پر چھوڑ دیا گیا ہو جیسے باقی نصف ارض خیبر اور اسی طرح ارض عراق وغیرہ ان دو میں سے اول عشری ہے اور دوسری خراجی (مفتوحات المہدائے)

نیز بدائع میں لکھا ہے کہ تمام ارض عرب عشری ہے جس سے مراد ارض حجاز و تہامہ و یمن اور مکہ مکرمہ و طائف ہے، اور یہ زمین عشری اس لئے ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے بعد خلفاء راشدین نے ارض عرب سے خراج وصول نہیں کیا، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ عشری ہے اس لئے کہ زمین احدی الثو و تین سے خالی نہیں ہوتی یا اس سے عشر وصول کیا جائے گا یا خراج۔

اراضی ہند عشری ہیں یا خراجی؟ یہاں یہ سوال ہوتا ہے کہ اراضی ہند کیا ہیں عشری یا خراجی؟ اس کے بارے میں فتاویٰ رشتیہ میں اس طرح ہے، مسئلہ: ہمارے یہاں کی ارضیات عشری ہیں یا خراجی؟

لے نصاریٰ و خیران سے مصالحت کیڑے کے دو ہزار چوروں پر ہوئی تھی جیسا کہ آگے۔ باب فی اخذ الجزیۃ میں آ رہا ہے صالح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اہل خیران علی النبی علیہ السلام، النصف فی صغر النصف فی وجب لہ و نہا الی المسلمین احادیث۔ لے ایسے ہر مکہ مکرمہ کی زمین بھی کیونکہ مکہ مکرمہ کو عنوہ فتح کیا گیا اور اس کی زمین کو اس کے ارباب پر چھوڑ دیا گیا، غنائم میں تقسیم نہیں کیا گیا، لہذا قیاس کا تقاضا تو یہی ہے کہ وہ خراجی ہو لیکن چونکہ خراج میں صفار یعنی زلت کے معنی پائے جاتے ہیں جو کہ کی شان کے خلاف ہے اسلئے اس کو خراجی نہیں قرار دیا گیا، ارض مکہ کے بارے میں آگے مستقل باب ہمارے

اور عملداری جائز ہے یا نہیں؟ الجواب: ارضیات ہند بعضی عشری میں بعضی خراجی، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ رشید احمد عفی عنہ۔  
نیز اس میں یہ سوال وجواب بھی مذکور ہے، مسئلہ: یہاں زمینوں میں سرکاری جمع ہے اور معانی بھی ہیں، لہذا ایسی زمینوں میں  
عشر ہے یا نہیں؟ الجواب: زمین معانی ہو یا اس میں مالگذاری سرکاری ہو، محصول بجائے خراج تو کافی ہے مگر بجائے عشر  
کافی نہیں ہو سکتا، پس اگر زمین عشری ہے تو عشر ادا کرنا چاہیے، اور اگر خراجی ہے تو خراج اس کا مالگذاری سرکاری میں  
محسوب ہو سکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

**حضرت گنگوہی کی رائے** | حضرت گنگوہی کے جواب میں تو اجمال ہے کہ ہندوستان کی بعض زمینیں عشری ہیں اور

بعض خراجی، اب یہ کہ کونسی عشری ہیں اور کونسی خراجی اس کے جاننے کے لئے دوسری  
کتاب فتاویٰ کی طرف رجوع کرنا چاہیے، خود فتاویٰ رشیدیہ میں جو عشر و خراج کے مسائل مذکور ہیں اس سے بھی اس میں  
استفادہ ہو سکتا ہے آگے العرف الشذی سے حضرت گنگوہی کی مزید رائے آرہی ہے، فتاویٰ محمودیہ ج ۳ میں یہ سوال جواب  
مختلف انداز میں مفصل و مجمل مختلف زمانوں کا لکھا ہوا موجود ہے، اس پر سے مجموعہ ہی کو دیکھنے سے یہاں بھی نتائج ماحصل  
ہو سکتی ہے، بہر حال ایک جگہ (صفحہ ۱۵۷) میں اسی سوال کے جواب میں کہ ہندوستان کی زمینیں عشری ہے یا خراجی اس طرح تحریر  
فرمایا ہے، جو زمینیں بادشاہ اسلام کے وقت سے مسلم کی ملک و قبضہ میں ہیں ان میں عشر ہے، نیز جو زمینیں اس وقت  
مسلم کی ملک و قبضہ میں ہیں اور کسی غیر مسلم سے منتقل ہو کر ملک مسلم میں آنا معلوم نہیں تو بنا بر استحباب حال ان پر قبضہ مسلم  
ستمران کران کو بھی عشری قرار دیا جائے گا حکومت جو محصول لیتی ہے وہ خراج میں محسوب ہو سکتا ہے لیکن عشر کے حق میں  
محسوب نہیں ہو سکتا، فتاویٰ رشیدیہ حصہ سوم ۵۵ میں اسکی تصریح موجود ہے۔

بعض علماء نے ہندوستان کے دارالحرب ہونے کی بنا پر یہاں کی زمینوں کو دونوں قسم کی موتوں عشر و خراج سے مستثنیٰ  
کر دیا ہے..... حکومت اگر ارض عشریہ سے خراج وصول کرے تو یہ ناجائز ہے اور اس سے عشر ادا نہیں ہوگا کیونکہ  
حکومت مصرف زکوٰۃ نہیں، فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مظاہر علوم سہارنپور  
۱۸/۴/۱۳۵۵، الجواب صحیح سعید احمد عفی عنہ مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور (فتاویٰ محمودیہ ص ۱۵۷)

**مولانا انور شاہ صاحب کی رائے** | اور حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ تعالیٰ کی رائے العرف الشذی ص ۲۴۲ میں یہ

تحریر ہے کہ اراضی ہند میں عشر واجب نہیں اس لئے کہ وہ دارالحرب کی اراضی ہیں  
ہذا حاصل لی من کتب الفقہ، اور آگے دارالحرب کی تعریف یہ فرمائی ہے کہ دارالحرب وہ مقام ہے کہ جس میں فصل الامور یعنی  
خصوصات و مقدمات کا فیصلہ کفار کے ہاتھ میں ہو (یعنی کفار کے قانون کے موافق چاہے فیصلہ کرنے والے مسلمان ہوں) اور  
وہ جو بعض لوگوں نے دارالحرب کی تعریف یہ کی ہے کہ دارالحرب وہ ملک ہے جس میں مسلمانوں کو ادا فرض صوم و صلوة سے  
روکا جاتا ہو، یہ صحیح نہیں اور اس تعریف کی کوئی اصل نہیں اور مولانا محمد اعلیٰ تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تصنیف میں

ذکر کیا ہے کہ اراضی ہند نہ عشری ہیں نہ خراجی، بلکہ اراضی حوزہ ہیں یعنی اراضی بیت المال والمملکت، اور میں نے سنا ہے کہ مولانا گنگوہی مرحوم نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ جس شخص کی ملک میں اس وقت جو زمین ہے اور اس شخص کے علم میں یہ بات نہیں کہ اس کی یہ زمین کفار کی طرف سے منتقل ہو کر آئی ہے تو اس پر عشر واجب ہے اھ، اس موضوع پر ایک مستقل تصنیف شیخ جلال الدین تھانیسری رحمۃ اللہ علیہ کی بھی ہے چنانچہ فتاویٰ محمودیہ ص ۵۴ میں ایک سائل کا سوال ہے: اراضی ہند کی عشری وغیرہ عشری ہونے کی تحقیق فرمائیں، علماء نے اس مسئلہ کو ایسا الجھا دیا ہے کہ مسئلہ کا کوئی رخ واضح نظر نہیں آتا، الجواب: حامداً ومصلياً: علماء نے تو بہت سلجھایا ہے، آج ہمیں کئی سو سال پہلے شیخ جلال الدین تھانیسری رحمۃ اللہ علیہ نے جو ضمیمہ خاص تھے حضرت شیخ عبد القدوس رحمۃ اللہ علیہ کے اس مسئلہ پر مستقل رسالہ اپنے وقت میں تصنیف فرمایا جس کا نام رسالہ اراضی ہند ہے، اس میں زمینوں کے اقسام اور ان کے احکام تفصیلاً بیان کئے ہیں، موجودہ دور میں بھی مختلف رسائل لکھے گئے، مولانا محمد حفظ الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی تصنیف، اسلام کا اقتصادی نظام کے اخیر میں اس مسئلہ پر کئی قدر تفصیل سے لکھا ہے، بہت سے علماء اور فتاویٰ کی عبارتیں اس میں درج ہیں۔

اب ان تہذیبی امور کے جاننے کے بعد حدیث الباب کو لیجئے۔

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم قاتل اهل خیبر وغلب علی الارض والنخل والجاہد الى قصورهم فصالحوه علی ان لوسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم الصغار والبیضاء والخلعة، ولهم ما حملت رکابهم۔

**غزوہ خیبر کا بیان** اس حدیث میں غزوہ خیبر اور فتح خیبر کا بیان ہے، حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرما رہے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے اہل خیبر کے ساتھ قتال کیا، اور ان کی زمینوں اور باغات پر غلبہ پالیا اور ان کو مجبور کر دیا قلعہ بند ہونے پر، قلعہ میں محصور ہونے کے بعد انہوں نے آپ سے ان شرائط پر مصالحت کی کہ جو کچھ ہمارے پاس سونا چاندی اور اسلحہ ہے وہ مسلمانوں کے لئے ہے اور ان کے لئے وہ سامان ہوگا جس کو وہ منتقل کر سکیں اس طور پر یہ صلح ہوئی کہ کسی چیز کو (سونا چاندی وغیرہ) چھپائیں گے نہیں اور اس کو غائب نہیں کریں گے، اور اگر انہوں

لے اس کے بعد یہ ہے مختصر عرض یہ ہے کہ جو زمین ملک مسلم نہ ہو جیسا کہ فاتحہ زنداری کے بعد سے یہاں کی زمینوں کا حال ہے ایسی عشر واجب نہیں، فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔ لے اس سے معلوم ہوا کہ یہ باب بہت اہم ہے اسی لئے اسکے واسطے اتنی لمبی تمہید کی ضرورت پیش آئی، دراصل یہ کتاب الخراج والی ساری ہی بہت مشکل اور اہم ہے اسکے سمجھنے کیلئے ہندہ کو بہت محنت کرنی پڑی، احقر کی تو بساط ہی کیا ہے، حضرت مولانا تھانوی نور اللہ تعالیٰ مرقہ نے سورہ ہشر کی ان آیات کی تفسیر کے بعد جن میں اموال فی کا حکم مذکور ہے یہی تحریر فرمایا ہے چنانچہ مختصر تحریر فرماتے ہیں: یہ مقام مثل سورہ براۃ کے احقر کو بہت دشوار معلوم ہوا تھا میرا حادثہ و کتب فقہ کی مراجعت کے بعد غایت جدوجہد سے جو کچھ میں آیا وہ لکھا گیا یہاں بھی عرض ہے کہ اگر اس احسن اور الفتن تفسیر ممکن ہو تو اس کو ترجیح دیجائے اھ ۱۳۲ ج ۱۱

نے ایسا کیا تو پھر ان کے لئے کوئی عہد اور ذمہ نہ ہوگا۔ فقہیو اہل سنت کا لائحہ عمل یہ تھا کہ قتل قبل خیبر کان احتمالہ معریم  
 بقى المنصور حین اجلیت المنصور فیہ خلیفہم، یعنی انہوں نے خلافت معاہدہ حی بن اخطب کا چمڑہ کا مشکیزہ جس میں ان کے  
 زیورات اور سونا چاندی تھے اس کو غائب کر دیا، لکھا ہے کہ اس کے اندر دس ہزار دینار کے بقدر سونا تھا، یہ حی بن اخطب  
 حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا باپ ہی تو ہے بنو قریظہ کا سردار، تو چونکہ اپنی قوم کا چودھری تھا اسی لئے غالباً پوری قوم کے  
 زیورات وغیرہ اس کے پاس محفوظ ہوں گے، راوی کہہ رہا ہے کہ یہ ابن اخطب خیبر سے پہلے ہی مارا گیا تھا، چونکہ بنو قریظہ میں  
 سے تھا اسی لئے ان کے ساتھ شہر میں قتل ہو گیا ہوگا، جنگ بنو نضیر جو اس سے ایک سال پہلے ہوئی ہے جب ان کا اجلاس  
 کیا جا رہا تھا اس وقت اس نے وہ مشکیزہ اٹھالیا تھا، روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے سعید (اسم یہودی)  
 سے دریافت فرمایا کہ حی بن اخطب والا مشکیزہ کہاں ہے؟ تو اس نے کہا اذہبتہ الحروب والنقات، یعنی لڑائیوں  
 اور دوسری ضروریات میں خرچ ہو گیا لیکن بعد میں وہ مل گیا تھا جیسا کہ روایت میں مذکور ہے، فقتل ابن ابی الحقیق،  
 یعنی آپ نے ابن ابی الحقیق (جو کہ قبیلہ بنو نضیر کے سرداروں میں سے تھا اور حضرت صفیہ کا سابق شوہر بھی ہی تھا) اس کو  
 تو قتل کیا اور ان کی عورتوں اور بچوں کو قید کیا، پھر جب ان یہود خیبر کے مردوں کے اخراج کا آپ نے ارادہ فرمایا تو انہوں نے  
 کہا: یا محمد ذلنا نغفل فی هذه الارض، یہ مضمون ہمارے یہاں کہیں گذر چکا یعنی یہود خیبر نے آپ سے بڑی کجاست  
 کیساتھ عرض کیا کہ بیشک اب ان سب زمینوں کے آپ مالک ہیں لیکن کاشتکاری آپ لوگوں کے بس کی نہیں ہے آپ ہمیں  
 یہاں ٹھہرنے کی اجازت دیں تاکہ ان زمینوں میں کھیتی اور باغات کی خدمت ہم کریں اور ان کی پیداوار میں سے نصف ہماری  
 ہو جائے اور نصف آپ کی، آپ نے ان کی اس رائے کو اس شرط کے ساتھ کہ جب ہم چاہیں گے تمہارا یہاں سے اخراج  
 کر دینگے منظور فرمایا۔ وكان رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم يعطى كل امرأة من نسائه ثمانين  
 وستمان تسعة وعشرين وستمان شعير، یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم غنائم خیبر کے فقس سے اپنی ہر زوجہ  
 کو سالانہ نفقہ انسی دس ہزار دینار میں دس ہزار شعیر عطا فرماتے تھے، اور اگلی روایت میں شوہر دس ہزار دینار دے گا تو ہو سکتا ہے  
 شروع میں ثمانین ہو اور بعد میں ایک ٹن کر دیا ہو، اور یا یہ کہیے کہ اہل العدویں کا ذکر بالتحقیق (تقریبی) اور دوسرے کا بالتحقیق  
 ہے، یا یہ کہ کسی سال یہ مقدار اور کسی سال وہ مقدار، پیداوار کی کمی زیادتی کے لحاظ سے۔

خیبر کی فتح عنوة ہے یا صلیٰ | اس روایت کے شروع میں تصریح ہے اہل خیبر کے ساتھ قتال کی اور یہ کہ انہوں نے  
 مجبور ہو کر آپ سے مصالحت کی، حضرت نے بذل میں لکھا ہے کہ اس کو فتح صلیٰ نہیں  
 کہا جائے گا گو صورتہ لفظ صلح مذکور ہے حقیقتہ یہ بھی فتح عنوة ہی ہے، میں کہتا ہوں ویسے مسئلہ فی نفسہ مختلف فیہ ہے  
 آگے ایک روایت میں تصریح آ رہی ہے، عن ابن شہاب ان خیبر کان بعضہا عنوة وبعضہا صلحا والکتابۃ  
 اکثرہا عنوة وفيہا صلح اور ایک روایت میں آگے صرف عنوة بھی آ رہا ہے اسی لئے ایک جماعت امام طحاوی، امام شافعی

اور یہی کہ رائے یہی ہے یعنی بعضہا صلحا و بعضہا عنوة اور پھر اس پر ایک اختلافی مسئلہ بھی متفرع ہے وہ یہ کہ حضرت امام شافعی کے نزدیک ارض مفتوحہ عنوة کی تقسیم ضروری ہے حالانکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے صرف نصف ارض خیر کو تقسیم فرمایا، تو اس کا جواب امام شافعی یہی دیتے ہیں کہ جو نصف خیر عنوة فتح ہوا تھا اس کو آپ نے تقسیم فرمایا اور نصف باقی جو صلحا فتح ہوا تھا وہ مال فی ہوا اس کو آپ نے تقسیم نہیں کیا، اور حنفیہ و حنابلہ کے نزدیک ارض مفتوحہ کی تقسیم ہی ضروری نہیں وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اسی فعل سے استدلال کرتے ہیں: وقد تقدم هذا الاختلاف في اول الباب وهو البحث الثالث، حضرت نے بعضہا صلحا پر لکھا ہے لعل المراد بالصلح على ان يخرجهم (متی شاملا فی الحال) و یحقق دہانہم ویسب هذا الصلح الاصطلاحی بل ہوا یضاح عنوة، اس پر حضرت شیخ حاشیہ ہذلی میں لکھتے ہیں: وہ بجزم ابن قیم فی الہدی و تبعہ ابن الہمام فی الفتح ۳۲۳۔

عن عبد الله بن عمر رضي الله عنهما ان عمر قال يا ايها الناس ان رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم كان عامل يهود خيبر على ان يخرجهم اذا مشئنا، ومن كان له مال فليدحق به فاني اخذت يهود خيبر منهم. **مضمون حدیث** یعنی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں ایک روز یہ اعلان کیا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یہود خیر سے یہ معاملہ کیا تھا کہ جب ہم چاہیں گے تم کو نکال دیں گے حضرت عمر فرماتے ہیں: میں اب یہود کو نکال رہا ہوں لہذا جس شخص کی زمین یا باغ کسی یہودی کے پاس ہو تو وہ اس کو چاکر اس سے لے لے اور اپنی چیز کو سنبھال لے، چنانچہ اس اعلان کے بعد حضرت عمر نے ان کا اخراج فرمایا، اور اس کے بعد والی روایت میں یہ بھی آ رہا ہے کہ حضرت عمر نے ازواج مطہرات کے پاس ایک مستقل آدمی بھیجا کہ تم میں سے جو یہ چاہے کہ جتنی مقدار غلہ اور تمر کی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس کو عطا فرماتے تھے وہ میں اس کے پاس بھیج دیا کروں اور جو یہ چاہے کہ اس کے بقدر کاشت کی زمین اور کھجوروں کے درخت اس کو دیدوں تو میں ایسا کروں، اس پر بعض نے تو اؤ ساق غلہ و تمر کو اختیار کیا اور بعض نے زمین کو، و کانت عائشة منہا ای من اخذ الارض والنخل۔

اگلی روایت میں آ رہا ہے: وكان التمر يقسم على الشهبان من نصف خيبر ويأخذ رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم الخمس۔ یعنی نصف خیر کی تمور کی تقسیم حسب حصص ہوتی تھی، اور آپ بھی اپنا حصہ ایک خمس لیتے تھے اس نصف خیر سے مراد وہ نصف ہے جس کو آپ نے غانمین کے درمیان تقسیم نہیں کیا تھا بلکہ اپنے نواب کے لئے رکھ چھوڑا تھا اور جو نصف تقسیم کر دیا تھا وہ تو ظاہر ہے کہ غانمین کی ملک ہو گیا، نیز اس تقسیم سے مراد تقسیم فی مصارف النبی ہے نہ کہ تقسیم علی الغانمین کیونکہ یہ نصف مال فی تھا (علی قول) و الحدیث اخرجه مسلم قاله المنذرى۔

لہ یعنی فتح صلحا تو یہ ہے کہ قتال کی نوبت نہ آئے اور اگر قتال پیش آئے کے بعد عاجز اگر صلح کیجائے تو یہ فتح صلحا نہیں ہے بلکہ عنوة ہی ہے۔



عن انس بن مالك رضى الله تعالى عنه ..... قاصيناها عنوة.

اس روایت میں صلح کا ذکر نہیں ہے، بلکہ مطلقاً یہ ہے کہ خیر کو عنوة فتح کیا۔

والحدیث أخرجه البخاری ومسلم والنسائی، باتممة، قال المنذرى.

قسمہا بیدہم علی ثمانیۃ عشر سہما اور اس کے بعد والی روایت میں ہے، قسمہا علی ستۃ وثلاثین سہما۔

پہلی روایت میں جیسے اٹھارہ سہام کا ذکر ہے وہاں نصف ارض کی تقسیم مراد ہے اور اس دوسری روایت میں کل زمین کی تقسیم مراد ہے، اور اس سب کی تفصیل ابتدائی مباحث میں گذر چکی۔

فعل نصفها لثوابه وما ينزل به الوطیحة والكتيبة (رواۃ السلام) (کافی الروایۃ الآتیۃ) وما احیز معهما۔

**شرح الحدیث** یعنی نصف ارض خیر کو اپنی ضروریات اور جو و فود اور مہمان وغیرہ آپ کے پاس آتے تھے ان کیلئے روک لیا اور یہ و طیحہ اور کتیبہ جو کہ زمینوں کے نام ہیں یہ اسی نصف کا مصداق ہیں جس کو آپ نے تقسیم

نہیں کیا، وما احیز معهما کا مطلب ہے کہ جو زمینیں و طیحہ و کتیبہ سے ملتی تھیں الشق والنظارة وما احیز معهما، یہ وہی زمینیں ہیں جو آپ نے غانین کے درمیان تقسیم فرمادی تھیں، آگے راوی کہہ رہا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا حصہ ان زمینوں میں تھا جو ملتی بالشق والنظارة تھیں، آگے وہ مجمع بن جاریہ انصاری کی روایت ہے جو کتاب الجہاد میں بھی گذر چکی۔ اسی لئے اسی کو ہم یہاں ذکر نہیں کرتے۔

بقیت بقیۃ من اهل خیبر فتح حصوا۔ یعنی بعض حصوں خیر کو تو آپ نے فتح فرمایا اور بعض فتح سے باقی رہ گئے اس سے مراد و طیحہ اور و طیحہ ہیں۔ تو ان بقیہ کے یہودی ان قلعوں میں جان بچانے کیلئے داخل ہو گئے (تحقق العذوای دخل فی حصن) اور قلعہ میں داخل ہونے کے بعد انہوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا کہ آپ ہماری جانوں کو محفوظ کر کے ہمیں یہاں سے چلتا کر دیں، آپ نے اسکو منظور فرمایا، جب اہل فدک کو اس کی خبر ہوئی تو انہوں نے بھی آپ سے اسی طرح صلح کا معاملہ کر لیا، نکانت لرسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم خاصۃ اس کا تعلق ظاہر سیاق کے پیش نظر فدک اور بقیۃ من اهل خیبر دونوں سے ہے اور اس تاہد ہوتی ہے ان حضرات کی جو فتح خیر کے بارے میں بعضہا عنوة وبعضہا صلحا کے قائل ہیں ہنم الامام الطہادی، لیکن حضرت نے اس، کانت، کا تعلق صرف فدک سے قرار دیا ہے ولہ وجہ ایضاً اسلئے کہ اقرب وہی ہے، اور دوسری بات یہ بھی ہے کہ خیر میں تو جنگ کا سلسلہ قائم تھا اور فدک میں نہیں تھا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

قال ابو داؤد وقرنی علی العارث بن مسکین وانا شاهد۔

یہ عارث بن مسکین والی سند نسائی میں بکثرت آتی ہے وہاں بھی مصنف کا عارث بن مسکین سے روایت کرنیکا طرز اس طرح آتا ہے، قرۃ علیہ وانا سمع، اور یہاں ابو داؤد میں بھی

تقریباً اسی طرح ہے، نسائی میں چونکہ بکثرت آتا ہے اسلئے اسی کے بارے میں مشہور ہے کہ حارث بن مسکین کو امام نسائی سے کچھ کہ ورت تھی جس کی وجہ سے امام نسائی مجلس میں ان کے سامنے نہ بیٹھتے تھے بلکہ چپکے سے کونہ میں بیٹھ کر سن لیتے تھے، اسی لئے امام نسائی جب ان سے روایت کرتے ہیں تو اس کے بارے میں یہ فرماتے ہیں، مجھے اس پر یہ فلجان ہوتا ہے کہ اگر امام نسائی کی اس تعبیر کی یہی وجہ ہے تو کیا حارث بن مسکین امام ابو داؤد سے بھی ناراض تھے، اس پر اور مزید کلام الفیض السامی علی سنن النسائی کے مقدمہ میں کیا گیا ہے۔

قلت لِمَالِكٍ، وَمَا الْكُتَيْبَةُ؟ إِنْ إِمَامَ مَالِكٍ كَاشَاكَ دَكَّحْتَهُ هُنَّ كَيْسٌ فِيهِ كُتَيْبَةُ جَسَدٌ كَاذِبٌ رَوَيْتَ فِيهِ يَهْدِي بِمَا يَكُونُ خَيْرٌ مِنْهُ يَكُونُ بَاغٍ كَانَامُ هُوَ جَسَدٌ فِيهِ خَالِيسٌ بَنُو كُجُورٍ كَرِجَتْ تَحْتَهُ.

عن ابن شهاب قال خَمْسُ رِسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ خِيْبَتْ رُفُوسُهُ سَاسَ شَاوَعِي مَنْ شَهِدَهَا وَمِنْ غَابَ عَنْهَا مَنْ أَهْلُ الْحَدِيثِ.

یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے غنائم خیبر میں سے خمس نکال کر باقی اربعہ اخماس کو جو جنگ خیبر میں شریک تھے اور جو غائب تھے اہل حدیبیہ میں سے سب کے درمیان تقسیم فرمایا۔

من اهل الحديبية، اس لئے راوی نے کہا کہ جنگ خیبر میں شرکت کرنے والے سارے کے سارے وہ اہل حدیبیہ ہی تھے وہ اس طرح کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرام کے ساتھ جب غزوہ حدیبیہ سے مدینہ لوٹے تو مدینہ پہنچے ہی حضرت جبریل علیہ السلام کے ایما سے فتح خیبر کے لئے اپنے جملہ ہمراہوں کے ساتھ چل دیے، پھر اس روایت میں یہ ہے کہ ان میں سے جو صحابہ آپ کے ساتھ فتح خیبر میں شریک تھے آپ نے ان کا بھی حصہ لگایا اور جو غائب تھے ان کا بھی، بذل میں تاریخ خمیس سے نقل کیا ہے کہ جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان غائبین میں سے ہیں جن کا آپ نے حصہ لگایا، اسی طرح بعض وہ صحابہ جو حبشہ سے واپس مدینہ آئے اور پھر خیبر پہنچے بعد الفراغ عن القتال یعنی حضرت جعفر اور ان کے اصحاب من اهل السفينة (کما تقدم في كتاب الجهاد) ان کا بھی آپ نے حصہ لگایا صحابہ کی رضامندی سے۔ (بذل)

عن عمر رضي الله تعالى عنه قال لولا اُخْرُ الْمُسْلِمِينَ مَا فَتَحَتْ قُرَيْبَةُ الاَقْسَمْتُهَا كَمَا قَسَمَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ خِيْبُو.

ارض مفتوحہ کے بارے میں | حضرت عمر فرما رہے ہیں کہ بعد میں آنے والے مسلمانوں کا اگر مجھے خیال نہ ہوتا اور ان کی رعایت ملحوظ نہ ہوتی تو ہر قریہ کو فتح کے بعد اس کو خانہ میں کے درمیان تقسیم کر دیا کرتا جس طرح کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے خیبر کو تقسیم فرمایا تھا (مگر چونکہ بعد میں آنے والوں کی رعایت ملحوظ تھی اس لئے تقسیم نہیں کرتا) اسلئے کہ زمین تقسیم کے بعد تو اشخاص کی ملکیت ہو جاتی ہے اور آگے ایسی میراث وغیرہ جاری ہوتی ہے، حاجت اور عدم حاجت کا وہاں کوئی لحاظ نہیں ہوتا، بخلاف ایقان

کے کہ اس صورت میں زمینوں کی آمدنی بیت المال میں محفوظ رہتی ہے اور پھر ہمیشہ حسب حاجت حاجتمندوں کو ملتی رہتی ہے یہی مطلب ہے حضرت عمر کے اس ارشاد کلا جزاہ اللہ تعالیٰ عن الاسلام والمسلمین خیر الجزاء۔  
 دراصل بعض لوگوں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے تقسیم کا مطالبہ کیا تھا تو اسی موقع پر حضرت عمر نے عدم تقسیم کی معذرت میں اس طرح کی بات فرمائی تھی، یہ مضمون ابھی قریب میں ہمارے یہاں گذر بھی چکا۔  
 والحدیث سکت علیہ المنذری وقال الشیخ محمد عوامہ: اخرجه البخاری۔

بحمد اللہ تعالیٰ اس باب اور اس کی احادیث پر کلام پورا ہوا، جس پر بندہ کو بہت محنت کرنی پڑی واللہ الموفق وہو المیسر۔

## باب ماجاء خبر مکہ

فتح مکہ کے بعد ارض مکہ کیسا تھا | یعنی فتح مکہ کا قصہ اور بیان، مکہ کی فتح عند الجہور عنوة ہوئی ہے، اور امام شافعی کی رائے میں صلحا فتح ہوا ہے۔ ارض مکہ کو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے غنائم کے درمیان تقسیم نہیں فرمایا بلکہ اس کو وہیں کے لوگوں کے ہاتھوں میں چھوڑ دیا اس کی علو شان اور دار النشک ہونے کی وجہ سے، اور دوسری بات یہ بھی ہے کہ ارض مفتوحہ کی تقسیم عند الجہور لازم بھی نہیں ہے، لیکن امام شافعی کے یہاں ارض مفتوحہ کی تقسیم ضروری ہے، مگر ان کے مسلک پر بھی اشکال اس وجہ سے نہیں ہوگا کہ ان کے نزدیک مکہ مکرمہ کی فتح صلحا ہے، ان کے نزدیک تقسیم تو اس زمین کی واجب ہے جو مفتوحہ عنوة ہو، اب رہی یہ بات کہ ارض مکہ خراجی ہے یا عشری؟ اس کے بارے میں پہلے گذر چکا ہے کہ قیاس کا تقاضا تو یہی تھا کہ وہ خراجی ہو لیکن مکہ کے علو شان کی بنا پر خلاف قیاس اس کو خراجی قرار نہیں دیا گیا۔

یہاں ایک بحث اور ہے جو کتاب الحج میں الانبیاء للکعبی بیتا الحدیث کے تحت گذری ہے وہ یہ کہ ارض حرم موقوف ہے یا ملوک؟ اور اس میں علماء کا اختلاف بالتفصیل گذر گیا، فتح مکہ رمضان ۸ھ میں ہوا۔

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عام الفتح جاء لا

العباس بن عبد المطلب بابی سفیان فاسلم بمصر الظہران۔

باب کی یہ پہلی روایت تو مختصر ہے، یہی حدیث دوسرے طریق سے اس کے بعد آ رہی ہے، اس میں تفصیل ہے۔

مضمون حدیث در فتح مکہ مکرمہ | مضمون حدیث یہ ہے: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم غزوۃ الفتح کے سفر میں مر الظہران میں پہنچے

جو کہ مکہ مکرمہ کے قریب ہے تو میرے والد حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے دل میں یہ سوچا کہ اگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس لشکر کیساتھ اسی حال میں عنوة داخل ہوئے اور اہل مکہ آپ سے امن طلب کرنے

کے لئے نہ آئے تو پھر اس میں قریش کی یقیناً ہلاکت ہے، وہ فرماتے ہیں میں اسی فکر میں تھا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی سواری پر سوار ہو کر ادھر ادھر کسی ایسے شخص کو تلاش کرنے لگا جو اپنی کسی ضرورت سے مکہ جا رہا ہو پس وہ جا کر اہل مکہ کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے یہاں پہنچنے کی خبر کر دے تاکہ اہل مکہ یہاں آپ کی خدمت میں آکر آپ سے امن طلب کر لیں، میں اسی تلاش میں تھا کہ اچانک میں نے ابوسفیان اور عبدیل بن ورقہ کے بات کرنے کی آواز سنی یہ دونوں آپ ہی کی خدمت میں مدینہ طیبہ آئندہ کیلئے صلح یا حرب ہی کی بات کر رہے تھے، مکائی الطبرانی جب میں اسکی آواز سنی تو میں کہا یا ابا حنظلہ! اس نے میری آواز پہچان لی، فوراً بولا ابوالفضل یعنی کیا تم ابوالفضل ہو (دونوں کا ابھی تک آمنہ سامنا نہیں ہوا تھا) میں نے کہا ہاں، وہ بولا کیا بات ہے میرے ماں باپ تجھ پر قربان ہوں، عباس کہتے ہیں: میں نے کہا: هَذَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ وَالنَّاسُ، میں نے کہا قریب ہی کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہ یہاں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے ساتھ مجمع موجود ہے، وہ بھی سن کر گھبرا گیا اور کہا فَمَا الْحِيلَةُ؟ آگے روایت میں یہ ہے حضرت عباس فرماتے ہیں کہ میں نے اس کو اپنے پیچھے سواری پر بٹھالیا اور بدیل جو تھا وہ مکہ لوٹ گیا، جب صبح ہوئی تو میں ابوسفیان کو لے کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں گیا اور وہ اسلام لے آیا، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ابوسفیان ایسا شخص ہے جو فخر کو پسند کرتا ہے (شیخی باز ہے)، لہذا آپ اس پر کچھ کرم فرمائیے، یعنی اس کو کوئی ایسی چیز عطا فرمادیجئے جو اس کے لئے موجب فخر ہو، تو آپ نے فرمایا اچھا، اور پھر فرمایا مَنْ دَخَلَ دَارَ ابْنِ سَفْيَانَ فَهُوَ آمِنٌ وَمَنْ أَغْلَقَ عَلَيْهِ دَارَهُ فَهُوَ آمِنٌ، اہل مکہ میں سے جو شخص بھی ابوسفیان کے گھر میں پناہ لے وہ ہماری طرف سے مامون ہے، اور ایسے ہی اہل مکہ میں سے جو شخص اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے، یعنی مسلمانوں سے لڑنے کے لئے باہر نہیں نکلے گا۔ وہ بھی مامون ہے، اس پر لوگ اپنے اپنے گھروں میں چلے گئے اور بعض مسجد حرام میں۔

اس کے بعد والی روایت میں یہ بھی ہے۔ وَمَنْ الْقِيَ السَّلَاحَ فَهُوَ آمِنٌ وَعَمَدَ صَنَادِيدَ قَرِيشٍ فَدَخَلُوا الْكَعْبَةَ فغضب بہہ کہ اس اعلان پر سرداران قریش کعبہ میں داخل ہو گئے، کعبہ ان سے پُر ہو گیا، اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بیت اللہ کا طواف کیا، خلف المقام دو گانہ طواف ادا کیا، اس کے بعد آپ بیت اللہ کے دروازہ کے دونوں بازوؤں کو پکڑ کر کھڑے ہو گئے، اس پر وہ سب لوگ اندر سے نکل کر آئے اور آپ کے ہاتھ پر بیعت علی الاسلام کی۔

سَأَلَتْ جَابِرًا هَلْ غَنِمُوا يَوْمَ الْفَتْحِ شَيْئًا؟ قَالَ: لَا۔ یعنی اس فتح مکہ میں مسلمانوں کو کچھ مالی غنیمت حاصل نہیں ہو

لے اور خود حضرت عباس کے بارے میں یہ منقول ہے کہ وہ مع اپنے اہل و عیال کے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ سے روانگی سے پہلے ہجرت کی نیت سے مکہ سے نکل چکے تھے، چنانچہ انکی ملاقات حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے راستہ میں حنفہ زوجہ خلیفہ میں ہوئی جبکہ آپ فتح مکہ کیلئے جا رہے تھے تو پھر حضرت عباس بھی آپ کیساتھ مکہ کی طرف لوٹ آئے اور اپنے اہل و عیال کو مدینہ بھیج دیا (بذل القوة فی تولد سنی النبوة ص ۲۲)۔

اسلئے کہ باقاعدہ جنگ کی فوجیت آئی ہی نہیں، گو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے جنگ کے انتظامات اور تیاری اسی طرح ہوئی جس طرح جنگ میں ہوا کرتی ہے مگر وہ لوگ کھل کر مقابلہ پر آئے نہیں اور اگرچہ ان کی جانب استیمان بھی نہیں پایا گیا تاکہ یوں کہا جاسکے کہ صلحی فتح ہوا مسلمانوں کے لشکر کے بعض دستوں کے ساتھ کسی قدر مقابلہ کی فوجیت آئی اور احترام کم میں ان کے ساتھ بہت رورعایت کا معاملہ کیا گیا پھر مال غنیمت کہاں حاصل ہوتا۔

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم لما دخل مکة سترج الزبیر ابن العوام وابا عبیدۃ بن الجراح وخالد بن الولید علی الخیل۔

آپ کی جانب سے لشکر کے مکہ میں داخل ہونے کی ترتیب اس حدیث کا یہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جب مکہ کے اندر داخل ہونے کا ارادہ فرمایا کفار پر حملہ کے لئے تو چونکہ مکہ کے اندر داخل ہونے کے راستے

متعدد تھے اور سب راستوں کی ناکہ بندی کرنی تھی اسلئے آپ نے لشکر کے متعدد دستے بنا لئے ان دستوں میں بعض سوار تھے اور بعض پیادہ پاتھے، اور ہر دستہ کے لئے آپ نے ایک نگراں تجویز فرمادیا اور ہر امیر کو اسکے داخل ہونے کیلئے راستہ کی تعیین فرمادی، یعنی فلاں امیر اپنے دستہ کو لیکر فلاں راستہ سے داخل ہو مثلاً اعلیٰ مکہ اور فلاں اسفل مکہ سے داخل ہو، ابو داؤد کی اس روایت میں تو یہ ہے آپ نے حضرت زبیر اور ابو عبیدہ اور خالد بن الولید ان تینوں کو گھوڑے سواروں پر

لے سیرۃ المصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مقام کداریں سے گذرتے ہوئے بالائی جانب سے مکہ میں داخل ہوئے اور خالد بن الولید کو اسفل مکہ مقام گدئی سے داخل ہونے کا اور زبیر کو اعلیٰ مکہ یعنی مقام کداریں سے داخل ہونیکا حکم دیا اور یہ تاکید فرمادی کہ تم خود ابتداء بالقتل نہ کرنا جو شخص تم سے تعرض کرے صرف اس سے لڑنا، صحیح مسلم میں ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے انصار کو بلا کر یہ فرمایا کہ قریش نے کچھ ابواش تمہارے مقابلہ کے لئے جمع کئے ہیں وہ اگر مقابلہ کے لئے آئیں تو ان کو کھیتی کی طرح کاٹ کر رکھ دینا، صفوان بن امیہ اور عکرمہ بن ابی جہل اور سہیل بن عمرو نے مقام خندہ میں بقصد مقابلہ کچھ ابواشوں کو جمع کیا، خالد بن الولید سے مقابلہ ہوا، مسلمانوں میں سے دو شخص شہید ہوئے جنیس بن خالد اور گوزین جابر فہری، اور مشرکین میں کے بارہ یا تیرہ آدمی مارے گئے، باقی سب بھاگ اٹھے یہ ابن اسحاق کی روایت ہے، اور مغازی موسیٰ بن عقبہ میں ہے کہ خالد بن الولید جب اسفل مکہ سے داخل ہوئے تو بنو بکر اور بنو حارث اور کچھ لوگ قبیلہ ہذیل اور کچھ ابواش قریش مقابلہ کے لئے جمع تھے، حضرت خالد کے پیچھے ہی ان لوگوں نے ہل بول دیا، خالد بن الولید جب ان کا مقابلہ کیا تو تاب نہ لاسکے شکست کھا کر بھاگے، بنو بکر کے قہر یا بیس آدمی اور ہذیل کے تین یا چار آدمی قتل ہوئے باقی ماندہ اشخاص میں بھی بڑی گئی کوئی مکان میں جا کر چھپا، اور کوئی پہاڑ پر چڑھ گیا۔

پر امیر بنا کر روانہ کیا، لیکن مسلم کی روایت میں ہے وبعث ابا عبیدہ علی الخیر کہ ابو عبیدہ کو آپ نے اس دستہ پر امیر بنایا جو پیادہ پاتھی اور اندر زریں وغیرہ نہیں تھیں، وقال یا اباہریرۃ اھتف بالانصار قال اسلکوا ہذا الطريق فلا تترقبوا لکھرا حدا الا انتم تھو، یعنی آپ نے حضرت ابو ہریرہ سے فرمایا کہ انصار کو آواز لگا کر بلاؤ چنانچہ وہ سب حاضر ہو گئے تو آپ نے ان کو ایک راستہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ تم کو اس راستہ سے چاہیے اور دوسری بات یہ فرمائی کہ ان مشرکین مکہ میں سے جو بھی تمہاری طرف گردن اٹھائے تو تم اس کو وہیں سلا دینا، یعنی جو قتال کے لئے بڑھے اسی کو قتل کرنا اور جو تمہیں دیکھ کر سر جھکائے یا پیچھے ہٹ جائے اس کو کچھ مت کہنا، فنادی منادی الاقریش بعد الیوم، اور ایک اعلان کرنے والے نے اعلان کیا کہ آج کے بعد قریش کا خاتمہ ہے، یعنی اگر وہ مقابلہ پر آتے، ورنہ تو آپ نے ان کو پروانہ امان دے ہی دیا تھا عدم قتال کی صورت میں۔

حدیث ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اخرجہ مسلم بخوہ مطولاً، قالہ المنذری۔

### باب ماجاء فی خبر الطائف

**غزوہ طائف** | غزوہ طائف کا مختصر قصہ اس طرح لکھا ہے: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حنین کے اموال غنیمت اور قیدیوں کے متعلق یہ حکم دیا کہ جعرانہ میں جمع کر دیا جائے اور خود طائف کا قصد فرمایا، اور طائف جانے سے پہلے طفیل بن عمرو دوسی کو چند موحدین کے ساتھ ایک چوٹی پر (جس کا نام ذوالکفین تھا) کے چلانے کے لئے روانہ فرمایا، آپ کے طائف پہنچنے کے چار روز بعد طفیل بن عمرو بھی پہنچ گئے اور ایک دباہ (ٹینک) اور مخینق ساتھ لائے۔ مالک بن عوف نصری سپہ سالار ہوازن مع اپنی فوج کے آپ کے پہنچنے سے پہلے ہی طائف کے قلعہ میں داخل ہو کر دروازہ بند کر چکا تھا اور کئی سال کا غلہ اور خور و نوش کا سامان قلعہ میں فراہم کر لیا تھا، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے طائف پہنچ کر ان کا محاصرہ کیا اور مخینق کے ذریعہ سے ان پر پتھر برسائے گئے، ان لوگوں نے قلعہ کی تفصیل پر تیر اندازی کو بٹھلادیا انہوں نے ایسی سخت تیر بازی کی کہ بہت سے مسلمان زخمی ہوئے اور بارہ آدمی شہید ہوئے، خالد بن الولید نے ان کو دست بدست مقابلہ کے لئے بلایا مگر جواب یہ ملا کہ ہمیں قلعہ سے اترنے کی ضرورت نہیں، سالہا سال کا غلہ ہمارے پاس موجود ہے جب یہ ختم ہو جائے گا تب ہم تلواریں لیکر اتریں گے، مسلمانوں نے دباہوں میں بیٹھ کر قلعہ کی دیوار میں نقب دینے کی کوشش کی، انہوں نے اوپر سے لوہے کی گرم سلاخیں برسائی شروع کیں جس سے مسلمانوں کو پیچھے ہٹنا پڑا، یہ دیکھ کر آپ نے باغات کے کٹوانے کا حکم دیا، اہل قلعہ نے آپ کو اللہ تعالیٰ کا اور قرآنوں کا واسطہ دیا آپ نے فرمایا میں اللہ تعالیٰ اور قرآنوں کے لئے ان کو چھوڑ دیتا ہوں، بعد ازاں دیوار قلعہ کے قریب یہ آوازہ گوا دیا کہ جو غلام قلعہ سے اتر کر ہمارے پاس آجائے گا وہ آزاد ہے، چنانچہ بارہ تیرہ غلام نکل کر ادھر آئے اسی اشارہ میں

آپ نے ایک خواب دیکھا کہ ایک دودھ کا پیالہ آپ کے سامنے پیش کیا گیا ایک مرغ نے آکر اس میں جو پرخ ماری جس سے وہ دودھ گر گیا آپ نے یہ خواب صدیق اکبر سے بیان کیا انہوں نے کہا غالباً یہ قلعہ ابھی فتح نہ ہوگا آپ نے نوفل بن معاویہ دلمی کو بلا کر دریافت کیا کہ تمہاری کیا رائے ہے؟ نوفل نے کہا یا رسول اللہ! لوٹری اپنے بھٹ میں ہے اگر ٹھہرے رہے تو پکڑ لیں گے اور اگر چھوڑ دیں گے تو آپ کا کوئی نقصان نہیں۔ ابن سعد کی روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے آکر عرض کیا یا بنی اللہ! ان کے حق میں بددعا کیجئے، آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے اجازت نہیں دی، حضرت عمرؓ نے فرمایا پھر ہم کو ان سے لڑنے کی کیا ضرورت ہے، آپ نے کوچ کا حکم دے دیا اور چلتے وقت یہ دھار دی اللہم اھد ثقیفاوات بہم، چنانچہ بعد میں وہ قلعہ خود بخود فتح ہو گیا سب لوگ مسلمان ہو گئے اور مالک بن عوف ان کا سردار آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرفہ اسلام ہوا۔

تنبیہ: ہمارے یہاں ابوداؤد کے باب الاقطاع میں اسی غزوہ طائف سے متعلق ایک روایت میں اس طرح ہے کہ ایک صحابی صحابہ بن عیملہ الاحمسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میں نے سنا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ثقیف کے ساتھ غزوہ کر رہے ہیں تو میں بھی ایک جماعت لیکر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی امداد کے لئے طائف پہنچا وہاں جا کر دیکھا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم واپس تشریف لے چکے ہیں اور آپ نے اس کو فتح نہیں کیا تو میں نے عہد کیا اللہ تعالیٰ سے اس بات کا کہ میں اس قعر کو فتح کر کے رہوں گا، چنانچہ پھر ایسا ہی ہوا، الحدیث، لیکن جو چند کتابیں غزوہ طائف سے متعلق ہم نے دیکھیں اس میں اس صحابہ بن عیملہ کا قصہ کہیں نہیں ملا، فلیفتش، اسکے بعد الہادیہ والنبایہ ۲۵۱ میں یہ ملا کہ انہوں نے غزوہ طائف کا پورا قصہ لکھنے کے بعد اخیر میں ابوداؤد کی یہ روایت (صحابہ بن عیملہ والی) نقل کرنے کے بعد فرمایا: تفرد بہ ابوداؤد، وئی اسنادہ اختلاف اھ۔

سالت جابر عن شان ثقیف اذ بايعت، مضمون حدیث یہ ہے کہ قبیلہ ثقیف جب آپ کی خدمت میں مدینہ منورہ میں حاضر ہوا اور آپ کے دست مبارک پر بیعت علی الاسلام اس نے کی تو انہوں نے اس وقت یہ شرط لگائی کہ ہم پر زکوٰۃ اور جہاد کچھ نہ ہوگا، آپ نے ان کی یہ شرط اس وقت منظور فرمائی، روایت میں ہے کہ آپ نے بعد میں یہ فرمایا کہ یہ لوگ اسلام میں داخل ہونے کے بعد صدقہ اور جہاد سب کچھ کریں گے، دوسری حدیث میں ہے فانشتر طول علیہ ان لا یصعدوا ولا یعشروا ولا یجبتوا، کہ انہوں نے یہ شرط لگائی کہ ان کو نہ جہاد میں لے جایا جائے، نہ عشرہ زکاۃ لی جائے، اور نہ وہ نماز پڑھیں گے، لایجبوا مثل لا یصلوا لفظاً ومعنی والتجیمہ ان یکون کھیدۃ الرکوع یعنی اس طرح جھکنا جس طرح رکوع میں جاتے ہیں۔ آپ نے ان کی پہلی دو شرطیں منظور فرمائیں اور تیسری شرط اس کے بارے میں فرمایا الاخیر فی دین لیس فیہ رکوع، کہ ایسے

دین میں کیا خیر ہو سکتی ہے جس میں رکوع و سجود (نماز) نہ ہو۔

اس حدیث سے اسلام میں نماز کی جو اہمیت معلوم ہو رہی ہے وہ ظاہر ہے، اس حدیث کو ہم نے کتاب الصلاۃ کے

ابتدائی مباحث میں ذکر کیا ہے۔

یہ باب خبر طائف سے متعلق تھا، اہل طائف چونکہ خود بخود اسلام میں داخل ہوئے اسلئے ارض طائف عشری ہوئی  
کما مر قبل ذلک فی بیان النزاع الاراضی المفقوۃ۔

## باب ماجاء فی حکم ارض الیمن

اہل یمن بھی چونکہ از خود طوعاً اسلام میں داخل ہوئے اس لئے ارض یمن بھی عشری ہے۔

عن عامر بن شہر قال خرج رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فقالت لی ہمدان: هل انت

ابن هذا الرجل ومکرّاً لئنا فان رضیت لنا شیئاً قبلنا۔

### شرح الحدیث

عامر بن شہر یعنی ہمدانی کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت اور نبوت کا ظہور ہوا تو  
مجھ سے میری قوم ہمدان نے کہا کہ کیا تم اس شخص کے پاس جا سکتے ہو اور ہمارے لئے کوئی چیز طلب  
کر سکتے ہو یعنی غیر کی بات اور حق، پس اگر تم نے کسی چیز کو پسند کیا (دین اسلام کی طرف اشارہ ہے) تو ہم بھی اس کو  
قبول کر لیں گے، اور اگر تم نے پسند نہ کیا تو ہم بھی پسند نہ کریں گے، میں نے جواب میں کہا ہاں میں یہ کام کر سکتا ہوں،  
چنانچہ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کی بات مجھے پسند آگئی جس پر میری قوم (ہمدان) اسلام لے آئی، اور  
آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ایک تحریر لکھوا کر عمر ذی مران کی طرف بھیجی، یہ بھی ہمدانی ہیں جو آپ کے زمانہ میں  
اسلام لا چکے تھے جو بظاہر اپنی قوم ہمدان کے رئیس تھے، اور نیز آپ نے مالک بن مرارہ کو بھیجا تمام اہل یمن کی طرف یعنی  
دعوت اسلام کے لئے، پس اس پر مکتبہ ذویخوان اسلام لے آیا یہ شخص بھی ہمدانی اور یہی ہے، ذویخوان اس کا لقب  
ہے، یہ بھی اپنی قوم کا بڑا آدمی تھا، چنانچہ اس سے کہا گیا کہ تو بھی جا کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے کتاب الامان  
حاصل کر لے اپنی پوری بستی اور مال کے بارے میں، چنانچہ وہ آپ کی خدمت میں آیا اور آپ نے اس کو یہ تحریر لکھوا کر دیدی

بسم اللہ الرحمن الرحیم من محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم لعک ذی خیر ان کان

صادقاً فی ارضہ و مالہ و رقیقہ فلہ الامان وذمۃ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ  
وسلم، وکتب خالد بن سعید بن العاص، یعنی اس تحریر کے اخیر میں کاتب نے اپنا نام لکھا، یہ خالد بن سعید  
آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے کاتبین میں سے ہیں۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ چونکہ عک ذویخوان، اسی طرح عمر ذی مران از خود اسلام میں داخل ہوئے، مسلمانوں  
کو ان کے ساتھ غزوہ اور فتح کی ضرورت پیش نہیں آئی لہذا یہ لوگ اپنی زمینوں کے اور دوسری املاک کے خود مالک ہے  
اور ان کو اس بات پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے عہد نامہ اور کتاب الامان (سرٹیفکٹ) حاصل ہو گیا، اور



یہ بھی ثابت ہوا کہ یہ زمین عشری ہے۔

عن ابیض بن حمال انہ کلم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فی الصدقة حین وفد علیہ فقال یا ابا سبأ لا بد من صدقة نقتال انما زرعنا القطن یا رسول اللہ وقد تبدلت سبأ ولم یبق منهم الا قلیل بمأرب۔

**شرح الحدیث** | مأرب بلاد یمن ہے اور سبأ ایک قوم کا نام ہے جو وہاں آباد تھے، یہ ابیض بن حمال مأرب سبائی ہیں انہوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے جب یہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے (بظاہر اسلام لانے کیلئے) تو انہوں نے آپ سے صدقہ کے بارے میں گفتگو کی یعنی یہ کہ وہ معاف کر دیا جائے یا اس میں تخفیف کر دی جائے تو آپ نے فرمایا کہ اے سبأ والے! صدقہ تو اسلام میں ضروری ہے انہوں نے اپنی اقتصادی حالت اور کمزوری بیان کی، یہ کہ ہماری پیداوار تو قطن ہے یا رسول اللہ! (یعنی معمولی سی) اور ہماری قوم سبأ منتشر ہو گئی اور ان میں سے کچھ تھوڑے سے باقی رہ گئے ہیں مأرب میں۔ اس کے بعد حدیث میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے جس چیز پر مصالحت فرمائی اس کا ذکر ہے، فصالح النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم علی سبعین حلة من قیمہ وفاء بن المغافر کل سنة تمن ہقی من سبأ بمأرب، یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان پر جو کچھ صدقہ واجب ہوتا تھا اس کے بارے میں سبعین حلة پر مصالحت فرمائی، کہ ہر سال کپڑوں کے ستر جوڑے تم کو دینے ہوں گے قبیلہ سبأ کے ان سب لوگوں کی طرف سے جو موضع مأرب میں باقی رہ گئے ہیں حلة چونکہ قیمت کے اعتبار سے گھٹیا اور بڑھیا ہوتا ہے تو اس لئے آپ نے اس جوڑے کی قیمت متعین فرمادی تاکہ مصالحت شئی بھول پر لازم نہ آئے، بز معاف، یعنی کپڑے کی ایک مشہور قسم ہے جو معلوم قیمت ہے تو مطلب یہ ہوا اس عبارت کا کہ ایسے ستر جوڑے جو قیمت میں بز معاف کے برابر ہوں وہ ادا کرتے رہیں آگے روایت میں یہ ہے کہ یہ لوگ یہ مقدار ادا کرتے رہے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں، اور آپ کی وفات کے بعد عمال نے اس معاہدہ کو ختم کر دیا یعنی اس کا لحاظ نہیں کیا، صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب معلوم ہوا تو انہوں نے اس کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی قرارداد کے موافق برقرار رکھا، صدیق اکبر کی وفات کے بعد پھر وہ معاملہ زل زلا گیا وصارت الی الصدقة، یعنی اصل صدقہ قاعدہ کے مطابق جتنا بیٹھتا ہے اس پر آکر ٹھہر گیا۔

**ما استفید من الحدیث** | اس حدیث میں یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان لوگوں سے صدقہ کے بارے میں ایک مقدار معین پر صلح فرمائی، حضرت گنگوہی کی تقریر میں یہ ہے کہ اگر صدقہ سے مراد یہاں زکوٰۃ ہے اور یا زکوٰۃ کے مقابلہ میں آپ نے ایک مقدار معین پر مصالحت فرمائی، تو یہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیت ہوگی، آپ کے علاوہ کسی اور امام کے لئے زکاۃ مفروضہ کے بارے میں کسی مقدار معینہ پر صلح کرنا جائز نہیں، اور اگر صدقہ سے مراد یہاں بر زمین کی پیداوار کا عشر ہے تو پھر اس صورت میں کوئی اشکال نہیں عشر میں گنجائش ہے دوسرے کیلئے بھی (بذل)

## باب فی اخراج الیہود من جزیرۃ العرب

جزیرۃ العرب کی تحدید اور اس کا مصداق | جزیرہ اس آبادی کا نام ہے جس کے چاروں طرف پانی ہو، سرزمین عرب کے تین جانب پانی ہے مشرق، مغرب اور جنوب اور شمال میں آبادی ہے اسی لئے عرب کو جزیرہ نام سے تعبیر کرتے ہیں، جزیرۃ عرب کی تحدید اور اس کا مصداق آگے متن میں اس طرح آ رہا ہے۔

جزیرۃ العرب ما بین الوادی الی اقصى الیمن الی تخوم العراق الی البحر، یعنی جنوب میں انتہائے یمن سے لے کر شمال میں عراق کے حدود تک اور وادی القری سے لیکر سمندر تک درمیان کا علاقہ جزیرۃ العرب کہلاتا ہے یعنی شمال میں حدود عراق جنوب میں اقصائے یمن، مغرب میں جدہ و ماحولہا ینبع سے لیکر وادی القری تک اور مشرق میں خلیج فارس تک کا علاقہ جزیرۃ العرب کہلاتا ہے اور بذیل میں حضرت نے علامہ شامی سے یہ نقل کیا ہے کہ جزیرۃ العرب پانچ مناطق پر منقسم ہے، تہامہ، نجد، حجاز، عروص، یمن، تہامہ تو حجاز کا جنوبی حصہ ہے، اور نجد اس حصہ کا نام ہے جو حجاز و عراق کے مابین ہے، اور حجاز اس پہاڑ کے سامنے والے حصہ کو کہتے ہیں جو یمن سے لیکر شام تک مسلسل چلا گیا ہے اور عروص یہاں کا علاقہ ہے جو بحرین تک ہے اور صحیح بخاری کتاب الجہاد باب جو انزال وفد میں ہے کہ مغیرہ بن عبد الرحمن سے سوال کیا گیا جزیرۃ العرب کے بارے میں فقال مکۃ والمدینۃ والیامۃ والیمن۔

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اوصی بثلاثۃ فقال

اخرجوا المشرکین من جزیرۃ العرب واجیزوا الوفد بنحو ما کنت اجیزہم۔

شرح الحدیث | یعنی آپ نے وفات کے وقت تین چیزوں کی وصیت فرمائی ایک جزیرۃ العرب سے مشرکین کے اخراج کی مشرکین میں یہود و نصاریٰ بھی داخل ہیں، یہ دونوں مشرکین اہل کتاب ہیں لاہم یقولون غریبان اللہ،

لہ بایں طور کہ یمن داخل اور عراق خارج ۱۲

بلکہ اب یہ کہ جزیرۃ العرب سے تمام جزیرہ عرب مراد ہے یا اس میں کچھ تخصیص ہے، اس کے بارے میں بذیل میں یہ ہے قبل المراد بہا مکۃ والمدینۃ ونقل الطبری ان الشافعی خص ہذا الحکم بالحجاز وهو عندہ مکۃ والمدینۃ والیامۃ وحوالہا دون الیمن وغیرہ اھ و فی، العون۔ وقال مالک بن انس اراد بجزیرۃ العرب المدینۃ نفسها اھ و فی، العرف الشذی۔ الکاف لا یتیم فی جزیرۃ العرب، نعم يجوز له المرور واختلف فی ان الحکم لجميع جزیرۃ العرب او لبعضہا، و اشار الی الاول، الطحاوی فی مشکلی الآثار، و اختصر محمد فی موطا اھ، اور موطا محمد میں ہے قال محمد ان مکۃ والمدینۃ و ماحولہما من جزیرۃ العرب (۳۷۳) مگر اس سے یہ نہیں معلوم ہو رہا ہے کہ اس حدیث میں جزیرۃ العرب اپنے عموم پر ہے یا اس سے بعض مراد ہے، فلیفتش کتب الخفیۃ فی ذلک۔

والمسیح ابن البشر، اول کے قائل یہود اور ثانی کے نصاری ہیں، اور مجوس تو مشرک ہیں ہی حکم مذکور فی الحدیث یعنی اس اخراج کے بارے میں بدائع میں لکھا ہے کہ ارض عرب کے اندر کوئی کینسہ یا بیعہ نہ باقی رکھا جائے اور نہ وہاں بیع خمر اور خنزیر کی اجازت ہے، مصر کان اوقریۃ اوما من میاء العرب ویمین المشرق ان یتخذوا ارض العرب سکنا ووطنا، کذا ذکرہ محمد تفضیل لا ارض العرب علی غیر ما و تطہیر المعادن الدین الباطل، للحدیث المذكور (بذل) اور دوسری وصیت یہ ہے کہ آنے والے وفود کو جائزہ دیا جائے یعنی عطیہ، یعنی ان کی آمد پر ان کا اہتمام کیا جائے، ہر طرح سے خیال رکھا جائے اور ان کو بدیہ بھی پیش کیا جائے، اس امر کا تعلق تو آپ کے بعد آنے والے ائمہ سے ہے کہ وفود تو امام المسلمین ہی کے ہمان ہوتے ہیں اور ویسے تو ہر ہمان ہی کے اعزاز و اکرام کا ہر مسلمان مامور ہے۔ قال ابن عباس وسکت عن الثالثة اوقال فانسیتها، تیسری وصیت کے بارے میں ابن عباس تردد ظاہر کر رہے ہیں کہ یا تو آپ ہی نے اس سے سکوت فرمایا یا پھر میں بھول گیا، شرح نے لکھا ہے کہ اس امر ثالث کے مصداق

لہ اس جملہ کے ظاہری معنی یہی ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں: اور آپ نے امر ثالث سے سکوت فرمایا، آگے شک راوی ہے کہ یا ابن عباس نے یہ فرمایا کہ امر ثالث کو آپ نے تو ذکر فرمایا تھا لیکن میں بھول گیا، چنانچہ صاحب العون نے یہی مطلب لکھا ہے، لیکن حضرت نے بذل میں اس عبارت کی تاویل فرمائی ہے اور اس کی یہ شرح کی ہے کہ سعید راوی کہتا ہے ابن عباس نے صرف دو امر ذکر کئے اور تیسرے سے سکوت کیا، اور پھر آگے سعید کہتے ہیں: یا ابن عباس نے تو ذکر کیا تھا لیکن میں اس کو بھول گیا، اس صورت میں قائل کا فاعل ابن عباس ہوگا بلکہ ابن عباس سے روایت کرنے والا ان کا شاگرد، جو یہاں مسند میں سعید بن جبیر ہے اور تقدیر عبارت یہ ہے: ابن عباس ذکر امرین وسکت عن الثالثة الخ۔ اس صورت میں سکوت کرنے والے ابن عباس ہوئے نہ کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، اور حضرت نے جو یہ تاویل فرمائی ہے اس کا منشاء یہ ہے کہ اس جملہ کی نقل میں روایات مختلف ہیں چنانچہ صحیح بخاری میں یہ حدیث متعدد مقامات میں مذکور ہے نفی الجہاد فی باب جواز الوفد: وأجیز ذالوفد بخو ما کنت اجیزہم، ونسیت الثالثة اھ یعنی یہاں قال ابن عباس نہیں ہے، وفی الجہاد فی باب اخراج الیہود من جزیرۃ العرب: بخو ما کنت اجیزہم، والثالثة خیر اما ان سکت عنہا واما ان قالہا فنسیتها، قال سفیان: هذا من قول سلیمان، یعنی سفیان بن عیینہ کہتے ہیں کہ یہ قول (وسکت عن الثالثة الخ) میرے استاد سلیمان احوال کا ہے یعنی سلیمان کہتے ہیں کہ میری بات بھی بہتر ہی ہے یا تو میرے استاد یعنی سعید ہی نے سکوت کیا، یا انہوں نے تو ذکر کیا تھا لیکن میں بھول گیا، اور ابوداؤد کے ایک نسخہ میں جو کہ بذل کے حاشیہ پر ہے اس میں اس طرح ہے، قال سلیمان لا اوری اذکر سعید الثالثة فنسیتها اوسکت عنہا، اس نسخہ والی عبارت کا حاصل اور اوپر بخاری والی روایت کا حاصل ایک ہی ہے کہ سکوت کرنے والے سعید بن جبیر ہیں، اور حضرت نے جو شرح فرمائی ہے اس میں سکوت کرنے والے ابن عباس ہیں، اور حافظ نے فتح الباری ج ۷ ص ۷۷ میں احتمالاً اسی کو اختیار کر کے پھر بعد میں اس کو ترجیح دی ہے کہ یہ قول سلیمان احوال کا ہے اور سکوت کرنے والے سعید بن جبیر ہیں لیکن اس قول میں حافظ نے حوالہ دیا ہے مسند جمیدی اور مستخرج ابی نعیم، جبکہ خود بخاری میں یہ موجود ہے جیسا کہ اوپر ذکر ہوا، ان سب کا لب لباب یہ ہے کہ جس طرح ابوداؤد میں ہے —

میں دوسری احادیث میں جو چیزیں مذکور ہیں وہ ہو سکتی ہیں، مثلاً الوصیۃ بالقرآن، تجبیز جمیش اسامہ، لا تتخذوا قبری دثنأ یعبدا، الصلۃ واملکت ایمانکم۔  
والحدیث اخرجه البخاری ومسلم مطولاً، قال المنذری۔

یقول (جابر) اخبرنا عمرو بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہما انہ سمع رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم یقول: لاخرجن الیہود والنصارى من جزيرة العرب فلا تترك فیہا الامسلیما۔  
یہ حدیث یہاں تو مطلق ہے اور مسلم کی روایت میں لثن عشت الی قابل کے ساتھ مقید ہے۔  
والحدیث اخرجه البخاری ومسلم مطولاً، قال المنذری۔

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم لا تكون قبلتان فی بلد واحد۔

**شرح الحدیث** | اس حدیث کی شرح میں تین قول ہیں اول یہ کہ اس سے مراد اقامت فی دار الحرب ہے یعنی ایک شخص دار الحرب میں اسلام لے آیا تو اب اس کو چاہیے کہ وہاں سے منتقل ہو جائے (۲) اظہار شعار الکفر یعنی ذمی لوگ جو دار الاسلام کے اندر مقیم ہیں، دار الاسلام میں رہتے ہوئے شعار کفر کے اظہار کی ان کو اجازت نہیں، (۳) اخراج المشرکین من جزيرة العرب، فعلى الاول المراد من البلد دار الحرب وعلى الثاني دار الاسلام وعلى الثالث جزيرة العرب والحدیث اخرجه الترمذی وذكر انه روى مرسلأ، قال المنذری۔

قال ابو داود: اقربى على العارث بن مسكين وانا شاهد انہ

یہاں بھی مصنف نے عارث بن مسکین سے طریق روایت دی اختیار کیا جو ابھی قریب میں گذر افت ذکر۔

حدثنا ابن السرح نا ابن وهب قال قال مالك وقد اجلى عمر یہود نجران وفندك۔

نصاری نجران سے کیسے مصالحت ہوئی تھی اس کا بیان آئندہ باب کی حدیث میں آ رہا ہے۔

**آئیوالے باب کے کتاب الخراج کی ابتدا ہے** | اس کے بعد بعض نسخوں میں یہ لکھا ہے: آخر کتاب الفی، بسم اللہ الرحمن الرحیم اول کتاب الخراج، اس سرفی سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ کتاب الخراج والفی سے

→ قال ابن عباس الخ: جس سے معلوم ہوتا ہے کہ، سکت۔ کا فاعل حضور ہیں۔ مخرج کسی کتاب میں نہیں ہے، اب یا تو اس کو مخرج اور دہم کہا جائے یا پھر اس کی تائید کی جائے اسلئے کہ صحیح ہے کہ، سکت۔ کا فاعل سعید بن جبیر ہیں اور تاویل وہ ہے جو ہم نے اوپر بذل سے ذکر کی، مگر اس میں بھی یہ اشکال باقی رہ جاتا ہے کہ اس تاویل میں سکت کا فاعل ابن عباس بننے ہیں حالانکہ راجح یہ ہے کہ اس بھی نیچے کاروی ہے یعنی سعید۔ گو حافظ نے احتمالاً اس کو بھی لکھا ہے جو بذل میں ہے۔

لیکھ کر اب تک جو احادیث گذری ہیں ان کا تعلق فی سے تھا اور آنے والے باب سے خراج کی ابتداء ہو رہی ہے۔

## باب فی ایقاف ارض السواد وارض العنوة

اس باب میں خراج اور خراجی زمین ہی کا بیان ہے، ایقاف سے مراد جیسا کہ پہلے گذر چکا۔ ترک القسمة بین الغائبین ہے بل ابتداءً علی مالھا ومنہا الخراج علیھا المصالح المقاتیلین والمسلمین عامۃ، یعنی زمین کو فتح کرنے کے بعد بطور من و احسان کے اس کے ارباب (مشرکین) پر چھوڑ دینا اور ان زمینوں پر خراج یعنی ٹیکس مقرر کر دینا۔

**عشر اور خراج میں فرق** عشر اور خراج میں فرق یہ ہے کہ خراج تو مشرکین سے لیا جاتا ہے اور اس کا وجوب فی الذمۃ پیداوار میں ہوتا ہے، وجوب خراج کا سبب ذات ارض ہے یعنی الارض النامیۃ، اور عشر کا سبب وجوب خارج یعنی پیداوار ہے، چنانچہ خراج ہر حال میں واجب ہوتا ہے، خواہ پیداوار ہو یا نہ ہو، بخلاف عشر کے کہ وہ بغیر کاشت اور پیداوار کے نہیں لیا جاتا، نیز عشر میں عبادت کے معنی پائے جاتے ہیں، اور خراج میں صغار اور ذلت کے (من البدائع)

ترجمۃ الباب میں ارض السواد کے بعد وارض العنوة ہے، یہ عطف العام علی الخاص کے قبیلہ سے ہے کیونکہ ارض السواد بھی ارض العنوة ہی ہے، سواد سے مراد سواد العراق ہے، عراق کی زمین چونکہ بہت سرسبز اور کثیر الاشجار و المزارع ہے اس لئے اس کو سواد سے تعبیر کرتے ہیں اس لئے کہ سبزی دور سے مائل بہ سیاہی معلوم ہوتی ہے، ارض عراق کو مسلمانوں نے خلافت فاروقی میں فتح کیا، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی زمینوں کو وقف قرار دیا جیسا کہ حضرت عمر کا یہ مسلک پہلے بالتفصیل مع اختلاف ائمہ گذر چکا۔

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم منعت العراق فقیضھا و درہما ومنعت الشام مذہبھا و دینارھا ومنعت مصر و دینارھا ثم عدتھن من حیث بدأنتم۔

**شرح الحدیث** اس باب میں مصنف نے دو حدیثیں ذکر فرمائی ہیں اس پہلی حدیث میں ارض عنوة اور مال غنیمت کا ذکر ہے اور دوسری حدیث میں مال فی اور غنیمت دونوں کا حکم مذکور ہے اس پہلی حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پیشین گوئی فرما رہے ہیں کہ ایک زمانہ وہ آئے گا کہ مسلمان ان ممالک کو یعنی عراق شام اور مصر کو فتح کرنے کے بعد وہاں کے لوگوں پر یعنی مشرکین پر جو ان ملکوں میں آباد ہوں گے خراج مقرر کریں گے اور اس خراج میں آپ نے غلات اور درہم و دنانیر دونوں کو ذکر فرمایا جو نسا سکھ جس ملک میں رائج ہوگا اس حدیث میں آپ نے اسی کو ذکر فرمایا، چنانچہ عراق کے لئے درہم، اور شام و مصر کے لئے آپ نے دنانیر کو ذکر فرمایا، اور غلات میں جو نسا بیمانہ جہاں رائج تھا اسی کو آپ نے حدیث میں ذکر فرمایا، چنانچہ عراق کے لئے قیفر اور شام کے لئے مدی اور مصر کیلئے اردب

کو ذکر فرمایا، یہ سب کیا ل اور پیمانوں کے نام ہیں جو ان شہروں میں رائج ہیں، قیصر آٹھ لوگ کا ہوتا ہے اور مڈی پندرہ لوگ کا ہوتا ہے اور اردب جو بیس صاع کا ہوتا ہے۔

یہ حدیث اعلیٰ ثبوت میں سے ہے اس میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے دو پیشینگوئیاں بیان فرمائیں اول یہ کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ اسلام عراق شام مصر سب جگہ پہنچ جائے گا اور مسلمان ان کو فتح کرنے کے بعد ان کے باشندگان کفار پر خراج مقرر کریں گے، دوسری پیشینگوئی یہ کہ اسکے بعد پھر ایک وقت وہ آئے گا کہ یہ لوگ اس خراج کو دینے سے انکار کر دیں گے، دوبارہ ان کو غلبہ حاصل ہو جائے گا۔ وقیل اد لاجل اسلام والاول هو الاصح۔

شروعاً تہ من حیث بدأتہ، پھر تم جہاں سے چلے وہیں لوٹ آؤ گے یعنی اغطاط اور تنزل کی طرف، شرح نے لکھا ہے کافی مجمع البحار کہ یہ اشارہ اس حدیث کے مضمون کی طرف ہے۔ بدأ الاسلام غرباً وسیعود کبداً قالہا ذہیر ثلاث موات یہ ضمیر آخری جملہ کی طرف راجع ہے، ثم عدم تم من حیث بدأتہ کہ زبیر راوی نے اس جملہ کو تین بار کہا شہد علی ذلک لحم الجی ہریرۃ ددمہ، اس حدیث کے راوی جو کہ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں وہ اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد تاکیداً یہ فرما رہے ہیں گواہی دیتا ہے اس پر ابو ہریرہ کا تم اور دم یعنی مجھے اس حدیث کے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے سننے پر کامل یقین ہے، یہ ایسا ہی ہے جیسے ہمارے یہاں محاورہ میں کہتے ہیں کہ اس پر میرا رُواں رُواں گواہی دیتا ہے۔ والحدیث اخرجہ مسلم، قالہ المنذری۔

عن ہمام بن منبہ قال ہذا ما حدثننا ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ عن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، وقال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔

صحیفہ ہمام بن منبہ کا تعارف | دراصل یہ حدیث صحیفہ ہمام بن منبہ کی احادیث میں سے ہے، اس صحیفہ کی تمام روایات متفق السند ہیں۔ سند واحد مروی ہیں جس کی سند اس طرح ہے۔

عبد الرزاق عن معمر بن ہمام بن منبہ، اسی لئے اس صحیفہ میں یہ سند صرف پہلی حدیث کے شروع میں مذکور ہے، اور چونکہ باقی احادیث جو ایک متواتر قیاس میں اسی سند سے مروی ہیں اس لئے بعد کی حدیثوں میں سند کو ذکر نہیں کیا گیا صرف ذکر متون پر اکتفا کیا گیا، اس صحیفہ کی جملہ روایات کو امام احمد بن حنبل براہ راست عبد الرزاق سے روایت کرتے ہیں، اسی طرح شیخین امام بخاری و مسلم نے بھی اپنی صحیح میں اس صحیفہ سے بعض روایات لی ہیں، مسلم میں یہ نسبت بخاری کے زائد ہیں، امام ابو داؤد نے اس روایت کو اپنے استاد احمد بن حنبل کے واسطے سے لیا ہے اور امام مسلم بواسطہ محمد ابن رافع و بواسطہ امام احمد روایت کرتے ہیں ہذا ما حدثننا ابو ہریرۃ عن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ وآلہ وسلم، یہی صحیفہ کی بالکل شروع کی عبارت ہے اس کے بعد پھر متون احادیث کا سلسلہ شروع ہو گیا، اس کی نظر وہ روایات ہیں جو امام ابو داؤد نے مکتوب سمرہ سے لی ہیں جن کا ذکر الدر المنصور کے مقدمہ میں اور اصل کتاب میں بارہا گذر چکا، اور

یہاں مصنف نے جو حدیث اس صحیفہ سے لی ہے یہ اس صحیفہ کی آخری حدیث ہے۔

أَيُّمَا قَرِيبَةً أَيْتَمَوْهَا وَاقْتَمَمَ فِيهَا نَفْسَهُ مَكَمَّ فِيهَا وَإِيَّامًا قَرِيبَةً عَصَتْ اللَّهُ وَرَسُولَهُ فَإِنَّ خُمْسَهَا لِلَّهِ  
وَرَسُولِهِ شَرَحَ لِكُلِّهِ۔

شرح الحدیث | یعنی جس گاؤں یا بستی میں تم پہنچ جاؤ یعنی بغیر قتال کے اور وہاں جاگزیں ہو جاؤ تو اس قسم کے مال غنیمت میں تم سب کا حصہ ہے، اور جس بستی والے ایسے ہوں جو اللہ و رسول کے نافرمان ہوں یعنی اس میں تمہیں قتال کی ضرورت پیش آئی اور پھر قتال کے ذریعہ تم نے اس کو فتح کیا تو اس قسم کے مال کا حکم یہ ہے کہ اس میں سے ایک خمس تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لئے ہے باقی تمہارے لئے یعنی مقاتلین کے لئے، کیونکہ یہاں قتال کی نوبت آئی ہے بخلاف پہلی صورت کے کہ وہ مال بغیر قتال کے حاصل ہوا ہے اس لئے اس میں تمام مسلمانوں کا حصہ ہے کیونکہ وہ مال فنی ہے اور یہ دوسرا مال، مال غنیمت اسی لئے اس میں تخمیس کی گئی اور باقی اربعہ اخماس مقاتلین کے لئے ہوا، گویا اس حدیث میں مال فنی اور غنیمت دونوں کا حکم مذکور ہے، اور دوسری بات یہ کہ اس حدیث میں مال غنیمت کے تقسیم کرنے کا ذکر ہے اور اس باب کی پہلی حدیث میں خراج کا ذکر تھا، خراج ہوتا ہی ہے ایقاف اور عدم تقسیم کی صورت میں، لہذا دونوں حدیثوں کو ملانے سے معلوم ہوا ارض مفتوحہ کی تقسیم اور ترک تقسیم (ایقاف) دونوں جائز ہیں۔ فللشہ در المصنف کہ اس ایک باب میں دونوں قسم کی حدیثیں لے آئے، مصنف حنبلی ہیں اور حنابلہ کے نزدیک امام ارض مفتوحہ عنوة میں مختار ہے تقسیم اور ترک تقسیم دونوں کا۔ فتدبروا لشکر ہر ہر حدیث کو بہت غور سے سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ والحدیث اخرہ سلم قالہ المتذری۔

### باب فی اخذ الجزیۃ

جزیہ ان مشرکین کے نفوس کے ٹیکس کو کہتے ہیں جن کو دارالاسلام میں امن دے کر ٹھہرنے کی اجازت دی گئی ہے اور خراج کہتے ہیں زمین کے ٹیکس کو، اور عشر کہتے ہیں زمین کی پیداوار کی زکوٰۃ کو۔

یہاں پر جزیرہ میں دو اختلاف ہیں، اول یہ کہ جزیرہ کن کافروں سے لیا جاتا ہے، صرف اہل کتاب سے، یا اہل کتاب اور مشرکین دونوں سے، ثانیہ حنابلہ کے یہاں صرف اہل کتاب سے، اور حنفیہ و مالکیہ کے نزدیک دونوں سے، لیکن عند الحنفیہ مشرکین عرب سستی ہیں، اور دوسرا مسئلہ یہ کہ جزیرہ کی مقدار واجب کیا ہے؟ یہ دونوں مسئلے کتاب الزکوٰۃ میں مع اختلاف ائمہ حضرت معاذ کی حدیث، ومن کل عالم دینارا کے تحت۔ گذر چکے، پھر جانا چاہئے کہ وجوب جزیرہ کے لئے تین اوضاع شرط ہیں۔ شرائط وجوب جزیرہ | قال ابن رشد: اتفقوا علی انہا انما تجب بثلاثہ اوصاف الذکورۃ والتبولوج والحریۃ وانہا لا تجب علی النساء ولا علی الصبیان، پھر آگے انہوں نے اس کی وجہ لکھی ہے وہ یہ کہ جزیرہ تو قتل کے عوض میں ہے اور قتل کا حکم صرف رجال بالغین کے حق میں ہے، چنانچہ جہاد میں نساء اور صبیان کے قتل کی ممانعت ہے،

و کذا اجمعا علی انها لا تجب علی العبیہ ابی قتادہ نے بھی اسی پر جہور علماء اور ائمہ اربعہ کا اتفاق نقل کیا ہے، فان عمر کتاب الی امرار الاجناد ان اضربوا الجزیۃ ولا تقربوا علی النصار والصبیان ولا تقربوا الا علی من جرت علیہ المواسی، رواہ سعید والی سعید والاثرم الح۔ نوای، موسیٰ کی جمع یعنی استرہ، انبات کی طرف اشارہ ہے۔

وعن عثمان بن ابی سلیمان، یہ عن عاصم پر عطف ہے، یعنی محمد بن اسحاق اس حدیث کو ماہم سے بھی روایت کرتے ہیں اور عثمان سے بھی، لیکن عاصم کا طریق مستند ہے اور عثمان کا مرسل کیونکہ یہاں صحابی مذکور نہیں۔

ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم بعث خالد بن الولید الی اکیدر دومة فاحذروا فاقوا به فحقن له دمه وصالحه علی الجزیۃ۔

دومة الجندل ایک قریہ کا نام ہے من بلاد الشام اور اکیدر اس کے حکمران کا نام ہے، دومة الجندل کی فتح کا واقعہ غزوہ تبوک کے سفر میں پیش آیا جس کا ذکر ہمارے یہاں کتاب الجہاد میں آچکا ہے، فلا حاجۃ الی اعادتها۔

عن ابی وائل عن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم لما وجهہ الی الیمن الخ اس حدیث پر نیز اس کی تخریج پر کلام کتاب الزکوۃ میں گذر گیا۔

عن زیاد بن حدیق قال علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ لئن بقیت لنصاری بنی تغلب لا قتلن المقاتلۃ

ولا سببن الذمیۃ الخ۔

شرح الحدیث المتعلق بمصالحہ نصاری بنو تغلب

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرما رہے ہیں کہ اگر میں کچھ دن اور باقی رہا تو بالضرور نصاری بنو تغلب کے مردوں کو قتل کروں گا اور ان کی عورتوں بچوں کو قید کروں گا اسلئے کہ مجھ سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے اپنے درمیان اور ان کے درمیان معاہدہ لکھوایا تھا جس میں یہ بھی تھا کہ وہ اپنی پیدا ہونیوالی اولاد کو نصرائی نہیں بنائیں گے۔

گویا یہ کہنا چاہتے ہیں کہ انہوں نے نقض عہد کر دیا اور اپنی اولاد کو نصرائی بنایا۔

قال ابو داؤد: هذا حدیث منکر الخ۔

امام ابو داؤد اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد اس پر سخت کلام فرما رہے ہیں جیسا کہ تمہارے سامنے ہے، اور آگے اس میں ہے کہ مصنف کے شاگرد دلوئی کہتے ہیں کہ اس حدیث کو امام ابو داؤد نے اپنی اس سنن کی قرارت و روایت کے وقت پہلی بار تو پڑھا تھا لیکن دوسری مرتبہ نہیں پڑھا، یعنی سنن سے خارج کر دیا۔

اب سوال یہ ہے کہ نصاری بنو تغلب کے ساتھ کچھ معاملہ ہوا تھا یا نہیں اور اس واقعہ کی کچھ اصل ہے؟ جواب یہ ہے کہ ہاں اصل ہے لیکن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے ساتھ نہیں، آپ کا ان کے ساتھ کوئی معاہدہ نہیں ہوا تھا البتہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ان کا ایک معاہدہ ہوا تھا فاما صالحہ علی تصنیف الصدقہ بدل الجزیۃ یعنی



حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب ان پر جزیہ مقرر فرما رہے تھے تو انہوں نے کہا کہ جزیہ ہمارے حق میں موجب عار ہے کیونکہ ہم عرب ہیں، اور جزیہ دینا عجمیوں کا کام ہے لہذا ہم سے جو چاہے لے لیجئے لیکن جزیہ کے نام سے نہیں اور معاہدہ میں یہ بات آئی تھی ان لای نصروا اولادھم، صاحب عون المعبود نے اس واقعہ کی یہ اصل متعدد کتب حدیث مصنف ابن ابی شیبہ، بیہقی وغیرہ کے حوالہ سے لکھی ہے، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس عمل اور فیصلہ کی وجہ سے جمہور علماء اور ائمہ ثلاث کا مذہب یہی ہے کہ ان سے اس چیز کا دو گنا لیا جائے گا جتنا مسلم سے لیا جاتا ہے، نفی الرکاز الخمسان وما فیہ العشر عشان وما فیہ ربع العشر نصف العشر، وکذلک من نساہم، لیکن امام مالک کی رائے اس میں جمہور کے خلاف ہے ان کے نزدیک جو دوسرے اہل کتاب اور ذمیوں کا حکم ہے وہی ہو تغلب کا ہے وہ فرماتے ہیں کہ کتاب اللہ کا اہل کتاب سے جزیہ لینے کا حکم ہے جس میں سب برابر ہیں، اور دوسرے علماء جیسے ابن قدامہ اور ملا علی قاری وغیرہ نے لکھا ہے کہ حضرت عمر کے فیصلہ پر کسی صحابی نے ان کی مخالفت نہیں کی فصار اجماعاً (اور جز، ص ۳۸)

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال صالح رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اہل نجران علی النہی حلة..... وعادیۃ ثلاثین درعا..... ان کان بالیمن کید ذات غدر۔

**آپ کی نصاریٰ نجران کیساتھ مصالحت** | اوپر یہ آیا تھا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے نصاریٰ بنو تغلب سے مصالحت کی، وہ روایت تو خلاف واقعہ تھی لیکن یہ واقعہ کے مطابق ہے کہ آپ نے نصاریٰ نجران سے مصالحت فرمائی، نجران یمن میں ہے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے دو ہزار خلوں پر مصالحت فرمائی تھی دو قسطوں میں، نصف ماہ صفر میں اور نصف ماہ رجب میں اور نیز اس بات پر کہ اگر یمن میں لڑائی اور غدر ہونے لگے تو یہ چیزیں عاریت پر دینی ہوں گی جو حدیث میں مذکور ہیں یعنی تیس زرہیں، تیس گھوڑے، تیس اونٹ اور ہر قسم کے سلاح میں سے تیس تیس، اگر مسلمانوں نے ان کے ذریعہ قتال کیا تو وہ ان سب چیزوں کے ضامن ہوں گے، یعنی اس سامان کی واپسی ضروری ہوگی، ان کان بالیمن کا تعلق عاریت سے ہے۔

علی ان لا تہدم لہم بیعة ولا یخرج لہم قس، اس جملہ کا تعلق صالح سے ہے یعنی مصالحت اس بات پر ہوئی کہ مسلمان ان کے گرجا کو منہدم نہیں کریں گے اور نہ ان کے کسی عالم یا درزی کا اخراج کریں گے، اور نہ ان کو ان کے دین سے ہٹایا جائے گا۔

مالہم یحد ثواحد ثا او یا کلو الوباء، احداث حدث سے مراد شرائط عہد میں سے کسی شرط کا توڑنا ہے۔ اس مصالحت میں جس جزیہ کا ذکر ہے چونکہ یہ جزیہ بطریق صلح تھا تو اس قسم کے جزیہ کو جزیۃ الصلح والتراتضی کہتے ہیں تو گویا جزیہ کی دو قسمیں ہوتیں، جزیۃ صلیحہ، جزیۃ جبریہ، جزیۃ صلیحہ کا کوئی ضابطہ نہیں جس چیز پر بھی صلح ہو جائے، اور دوسری قسم جو جزیہ کی ہے اس کا ایک ضابطہ ہے، یعنی مقدار کے لحاظ سے جس کی تفصیل کتاب الزکوۃ میں گذر چکی۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جو صلح نامہ نصاریٰ بخران کے بارے میں لکھا تھا وہ کافی مفصل اور طویل ہے، حضرت نے ہڈی میں اس کو نقل فرمایا ہے جو دیکھنا چاہے اس کو دیکھ لے۔

## باب فی اخذ الجزیۃ من المجوس

مجوس آتش پرست ہوتے ہیں یہ لوگ عقیدہ کے اعتبار سے اصلین کے قائل ہیں یعنی دو چیزوں کو اصل مانتے ہیں ایک نور اور ایک ظلمت، اور یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ جتنی بھی دنیا میں خیر ہے وہ فعل نور ہے اور جتنے شرور ہیں وہ ظلمت سے سرزد ہوئے ہیں، ان کے بارے میں اس طرح بھی مشہور ہے کہ یہ لوگ دو خالق مانتے ہیں یزدان اور آخر من یزدان کو خالق الخیر، اور اہرن من کو خالق الشر مانتے ہیں (ان دونوں میں صرف تعبیر کا فرق ہے) اور ہر حال یہ مشرک ہیں، ان سے جزیہ تو بالا جماع لیا جاتا ہے، لیکن شافعیہ اور حنابلہ کے مسلک پر یہ اشکال ہو گا کہ وہ تو جزیہ کے بارے میں اہل کتاب کی تخصیص کرتے ہیں، مشرکین سے اخذ جزیہ کے قائل نہیں، وہ اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ موجودہ حالت کے اعتبار سے تو مشرک ہیں لیکن ابتداء اور اصل کے اعتبار سے یہ اہل کتاب تھے جیسا کہ حدیث الباب میں آ رہا ہے:

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال ان اهل فارس لما مات نبيهم كتب لهما ابليس المجوسية. لیکن ان کے اس جواب پر یہ اشکال ہے کہ اہل کتاب کے ذبايح اور ان کی عورتوں کے ساتھ نکاح جائز ہے بخلاف مجوس کے کہ ان میں جائز نہیں۔ قال كنت كاتب الجزء بن معاوية - عمار الاحنف بن قيس - اذ جاءنا كتاب عمر رضي الله تعالى عنه قبل موته بسنة -

**شرح الحیثیت** | بحالہ بن عبیدہ کہتے ہیں کہ میں جزر بن معاویہ جو احنف بن قیس کے چچا ہیں ان کا کاتب تھا، یہ جزر بن معاویہ تابعی ہیں، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جانب سے اھواز کے گورنر تھے بحالہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس حضرت عمر کی ایک تحریر ان کی وفات سے ایک سال قبل آئی جس میں یہ تھا کہ وہاں جتنے سباحر ہیں ان سب کو قتل کر دو اور مجوس میں سے ہر دو ذی رحم کے درمیان تفریق کر دو (اسلئے کہ وہ نکاح محارم کے قائل تھے) وانہوہم عن الزمومة اور یہ کہ ان کو زمرہ سے روکو، چنانچہ اُن کے روایت میں ہے کہ انہوں نے ایک دن میں تین سباحر قتل کر ڈالے اور اسی طرح اس قسم کے مجوسی اور اس کی حریم کے درمیان بھی تفریق کر دی اور تیسرے حکم کی تعمیل اس طرح کی کہ انہوں نے جتنے یہاں مجوسی تھے ان کے کھانے کی دعوت کی، جب سب لوگ کھانے پر بیٹھ گئے تو بیچ میں یہ جزر بن معاویہ بھی بیٹھ گئے، اپنی ران پر تلوار رکھ کے اور ان حاضرین سے کہا کھانا شروع کرو اور ان کو زمرہ سے روکا، تلوار ان کے سامنے تھی ہی۔ والفقوا و قریب غل من الوری، یعنی انہوں نے زمرہ کی اجازت کے لئے اور اس کی خوشامد میں دو خجروں کے بوجھ کے بقدر چاندی سامنے رکھی مگر وہ نہیں مانے اور ان کو زمرہ نہیں کرنے دیا، مجوس کی عادت کھانا

کھانے کے وقت زمرہ کی تھی، جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ کھانا کھانے کے وقت منہ کے اندر اندر ناک سے کچھ گنگناتے تھے جس کو وہ آپس میں تو سمجھتے تھے، لیکن کوئی دوسرا نہیں سمجھ سکتا تھا کہ کیا بول رہے ہیں، نہ معلوم اس کی کیا وجہ تھی۔

ولم يكن عمرا خذا الجزية من المجوس حتى شهد عبد الرحمن بن عوف ان رسول الله صلى الله تعالى عليه واله وسلم اخذها من مجوس هَجَرَ

یعنی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مجوس سے جزیہ لینے میں تردد تھا، پھر جب حضرت عبد الرحمن بن عوف نے ان سے عرض کیا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مجوس بھر سے جزیہ لیا ہے تب انہوں نے یسنا شروع کیا، فی الموطا: لما تردد عمر فی امر المجوس قال لہ عبد الرحمن بن عوف سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یقول: **سُئِلُوا بِهَمْ سُنَّةُ أَهْلِ الْكِتَابِ**، یعنی آپ نے فرمایا کہ مجوس کے ساتھ اہل کتاب والا معاملہ کرو، لیکن ہذا فی امر المجزیہ لانی جواز النکاح بنسائہم واکل ذبائحہم۔  
والحدیث اخرجہ البخاری ومسلم والترمذی والنسائی متفقاً۔ قالہ المنذری۔

ایک اصولی مسئلہ صیغہ تحدیث سے متعلق

اس حدیث کی سند میں اس طرح ہے: عمر بن دینار کہتے ہیں میں نے بحالہ سے وہ حدیث سنی جس کو وہ عمر بن اوس اور ابو الشعثار سے بیان کر رہے تھے۔ پھر اگے اس حدیث کا ذکر ہے، یہاں سوال ہو سکتا ہے کہ عمر بن دینار نے یوں کیوں نہ کہہ دیا حدیثی بحالہ اس طوالت کی کیا ضرورت تھی، اس کا جواب یہ ہے کہ بعض محدثین کی رائے یہ ہے کہ راوی لفظ حدیث سے روایت اس وقت کر سکتا ہے جب کہ اس کے استاد نے اس سے وہ حدیث بالقصد بیان کی ہو، اور اگر ایسا نہ ہو بلکہ مقصود بالاسماع دوسرے شخص ہو تو جو شخص مقصود بالاسماع نہ ہو لیکن اس نے وہ حدیث اس سے سن لی ہو تو پھر اس صورت میں اس سامع کے لئے اس حدیث کو بصیغہ حدیث بیان کرنا درست نہیں، الحاصل جو شخص مقصود بالاسماع ہو اسی کیلئے بوقت روایت حدیث حدیثا استعمال کرنا جائز ہے دوسرے کے لئے نہیں، لیکن عند الجہور جائز ہے، ومنعہ بعض مہم الامام النسائی وطائفة قليلة، قالہ الحافظ فی الفتح (عون) الدر المنصور کے مقدمہ میں بھی انواع تحمل کے بیان میں ہم غالباً یہ قول بھی لکھ چکے ہیں۔ عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال جاء رجل من الاسديين من اهل البعيرين وهو مجوس اهل هجر الى رسول الله صلى الله تعالى عليه واله وسلم الخ۔

شرح الحدیث | اسبزیون جو س میں ایک قوم ہے جو گھوڑے کی پرستش کرتے تھے، اس کا مفرد الاسبزی ہے  
مغرب من الاسب بمعنی الفرس۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک اسبذی بحوس اہل ہجر میں سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

کی خدمت میں پہنچا، تھوڑی دیر آپ کے پاس ٹھہرا پھر باہر آگیا، میں نے اس سے پوچھا کہ تیرے بارے میں آپ نے کیا فیصلہ فرمایا تو اس نے کہا بڑا فیصلہ، میں نے پوچھا کیا ہے وہ تو اس نے کہا، الاسلام والقتل، اس کا تقاضا یہ ہے کہ مجھ سے جزیہ نہیں لیا جائے گا، حالانکہ یہ عبدالرحمن بن عوف والی حدیث کے خلاف ہے اسی لئے آگے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرما رہے ہیں وقال عبد الرحمن بن عوف قبل منه الجزية، آگے ابن عباس فرماتے ہیں کہ علماء نے عبدالرحمن والی حدیث کو اختیار کیا اور جو میں نے اسبندی سے سنی تھی اس کو ترک کر دیا، اس لئے کہ اسبندی کا قول معتبر نہیں روایت میں۔ یہ حدیث الغازیوں سے ہے یعنی حبیستان، یعنی یہ بتائیے کہ وہ کونسی حدیث ہے جس کو ایک صحابی مجوسی سے روایت کرتے ہیں اور وہ مجوسی اس کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتا ہے۔

### باب التشديد في جباية الجزية

جبايت یعنی تحصیل واستخراج، یعنی جزیہ وصول کرنے میں تشدد برتنا۔

عن عروة بن الزبير ان هشام بن حكيم وجد رجلا وهو على حصن يشمس ناسا من القبط فادام المجزية عروہ کہتے ہیں: حکیم بن ہشام کے بیٹے ہشام نے ایک شخص کو جو کہ حص کا امیر تھا اس حال میں پایا کہ اس نے کچھ لوگوں کو دھوپ میں کھڑا کر رکھا تھا ادائے جزیہ کے بارے میں، تو اس پر ہشام بن حکیم نے ٹیکر کی کہ یہ کیا ہو رہا ہے، اور پھر حدیث سنائی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی کہ آپ فرماتے تھے اللہ تعالیٰ عذاب دیں گے ان لوگوں کو جو دنیا میں دوسروں کو عذاب دیتے ہیں۔

اس روایت میں ناسا من القبط ہے، اور واقعہ ہے یہ ملک شام کا، قبلی وہاں کہاں تھے وہ تو مصری ہوتے ہیں، لہذا روایت میں تحریف ہے اس لئے کہ مسلم میں اس کے بجائے، اناس من الانباط، ہے تو بجائے قبط کے قبط ہو گیا، اور نبی عجی کاشتم کار کہتے ہیں۔ والحدیث اخرجه مسلم والنسائی، قال المنذرى۔

### باب في تعشير اهل الذمة اذا اختلفوا بالتجارة

مسئلہ مذکورہ فی الباب کی تشریح و تنقیح | یعنی ذمی لوگ جب مال تجارت لیکر عاشر پر کو گزریں ان سے عشر لینے کے بیان میں۔ ملاحظہ فرمائیے کہ ذمیوں کے حق میں نہ سونے چاندی میں نہ زکاہ ہے نہ زمین کی پیداوار میں عشر، بلکہ ان سے صرف جزیہ لیا جائے گا جس کے اندر پستی اور ذلت کے معنی پائے جاتے ہیں۔

لہ اختلاف بمعنی آمد و رفت، قال تعالى ان في اختلاف الليل والنهار آيات لادلى الالهاب w لہ ففی الرطبات قال مالک: وليس —

وقال الله تعالى حتى يُعْطُوا الجزية عن يد وهم صاغرون، اور زکاة و عشر صرف مسلمانوں سے لیا جاتا ہے کیونکہ یہ دونوں عبادت ہیں، اور ان سے مقصود تطہیر ہے قال الله تعالى خذ من أموالهم صدقة تطهرهم، وقال صلى الله تعالى عليه وآله وسلم ان الله لم يفرض الزکاة الا لیطہیبت ما بقى من أموالکم، رواه ابو داؤد، اور کفار تطہیر کے قابل نہیں، قال الله تعالى انما المشرکون نجس، لیکن یہ سب اس صورت میں ہے کہ جب تک یہ ذمی اسی مقام اور قریہ میں ٹھہرے رہیں جہاں ان کو ٹھہرنے کی اجازت دی گئی ہے اور جس پر صلح ہوئی ہے، اور اگر یہ لوگ اس شہر سے یا اس مقام سے کسی دوسرے ملک یا شہر میں مال تجارت لیکر سفر کریں اور آنا جانا رکھیں تو اس صورت میں ان سے ان کے اموال تجارت میں سے عشر لیا جائے گا، اس باب میں اسی کا بیان ہے کہ جب یہ لوگ اموال تجارت لے کر ایک ملک سے دوسرے ملک میں جائیں تو ان سے اس صورت میں کیا لیا جائے عشر یا نصف عشر وغیر ذلک من الشرائط۔

ہدایہ میں ہے، باب فین یر علی العاشر، والعاشر من نصاب الامام علی الطريق لیاخذ الصدقات من التجار، نیز ہدایہ میں ہے کہ جب تاجر عاشر پر کو مال تجارت لے کر گذرے اور وہ یہ کہے کہ ابھی حوالان حول نہیں ہوا یا یہ کہ مجھ پر دین ہے اور اس پر وہ قسم کھائے تو اس کی تصدیق کی جائے گی اور ایسے ہی اگر وہ یوں کہے کہ میں نے اس کی زکوة مصر میں فقراء کو خود ادا کر دی ہے پھر اس کے بعد لکھتے ہیں کہ مسلم سے عاشر ربیع عشر لے، اور ذمی سے نصف العشر اور حربی سے عشر نیز اس میں یہ بھی ہے کہ ذمی اور مسلم سے نصف العشر اور ربیع العشر اس وقت لیا جائے جبکہ بقدر نصاب مال تجارت لے کر گذرے، اور حربی کے بارے میں یہ ہے کہ وہاں بھی نصاب کا اعتبار ہے الا یہ کہ وہ لوگ مسلمانوں سے مادون النصاب سے عشر لیتے ہوں تو پھر ہم بھی ان سے اسی طرح معاملہ کریں گے، ایسے ہی اگر وہ ہم سے عشر سے کم لیتے ہوں نصف العشر یا ربیع العشر تب ہم بھی ان کے ساتھ ایسا ہی کریں گے، اگر وہ مسلمان سے کل مال لے لیتے ہوں تو پھر ہم ایسا نہیں کریں گے لانا قدر اور اگر وہ ہم سے بالکل نہیں لیتے تو پھر ہم بھی نہیں لیں گے لانا حتی بکرام الاخلاق (ہدایہ، ج ۱ ص ۱۸۹)

ترجمہ الباب والے مسئلہ میں مذاہب ائمہ | اور مذاہب اربعہ کا خلاصہ اس میں یہ ہے کہ حنفیہ و حنابلہ کے نزدیک نصف العشر لیا جائے گا بشرط النصاب مرة فی الحول، اور امام مالک کے نزدیک عشر لیا جائے گا کلام علی العاشر ولم یشرط الحول ولا النصاب، نیز امام مالک کے نزدیک عام اموال میں تو عشر ہی لیا جائے گا سب جگہ، البتہ صرف مکہ مدینہ میں بعض اطماع کے بارے میں (حنطہ اور زیت) ان کی ایک روایت یہ ہے کہ ان میں نصف عشر لیا جائے گا، چنانچہ موطا میں ہے امام مالک اپنی سند سے نقل کرتے ہیں ان عمر بن الخطاب، رضی اللہ تعالیٰ عنہ

— علی اہل الذمۃ ولا علی الجوس فی تخلیفہم ولا کر دمہم ولا زرعہم ولا مواشیہم صدقۃ فان الصدقۃ انما وضعت علی المسلمین تطہیر لہم، ما کا نوا بیلدہم الذی ما کوا علیہ الا ان یتجر وانی بلاد المسلمین ویتخلوا فیہ فیؤخذ ہنہم العشر فیما یریدون من التجارات اھلہم اھلہم وجزئہم

كان ياخذ من النبط من الحنطة والزيت نصف العشر يريد بذلك ان يكثر الحمل الى المدينة، وياخذ من القطنية العشر (ابو جرير ۲۷۱)  
یعنی حضرت عمر حنطہ اور زیت میں سے بچائے عشر کے نصف عشر لیتے تھے تاکہ تاجر لوگ ان کو کثرت میں لے کر آئیں اور  
پھر وہاں ارزانی ہو، اور باقی جنوب سے یعنی ان غلوں سے جو پکائے جاتے ہیں جیسے سورجنا لوبیا ان میں سے عشر ہی لیتے تھے  
اور حنطہ اور زیت کی تفصیل اسلئے تھی لانہما معظم طعامہم یعنی چونکہ یہ دو چیزیں عام طور سے کھائی جاتی ہیں اور لوگوں کو  
ان کی طرف احتیاج زائد ہے، اور امام شافعی رحمہ اللہ کا مسلک اس بارے میں یہ ہے کہ اہل ذمہ سے سوائے جزیہ اور سوائے  
اس کے جس پر ان سے مصالحت ہوئی صدقہ زکاۃ عشر کچھ نہیں لیا جائے گا یعنی مال تجارت میں، مگر یہ کہ غیر حجاز سے وہ  
مال تجارت لیکر حجاز میں آئیں، تو اول تو ان کو حجاز میں داخلہ کی اجازت ہی نہ دی جائے، اور اگر دی جائے تو بغیر معاوضہ کے  
نہیں عشر یا نصف العشر جو بھی امام کرے ہو، اور اجازت بھی حجاز میں آنے کی صرف تین دن کی دی جائے گی اس سے  
زائد نہیں۔ (ابو جریر ج ۳ ص ۲۷۱)

قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم انما العشر على اليهود والنصارى وليس على المسلمين عشر  
**شرح الحدیث** عشر جمع ہے عشر کی اور اس کے بارے میں آپ یہ فرما رہے ہیں کہ مسلمانوں پر عشر نہیں بلکہ یہود و نصاریٰ  
پر ہیں اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ کتاب الزکاۃ میں یہ گذر چکا کہ صدقہ کی دو قسم ہیں، ایک وہ جو نقدین  
(سونہ چاندی) اور مال تجارت میں واجب ہوتا ہے جس کو زکاۃ کہتے ہیں جس کی مقدار ربع العشر ہے، اور قسم ثانی وہ جو  
زمین کی پیداوار میں واجب ہوتا ہے جس کی مقدار عشر اور نصف العشر ہے، جس کو عشر کہتے ہیں، تو پھر یہاں عشر کی مسلمانوں  
سے نفی کیسے کی جا رہی ہے، اس کا جواب یہ ہے مسلمانوں کے ذمہ جو عشر واجب ہوتا ہے اس سے مراد غلات ارض کا عشر ہے  
یعنی زمین کی پیداوار کا، اور یہاں حدیث میں مال تجارت کا عشر مراد ہے جو اہل ذمہ سے لیا جاتا ہے یا یہاں پھر یہ کہا جا  
کہ عشر سے مراد خراج ہے جیسا کہ بعد والی حدیث میں آ رہا ہے، پھر کسی توجیہ ہی کی حاجت نہیں۔  
اس حدیث کی سند میں شدید اختلاف واضطراب ہے جو خود ابو داؤد کی روایات میں بھی ہے جس کی تفصیل حضرت  
نے ہذل میں لکھی ہے، جس سے یہ بات نکلتی ہے کہ اس حدیث کا راوی صحابی، مجہول ہے۔

من العرياض بن سارية السلمي رضي الله تعالى عنه - قال نزلنا مع النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم  
خيبر ومعه من معه من اصحابه وكان صاحب خيبر رجلا مarda متكروا فاقبل الى النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم  
والله وسلم فقال يا محمد (صلى الله تعالى عليه وآله وسلم) اني

**مضمون حدیث** مضمون حدیث یہ ہے کہ عریاض بن ساریہ فرماتے ہیں کہ جب ہم حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم  
کے ساتھ خیبر میں تھے اور آپ کے ساتھ صحابہ بھی تھے تو ایک روز خیبر کے جو دھری سے ملاقات

لہ بکر القاف - وضمها لغة - كالحدس والنحس واللویا والارز والسمم وغیر ذلک (ابو جریر ج ۳ ص ۲۷۱)



## باب فی الذمی یسلم فی بعض السنة هل علیہ جزیه؟

شرح الحدیث و مذاہب ائمہ | حدیث کا لفظ۔ لیسن علی مسلم جزیه ہے، اس پر یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ یہ بات تو بدیہی ہے کہ مسلمان پر جزیه نہیں ہوتا پھر اس کے ذکر سے کیا فائدہ، غالباً اسی لئے آگے روایت میں آرہا ہے کہ سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ سے سوال کیا گیا اس حدیث کے معنی کے بارے میں تو انہوں نے فرمایا مراد یہ ہے کہ اگر ذمی درمیان سال اسلام لے آئے تو اب اس سے جزیه نہیں لیا جائے گا بلکہ ساقط ہو جائیگا گذشتہ مہینوں کا، اس میں جمہور علماء اور ائمہ ثلاث کا مذہب یہی ہے امام شافعی کی بھی ایک روایت یہی ہے، لیکن قول معتمد ان کا یہ ہے کہ ساقط نہیں ہوتا بلکہ لیا جائے گا۔ (لکافی الاذہن عن شرح الاقناع) بعض شرح شافعیہ (الخطابی فی المعالم) نے اس حدیث میں جزیه سے خراج مراد لیا ہے، یعنی اگر ذمی اسلام لے آئے اور اس کے ہاتھ میں خراجی زمین تھی تو اس سے خراج ساقط ہو جائے گا، لیکن یہ دوسرا مسئلہ ہے، یہ خود مختلف فیہ ہے، حنفیہ کے نزدیک اسلام لانے سے زمین کا خراج ساقط نہیں ہوتا، امام شافعی کے یہاں ساقط ہو جاتا ہے۔ وفیہ تفصیل عند ہم یا فی باب الدخول فی ارض الخراج۔ والحدیث اخبرنا الترمذی، قالہ المنذری۔

## باب فی الامام یقبل ہدا یا الشریکین

حدثني عبد الله الهوزني قال لقيت بلالاً مؤذن رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم بجلب فقلت يا بلال حدثني كيف كانت نفقة رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم قال ما كان له شيء كنت انا الذي آتي ذلك منه منذ بعثه الله تعالى حتى توفي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم الحديث۔

یہ طویل حدیث ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ عبد اللہ الہوزنی کہتے ہیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے مؤذن حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے میری ملاقات شہر طلب میں ہوئی (حضرت بلال حضور کے وصال کے بعد مدینہ سے ملک شام چلے گئے تھے حتیٰ کہ وفات بھی وہیں ہوئی) میں نے کہا کہ آج تو آپ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے گھر کے اخراجات کی کیفیت بیان کر دیجئے، انہوں نے ان کی درخواست پر بیان کرنا شروع کر دیا، اور فرمایا کہ آپ کے پاس کچھ پیسے ویسے تو ہوا نہیں کریں تھے، اور ان کاموں کا ذمہ دار میں ہی تھا کہنت انا الذی آتی یہ مشکل کا صیغہ ہے ولایۃ سے یعنی آپ کی ضروریات کی لین دین اور خرید و فروخت کا، آپ کی نبوت سے لیکر وفات تک، آپ کا حال یہ تھا کہ جب کوئی مسلمان



آپ کے پاس آتا اور آپ اس کو برہنہ دیکھتے تو آپ مجھ کو حکم فرماتے اس بارے میں، تو میں کسی سے قرض نہ کر اس کو چادر خرید کر دیدیتا اور کھانا بھی کھلا دیتا (یہ ایک دن کا واقعہ نہیں، بلکہ مطلب یہ ہے کہ آپ کے یہاں یہی ہوتا رہتا تھا کہ میں قرض لیکر ضرورت مندوں کی ضرورت میں آپ کے فرمانے سے پوری کر دیتا کرتا تھا) ایک دن ایسا ہوا کہ ایک مشرک تاجر میرے پاس آیا اس نے مجھ سے کہا کہ اے بلال کسی سے قرض مت لیا کر، میرے پاس کافی گنجائش ہے مجھ سے ہی لیا کر میں ایسا کرنے لگا، ایک روز کی بات ہے کہ میں وضو کر کے اذان کے لئے کھڑا ہو رہا تھا تو دیکھا کہ اچانک وہی مشرک چند تاجروں کو لیکر میرے سامنے آیا اور مجھ کو دیکھ کر کہنے لگا یا حبشی! قلت یا لبأہ (لیک کے طرح ضمیر غائب کے ساتھ بھی استعمال ہوتا ہے) یہ کہہ کر مجھے بہت سخت سست کہنے لگا، اور کہنے لگا کہ جانتا بھی ہے کہ مہینہ پورا ہونے میں کتنے روز باقی رہ گئے ہیں؟ میں نے کہا کہ ہاں پورا ہونے والا ہے، کہنے لگا صرف چار دن باقی ہیں، اگر چار دن کے اندر ادا نہ کیا تو اس کے بدلہ میں، میں تجھ کو پکڑ لوں گا اور تجھ سے بکریاں چراؤں گا جس طرح تو پہلے چراتا تھا (آگے حضرت بلال فرماتے ہیں) کہ اس وقت میرے دل میں ایسی تنگی اور پریشانی ہوئی جو لوگوں کو ایسے موقع پر ہوا کرتی ہے، یہاں تک کہ جب میں عشاء کی گاز سے فارغ ہوا اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم - اپنے دولت کدہ پر پہنچ گئے، میں اجازت لیکر آپ کے پاس پہنچا اور آپ سے عرض کیا یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، وہ مشرک جس سے میں قرض لیا کرتا تھا وہ مجھے آج ایسا ایسا کہہ کر گیا ہے، اور نہ تو آپ کے پاس ادا کرنے کو کچھ ہے اور نہ ہی میرے پاس، وہو فاضحی یہ اسم فاعل ہے جو یائے متکلم کی طرف مضاف ہو رہا ہے، یعنی وہ مجھے اور رسوا کرے گا (اگر وقت پر ادا کرنے کو کچھ نہ ہوا) لہذا مجھے اجازت دیجئے کہ مدینہ کے اطراف میں جو بعض قبیلے اسلام لے آئے ہیں وہاں بھاگ جاؤں جب تک اللہ تعالیٰ آپ کو عطا فرمائیں وہ چیز کہ جس سے قرض ادا ہو (آپ میری بات سن کر خاموش رہے) میں آپ کے پاس چلا آیا، اور میں نے اپنے گھر اگر سفر کا ضروری سامان تلوار، تھیلہ، جوتے، ڈھال یہ سب چیزیں اپنے سرہانے رکھ لیں، یہاں تک کہ جب صبح صادق ہوئی تو میں نے ارادہ کیا کہ سفر میں چلوں، اسی دوران میں ایک آدمی دوڑا ہوا مجھ کو پکارتا ہوا آیا کہ حضور بلارہے ہیں، میں آپ کی طرف چلا، راستہ میں میں نے چار اونٹنیاں بیٹھی ہوئی دیکھیں جن پر سامان لدا ہوا تھا، میں اجازت لے کر آپ کی خدمت میں پہنچا، آپ نے مجھے دیکھتے ہی فرمایا کہ خوش ہو جا، اللہ تعالیٰ نے تیرے دین کے ادا کا انتظام فرمادیا، اور فرمایا العترة الکأثبة المتناخات الا سبع کہ کیا تو نے چار اونٹنیاں بیٹھی ہوئی نہیں دیکھیں میں نے عرض کیا جی دیکھی ہیں، آپ نے فرمایا کہ یہ اونٹنیاں مع ان سامان کے جو ان پر ہیں تیرے حوالہ ہیں، اور آپ نے یہ بھی فرمایا کہ ان اونٹنیوں پر غلہ اور کپڑا لدا ہوا ہے۔ اھذاھن الی عظیمہ ذلک یہود مذک کے ایک بڑے آدمی نے یہ ہدیہ میرے پاس بھیجی ہیں، ان کے ذریعہ سے اپنا قرض ادا کر لے، وہ کہتے ہیں میں نے ایسا کر لیا، یعنی بعض سامان فروخت کر کے اپنا قرض ادا کر دیا۔ اس کے بعد روایت میں ہے فذكر الحدیث۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کچھ

اور بھی مضمون تھا جس کو مصنف نے اختصاراً حذف کر دیا، حضرت شیخ نے حاشیہ بذل میں کثر العمال کے حوالہ سے اس حدیث کا بقیہ حصہ ذکر فرمایا ہے، پھر (یعنی اداۓ دین کے بعد) میں مسجد کی طرف چلا تو دیکھا آپ تشریف فرما ہیں، میں نے سلام عرض کیا، آپ نے دین کے بارے دریافت فرمایا، میں نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے پورا دین ادا کر دیا، آپ نے پوچھا کچھ مال بچا ہے؟ میں نے عرض کیا جی بچا ہے، آپ نے فرمایا دیکھ مجھے اس باقی سے راحت پہنچا دے، اسلئے کہ میں اس وقت تک اپنے گھر والوں میں سے کسی کے پاس نہیں جاؤں گا یہاں تک کہ تو مجھ کو اس سے راحت پہنچائے پھر جب شام ہوئی اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عشاء کی نماز سے فارغ ہو گئے، آپ نے مجھ کو بلا کر دریافت فرمایا کہ باقی مال کا کیا ہوا؟ میں نے عرض کیا جی میرے پاس ہی ہے کوئی لینے نہیں آیا، چنانچہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یہ رات مسجد ہی میں گزاری، پھر جب دوسرے دن کی عشاء کی نماز سے آپ فارغ ہوئے تو مجھ کو بلا کر پھر دریافت فرمایا، میں نے عرض کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سے راحت پہنچا دی، آپ نے اس پر تنکیر اور اللہ تعالیٰ کی تحمید کی۔

شفقاً من ان یدرکہ الموت وعندہ ذلک، یعنی آپ اس بات سے ڈرتے تھے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مجھ کو اس حال میں موت آئے کہ یہ مال میرے پاس ہو (اس کے بعد آپ مسجد سے ازدواج مطہرات کے مکانات کی طرف چلے) میں بھی آپ کے پیچھے چلا تو آپ جملہ ازدواج کے پاس تشریف لے گئے، ہر ایک زوجہ محترمہ کو سلام کرتے ہوئے اپنی باری کی جگہ پہنچ گئے (آخر میں سائل یعنی عبداللہ البوزنی سے فرماتے ہیں) فہذا الذی سألتنی عنہ یہ ہے اس کا جواب جو تو نے مجھ سے پوچھا تھا، اسی حدیث کے دوسرے طریق میں ہے فسکت عفی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فاختمتہا، کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے میری ساری بات سن کر خاموشی اختیار فرمائی یعنی شروع قصہ میں، پس مجھے یہ حالت کچھ پسند نہ آئی، غالباً اشارہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے سکوت کی طرف ہے کہ آپ نے کوئی تسلی کا جملہ بھی نہ فرمایا، یہ بھی ان کے تعلق اور محبت ہی کی بات ہے جو کہہ رہے ہیں، اس حدیث کی ترجمہ الباب سے مطابقت ظاہر ہے، اگرچہ عظیم مذکور یہودی تھا، لیکن یہودی بھی مشرکین ہی کے حکم میں ہیں لقولہ تعالیٰ قالت الیہود عزیر ابن اللہ اگرچہ بعض دوسرے احکام میں مشرکین اور اہل کتاب میں یقیناً فرق ہے۔

عن عیاض بن حمار - رضی اللہ تعالیٰ عنہ - قال احدثت للنبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ناقة

فقالت اسلمت؟ قلت لا، فقال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ارفی نہیت عن ربک المشرکین۔

یہ حدیث گذشتہ حدیث کے بظاہر خلاف ہے جس میں آپ کا عظیم مذکور کا ہدیہ قبول کرنا مذکور ہے، اور اس حدیث میں آپ یہ فرما رہے ہیں کہ مجھ کو مشرکین کا عطیہ قبول کرنے سے منع کیا گیا ہے، یہی فرماتے ہیں کہ روایات

قبول ہدیہ مشرکین وعدم قبول کے بارہمیں دو مختلف حدیثیں

القبول صح۔ اور وہ کہتے ہیں، اور یہاں کہا جائے کہ منع کا تعلق مشرکین کے ہدایا سے ہے، اور قبول کی روایات میں اہل کتاب

کے ہدایا کا ذکر ہے، اور خطاب کرتے ہیں یہ منع کی روایت منسوخ ہے اس لئے کہ آپ نے بہت سے مشرکین کے ہدایا قبول فرمائے ہیں، جیسے مقوقس نے ماریہ قبطیہ، اور بقلہ، اور ایسے ہی آگیدر دومہ نے آپ کی خدمت میں ہدیہ پیش کیا ہے اھ مختصر من البذل، ایسے ہی باب احیاء الموات میں ملک ایلہ کے ہدیہ کا ذکر ہے فانتینا تبوک فاھدی ملک ایلہ الی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بخلفہ بیضاء، امام ترمذی نے بھی اس تعارض پر کلام فرمایا ہے، انہوں نے نسخ کے بارے میں دونوں احتمال لکھے ہیں یعنی ان دو میں سے کسی ایک کو منسوخ اور دوسرے کو ناسخ کہا جائے، کتاب الجہاد کے اخیر میں "باب فی حمل السلاح الی ارض العدو" اس میں جو حدیث گزری ہے اس میں ہدیہ مشرک کا رد مذکور ہے۔ فت ذکر۔

الحديث اخرجه الترمذی وقال حسن صحيح، قاله المنذری۔

## باب فی اقطاع الارضین

بعض نسخوں میں اس باب سے پہلے کتاب القطائع لکھا ہوا ہے جس سے سمجھ میں آتا ہے کہ کتاب الخراج اس پر اگر ختم ہو گئی۔ اور اس کے بعد دوسرا باب آرہا ہے "احیاء الموات" کا، یہاں مصنف نے ترجمہ قائم کیا۔ اقطاع الارضین۔ یعنی ارض کو مطلقاً ذکر کیا اور احیاء کی اضافت موات کی طرف کی، جس کی وجہ یہ ہے کہ احیاء بالاتفاق ارض موات ہی کا ہوتا ہے، موات یعنی ارض مباحہ غیر مملوکہ اور وہ بنجر زمین جو کسی کی ملک نہ ہو، فقہاء نے لکھا ہے کہ موات وہ زمین ہے جو کسی کی ملک نہ ہو خارج بلد ہو، نیز مراعات بلد سے نہ ہو یعنی اہل شہر کی کوئی ضرورت و منفعت اس سے وابستہ نہ ہو۔ بخلاف اقطاع کے کہ وہ اکثر تو ارض موات ہی کا ہوتا ہے اور کبھی ارض مملوکہ کا بھی، یعنی امام اپنی مملوکہ زمین میں سے اقطاع کرے یا مملوکہ للغير ہو اور اس کی اجازت سے امام اقطاع کرے، یہ حنفیہ کا مسلک ہے، امام شافعی کے نزدیک امام کے لئے ارض مملوکہ لبیت المال کا اقطاع بھی جائز ہے، صرح بالنووی۔

اقطاع کہتے ہیں خلیفہ وقت کی جانب سے زمین کا ایک رقبہ کسی کے لئے نامزد کر دینا، قطیعہ بمعنی جاگیر جس کی جمع

ملہ چنانچہ آگے جن ہدایا کا ذکر خطاب وغیرہ کے کلام میں آرہا ہے وہ سب ہدایا اہل کتاب کی طرف سے تھے ۱۰۔

۱۱۔ بیان الصنائع میں زمینوں کے اقسام اور احکام کے ضمن میں لکھا ہے کہ امام کو اقطاع موات کا حق اسلئے ہے کہ یہ سبب ہے عمارت بلاد کا کیونکہ اقطاع کے بعد جب وہ زمین رعایا میں سے کسی ایک کی ملک ہو جاتی ہے تو وہ اس کی خدمت کر کے اس کو آباد اور کارآمد بناتا ہے اسی لئے اگر کوئی شخص اقطاع کے بعد اس زمین کی خدمت کر کے اس کو کارآمد نہ بنائے تو تین سال تک اس سے تعرض نہ کیا جائے، تین سال کے بعد سے

قطاع آتی ہے، کتاب القطیعة یعنی جاگیر نامہ، جو کسی کے لئے امام لکھ کر دئے، اقطاع اور احیاء میں فرق واضح ہے، اسلئے کہ اقطاع فعل امام کا نام ہے وہ کسی اور چیز پر موقوف نہیں، بخلاف احیاء کے کہ وہ خدمت ارض کا نام ہے۔ پس جو شخص کسی ارض مباحہ غیر ملوکہ کی خدمت کر کے اس کو آباد کرے گا وہ اس کا مالک ہو جائے گا، اس میں اختلاف ہے کہ احیاء میں اذن امام شرط ہے یا نہیں، امام صاحب کے نزدیک ضروری ہے، امام شافعی و احمد اور صاحبین کے نزدیک غیر ضروری ہے، اور امام مالک کے نزدیک موات قریب میں اذن شرط ہے بعید میں نہیں، یعنی جو آبادی سے زیادہ دور ہو

عن علقمہ بن واثل عن ابیہ ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اقطعہ ارضاً بحضرة موت۔

حضرت موت یمن کا مشہور علاقہ ہے جس میں بہت سے شہر ہیں، حضرت موت میں اقطاع سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ خاص شہر میں ہو الا بحوزہ الاقطاع عندنا فی المصر کما سیأتی قریباً۔  
والحدیث اخرجه الترمذی، قالہ المنذری۔

عن فطر قال حدثنی ابی عن عمرو بن حریث قال خطب لی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

دار بالمدينة بقوس وقال ازیدک ازیدک۔

**شرح الحدیث** | عمرو بن حریث رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے میرے لئے مکان کے ذریعہ سے نشان ڈالا مدینہ میں ایک مکان کی زمین کا، یعنی مکان کے ذریعہ زمین پر نشان ڈال کر فرمایا کہ اتنا حصہ تمہارے لئے ہے، اسی فعل امام کا نام اقطاع ہے، اس حدیث میں تصریح ہے کہ آپ نے ان صحابی کو ایک مکان کے بقدر زمین شہر میں عطا کی، حنفیہ کے نزدیک اقطاع فی المصر جائز نہیں کیونکہ شہر میں جو زمین ہوگی لا سالیہ کسی کی ملک ہوگی، وایجاب: الحدیث ضعیف ضعیفہ الاثمتہ برویہ فطر بن خلیفہ عن ابیہ، والوہ مجہول، یا حدیث کی تاویل کی جاتے یعنی اقطع برضا المالك، اور رضا ملکها هو صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔

اس حدیث کے آخری جملہ کی شرح میں دو احتمال لکھے ہیں ایک یہ کہ یہ استفہام ہے آپ کی جانب سے کہ آپ نے اس زمین کو ناپتے وقت ان سے فرمایا کہ اتنی مقدار کافی ہے یا اور اضافہ کروں، اور دوسرا احتمال یہ لکھا ہے کہ آپ فرما رہے ہیں ان صحابی کو کہ دیکھ میں تجھ کو بڑھا کر دے رہا ہوں، اور تیسرا مطلب یہ بھی لکھا ہے کہ اس وقت تو اتنا ہی دے رہا ہوں بعد میں اس میں اضافہ کر دیں گے۔

عن ربیعہ بن ابی عبد الرحمن عن غیل وایحی ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اقطع بلال بن

الحرث المزنی معادن القبلیة وهي من ناحية الفرج فملك المعادن لا یؤخذ منها الا الزکاة الی الیوم۔

— بھی اگر وہ کچھ نہ کرے تو اس سے واپس لے لی جائے گی وہ زمین پھر سے موات بن جائے ہے لہذا اب امام اس کا اقطاع کسی دوسرے شخص کیلئے کر سکتا ہو۔

یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بلال بن الحارث کے لئے مقام قبل کی معادن (کانیں) اقطاع فرمائیں یعنی بطور جائیداد عطا فرمائیں، قبل ایک جگہ کا نام ہے جو مدینہ میں نواجی فرُّع میں واقع ہے۔ اور فرع کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ ایک قریہ ہے نواجی ربذہ میں، اس کے اور مدینہ کے درمیان آٹھ برید کا فاصلہ ہے (بذل)

**معادن میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے یا خمس** | آگے روایت میں ہے کہ ان معادن سے اس وقت سے لیکر اب تک صرف زکوٰۃ ہی لی جا رہی ہے جس کا مطلب ہے کہ ربع العشر لیا جا رہا ہے حالانکہ حنفیہ کے نزدیک معادن میں خمس واجب ہوتا ہے، مسئلہ مختلف فیہ ہے، حنفیہ کے نزدیک معادن میں مثل کنز کے خمس واجب ہوتا ہے، بخلاف جمہور علماء اور ائمہ ثلاث کے کہ ان کے نزدیک خمس صرف کنز یعنی دھنیرہ جالبیہ میں ہے اور معادن میں زکوٰۃ ہی واجب ہوتی ہے، حنفیہ کی دلیل آگے کتاب انخراج ہی میں اسکے اواخر میں، باب ما جاز فی الرکاز وافیہ، میں آرہی ہے، یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی مشہور حدیث، "فی الرکاز الخمس" دراصل، رکاز کے مصداق ہی میں اختلاف ہو رہا ہے، جمہور اور ائمہ ثلاث کے نزدیک رکاز کنز کے مرادف ہے، کنز بالاتفاق دھنیرہ جالبیہ کا نام ہے اور معادن بالاتفاق اس کان کا نام ہے جو مخلوق للشرع تعالیٰ ہو، حنفیہ کے نزدیک معادن کا مقابل کنز ہے اور رکاز ان کے نزدیک دونوں کو شامل ہے، پس استدلال تو ہر دو فریق کا اسی حدیث "فی الرکاز الخمس" سے ہے لیکن چونکہ رکاز کے مصداق میں حنفیہ اور ائمہ ثلاث کا اختلاف ہو گیا، اسی لئے اس مسئلہ میں بھی اختلاف ہوا۔

**معادن قبلیہ والی حدیث کے حنفیہ کی طرف سے جوابات** | لیکن حدیث الباب سے ظاہر ہے کہ جمہور کی تائید ہو رہی ہے، حنفیہ کی طرف سے اس کے متعدد جواب دیئے گئے ہیں، اقول یہ کہ اس حدیث میں یہ جملہ فتک المعادن الخ متکلم فیہ ہے، حضرت شیخ نے اس پر اوجز میں تفصیلی کلام فرمایا ہے اور پھر اخیر میں خلاصہ کے طور پر اس حدیث کے چھ جواب ذکر فرمائے ہیں، دھنیرہ، واستدل من قال بوجوب الزکوٰۃ فی المعادن بحديث بلال المذكور، واجب عنه بوجه الاول ما تقدم من كلام حافظان زیادة وجوب الزکوٰۃ لا توجد فی الروایة الموصولة (یعنی یہ اصل حدیث تو مشہور اور صحیح ہے) لیکن اس کا آخری جملہ وہ متکلم فیہ ہے روایات موصولہ میں مذکور نہیں

لہ۔ ربذہ تو مدینہ منورہ سے مشرق میں طریق عراق قدیم پر واقع ہے تقریباً دو تھو سے زائد کلومیٹر کے فاصلہ پر، اور فرع مدینہ منورہ سے جنوب مغرب میں تقریباً ستر کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے، مکہ مکرمہ کے طرق اربعہ معروف میں ایک طریقی فرعی بھی ہے جو کتاب الحج میں گذر چکا۔ لہٰذا کنز اور معادن میں بالاتفاق مفہوم کے لحاظ سے تباہی کی نسبت ہوئی الاول مدفون والثانی مخلوق، اور جمہور کے نزدیک رکاز اور معادن میں بھی تباہی ہی کی نسبت ہے کیونکہ رکاز ان کے نزدیک مرادف ہے کنز کے اور حنفیہ کے نزدیک رکاز اور باقی دونوں میں عموم و خصوص کی نسبت ہوئی۔ رکاز عام ہے دونوں کو شامل ہے لہٰذا دونوں میں خمس ہی واجب ہوگا ۱۳

صرف روایات مرسلہ میں ہے، والثانی ما تقدم من كلام الامام الشافعي، اس کا حاصل بھی یہی ہے کہ یہ ٹکڑا ثابت نہیں،  
الثالث ما اشار اليه الامام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ فی موطأہ اذ قال بعد ذکر حدیث الباب: قال محمد: الحدیث المعروف بالنبی  
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال: فی الرکاز الخمس الخ وهو اشارة الى ان حدیث الباب یخالف الحدیث المعروف فهو شذوذ  
والرابع والخامس ما فی الزیلعی: قال ابو عیید فی کتاب الاموال: حدیث منقطع ومع القطاع لیس فیہ ان النبی صلی اللہ تعالیٰ  
علیہ وآلہ وسلم امر بذلك، وانما قال یؤخذ منها الزکاة الی الیوم، قال ابن الہمام یعنی فہو کون ذلك من اهل الولايات اجتہاداً  
منہم، والسادس ما اجاب بہ صاحب البدائع: یحتمل انه انما لم یأخذ منه ما زاد علی ربح العشر لما علم من حاجتہ وذلك جواز  
عندنا، یعنی ان صحابی کی حاجت اور فقر کی وجہ سے آپ نے ان سے صرف زکاة لینے پر اکتفا فرمایا بجائے خمس کے اھ۔  
ایک اور بھی جواب دیا گیا ہے کہ مراد یہ ہے کہ حوالان حول کے بعد آپ نے ان سے زکاة لی، دامانی الحال فافہم۔

حدثنا العباس بن محمد بن حاتم وخیبر الخ۔

اس معادن قبلہ والی حدیث کو مصنف نے متعدد طرق سے ذکر کیا، اس میں پہلا طریق جو گذر چکا وہ مرسل ہے  
اور یہ دوسرا طریق اور اس کے بعد جو طریق آرہا ہے وہ مسند ہے، مگر طریق مسند ضعیف ہے کیونکہ اس کے اندر کثیر بن عبد اللہ  
ابن عمرو بن عوف المزنی ہے جو کہ منکر الحدیث ہے، بلکہ ان کی تکذیب بھی کی گئی ہے، قال ابو زرعة واحی الحدیث، وقال النسائی  
والدارقطنی موقوف الحدیث، وقال ابن عبد البر یجمع علی ضعفہ (بذل) بظاہر مصنف نے طریق مسند کو مؤخر اسی لئے کیا کہ وہ ضعیف  
جلسے تھا وغور دیکھا۔ جلسی بلند زمین اور غوری پست زمین، یعنی جملہ معادن قبلہ چاہے وہ بلند زمین میں ہوں یا پست  
میں، اس طریق میں کتاب القطیعة بھی مذکور ہے۔

قال ابن النضر وجرحہا، یعنی ابن النضر نے بجائے جلسیہا کے جرحہا کہا، مگر یہاں اس لفظ کے کچھ معنی  
ہفتے نہیں کذا قبل، ذات النصب مدینہ کے قریب ایک جگہ کا نام ہے اور قدس ایک معروف پہاڑ کا نام ہے یا ہر وہ  
جگہ جہاں زراعت کی صلاحیت ہو۔

من ابیض بن حمال انه وفد الی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فاستقطعه الملح۔

یعنی ان صحابی نے آپ سے نمک کی کان کا اقطاع طلب کیا جو مقام مارب میں ہے۔

قال رجل من المجلس اتدري ما قطعت له انما قطعت له الماء العذب

شرح الحدیث | یعنی جب آپ نے ابیض بن حمال کے لئے نمک کی کان کا اقطاع کر دیا تو حاضرین مجلس میں سے  
ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ جانتے بھی ہیں کہ آپ نے اس کے لئے کس چیز کا اقطاع  
فرمایا ہے؟ آپ نے اس کے لئے ایسے پانی کا اقطاع فرمایا ہے جو تیار شدہ نمک ہے، اس پر آپ نے اس اقطاع کو  
واپس لے لیا۔

علماء نے لکھا ہے کہ جو چیز ظاہر العین اور حاضر النفع ہو، یعنی جس سے بلا محنت اور کد و کاوش کے آمدنی اور وصولیابی ہو سکے اس کا اقطاع جائز نہیں بظاہر اس لئے کہ اس پر موات ہونا صادق نہیں آتا۔

قال: وسأله عما يصح من الأراك، قال: ما لم يتلخخف.

یہاں پر بجٹی سے مراد احیاء ہے کیونکہ حیحی کی تو ہماری شریعت میں اجازت نہیں مگر سیاتی الحدیث، اراک یعنی سیلو کا درخت، یعنی اس شخص نے آپ سے یہ دریافت کیا کہ اراک کے کون سے درخت ایسے ہیں جن کا احیاء کرنا جائز ہے آپ نے فرمایا ان درختوں کا جہاں اونٹ چل کر نہ پہنچ سکیں یعنی جو آبادی سے زیادہ فاصلہ پر ہوں، ایسے اراک کا احیاء جائز ہے اور یا مطلب یہ ہے کہ درختوں کا احیاء مطلقاً جائز ہی نہیں کیونکہ اونٹ تو بھی جگہ پہنچ سکتا ہے، یعنی احیاء تو ارض موات کا ہوتا ہے اشجار کا نہیں، اور تیسرے معنی اس جملہ کے خود نفس روایت میں آرہے ہیں۔ یعنی ان الابل تا کل منتهی رؤسها ویحیی ما فوقہ، یعنی درختوں کا جتنا حصہ ایسا ہے جہاں تک اونٹوں کی گردن پہنچ سکتی ہے اسکو چھوڑ کر اس سے اوپر کے حصہ کا حیحی جائز ہے فقلاً اراک فی حظاری یعنی جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فرمایا کہ اراک و اشجار میں حیحی نہیں ہوتا تو اس شخص نے عرض کیا کہ میں ان اراک کے بارے میں پوچھ رہا ہوں جو میری زمین کے اعلیٰ میں ہیں، بظاہر مطلب یہ ہے کہ اس شخص نے جس موات کا احیاء کیا تھا اور اس پر اپنا نشان وغیرہ ڈال کر اس کو محفوظ کر لیا تھا تو اس زمین میں کچھ درخت اراک کے پہلے سے قائم تھے، تو وہ شخص کہہ رہا ہے کہ میں ایسے درختوں کے بارے میں سوال کر رہا ہوں تو اس صورت میں آپ کے جواب کا حاصل یہ ہو گا کہ تو اس زمین کا تو مالک ہو گیا، احیاء کی وجہ سے، مگر اس احیاء کی وجہ سے درختوں کا مالک نہیں ہو گا، لیکن اگر کوئی شخص ارض موات کا احیاء کرے اور پھر اس کے امیر کے بعد اس میں درخت پیدا ہو جائیں اس کا حکم یہ نہیں ہے، ان کا وہ مالک ہو جائے گا۔ (بذل)

حدثني عثمان بن ابي حازم عن ابيه عن جده صفوان بن رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم غزا ثقيفا.

**شرح الحدیث** | یہ صفحہ بن عیلہ الاحمسی ہیں ان کی حدیث کا یہ شروع کا حصہ ہم غزوہ طائف کے بیان میں لکھ چکے ہیں اس کو دیکھ لیا جائے، اس کے اگلے حصہ کی شرح لکھی جاتی ہے یہ حدیث ذرا طویل ہے، نیز محتاج

شرح ہے۔ فکتب الیہ صفوان ما بعد! فان ثقیفا قد نزلت علی حکمک یا رسول اللہ۔

یعنی صفحہ بن عیلہ نے جب اس حصہ طائف کو فتح کر لیا تو اس کی اطلاع انہوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو کی، فندما لحمس عشر دعوات اللهم بارک لاجمیس فی خیلہا ورجالہا، یعنی آپ نے صفحہ بن عیلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس کارنامے پر خوش ہو کر ان کی قوم احمس کو دس دعائیں دیں جس میں سے ایک دعا تو یہاں مذکور ہے باقی غیر مذکور اور ہو سکتا ہے یہ مراد ہو کہ آپ نے یہی دعا دس بار فرمائی۔

واتاه القوم فتكلم المغيرة بن شعبه فقال يا نبي الله ان صفوان اخذ عمتي ودخلت يماذ خليفه المسلمون.

قوم سے مراد قبیلہ ثقیف ہے، یہ تو ابراہیمی چکا کہ بنو ثقیف اسلام لے آئے تھے تو ان میں سے بعض نے یعنی مغیرہ بن شعبہ جو کہ ثقیفی ہیں انہوں نے آپ سے یہ عرض کیا کہ صخر بن عیلہ نے میری پھوپھی کو کپڑا رکھا ہے حالانکہ وہ اسلام میں داخل ہو چکی تھی، مغیرہ کی یہ بات سن کر آپ نے صخر کو بلایا اور فرمایا۔ ان القوم اذا اسلموا احرزوا دمانهم واموالهم فادفع الى المغيرة عمتہ۔ کہ جب کافر لوگ اسلام میں داخل ہو جائیں تو ان کی جان و مال محفوظ ہو جاتے ہیں، لہذا عمہ مغیرہ کو واپس کر دو، انہوں نے واپس کر دیا۔ وسأل نبي الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم ماء ليني سليم قد هربوا عن الاسلام وتركوا ذلك الماء یعنی عمہ مغیرہ کو واپس کرنے کے بعد صخر بن عیلہ نے آپ سے قبیلہ بنو سلیم کے قریہ کا سوال کیا جو اسلام لانے سے ہچکچا رہا ہو گئے تھے اور اس قریہ کو چھوڑ گئے تھے اور درخواست یہ کی کہ انزلنہ انا وقومی کہ اس میں مجھے اور میری قوم کو بسنے اور ٹھہرنے کی اجازت دیدیجئے، آپ نے ان کی یہ درخواست منظور فرما کر ان کو وہاں ٹھہرنے کی اجازت دیدی۔ اس کے بعد روایت میں یہ۔ کہ پھر بعد میں یہ لوگ یعنی بنو سلیم اسلام لے آئے اور صخر کے پاس آئے اور ان سے کہا ہمارا قریہ واپس کرو، انہوں نے انکار کیا، وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس گئے اور صورت حال بیان کی، آپ نے پھر صخر کو بلایا اور فرمایا ان القوم اذا اسلموا احرزوا اموالهم ودمانهم فرمایا کہ اس قریہ کو واپس کر دو، انہوں نے کہا بہت اچھا۔ فرأيت وجه رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم يتحين عند ذلك حنرة خيا من اخذه الجارية واخذه الماء۔ راوی کہہ رہا ہے کہ اس موقع پر میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ آپ کا چہرہ ازور متغیر ہو گیا تھا صخر کے ساتھ اس معاملہ سے شرمناک کہ ان سے جاریہ بھی لے لی گئی اور وہ قریہ بھی، اگرچہ صخر کو کوئی تامل نہ ہوا تھا آپ کے فیصلہ پر، لیکن آپ خود شرمناک تھے۔

**حدیث پر ایک قوی اشکال اور اس کا جواب** | یہاں پر دو باتیں پائی گئیں اول عمہ مغیرہ کا رد، دوسرے ماد بنو سلیم کا رد، اور یہ رد آپ نے یہ کہہ کر گرایا کہ کفار جب اسلام لے آتے ہیں تو وہ قیدی ہوں یا غیر قیدی تو اسلام لانے کے بعد ان کی جان و مال محفوظ ہو جاتا ہے، یہاں عمہ مغیرہ کے بارے میں تو یہ احتمال ہے کہ ہو سکتا ہے وہ اخذ صخر سے پہلے اسلام لاپچکی ہوں اس صورت میں ان کو رد کرنا قاعدہ کے مطابق ہے لیکن ماد بنو سلیم کے بارے میں تو روایت میں تصریح ہے کہ وہ اسلام سے روگردانی کر کے اپنے چشمہ کو چھوڑ کر چلے گئے تھے اور اسلام ان کا اس کے بعد پایا گیا پھر وہ اپنے قریہ کی واپسی کے مستحق کہاں تھے؟ آپ نے دونوں کے بارے میں یہی قاعدہ ارشاد فرمایا ان القوم اذا اسلموا احرزوا دمانهم واموالهم، کافر قیدی اگر بعد میں اسلام لے آئیں تو ان کی جان و مال غنیمت ہونے سے بھڑا ہی خارج ہوتی ہے یہ تو اجماعی مسئلہ ہے۔ یہ بڑا کٹھن مقام ہے، شرح نے اس کی توجیہ

۱۷ اگر آپ یہ جملہ ارشاد نہ فرماتے تو ہم اس حدیث کی تاویل یہ کرتے کہ یہ واقعہ حال لا عموم لہا کے قبیل سے ہے ۱۷



یہ کہی ہے کہ دراصل بات یہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو یہ مار بنو سلیم اسی طرح عمدہ میفرہ دونوں کو واپس کرنا مقصود تھا کسی مصلحت کی بنا پر اس لئے آپ نے یہ جملہ جو ارشاد فرمایا ان القوم اذا سلموا احرزوا الخ اس میں آپ نے تو یہ اختیار فرمایا، یعنی گول بول بات فرمائی، اصل مراد کو ظاہر نہیں فرمایا مقام کی مصلحت کے پیش نظر، اس جملہ کے معنی حقیقی و مرادی تو یہ ہیں کہ کفار اگر قبل الاخذ و قبل الفقد اسلام میں داخل ہو جائیں تو ان کی جانیں اور مال مامون و محفوظ ہو جاتے ہیں، لیکن مخاطب اور سامع کے سامنے آپ نے اس معنی مرادی کو واضح نہیں فرمایا قصد بلکہ اس جملہ کو اطلاق اور عموم کے ساتھ فرمایا تاکہ وہ یعنی صحابہ بنو سلیم کو خود ہی واپس کر دیں، چنانچہ انہوں نے واپس کر دیا ایک واقعہ آگے ابوداؤد میں اسی قسم کا اور آرہا ہے وہاں آپ نے اصل ضابطہ شرعیہ واضح فرمایا اور یہ فیصلہ فرمایا کہ قید ہونے کے بعد کافر قیدی اگر اسلام لائے تو پھر اس کو چھوڑا نہیں جائے گا وہ غلام اور ملوک ہی رہے گا، یہ واقعہ کتاب الایمان والنذور باب النذر فیما لایملک میں آرہا ہے۔ عن عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال كانت العضباء لرجل من بنی عقیل وكانت من سوابق الحاج الخ۔

**آپ کی ناقہ عضبار کا واقعہ** | اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی مشہور اونٹنی عضبار آپ نے مجھ اور میری اونٹنی کو کیوں پکڑ رکھا ہے، آپ نے اس کو الزامی جواب دیا کہ ناخذک بخریرۃ حلفاءک ثقیف قال دکان ثقیف قد اسروا رجلیں من اصحاب النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، آگے راوی کہتا ہے کہ اس شخص نے یہ بھی کہا، وانا مسلمو، آپ آگے بڑھ کر چلے گئے اس نے آپ کو نذر دی یا محمد یا محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) آپ لوٹ کر واپس اس کے پاس آئے اور پوچھا کیا بات ہے؟ کہنے لگا ائی مسلمو اس موقع پر آپ نے اصل ضابطہ شرعیہ اس کے سامنے بیان کیا اور فرمایا لوقلتھا وانت سملک امرک افلحت کل الفلاح، یعنی اگر تو قید ہونے سے پہلے یہی بات کہتا تو اپنے مقصد میں کامیاب ہو جانا، قید ہونے کے بعد اسلام لانے سے جان نہیں بچی غلام ہی رہتا ہے۔

عن ابیہ عن جده ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نزل فی موضع المسجد تحت ذؤبیۃ فاقام ثلاثا ثم خرج الی تبوک۔

**شرح الحدیث** | مضمون حدیث یہ ہے: ربیع بن سبرۃ الجہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

لہ لیکن روایت کے بعض الفاظ اس توجیہ سے کچھ اتفاق نہیں رکھتے و اللہ تعالیٰ اعلم ہر اذنیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، باقی یہ بات طے شدہ ہے جس پر ہم سب کا ایمان ہے کہ آپ کی زبان ملک سے کوئی ناحق بات نہیں نکل سکتی۔ لہ دیکھئے یہاں آپ نے مرجع ضابطہ کی بآر شاد فرمائی۔

غزوہ تبوک کے سفر میں ایک جگہ راستہ میں جہاں بعد میں مسجد بھی بن گئی ہے ایک بڑے درخت کے نیچے اترے اور وہاں تین دن تک قیام فرمایا اور پھر آگے تبوک کی طرف تشریف لے چلے۔ راستہ میں آپ جبکہ ایک کھلے میدان میں تھے قبیلہ جمہینہ والے آپ سے ملاقات کے لئے آئے وہاں قریب میں ایک بستی تھی جس کا نام ذوالمرودہ تھا، آپ نے دریافت فرمایا کہ ذوالمرودہ میں بسنے والے کون لوگ ہیں، حاضرین میں سے بعض نے جواب دیا کہ قبیلہ جمہینہ کی شاخ بنور قاعہ ہیں آپ نے فرمایا، قد اقطعتمہا لیبی رفاعۃ کہ اس بستی کا میں اقطاع کرتا ہوں بنور قاعہ کے لئے (یعنی ان ہی کے لئے جو اس میں رہتے ہیں) آگے روایت میں ہے کہ آپ کے اس فرمان کے بعد ان لوگوں نے اس بستی کو آپس میں باقاعدہ تقسیم کر لیا بعض نے اپنا حصہ فروخت کر دیا اور بعض نے نہیں کیا، یہ ذوالمرودہ وادی القرنی میں ایک بستی ہے جس کا آپ نے اس میں بسنے والوں کے لئے اقطاع فرمایا۔

عن هشام بن عروۃ عن ابيه عن اسماء بنت ابی بکر عن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اقطع الذبیہ نخلًا۔ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے (ان کے شوہر) ذبیہ کے لئے کھجوروں کے ایک باغ کا اقطاع فرمایا۔

**الکلام علی الحدیث من حیث الفقہ** | شافعیہ کے مسلک پر تو اس میں کوئی اشکال نہیں کیونکہ ان کے نزدیک اقطاع ارض مملوکہ کا بھی جائز ہے، حنفیہ کے یہاں جائز نہیں جیسا کہ پہلے گذر چکا اقطاع اور احیاء کی تعریف میں، بذل میں ملا علی قاری سے نقل کیا ہے کہ نخل چونکہ ایسا مال ہے جو ظاہر العین اور حاضر النفع ہے جس کا اقطاع جائز نہیں، لہذا یہ کہا جائے گا کہ اس کا اقطاع آپ نے اپنے حصہ خمس میں سے کیا جو آپ کی ملک تھا فلا اشکال فیہ، اور دوسرا احتمال یہ لکھا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ یہ نخل از قبیل موت ہو جس کا کوئی مالک نہ ہو، یہ روایت یہاں محقر ہے دوبارہ دو حدیثوں کے بعد تفصیل کے ساتھ آرہی ہے۔

نا عبد اللہ بن حسان العنبری قال حدثتني جدتاي صفية ودخيلة ابنتا خلیبة۔ وكانت ابنتی قبيلة بنت مخزومة۔ وكانت جدّة ابیہما۔ انہا اخیرتھا۔

**مضمون حدیث مع الشرح** | عبد اللہ بن حسان عنبری کہتے ہیں کہ مجھ سے بیان کیا میری دودا دیوں نے صفیہ بنت غلیبہ اور دخیلہ بنت غلیبہ نے یہ دونوں تو آپس میں بہنیں ہیں، ہو سکتا ہے ایک ان میں سے عبد اللہ بن حسان کی وادی ہو اور دوسری نانی ہو، یا ہو سکتا ہے ان میں سے ایک کو اخت جدہ ہونے کی حیثیت سے جدہ کہا ہو، راوی کہتا ہے یہ دونوں قبیلہ بنت مخزومہ کی ربیبہ تھیں یعنی ان دونوں نے قبیلہ کی گود میں پرورش پائی تھی اور پھر آگے یہ ہے کہ یہ قبیلہ ان دونوں کے باپ کی وادی تھی، گویا خود ان دونوں کی پردادی یہ دونوں کہتی ہیں کہ ہم سے قبیلہ نے بیان کیا۔ وہ واقعہ جو آگے حدیث میں آرہا ہے۔

قد منع علی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قالت تقدم مصاحبی تعنی خزینت بن حنشان  
وافند بکون واسئل۔ قیلہ کہتی ہیں کہ جب میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں جا رہی تھی تو جو شخص اس  
سفر میں میرے ساتھ تھا یعنی حریش بن حسان وہ آپ کے دربار عالی میں پہنچ کر مجھ سے پہلے آگے بڑھ کر آپ کے ہاتھ  
پر اس نے اپنے لئے اور اپنی قوم کے لئے بیعت علی الاسلام کی، شروع قال یا رسول اللہ اکتب بیننا و بین بنی تميم  
بالدھناء ان لا یجاوزھا الینامنہم لحد الامسافر او میجاویز یہ قیلہ جو واقعہ بیان کر رہی ہیں قبیلہ بنو تميم سے  
ہیں اور یہ دھنار دربار بنو تميم میں ایک علاقہ کا نام ہے، تو حریش نے اسلام لانے کے بعد آپ سے یہ درخواست کی کہ  
یہ مقام دھنار ہمارے لئے مخصوص کر دیا جائے، اور یہ کہ بنو تميم اس سے منتفع نہ ہوں، اور یہ کہ یہ اس زمین میں نہ  
آئیں الا یہ کہ کوئی مسافر ہو راستہ عبور کرے تو یہ امر آخر ہے، حریش کی درخواست پر آپ نے کسی لڑکے سے جو  
وہاں موجود ہوگا فرمایا کہ اس مقام دھنار کو حریش کے نام لکھ دو، یعنی اس کا اس کے لئے اقطاع کر دو، فلما رايتہ  
قد امر لہ بہا شخص بی وہی وطنی و داری۔ یہ قیلہ کہتی ہیں کہ جب میں نے دیکھا کہ آپ نے اس لڑکے کو مقام دھنار  
کے بارے میں حریش کے لئے لکھنے کو فرما دیا ہے تو میں گھبرا گئی میرے پاؤں تلے سے زمین کھسک گئی، کیونکہ یہ مقام دھنار ہمارے  
گھر اور وطن کے بالکل متصل تھا (لہذا اس کے حق دار تو ہم تھے) فقلت یا رسول اللہ! انہ لم یملک السویۃ  
من الارضی اس جملہ کے دو مطلب ہو سکتے ہیں (۱) اس شخص نے ایسی زمین کی فرمائش آپ سے نہیں کی جس میں  
ہمارا اور اس کا استحقاق برابر ہوتا، یعنی یہ زمین تو خالص ہمارا حق بیٹھتی ہے ایسی بھی نہیں جس کو مشترک مان لیا  
جائے (یعنی اول تو مشترک ہونے کی صورت میں بھی اس کا اپنے لئے اس کو لکھوانا درست نہ تھا چہ جائیکہ اس صورت  
میں کہ وہ خالص ہمارا حق ہے) (۲) سویۃ سے مراد عدل و انصاف یعنی اس زمین کے سوال کرنے میں اس نے  
عدل و انصاف کو سامنے نہیں رکھا آگے قیلہ اس زمین کی نوعیت آپ سے بتا رہی ہے، انما ہذا الدھناء  
عندک مقتید الجمل و مرغی الغنم و نساء بنی تميم و ابناؤھا و اداء ذلک۔ جزاں نیست کہ یہ مقام دھنار،  
تو آپ کے قریب ہی ہے (زیادہ دور نہیں، آپ خود دیکھ کر اس کے بارے میں اندازہ لگا سکتے ہیں) یہ تو ہمارے یعنی  
بنو تميم کے اونٹوں کے بندھنے کی جگہ اور ان کی بکریوں کی چراگاہ ہے اور قبیلہ بنو تميم کی عورتیں بچے بالکل اس کے پیچھے  
آباد ہیں، فقال امسک یا غلام صدقت المسکینۃ المسلمو اخو المسلم یسحہر الماء و الشجر۔ جب آپ  
نے قیلہ کی یہ ساری بات سنی اور آپ کے علم میں مقام دھنار کی نوعیت آگئی جو پہلے سے نہیں تھی، اس پر آپ نے  
اس غلام سے فرمایا کہ بس اب : لکھنا یہ مسکینہ سچی معلوم ہوتی ہے اور پھر آپ نے فرمایا: مسلمانوں کو آپس میں  
بھائی بھائی بن کر رہنا چاہیے، ایک ہی پانی اور ایک ہی چراگاہ سب کو کافی ہو سکتی ہے یعنی اگر بھائی بھائی بن کر رہیں  
اور ایسی مشترک چیز کی تخصیص اپنے لئے کرنا غلط ہے، گویا آپ نے اپنا فیصلہ واپس لے لیا، و یعاونون علی الفتان

قان اگر بافتح ہے تب تو صیغہ مبالغہ ہے اور اگر بالضم ہے جمع ہے قاتن کی۔ ایک نسخہ میں ہے مسئل ابوداؤد عن الفتان قتال: الشیطان، یعنی مسلمانوں کو آپس میں شیطان کے مقابلہ میں ایک دوسرے کا تعاون کرنا چاہیئے، اس جملہ میں بظاہر فعل حریش پر تعریف ہے۔ والحدیث اخرہ الترمذی محقر، قال المنذری۔

عن ابیہا السمرین مضمر من قال آیت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم فی ایعتہ فقال عن سبوت الی ما لم یسبق الیہ مسلم فہولہ قال فخرج الناس یتعاذون یتخاضون۔

**مضمون حدیث** | اسمر بن مضر بن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں آپ کی خدمت میں آیا اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کی، یہ اسمر بن مضر طائی ہیں، اے ایک معروف قبیلہ کا نام ہے تو ظاہر ہے کہ یہ اپنے وطن بلاد طے سے آپ کی خدمت میں آئے تھے، تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے رجوع کے وقت جب یہ اپنے وطن واپس جانے لگے فرمایا کہ ہماری طرف کے جا کر وہاں یہ خوشخبری سنا دینا کہ تم میں سے جو شخص بھی جس غیر آباد چشمہ پر جو پہلے سے کسی کی ملک نہ ہو، پھر اس کو اختیار کر لے گا تو وہ اسی کے لئے ہے، چنانچہ جہاں انہوں نے یہ بات آپ کی وہاں پہنچائی تو سب لوگ اپنے گھروں سے نکل کر دوڑتے ہوئے اس قسم کے چشموں پر پہنچے اور جس کو جو چشمہ پسند تھا اس پر اس نے اپنا خط اور نشان کیس لیا۔

یہ بھی اقطاع کی ایک صورت ہے جو آپ نے اختیار فرمائی، یہ باب بھی اقطاع ہی کا چل رہا ہے۔

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اقطع الزبیر بن جری فوسد فاجری فوسد حتی قام شرعی بسوطہ فقال اعطوہ من حیث بلغ السوطہ۔

یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زبیر کے لئے زمین کے ایک رقبہ کا اقطاع فرمایا اور مقدار طبعہ حضور فرس کو قرار دیا یعنی گھوڑے کی ایک مرتبہ کی دوڑ کو، چنانچہ انہوں نے اپنے گھوڑے کو دوڑایا پھر اس ایک دوڑ میں وہ جہاں جا کر رکا اس جگہ سے انہوں نے اپنا کوڑا اور آگے پھینکا، اس پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ان کو یہاں سے جہاں سے گھوڑا دوڑایا تھا وہاں تک جہاں تک کوڑا پہنچا دیا جائے، یعنی دونوں مقداروں کا مجموعہ، یہ روایت اقطاع زبیر ولی ابھی قریب میں مختصر گذر چکی، اور اس پر کلام بھی وہاں گذر چکا۔

## باب فی احیاء الموات

اس باب پر کلام گذشتہ باب میں گذر گیا۔

من احیی ارضاً میتة فہی لہ ولیس لغيرہ ظلالم حق۔

اس حدیث سے احیاء کی مشروعیت اور اس کا سبب ملک ہونا ثابت ہو رہا ہے، اور نفس مسئلہ بھی متفق علیہ ہے

گو بعض شرائط و تفصیل میں اختلاف ہے جس کا بیان پہلے گذر چکا۔  
 عرق ظالم کی تفسیر آگے خود متن میں آ رہی ہے، اس کو اضافت اور صفت دونوں کیساتھ پڑھا گیا ہے۔  
 والحدیث اخبرہ الترمذی والنسائی، قالہ المنذری۔

عن یحییٰ بن عروۃ عن امیہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔  
 پہلی روایت جس کو عروہ سے روایت کرنے والے ہشام ہیں موصولہ تھی، وہاں صحابی مذکور تھے اور اس طریق میں  
 جس کو عروہ سے روایت کرنے والے ہشام کے بھائی بھی ہیں مرسل ہے۔

قال قلند خیر فی الذی حدثنی هذا الحدیث ان رجلیین اختصا الی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ  
 وآلہ وسلم فخرس احدهما فخلای ارض الآخر۔

**شرح الحدیث** | اس قال کے قائل عروہ ہیں وہ فرما رہے ہیں کہ جس شخص نے یہ حدیث مجھ سے بیان کی تھی اس نے  
 مجھ کو اس بات کی خبر دی، الذی حدثنی کا مضداق جو باب کی پہلی حدیث میں گذرا ہے وہ سعید  
 بن زید صحابی ہیں اس روایت کا مضمون یہ ہے کہ ایک شخص نے دوسرے کی زمین میں پودا لگادیا، بعد میں ان میں اختلاف  
 ہوا اسی بات پر کہ دوسرے کی زمین میں تو نے کیسے پودا لگایا، یہ دونوں اپنا مسئلہ لیکر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم  
 کی خدمت میں آئے تو آپ نے زمین کا فیصلہ مالک زمین کے حق میں فرمایا، اور جس نے درخت لگایا تھا اس کو حکم  
 دیا کہ اس کی زمین سے اپنا درخت خارج کر دے۔ آگے راوی کہہ رہا ہے میں نے ان درختوں کو دیکھا کہ ان کی جڑوں  
 پر کلہاڑیاں چلائی جا رہی تھیں اور وہ بہت لاسجے لاسجے درخت تھے، یہاں تک کہ وہ سب نکال دیئے گئے اس  
 زمین سے (لفظہ مجملہ تشدیدیم کے ساتھ جمع ہے عیم یا عیمہ کی)

حدثنا احمد بن سعید یہ دوسری سند ہے اس میں بجائے الذی حدثنی کے یہ عبارت ہے فقال  
 رجل من اصحاب النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، اور پھر عروہ یہ بھی کہہ رہے ہیں کہ میرا غالب گمان یہ ہے  
 کہ وہ صحابی ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے، دونوں روایتوں میں فرق یہ ہے کہ پہلی روایت میں عروہ نے  
 اپنے استاد کی تعیین نہیں کی تھی اور اس دوسری روایت میں بطریق ظن کے اس کی تعیین ابو سعید خدری سے  
 کر رہے ہیں، اور دوسرا فرق یہ ہے کہ پہلی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ کلہاڑی چلانے والے کئی اشخاص تھے اور  
 اس دوسری روایت میں یہ ہے کہ کلہاڑی چلانے والا خود صاحب نخل تھا۔

عن عروۃ قال اشہد ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قضی ان الارض ارض اللہ۔  
 عروۃ تابعی ہیں انہوں نے شروع میں یہ حدیث حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نقل کی بغیر ذکر سند کے پھر  
 بعد میں جاء نابہذا عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، سے مروی عنہ کی طرف اشارہ کر دیا کہ وہ بہت

سے صحابہ کرام ہیں، لہذا اب یہ حدیث مسند کے حکم میں ہو گئی، مراد ارض سے مطلق زمین نہیں بلکہ موات ہے یعنی ارض موات کسی انسان کی ملک نہیں ہوتی بلکہ اللہ تعالیٰ کی ہے اور ایسے ہی سب لوگ اللہ کے بند ہیں، لہذا اسکا احیاء کر کے مالک بنانا درست ہے۔

عن الحسن بن سمرقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال من احاط حائطاً

على ارض فہی لہ۔

**شرح الحدیث** یعنی جو شخص کسی ارض موات پر دیوار وغیرہ کے ذریعہ سے احاطہ کر لے تو وہ اس کے لئے ہو گئی، اس حدیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ ارض موات کے نفس احاطہ سے احیاء کا تحقق ہو جاتا ہے، امام احمد کا مذہب یہی ہے کہ ان کے نزدیک نفس احاطہ اور تحجر کافی ہے، اور عند المجہور نفس تحجر (چاروں طرف پتھر رکھ دینے) سے احیاء کا تحقق نہیں ہوتا جب تک زمین کی کمائی اور خدمت اور سکنی اختیار نہ کیا جائے، لہذا عند المجہور اس حدیث کو اسی پر محمول کیا جائے گا یعنی من احاط حائطاً للکئی۔

اخیر فی مالک قال هشام العرق الظالمات یغرس الرجل فی ارض غیرہ فیستحقها بذلک۔

باب کی پہلی حدیث جس کے رواۃ میں ہشام بھی ہیں، ہشام اسکی تفسیر بیان کر رہے ہیں کہ عرق ظالم یہ ہے کہ کوئی شخص دوسرے کی زمین میں درخت لگائے اس نیت سے کہ پھر وہ اس زمین کا ستمی ہو جائیگا۔

عن ابی حمید الساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال غزوت مع رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

تبوکا فلما اتی وادی القرئیۃ۔

**شرح الحدیث** ابو حمید ساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ غزوہ تبوک کے سفر میں، میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھا، جب اثناء سفر میں وادی القرئیۃ پہنچے تو وہاں ایک عورت اپنے باغ میں تھی، آپ نے اس باغ کو دیکھ کر اس کے بارے میں خرص فرمایا، خرص کی مقدار دس دس آپ نے بیان کی، آپ نے جو صحابہ آپ کے ساتھ تھے ان سے بھی فرمایا کہ تم بھی اس کا خرص کرو، اور اس باغ سے نکلتے وقت آپ نے اس عورت سے فرمایا کہ خیال رکھنا اس باغ میں کتنی پیداوار ہوتی ہے (تاکہ معلوم ہو کہ کس کا خرص صحیح ہے) چنانچہ آگے روایت میں ہے کہ سفر سے واپسی میں آپ نے اس عورت سے پھلوں کے بارے میں سوال کیا کہ کتنے اترے، اس نے وہی دس دس بتائے، آپ کے خرص کے موافق۔

اس حدیث کا ذکر کتاب الزکاة کے باب انخرص میں بھی گزرا ہے۔

فاتیقنا تبوک فاهدی ملک ایلۃ الی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بغلۃ بیضاء۔

لے خرص یعنی اپنے انداز سے یہ متعین کرنا کہ اس باغ میں جو درخت ہیں ان سب پر پھلوں کی اتنی مقدار ہے۔

راوی کہتا ہے کہ جب ہم تبوک پہنچ گئے تو وہاں کے دوران قیام ایلمہ کے بادشاہ نے آپ کی خدمت میں بغلہ بیضا کا ہدیہ پیش کیا، اور آپ نے (اس کے عوض میں) اس کو ایک بہت قیمتی شمال عنایت فرمائی۔

وکتب لہ یعنی بیحجرہ، یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ملک ایلمہ کے لئے اس کا قریہ اس کو لکھ دیا۔

بذل القوة میں لکھا ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے سلسلہ میں تحفہ کی طرف دعوت الی الاسلام کا والانا م بھیجا جو کہ ایلمہ کا بادشاہ تھا اور نصرانی تھا تو آپ کے تبوک کے زمانہ قیام میں یہ بادشاہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اسلام تو نہیں لایا لیکن جزیہ دینا قبول کر لیا تین سو دینار سالانہ، اس پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے صلح نامہ لکھ کر دیدیا اھ۔ یہ کتب ہذل القوة فی حوادث سنی النبوة علامہ مخدوم محمد ہاشم سہروردی کی بے نظیر تالیف ہے جس کا اردو ترجمہ محمد نجف کے ماہر مصلیٰ از مولانا محمد رفیع لدھیانوی، شائع ہو چکا ہے۔

**مناسبة الحیث للترجمہ** | اس حدیث میں مصنف کی غرض و کتب لہ بیحجرہ سے متعلق ہے اسی کی وجہ سے مصنف یہ حدیث یہاں یعنی احیاء الموات میں لائے ہیں، — کنذلی البذل عن تقریر المحمد المکتوبی

لیکن اولیٰ یہ ہے جیسا کہ ظاہر ہے۔ مصنف اس واقعہ کو بجائے باب الاحیاء کے باب الاقطاع میں ذکر فرماتے اور صاحب عون المعبود نے حدیث کی باب سے مناسبت اور طرح لکھی ہے وہ یہ کہ اس عورت نے ارض موات میں درخت لگا کر اس کا احیاء کیا تھا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے علم میں آنے کے باوجود آپ نے اس عورت کو اس کے باغ پر برقرار رکھا اور اس سے چھینا نہیں اسی لئے اس احیاء کی وجہ سے وہ مالک ہو گئی تھی معلوم ہوا کہ احیاء موات اس کی ملک کا سبب ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔ اھ۔

فقال رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم اني متعجل الى المدينة فمن اراد منكم ان يتعجل موافقتي  
يعني تبوك سے واپسی میں آپ نے فرمایا کہ میں مدینہ جلدی پہنچنا چاہتا ہوں تم میں سے بھی جو شخص بوجلت وہاں پہنچنا چاہے تو وہ بھی میرے ساتھ آجائے، اس کی شرح یہ لکھی ہے کہ جب آپ مدینہ کے قریب پہنچے تو وہاں سے مدینہ کے اندر داخل ہونے کے لئے آپ نے طریق غراب کو اختیار کیا کیونکہ وہ مدینہ کا اقرب ترین راستہ تھا اور دوسرے راستہ کو آپ نے ترک کر دیا، پورا لشکر تو دوسرے ہی راستہ سے گیا جو دور کا تھا آپ نے اور آپ کیساتھ بعض صحابہ نے یہ قریب والا راستہ اختیار فرمایا، والحدیث أخرجه البخاری ومسلم قال اللہندی، قلت أخرجه البخاری فی مواضع الزکوة والحدیث والحدیث والحدیث۔

عن ام كلثوم عن زينب رضي الله تعالى عنها انها كانت تغتسل رأس رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم وصندة امرأة عثمان بن عفان رضي الله تعالى عنهما ونساء من المهاجرات وهن يشكين من أزلهن انها تضيق عليهن۔

**مضمون حدیث** | حضرت زینب ام المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ وہ ایک روز حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے سر مبارک کو سہارا دی تھیں اور اس وقت آپ کے پاس حضرت عثمان

کی اہلیہ بیٹھی تھیں اور بھی بعض مہاجر عورتیں جو آپ سے اپنے گھروں کے بارے میں شکایت کر رہی تھیں کہ اس بارے میں ان پر تنگی ہے یعنی ورثہ کی جانب سے بلکہ ان سے نکال دی جاتی ہیں، اس پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یہ حکم فرمایا کہ مہاجرین کی وفات کے بعد ان کے گھروں کا ان کی بیویوں کو وارث بنایا جائے، چنانچہ جب عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی تو ان کی بیوی ہی ان کے گھر کی وارث ہوئی جو مدینہ منورہ میں تھا۔

**حدیث پر ایک اشکال اور اسکی توجیہ** | اس پر یہ اشکال واقع ہوتا ہے کہ مکان ترکہ میں داخل ہے اور ترکہ کے مستحقین تو قرآن کریم میں مخصوص ہیں تو صرف بیویاں کیسے وارث

ہو جاتی تھیں ان کے مکانوں کی؟ اس کے کئی جواب دیئے گئے ہیں (۱) یہ نساء مہاجرین کی خصوصیت ہے شائع علیہ السلام کی طرف سے (۲) اس سے مراد سکنی ہے زمانہ عدت میں تملیک دار مراد نہیں یعنی میت کے ورثہ کو چاہئے کہ اس کی زوجہ کو اس کے گھر میں چین سے عدت گزارنے دیں اس کو پریشان نہ کریں (۳) یا مراد یہ ہے کہ تقسیم ترکہ کے وقت اس کا خیال رکھا جائے کہ گھر میت کی بیوی کے حصہ میں آئے، والاظہر هو المعنی الاخر، امام خطاب نے پہلے جواب کو اختیار کیا یعنی خصوصیت اس لئے کہ مہاجرین کی زوجات مدینہ میں پر دیسی تھیں ان کا کنبہ قبیلہ وہاں نہ تھا، دنی الحاشیہ (ولعلہ من السیوطی) میں نے اس مسئلہ کو بطور حیستائے ایک شعر میں کہا ہے۔

سلم علی مفتی الانام وقل لہ : ہذا سوال فی الفرائض مبہم : قوم اذا ما تواخجوز دیا رحم : زوجا تم ولیغیرھا لا تقسم  
وبقیۃ المال الذی قد خلفوا : یجری علی حکم التوارث مبہم : وجوابہ قلت :  
ہم المہاجرین ذاک بطبیۃ : صلی علی ذیہا الکریم المعلم ۔ اھ من البذل۔

## باب ماجاء فی الدخول فی ارض الخراج

یعنی خراجی زمین خرید کر اس کا مالک بنایا ماہ خراج سے اپنی زمین کو سیراب کرنا۔

عن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ قال من عقد الجزیۃ فی عنقہ فقد برئ معا علیہ رسول اللہ

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔

**الکلام علی الحدیث شرھا و فقہا** | جو شخص اپنے گلے میں جزیہ کا ہار پہنے تو وہ بعید ہو گیا اس طریق سے جس پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تھے، حدیث میں جزیہ سے جزیہ الارض یعنی خراج مراد ہے، اس حدیث سے دو باتیں مفہوم ہو رہی ہیں۔ اول مسلمان کے لئے خراجی زمین کی خریداری کا ممنوع

۱۲۔ اسکے ظاہر کی معنی تو بہت سخت ہیں یعنی اسلام سے اعراض و کفر لیکن مقصود زبردستی ہے، حقیقت کلام مراد نہیں ۱۲



ہونا، دوسرے یہ کہ اگر کسی ذمی سے کوئی مسلم خراجی زمین خریدے اور وہ زمین ذمی سے منتقل ہو کر مسلم کی ملکیت میں آجائے تو اس صورت میں اس زمین کا خراج ساقط نہیں ہوتا، حنفیہ کے نزدیک مسلم کے لئے خراجی زمین کا خریدنا تو جائز ہے باقی خراج کے بارے میں وہ یہی کہتے ہیں کہ وہ ساقط نہیں ہوتا جیسا کہ حدیث الباب سے سمجھ میں آ رہا ہے، اور شافعیہ کے یہاں مسئلہ میں تفصیل ہے زمینوں کی مختلف قسموں کے لحاظ سے جیسا کہ خطابی کے کلام سے معلوم ہوتا ہے، سر دست یہ مسئلہ ان کی فقہ کی کتابوں میں تلاش کرنے سے نہیں ملا، لیکن مسئلہ اولیٰ میں یہ حدیث حنفیہ کے خلاف ہے، فقی الہدایۃ، و يجوز ان يشتري المسلم ارض الخراج من الذمی و یؤخذ منه الخراج لما قلنا، وقد صح ان الصحابة اشتروا اراضی الخراج و كانوا یؤدون خراجها فدل علی جواز الشراء و اخذ الخراج و ادائه للمسلم من غیر کراہۃ (ہدایہ ص ۳۲۳) و فی البذل، و الجواب عن الحدیث ان الحدیث غیر متحجج بہ لان فی سندہ مجہولاً اہ اس لئے کہ پہلی حدیث کی سند میں محمد بن عیسیٰ ہے وہ مشکم فیہ ہے، قبل لا یصحج بہ، اور دوسری حدیث میں عمارۃ بن ابی الشعثاء ہے جو کہ مجہول ہے۔

حدثنی ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم من اخذ ارضاً بجزیتہا فقد استقال ہجرتہ۔

آپ نے فرمایا جس شخص نے کسی زمین کو لیا اس کے خراج کے ساتھ۔ مراد شرار ہے۔ تو اس نے اپنی ہجرت کو باطل کر دیا۔ اور اس کے بعد والا جملہ بھی اسی کے ہم معنی اور اسی کی تاکید ہے جس کا ترجمہ یہ ہے۔ کہ جس شخص نے کافر کی ذلت کی چیز کو اس کے گلے میں سے نکال کر اپنے گلے میں ڈال لیا، تو اس نے اسلام کی طرف اپنی پشت پھیر لی۔  
کتب الشیخی فی البذل: وهذا علی سبیل التغلیظ والتشدید۔

قال نسبع منی خالد بن معدان هذا الحدیث فقال لی: أشیبہ حدثک؛ فقلت نعم۔

**شرح الحدیث** | سنان بن قیس کہتے ہیں کہ مجھ سے یہ حدیث خالد بن معدان نے سنی، سننے کے بعد پوچھا: کیا یہ حدیث تم سے شیبہ نے بیان کی؟ میں نے کہا ہاں (ہماری اس سند میں سنان کے استاد شیبہ ہی ہیں) اس پر انہوں نے کہا کہ جب تمہارا ان کے پاس جانا ہو تو ان سے درخواست کرنا کہ وہ اس حدیث کو میرے پاس لکھ کر بھیجیں، سنان کہتے ہیں میں نے ان سے یہ حدیث لکھوائی پھر جب میرا آنا ہوا خالد کے پاس تو انہوں نے مجھ سے وہ کاغذ طلب کیا جس پر حدیث لکھی ہوئی تھی، سنان کہتے ہیں کہ جب خالد نے اس حدیث کو پڑھا تو ان کے پاس جو خراجی زمین تھی اس کو انھوں نے چھوڑ دیا۔

خالد بن معدان کا عمل چونکہ بوجہ عدم علم کے اس حدیث کے خلاف تھا، اس لئے انہوں نے اس حدیث پر عمل کرنے کیلئے یہ تحقیق کرائی تاکہ حدیث کے تحقق ہو جائیکے بعد اس پر عمل آسان ہو جائے۔ یہ دونوں حدیثیں حنفیہ کے خلاف ہیں اس کا جواب اوپر گزر چکا، صحابہ کرام سے اراضی خراج کا شرع ثابت ہے یہ حدیثیں ضعیف ہیں۔

قال ابو داود: هذا يزيد بن حمير البزني، ليس هو صاحب شعبه۔  
مصنف فرما رہے ہیں کہ یہ يزيد بن حمير جو حديث کو ابو الدرداء سے روایت کر رہے ہیں یہ يزيد بن حمير البزني ہیں، اور  
یہ وہ يزيد نہیں ہیں جو شعبہ کے شاگرد ہیں، اس لئے کہ وہ دوسرے يزيد، يزيد بن حمير الرحبي ہیں، یہ اسامہ رجال سے متعلق  
ایک علمی افادہ ہے، تاکہ کسی کو اشتباہ نہ ہو۔

## باب في الارض يحميها الإمام والرجل

عن ابن عباس رضي الله تعالى عنها، عن الصعب بن جثامة رضي الله تعالى عنه ان رسول الله  
صلى الله تعالى عليه وآله وسلم قال لا حرم الا لله ولو سوله۔

### شرح الحديث

حرمی لفظاً مصدر ہے جس کے معنی حفظ کے ہیں، یہاں اسم مفعول یعنی حرمی کے معنی میں ہے،  
زمانہ جاہلیت میں رؤساء قوم کی یہ عادت تھی کہ ایسی جگہ کو جو گھاس سے ہری بھری ہو اپنے لئے  
اس کو رکوا لیتے تھے، رعایا میں سے کسی کو اجازت نہ ہوتی تھی اپنے مال و زور میں سے کسی کو وہاں پھرانے کی، اسلام نے اگر  
اس عادت کا ابطال کیا، لیکن اس میں رسول اللہ کا استثناء کیا گیا، اللہ تعالیٰ کا نام ذکر کرتے لئے ہے، چنانچہ  
یہ مسئلہ علماء کے مابین اتفاقی ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ کسی امام کیلئے بھی جی کا جواز نہیں یعنی اپنی  
ذات کے لئے، اور اگر مصلحت عامہ کے لئے ہو کخیل الجہاد و ابل الصدقة اس کے جواز میں اختلاف ہے اور گو کہ حضور  
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لئے جی کے جواز کی خود اس حدیث میں تصریح ہے لیکن آپ نے کبھی اپنی ذات کے لئے کسی  
جی کا انتخاب نہیں کیا اور آگے جو روایت میں آرہا ہے کہ نقیع کا آپ نے جی کیا وہ اپنے لئے نہ تھا۔

جی اور احیاء میں فرق | یہ احیاء الموات کی کتاب چل رہی ہے جس میں مصنف نے جی کو ذکر کیا، احیاء الموات کی  
توضیحات نے اجازت دی ہے اور جی سے منع کیا ہے اگرچہ دونوں کا تعلق ارض مباحہ  
غیر ملوکہ سے ہے لیکن وہ موات جس کے احیاء کی اجازت ہے اس سے مراد بیکار اور بنجر زمین ہے اور جی کا تعلق اس  
موات سے ہے جو سبزہ زار ہو، لوگوں کی منفعت جس دہستہ بنی اسی لئے اس سے منع کیا گیا ہے کہ اس میں عوام کا ضرر و نقصان ہے  
یہ نقیع نون کے ساتھ ہے ایک جگہ کا نام ہے جو مدینہ سے بیس فرسخ پر واقع ہے، ایک نقیع وہ بھی ہے جس کا ذکر بالفتح  
فی القرئی میں آیا ہے یعنی نقیع الخضعات وہ دوسری جگہ ہے (بذل)  
والحدیث اخرجه البخاری والنسائی، قاله المنذري۔

## باب ما جاء في الركاظ وما فيه

عن ابی هريرة رضي الله تعالى عنه ان النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم قال: في الركاظ الغنم۔

الکلام علی الحدیث من حیث الفقه و مذاہب العلماء | اس حدیث پر کلام معادن قلبیہ والی حدیث میں گزر چکا جس کا خلاصہ من حیث الفقه و اختلاف الائمه یہ ہے کہ

کانیں دو قسم کی ہوتی ہیں، ایک مخلوق للہ تعالیٰ یعنی اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی جس کو اللہ تعالیٰ نے زمین کے ساتھ پیدا فرمایا جس کو معدن کہا جاتا ہے، دوم مدفون دفینۃ جاہلیہ یعنی انسانوں کا زمین میں گاڑا ہوا مال اس کا نام کنز ہے، حنفیہ کے نزدیک ان دونوں کا حکم یکساں ہے یعنی وجوب الخمس، اور جمہور علماء و منہم الائمه الثلثہ۔ دونوں میں فرق کے قائل ہیں، یعنی معدن میں زکوٰۃ اور کنز میں خمس، اور نشأ اختلاف کی بحث پہلی جگہ گزر گئی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حدیث میں ہے و فی الرکاز الخمس اور حنفیہ کے نزدیک رکاز کا اطلاق دونوں ہی پر ہوتا ہے اس لئے ان کے نزدیک دونوں میں خمس ہے اور جمہور کے نزدیک رکاز کا مصداق صرف کنز ہے اس لئے ان کے نزدیک معدن میں خمس نہیں بلکہ زکوٰۃ ہے۔

دوسرے اختلاف یہاں پر یہ ہے کہ کانیں تو مختلف اشعار کی ہوتی ہیں، کونسی کانوں میں خمس واجب ہوتا ہے اس میں شافعیہ، مالکیہ کا مذہب یہ ہے کہ صرف تقدین (ذہب و فضہ) کی کان میں، اور امام احمد کے نزدیک ہر قسم کی کان میں، اور حنفیہ کے نزدیک کل جاہ منطبع، یعنی ایسی میخ و خشک چیز میں جو آگ پر رکھنے سے پگھلتی ہو، جیسے سونے چاندی اور دوسرے دھات کے اقسام، اور معادن میں نصاب عند الجمہور شرط نہیں، تلیل و کثیر سب میں خمس واجب ہوتا ہے الا فی روایۃ للشافعی، ولا یعتبر فیہ الحول اجماعاً۔

والحدیث اخرہ البخاری و مسلم و الترمذی و النسائی و ابن ماجہ مطولاً و مختصراً قالہ المنذری۔

نا الزمعی عن عمته قریبۃ بنت عبد اللہ بن وہب عن امہا کوسیمۃ بنت المقداد عن ضباعۃ بنت

الزبیر بن عبد المطلب انہا الخبیرتھا، قالت ذہب المقداد لعاجتہ بنقیع الخبیثۃ۔

شرح الحدیث و توضیح المسئلۃ الثابۃ بالحدیث | اس حدیث کو قریبہ روایت کرتی ہیں اپنی ماں کریمہ سے اور کریمہ روایت کرتی ہیں اپنی ماں ضباعہ سے اور ضباعہ اپنے

شوہر مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قصہ بیان کر رہی ہیں وہ یہ کہ ضباعہ کہتی ہیں مقداد بن الاسود اپنے کسی کام سے مقام بنقیع انجبہ گئے تو وہ ایک جگہ سیٹھے ہوئے تھے انہوں نے ایک بڑے چوہے کو دیکھا کہ ایک بھٹ میں سے ایک دینار کھینچ کر لا رہا ہے اور لا کر بھٹ سے باہر چھوڑ رہا ہے، وہ چوہا بار بار اس بھٹ میں جاتا ہے اور ہر مرتبہ ایک دینار کھینچ کر لاتا ہے، اسی طرح وہ سترہ دینار ہو گئے، اور پھر اخیر میں ایک سرخ قبلی کھینچ کر لایا جس میں ایک دینار تھا، اب یہ کل اٹھارہ دینار ہو گئے، ضباعہ کہتی ہیں کہ مقداد ان دنائیر کو لے کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پہنچے اور

لے بخار و جیم و تحائین، و یحتملین، اسم موضع بنا حین المدینۃ۔

عرض کیا اس میں جو صدقہ واجب ہو وہ لے لیجئے، آپ نے ان سے دریافت فرمایا، هل هويت انی الجحر قال لا فقال له رسول الله صلى الله تعالى عليه والہ وسلم بارک اللہ لک فیہا۔

اس قصہ میں جو فقہی بحث ہے وہ یہ ہے کہ ان دنیا نیر کی دو حیثیتیں ہو سکتی ہیں یا تو ان کو نقطہ قرار دیا جائے یا رکاز اگر یہ از قبیل نقطہ تھے تو ان کی تعریف واجب تھی، اور حدیث میں تعریف کا ذکر ہے نہیں لیکن تعریف کی نفی بھی نہیں ہے، لہذا تعریف واجب ہے، اور یا یہ کہا جائے سقط التعریف لاجل عدم محل التعریف وعدم امکانہ، یعنی یہ جس جگہ کا واقعہ ہے وہ راستہ عام گذر گاہ نہیں تھا، تعریف کی جائے تو کیسے کی جائے اور اگر ان کو از قبیل رکاز قرار دیا جائے تو پھر ان میں خمس واجب تھا، لیکن خمس لینے کا اس حدیث میں ذکر نہیں بلکہ بارک اللہ لک فیہا میں اشارہ اس کے خلاف ہے، تو ہو سکتا ہے خمس کو آپ نے مقدار کے حق میں معاف فرمادیا ہو لاجل فقرہ حاجت۔  
والحدیث اخرجه ابن ماجہ، قالہ المنذری۔

### باب نبش القبور العادیۃ

عادیۃ بمعنی قدیمہ، عرب لوگ عادیۃ بول کر قدیمہ مراد لیتے ہیں کیونکہ قوم عاد کا زمانہ ہمارے اعتبار سے بہت قدیم ہے یعنی پرانی قبروں کو بوقت ضرورت اکھاڑ دینا، عند الجمہور جائز ہے صرح بہ الشامی من غیر کراحتہ، وعند المالکیۃ مع الکراہتہ سمعت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما یقول سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم یقول حین خرجنا معہ الی الطائف فمرنا بقبور فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم ہذا قبور ابی رغال وکان بہذا الحرم یدفع عنہ۔

شرح الحدیث اور ابو رغال کا تذکرہ | حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرما رہے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا جبکہ ہم آپ کے ساتھ طائف کی طرف جارہے تھے اور ہمارا گزرا ایک قبر پر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ یہ ابو رغال کی قبر ہے، اور حرم مکہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ وہ یہاں چلا گیا تھا عذاب کو اپنے سے ہٹانے کے لئے پھر جب حرم سے باہر نکلا تو اس کو بھی اس عذاب نے آپکڑا جو اس کی قوم کو پہنچا تھا اسی جگہ تو وہ یہاں دفن کر دیا گیا تھا، اور آپ نے یہ بھی فرمایا کہ

لہ قال الخطابی: یدل علی انہ لواخذہا من الحرم لکان رکازاً یجب فیہا الخمس ۱۱  
تہ ابن العزیزی نے شرح ترمذی میں اس احتمال کو اس طرح لکھا ہے کہ آپ نے چونکہ ان سے یہ پوچھا اعلیٰ حیث الی الحرم تو گویا اس سے اشارہ ہوا اس طرف کہ اگر عسوی پائی جاتی تو رکاز ہوتا، لہذا اس کو نقطہ قرار دیا گیا ہو۔

علامت اس کی یہ ہے کہ اسکے ساتھ ایک سونے کی شاخ دفن کی گئی تھی اگر تم اس کی قبر کو کھودو گے تو اس کو اسکے ساتھ پاؤ گے یہ سن کر صحابہ اس قبر کی طرف دوڑے اور اس قبر کو کھود کر اس میں سے وہ سونے کا سر پہ نکال لیا، کہا گیا ہے کہ یہ سونے کا سر پہ بیس رطل وزن کا تھا۔

ترجمۃ الباب پر قویہ شبہ ہوتا تھا کہ یہ باب یہاں کا نہیں ہے کتاب الجنائز جو شروع ہونے والی ہے اس میں ہونا چاہیے تھا لیکن مضمون حدیث سے اس باب کو یہاں لانے کی مناسبت ظاہر ہو گئی، مضمون رکاز کا چل رہا ہے اس کی قبر میں بھی چونکہ سونا دبا ہوا تھا جس کو نکالا گیا تو یہ قبر بمنزلہ رکاز ہو گئی فلہذا در المصنف، اور رجال کے بارے میں لکھا ہے ابو ثقیف یعنی قبیلہ ثقیف کا جد اعلیٰ یہی تھا اور قوم ثمود سے تھا حضرت صالح علیہ السلام کا عامل تھا، اس کی تاریخ بہت تاریک ہے قیل کان دلیل الحبشۃ صین جاؤ الہدم الکعبۃ یعنی حبشہ کی فوج جو ابرہہ کی امارت میں ہدم کعبہ کیلئے آئی تھی اس کا رہبر یہی تھا، ظلم اور نحوست میں ضرب المثل تھا حاجی لوگ اس کی قبر کا رجم ہمیشہ کرتے چلے آئے ہیں، چنانچہ جریر شاعر کہتا ہے اپنے حریف فرزدق کے حق میں

اذا مات الفرزدق فارجموہ ۛ کما ترمون قبرابی رغال

اس کا ذکر سنن ترمذی میں بھی آیا ہے کہ ایک شخص نے جو قبیلہ ثقیف کا تھا اس نے اپنی سب بیویوں کو ایک ساتھ طلاق دیدی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سے فرمایا لتراجعتن نساک اولار جمعتن قبرک کما رجم قبرابی رغال اھ یہ حدیث اعلام نبوت سے ہے اور اخبار بالمغنیات کے قبیل سے ہے۔

یہ ابواب القطائع و احیاء الموات کتاب الخراج ہی کے ملحقات میں سے ہیں لہذا یہ سمجھئے کہ یہاں اگر کتاب الخراج پوری ہو گئی۔ فلہذا الحمد والمنا۔

## اَقَالَ كِتَابُ الْجَنَائِزِ

اس کتاب کی مناسبت کتاب الخراج والنبی سے اس طرح سمجھئے کہ خراج کوئی مستقل کتاب نہیں بلکہ وہ متعلقات و ملحقات جہاد سے ہے اور جہاد اور جنائز میں مناسبت ظاہر ہے اذا جہاد یعنی عن الموت یعنی جہاد موت کو یاد دلانے والی چیز ہے اور اس کے بہت قریب ہے، جہاد میں اپنی جان کی بازی ہوتی ہے، اور صحیح بخاری اور مسلم میں کتاب الجنائز، کتاب الصلاة کے بعد متصلاً مذکور ہے صلاة الجنائزہ کی مناسبت سے جو کہ احکام میت میں سے ہے، اور جامع ترمذی میں یہ کتاب کتاب الحج کے بعد متصلاً ہے یعنی ارکان اربعہ سے فارغ ہونے کے بعد اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہ آدمی کا مقصود ان عبادات اور ارکان اسلام کے ادا کرنے سے آخرت کی تیار ہے صلاة الجنائز کی مشروعیت جیسا کہ اوپر میں لکھا ہے سلمہ سے ہے لہذا جن صحابہ کی وفات قبل الحجۃ مکہ مکرمہ میں ہوئی

ان پر نماز نہیں پڑھی گئی، کذا فی ہامش البذل.

**فائدہ تاریخیہ بذل الجہود سے متعلق** نیز حضرت شیخ نے حاشیہ میں یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ حضرت مہارنپوری نور اللہ مرقدہ کا جو آخری سفر حجاز بہ نیت ہجرت و تکمیل بذل ————— ہوا تو مدینہ منورہ

میں پہنچنے کے بعد بتاریخ ۱۳ محرم ۱۳۲۴ھ یوم السبت میں ابوداؤد کی شرح کا باقی حصہ یہاں (کتاب الجنائز) سے لکھنا شروع ہوا، اہ اور بذل الجہود کے آخر میں خود حضرت مہارنپوری نے یہ تحریر فرمایا ہے کہ اس شرح کی تسوید مدینہ منورہ روضۃ من ریاض الجنۃ میں سید ولد آدم بلکہ سید خلق و العالم کی قبر کے قریب بتاریخ ۲۱ شعبان ۱۳۲۵ھ میں پوری ہوئی اہ یعنی کتاب الجنائز سے اخیر تک تقریباً ڈیڑھ سال میں۔

جنائز جنازہ کی جمع ہے اور جنازہ میں دو لغت ہیں بفتح الجیم و بکسر الجیم، بفتح الجیم میت کو کہتے ہیں اور بکسر الجیم اس نعش یعنی سوہر کا نام ہے جس پر میت کو اٹھایا جاتا ہے، وقیل بعکس ذلک، یہ مشتق ہے جنز سے بمعنی السرجو کہ باب ضرب سے ہے، بظاہر مجوز کے معنی میں ہے بمعنی مستور، کیونکہ میت کو مستور رکھا جاتا ہے، چنانچہ حدیث میں آئے ہے کہ آدمی کا جب انتقال ہو جائے تو اس کو ایک چادر سے ڈھانپ دیا جائے، ویسے بلا ضرورت بھی اس کے چہرہ کو کھولنا مناسب نہیں، غسل وغیرہ میں بھی پورے پردہ کا لحاظ ضروری ہے۔

## باب الامراض المکفرۃ للذنوب

امراض چونکہ عام طور سے مقدمۃ الموت ہوتے ہیں اس لئے کتاب الجنائز کی ابتداء اس باب سے فرمائی۔

عن عامر المرأخی الغضنی قال النضلی هو الغضی ولكن کذا قال۔

**مضمون حدیث** ابو منظور شامی راوی کہتے ہیں کہ مجھ سے میرے چچا نے بیان کیا عامر رام سے روایت کرتے ہوئے جو خضر کے بھائی ہیں، آگے مصنف کہہ رہے ہیں کہ میرے استاد عبداللہ بن محمد النضلی کہتے ہیں

کہ یہ لفظ صحیح خضر ہے لیکن میرے استاد یعنی محمد بن مسلمہ نے اسی طرح کہا تھا، یہ عامر رام جن کو عامر رامی بھی کہتے ہیں ان کا شمار صحابہ میں ہے کما فی التہذیب، قال ابن۔ لیب لا دنا اذ رفعت لنا رايات والنبیۃ۔ مضمون حدیث یہ ہے : عامر فرماتے ہیں کہ میں اپنے شہر میں تھا تو اچانک چند جھنڈے بلند ہوتے ہوئے میں نے دیکھے میں نے کہا یہ کیا ہے تو لوگوں نے کہا یہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا جھنڈا ہے تو میں فوراً آپ کی خدمت میں گیا، اس وقت آپ ایک درخت کے نیچے تشریف فرما تھے ایک چادر بچھی ہوئی تھی جس پر آپ بیٹھے تھے، آپ کے چاروں طرف صحابہ کرام تھے میں بھی ان میں بیٹھ گیا تو اس وقت آپ بیماریوں کا تذکرہ فرما رہے تھے اور فرما رہے تھے کہ مؤمن کو جب کوئی بیماری پہنچتی ہے اور پھر اللہ تعالیٰ اس کو اس سے شفاعت فرماتے ہیں تو یہ بیماری اس کے گزشتہ گناہوں کا کفارہ

ہو جاتی ہے، اور آئندہ کے لئے موجب عبرت، اور اس کے بالمقابل جب منافق آدمی بیمار ہوتا ہے پھر اس کو شفا پاتا ہے تو اس کا حال بمنزلہ اس اونٹ کے ہوتا ہے جس کو اس کا مالک ایک وقت میں باندھتا ہے اور پھر دوسرے وقت میں کھول دیتا ہے تو وہ اونٹ یہ نہیں سمجھتا کہ کیوں اس کے مالک نے اس کو باندھا تھا اور کیوں اب کھول دیا (قال تعالیٰ) اونٹ کا لانعام بل علم اضل)

آگے روایت میں یہ ہے کہ اس موقع پر حاضرین میں سے ایک شخص نے بے پرواہی کے ساتھ یہ پوچھا کہ یا رسول اللہ یہ امراض کیا ہوتے ہیں واللہ میں تو کبھی بیمار ہوا نہیں، تو آپ کو اس کے اس طرز پر ناگواری ہوئی اور فرمایا تم حنا فلت منا کہ اٹھ یہاں سے تو ہماری صحبت کے قابل نہیں، فینانحن عندہ اذا قبل رجل علیہ کساء و فی یدہ شئی قد التفت علیہ۔ راوی کہتا ہے کہ ہم آپ کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شخص آیا جس پر چادر تھی اور اس کے ہاتھ میں کوئی چیز تھی جس پر چادر کا پلہ ڈال رکھا تھا اس نے آپ سے عرض کیا کہ جب میری آپ پر نظر پڑی تھی تو میں فوراً آپ کی طرف چل پڑا تھا تو میرا گدرا ایک جھاڑ پر کوہوا (درختوں وغیرہ کا مجموعہ) تو اس جھاڑ میں سے میں نے پرند کے چوزوں کی آواز سنی تو میں نے ان کو پکڑ لیا اور اپنی چادر میں ان کو رکھ لیا تو ان چوزوں کی ماں آئی اپنے بچوں کی وجہ سے اور بالکل میرے سر پر گھومنے لگی اڑتی ہوئی، میں نے ان چوزوں پر سے کپڑا ہٹا دیا تو وہ ان پر فوراً بیٹھ گئی ان پر سے ہٹتی نہیں تھی یہاں تک کہ میں نے ان سب پر چادر ڈھانک دی، اور کہا کہ وہ سب چوزے وغیرہ میرے ساتھ ہیں، آپ نے فرمایا ان کو یہاں نیچے رکھ میں نے ان کو نیچے آپ کے سامنے رکھ دیا پھر بھی ان کی ماں ان پر سے ہٹ نہیں رہی تھی، سارے صحابہ اس منظر کو دیکھ کر متعجب تھے۔ اس لئے کہ پرندہ تو آدمی کے قریب نہیں ٹھہرتا۔

حق تعالیٰ شانہ کی اپنے بندوں پر بے پایاں رافت و رحمت

تو اس پر آپ نے فرمایا اتعجبون لوزحراء الافراخ فراخھا کہ کیا تم ان چوزوں کی ماں کے اپنے چوزوں پر ترس کھانے کی وجہ سے تعجب کرتے ہو صحابہ نے عرض کیا کہ جی ہاں، آپ نے فرمایا فوالذی بعثنی بالحق لکنہ ارحم عبادة من ام الافراخ بغراخھا، قسم ہے اس ذات کی جس نے مجھے نبی برحق بنا کر بھیجا ہے بیشک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر زیادہ مہربان ہیں بہ نسبت چوزوں کی ماں کے اپنے چوزوں پر، اور پھر آپ نے اس شخص سے فرمایا کہ جاؤ ان کو جہاں سے اٹھا کر لائے ہو سب کو وہیں رکھ آؤ۔

عن ابی بردۃ عن ابی موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال سمعت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم غیر مرۃ ولا مرتین۔ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے ایک دو مرتبہ نہیں بلکہ بارہا سنا ہے آپ فرماتے تھے کہ جب کوئی آدمی کسی عمل صالح کو کیا کرتا ہو اور پھر کسی سفر یا مرض کی وجہ سے اس کو نہ کر سکے تو اس کے نامہ اعمال میں وہ عمل صالح بہت عمدہ کر کے لکھا جاتا ہے جس کو وہ صحت اور اقامت کی

حالت میں کرتا تھا۔ والحدیث اخرجه البخاری، قال المنذری۔

یہاں پر حاشیہ بانی میں ابو داؤد کے کسی دوسرے نسخہ (ابن العبد اور ابن داسر) سے ایک حدیث اور نقل کی ہے،  
عن محمد بن خالد عن ابیہ عن جدہ وکانت له صحبة من رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم الخ۔

**مضمون حدیث** | جس کا مضمون یہ ہے: محمد بن خالد اپنے باپ سے اور وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ آپ  
ارشاد فرماتے تھے کہ جب کسی بندہ کے لئے اللہ تعالیٰ کے علم قدیم میں ایسی منزلت اور مرتبہ ہوتا ہے  
کہ جس تک وہ اپنے عمل کی وجہ سے نہیں پہنچ سکتا تو اللہ تعالیٰ اس کو اس کے جسم میں یا مال یا اولاد کی آزمائش میں  
ڈال دیتے ہیں اور پھر اس کو اس پر صبر کی توفیق عطا فرماتے ہیں یہاں تک کہ اس کو اس کے مرتبہ تک پہنچا دیتے ہیں جو اس  
کے لئے مقدر ہو چکا تھا۔

اس حدیث سے مصائب کا رفع درجات کا باعث ہونا واضح ہو رہا ہے، اور دوسری بات یہ بھی سمجھ میں آرہی ہے  
کہ گو فی الواقع بندہ کو سب کچھ ملتا تو ہے اللہ تعالیٰ کے فضل ہی سے لیکن دنیا دار العمل والاسباب ہے اللہ تعالیٰ نے  
صورۃ ثواب عقاب ہر دو کو عمل کے ساتھ مربوط فرما رکھا ہے، قال تعالیٰ: الذی خلق الموت والحیاة لیسئلکم انکم احسن عملاً۔

## باب فی عیادة النساء

ای عیادة الرجال النساء فالأضافة الى المفعول، چنانچہ حدیث الباب میں ہے ام العلاء فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ  
تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے میری عیادت فرمائی وانا مریضة اور عیادت کے وقت آپ نے فرمایا اے ام العلاء خوش ہو جا اسلئے  
کہ مسلمان کی بیماری اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ سے اس کے گناہوں کو اس طرح زائل فرما دیتے ہیں جس طرح آگ سونے  
چاندی کے میل کو، یہ ام العلاء حضرت حکیم بن حزام کی بھوپتی تھیں۔

ہن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت قلت یا رسول الله انی لاعلم اشدد آية فی کتاب الله عز وجل الا  
مضمون حدیث یہ ہے: حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے ایک بار حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ  
قرآن کریم میں جو آیت سب سے زیادہ سخت ہے (گنہگار دینے والی) وہ میں جانتی ہوں، آپ نے پوچھا کونسی آیت ہے وہ  
تو انہوں نے عرض کیا: من یعمل سوء یمیز به، کہ جو شخص جو بھی برائی کرتا ہے اس کو اس کا بدلہ مل کر رہے گا، اس پر  
حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ اے عائشہ تمہیں خبر نہیں ہے کہ مسلمان کو جب کوئی مصیبت پہنچتی ہے

لہ والحدیث رواہ ابو داؤد ورواہ احمد والطبرانی فی الکبیر واللاسطة، کذا فی کتب من روی عن ابیہ عن جدہ للعاصم بن غطوبغا، وفی تعلیق وقال  
فی مجمع الزوائد ۲۹۶ و محمد بن خالد وابوہ لم عرفہا واورده البیہقی کذا فی مجمع البحری ۱۹۱ ۱۹۲ ۱۹۳ ۱۹۴ ۱۹۵ ۱۹۶ ۱۹۷ ۱۹۸ ۱۹۹ ۲۰۰ ۲۰۱ ۲۰۲ ۲۰۳ ۲۰۴ ۲۰۵ ۲۰۶ ۲۰۷ ۲۰۸ ۲۰۹ ۲۱۰ ۲۱۱ ۲۱۲ ۲۱۳ ۲۱۴ ۲۱۵ ۲۱۶ ۲۱۷ ۲۱۸ ۲۱۹ ۲۲۰ ۲۲۱ ۲۲۲ ۲۲۳ ۲۲۴ ۲۲۵ ۲۲۶ ۲۲۷ ۲۲۸ ۲۲۹ ۲۳۰ ۲۳۱ ۲۳۲ ۲۳۳ ۲۳۴ ۲۳۵ ۲۳۶ ۲۳۷ ۲۳۸ ۲۳۹ ۲۴۰ ۲۴۱ ۲۴۲ ۲۴۳ ۲۴۴ ۲۴۵ ۲۴۶ ۲۴۷ ۲۴۸ ۲۴۹ ۲۵۰ ۲۵۱ ۲۵۲ ۲۵۳ ۲۵۴ ۲۵۵ ۲۵۶ ۲۵۷ ۲۵۸ ۲۵۹ ۲۶۰ ۲۶۱ ۲۶۲ ۲۶۳ ۲۶۴ ۲۶۵ ۲۶۶ ۲۶۷ ۲۶۸ ۲۶۹ ۲۷۰ ۲۷۱ ۲۷۲ ۲۷۳ ۲۷۴ ۲۷۵ ۲۷۶ ۲۷۷ ۲۷۸ ۲۷۹ ۲۸۰ ۲۸۱ ۲۸۲ ۲۸۳ ۲۸۴ ۲۸۵ ۲۸۶ ۲۸۷ ۲۸۸ ۲۸۹ ۲۹۰ ۲۹۱ ۲۹۲ ۲۹۳ ۲۹۴ ۲۹۵ ۲۹۶ ۲۹۷ ۲۹۸ ۲۹۹ ۳۰۰ ۳۰۱ ۳۰۲ ۳۰۳ ۳۰۴ ۳۰۵ ۳۰۶ ۳۰۷ ۳۰۸ ۳۰۹ ۳۱۰ ۳۱۱ ۳۱۲ ۳۱۳ ۳۱۴ ۳۱۵ ۳۱۶ ۳۱۷ ۳۱۸ ۳۱۹ ۳۲۰ ۳۲۱ ۳۲۲ ۳۲۳ ۳۲۴ ۳۲۵ ۳۲۶ ۳۲۷ ۳۲۸ ۳۲۹ ۳۳۰ ۳۳۱ ۳۳۲ ۳۳۳ ۳۳۴ ۳۳۵ ۳۳۶ ۳۳۷ ۳۳۸ ۳۳۹ ۳۴۰ ۳۴۱ ۳۴۲ ۳۴۳ ۳۴۴ ۳۴۵ ۳۴۶ ۳۴۷ ۳۴۸ ۳۴۹ ۳۵۰ ۳۵۱ ۳۵۲ ۳۵۳ ۳۵۴ ۳۵۵ ۳۵۶ ۳۵۷ ۳۵۸ ۳۵۹ ۳۶۰ ۳۶۱ ۳۶۲ ۳۶۳ ۳۶۴ ۳۶۵ ۳۶۶ ۳۶۷ ۳۶۸ ۳۶۹ ۳۷۰ ۳۷۱ ۳۷۲ ۳۷۳ ۳۷۴ ۳۷۵ ۳۷۶ ۳۷۷ ۳۷۸ ۳۷۹ ۳۸۰ ۳۸۱ ۳۸۲ ۳۸۳ ۳۸۴ ۳۸۵ ۳۸۶ ۳۸۷ ۳۸۸ ۳۸۹ ۳۹۰ ۳۹۱ ۳۹۲ ۳۹۳ ۳۹۴ ۳۹۵ ۳۹۶ ۳۹۷ ۳۹۸ ۳۹۹ ۴۰۰ ۴۰۱ ۴۰۲ ۴۰۳ ۴۰۴ ۴۰۵ ۴۰۶ ۴۰۷ ۴۰۸ ۴۰۹ ۴۱۰ ۴۱۱ ۴۱۲ ۴۱۳ ۴۱۴ ۴۱۵ ۴۱۶ ۴۱۷ ۴۱۸ ۴۱۹ ۴۲۰ ۴۲۱ ۴۲۲ ۴۲۳ ۴۲۴ ۴۲۵ ۴۲۶ ۴۲۷ ۴۲۸ ۴۲۹ ۴۳۰ ۴۳۱ ۴۳۲ ۴۳۳ ۴۳۴ ۴۳۵ ۴۳۶ ۴۳۷ ۴۳۸ ۴۳۹ ۴۴۰ ۴۴۱ ۴۴۲ ۴۴۳ ۴۴۴ ۴۴۵ ۴۴۶ ۴۴۷ ۴۴۸ ۴۴۹ ۴۵۰ ۴۵۱ ۴۵۲ ۴۵۳ ۴۵۴ ۴۵۵ ۴۵۶ ۴۵۷ ۴۵۸ ۴۵۹ ۴۶۰ ۴۶۱ ۴۶۲ ۴۶۳ ۴۶۴ ۴۶۵ ۴۶۶ ۴۶۷ ۴۶۸ ۴۶۹ ۴۷۰ ۴۷۱ ۴۷۲ ۴۷۳ ۴۷۴ ۴۷۵ ۴۷۶ ۴۷۷ ۴۷۸ ۴۷۹ ۴۸۰ ۴۸۱ ۴۸۲ ۴۸۳ ۴۸۴ ۴۸۵ ۴۸۶ ۴۸۷ ۴۸۸ ۴۸۹ ۴۹۰ ۴۹۱ ۴۹۲ ۴۹۳ ۴۹۴ ۴۹۵ ۴۹۶ ۴۹۷ ۴۹۸ ۴۹۹ ۵۰۰ ۵۰۱ ۵۰۲ ۵۰۳ ۵۰۴ ۵۰۵ ۵۰۶ ۵۰۷ ۵۰۸ ۵۰۹ ۵۱۰ ۵۱۱ ۵۱۲ ۵۱۳ ۵۱۴ ۵۱۵ ۵۱۶ ۵۱۷ ۵۱۸ ۵۱۹ ۵۲۰ ۵۲۱ ۵۲۲ ۵۲۳ ۵۲۴ ۵۲۵ ۵۲۶ ۵۲۷ ۵۲۸ ۵۲۹ ۵۳۰ ۵۳۱ ۵۳۲ ۵۳۳ ۵۳۴ ۵۳۵ ۵۳۶ ۵۳۷ ۵۳۸ ۵۳۹ ۵۴۰ ۵۴۱ ۵۴۲ ۵۴۳ ۵۴۴ ۵۴۵ ۵۴۶ ۵۴۷ ۵۴۸ ۵۴۹ ۵۵۰ ۵۵۱ ۵۵۲ ۵۵۳ ۵۵۴ ۵۵۵ ۵۵۶ ۵۵۷ ۵۵۸ ۵۵۹ ۵۶۰ ۵۶۱ ۵۶۲ ۵۶۳ ۵۶۴ ۵۶۵ ۵۶۶ ۵۶۷ ۵۶۸ ۵۶۹ ۵۷۰ ۵۷۱ ۵۷۲ ۵۷۳ ۵۷۴ ۵۷۵ ۵۷۶ ۵۷۷ ۵۷۸ ۵۷۹ ۵۸۰ ۵۸۱ ۵۸۲ ۵۸۳ ۵۸۴ ۵۸۵ ۵۸۶ ۵۸۷ ۵۸۸ ۵۸۹ ۵۹۰ ۵۹۱ ۵۹۲ ۵۹۳ ۵۹۴ ۵۹۵ ۵۹۶ ۵۹۷ ۵۹۸ ۵۹۹ ۶۰۰ ۶۰۱ ۶۰۲ ۶۰۳ ۶۰۴ ۶۰۵ ۶۰۶ ۶۰۷ ۶۰۸ ۶۰۹ ۶۱۰ ۶۱۱ ۶۱۲ ۶۱۳ ۶۱۴ ۶۱۵ ۶۱۶ ۶۱۷ ۶۱۸ ۶۱۹ ۶۲۰ ۶۲۱ ۶۲۲ ۶۲۳ ۶۲۴ ۶۲۵ ۶۲۶ ۶۲۷ ۶۲۸ ۶۲۹ ۶۳۰ ۶۳۱ ۶۳۲ ۶۳۳ ۶۳۴ ۶۳۵ ۶۳۶ ۶۳۷ ۶۳۸ ۶۳۹ ۶۴۰ ۶۴۱ ۶۴۲ ۶۴۳ ۶۴۴ ۶۴۵ ۶۴۶ ۶۴۷ ۶۴۸ ۶۴۹ ۶۵۰ ۶۵۱ ۶۵۲ ۶۵۳ ۶۵۴ ۶۵۵ ۶۵۶ ۶۵۷ ۶۵۸ ۶۵۹ ۶۶۰ ۶۶۱ ۶۶۲ ۶۶۳ ۶۶۴ ۶۶۵ ۶۶۶ ۶۶۷ ۶۶۸ ۶۶۹ ۶۷۰ ۶۷۱ ۶۷۲ ۶۷۳ ۶۷۴ ۶۷۵ ۶۷۶ ۶۷۷ ۶۷۸ ۶۷۹ ۶۸۰ ۶۸۱ ۶۸۲ ۶۸۳ ۶۸۴ ۶۸۵ ۶۸۶ ۶۸۷ ۶۸۸ ۶۸۹ ۶۹۰ ۶۹۱ ۶۹۲ ۶۹۳ ۶۹۴ ۶۹۵ ۶۹۶ ۶۹۷ ۶۹۸ ۶۹۹ ۷۰۰ ۷۰۱ ۷۰۲ ۷۰۳ ۷۰۴ ۷۰۵ ۷۰۶ ۷۰۷ ۷۰۸ ۷۰۹ ۷۱۰ ۷۱۱ ۷۱۲ ۷۱۳ ۷۱۴ ۷۱۵ ۷۱۶ ۷۱۷ ۷۱۸ ۷۱۹ ۷۲۰ ۷۲۱ ۷۲۲ ۷۲۳ ۷۲۴ ۷۲۵ ۷۲۶ ۷۲۷ ۷۲۸ ۷۲۹ ۷۳۰ ۷۳۱ ۷۳۲ ۷۳۳ ۷۳۴ ۷۳۵ ۷۳۶ ۷۳۷ ۷۳۸ ۷۳۹ ۷۴۰ ۷۴۱ ۷۴۲ ۷۴۳ ۷۴۴ ۷۴۵ ۷۴۶ ۷۴۷ ۷۴۸ ۷۴۹ ۷۵۰ ۷۵۱ ۷۵۲ ۷۵۳ ۷۵۴ ۷۵۵ ۷۵۶ ۷۵۷ ۷۵۸ ۷۵۹ ۷۶۰ ۷۶۱ ۷۶۲ ۷۶۳ ۷۶۴ ۷۶۵ ۷۶۶ ۷۶۷ ۷۶۸ ۷۶۹ ۷۷۰ ۷۷۱ ۷۷۲ ۷۷۳ ۷۷۴ ۷۷۵ ۷۷۶ ۷۷۷ ۷۷۸ ۷۷۹ ۷۸۰ ۷۸۱ ۷۸۲ ۷۸۳ ۷۸۴ ۷۸۵ ۷۸۶ ۷۸۷ ۷۸۸ ۷۸۹ ۷۹۰ ۷۹۱ ۷۹۲ ۷۹۳ ۷۹۴ ۷۹۵ ۷۹۶ ۷۹۷ ۷۹۸ ۷۹۹ ۸۰۰ ۸۰۱ ۸۰۲ ۸۰۳ ۸۰۴ ۸۰۵ ۸۰۶ ۸۰۷ ۸۰۸ ۸۰۹ ۸۱۰ ۸۱۱ ۸۱۲ ۸۱۳ ۸۱۴ ۸۱۵ ۸۱۶ ۸۱۷ ۸۱۸ ۸۱۹ ۸۲۰ ۸۲۱ ۸۲۲ ۸۲۳ ۸۲۴ ۸۲۵ ۸۲۶ ۸۲۷ ۸۲۸ ۸۲۹ ۸۳۰ ۸۳۱ ۸۳۲ ۸۳۳ ۸۳۴ ۸۳۵ ۸۳۶ ۸۳۷ ۸۳۸ ۸۳۹ ۸۴۰ ۸۴۱ ۸۴۲ ۸۴۳ ۸۴۴ ۸۴۵ ۸۴۶ ۸۴۷ ۸۴۸ ۸۴۹ ۸۵۰ ۸۵۱ ۸۵۲ ۸۵۳ ۸۵۴ ۸۵۵ ۸۵۶ ۸۵۷ ۸۵۸ ۸۵۹ ۸۶۰ ۸۶۱ ۸۶۲ ۸۶۳ ۸۶۴ ۸۶۵ ۸۶۶ ۸۶۷ ۸۶۸ ۸۶۹ ۸۷۰ ۸۷۱ ۸۷۲ ۸۷۳ ۸۷۴ ۸۷۵ ۸۷۶ ۸۷۷ ۸۷۸ ۸۷۹ ۸۸۰ ۸۸۱ ۸۸۲ ۸۸۳ ۸۸۴ ۸۸۵ ۸۸۶ ۸۸۷ ۸۸۸ ۸۸۹ ۸۹۰ ۸۹۱ ۸۹۲ ۸۹۳ ۸۹۴ ۸۹۵ ۸۹۶ ۸۹۷ ۸۹۸ ۸۹۹ ۹۰۰ ۹۰۱ ۹۰۲ ۹۰۳ ۹۰۴ ۹۰۵ ۹۰۶ ۹۰۷ ۹۰۸ ۹۰۹ ۹۱۰ ۹۱۱ ۹۱۲ ۹۱۳ ۹۱۴ ۹۱۵ ۹۱۶ ۹۱۷ ۹۱۸ ۹۱۹ ۹۲۰ ۹۲۱ ۹۲۲ ۹۲۳ ۹۲۴ ۹۲۵ ۹۲۶ ۹۲۷ ۹۲۸ ۹۲۹ ۹۳۰ ۹۳۱ ۹۳۲ ۹۳۳ ۹۳۴ ۹۳۵ ۹۳۶ ۹۳۷ ۹۳۸ ۹۳۹ ۹۴۰ ۹۴۱ ۹۴۲ ۹۴۳ ۹۴۴ ۹۴۵ ۹۴۶ ۹۴۷ ۹۴۸ ۹۴۹ ۹۵۰ ۹۵۱ ۹۵۲ ۹۵۳ ۹۵۴ ۹۵۵ ۹۵۶ ۹۵۷ ۹۵۸ ۹۵۹ ۹۶۰ ۹۶۱ ۹۶۲ ۹۶۳ ۹۶۴ ۹۶۵ ۹۶۶ ۹۶۷ ۹۶۸ ۹۶۹ ۹۷۰ ۹۷۱ ۹۷۲ ۹۷۳ ۹۷۴ ۹۷۵ ۹۷۶ ۹۷۷ ۹۷۸ ۹۷۹ ۹۸۰ ۹۸۱ ۹۸۲ ۹۸۳ ۹۸۴ ۹۸۵ ۹۸۶ ۹۸۷ ۹۸۸ ۹۸۹ ۹۹۰ ۹۹۱ ۹۹۲ ۹۹۳ ۹۹۴ ۹۹۵ ۹۹۶ ۹۹۷ ۹۹۸ ۹۹۹ ۱۰۰۰ ۱۰۰۱ ۱۰۰۲ ۱۰۰۳ ۱۰۰۴ ۱۰۰۵ ۱۰۰۶ ۱۰۰۷ ۱۰۰۸ ۱۰۰۹ ۱۰۱۰ ۱۰۱۱ ۱۰۱۲ ۱۰۱۳ ۱۰۱۴ ۱۰۱۵ ۱۰۱۶ ۱۰۱۷ ۱۰۱۸ ۱۰۱۹ ۱۰۲۰ ۱۰۲۱ ۱۰۲۲ ۱۰۲۳ ۱۰۲۴ ۱۰۲۵ ۱۰۲۶ ۱۰۲۷ ۱۰۲۸ ۱۰۲۹ ۱۰۳۰ ۱۰۳۱ ۱۰۳۲ ۱۰۳۳ ۱۰۳۴ ۱۰۳۵ ۱۰۳۶ ۱۰۳۷ ۱۰۳۸ ۱۰۳۹ ۱۰۴۰ ۱۰۴۱ ۱۰۴۲ ۱۰۴۳ ۱۰۴۴ ۱۰۴۵ ۱۰۴۶ ۱۰۴۷ ۱۰۴۸ ۱۰۴۹ ۱۰۵۰ ۱۰۵۱ ۱۰۵۲ ۱۰۵۳ ۱۰۵۴ ۱۰۵۵ ۱۰۵۶ ۱۰۵۷ ۱۰۵۸ ۱۰۵۹ ۱۰۶۰ ۱۰۶۱ ۱۰۶۲ ۱۰۶۳ ۱۰۶۴ ۱۰۶۵ ۱۰۶۶ ۱۰۶۷ ۱۰۶۸ ۱۰۶۹ ۱۰۷۰ ۱۰۷۱ ۱۰۷۲ ۱۰۷۳ ۱۰۷۴ ۱۰۷۵ ۱۰۷۶ ۱۰۷۷ ۱۰۷۸ ۱۰۷۹ ۱۰۸۰ ۱۰۸۱ ۱۰۸۲ ۱۰۸۳ ۱۰۸۴ ۱۰۸۵ ۱۰۸۶ ۱۰۸۷ ۱۰۸۸ ۱۰۸۹ ۱۰۹۰ ۱۰۹۱ ۱۰۹۲ ۱۰۹۳ ۱۰۹۴ ۱۰۹۵ ۱۰۹۶ ۱۰۹۷ ۱۰۹۸ ۱۰۹۹ ۱۱۰۰ ۱۱۰۱ ۱۱۰۲ ۱۱۰۳ ۱۱۰۴ ۱۱۰۵ ۱۱۰۶ ۱۱۰۷ ۱۱۰۸ ۱۱۰۹ ۱۱۱۰ ۱۱۱۱ ۱۱۱۲ ۱۱۱۳ ۱۱۱۴ ۱۱۱۵ ۱۱۱۶ ۱۱۱۷ ۱۱۱۸ ۱۱۱۹ ۱۱۲۰ ۱۱۲۱ ۱۱۲۲ ۱۱۲۳ ۱۱۲۴ ۱۱۲۵ ۱۱۲۶ ۱۱۲۷ ۱۱۲۸ ۱۱۲۹ ۱۱۳۰ ۱۱۳۱ ۱۱۳۲ ۱۱۳۳ ۱۱۳۴ ۱۱۳۵ ۱۱۳۶ ۱۱۳۷ ۱۱۳۸ ۱۱۳۹ ۱۱۴۰ ۱۱۴۱ ۱۱۴۲ ۱۱۴۳ ۱۱۴۴ ۱۱۴۵ ۱۱۴۶ ۱۱۴۷ ۱۱۴۸ ۱۱۴۹ ۱۱۵۰ ۱۱۵۱ ۱۱۵۲ ۱۱۵۳ ۱۱۵۴ ۱۱۵۵ ۱۱۵۶ ۱۱۵۷ ۱۱۵۸ ۱۱۵۹ ۱۱۶۰ ۱۱۶۱ ۱۱۶۲ ۱۱۶۳ ۱۱۶۴ ۱۱۶۵ ۱۱۶۶ ۱۱۶۷ ۱۱۶۸ ۱۱۶۹ ۱۱۷۰ ۱۱۷۱ ۱۱۷۲ ۱۱۷۳ ۱۱۷۴ ۱۱۷۵ ۱۱۷۶ ۱۱۷۷ ۱۱۷۸ ۱۱۷۹ ۱۱۸۰ ۱۱۸۱ ۱۱۸۲ ۱۱۸۳ ۱۱۸۴ ۱۱۸۵ ۱۱۸۶ ۱۱۸۷ ۱۱۸۸ ۱۱۸۹ ۱۱۹۰ ۱۱۹۱ ۱۱۹۲ ۱۱۹۳ ۱۱۹۴ ۱۱۹۵ ۱۱۹۶ ۱۱۹۷ ۱۱۹۸ ۱۱۹۹ ۱۲۰۰ ۱۲۰۱ ۱۲۰۲ ۱۲۰۳ ۱۲۰۴ ۱۲۰۵ ۱۲۰۶ ۱۲۰۷ ۱۲۰۸ ۱۲۰۹ ۱۲۱۰ ۱۲۱۱ ۱۲۱۲ ۱۲۱۳ ۱۲۱۴ ۱۲۱۵ ۱۲۱۶ ۱۲۱۷ ۱۲۱۸ ۱۲۱۹ ۱۲۲۰ ۱۲۲۱ ۱۲۲۲ ۱۲۲۳ ۱۲۲۴ ۱۲۲۵ ۱۲۲۶ ۱۲۲۷ ۱۲۲۸ ۱۲۲۹ ۱۲۳۰ ۱۲۳۱ ۱۲۳۲ ۱۲۳۳ ۱۲۳۴ ۱۲۳۵ ۱۲۳۶ ۱۲۳۷ ۱۲۳۸ ۱۲۳۹ ۱۲۴۰ ۱۲۴۱ ۱۲۴۲ ۱۲۴۳ ۱۲۴۴ ۱۲۴۵ ۱۲۴۶ ۱۲۴۷ ۱۲۴۸ ۱۲۴۹ ۱۲۵۰ ۱۲۵۱ ۱۲۵۲ ۱۲۵۳ ۱۲۵۴ ۱۲۵۵ ۱۲۵۶ ۱۲۵۷ ۱۲۵۸ ۱۲۵۹ ۱۲۶۰ ۱۲۶۱ ۱۲۶۲ ۱۲۶۳ ۱۲۶۴ ۱۲۶۵ ۱۲۶۶ ۱۲۶۷ ۱۲۶۸ ۱۲۶۹ ۱۲۷۰ ۱۲۷۱ ۱۲۷۲ ۱۲۷۳ ۱۲۷۴ ۱۲۷۵ ۱۲۷۶ ۱۲۷۷ ۱۲۷۸ ۱۲۷۹ ۱۲۸۰ ۱۲۸۱ ۱۲۸۲ ۱۲۸۳ ۱۲۸۴ ۱۲۸۵ ۱۲۸۶ ۱۲۸۷ ۱۲۸۸ ۱۲۸۹ ۱۲۹۰ ۱۲۹۱ ۱۲۹۲ ۱۲۹۳ ۱۲۹۴ ۱۲۹۵ ۱۲۹۶ ۱۲۹۷ ۱۲۹۸ ۱۲۹۹ ۱۳۰۰ ۱۳۰۱ ۱۳۰۲ ۱۳۰۳ ۱۳۰۴ ۱۳۰۵ ۱۳۰۶ ۱۳۰۷ ۱۳۰۸ ۱۳۰۹ ۱۳۱۰ ۱۳۱۱ ۱۳۱۲ ۱۳۱۳ ۱۳۱۴ ۱۳۱۵ ۱۳۱۶ ۱۳۱۷ ۱۳۱۸ ۱۳۱۹ ۱۳۲۰ ۱۳۲۱ ۱۳۲۲ ۱۳۲۳ ۱۳۲۴ ۱۳۲۵ ۱۳۲۶ ۱۳۲۷ ۱۳۲۸ ۱۳۲۹ ۱۳۳۰ ۱۳۳۱ ۱۳۳۲ ۱۳۳۳ ۱۳۳۴ ۱۳۳۵ ۱۳۳۶ ۱۳۳۷ ۱۳۳۸ ۱۳۳۹ ۱۳۴۰ ۱۳۴۱ ۱۳۴۲ ۱۳۴۳ ۱۳۴۴ ۱۳۴۵ ۱۳۴۶ ۱۳۴۷ ۱۳۴۸ ۱۳۴۹ ۱۳۵۰ ۱۳۵۱ ۱۳۵۲ ۱۳۵۳ ۱۳۵۴ ۱۳۵۵ ۱۳۵۶ ۱۳۵۷ ۱۳۵۸ ۱۳۵۹ ۱۳۶۰ ۱۳۶۱ ۱۳۶۲ ۱۳۶۳ ۱۳۶۴ ۱۳۶۵ ۱۳۶۶ ۱۳۶۷ ۱۳۶۸ ۱۳۶۹ ۱۳۷۰ ۱۳۷۱ ۱۳۷۲ ۱۳۷۳ ۱۳۷۴ ۱۳۷۵ ۱۳۷۶ ۱۳۷۷ ۱۳۷۸ ۱۳۷۹ ۱۳۸۰ ۱۳۸۱ ۱۳۸۲ ۱۳۸۳ ۱۳۸۴ ۱۳۸۵ ۱۳۸۶ ۱۳۸۷ ۱۳۸۸ ۱۳۸۹ ۱۳۹۰ ۱۳۹۱ ۱۳۹۲ ۱۳۹۳ ۱۳۹۴ ۱۳۹۵ ۱۳۹۶ ۱۳۹۷ ۱۳۹۸ ۱۳۹۹ ۱۴۰۰ ۱۴۰۱ ۱۴۰۲ ۱۴۰۳ ۱۴۰۴ ۱۴۰۵ ۱۴۰۶ ۱۴۰۷ ۱۴۰۸ ۱۴۰۹ ۱۴۱۰ ۱۴۱۱ ۱۴۱۲ ۱۴۱۳ ۱۴۱۴ ۱۴۱۵ ۱۴۱۶ ۱۴۱۷ ۱۴۱۸ ۱۴۱۹ ۱۴۲۰ ۱۴۲۱ ۱۴۲۲ ۱۴۲۳ ۱۴۲۴ ۱۴۲۵ ۱۴۲۶ ۱۴۲۷ ۱۴۲۸ ۱۴۲۹ ۱۴۳۰ ۱۴۳۱ ۱۴۳۲ ۱۴۳۳ ۱۴۳۴ ۱۴۳۵ ۱۴۳۶ ۱۴۳۷ ۱۴۳۸ ۱۴۳۹ ۱۴۴۰ ۱۴۴۱ ۱۴۴۲ ۱۴۴۳ ۱۴۴۴ ۱۴۴۵ ۱۴۴۶ ۱۴۴۷ ۱۴۴۸ ۱۴۴۹ ۱۴۵۰ ۱۴۵۱ ۱۴۵۲ ۱۴۵۳ ۱۴۵۴ ۱۴۵۵ ۱۴۵۶ ۱۴۵۷ ۱۴۵۸ ۱۴۵۹ ۱۴۶۰ ۱۴۶۱ ۱۴۶۲ ۱۴۶۳ ۱۴۶۴ ۱۴۶۵ ۱۴۶۶ ۱۴۶۷ ۱۴۶۸ ۱۴۶۹ ۱۴۷۰ ۱۴۷۱ ۱۴۷۲ ۱۴۷۳ ۱۴۷۴ ۱۴۷۵ ۱۴۷۶ ۱۴۷۷ ۱۴۷۸ ۱۴۷۹ ۱۴۸۰ ۱۴۸۱ ۱۴۸۲ ۱۴۸۳ ۱۴۸۴ ۱۴۸۵ ۱۴۸۶ ۱۴۸۷ ۱۴۸۸ ۱۴۸۹ ۱۴۹۰ ۱۴۹۱ ۱۴۹۲ ۱۴۹۳ ۱۴۹۴ ۱۴۹۵ ۱۴۹۶ ۱۴۹۷ ۱۴۹۸ ۱۴۹۹ ۱۵۰۰ ۱۵۰۱ ۱۵۰۲ ۱۵۰۳ ۱۵۰۴ ۱۵۰۵ ۱۵۰۶ ۱۵۰۷ ۱۵۰۸ ۱۵۰۹ ۱۵۱۰ ۱۵۱۱ ۱۵۱۲ ۱۵۱۳ ۱۵۱۴ ۱۵۱۵ ۱۵۱۶ ۱۵۱۷ ۱۵۱۸ ۱۵۱۹ ۱۵۲۰ ۱۵۲۱ ۱۵۲۲ ۱۵۲۳ ۱۵۲۴ ۱۵۲۵ ۱۵۲۶ ۱۵۲۷ ۱۵۲۸ ۱۵۲۹ ۱۵۳۰ ۱۵۳۱ ۱۵۳۲ ۱۵۳۳ ۱۵۳۴ ۱۵۳۵ ۱۵۳۶ ۱۵۳۷ ۱۵۳۸ ۱۵۳۹ ۱۵۴۰ ۱۵۴۱ ۱۵۴۲ ۱۵۴۳ ۱۵۴۴ ۱۵۴۵ ۱۵۴۶ ۱۵۴۷ ۱۵۴۸ ۱۵۴۹ ۱۵۵۰ ۱۵۵۱ ۱۵۵۲ ۱۵۵۳ ۱۵۵۴ ۱۵۵۵ ۱۵۵۶ ۱۵۵۷ ۱۵۵۸ ۱۵۵۹ ۱۵۶۰ ۱۵۶۱ ۱۵۶۲ ۱۵۶۳ ۱۵۶۴ ۱۵۶۵ ۱۵۶۶ ۱۵۶۷ ۱۵۶۸ ۱۵۶۹ ۱۵۷۰ ۱۵۷۱ ۱۵۷۲ ۱۵۷۳ ۱۵۷۴ ۱۵۷۵ ۱۵۷۶ ۱۵۷۷ ۱۵۷۸ ۱۵۷۹ ۱۵۸۰ ۱۵۸۱ ۱۵۸۲ ۱۵۸۳ ۱۵۸۴ ۱۵۸۵ ۱۵۸۶ ۱۵۸۷ ۱۵۸۸ ۱۵۸۹ ۱۵۹۰ ۱۵۹۱ ۱۵۹۲ ۱۵۹۳ ۱۵۹۴ ۱۵۹۵ ۱۵۹۶ ۱۵۹۷ ۱۵۹۸ ۱۵۹۹ ۱۶۰۰ ۱۶۰۱ ۱۶۰۲ ۱۶۰۳ ۱۶۰۴ ۱



یا کانٹا بھی چھتا ہے تو یہ اس کے برے اعمال کا بدلہ دنیا میں ہو جاتا ہے (مطلب یہ ہے کہ آیت میں جزاء سے مراد صرف عذاب آخرت ہی نہیں ہے مطلق جزاء مراد ہے دنیا میں ہو یا آخرت میں چنانچہ بہت سے گناہوں کا بدلہ دنیا ہی میں دیدیا جاتا ہے اور پھر آخرت میں اس پر مطالبہ نہیں ہوتا) ومن حسب عذاب البتہ جس سے وہاں حساب لیا جائے گا وہ عذاب سے نہیں بچ سکتا، اس پر حضرت عائشہ نے عرض کیا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا ہے، فسوف يحاسب حسابا يسيرا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض حساب آسان بھی ہوتے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ اس آیت میں حساب سے مراد نفس عرض ہے، یعنی ائمہ اعمال کا صرف پیش ہونا، اور میری مراد حساب سے مناقشہ فی الحساب تھا جس کو جرح کہتے ہیں، یعنی حساب کے وقت یہ پوچھ لیا جائے ایسا کیوں کیا تھا۔

والحدیث أخرجه البخاری ومسلم (من قوله) ایس یعول اللہ الی آخر الحدیث، قال المنذری۔  
وکتب فی البذل هذا الحدیث لامنا سبة لباب عیادة النساء بل لمناسبة بالباب الذی قبلہ۔

## باب فی العیادة

### شرح الحدیث

مضمون حدیث یہ ہے، حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین کے مرض الموت میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس کے پاس عیادت کے لئے تشریف لے گئے، آپ نے اس کو دیکھ کر اس میں علامات موت کو پہچان لیا، اور فرمایا آپ نے اس سے قد کنت انھا لھن حب یہود میں تجھ کو حب یہود سے منع کیا کرتا تھا (اور حب یہود ہی نے تجھ کو اس نفاق میں مبتلا کیا تھا اور اب نفاق کی حالت میں مر رہا ہے، صرف زبانی اسلام لانا تو مفید نہیں) اس نے آپ کی یہ بات سن کر کہا فتد ابغضھما سعد بن زرارہ قسمة کہ سعد بن زرارہ تو یہود سے محبت نہیں کرتے تھے بلکہ ان سے بغض رکھتے تھے پس کیا کام آیا اس کے یہ بغض یہود۔ یہ اناڑی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کا مطلب ہی نہ سمجھا آپ کا اشارہ تو عذاب آخرت کی طرف تھا، اس نے سمجھا کہ اصل نفع موت سے بچنے میں ہے اسی لئے کہا کہ سعد بن زرارہ ہی کون سے بچ گئے موت سے۔

عبداللہ بن ابی نے سعد بن زرارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں بغض یہود کو ثابت کیا، ان کے بغض کا کوئی خاص واقعہ تو ملا نہیں اصابہ وغیرہ میں البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان کا بغض اس طرح ثابت ہے کہ یہ اول من اسلم من الانصار علی الاطلاق ہیں، یعنی مدینہ جہاں بکثرت یہود بستے تھے وہاں اسلام کی ابتداء ان ہی سے ہوئی علی رغم انفس یہود اور ظاہر ہے کہ مدینہ سے یہود کی جزا اہل اسلام ہی نے کاٹی ہے نیز ان کی اور بھی بعض خصوصیتیں ہیں فانہ اول من حج الجمعة فی الدینة قبل ہجرة علیہ الصلوٰۃ والسلام، کما سنی کتاب الصلوٰۃ فی باب الجمعة فی القری۔

اس کے بعد روایت میں یہ ہے کہ جب وہ مر گیا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس اس کے بیٹے جن کا نام بھی

عبداللہ تھا اور اسلام لاپکے تھے انہوں نے آکر آپ سے یہ درخواست کی کہ آپ اپنا قمیص مجھے عنایت فرما دیجئے تاکہ اپنے باپ کی تکفین اس میں کروں، آپ نے اپنا قمیص اتار کر ان کو دیدیا، ابو داؤد کی اس روایت میں تو اتنا ہی ہے اور صحیحین کی روایت میں یہ بھی وارد ہے کہ آپ اس کی قبر پر تشریف لے گئے اور اس کو قبر سے نکلوا یا اور اس کو اپنے دونوں گھٹنوں پر رکھا اور اس پر آپ اپنے دھن کی رین مبارک کو ٹیکایا، اور اپنا قمیص اس کو پہنایا۔

بذل میں لکھا ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا قمیص دینا اسکے بیٹے کی دلداری کیلئے تھا (کیونکہ وہ مسلمان ہو چکا تھا) باوجود اسکے کہ آپ جانتے تھے کہ آپ کا قمیص نفاق کے ساتھ کچھ فتنہ بخش نہیں ہو سکتا، اور کہا گیا ہے کہ آپ کا یہ قمیص عطا کرنا اس کے اس احسان کے بدلہ میں تھا کہ اس نے آپ کے عم محرم حضرت عباس کو اپنا قمیص دیا تھا، اس لئے کہ حضرت عباس جنگ بدر میں قید کئے گئے تھے اور ان کا قمیص پھٹ گیا تھا ان کے لئے قمیص کی ضرورت تھی تو ابن ابی نے اس وقت اپنا قمیص دیدیا تھا کیونکہ طویل القامت ہونے کی وجہ سے کسی اور کی قمیص ان کو نہیں آتی تھی، پھر اسلام تو وہ بعد میں لائے قبل فتح خیبر علی قول۔

## باب فی عیادۃ الذمی

عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان غلاماً من الیہود۔

مضمون یہ ہے حضرت انس فرماتے ہیں کہ ایک یہودی لڑکا بیمار ہوا، آپ اس کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے اور اس کے سر کی جانب بیٹھ گئے اور اس سے فرمایا کہ اسلام لے آ، اس لڑکے نے اپنے باپ کی طرف دیکھا وہ بھی نہیں کھڑا تھا، اس نے کہا ہاں ابو القاسم (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کی اطاعت کر چناںچہ وہ اسلام لے آیا، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کا حمد و ثناء کرتے ہوئے چلے آئے کہ اللہ تعالیٰ نے میری وجہ سے اس کو جہنم سے نجات دیدی۔

یہ حدیث صحیح بخاری میں بھی ہے فی باب اذا اسلم الصبی فمات هل یصلی علیہ و هل یعرض علی الصبی الاسلام اس کے شروع میں اس طرح ہے عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کان غلام یہودی یخدم النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فمرض یحییٰ مصنف نے اس حدیث سے عیادت ذمی کا جواز ثابت کیا ہے، حاشیہ بذل میں ہے: ویجوز عیادۃ الذمی عندنا بالاجماع کذا فی الشامی، و عن احمد فیہ روایتان کما فی الشرح الکبیر۔

والحدیث اخرہ البخاری والسنائی، قالہ المتذری۔

## باب المشی فی العیادۃ

عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یعود فی لیس براكب بغلاً ولا یزدوناً حضرت جابر فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میری عیادت کے لئے تشریف لاتے تھے (یعنی پیادہ) آپ

سوار نہوتے تھے نہ خچر پر نہ ترکی گھوڑے پر۔

مصنف نے حدیث کے وہی معنی لئے جو ہم نے ترجمہ کے اندر لکھے، یعنی مطلقاً رکوب کی نفی، حضرت شیخ کے حاشیہ میں ہے، "ما ترجم بہ المصنف علیہ حمل الجہور الحدیث، و حملہ بعضهم علی انہ کان راكباً علی غیر البغل والبرذون اھ مختصراً، حافظ منذری فرماتے ہیں حدیث سے ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے سعد بن عبادہ کی عیادت فرمائی راكباً علی حمار اور ایک حدیث جابر میں ہے اتانی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یعودنی وایوبیکردھما ماشیان، لہذا مریض کی عیادت راكباً و ماشیاً دونوں طرح مسنون ہے۔

والحدیث اخریہ البخاری والترمذی قالہ المنذری۔

## باب فی فضل العیادۃ

ہمارے استاذ حضرت مولانا محمد اسعد اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے تھے العیادۃ افضل من العبادۃ لفظاً و معنی، اس باب میں مصنف نے اولاً حضرت انس کی حدیث ذکر فرمائی ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اچھی طرح وضو کرنے کے بعد اپنے مسلمان بھائی کی عیادت کرے محض ثواب کی نیت سے تو وہ شخص جہنم سے ستر سال کی مسافت کے بقدر دور کر دیا جاتا ہے، اور ثانیاً حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ذکر کی جس کا مضمون یہ ہے کہ جو شخص کسی مریض کی عیادۃ کرے صبح کے وقت تو اس کے ساتھ ستر ہزار فرشتے نکلتے ہیں جو اس کے لئے شام تک استغفار کرتے رہتے ہیں اور جو شخص کسی مریض کی عیادت کرے شام کے وقت تو اس کے ساتھ ستر ہزار فرشتے نکلتے ہیں جو اس کے لئے صبح تک استغفار کرتے رہتے ہیں، اور اس کے لئے جنت میں ایک باغ ہو جاتا ہے۔ طریف بمعنی بستان جس کو محرف بھی کہتے ہیں، اور ترمذی کی ایک روایت میں ہے من حدیث ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ لم یزل فی خرفۃ الجنۃ، اور اس روایت کے ایک دوسرے طریق میں یہ زیادتی ہے قیل ما خرفۃ الجنۃ قال جنۃ، یعنی جنت کے پھل، نو اکہ۔ ہمارے استاد محترم حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ جب یہ بات ہے تو پھر جس زمانہ میں دن بڑا ہوتا ہے اس وقت عیادت صبح کے وقت کرنی چاہیئے اور جب رات بڑی ہو تو اس وقت عیادت کرنی چاہیئے شام کے وقت۔

## باب فی العیادۃ مراراً

عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت لما اصیب سعد بن معاذ۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ یوم الخندق

وصاہ رجلاً فی الکحل الخ۔

شرح الحدیث | یعنی حضرت سعد بن معاذ کے غزوہ خندق میں کسی کافر نے تیر مارا اکحل میں تو آپ نے حضرت سعد کو

مسجد میں ٹھہرا کر ان کے لئے خیمہ نصب کرایا اور مسجد میں اس لئے ان کو ٹھہرایا تاکہ قریب ہونے کی وجہ سے عبادت میں میں سہولت ہو اس پر مصنف نے ترجمہ قائم کیا العیادۃ مرآۃ، مصنف نے گویا اس میں حضرت سعد کو مسجد میں ٹھہرانے کا فائدہ اور مصلحت بیان کیا تاکہ بار بار عبادت کی جاسکے۔

اکحل ایک رگ کا نام ہے جو وسط ذراع میں ہوتی ہے، اور غلیل نے لکھا ہے کہ اکحل عرق حیات کی وہ شاخ ہے جو ہاتھ میں ہوتی ہے، اور جو شاخ اس کی کمر میں ہوتی ہے اس کو ابھر کہتے ہیں اور جو ران میں ہوتی ہے اس کو نسا کہتے ہیں، کہا گیا ہے کہ ہر عضو میں عرق حیات کی ایک شاخ ہوتی ہے اس رگ کا اگر منہ کھل جائے تو خون رکتا نہیں اکحل کو فارسی میں رگ ہفت اندام کہتے ہیں۔

یہ حدیث یہاں پر تو مختصر سی ہے طویل اور مفصل حدیث بخاری کی کتاب المغازی میں ہے۔  
والحدیث اخر جہ البخاری ومسلم والنسائی، قالہ المنذری۔

## باب العیادۃ من الرمہ

غرض المصنف من الترجمة | رمہ یعنی آشوب چشم، آنکھ دکھنا، اس تخصیص کے ساتھ ترجمہ قائم کرنے کی بظاہر ضرورت اس لئے پیش آئی کہ ایک حدیث ہے جس میں تین چیزوں کو عیادت سے مستثنیٰ کیا گیا ہے "ثلاثہ ییس ہم عیادۃ النعین والدتل والعرض اخرجہ البیہقی، کہ تین بیماریاں ایسی ہیں کہ ان میں عیادت نہیں، ایک یہی آشوب چشم، دوسری دتل پھوڑا پھنسی، تیسرے ڈاڑھ کا درد، لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ حدیث موقوف ہے مرفوع نہیں، اور حدیث الباب جس کو مصنف نے ذکر کیا وہ اصح ہے، یا یہ کہ اس حدیث میں تاکد کی نفی ہے لیکن بعض کتب فقہیہ میں بھی ان تینوں میں عیادت کی نفی مذکور ہے، اس کا جواب بھی یہ دیا گیا ہے کہ تاکد کی نفی مقصود ہے مطلق سنت کی نہیں۔

من زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال عادی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من وجع

کان بعینی۔ حدیث سے ترجمہ الباب کا ثبوت ظاہر ہے۔

## باب الخروج من الطاعون

طاعون ایک مشہور بیماری کا نام ہے جو بدن کے مختلف حصوں مثلاً کہنیوں، بطنوں یا انگلیوں میں یا سارے ہی بدن میں کچھ پھنسیاں اور زخم سے ہو جاتے ہیں جس کے ساتھ دم بھی ہوتا ہے اور سخت قسم کی بے چینی اور سفہش، امان زخموں کے ارد گرد جگہ سرخ ہو جاتی ہے یا سبزی مائل، جس کے ساتھ دل کی دھڑکن بڑھ جاتی ہے اور قی بھی ہوتی ہے

نیز اس کا اطلاق اس وبا اور مرض عام پر بھی ہوتا ہے جس سے فضا فاسد ہو جاتی ہے اور پھر اس کا اثر بدن میں سرایت کرتا ہے  
اذ اسمعتہم بارض فلا نقصد مواعلیہ واذا وقع بارض وانتم بہا خلا تخرجوا فرائضہ۔

**شرح الحدیث** | اس بیماری کے بارے میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یہ ارشاد فرما رہے ہیں کہ جس بستی میں  
اس کا ہونا معلوم ہو تو وہاں مت جاؤ، اور اگر اسی جگہ میں پائی جائے جہاں تم ہو تو پھر وہاں سے  
نکل کر نہ بھاگو یعنی اس بیماری سے بچ کر معلوم ہوا اگر کسی ضرورت سے جائے تو اسر آخر ہے اس لئے کہ پہلی صورت  
میں جراثیم اور استغفار کے معنی پائے جاتے ہیں اور دوسری صورت میں فرار عن القدر کا شبہ ہوتا ہے۔

حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ طاعون کفار کے حق میں عذاب الہی ہے اور مؤمنین کے حق میں رحمت ہے، اگر اس  
پر سہر کرے فلہ اجر شہید، چنانچہ آگے مستقل باب آرہا ہے۔ فضل من مات بالطاعون، جس میں یہ آرہا ہے، الطعون  
شہیدہ حضرت نے بدل میں طاعون کے بارے میں یہ روایات ذکر کی ہیں ایک حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی  
حدیث کہ میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے طاعون کے بارے میں سوال کیا فآخریٰ انہ عذاب یبعثہ اللہ علی  
من یشار وان اللہ عز وجل جعلہ رحمۃ للمؤمنین الحدیث، و آخرہ الشیخان من حدیث اسامۃ بن زید مر فوفا الطاعون  
رحمہم رسول علی طائفتہ من بنی اسرائیل اذ علی من کان قبلکم الحدیث، اہ مختصراً۔  
والحدیث آخرہ البخاری ومسلم مطولاً، قالہ المنذری۔

## باب الدعاء للمریض بالشفاء عند العیادۃ

عن عائشۃ بنت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ ان اباہا قال اشتکیت بمکۃ۔  
سعد بن ابی وقاص فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ جبکہ مکہ میں تھا بیمار ہو گیا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میری  
عیادت کے لئے تشریف لائے اور میری پیشانی پر اپنا دست مبارک رکھا اور سینہ اور پیٹ پر بھی پھیرا اور یہ دعا دی  
"اللہم اشف سعداً و اتم لہ حجرتہ" اس سے معلوم ہوا کہ جب کسی مریض کی عیادت کے لئے جائے تو اس کی پیشانی پر اپنا  
ہاتھ رکھے (یا اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھے) اور اس کو دعا بھی دے، جیسا کہ آگے مستقل باب میں آرہا ہے۔  
آپ کی دعا حضرت سعد کے حق میں قبول ہوئی اور وہ شفا یاب ہوئے اور اسلام کی بہت خدمت کی فات بعد  
ذلک بالمدينة المنورة ۵۵ھ بعد ما فتح العراق، حضرت سعد کی یہ حدیث کتاب الاوصیاء میں گزر چکی جس میں یہ تھا  
قلت یا رسول اللہ اتخلف عن ہجرتی انی وہاں اور بھی بہت کچھ لکھا گیا ہے فقہر۔ والحدیث آخرہ البخاری و اتم منہ قالہ المنذری

لہ بضم التاء من الاقدام وفي بعض النسخ بفتح التاء والدال، والمفوظ ضم التاء (بدل)

أطعموا الجائع وعودوا المريض وفكوا العاني قال سفیان: والعاني الأسير  
یعنی بھوکوں کو کھانا کھاناؤ اور مریضوں کی عیادت کیا کرو، اور جہاں تک ہو سکے قیدیوں کو چھڑانے کی کوشش  
کرو، اے المسلم المجوس عند الکفر، وکذا المجوس ظلماً فیجب علی المسلمین اتعاذه بالفدية (بذل) اس حدیث کا حوالہ اور  
ذکر کتاب الفرائض میں بھی گذرا ہے۔ وَاَفَلَا يَنْتَهَوْنَ عَنِ الْفِتْنَةِ؟

## باب الدعاء للمريض عند العیادة

عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما عن النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم قال من عاد مريضاً  
لم يحضر اجله انعم به جو شخص کسی ایسے مریض کی عیادت کرے جس کا ابھی وقت نہیں آیا اور وہ عیادت کرنے والا  
اس کے پاس بیٹھ کر یہ دعائیں پڑھے، اللہ تعالیٰ اس کو شفا عطا فرماتے ہیں: اسأل الله العظيم رب العرش العظيم ان  
يشفيك، والحدیث اخرجه الترمذی والنسائی، قال المنذرى۔

اور اس کے بعد والی حدیث میں جو عبد اللہ بن عمرو بن العاص سے مروی ہے اس میں عیادت کے وقت اس  
دعا کا پڑھنا مذکور ہے اللهم اشف عبدک ینکأ لک عداوہ ویشی لک الی جنازة، اور ایک نسخہ میں الی صلاة ہے  
اے اللہ اپنے اس بندہ کو شفا عطا فرما یہ صحت کے بعد تیرے لئے دشمنوں کے ساتھ جہاد کرے گا ان کو زخمی کرے گا  
اور تیرے لئے جنازہ کے ساتھ جائے گا، اس حدیث میں لک لک بار بار ہے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں وہی عمل  
معتبر ہے جو فالس اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہو، نیز اس حدیث سے جنازوں کے ساتھ جانے کی اہمیت معلوم ہو رہی ہے۔

## باب کراہیۃ تمنی الموت

لا یدعوق احدکم الموت لحسن نزل بہ۔

یعنی آدمی کو موت کی تمنا ہرگز نہیں کرنی چاہیئے کسی دنیوی ضرر سے پریشان ہو کر، اور اگر ضرر دینی ہو تو اس سے  
بچنے کے لئے جائز ہے کذا قال العلماء، اب یہ کہ پھر کیا دعا کرنی چاہیئے ایسے موقع پر وہ حدیث میں مذکور ہے۔ اللهم  
احیی ما کانت الحیاۃ خیر الی وتوفی اذا کانت الوفاۃ خیر الی۔

زندگی مسلمان کے لئے بہت بڑی نعمت ہے، کسی مصیبت سے گھبرا کر اپنے لئے موت کی ہمد ما کرنا اس نعمت کی ناقدری ہے  
حدیث میں آتا ہے کہ مسلمان کے لئے تو ہر حال میں خیر ہی خیر ہے مصیبت کی حالت ہو یا راحت کی، مصیبت میں اگر صبر  
کرتا ہے تو اس کے لئے اجر ہے، اور اگر راحت کی حالت ہے اس میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے تب تک اس کیلئے اجر ہے  
آدمی کی یہی دو حالتیں ہوتی ہیں تو گویا اس کے لئے ہر حال میں نفع اور فائدہ ہی فائدہ ہے۔ الحمد للہ الذی ہدانا وجعلنا

من المسلمین۔ والحديث أخرجه البخاری ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجه، قاله المنذرى۔

## باب فی موت الفجاءة

فجاءة میں روخت ہیں بعض الفار والمدا، اور یفزع الفار واسکان الجیم بلاند۔

موت الفجاءة اخذتہ اسف، اسف میں سین کا فتح اور کسرہ دونوں پڑھ سکتے ہیں، پہلی صورت میں اس کے معنی غضب کے ہیں اور دوسری صورت میں صفت کا صیغہ ہوگا بمعنی غضبان، یعنی موت فجائی اور اچانک کی موت قصہ کی پکڑ ہے یا غضبان کی پکڑ ہے، لیکن یہ کافر کے حق میں ہے، اور مؤمن کے حق میں ایسا نہیں بلکہ رحمت ہے اس لئے کہ مؤمن کامل ہمیشہ آخرت کے لئے مستعد اور تیاری میں رہتا ہے، (بقل) وفی ہامش البذل: وورد ایضا موت الفجاءة مراحتہ المؤمن، وقد توفی فجاءة ابراہیم وداؤد وسلمان علی نبینا وعلیہم الصلاۃ والسلام (تفریح الاذکیار فی تاریخ الانبیار)

## باب فی فضل من مات بالطاعون

ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم جاء یعود عبد اللہ بن ثابت فوجدہ قد طلب الخ۔

مضمون حدیث | یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عبد اللہ بن ثابت کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے جب آپ وہاں پہنچے تو ان کو دیکھا کہ غشی طاری ہے، آپ نے ان کو پکارا آواز دی تو وہ اس پر کچھ نہیں بولے، آپ نے انا اللہ پڑھی اور فرمایا کہ ہم تیرے بارے میں مغلوب ہو گئے، یعنی قضا و قدر غالب آگئی اور انتقال کا وقت آچکا، جو عورتیں اس گھر میں تھیں وہ آہ وزاری کرنے لگیں، جابر بن عتیک ان کو خاموش کرنے لگے، آپ نے ان سے فرمایا چھوڑ ان عورتوں کو یعنی رونے دے، ہاں جب انتقال ہو جائے گا پھر کوئی نہ روتے۔ اس کے بعد روایت میں یہ ہے کہ ان کی بیٹی کہنے لگی افسوس کے ساتھ واللہ ہم تو یہ امید رکھتے تھے کہ تم شہید ہو گے اس لئے کہ تم اسباب جہاد تیار کر چکے تھے اس پر آپ نے فرمایا ان اللہ عزوجل قد اوقع اجرہ علی قد دینتہ۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کو اس کا اجر عطا فرما دیا ہے اس کی نیت اور ارادہ کے موافق وما تعدون الشہادۃ؟ اور آپ نے پوچھا تم شہادت کس چیز کو سمجھتے ہو انہوں نے جواب دیا اللہ تعالیٰ کے راستہ میں قتل ہو جانے کو، اس پر آپ نے فرمایا اسباب شہادت اس کے علاوہ ملت اور یملا البطون شہید، والفرق شہید و صاحب ذات الجنب شہید والبطون شہید و صاحب

الحریق شہید والذی یموت تحت الہدم شہید والمرأۃ تحتہ یجیب شہید۔

مطلون یعنی جو مرض طاعون کے اندر ہلاک ہو، ذات الجنب ایک مشہور شہادت کے اسباب سیمہ کی تشریح | بیماری ہے جس کی دو قسمیں ہیں ایک حقیقی اور ایک عرفی حقیقی تو بہت خطرناک

مرض ہے جس میں پسلیوں میں اندر کی جانب ورم اور زخم ہو جاتے ہیں اور کھانسی بخار اس کے لئے لازم ہوتا ہے، اور دوسری قسم یہ سمجھئے کہ پسلیوں میں جو ریاحی درد ہوتا ہے اس کو کہتے ہیں، ترمذی کی کتاب الطب میں اس کا بہت کثرت سے ذکر آیا ہے اور اسی طرح حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے مرض وفات میں لُذود کا ذکر جو آپ کے گھر والوں نے آپ کو ذات الجنب کا مرض سمجھ کر کیا تھا، اور متبطون سے مراد جو پیٹ کے مرض ہیں مرے یعنی استطلاق البطن ردستوں اور اسہال کا مرض، بذل، وفي العون، ای من اسہال اور استسقاء اور جمع بطن و معاً حب المحرق یعنی آگ میں جل کر مر جا سکتا الھدم، یعنی دیوار کے نیچے، قال القاری الھدم بفتح الدال ویسکن، والکبراء تنوت بجمع یعنی الیم وکسر سکون الیم قال القاری، قال الخطابی معناه ان تموت وفي بطنها ولداه وقال في النهاية ای تموت وفي بطنها ولد وقيل ألتی تنوت بکرا، فالجمع بالیم یعنی المجموع، کالذخر یعنی المذخور، وکسر الکسائی الیم والمعنی انعامات مع شمسى مجموع فیہا غیر منفصل عنہا من حمل او بکارة اھ قال النووی عن جیمہ اشہر الثلاثة (بذل، عون) یعنی جو عورت حمل کی حالت میں مر جائے یا شادی سے پہلے بکارت کی حالت میں مر جائے، یا حالت نفاس میں بچہ کی پیدائش کے بعد جیسا کہ آگے مسند احمد کی روایت سے آ رہا ہے اور ایک قول اس میں یہ ہے کہ جس کا انتقال مزدلفہ میں ہو (اس لئے کہ مزدلفہ کا دوسرا نام جمع بھی ہے) وهو خطأ ظاهر کذا فی ہامش البذل۔

یہ حدیث مختلف الفاظ اور سیاق کیساتھ وارد ہوئی ہے، مسند احمد کی ایک روایت میں ہے "ان فی القتل شهادة وفي الطاعون شهادة وفي البطحى شهادة وفي الغرق شهادة وفي النفساء يفتلها ولدها جمعاً لشهادة۔" اس حدیث میں اسباب شہادت کا ذکر ہے اور یہ کہ وہ سات ہیں، امام مالک نے موطا میں عنوان قائم کیا ہے، "الشهادة فی سبیل اللہ حضرت شیخ رحمہ اللہ تعالیٰ اوجز میں اس کے تحت لکھتے ہیں: وتقدم فی ابواب الجنائز ان اسباب الشهادة الواردة فی الاماثل ترتقی الی قریب من الستین وتقدم ذکرها مع ذلک فالشہید الحقیقی هو قتیل المحرکة او من قتل اھل البغی او اھل الحرب قطع الطريق

اسباب الشهادة بالتفصيل | لہ فہم تحت حدیث جابر بن عتیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، فالمدکور فی حدیث جابر ہذا ثمانية افرع مع الشهادة الحقیقیة وخلص الزرقانی تہماً لشرح البحاری وغیرہا الروایات التي اطلق فیہا اسم الشهادة فزاد علی هذه الثمانية، البیضة علی فراشه فی سبیل اللہ وصاحب السبل بکسر الميم وتشدید اللام، ومن قتل دون ماله، او دینہ، او دینہ، او اھلہ، او دون مظلمة، ومن وقصه فرس، او بقرہ فی سبیل اللہ، اولد فہم حاکمۃ او مات علی فراشه علی آتی حنفی شامہ اللہ کہ فی روایۃ الی مالک الاشوری مرفوعاً عند الی داود والحاکم والطبرانی، وروئت الغریب والشریق والذی یفترس السبع، والنجار عن دابة، والمائد فی البحر الذی یصیبہ العوازل اجر شہید ومن طلب الشهادة بنیة صادقة یکتب شہیداً، ومن تردى من رؤس الجبال، وفي البحاری من حدیث عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ: لیسن من اصد یقع الطاعون فیکت فی بلده۔



ونحو ذلك، ولتقدم حكمه في الجنازة من انه لا يغسل ويدفن بدمه، واختلف في وجه تسمية الشهيد شهيدا على احوال تقدم ذكرها في باب العتمة والصحة وبسطها النووي في شرح مسلم اه علامه سيوطي كي يحي اس ميں مستقل ایک تالیف ہے، والاب السعادة في اسباب الشهادة، جس میں انہوں نے اسباب شہادۃ کو ستر تک پہنچا دیا ہے۔  
والحدیث اخرجه النسائي وابن ماجه، قال المنذرى۔

— صاحب محتسبا يعلم انه لا يصيبه الا كتب الشهد الا كان له مثل اجر شهيد، فبذبح سبع وعشرون طعنة سوى القتل في سبيل الله، ذكرنا حافظ ان طريقا جيدة، وانه وردت خصال اخرى في اماري لم اعرج عليها لضغضا اه زاد الزرقاني، صاحب الحمى، والميت في السجن وقد صس ظملا، والميت عشا، او طابها للعلم، وزاد العين، من صصلة السلطان ظالما، او شهيد فمات فهو شهيد، والمرا بكم يموت في فراشه وحكي عن ابن العربي، وصاحب النظر وهو المعين، والغريب شهيد ان قال وهدى شماسن، وكن مات مرثيات شهيدا، والنفساء ومن احتسب نفسه على الله، ومن عشق وعف وكرم ومات، مات شهيدا، وعند الترمذي وقال من غريب، من قال عین یصبح ثلاث مرات ائود بالشهد السبع يعلم من الشيطان الرجيم وقرأ ثلاث آيات من آخر سورة الاحقران مات من يومه مات شهيدا، وعند غيره من قرأ آخر سورة الاحقر فمات من ليلة مات شهيدا، وعند الآخري يا النسن ان استطعت ان تكون ابدا على وضوء فافعل فان ملك الموت اذا قبض روح العبد وهو على وضوء كتب له شهادة، وعن ابن عمر رضي الله عنهما وصام ثلاثة ايام من كل شهر لم يترك الوتر كتب له اجر شهيد، وورد من مات يوم الجمعة اول ليلة الجمعة اجر من عذاب القبر وجار يوم القيامة وعليه طابع الشهيد، قال ابو نعیم غریب من حدیث جابر، ومن خرج به خراج في سبيل الله كان عليه طابع الشهيد، وزاد القاري عن ابواب السعادة، على بعض المذكورين صاحب السبل ابي الدق، والمسافر، والمروء على فراشه في سبيل الله، وعن ابي عبيدة بن الجراح رضي الله تعالى عنه قلت يا رسول الله اراي الشهيد اكرم على الله؟ قال، رجل قام الى امام جائر فامر به معروف ونجها عن منكر فقتله، وعن ابن مسعود رضي الله تعالى عنه مرفوعا ان الشكر كتب الغيرة على النساء والجهاد على الرجال فمن صبرهن كان لها اجر شهيد، وورد من قال في كل يوم خمسا وعشرين مرة اللهم بارك لي في الموت وفيما بعد الموت ثم مات على فراشه اعطاه الله تعالى اجر شهيد، ومنها المتمسك بالسنة عند فساد الامة، والمؤذن المحتسب، ومن عاش مداريا، ومن جلب طعاما الى المسلمين، ومن سعى على امراته ودوله، وملكته بمينة، وغير ذلك مما يطول ذكره، فكل من كثر اسباب شهادته زيد له في فتح ابواب سعادتته اه قلنا، وزاد ابن عابدين، من قال في مرضه اربعين مرة لا اله الا انت سبحانك اني كنت من الظالمين فمات، ومن يقرأ كل ليلة سورة يسين ومن مات على طهارة فمات ومن قتل على النبي صلى الله تعالى عليه واله وسلم منه مرة، وسئل الحسن عن رجل افقتل بالشمج فاصابه اليهود فمات فقال يا لها من شهادة، وهذا كما رأيت ثم تقي الشهيد الى قريب من ستين، وذكر صاحب مظاہر حق، بعض انواع اخر، وكذا في اكثر العمال وفيه قال العين، وفي التوضيح، الشهيد ثلاثة اقسام شهيد في الدنيا والآخرة وهو المختول في حرب الكفار بسبب من الاسباب، وشهيد في الآخرة دون احكام الدنيا، وهم من ذكرنا آذنا، وشهيد في الدنيا دون الآخرة وهو من قتل في الغيبة ومن قتل مدبرا او ماني معناه اهـ۔

## باب المريض يؤخذ من اظفاره وعانته

یعنی مریض کو چاہیے کہ وہ اپنے اظفار اور زیر ناف بالوں کا خیال رکھے۔

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال ابتاع بنو العارث بن عامر بن نوفل خبیبا انہ  
**حضرت خبیب بن عدی کے قتل کا قصہ** | اس باب میں مصنف نے حضرت خبیب بن عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ  
 کے قتل کا قصہ ذکر کیا ہے، یہ قصہ کتاب الجہاد میں باب فی الرجل یتاسر  
 میں بالتفصیل گزر چکا اس کو دیکھ لیا جائے، حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے واقعہ قتل سے پہلے بڑے اطمینان  
 کے ساتھ قاتلین ہی سے استرہ طلب کر کے اپنے زیر ناف بال صاف کئے تھے، جیسا کہ حدیث الباب میں مذکور ہے۔  
 والحدیث اخرہ البخاری والنسائی مطولا، قالہ المنذری۔

## باب ما يستحب من حسن الظن بالله عند الموت

عن جابر بن عبد اللہ - رضی اللہ تعالیٰ عنہما - قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ  
 وسلم یقول قبل موته بثلاث لا یموت احدکم الا وهو یحسن الظن باللہ۔  
**شرح الحدیث** | یعنی آپ نے اپنی وفات سے تین روز قبل یہ فرمایا کہ موت کے وقت آدمی کو خاص طور سے اللہ تعالیٰ  
 سے حسن ظن رکھنا چاہیے، یعنی یہ خیال کرے کہ ان شاء اللہ تعالیٰ، اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائیں گے اور  
 اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی توقع رکھے، نیز ایسے وقت میں مریض کو چاہیے کہ ان آیات اور احادیث میں غور و تدبر کرے  
 جو اللہ تعالیٰ کے کرم اور عفو و رحمت کے بارے میں ہیں۔ کما قال اللہ تعالیٰ فی الحدیث الصبح القدسی  
 انا عند ظن عبدي بل، قال النووی هذا صواب فی معناه وقالہ جہورہم، وشذ الخطائی و ذکر معہ تاویلات اخر الخ (بذل)  
 خطابی کی رائے اس میں یہ ہے کہ حسن ظن سے مراد حسن عمل ہے اس لئے کہ حسن ظن باللہ بغیر حسن عمل کے حاصل نہیں  
 ہوتا، امام نووی نے اس کو رد کیا ہے جیسا کہ ابھی گذرا، پس صحیح یہی ہے کہ ایسے وقت میں حاضرین اور بیمار داروں کو  
 چاہیے کہ جن آیات میں رحمت و عفو کا ذکر ہے وہ اسکے سامنے پڑھیں، نیز اس کے سامنے اس کے اعمال حسنہ کو بھی  
 یاد دلایا جائے، اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسن ظن پیدا ہونے کی اس نازک وقت میں یہی آسان صورت ہے، رزق اللہ  
 تعالیٰ حسن الظن بہ تعالیٰ فی هذا الوقت :  
 والحدیث اخرہ مسلم وابن ماجہ، قالہ المنذری۔

## باب ما يستحب من تطهير ثياب الميت عند الموت

یعنی بہتر یہ ہے کہ انتقال کے وقت آدمی کے بدن کے کپڑے پاک صاف ہوں۔

حضرت شیخ اور والد صاحب کا حال عند الوفات | ہمارے حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کا جس روز انتقال ہوا، انتقال

تو بعد العصر ہوا تھا انتقال والے دن صبح کے وقت میں اپنے خادم سے خلاف معمول یہ سوال فرمایا ابوالحسن میرا بستر پاک ہے اس نے کہا جی پاک ہے، پھر دوسرے وقت میں بھی ایک بار یہی سوال فرمایا، اور میرے والد نور اللہ مرقدہ جن کو ہمیشہ عمر بھر طہارت اور پاکی کا بڑا اہتمام رہا اخیر تک چنانچہ استنجار میں اولاً استنجار باکھ اور اس کے بعد استنجار بالماء اپنے اختیار و اہتمام سے فرماتے رہے، تقریباً اٹھاسی سال کی عمر میں انتقال ہوا، ایک رات اور نصف یوم غفلت کی حالت میں گذرا، اس سے قبل اپنے ہاتھ سے وضو اور استنجار وغیرہ کرتے رہے، انتقال کے بعد جب بستر پر سے نعش کو اٹھایا گیا تو میں نے قصداً دیکھا کہ بستر کا کیا حال ہے اس لئے کہ تقریباً ۲۴ گھنٹے غفلت کی حالت میں گذرے تھے، دیکھا تو بستر بالکل صاف تھا کسی قسم کا کوئی نشان تک نہیں تھا، تموتون کما تحیون و تحشرون کما تموتون الحدیث۔

عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ لما حضرہ الموت دعا بثیاب جدد فلبسھا... المیت

یبعث فی ثیابہ الھی یموت فیہا۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جب وفات کا وقت قریب ہوا تو انہوں نے نئے کپڑے منگا کر پہنے اور فرمایا کہ میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے کہ میت کو قبر سے اس کے ان ہی کپڑوں میں اٹھایا جائے گا جن میں وہ مرتا ہے۔

دو حدیثوں کے درمیان تطبیق | یہاں پر ایک مشہور اشکال یہ کیا جاتا ہے کہ یہ حدیث اس حدیث کے خلاف ہے جس میں ہے: "یحشر الناس خفاة غراة" اس کا ایک جواب تو یہ دیا گیا ہے کہ

ان میں سے ایک حدیث میں بعث کا ذکر ہے اور دوسری میں حشر کا، اور یہ دو الگ الگ چیزیں ہیں، بعث تو کہتے ہیں قبر سے اٹھنے کو اور حشر میدان حشر میں جمع ہونے کو، اور ان دو وقتوں میں کافی فاصلہ ہوگا، اس لئے کہ یہ بہت لمبا چوڑا دن ہوگا، ہزار برس کے برابر اور ایک جواب یہ دیا گیا ہے کہ حدیث الباب میں ثیاب سے مراد اعمال ہیں کہ آدمی اپنے اعمال کو لے کر قبر سے اٹھتا ہے وہ جیسے بھی ہوں، لیکن ان صحابی نے اس حدیث میں ثیاب کو ظاہری معنی پر محمول کیا فلا تعارض بین الحدیثین، یہ دوسرا جواب ہی راجح ہے، ایسے ہی کہا گیا ہے کہ آیت کریمہ: "و ثیابک فطرہ" میں ثیاب سے مراد اعمال ہیں، اور علامہ قرطبی کہتے ہیں (فی التذکرۃ فی احوال الموتی وامور الاخرۃ) کہ ہو سکتا ہے

کہ حشر فی الکافان شہدار کے ساتھ خاص ہو (عون) و فی ہامش البذل و خصہ فی الفتاویٰ الحدیثیہ علی الشہید۔  
جامع ترمذی میں ہے: قال ابن المبارک احب الی ان یکلف فی ثیابہ الی کان یصلی فیہا، اور اس کی شرح تحفۃ الاحوذی  
میں ہے بحوالہ فتح الباری کہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا تھا کہ میری تکلیفیں میرے ان دو کپڑوں میں کرنا جن کو  
پہن کر میں نماز پڑھتا ہوں، اور تذکرۃ الحفاظ سے یہ نقل کیا ہے زہری کہتے ہیں کہ سعد بن ابی وقاص کا جب وقت قریب  
آیا تو انہوں نے اپنا پرانا جبہ صوف منگایا اور فرمایا کہ مجھ کو اسی میں کفنانا اس لئے کہ جنگ بدر میں میں نے اس کو پہنا تھا  
اور میں نے اس کو اسی وقت کے لئے چھپا کر رکھا تھا، اور خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے کفن کے بارے  
میں آئندہ ابن عباس کی حدیث میں آرہا ہے کہ آپ کو تین کپڑوں میں کفنایا گیا جس میں ایک آپ کا وہ قمیص تھا  
جس میں آپ کا وصال ہوا، فی ثلاثۃ اثواب بخیراتیہ، الحلة الذی بان، و قمیصہ الذی مات فیہ۔ لیکن آپ کے بارے میں روایات  
میں اختلاف ہے۔

### باب ما یقال عند المیت من الکلام

عن ام سلمة رضي الله تعالى عنها قالت قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم  
**شرح الحدیث** حضرت ام سلمہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد نقل فرماتی ہیں کہ جب تم کسی میت کے گھر جاؤ تو وہاں جا کر  
اچھی ہی بات زبان سے نکالو، اسلئے کہ اس وقت وہاں پر فرشتے موجود ہوتے ہیں اور جو کچھ تم کہتے ہو اس پر وہ آمین  
کہتے ہیں، لہذا وہاں جا کر بہت احتیاط سے بولنا چاہیے، وہ فرماتی ہیں کہ جب میرے سابق شوہر ابو سلمہ کا انتقال  
ہوا تو میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ! اب میں کیا پڑھوں؟ تو آپ نے فرمایا یہ پڑھو  
اللهم اغفر له واعقبه عقیباً صالحاً، اے اللہ ان کی مغفرت فرما اور مجھے ان کا نعم البدل عطا فرما، وہ کہتی ہیں  
اللہ تعالیٰ نے مجھے ان کا نعم البدل حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عطا فرمایا۔  
یہ حدیث صحیح مسلم میں بھی ہے، اس کا سیاق کچھ اس سے مختلف ہے اور اس میں کچھ زیادتی بھی ہے، ولفظہ سمعت  
رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یقول: ما من مسلم تصیبه مصیبة فیقول ما امرہ اللہ انا للہ وانا الیہ راجعون اللھم  
أجرنی فی مصیبتی وأخلف لی خیراً منها، الا اخلف اللہ لہ خیراً منها، قالت فلما ماتت ابوسلمة قلت اے المسلمین خیر من ابی سلمہ؟  
اول بیت ہاجر الی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، ثم انی قلبتها، اس روایت میں آگے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم  
کے انکے پاس پیغام نکاح بھیجنے کا ذکر ہے،

یعنی وہ یوں فرماتی ہیں کہ جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یہ پڑھنے کے لئے مجھے فرمایا تو میں یہ سوچتی تھی کہ  
ان سے بہتر کون ہوگا، لیکن پھر بھی میں نے اس پر پڑھا، اس روایت کا کچھ حصہ باب فی الاستسجاء میں بھی آرہا،  
والحدیث اخر جہ مسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ قال المنذری۔

## باب فی التلقین

تلقین عند الجہور مستحب ہے اور تلقین سے مراد یہ ہے کہ اس کے پاس بیٹھ کر۔ کلمہ کو پڑھا جائے نہ یہ کہ اس کو پڑھنے کے لئے کہا جائے، البتہ میت کو اس طرف متوجہ کرنے کے لئے اس طرح بھی کہہ سکتے ہیں کہ پاس والے آپس میں یہ کہیں کہ اللہ کا نام مبارک ہے اؤ ہم سب اللہ کا ذکر کریں، اور ظاہر حدیث کا تقاضا وجوب تلقین ہے چنانچہ ایک جماعت وجوب ہی کی قائل ہے، بلکہ بعض مالکیہ نے تو وجوب پر اتفاق نقل کیا ہے (بذل عن القادری) و فی الدر المختار: یلقن ندبا و قبل وجوباً بذكر الشهادتين عنده من غير امره بها، ولا يلقن بعد تلميده وان فعل لا ينهي عنه، و فی الجوهرة انه مشروع عند اهل السنة (بامش البذل) یعنی تلقین بعد الدفن اگرچہ حنفیہ کے نزدیک مستحب نہیں ہے لیکن اگر کوئی شخص کرے تو اس کو منع نہ کیا جائے عن معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ (مرفوعاً) من كان اخرا كلامه لا اله الا الله دخل الجنة۔

یہ باب کی پہلی حدیث ہے اور باب کی دوسری حدیث حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً عامی ہے لفتوا موتا کما قول لا اله الا الله۔

پہلی حدیث لا کر مصنف نے اشارہ کیا تلقین کے فائدہ اور غرض کی طرف کہ مقصد یہ ہے کہ مرنے والے کا آخری کلام دنیا سے رخصت ہوتے وقت کلمہ توحید ہو اسی لئے علمائے لکھا ہے کہ جب ایک مرتبہ وہ کلمہ پڑھ لے تو پھر تلقین نہ کی جائے الا یہ کہ اس کے بعد وہ کوئی دینوی کلام کرے اور دوسری حدیث میں موتی سے مراد مختصر ہے مجازاً لایہ بجاز مایول کے قبیل سے ہے، کذا قال الطیبی کما فی البذل، والا امام النووی فی شرح مسلم، و کذا فی مغنی المحتاج، ۳۳ (فی فقہ الثانی) اور بعض شافعیہ نے میت کو حقیقی معنی پر محمول کرتے ہوئے حدیث کو تلقین بعد الدفن پر محمول کیا ہے لیکن بذل میں ہے کہ تلقین بعد الدفن امر محدث ہے سلف میں معروف نہ تھی لہذا حدیث کو اس پر محمول کرنا درست نہیں، اس پر حضرت شیخ نے حاشیہ بذل میں لکھا ہے لکنہ وارد فی الروایات العیدۃ کما فی منتخب کثر العمال ۲۱، نیز علامہ عینی اور حافظ ابن حجر دونوں کے کلام میں یہ ہے کہ لا اله الا الله سے پورا کلمہ مراد ہے، قال الکرمانی: والمردی ومیمتہا محمد رسول الله زین ابن المنیر کہتے ہیں لا اله الا الله شرفا شہادتین کا لقب ہے (عون) اور یہی اوپر در مختار سے گذرا لیکن مغنی المحتاج میں محمد رسول اللہ کی زیادتی کے مستون ہونے اور نہ ہونے پر بحث کی ہے، ان کا میلان عدم زیادتی کی طرف ہے حدیث ابی سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اخرجه مسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ، قالہ المنذری۔

## باب تخميض الميت

عن ام سلمة رضي الله تعالى عنها قالت دخل رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم

علی ابی سلمۃ وقد شق بصرہ فاغمضہ۔

حضرت ام سلمہ فرماتی ہیں کہ ابوسلمہ کے انتقال کے وقت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اس وقت ان کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں آپ نے ان کو بند کیا اس پر ان کے بعض گھروالے رونے پھینکنے لگے، آپ نے فرمایا، دعائے خیر کرو اسلئے کہ ملائکہ آمین کہتے ہیں تمہاری بات پر، اس کے بعد آپ نے یہ دعا پڑھی: اللہم اغفر لابن سلمۃ وافرغ درجتہ فی المہدیٰ بین واخلفہ فی عقبہ فی الغابین واغفر لنا ولہ رب العالمین اللہم افسح لہ فی قبرہ وبنوہ فیہ۔

ابوداؤد کے بعض نسخوں میں یہاں پر ایک زیادتی ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ ابوداؤد فرماتے ہیں کہ تغییض العین خروج روح کے بعد ہونا چاہیئے اور پھر اُگے یہ واقعہ لکھا ہے کہ میں نے اپنے استاد محمد بن محمد بن نغان المقرئ سے سنا وہ فرماتے تھے میں نے ابومیسرہ سے سنا جو عابد و زاہد شخص تھے وہ کہتے ہیں کہ میں نے جعفر معلم کی موت کے وقت ان کا تغییض عین کر دیا تو جس روز ان کا انتقال ہوا اسی کی شب میں میں نے ان کو خواب میں دیکھا کہنے لگے اعظم ماکان علی تغییضک لی قبل ان اموت کہ بہت زیادہ ناگوار بات مجھ پر یہ گزری تمہارا میری آنکھ کو بند کرنا قبض روح سے پہلے لہذا اس کا خیال رکھنا چاہیئے کہ جب مرنے کا یقین ہو جائے تب ہی تغییض عین کیا جائے۔

اس حدیث میں اغماض میت مذکور ہے، علماء کا اس کے استہباب پر اجماع ہے جس کی حکمت یہ لکھی ہے کہ میت کی ہیئت نہ بگڑے اور علامہ طبیبی نے لکھا ہے کہ جب روح قبض ہوتی ہے تو آنکھ کی روشنی بھی ساتھ ساتھ چلی جاتی ہے لہذا آنکھ کھلا رہنے میں اب کوئی فائدہ نہیں (پاش بزل) اسی طرح علماء نے لکھا ہے کہ اسی وقت اس کا منہ بھی بند کر دیا جائے۔ والحدیث اخرجہ مسلم والنسائی وابن ماجہ (منذری)

## باب فی الاسترجاع

حدیث الباب "باب ما یقال عند المیت من الکلام" میں اختلاف سیاق کیساتھ گزر چکی۔

اللہم عندک احتسب مصیبتی فأجبرنی، مثل اگر مینی، او مثل فافترنی، دونوں طرح اس کو ضبط کیا گیا ہے اول ایجار سے یعنی اجرت اور عوض دینا اور ثانی اجر سے ماخوذ ہے۔

لہ قال النوری هو یفتح الشین ورفع بصرہ وهو قاعل شق ای یقی بصرہ مفتوحا۔ ہکذا ضبطناہ وهو المشہور وضبطہ بعضہم بقرۃ بالنصب وهو صحیح الضما۔ والشین مفتوحہ بلا خلاف اھ

یعنی اے اللہ تو غلیفہ ہو جا اس میت کا باقی رہنے والوں میں سے اس کی اولاد کا۔ عہ یعنی فأجبرنی

## باب فی المیت یُسبّحی

یعنی آدمی کے انتقال کے بعد اس پر چادر ڈھانک دینی چاہیے اس کو کھلا نہیں چھوڑنا چاہیے ظاہر ہے کہ غسل میں تو دیر لگے گی لیکن یہ عمل اسی وقت کر دینا چاہیے، جیسا کہ حدیث الباب میں ہے۔

عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سبّح فی ثوب جبّیۃ۔

حبرۃ بروزن عنیۃ، اس کو وصف اور اضافت دونوں کیساتھ پڑھا گیا ہے یعنی یہی چادر جو دھاری دار ہوتی تھی، حضرت عائشہ فرماتی ہیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو آپ کی وفات کے بعد یہی چادر سے ڈھانپ دیا گیا صلی اللہ علیہ وسلم شرف و کرم۔ والحدیث اخرجہ البخاری وسلم، قالہ المنذری۔

## باب القراءة عند المیت

اقتدوا بئسین علی موتاکم۔

یہاں پر ہوتی ہے مراد محض ہے، اکثر علماء کی رائے یہی ہے اور بعض کی رائے یہ ہے کہ سورہ یسین اس کے پاس بیٹھ کر اس کی موت کے بعد پڑھی جائے جبکہ اس پر چادر ڈھکی ہوئی ہو، اور تیسرا قول یہ ہے کہ یقرأ علیہ عند القبر، علماء نے اس سورۃ کی قرأت کی حکمت میں لکھا ہے کہ اس وقت آدمی میں تلفظ کی قوت رکت رہتی نہیں انتہائی ضعف کی وجہ سے اس وقت وہ اپنی کسی حاجت کو ظاہر نہیں کر سکتا، لیکن مومن آدمی کا قلب ایسے وقت میں بالکلیۃ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو اس پر یسین اس وقت میں اس لئے پڑھی جاتی ہے تاکہ اس کے ایمان اور قوت قلبیہ میں اضافہ ہو، اس لئے کہ اس سورۃ میں شریعت کے اُتھاتِ اصول اور وہ بڑے بڑے مسائل جن کو علماء نے اپنی تصنیفات میں بیان کیا، مختلف امتوں کے احوال، تقدیر کا اثبات اور یہ کہ بندوں کے افعال کا استناد اللہ تعالیٰ کی طرف ہے، اور اثبات توحید نفی شرک اور احوال قیامت، حشر و نشر کا منظر، حساب کتاب، ثواب و عقاب وغیرہ چیزیں مذکور ہیں، نیز حدیث میں ہے کہ ہر چیز کے لئے قلب ہوتا ہے اور قلب قرآن سورہ یسین ہے لہذا اس سورت کو اس کے سامنے پڑھنے سے اس کو روحانی قوت اور تسلی ہوگی اور ایمانیات کا استحضار ہوگا (بشرطیکہ وہ قرآن پاک کا ترجمہ سمجھتا ہو)

ہر جمعہ کو اپنے والدین کی قبر پر اور سورہ یسین کے عند القبر پڑھنے کے بارے میں ایک حدیث میں ہے جس کو ابن عدی وغیرہ نے روایت کیا، من زار قبر والدیہ او احدہما فی کل جمعة فقرا عندہما یسین غفر لہ بعد کل حرف ہنہما (من البذل) والحدیث اخرجہ النسائی وابن ماجہ قالہ المنذری

لے لیکن اس پر یہ اشکال ہے کہ فقہاء نے میت کے قریب بیٹھ کر قبل الغسل تلاوت قرآن سے منع کیا ہے۔

## باب الجلوس عند المصيبة

**شرح الحدیث** | یعنی موت جیسی کسی مصیبت کے وقت اگر آدمی تھوڑی دیر کے لئے سکون و وقار اور سکوت کیساتھ بیٹھ جائے جس میں آثار حزن ظاہر ہو رہے ہوں تو اس میں کچھ مضائقہ نہیں، یہ خود جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے جیسا کہ حدیث الباب میں ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جب غزوہ موتہ میں زید بن حارثہ، جعفر بن ابی طالب اور عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے شہید ہو جانے کی خبر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو پہنچی تو آپ مسجد میں بیٹھے آپ کے چہرہ انور سے آثار حزن نمایاں تھے، علامہ طبری لکھتے ہیں: یعنی اپنے اپنے رنج و غم کو پی رکھا تھا تو فطری طور پر اس کا جو اثر چہرے پر ہونا چاہیے تھا وہ ظاہر ہوا، علماء نے لکھا ہے کہ اس میں اعتدال کی تعلیم ہے کہ جملہ احوال میں اعتدال مسلک مستقیم ہے، لہذا اگر کسی کو کوئی عظیم مصیبت پہنچے تو اس کو چاہیے کہ نہ تو اظہار حزن میں افراط کرے علم و شوق اور لڑوہ وغیرہ جو کہ ناجائز اور ممنوع ہیں، اور نہ اس بارے میں تغریط کرے کہ بے پرواہی اور بہنادری دکھائے جو علامت ہے قسادت و قلب کی، بلکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا اتباع کرنا چاہیے، اور اس وقت آپ کے جلوس فی المسجد کے بارے میں لکھا ہے کہ آپ کا یہ مسجد میں بیٹھنا حسب معمول اور عادت شریفہ کے مطابق تھا، یعنی اس نیت سے نہیں تھا کہ لوگ آپ کے پاس تعزیت کے لئے آئیں، لہذا یہ آپ کی مجلس مجلس ماتم و سوگ نہیں تھی۔

آگے روایت میں ہے **وذكر القصة** یہ قصہ مفصلاً بخاری میں مذکور ہے فی باب من جلس عند المصيبة یرفع فیدلحزن (ہذل) جس کا مضمون یہ ہے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جب ان تینوں حضرات کی شہادت کی اطلاع پر میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو مجلس میں بیٹھے ہوئے دیکھا اور آپ کے چہرہ سے حزن کے آثار ظاہر ہو رہے تھے اور میں حجرہ کے اندر سے اپنے دروازہ کے درز میں سے دیکھ رہی تھی تو اس وقت آپ کے پاس ایک شخص آیا کہ جعفر کے گھر والے جو حج چلا رہے ہیں، آپ نے اس سے فرمایا کہ جا کر ان کو منع کر دو، وہ گیا اور پھر آیا کہا کہ وہ تو مان نہیں رہے ہیں، آپ نے پھر فرمایا کہ جا کر ان کو منع کر دو وہ گیا اور پھر آیا کہنے لگا یا رسول اللہ وہ تو ہماری سن نہیں رہیں، آپ نے فرمایا جا پھر ان کے منہ میں خاک ڈال دے حضرت عائشہ کہتی ہیں میں نے اس کو بلا کر کہا تیرا ناس ہو، نہ تجھ سے وہ کام ہو رہا ہے جو حضور فرما رہے ہیں اور نہ تو حضور ہی کو مشقت میں ڈالنے سے چھوڑ رہا ہے، مطلب یہ تھا کہ تجھ کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے یہ عرض کر دینا چاہیے کہ یہ کام میرے بس کا نہیں، میں اس کو انجام نہیں دے سکتا لہذا آپ کسی اور کو بھیج دیں۔

والحدیث اخرجه البخاری ومسلم والنسائی قالہ المنذری۔



## باب التعزیه

تعزیه غزائے مشرق ہے جس کے معنی صبر ہیں، لہذا تعزیت کے معنی ہوئے کسی کو غزا، یعنی صبر پر ابھارنا اور اس کی تلقین کرنا، صبر دلانا، یعنی اس کو اجر و ثواب کی دعا دینا تاکہ اس کو اس سے تسلی ہو اور صبر آجائے۔

عن عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال تبارک مع رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یعنی میتا، فلما فرغنا الحدیث۔

اس حدیث کا مضمون ہمارے یہاں، باب فی صفایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی پہلی حدیث کے ضمن میں آچکا ہے اس کو دیکھ لیا جائے دوبارہ یہاں لکھنے کی ضرورت نہیں۔  
قال لو بلغت معهم الکدیٰ فذکر تشدید فی ذلک۔

امام ابو داؤد کی ایک خاص | امام ابو داؤد کی اس عادت شریفہ اور ادب پر ہم پہلے جگہ لکھ چکے ہیں، یہاں پر علامہ شیخ محمد عوامہ حفظہ اللہ تعالیٰ اپنی تعلیق میں لکھتے ہیں: وفي الکناية عن بقية الحديث ادب من الامام ابی داؤد رحمہ اللہ تعالیٰ مع بقعة النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وآلہ وسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہا یعنی الاقتداء بہ، قال السخاوی رحمہ اللہ تعالیٰ فی اواخرہ بذل المجہود فی ختم سنن ابی داؤد۔ وهو يعد مناقب الامام ابی داؤد: یؤمن وفور ادبہ انہ لما اورد الحدیث فی رؤیة النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ابنہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ فی الطريق، وقالت لہ انہا کانت تعزی اناسا فی میت لہم، لم یذکر الکلام الا خیر بل اشار الیہ بقوله: فذکر تشدید فی ذلک۔ وهذا یدکرنا بأدب ائمتہ آخرین فی حدیث سرقة المرأة المخزومیة وقوله صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم لو ان فاطمہ بنت محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) فقد رواہ ابن ماجہ بسندہ قال محمد بن ریح سمعت اللیث بن سعد یقول: قد اعادہا اللہ ان تسرق، وكل مسلم ینبغی لہ ان یقول هذا، اور اس کے بعد حافظ نے فتح الساری میں لکھا ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے جب اس حدیث سرقة کو ذکر کیا تو انہوں نے بھی اس طرح فرمایا: فذکر عضووا شریفا من امرأة شریفہ۔ آپ کے والدین کا حکم اخروی | حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کے ایمان و عدم ایمان کے بارے میں علماء کا اختلاف حضرت سہارنپوری نے بذیل میں اس جگہ اور آئندہ

”باب فی زیارة القبور“ میں اتی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قبر امہ فیکو ابکی من حولہ کے تحت اور حضرت شیخ نے حاشیہ بذیل میں بہت سی کتابوں کے حوالے اور مختصر مختصر عبارات تحریر فرمائی ہیں نیز اہل فترۃ کے بارے

لہ حاشیہ بذیل میں علامہ سیوطی کی روشنی الیہ بالاج علی صحیح مسلم بن الحجاج سے نقل کیا ہے سیوطی فرماتے ہیں کہ میں نے اس بارے میں

میں اختلاف علماء کا ذکر فرمایا ہے جو دیکھنا چاہے اس کی طرف رجوع کرے، اور یہ احقر اپنے سبق میں یہ کہا کرتا ہے کہ اس مسئلہ میں تحقیق تو چاہیے جو ہو لیکن سچی بات یہ ہے آپ کے ایک امتی کے دل کی خواہش یہی ہوتی چاہیے کہ کسی طرح ان کا ایمان اور اسلام ثابت ہی ہو تو بہتر ہے، یعنی جب کبھی ان کا ذکر یا خیال آئے۔ آپ کے والدین کے بارے میں تفصیل جلد ماؤس پر آ رہی ہے۔

### باب الصابر عند المصيبة

عن ابن رضی اللہ تعالیٰ عنہ انه قال انی نبی اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم علی امرآۃ تنہی الخ۔  
یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا گذر ایک عورت پر ہوا جو اپنے بچہ پر دردی تھی، آپ نے اس کو صبر اور تقویٰ کی تلقین فرمائی (وہ چونکہ آپ کو اس وقت شدت رنج کی وجہ سے پہچان نہ سکی تھی اس لئے) اس نے الٹ کر جواب دیا کہ تم کو میری مصیبت کی کیا پرواہ ہے، اس پر کسی نے بعد میں اس سے کہا کہ اری یہ حضور تھے تو وہ فوراً آپ کے دولت کدہ پر پہنچی، راوی کہتا ہے کہ اس نے آپ کے دروازہ پر در بالوں اور جو کیداروں کو نہیں پایا۔ یعنی جیسا کہ دنیوی امراء کے درباروں پر ہوا کرتا ہے۔ تو اس عورت نے آپ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں نے آپ کو پہچانا نہیں تھا آپ نے اس کی بات کا تو کوئی جواب نہیں دیا البتہ یہ فرمایا، انما الصبر عند الصدمة الاولى، کہ صبر تو وہی ہے جو مصیبت کے شروع میں حاصل ہو (بعد میں تو صبر سب کو آ ہی جاتا ہے)۔  
والحدیث اخرجه البخاری ومسلم والترمذی والنسائی، قال المنذری۔

### باب فی البكاء علی المیت

عن اسامة بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان ابنہ لرسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ارسلت الیہ وانا معہ وسعد واحسب ابناً الخ۔  
مضمون حدیث حضرت اسامة بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ کی ایک صاحبزادی نے (زینب) آپ کی خدمت میں ایک قاصد کو بلانے کے لئے بھیجا، اور اس وقت آپ کے ساتھ میں اور سعد بن عبادہ اور ابی بن کعب مجلس میں بیٹھے تھے قاصدان کا پیام لایا کہ میرا بیٹا یا بیٹی۔ شک راوی ہے۔ کا آخری

سات رسائل تصنیف کئے ہیں اور انہوں نے حدیث الباب استاذت ربی تعالیٰ ان استقر لہا قلہ یا ذن لی، پر کلام کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ مسلم کے بعض نسخوں میں موجود نہیں ہے، اور اگر ثابت ہو جائے تو منسوخ ہے الی آخر ما فی الحاشیہ، نیز اس بارے میں امام برزنجی کا بہت مشہور رسالہ شداد الدین و مدار الدین فی اثبات الخفاء والدعوات للوالدین ہے اس کو دیکھنا چاہیے، خاص اسی موضوع پر مفصل اور مدلل تصنیف

وقت ہے ہمارے پاس تشریف لے آئیے، آپ نے قاصد سے فرمایا: جا کر میرا سلام کہنا اور یہ کہدینا اللہ ماخذ ولہ  
ما اعطی وکل شیء عندہ الی اجل، قاصد نے جا کر آپ کی بات پہنچادی۔ انہوں نے دوبارہ قاصد کو آپ کی خدمت میں  
قسم دے کر بھیجا اس پر آپ وہاں تشریف لے گئے، اس بچہ کو آپ کی گود میں رکھ دیا گیا جبکہ اس بچہ کی روح پھڑک  
رہی تھی، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو بہہ پڑے، اس پر حضرت سعد نے آپ سے عرض کیا کہ یہ  
رونا کیسا ہے، آپ نے فرمایا یہ آنسو رحمت ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جس کو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کے قلب  
میں چاہتے ہیں ودیعت فرمادیتے ہیں اور آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بھی بندوں میں سے اسی پر رحم فرماتے ہیں جو رحم  
دل ہوتا ہے، حضرت سعد یہ سمجھتے تھے کہ شاید صرف آنسوؤں سے رونا بھی ممنوع ہے اس پر آپ نے اس کی وضاحت فرمائی  
کہ یہ بکرا بکارتے ہنسی غنہ میں داخل نہیں بلکہ یہ تو پسندیدہ ہے رحمہ کی علامت ہے، علماء نے لکھا ہے کہ کمال تو اعطاء  
کُلِّ ذی حق حقہ میں ہے، اور وہ جو بعض صوفیہ اور رُتہ آدے منقول ہے کہ جب ان کو ان کے کسی عزیز کی موت کی اطلاع کی  
گئی تو رضا بقضار کے طور پر ہنس دیتے، یہ کمال کی بات نہیں۔

والحدیث اخرجه البخاری ومسلم والنسائی وابن ماجہ، قال المنذری۔

عن النسائی بن مالك رضى الله تعالى عنه قال قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم ولد لى

الليلة غلام فسميته باسم ابى ابراهيم فذكر الحديث.

مضمون حدیث یہ ہے: حضرت انس روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا آج رات میرے  
یہاں ایک لڑکا پیدا ہوا ہے تو میں نے اس کا نام اپنے باپ (جد اعلیٰ) کے نام پر ابراہیم رکھا ہے۔ آگے اس روایت میں  
کچھ اور ہوگا جس کو مصنف نے اختصاراً حذف کر دیا، پھر آگے حدیث میں یہ ہے کہ میں نے آپ کے اس فرزند کو جان دیتے  
ہوئے دیکھا جبکہ وہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے تھا، آپ کے آنسو بہنے لگے اور آپ نے یہ ارشاد فرمایا  
کہ آنکھ آنسو بہاتی ہے اور قلب غمگین ہے اور ہم زبان سے وہی کہیں گے جس قول کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتے ہیں۔  
انابٹ یا ابراہیم لمحزونون کہ اے ابراہیم ہمیں تیرے جانے کا غم ہے۔

یٰٰرَہْمٰنِ یٰٰرَہْمٰنِ، پہلی صورت میں ربنا فاعل ہونے کی بنا پر اور دوسری صورت میں ربنا بالنصب، حضرت  
ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادت و وفات اور مدت عمر کا بیان کتاب الکسوف میں گذر چکا ہے اور آئندہ یہاں ”باب  
فی الصلاة علی الطفل کے متن میں بھی آ رہا ہے۔

والحدیث اخرجه مسلم، واخرجه البخاری تعلیقا، قال المنذری۔

### باب فی النوح

نوح اور نیاۃ مجاسن میت بیان کر کے رونا یا چیخ پکار کیسا تھ رونا، دونوں تفسیر میں کی گئی ہیں اور دونوں ممنوع ہیں

بغیر ذکرِ محاسن کے آنسوؤں سے رونا ثابت ہے۔

لعن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم النائحة والمستمعة۔

یعنی نوحہ کرنے والی عورت اور اس نوحہ کو سننے والی دونوں پر اپنے لعنت فرمائی ہے، نائحة میں تار اگر تانیث کے لئے ہے تو عورت کی تخصیص اسلئے ہے کہ زیادہ تر یہ نوحہ عورتوں ہی میں پایا جاتا ہے اور ہو سکتا ہے کہ اس میں تار مبالغہ کیلئے ہو اس صورت میں اشارہ ہوگا اس طرف کہ جو شخص بکثرت ایسا کرے وہی سستی لعن ہے، اور جس سے اتفاقہ کبھی اس کا صدور ہوا ہو وہ اس میں داخل نہیں۔

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان المیت لیعذب

ببکاء اہلہ علیہ فذکر ذلک لعائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا فقالت وهل۔ یعنی ابن عمر۔ انما مر النبی صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم علی قبرہ

**المیت یعذب ببکاء اہلہ علیہ** ایک مرتبہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے آپ کی یہ حدیث نقل کی کہ میت کو اس کے گھر والوں کے رونے کی وجہ سے عذاب دیا جاتا ہے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سامنے جب اس حدیث کا ذکر آیا تو انہوں نے فرمایا کہ ابن عمر کو

دہم ہوا ہے اور نقل کرنے میں غلطی کی ہے۔ اور صحیحین کی روایت میں ہے امانہ لم یكذب ولكنہ نسی ادا خطا۔ اور پھر انہوں نے اپنی طرف سے صحیح حدیث بیان کی کہ اصل حدیث تو یہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا گھر ایک مرتبہ ایک یہودی کی قبر پر ہوا اس کے بارے میں آپ نے فرمایا کہ اس صاحب قبر کو عذاب دیا جا رہا ہے یعنی اس کے کفر اور فسق کی وجہ سے۔ اور حال یہ کہ اس کے گھر والے اس پر رورہے ہیں۔ یعنی پھر یہ اس قابل کہاں کہ اس کو رو دیا جائے۔ پھر اس کے بعد حضرت عائشہ نے ابن عمر والی حدیث کی تردید کے لئے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی، ولا تزروا زرة و ذرا خری، امام خطابی فرماتے ہیں: ہو سکتا ہے کہ بات اسی طرح ہو جس طرح حضرت عائشہ فرما رہی ہیں کہ یہ حدیث ایک یہودی کے بارے میں اپنے فرمائی تھی، والخبیر المفسر اولیٰ من الجمل، اور ہو سکتا ہے ابن عمر کی روایت بھی صحیح ہو لیکن وہ آیت کریمہ کے خلاف نہیں اور یہ اس لئے کہ اہل جاہلیت وصیت کیا کرتے تھے بکار اور نوحہ کی اور اس صورت میں جو عذاب ہوگا اس کی وصیت کی بنا پر ہوگا جو اس نے زندگی میں کی تھی، اور علامہ سندھی، فتح البودوذ میں لکھتے ہیں کہ یہ حدیث مختلف طرق اور متعدد صحابہ سے ثابت ہے، اور اس کے معنی بھی صحیح اور درست ہیں اس توجیہ کے بعد جو اوپر گزری لہذا اس حدیث پر انکار کی کوئی وجہ نہیں، یہی بات ملا علی قاری نے بھی لکھی ہے کہ یہ حدیث مختلف الفاظ کے ساتھ اور متعدد روایات سے ابن عمر اور غیر ابن عمر سے ثابت ہے، لہذا حضرت عائشہ کا اعتراض اپنے اجتہاد کے اعتبار سے ہے امام نووی فرماتے ہیں: اس حدیث کی تاویل جہور نے یہی کی ہے کہ یہ وصیت پر محمول ہے کہ ایسے شخص کو عذاب ہوتا ہے اس کی وصیت کی

وجہ سے اور جس میت پر اس کے اہل بغیر اس کی وصیت کے نوحہ کریں (اور بغیر اس کی رضامندی کے) تو اس کو عذاب نہیں ہوتا لقولہ تعالیٰ ولا تزددوا زراہی، اہ اس حدیث کی اور بھی توجیہات کی گئی ہیں۔ حضرت شیخ نے اوخر المسائل میں لکھا ہے کہ علامہ عینی نے اس میں علماء کے آٹھ قول لکھے ہیں، اور سیوطی نے شرح الصدور میں نو اقوال، اور حضرت نے دوسری شرح حدیث سے انکے علاوہ بھی لکھے ہیں جنکا مجموعہ چودہ اقوال تک پہنچ جاتا ہے ہم ان میں سے یہاں چند لکھواتے ہیں (۱) المیت یعذب بما ینزع علیہ میں بار سبب یہ نہیں ہے بلکہ حال کے لئے ہے ای یعذب فی حال بیکار اہلہ علیہ مطلب یہ ہے کہ میت کو عذاب دیا جاتا ہے (کسی گناہ کی وجہ سے) اس حال میں کہ اس کے گھر والے اس پر بیکار کرتے ہوئے ہوتے ہیں یعنی میت کا تو حال وہاں قبر میں یہ ہے کہ اس کے عصبیاں کی وجہ سے اس کی پٹائی ہو رہی ہے اور یہاں یہ ہو رہا ہے کہ اس کے فراق کی وجہ سے گھر والے رو رہے ہیں اور یہ مطلب نہیں کہ بیکار کی وجہ سے اس کو تعذیب ہوتی ہے (۲) یہ تعذیب خاص ہے کافر کیساتھ مسلم اس میں داخل نہیں (۳) یہ اس میت کے حق میں ہے جس کا معمول اور طریق زندگی میں نوحہ ہو، امام بخاری نے بھی اسی توجیہ کو اختیار فرمایا ہے جیسا کہ ان کی تویب سے معلوم ہوتا ہے۔ باب قول النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ینعذب المیت بیکار اہلہ علیہ اذا کان النوح من سنۃ (۴) یہ محمول ہے اس شخص پر جو اہلہ کی وصیت کر کے مرا ہو، جمہور نے اسی توجیہ کو اختیار کیا ہے (۵) یہ اس شخص کے حق میں ہے جس نے ترک نوح کی وصیت نہ کی ہو، اس قول کی بنا پر ترک نوح کی وصیت کرنا واجب ہوگا، داؤد ظاہری اور ایک جماعت کی رائے یہی ہے (۶) مطلب یہ ہے حدیث کا کہ میت کو ان صفات اور احوال کی وجہ سے تعذیب ہوتی ہے جن صفات اور احوال کو بیان کر کے وہ روتے ہیں، کیونکہ وہ شرعاً مذموم اور ناجائز ہوتے ہیں مثلاً وہ یہ کہا کرتے تھے نوح کے وقت یا مریض النساء، یا مریض الاولاد، یا مریض التدر، یعنی رونے والیوں کے کلام میں جن اوصاف کی طرف اشارہ ہے جو اس میت کے اندر موجود تھے اصل عذاب تو ان صفات کی وجہ سے ہو رہا ہے، اور یہ رونے والیاں یہ خوف ان اوصاف مذمومہ کا مفاخر کے طور پر بیان کر رہی ہیں یعنی میت کی وہ سیادت اور شجاعت اور تمول جن کو وہ ناحق چیزوں میں استعمال کرتا تھا اور جن کی وجہ سے اس کو آج عذاب ہو رہا ہے یہ ان ہی اوصاف کو بیان کر کے رو رہی ہیں، ورنہ هذا القول الاسماعیلی وهو اختیار ابن حزم وطائفہ (۷) تعذیب سے مراد عذاب اخروی نہیں ہے بلکہ ملائکہ کی توبیخ اور ڈانٹ ڈپٹ ہے۔ میت کے جن اوصاف کیساتھ وہ ندبہ کیا کرتے تھے مثلاً آتا ہے روایت میں کہ جب ناکھ کہتی ہے واعضداه وانا مرہاہ واکاسیاء تو فرشتہ اس میت کے چوکا مانتا ہے اور اس سے کہا جاتا ہے انت عضدھا انت نامرھا انت کاسیھا، کیوں رے تو کیا ایسا ہے اور ایسا ہی ہے (۸) میت سے مراد محض مجازاً، اور تعذیب مراد تعذیب فی الدنیا یعنی اسکو گھر والوں کے

لے عورتوں کو آزمائش یعنی بیوہ بنانے والا، بچوں کو یتیم کر دینے والا، اور گھروں کو ویران کر دینے والا یعنی جس کے مرنے پر مصائب پیش آئے۔

رونے کی وجہ سے الم اور تکلیف پہنچتی ہے، ان سب اقوال میں سب سے زیادہ معروف جو تھا جواب ہے اسی کو اختیار کیا ہے در مختار اور شرح اقناع میں، اور لکھا ہے کہ یہ چیز اہل جاہلیت میں معروف تھی کہ وہ بسا اوقات مرتے وقت نوحہ کی وصیت کرتے تھے، چنانچہ طرفہ بن العبد کہتا ہے :-

اذا میت فالتعني بما انا اهل به وشفق على الجحيم يا ائمة متعبين

اس سلسلہ میں ائمہ اربعہ کے مذاہب ان کی کتب فردع سے اوپر میں نقل کئے ہیں مجموعی طور پر سبھی مذاہب میں یہ ہے کہ نفس بکار میں کوئی مضائقہ نہیں نہ قبل الموت نہ بعد الموت، البتہ نذہب حرام ہے یعنی محاسن میت بیان کر کے رونایا قہقہہ التذاریع زیادہ لالہ و البہار جیسے واسیڈہ و اخلیاء، اور لکھا ہے کہ نیاہ حرام ہے یعنی چیخنا چلانا، اور اظہار جزع و فزع، والمحدث اخبرہ سلم والنسائی، قالہ المنذری۔

لیس منا من خلق ومن سلق ومن خرق، یعنی ہمارے طریق پر نہیں ہے وہ شخص جو مصیبت کے وقت میں خلق شعر کرائے گا ہو عادۃ الکفار من الہود اور جو چیخے اور چلائے اور ایسے ہی جو مصیبت کے وقت اپنے کپڑے چاک کرے والمحدث اخبرہ النسائی، قالہ المنذری۔

عن امرأة من المبايعات قالت كان فيما اخذ علينا رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم في

المعروف الذي اخذ علينا ان لا نعصيه فيه ان لا نخمش وجها ولا ندعو ولا نشق جيبا ولا ننشر شعرا۔  
**شرح الحدیث** | اسید بن ابی اسید اس صحابیہ سے روایت کرتے ہیں جو کہ مبايعات میں سے ہیں (قال الحافظ لم اتفق علی اسمها) وہ فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جن چیزوں پر ہم سے بیعت لی تھی اس میں جو یہ بات تھی کہ وہ عورتیں کسی نیک خصلت میں آپ کی نافرمانی نہیں کریں گی بخلاف ان نیک خصلتوں کے یہ بھی ہیں کہ مصیبت کے وقت منہ نہ نوچیں گی اور اسی طرح واولیا نہیں کریں گی اور ایسے ہی گریبان چاک نہیں کریں گی اور نہ بال بکھریں گی۔

ان مہاجر عورتوں سے آپ نے جس مضمون پر بیعت لی تھی وہ سورۃ ممتحنہ کی آیت میں مذکور ہیں، یا ایہا النبی اذا

جاءك المؤمنات يبايعنك على ان لا يشركن بالله شيئا ولا يسرقن ولا يزنبن ولا يقتلن اولادهن ولا ياتين ببهتان يغتر بينه وبين ايديهن واسجلهن ولا يعصينك في معروف، اس حدیث میں اس آخری جز کا ذکر ہے جس کا مصداق انہوں نے اس حدیث میں خش وجہ اور دعا بالویل اور شئ حقیب اور نشر شعر کو قرار دیا ہے۔

لے شاعرانی بیوی کو خطاب کر کے کہہ رہا ہے اور وصیت کر رہا ہے کہ جب میں مر جاؤں تو میری خبر مرگ کو اس طرح نشر کرنا جس کا میں اہل ہوں، اور میرے مرنے پر رورہو کر گریبان چاک کر لینا۔

## باب صنعة الطعام لاهل الميت

الكلام على الحديث شرعاً وفقهاً | یعنی میت کے گھر والوں کے لئے پہلے دن صبح اور شام کے کھانے کا انتظام کرنا اقرباء آباعد (دور کے رشتہ دار) اور حیران کے لئے مستحب ہے، فقہاء نے اس کی تصریح کی ہے اور حدیث الباب ہی سے استدلال کیا ہے اور ایک قول یہ ہے کہ اس کھانے کا انتظام تین دن تک ہونا چاہیے جو کہ مدت تعزیت ہے نیز یہ بھی لکھا ہے کہ کھانا بھیجنے والوں کے لئے مناسب ہے کہ باصرار ان کو کھلائیں ایسا نہ ہو کہ فرط جزع یا شرم کی وجہ سے وہ کھانا چھوڑ دیں (بذل) حدیث الباب کا مضمون یہ ہے: حضرت جعفر بن ابی طالب جو غزوہ موتہ میں شہید ہو گئے تھے ان کے بیٹے عبداللہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا۔ اصنعوا لاهل جعفر طعاماً فانہ قد اتلف امرہ یسئلہم یعنی آل جعفر کے لئے کھانے کا انتظام کرو اس لئے کہ ان کو ایسا حادثہ پیش آیا ہے جس نے ان کو اپنے میں مشغول کر لیا ہے اور کھانا بنانے کے لئے فارغ نہیں ہیں، اس سے مراد رنج و غم ہے، تجہیز و تکلیف نہیں کیونکہ ان کی شہادت تو موتہ میں ہوئی جو ملک شام میں ہے۔ یہ کھانا جو دوسروں کی طرف سے ہوتا ہے صرف اہل میت کے لئے ہوتا ہے، عام دعوت کا کھانا نہیں ہوتا لہذا دوسرے لوگوں کو اپنے اپنے گھر کھانا چاہیے، اور ایسے ہی خود میت کے گھر والوں کی طرف سے ضیافت کا ہونا یہ تو قلب موضوع ہے اور بدعت مستقیمہ ہے قالہ ابن البمام۔ والحديث اخرجه الترمذی وابن ماجہ، قالہ المنذری۔

## باب فی الشہید یغسل

غسل شہید کا مسئلہ تو تقریباً اتفاقی ہے کہ اس کو غسل نہیں دیا جاتا، اس میں حسن بصری کا اختلاف ہے وہ غسل شہید کے قائل ہیں، ان کی دلیل یہ لکھی ہے لان الغسل کرامۃ لبنی آدم والشہید مستحق الکرامۃ وانما لم یغسل شہداء احد تخفیفا علی الاحیاء لکون اکثرہم مجروحین فلم یقدروا علی غسلہم اور جمہور کی دلیل یہ حدیث ہے کہ آپ نے شہداء احد کے بارے میں فرمایا زملوہم بکوبہم ورمائہم فانیہم یجئون یوم القیامۃ واوداجہم تشخب دما اللون لون الدم والریح ریح المسک الی آخر ما فی السبل الخ۔

البتہ صلاۃ علی الشہید کا مسئلہ مختلف فیہ ہے، ائمہ ثلاث اس کے قائل نہیں، اور حنفیہ صلاۃ علی الشہید کے قائل ہیں اور امام احمد سے ایک روایت میں تخیر ہے، حافظ ابن قیم فرماتے ہیں شہداء احد کے بارے میں روایات مختلف ہیں، والصواب فی المسئلۃ انہ یخیر بین الصلاۃ علیہم وترکہما لجمعی الآثار یکل واحد من الامرین، وهذا احدی الروایات عن الامام احمد (عن محقق) صلاۃ علی الشہید کی بحث آگے اسی باب میں آ رہی ہے۔

عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال رمی رجل بسجھ فی صدرہ اوفی حلقہ فمات فادرج فی ثیابہ کما هو۔  
یعنی ایک شخص کو جس کے تیر لگا تھا سینہ میں یا اعلق میں جس سے اس کی موت واقع ہو گئی تھی تو اس کو اسی طرح اس کے  
کپڑوں میں دفن دیا گیا یعنی بدون غسل کے۔

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال امر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بقتل احد ان ینزح  
عنہم الحديد والجلود الخ۔

یعنی شہداء اور اہل حرب کے بارے میں آپ نے یہ فرمایا کہ ان کے بدنوں سے ہتھیار وغیرہ اتار لئے جائیں اور ایسے ہی پوسٹین  
بھی، اور ان کو ان کے دما اور ثیاب میں دفن کیا جاتے، یعنی زائد کپڑوں کو اتار کر باقی میں دفن دیا جائے۔ جمہور کا مسلک  
تو یہی ہے اس میں مالکیہ کا اختلاف ہے ان کے نزدیک سلاح تو اتارے جائیں گے لیکن زائد کپڑے پوسٹین وغیرہ  
ہنیں اتارے جائیں گے۔ والحدیث اخرہ ابن ماجہ، قال المنذری۔

عن انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان شہداء احد لم یفسلوا ولم یصل علیہم۔  
**صلوۃ علی الشہید کی بحث** کتاب الجنائز کے اواخر میں آ رہا ہے۔ باب الصلاۃ علی القبر بعد حین یہ جس میں یہ  
حدیث ہے۔ عن عقبۃ عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم خرج یوم فصلی علی اہل احد صلاۃ  
علی المیت۔ اور اسی حدیث کے دوسرے طریق میں ہے۔ صلی علی قتلی احد بعد ثمان سنین کالودع للاحیاء والاموات  
امام بخاری نے۔ باب الصلوۃ علی الشہید میں دو حدیثیں ذکر فرمائی ہیں ایک یہی عقبۃ بن عامر والی اور دوسری حضرت جابر بن  
عبد اللہ کی جس کے اخیر میں یہ ہے: وامر بدفنہم فی دماہم ولم یفسلوا ولم یصل علیہم، ابن قدامہ نے ان دو حدیثوں میں سے  
ایک کو اپنے مسلک کی دلیل ٹھہراتے ہوئے دوسری حدیث یعنی حدیث عقبہ کا جواب یہ دیا ہے کہ یہ مخصوص ہے شہداء  
احد کے ساتھ، اس لئے کہ آپ کی یہ صلاۃ شہداء احد پر صلاۃ علی القبر تھی اور آٹھ سال کے بعد تھی، اور حنفیہ صلاۃ علی القبر

لہ قال الموفق، وینزع من ثیابہ ما لم یکن من عامۃ لباس الناس من الجلود والفرار والحدید قال احمد: لا یرک علیہ فرو ولا خف ولا جلدو  
بہذا قال الشافعی رابو حنیفۃ، وقال مالک لا ینزع عنہ فرو ولا خف ولا محشو لعموم قولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان فوہم ثیابہم، واما زناہ  
اخض فکان اولی اہ اس سے معلوم ہوا کہ جمہور علماء اور ائمہ ثلاث کا مذہب تو یہی ہے کہ عام لباس کے علاوہ پوسٹین وغیرہ موزے اور  
خفین اتار دیئے جائیں۔ البتہ امام مالک کا اس میں اختلاف ہے ان کے یہاں پوسٹین اور خفین یہ چیزیں ہنیں اتاری جائیں گی۔ اسی  
طرح دسوتی میں بھی ہے، چنانچہ اس میں ہے مع خف وقلنسوة ومنطقۃ قل شہداء فاتم فضۃ قل نصۃ ای قیمۃ لا بالۃ حرب من، درع وسلاح  
معلو، ہوا کہ ہتھیار وغیرہ اور زریں ان کے یہاں بھی اتادی جائیں گی۔



کے قائل ہی نہیں، اور جمہور بھی ایک ماہ کے بعد صلاۃ علی القبر کے قائل نہیں، لہذا یہی کہا جائے گا کہ وہ شہدار احمد کے ساتھ خاص ہے، نیز انہوں نے کہا کہ ابن عباس کی یہ حدیث ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم صلی علی قتلی احمد، ضعیف اس لئے کہ اس کے راوی حسن بن عمارہ ہیں جو کہ ضعیف ہیں وقد انکر علیہ شعبہ روایت هذا الحدیث اھ اور قسطلانی فرماتے ہیں کہ ابن حزم ظاہری کا مذہب یہ ہے کہ صلاۃ علی الشہید بھی حسن ہے اور ترک صلاۃ بھی حسن ہے، اور انہوں نے استدلال کیا بخاری کی ان ہی دو حدیثوں سے، وقال یسیر يجوز ان یرک احد الاثرین المذكورین للأثر بل کلاهما حق مباح ولیس هذا مکان نسخ لان استعمالهما معا ممکن اھ وقال العینی: ذہب ابن ابی لیلیٰ والحسن بن حمی وعبد اللہ بن الحسن وسلمان بن موسیٰ وسعید بن عبد العزیز والارزاعی والثوری والوحیفة والیوسف ومحمد وراحمہ فی رواية وحقان فی رواية الی انہ یصلی علیہ وهو قول اهل الحجاز ایضا واحتجانی ذلک بحدیث عقبہ عند البخاری، وقوله فیہ صلاۃ علی المیت یرد قول من قال ان الصلاۃ فیہ محمولة علی الدعار ومن قال بہ ابن حبان والبیہقی والنووی، امام نووی فرماتے ہیں کہ صلاۃ علی المیت کا مطلب یہ ہے کہ جو دعار آپ اموات کے لئے مانگتے تھے وہی دعا ان کے لئے مانگی، اور یہ مطلب نہیں کہ ان کے لئے نماز پڑھی، یہی تاویل ابن حبان اور بیہقی نے بھی کی ہے، قال العینی: وهذا عدول عن المعنی الذی یتضمنہ هذا اللفظ لاجل تمشیہ مذہبہ فی ذلک، وهذا یسیر یا نصاب، واحتجانی فی ذلک ایضا بما رواہ ابن ماجہ یسندہ عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال اتی بہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یوم احد فجعل یصل علی عشرة عشرة وحمزة وهو کما هو یفنون، وهو کما هو موضوع، یعنی دس دس پر نماز پڑھی جاتی اور حمزہ پر، نماز کے بعد حمزہ کا جنازہ تو وہیں رکھا رہتا باقی کو اٹھالیا جاتا، الی آخر ما فی الاوجز، وفيہ ایضا: ویسط الزیلعی فی نصب الرایۃ، طرق الصلاۃ علی الشہداء ولخصها الحافظ فی الدررۃ فلا جمع لیسوا شہدت۔

اس سلسلہ کی بعض روایات، حافظ ابن قیم نے بھی تہذیب السنن میں ذکر کی ہیں، ومنہا: حدیث انس ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم صلی علی حمزہ، وحدیث ابی مالک الغفاری قال کان قتلی احد یوتی ہنم بتسعة وعاشرہم حمزہ فیصلی علیہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ثم یحلون ثم یوتی بتسعة فیصلی علیہم وحمزہ مکانہ، هذا مرسل صحیح ذکرہ البیہقی، وقال هو اصح ما فی الباب، اس روایت کا مقتضی یہ ہے کہ حضرت حمزہ پر سات بار نماز پڑھی گئی باقی سب پر ایک ایک بار ومنہا وقد روی ابن اسحاق عن رجل من اصحابہ عن مقسم عن ابن عباس ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم صلی علی حمزہ فکبر سبع تکبیرات ولم یؤت بقتیل الاصلی علیہ معہ حتی صلی علیہ اثنتین وسبعین صلاۃ، ولكن هذا الحدیث لہ ثلاث علل الی آخر ما ذکر، یہ آخری روایت اس سے پہلی روایت کے بھی خلاف ہے جو کہ مرسل قوی ہے۔

عن انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مر علی حمزہ وقد مثل بہ فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم لولا ان تعبد صفیۃ فی نفسہا لترکته حتی تأکل العافیۃ حتی یحشر من بطونہا۔

## شرح الحدیث

یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا معرکہ احد میں حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر گذر ہوا اس حال میں کہ ان کے ساتھ مثلاً کیا گیا تھا تو آپ نے فرمایا کہ اگر مجھ ان کی بہن مصفیہ کے رنج کا خیال نہ ہوتا تو میں ان کو اسی حال میں یہاں چھوڑ دیتا تاکہ درند اور پرند ان کی نعش کو کھا جاتے اور پھر آخرت میں ان حیوانات کے شکم سے ان کے اجزاء کو جمع کر کے حشر کیا جاتا۔

یہ آپ نے اس لئے چاہا تاکہ ان کے اجر و ثواب میں اضافہ ہو، اور ان کی شہادت اللہ تعالیٰ کے یہاں خوب نمایاں ہو اگے روایت میں ہے کہ چونکہ کپڑوں کی قلت تھی اور مقتولین کی کثرت اس لئے دو دو اور تین تین اموات کو ایک ایک کپڑے میں کفنایا گیا، اور پھر ان سب کو ایک ہی قبر میں دفنایا جاتا تھا، قبر میں رکھنے کے وقت آپ دریافت فرماتے کس کو قرآن زیادہ محفوظ ہے پس اسی کو قبلہ کی طرف بڑھاتے۔

اس روایت میں یہ ہے کہ ثوب واحد میں دو اور تین کی تکفین کی جاتی تھی، لیکن اس صورت میں ایک کا بدن دوسرے سے مس کرے گا جو جائز نہیں، لہذا اس کی تاویل یہ کی جائے گی کہ مثلاً ایک بڑی چادر ہے اس کے دو یا تین ٹکڑے کر کے ہر ایک میت کو الگ الگ ٹکڑوں میں کفنایا جاتا تھا تاکہ الصاق بشرتین نہ ہو، اور یا پھر اس کو ضرورت اور مجبوری پر محمول کیا جائے (بدل) اور مظہر شارح مصابیح نے ثوب واحد کی تاویل قبر واحد سے کی ہے ممکن ہے یہ تاویل دوسری بعض روایات میں چل جائے لیکن ہماری اس روایت میں نہیں چل سکتی اس لئے کہ یہاں اس کے بعد روایت میں آ رہا ہے ثم یدفنون فی قبور واحد۔

حدیث الباب پر امام ترمذی کا نقد اس کے بعد آپ یہ سمجھئے کہ یہ حدیث ترمذی میں بھی ہے اور اس میں اخیر میں یہ زیادتی ہے قال فدفنہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ولم یصل علیہم

امام ترمذی نے اس حدیث کی سند پر کلام کیا ہے اور یہ کہ اس حدیث کی سند میں اسامہ بن زید سے خطا واقع ہوئی وہ اس کو اس سند سے روایت کرنے میں متفرد ہیں، اسامہ کے علاوہ زہری کے دوسرے تلامذہ نے اس کو دوسری طرح روایت کیا ہے فروی اللیث بن سعد عن ابن شہاب عن عبد الرحمن بن کعب بن مالک عن جابر بن عبد اللہ، اور اسی طرح معمر نے اس کو روایت کیا عن الزہری عن عبد اللہ بن ثعلبہ عن جابر یعنی اسامہ نے اس حدیث کو مسانید النس سے قرار دیا اور اسامہ کے علاوہ لیث بن سعد اور معمر نے مسانید جابر سے۔

عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مر بحمزة وقد مثل بہ ولم یصل

على احد من الشهداء غیرہ۔

اس روایت میں "لم یصل علی احد" کے بعد "غیرہ" کا لفظ ہے جس سے حضرت حمزہ کا استثناء ہو رہا ہے کہ ان پر پڑھی ان کے علاوہ کسی پر نہیں پڑھی، امام دارقطنی نے اس زیادتی پر کلام کیا ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں: ورواہ عثمان بن عمر عن اسامہ عن الزہری عن النس دزاد فیہ حرفا لم یأت بہ غیرہ فقال "لم یصل علی احد من الشهداء غیرہ" ولیس بحفوظ، لیکن حافظ منذری کو

جیسا کہ ان کے کلام کے دیکھنے سے مستفاد ہوتا ہے دارقطنی کے فقہ پر الشرح نہیں ہے، اس لئے کہ وہ دارقطنی کا نقد نقل کرنے کے بعد لکھ رہے ہیں فاما اسامة بن زید فقد اُتِيَ به مسلم واستشهد به البخاری، واما عثمان بن عمر فقد اتفق البخاری ومسلم على الاحتجاج بحديثه، اور پھر آگے چل کر انھوں نے صلوٰۃ علی حمزہ جو طریق عثمان میں ہے اس کی تاویل بعض علماء سے یہ نقل کی ہے کہ یہ صلوٰۃ بمعنى الدعاء ہے۔

فائدہ :- یہ حدیث جس میں شہداء اہل بیت پر صلوٰۃ کی نفی اور حضرت حمزہ کے لئے اس کا ثبوت مذکور ہے، امام دارقطنی وغیرہ کا اس پر نقد کرنا اور حافظ منذری کا بچائے روکے اس کی تاویل کرنا کہ اس میں صلوٰۃ علی حمزہ سے دعاء مراد ہے، اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ یہ حضرات محدثین جو صلوٰۃ علی الشہید کے قائل نہیں ہیں ان میں سے بعض حضرت حمزہ کا بھی استثناء نہیں تسلیم کرتے ہیں بلکہ علی العموم نفی کے قائل ہیں، وکنت اظن قديماً ان الاختلاف إنما هو في غير حمزة لاني حمزة فظهر من هذا خلافه۔

حدثنا قتيبة بن سعيد ويزيد بن خالد بن موهب ان الليث حدثهم عن ابن شهاب عن عبد الرحمن بن كعب بن مالك ان جابر بن عبد الله اخبره ان-

یہ وہی طریق ہے جس کو امام ترمذی نے ترجیح دی ہے طریق اسامة بن زید پر، اور طریق اسامة کو وہم قرار دیا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ امام ابو داؤد کے نزدیک ہر دو طریق درست ہیں اس لئے کہ انہوں نے حدیث دونوں طریق سے ذکر کی اور سکوت اختیار کیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

## باب فی سترۃ المیت عند غسلہ

اور بعض نسخوں میں، فی ستر المیت، ہے وهو الاوضح۔

عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال: لا تبرز فخذك ولا تنظر الى فخذی ولا میت اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ستر عورت کے مسئلہ میں میت مثل حی کے ہے، لہذا غسل کے وقت ستر میت کا اہتمام واجب تھا کمافی ترجمۃ الباب۔ والحدیث اخر جابر بن ماجہ، قالہ المنذری۔

سمعت عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا تقول: لما ارادوا غسل النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قالوا واللہ ما ندری ان تجرد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم من ثیابه کما نجد موتانا ام نقتله وعلیہ ثیابه۔

شرح الحدیث | حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے متعلقین نے جب آپ کو غسل دینے کا ارادہ کیا تو آپس میں کہنے لگے اور سوچنے لگے کہ کیا آپ کے پیرے اتار کر آپ کو غسل دیا جائے جیسا کہ ہم عام اموات کے ساتھ کرتے ہیں یا آپ کے لباس اتار سے بغیر آپ کو غسل دیا جائے، ابھی تک کوئی رائے قائم نہیں ہوئی تھی کہ یکایک ان سب پر اللہ تعالیٰ نے نوح طاری فرمادی جس کی وجہ سے ہر ایک کی ٹھوڑی

سینہ سے مل گئی، پھر حجرہ شریفہ کے ایک گوشہ سے کسی بولنے والے کی آواز آئی جس کے بارے میں کوئی نہیں جانتا تھا کہ کون ہے، اس نے یہ کلام کیا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو آپ کے کپڑوں کے ساتھ ہی غسل دو، اس کے بعد پھر سب نے ایسا ہی کیا۔ فغسلوه وعلیہ قمیصہ یصبون الماء فوق القمیس کہ پانی بہاتے تھے قمیص کے اوپر ہی سے اور آپ کے جسم مبارک کو اس قمیص ہی سے ملتے تھے ہاتھوں سے نہیں، اس پر بزل میں لکھا ہے ویستدل بہذا الحدیث ان المیت اذا غسل یجب ان لایمس عورتہ الا بالیف الثوب علی یدہ۔

کمانہ جرد موتاناؤ: اس پر حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے حاشیہ بزل میں لکھا ہے کہ جمہور علماء ائمہ ثلاث کے یہاں مستحب طریقہ یہی ہے کہ میت کو اس کے کپڑے اتار کر دوسرے کپڑے میں اس کو غسل دیا جائے، اور امام شافعی کا مسلک یہ ہے کہ غسل میت اس کے سابق کپڑوں ہی میں ہونا چاہیئے، اور عند جمہور یہ حدیث خصوصیت پر محمول ہے۔

صدیق اکبر میں قدرۃ آثار خلافت کا پایا جانا | حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے وصال پر صحابہ کو کئی مسئلوں میں قیاس بھی تھا اس لئے کہ اصل معلم اور مفتی صحابہ کرام کے لئے سب کچھ آپ ہی تھے، اب پوچھیں تو کس سے پوچھیں، اسلئے اس پہلے مسئلہ میں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے غیبی امداد ہوئی، اس کے علاوہ اس کے بعد صحابہ کرام کو جس بات میں بھی تردد ہوا اس میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوری پوری رہنمائی فرمائی جس پر صحابہ کرام کو تشفی ہوتی رہی، چنانچہ صحابہ کو آپ کی نماز جنازہ کے بارے میں بھی تردد ہوا، اور اسی طرح دفن کے بارے میں بھی تردد ہوا، جیسا کہ شمائل ترمذی کی روایت میں موجود ہے، ان سب امور میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فیصلہ کن جواب دیا اور صحابہ کرام اس کے مطابق عمل کرتے رہے، سچ ہے کہ جس سے اللہ تعالیٰ کو جو کام لینا ہوتا ہے وہ خود بخود سامنے آجاتا ہے اور لوگوں کو اس پر اتفاق ہو جاتا ہے۔

وكانت عائشة تقول لو استقبلت من امری ما استبدت برث ما غسلہ الانساؤۃ۔

شرح الحدیث | راوی کہتا ہے کہ اماں جی (حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا) فرمایا کرتی تھیں کہ جو بات مجھے بعد میں معلوم ہوئی اگر پہلے ہی معلوم ہو جاتی تو پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو غسل آپ کی بیبیاں ہی دیتیں نہ کہ صحابہ، شرح نے اس کا مطلب یہ لکھا ہے کہ اس سے مراد تعلق نکاح کا باقی رہنا ہے مدت العدت میں، یا نکاح کا منقطع نہ ہونا ازواج مطہرات کے حق میں خصوصیت کے ساتھ ہمیشہ کے لئے، یہ دونوں مطلب تو قریب ہی قریب ہیں، یہاں اس جملہ کے مطلب میں دو احتمال اور ہیں جو حضرت شیخ نے سبق میں بیان فرمائے تھے، اول یہ کہ اگر مجھے پہلے سے معلوم ہوتا کہ بعض لوگ عدم غسل ازواج سے استدلال کریں گے اس پر کہ زوجہ کے لئے غسل زوج جائز نہیں تو پھر ہم ہی آپ کو غسل دیتے، دوسرا احتمال یہ فرمایا کہ حضرت عائشہ کو علم ہوا ہوگا کہ بعض علوی حضرات طعن دیتے ہیں

کہ جس طرح اباجان یعنی ابوبکر استخلاف کے مسئلہ میں پڑ گئے تھے، آپ کی تجہیز و تکفین کو چھوڑ کر اسی طرح صاحبزادی صاحبہ (عائشہ) بھی اس میں مشغول ہوں گی، تو اس پر حضرت عائشہ فرما رہی ہیں کہ اگر یہ پہلے سے معلوم ہو جاتا تو پھر آپ کی ازواج ہی آپ کو غسل دیتیں اھ

**احد الزوجین کا آخر کو غسل دینا و مذاہب الائمہ فیہ** | اب رہا مسئلہ یہ کہ زوجین میں سے ایک دوسرے کو غسل دے سکتا ہے یا نہیں؟ جمہور علماء اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک تو دونوں طرف سے جائز ہے یعنی احد الزوجین آخر کو غسل دے سکتا ہے زوج ہو یا زوجہ، اور حنفیہ اس میں فرق کے قائل ہیں ان کے نزدیک زوجہ کے لئے غسل زوج جائز ہے اس لئے کہ عدت میں فی الجملہ نکاح باقی رہتا ہے، اور اس کا عکس جائز نہیں، جمہور کا استدلال غسل علی سے ہے فاطمہ کو کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ان کے انتقال کے بعد حضرت علی نے غسل دیا تھا، جواب اس کا یہ ہے کہ یہ متفق علیہ امر نہیں ہے کہ فاطمہ کو علی نے غسل دیا تھا نقد قسیل غسلتہا ام یمن، ولو سلم نقد انکر ابن مسعود علی علی (ربذل)

مذاہب میں صحیح اسی طرح ہے اور وہ جو بذل میں شوکانی سے منقول ہے کہ امام احمد کے نزدیک زوجہ کے لئے غسل زوج جائز نہیں یہ سہو ہے، حضرت شیخ نے او جز میں حنابلہ کی کتب سے اس کا جوازی نقل فرمایا ہے، بلکہ او جز میں شوکانی کے نقل پر نقد بھی کیا ہے کہ یا تو وہ صحیح نہیں یا ہو سکتا ہے امام احمد کی کوئی روایت ہو، او جز میں یہ مسئلہ موطا کی اس روایت کے ذیل میں لکھا ہے جس میں یہ ہے ان اسما بنت عمیس امراة ابی بکر الصدیق غسلت ابابکر الصدیق حین توفی (او جز ص ۲۲۷)

والحدیث اخرج ابن ماجہ من قول عائشہ لو استقبلت الیہ، و اخرج ابن ماجہ من حدیث بریدۃ بن الحبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ لما اخذوا فی غسل الیہ، قال المنذری۔

عن ام عطیۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت دخل علینا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حین توفیت ابنتہ فقال اغسلنہا ثلاثا او خمساً او اکثر من ذلك ان رأیتن ذلك جماعاً و سداً۔

**شرح الحدیث** | حضرت ام عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی کی وفات ہوئی (اور ان کو غسل دیا جا رہا تھا تو) حضور سارے پاس تشریف لائے اور غسل کے بارے میں چند ہدایات آپ نے فرمائیں کہ غسل تین بار یا پانچ بار یا اس سے زائد جیسی ضرورت سمجھیں ویسا کریں، نیز بری کے بتوں سے غسل دیں اور آخری مرتبہ پانی میں کافور ملائیں۔ اس صاحبزادی کو کون ہی مراد ہیں؟ بذل میں زینب لکھا ہے اور شیخ کے حاشیہ بذل میں یہ ہے بسط الحافظ فی الفتح ص ۸۳۔ الکلام علی مسی البنت ہذہ، وکذا فی الاو جز، والا کثر علی انہا زینب، وقیل ام کلثوم و مال ابوالطیب فی شرح الترمذی الی الجمع بینہما اھ، وقال المنذری ہی زینب زوج ابی العاص ابن الربیع دھی اکبر بناتہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہذا هو اکثر

المروی و ذکر بعض اہل السیر انہا ام کلثوم وقد ذکرہ ابو داؤد فی ما بعد فی اسنادہ مقال الصحیح الاول ان ام کلثوم توفیت  
ورسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم غائب بمیدر ۱۱۔

اغسلن امر حاضر جمع ٹونٹ کا صیغہ ہے جسکی اصل مخاطب تو ام عطیہ ہیں کیونکہ غسل میت میں یہی بڑی ماہر تھیں۔  
حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں، حتیٰ کہ اُن کے کتاب میں آ رہا ہے کہ محمد بن سیرین جلیل القدر تابعی غسل  
میت کا طریقہ ام عطیہ ہی سے سیکھتے تھے۔ زر قانی فرماتے ہیں کہ یہ امر ام عطیہ اور جو ان کے ساتھ انکی معاون تھیں انکو ہے۔  
بہاء و سند پر حاشیہ بذل میں لکھا ہے: وصل الغسلات کلبا ہما السدر او مرتین فقط کما رجہ ابن ابیہام لروایۃ  
ابی داؤد الآتیۃ قریباً، او الواحدة فقط کما اختارہ شیخ الاسلام وصاحب البدائع مختلف فیہا، کما فی الشامی ص ۶۳۲ والکبریٰ ص ۵۵  
والبحر الرائق ص ۱۲۔

نیز یہاں ایک مسئلہ اور مختلف فیہ ہے جو کتاب الطہارۃ میں گذر چکا، یعنی طہارۃ ہمار مخلوط بشی طاهر جس کے  
ائمہ ثلاث عدم جواز کے قائل ہیں اور حنفیہ جواز کے، گویا حدیث الباب حنفیہ کی دلیل ہے اس مسئلہ میں، والبسط  
فی الاوجز (ہامش بذل) جمہور کی طرف سے اسکے جوابات باب فی تقبیل المیت میں آ رہے ہیں۔

فاذا فرغتم فاذا نخی آپ نے غسل دینے والیوں سے فرمایا کہ غسل سے فارغ ہونے کے بعد مجھ کو خبر دینا ہم نے  
فارغ ہونے کی خبر کی تو آپ نے اپنا ہتھ بند ہمیں دیا اور فرمایا کہ شروع میں اس کو اس میں لپیٹنا، اور اس کو اس کا شمار  
بنانا، شمار اسی کپڑے کو کہتے ہیں جو بدن کے بالوں سے لگا رہے، اور یہ اس لئے تاکہ اس کی برکت ان کو پہنچے۔

استبراک باثار الصالحین کا ثبوت واستحباب اس پر حاشیہ بذل میں لکھا ہے، فیہ استبراک باثار الصالحین  
دیویدہ ایضاً حدیث البخاری فی استعداد الکفن (اوجیز)

حدیث بخاری کا مضمون یہ ہے کہ ایک مرتبہ ایک عورت آپ کی خدمت میں ایک چادر لائی آپ نے اس کو قبول فرمایا  
اور آپ کو اس کی احتیاج بھی تھی، آپ نے اس کو لنگی کی جگہ استعمال فرمایا آپ اس کو باندھ کر نیکے ہی تھے کہ ایک صحابی  
کو وہ پسند آگئی اس نے آپ سے درخواست کی کہ یہ مجھے دیدیجئے آپ نے اس کو دیدی لوگوں نے ان صحابی سے کہا کہ یہ تم  
نے اچھا نہیں کیا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو تو اس کی حاجت تھی پھر بھی تم نے آپ سے اس کا سوال کر لیا جبکہ  
ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ وہ کسی کے سوال کو رد نہیں فرماتے، انہوں نے جواب دیا کہ واللہ میں نے اس کو پہننے کے لئے  
نہیں لیا۔ اس کو تو میں نے اپنے کفن کے لئے لیا ہے، راوی کہتا ہے کہ پھر وہ ان کے کفن ہی میں کام آئی (اوجز ص ۲۲)  
والحدیث اخرجہ البخاری وسلم والترمذی وابن ماجہ، قالہ المنذری۔

## باب کیف غسل المیت

عن ام عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت وضفرتا رأسہا ثلاثہ قرون ثم القیناھا خلفھا مقدمہ  
رأسہا وقرینہا۔

یہ حدیث بنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے متعلق ہے جو اوپر گزری  
اس میں یہ ہے ام عطیہ فرماتی ہیں ہم نے ان کے بالوں میں کنگھی کر کے ان کے  
تین حصے کر لئے اور پھر پچھے یعنی کمر کی طرف ان کو ڈال دیا، آگے روایت میں ان بالوں  
کے تین حصوں کی تفسیر مذکور ہے، پیشانی کے بال اور جانین کے دائیں جانب اور بائیں۔

عورت کے بالوں میں کنگھی کرنا اور چوٹی کی طرح اس کو بل دے کر کمر کے پیچھے ڈالنا یہ سب کچھ حنفیہ کے یہاں نہیں ہے  
امام شافعی و احمد اور ابن حبیب مالکی اسی کے قائل ہیں، ابن القاسم نے اس کا انکار کیا ہے (کذا فی ہامش البذل عن الأبی)  
اور حضرت نے بزل میں لکھا ہے کہ یہ سب چیزیں باب زینت سے ہیں اور یہ وقت زینت کا نہیں ہے اور حدیث کا  
جواب یہ ہے کہ یہ ام عطیہ کا فعل ہے، اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث میں اس کے بارے میں کوئی ہدایت  
نہیں اور نہ یہ کہ آپ کو اس کا علم بھی ہوا یا نہیں، وفی البدایہ: ولا یسرج شعر المیت ولا تحیمتہ، ولا یقص ظفرہ ولا شعرہ  
لقول عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا: علام تنصون میتکم۔ وفی حاشیۃ للسنہلی من نصوت الرجل اذا مددت ناصیۃ، والاثار  
رواہ عبد الرزاق عن الثوری عن حماد عن ابراہیم عن عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا انہا رأی امراة یکدون رأسہا بمشط فقلت  
علام تنصون میتکم، وفیہ ایضا: وتلبس المرأة الدرع او لا ثم یجعل شعر حاضفہ تین علی صدرہا فوق الدرع۔

عن ام عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال لہن۔ فی غسل ابنتہ  
ایدا أنا بجمیعا منہا مواضع الموضوع منہا۔

یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے غسل دینے والیوں کو فرمایا کہ وہ ابتداء کریں میاں سے اور اعضاء و صورت  
سے یعنی اعضاء و صورت سے ابتداء کریں اور اس کے ساتھ ابتداء بالیمین کا بھی لحاظ رکھیں تمام غسل میں۔  
والحدیث اخرجہ البخاری و مسلم والترذی والنسائی وابن ماجہ، قال المنذری۔

## باب فی الکفن

فکفن فی کفن غیر طائل وقبول لیلان فجز النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان یقبر الرجل باللیل۔  
مضمون حدیث یہ ہے: ایک مرتبہ آپ نے خطبہ دیا اور اس خطبہ میں آپ نے اپنے اصحاب میں سے ایک شخص کا ذکر

کیا جس کا انتقال ہو گیا تھا اور جس کو گھسیا سے کفن میں کفنایا گیا تھا اور رات میں دفن دیا گیا تھا، آپ نے اپنے اس خطبہ میں رات میں دفن کرنے پر نکر فرمائی مگر یہ کہ کوئی سخت مجبوری پیش آرہی ہو، اور فرمایا آپ نے جب تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی کو کفن لئے تو اس کو اچھے کپڑے میں کفنائے۔

اس حدیث میں دفن باللیل سے منع کیا گیا ہے جس بصری کا مذہب یہی ہے ان کے نزدیک مکروہ ہے، عندا جمہور بلا کراہت جائز ہے، آگے اس پر مستقل باب آرہا ہے باب الدفن باللیل، جمہور کی طرف سے اس حدیث کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ بنی ترک صلوة کی وجہ سے ہے اولقلۃ المصلین، اولاجل اسارة الکفن اوللجمع۔  
والحدیث اخرجه سلم والنسائی، قال المنذری۔

عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت ادرج رسول الله صلى الله تعالى عليه واله وسلم في ثوب حبرة شمر  
أخبر عنه، یہ روایت مختصر ہے آگے اس کی تفصیل آرہی ہے۔

اذا توفي احدكم فوجد شيئا فليكن في ثوب حبرة۔  
یعنی تم میں سے جب کسی ایسے شخص کا انتقال ہو جس کے اندر مالی گنجائش ہو تو بہتر یہ ہے کہ اسکو مین چادروں میں کفنایا جائے  
عن هشام قال اخبرني ابي قال اخبرني عائشة قالت كفن رسول الله صلى الله تعالى عليه واله وسلم  
في ثلاثة أثواب يمانية بيض ليس فيها قميص ولا عمامة۔

یعنی آپ کو خالص سفید مین تین کپڑوں میں کفنایا گیا، اور اس کے بعد والی روایت میں "زاد من كوسف"  
کہ وہ تینوں کپڑے سوتی تھے، قال فذكر عائشة قولهم في ثوبين وثوب حبرة فقالت قد أتيت بالبؤد ولكنهم  
ردوه ولم يكفوناه فيه۔

یعنی حضرت عائشہ سے کہا گیا کہ بعض لوگ تو کہتے ہیں کہ آپ کو کفنایا گیا دو سفید  
آپ کے کفن کی تحقیق میں  
حضرت عائشہ کی رائے  
کپڑوں میں اور ایک دھاری دار مین چادر میں (اور آپ فرما رہی ہیں تین سفید کپڑوں میں)  
تو انہوں نے جواب دیا: بیشک دھاری دار چادر لائی گئی تھی لیکن کفن لئے والوں

نے اس کو واپس کر دیا تھا اس میں کفنایا نہیں تھا، اور موطا کی روایت میں ہے "کفن في ثلاثة أثواب بيض سحولية  
ضم سين کیساتھ اور اس کے اندر قریب بھی آیا ہے نسبت ہے سحول کی طرف جو مین میں ایک قریب ہے، علامہ زرقانی نے  
الوداؤد کی اسی روایت کے تحت جس کی حضرت عائشہ نے تردید فرمائی ہے حنفیہ کا مسلک یہ لکھا ہے کہ ان کے نزدیک  
کفن میں مستحب یہ ہے کہ اس میں ایک ثوب جبرہ یعنی مین چادر ہو، لیکن یہ ان کی نقل صحیح نہیں حنفیہ کے نزدیک بھی  
بیاض ہی کو ترجیح ہے ففی البدائع الافضل ان يكون التکفين بالثياب البيض لرواية جابر مرفوعا حب الثياب  
الی الله تعالى البيض فليلبسها احياؤکم وکفنونافیهاموتاکم (اور جزمہ ۴۲)



**کفن الرجل کے مصداق میں  
ائمہ اربعہ کے مسالک**

پھر جاننا چاہیے کہ اس حدیث میں یہ آیا لیس فیہا قمیص ولا عمامۃ، یہ باب فی الکفن چل رہا ہے جس میں کفن الرجل کا بیان ہے اس لئے کہ۔ باب فی کفن المرأة۔ آگے مستقل آرہا ہے کفن رجل ائمہ ثلاث حنفیہ شافعیہ حنابلہ کے نزدیک تین کپڑے ہیں حنفیہ کے نزدیک قمیص ازار لفافہ، اور امام شافعی و احمد کے نزدیک ثلاث لفائف، یعنی تین چادریں یہ دونوں قمیص کے تائل نہیں، اور امام مالک کے نزدیک مرد کا کفن مسنون بجائے تین کے پانچ کپڑے ہیں، حنفیہ کی طرح وہ قمیص کے قائل ہیں، اور لفافے ان کے نزدیک دو ہیں، اور پانچویں چیز عمامہ ہے۔ یعنی قمیص ازار لفافتین عمامہ۔

**حدیث عائشہ ائمہ میں سے کس کی دلیل ہے** | یہ حدیث عائشہ جس میں ہے "فی ثلاثۃ اثواب لیس فیہا قمیص ولا عمامۃ، ائمہ ثلاث کے مسلک کے عدد ثلاث کے

اعتبار سے تو موافق ہے لیکن چونکہ اس میں قمیص کی نفی ہے اس لئے یہ شافعیہ حنابلہ کی دلیل ہوئی اور حنفیہ مالکیہ کے خلاف۔ حنفیہ نے اس کی توجیہ یہ کی ہے کہ قمیص سے مطلق قمیص کی نفی مراد نہیں ہے بلکہ جدید یا مخیط کی نفی مراد ہے اس لئے کہ آگے ابن عباس کی حدیث میں آرہا ہے، کفن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فی ثلاثۃ اثواب نجرانیۃ، العلمۃ ثوبان و قمیصہ الذی مات فیہ، لہذا اب یہ حدیث عائشہ ہمارے خلاف نہیں، اور یہ حدیث عائشہ عدد کفن کے اعتبار سے مالکیہ کے خلاف ہے، وہ اس کی یہ توجیہ کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ کی مراد یہ ہے کہ ان تین میں یہ دو داخل نہیں، بلکہ ان کے علاوہ ہیں لہذا کل پانچ ہوئے۔

امام ترمذی نے باب قائم کیا "باب ماجاء فی کفن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم" اور پھر اس میں یہی حدیث عائشہ "فی ثلاثۃ اثواب بیض یمانیۃ لیس فیہا قمیص ولا عمامۃ" ذکر کرنے کے بعد فرمایا: قال ابو عیسیٰ حدیث عائشہ حدیث حسن صحیح، و قد روی فی کفن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم روایات مختلفہ، و حدیث عائشہ اصح الاحادیث الی رویت فی کفن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، والعمل علی ہذا عند اکثر اہل العلم، وقال سفیان الثوری: یکفن الرجل فی ثلاثۃ اثواب، ان شئت فی قمیص و لفافتین وان شئت فی ثلاث لفائف و یجوز ثوب واحد ان لم یجدوا ثوبین، و الثوبان یجزئان، و الثلاث لمن وجدوا حب الیہم، و هو قول الشافعی و احمد و اسحاق، و قالوا لکفن المرأة فی خمسۃ اثواب اور پھر آگے فرماتے ہیں: و فی البآ عن علی و ابن عباس و عبد اللہ بن مغفل و ابن عمر اھ تحفۃ الاوزی میں حدیث علی کے بارے میں لکھا ہے: اخرجه ابن ابی شیبۃ و احمد و البزار، قال کفن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فی سبعۃ اثواب، و فی اسنادہ عبد اللہ بن محمد بن عقیل، و هو یؤلف لا یصلح الاحتجاج بحدیثہ اذا خالف الثقات کما هنا، کذا فی النیل اھ حضرت علی کی اس حدیث میں یہ ہے کہ آپ کو سات کپڑوں میں کفایا گیا، لیکن یہ حدیث ضعیف ہے، یہ حدیث عائشہ جس کے بارے میں امام ترمذی فرما رہے ہیں: حدیث حسن صحیح، یہ صحاح ستہ کی روایت ہے چنانچہ تحفۃ الاوزی میں ہے اخرجه الجماعۃ۔

**کفن کے تین درجات ہیں** | جانتا چاہیے کہ کفن کے تین درجات ہیں کفن السنۃ وہ جو اوپر مذکور ہوا یعنی تین کپڑے، اور کفن الکفایہ یعنی دو کپڑے، اور تیسری قسم کفن الضرورۃ، و صو ناؤجہ، یعنی مجبوری کی حالت میں جو بھی کچھ مل جائے۔

عن مقسّر عن ابن عباس ..... وقميصه الذي مات فيه۔

یہ حدیث ابھی اوپر ہمارے کلام میں گذر چکی، ورواہ ابن ماجہ، قال المنذری، لیکن اس سے قبل باب فی ستر المیت، عند غسلہ میں جو حدیث گذری ہے اس میں یہ گذرا ہے فسلوہ وعلیہ قميصه یصبون الماء فوق القميص الخ۔ ان دونوں میں منافات ہے کہ جس قمیص میں غسل دیا جائے اسی میں پھر کفنا یا جائے نیز حدیث ابن عباس ضعیف بھی ہے، بنظر التعلیق الحمد فیہ دلیل الخفیۃ۔

### باب کراہیۃ المغالاة فی الکفن

عن علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ وکرم اللہ تعالیٰ وجہہ۔ قال لا تغالی فی کفن۔

**حدیث کے ایک مشکل لفظ کی تحقیق** | لا تغالی اس لفظ کے بارے میں ہذل میں یہ ہے کہ بصیغۃ الجہول من المغالاة لیکن اس میں یہ اشکال ہے کہ تانیث کی کیا وجہ ہے، لا تغالی، ہونا چاہیے اور ہمارے استاد مولانا اسعد اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے، لعل لا تغالی، یعنی باب تفاعل سے مصدر اور مہری نشوں میں یہ لفظ اس طرح ہے، لا تغالی لی فی کفن، اس صورت میں یہ نہی کا صیغہ ہوگا برائے مخاطب مغالاة سے، اور بعض نسخوں میں ہے، لا تغالی، قال الشیخ محمد عوامہ، وهو اظہر لیکون کلاما مانا لیس خاصا لمخاطب معین فی حق شخص معین ام حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرما رہے ہیں، کفن میں مغالاة نہیں ہونا چاہیے، یعنی گراں قیمت اختیار کرنا، اس لئے کہ میں نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے سنا فرماتے تھے کہ کفن گراں قیمت نہ بناؤ اس لئے کہ وہ میت سے بہت جلد سلب کر لیا جاتا ہے، یعنی مٹی اس کو کھا جاتی ہے پھر کیا فائدہ قیمتی بنانے میں۔

عن خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال ان مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، قتل يوم احد ولم

یکن له الا نصرۃ ۶۱۔

یعنی مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنگ احد میں شہید ہو گئے تھے اور کفن کے لئے کوئی چیز نہیں تھی سوائے ان کی ایک دھاری دار مختصر سی چادر کے جس میں ان کو کفنا یا جا رہا تھا، اگر اس کو سر کی جانب کرتے تو پاؤں کھل جاتے تھے اور پاؤں کی جانب کرتے تو سر کھل جاتا تھا، آپ نے فرمایا کہ اس کو سر کی جانب کر دیا جائے اور پاؤں پر اذخر کے پتے ڈال دیے جائیں یہی ہے وہ جس کو فقہار نے کفن الضرورہ کہا ہے۔

**مصعب بن عمیر کا ذکر** | یہ مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کا یہ واقعہ ہے قرشی ہیں، فضلا، صحابہ میں سے ہیں قدیم الاسلام اور مہاجرین اولین میں سے ہیں، اسلام لانے سے پہلے یحییٰ بن برٹے

ناز پروردہ تھے، نہایت خوش عیش اور خوش پوشاک، لکھا ہے کہ ان کے والدین کو ان سے بڑی محبت تھی اور ان کی والدہ ان کو بہتر سے بہتر لباس پہنایا کرتی تھیں، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جنگ بدر میں شریک ہوئے اور جنگ احد میں شہید، جیسا کہ اوپر روایت میں مذکور ہے، ترمذی میں ان کے بارے میں حضرت علی کی یہ روایت ہے کہ ایک روز ہم لوگ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے اچانک مصعب بن عمیر سامنے آگئے جبکہ ان کے جسم پر صرف ایک چادر اور وہ بھی پیوند کا تھی، جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اس حال میں دیکھا تو آپ رو پڑے ان کی سابقہ حالت اور موجودہ حالت کا تفاوت دیکھ کر الحدیث (اسد الغابہ) والحدیث اخر جہ البجاری ومسلم والترمذی والنسائی، قال المنذری۔

خیر الکفن العلة، وخیر الاضحیۃ الکبش الاقرن۔

حلہ تو دو کپڑے ہوتے ہیں ازار و دردامر حالانکہ مسنون بالاتفاق تین کپڑے ہیں، لہذا یہ کہا جائے گا کہ حلہ کی غیرت و فضیلت ثوب واحد کے اعتبار سے ہے، نیز بعض علمائے اس حدیث کی وجہ سے یہ کہا ہے کہ کفن میں بہتر یہ ہے کہ وہ یمنی چادریں ہوں جو دھاری دار ہوتی ہیں، ملا علی قاری فرماتے ہیں: لیکن اصح یہ ہے کہ ایضاً افضل ہے حدیث عائشہ کی وجہ سے، اس کے بعد حدیث میں ہے بہترین قربانی کا جائز سینگوں والا مینڈھلہ ہے، یہ لکھا ہے کہ شاید وجہ فضیلت یہ ہے کہ کبش اقرب عامۃ سمین وجسم ہوتا ہے، یا حسن صورت کے اعتبار سے فرمایا گیا کہ سینگوں والا زیادہ حسین و خوبصورت معلوم ہوتا ہے (بذل) والحدیث اخر جہ ابن ماجہ مقتصر منہ علی ذکر الکفن، قال المنذری۔

## باب فی کفن المرأة

عورت کے کفن کی تفصیل عند الائمة الاربعة | عورت کا کفن مسنون پانچ کپڑے ہیں عند المجہور ومنہم الائمة الثلاثة وہ پانچ امام شافعی و احمد کے نزدیک یہ ہیں: ازار، قمیص، خمار، لفافین، اور امام مالک کے نزدیک سات ہیں ان کے نزدیک لفافے بجائے دو کے چار ہیں، ہمارے فقہاء نے ان پانچ کپڑوں کو اس طرح تعبیر کیا ہے ازار، قمیص، لفافہ، خمار (سر بند) اور خرقة (سینہ بند) جس کے ذریعہ اس کے ٹدھین کو ڈھانپا جائے، اور خمار جو سر پر باندھا جائے اور پھر اس کے ذریعہ بالوں کو چھپایا جائے جو سینہ پر پڑے ہوتے ہیں جس کی ترتیب اس طرح لکھی ہے کہ اولاً سر پر لفافہ بچھایا جائے اس کے اوپر ازار، اس کے اوپر خرقة، اس کے اوپر خمار اور سب کے اوپر قمیص، اولاً قمیص پہنایا جائے گا بغیر آستین کا، اس کے بعد خمار سے سر کو باندھا جائے گا اور سینہ پر جو بال ہیں ان کو چھپایا جائے گا، اس کے بعد خرقة سے سینہ کو باندھا جائے گا پھر اس کے بعد ازار لپیٹا جائے گا،

پہلے بائیں جانب سے لپیٹا جائے گا اس کے بعد دائیں جانب سے تاکہ دایاں پہلو اوپر رہے پھر اس کے بعد اسی طرح لفافہ لپیٹا جائے گا۔

عن رجل من بنی عروکہ بن مسعود یقال لہ داؤد - قد ولدتہ ام حبیبہ بنت ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہا یعنی قبیلہ بنو عروہ کا ایک شخص جن کا نام داؤد ہے جس کو ام حبیبہ نے جوایا تھا یعنی جس کی دایہ جو پیداؤش کے وقت پاس ہوتی ہے وہ حضرت ام حبیبہ بنت ابی سفیان تھیں، یہ شخص مذکور روایت کرتے ہیں لیلی بنت قائف سے جو کہ صحابیہ ہیں وہ فرماتی ہیں کہ میں ان میں سے ہوں جنہوں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو غسل دیا تھا، وہ فرماتی ہیں کہ غسل کے بعد تکفین کے وقت حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جبکہ آپ دروازہ پر تشریف فرما تھے کفنانے کے لئے کفن کے کپڑے اس ترتیب سے عطا فرمائے اولا حقار یعنی ازار پھر قمیص پھر خمار پھر نمحفہ (لفافہ) پھر ایک اور کپڑے میں ان کو لپیٹا گیا (لفافہ ثانیہ) وہ فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم دروازہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے آپ کے ساتھ ام کلثوم کا کفن تھا ایک ایک کپڑا ہمیں ترتیب وار دیتے رہے، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہ تو ظاہر ہے عورت کو غسل اور تجہیز و تکفین کرتی تو ہیں عورتیں ہی، لیکن مردوں کو اپنی نگرانی میں عورتوں سے یہ سب کام کرانے چاہئیں۔

### باب فی المسک للمیمت

اور امام بخاری نے باب قائم کیا۔ باب المحظوظ للمیمت۔ اور اس میں ابن عباس کی وہ حدیث ذکر فرمائی جس میں یہ ہے کہ حجۃ الوداع والے سال ایک صحابی عرفات میں اپنی اوشنی پر سے گر کر جاں بحق ہو گئے تھے ان کے بارے میں آپ نے فرمایا تھا، ولا تحفظہ ولا تحذر رأسہ، کہ ان کے حنوط یعنی خوشبو نہ لگانا اور نہ سر ڈھانپنا یہ شخص قیامت کے دن احرام کی حالت میں اٹھے گا۔

گویا امام بخاری نے اس حدیث کے مفہوم مخالف سے میمت غیر محرم کے لئے حنوط ثابت فرمایا، چنانچہ فتح الباری میں ہے قال البیہقی فیہ دلیل علی ان غیر المحرم یحفظ کما یحظر رأسہ اھ، اور امام الوداؤد نے حدیث الباب، الطیب طیبکم المسک، کو لا کر گویا عموم حدیث سے استدلال کیا کہ اس میں حی اور میمت دونوں برابر ہیں۔

ترجمۃ الباب والے مسئلہ میں اختلاف علماء | امام ترمذی نے بھی بعینہ اسی طرح ترجمۃ الباب اور یہی حدیث ذکر کی اور پھر آگے فرمایا: والعمل علی ہذا عند بعض اهل العلم وهو قول احمد واسحاق، وقد کرہ بعض اهل العلم المسک للمیمت، اس پر تحفۃ الاحوذی میں لکھا ہے: لم اقف علی وجہ الکراہۃ والحق ہو الجواز اھ حضرت شیخ کے حاشیہ بذل میں اس پر تفصیل سے لکھا ہے مختلف شراح سے اس کے بارے میں

نقل کیا ہے، علامہ عینی فرماتے ہیں کہ اکثر علماء کے نزدیک یہ جائز ہے وہیہ قال مالک والشافعی واجمدا و اسحاق، وکرہ عطا و الحسن و مجاہد و قالوا انه ميتة الخ نیز شیخ نے ازالۃ الخفا ص ۹۸ سے نقل کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا تھا کہ میرے لئے مشک کی خوشبو استعمال نہ کرنا، لا تحتطونی بمسک، قال شیخ لعلم کرہ لان فیہ دلیل الایابۃ و المحرمۃ، لیکن اسی ازالۃ الخفا میں دوسری جگہ یہ بھی مذکور ہے کہ حضرت عمر زندگی میں تو مشک کو استعمال فرماتے تھے لیکن وصیت یہ فرمائی کہ میرے بعد میرے لئے اس کو استعمال نہ کرنا، وکان الحسن یکرہہ للمیت لا للحي اه مشک کی حقیقت چونکہ دم بخود ہے تو شاید اس وجہ سے بعض لوگوں کو مرنے کے بعد اس کے استعمال میں تردد ہو، حضرت شیخ لکھتے ہیں کہ اگر یہ بات ہوتی تو پھر اس کے حکم میں میت اور حی دونوں یکساں ہونے چاہئیں تھے کوئی اور ہی وجہ ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم (ہامش بذل)

والحدیث اخرہ مسلم و الترمذی و النسائی، قالہ المنذری۔

### باب فی تعجیل الجنازۃ

ایک باب چند باب کے بعد اور آرہا ہے "باب الاسراع بالجنازۃ۔ دونوں میں فرق ہے، اس باب میں تعجیل سے مراد تعجیل فی التجهیز والتکفین ہے اور آئندہ باب میں اسراع سے مراد اسراع فی المشی جیسا کہ دونوں بابوں کی احادیث سے معلوم ہوتا ہے۔

ان طلحة بن البراء رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ مرض فأتاه النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یعودہ فقتال انی

لا أری طلحة الا قد حدث فیہ الموت الخ

یعنی حضرت طلحہ بن البراء جب بیمار ہوئے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے آپ نے ان کو دیکھ کر فرمایا کہ میں یہ سمجھتا ہوں کہ ان کی موت کا وقت قریب آ گیا ہے، پس مجھ کو ان کی خبر دیدینا اور جلدی کرنا۔ یعنی ان کی تیاری میں۔ اس لئے کہ مسلمان کی نعش کے لئے مناسب نہیں کہ اس کو اس کے گھر والوں کے درمیان میں روکا جائے۔

**تعجیل میں مصلحت** اس پر علامہ طبری فرماتے ہیں کہ مومن آدمی عند اللہ اور عند الناس بھی قابل اکرام اور معزز ہوتا ہے لیکن روح نکلنے کے بعد جب وہ جسم بے جان ہو جاتا ہے تو اس حیثیت سے طبائع اس سے متوحش اور متنفر ہوتی ہیں اس وقت وہ ان کی نگاہوں میں مانوس اور مرغوب فیہ نہیں رہتا، اس لئے مناسب یہی ہے کہ اس کو جھٹ پٹ چھپا دیا جائے، سبحان اللہ! احکام شرعیہ کے مصالح دیکھئے۔

### باب فی الغسل من غسل المیت

یعنی جو شخص میت کو غسل دے تو کیا وہ خود بھی بعد میں غسل کرے؟

عن عائشة رضي الله تعالى عنها ان النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم كان يغتسل من اربع من

الجنابة ديوماً الجمعة ومن الحجامة، وغسل الميت -

یہ حدیث کتاب الطہارۃ باب غسل الجمعة میں گزر چکی ہے، اس میں یہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حجامت کیوجہ سے غسل فرماتے تھے اور غسل میت سے بھی، لیکن حجامت کے بعد آپ کا غسل کرنا ثابت نہیں، صرف غسل محاجم ثابت ہے اور یہ حدیث ضعیف ہے مصعب بن شیبہ کی وجہ سے، نیز آپ کا کسی میت کو غسل دینا بھی ثابت نہیں، اول تو یہ حدیث ضعیف ہے یا پھر اس کی تاویل یہ کی جائے گی کہ غسل سے مراد امر بالغسل ہے۔

مسئلۃ الباب میں اختلاف علماء | خطابی فرماتے ہیں: میرے علم میں نہیں یہ بات کہ کسی فقیہ کے نزدیک غسل میت سے غسل واجب ہوتا ہو، اور اسی طرح نہ حمل میت سے وضو، اور ظاہر یہ ہے

کہ امر اس میں استحباب کے لئے ہے، جس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ میت کو غسل دینے والا چھینٹ سے مامون و محفوظ نہیں ہوتا اور بسا اوقات میت کے بدن پر نجاست بھی ہوتی ہے تو اس لحاظ سے غاسل کو غسل کا حکم دیا گیا، اور وہ جو حدیث میں ہے ومن حملہ فلیتوضا اس کے معنی یہ ہو سکتے ہیں کہ حامل میت یعنی جنازہ برداروں کو چاہئے کہ وہ پہلے سے با وضو ہیں نماز کی تیاری میں، اور حافظ ابن قیم نے تہذیب السنن میں اس میں تین مذہب لکھے ہیں مطلقاً وجوب، یہ مسلک ہے ابن السیب اور ابن سیرین کا، مطلقاً عدم وجوب یہ مسلک ہے ائمہ اربعہ کا، ثبوت کافر کے غسل سے غسل کا واجب ہونا، یہ ایک روایت ہے امام احمد کی اہ چنانچہ آگے ایک مستقل باب آرہا ہے "باب برجل یوت لہ قرأۃ مشرک" جس میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ حدیث مذکور ہے وہ فرماتے ہیں کہ جب میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے موافق الوطالب کو دفن کر کے آیا تو آپ نے مجھ کو غسل کا حکم دیا لیکن اس واقعہ میں غسل من غسل الميت الکافر نہیں ہے بلکہ غسل من دفن الميت الکافر ہے۔ ائمہ اربعہ کے مذاہب اس میں یہ ہیں کہ امام احمد کے نزدیک غسل میت سے غسل سنت ہے کمافی الروض المربع، اور امام مالک سے دور روایتیں ہیں وجوب اور استحباب، امام شافعی کے بھی دو قول ہیں ایک استحباب وهو القول الجدید والقیدم الوجوب، اور ایک روایت امام شافعی سے یہ ہے کہ ان صح الحدیث لعلت بوجوبہ، اور حنفیہ کے نزدیک أصالۃً تو مستحب نہیں ہے البتہ خرو جاً عن الخلاف مستحب ہے، اور ترمذی میں ہے: وقد اختلف اهل العلم فی الذی یغسل الميت فقال بعض اهل العلم من اصحاب النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم وغیرہم اذا غسل میتاً فغسلہ النعل وقال بعضهم علیہ الوضوء وقال مالک بن انس استحباب الغسل من غسل الميت ولا یری ذلک

لہ اس کا خلاصہ یہ ہے حیث قال کأنہ ما یری ان الشافعی فی الوطالب علی القول علی حدیث والخلاف فیہ ثابت عند المالکیۃ وماد

الیہ بعض الشافعیۃ اھ من الازدجۃ ۴۶ - عہ کیونکہ بعض کے نزدیک واجب ہے ان کی رعایت میں ۵

واجباً، وھكذا قال الشافعی، وقال احمد بن حنبل لا یجب علیہ الغسل، واما الوضوء فاقبل ما قبل فیہ، وقال اسحاق لابن الوضوء، وروی عن عبد اللہ بن المبارک انہ قال لا یغتسل ولا یوضأ من غسل المیت اھ امام ترمذی کے کلام سے معلوم ہوا کہ اس مسئلہ میں تین مسلک ہیں بعض صحابہ کے نزدیک غسل واجب ہے جیسے ابو ہریرہ کما قبل اور بعض علماء جیسے اسحاق بن راہویہ ان کے نزدیک وضوء واجب ہے اور بعض علماء جیسے ابن المبارک ان کا مسلک مطلقاً عدم استحباب ہے لا الغسل ولا الوضوء۔

قال ابو داؤد ا دخل ابو صالح بینہ و بین ابی ہریرۃ فی ہذا الحدیث یعنی اسحاق مولى زادۃ۔ مصنف یہ فرما رہے ہیں کہ اس سند میں ابو صالح نے اپنے اور ابو ہریرہ کے درمیان اسحاق مولى زادہ کا واسطہ ذکر کیا ہے یعنی اگرچہ وہ ان کے ساتھ ہیں لیکن اسکے باوجود واسطہ ہے، اسکے بعد جاننا چاہیے کہ یہ روایت ترمذی میں بھی ہے اس میں ابو صالح اور ابو ہریرہ کے درمیان یہ واسطہ نہیں ہے، عن سہیل بن ابی صالح عن ابیہ عن ابی ہریرۃ، بسند ترمذی والی سند منقطع ہوئی، اور امام شافعی کے کلام میں یہ ہے کہ یہ حدیث میرے نزدیک قوی اس بنا پر نہیں ہے کہ یہ حدیث اس طرح مروی ہے عن سہیل بن ابی صالح عن ابیہ عن ابی ہریرۃ اور بعض حفاظ نے اس سند میں ابو صالح اور ابو ہریرہ کے درمیان اسحاق کو داخل کر دیا ہے اور کہا گیا ہے کہ ابو صالح نے یہ حدیث ابو ہریرہ سے نہیں سنی ہے، کذا فی تہذیب السنن لابن القیم۔ حافظ ابن القیم نے اس پر تفصیلی کلام کیا ہے۔

قال وحديث مصعب فيه خصال ليس العمل عليه۔ وفي البذل: وفي حاشية الكانغورية في رواية ابن داسه: حديث مصعب ضعيف اھ اور ضعف کی وجہ خود ہی مصعب بن شیبہ راوی ہے، اس پر کلام اور جرح کتاب الطہارۃ باب السواک من الفطۃ میں گذرا ہے، امام مسلم کے نزدیک یہ ثقہ اور قوی ہیں اور امام بخاری اور نسائی کے نزدیک ضعیف، مصنف فرما رہے ہیں کہ اس حدیث پر علماء کا عمل نہیں ہے یعنی اس حدیث کے بغض اجزاء پر کا الغسل من غسل المیت ورنہ بعض قواعد جماعی ہیں۔

## باب فی تقبیل المیت

عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت رأیت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یقبل یمین عثمان

بن مظعون وهو میت حتی رأیت الدموع تسيل۔

یہ عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کے رضاعی بھائی تھے ہجرت سے تیس ماہ بعد ان کا مدینہ میں انتقال ہوا وھو اول من دفن بالیقبع، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی وفات کے بعد ان کی تقبیل فرمائی صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں بھی آتا ہے کہ انہوں نے بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی وفات

کے بعد بالکل آپ پر جھک کر آپ کی تقبیل فرمائی۔

**غسل میت کی علت میں علماء کے اقوال** | یہاں پر ایک بحث یہ ہے کہ غسل میت کی علت کیا ہے؟ فقہ تقبلی، وقیل للتطہیر من الحدث أو النجاسة، وقیل للتطہیف، کتاب الطہارة

میں یہ مسئلہ گذرا ہے کہ مار مخلوط بشی ظاہر یعنی جس پانی میں کوئی پاک چیز مل گئی ہو جیسے صابون استنان یا اس کے علاوہ کوئی چیز جس کی وجہ سے پانی کے اوصاف ثلاثہ میں سے کوئی ایک وصف متغیر ہو گیا ہو اس سے ازالہ الحدث جائز ہے یا نہیں، ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جائز نہیں ان کی کتابوں میں اس کی تصریح ہے، حنفیہ کے نزدیک جائز ہے وھو روایۃ عن احمد کافی المغنی، حنفیہ کے دلائل میں ایک دلیل غسل میت بماء وسدر والی روایات بھی ہیں، کیونکہ ظاہر ہے کہ مار سدر مار مخلوط ہے اور جمہور کے نزدیک اس سے تطہیر جائز نہیں اسی لئے یہ حضرات اس حدیث کی مختلف توجیہات کرتے ہیں، ایک تاویل یہ کی گئی ہے کہ غسل میت تزییف کے لئے ہے تطہیر کے لئے ہے ہی نہیں، زین ابن المنیر نے یہی کہہا ہے، اور ایک توجیہ یہ کی گئی ہے کہ سدر کا استعمال تمام غسلات میں نہیں ہوتا بلکہ ایک مرتبہ شروع میں یا اخیر میں مار قراح (سادہ پانی) استعمال کرنا مراد ہے، ایک توجیہ یہ کی گئی ہے کہ سدر کو پانی میں ڈال کر استعمال کرنا مراد نہیں بلکہ اس کے استعمال کی ایک شکل یہ بھی تو ہے کہ پیری کے پتوں کو پانی میں تر کر کے ان سے بدن کو مل لیا جائے اور پھر بعد میں فالح پانی استعمال کیا جائے۔ دغوزلک من التوجیہات اب اگر غسل کو تزییف کے لئے مانا جائے تب تو تقبیل میت میں کوئی اشکال ہے نہیں اور اگر تطہیر کے لئے ہے تب اشکال ہو سکتا ہے، اور اس سلسلہ میں حنفیہ کا مذہب حاشیۃ لاصع میں بدائع سے یہ نقل کیا ہے کہ اس میں محمد بن شجاع بخنی نے تو یہ فرمایا ہے کہ آدمی موت سے بچ نہیں ہوتا کرامۃ لہ اس لئے کہ اگر وہ بھی عام حیوانا کی طرح موت کی وجہ سے ناپاک ہو جاتا تو پھر غسل سے پاکی کا حکم نہ دیا جاتا، لیکن ہمارے اکثر مشائخ سے یہ منقول ہے کہ موت کی وجہ سے آدمی بھی ناپاک ہو جاتا ہے لافیه من الدم المسفوح جس طرح اور حیوانات ناپاک ہو جاتے ہیں جن میں دم مسفوح ہے لیکن فرق دیگر حیوانات اور آدمی کے درمیان یہ ہے کہ آدمی بعد الموت غسل دینے سے پاک ہو جاتا ہے کرامۃ لہ، چنانچہ امام محمد سے منقول ہے کہ میت کنوس میں واقع ہو جائے قبل الغسل تو کنواں ناپاک ہو جاتا ہے بخلاف بعد الغسل۔

## باب فی الدفن باللیل

سمعت جابر بن عبد اللہ۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال رأی ناسا فی المقبرة فأتوا فاذا

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فی القبر واذا هو یقول۔ ناوی فی صاحبکم فاذا هو الرجل

الذی کان یرفع صوته بالذکر۔

ایک ذکر جمہری کرینوالے کی خوش نصیبی | مضمون حدیث یہ ہے: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ



ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ رات کے وقت لوگوں کو دور سے قبرستان میں روشنی نظر آئی لوگ وہاں پہنچے، پہنچنے کے بعد دیکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یہ نفس نفیس ایک قبر میں اترے ہوئے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ لائے میت کو دیجئے اس سے معلوم ہوا کہ آپ نے ان صحابی کو خود اپنے دست مبارک سے قبر میں اتارا، اور چونکہ رات کا وقت تھا اسی لئے روشنی کی ضرورت پیش آئی جس کا روایت میں ذکر ہے، راوی کہتا ہے (ہم نے جو غور سے دیکھا تو یہ میت دہشتناک تھا جو بلند آواز سے ذکر کیا کرتا تھا، راوی کے اس کلام سے استفادہ ہو رہا ہے کہ یہ صاحب ذکر چہری میں معروف تھے، اور ہو سکتا ہے ان کو یہ سعادت اسی خصلت کی وجہ سے نصیب ہوئی ہو، دفن باللیل پر کلام اور اختلاف وغیرہ ابھی قریب میں باب فی الکفن کی ایک حدیث کے ذیل میں گذر چکا۔

رات میں دفن کا قصہ چند صحابہ کے ساتھ پیش آیا چنانچہ حضرت علی نے حضرت فاطمہ کو رات ہی میں دفنایا، اسی طرح حضرت عثمان و عائشہ کی تدفین بھی رات ہی میں ہوئی، ایسے ہی صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اور خود نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تدفین اخیر شب میں ہوئی، (ابن القیم) اور بھی اس کے علاوہ بعض دوسرے صحابہ کی تدفین رات میں ہوئی اور جس روایت میں دفن لیل کی ممانعت آئی ہے اس کی علت میں کہا گیا ہے کہ لڑاۃ الکفن او لترك الصلاة علی المیت او شققت علی الدانین، حدیث الباب ہی کے قریب ترمذی کی ایک روایت میں ہے عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم دخل قبر لیلًا فاسرج له بسرًا من قبل القبلة وقال رحمک اللہ ان کنتم لا واثق تلاء للقرآن۔

نزلہ صلی اللہ علیہ وسلم فی قبر بعض اصحابہ للدفن | ابن القیم فرماتے ہیں: وقد نزل النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فی قبر ذی البجادین لیلًا اھ اور حاشیہ بذل میں ہے کہ حافظ نے اصحاب کے اندر ذوالبجادین کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا پانچ صحابہ کی قبر میں نزول ثابت ہے۔

### باب فی المیت یحمل من ارض الی ارض

اسی قسم کا باب آگے بھی آ رہا ہے کتاب الجنائز کے اوخر میں "باب فی تحویل المیت من موضعہ للامر یحدث" ظاہر یہ ہے کہ اس پہلے باب میں تحویل میت قبل الدفن مراد ہے، اور آئے والے باب میں تحویل بعد الدفن۔

نقل میت کے بارے میں مذاہب ائمہ | تحویل میت قبل الدفن وبعده امام شافعی و مالک کے نزدیک جائز ہے کسی مصلحت کی وجہ سے کجوار الصالحین یا تقدس ارض کی وجہ سے جیسے

حضرت یحییٰ علیہ السلام کی قبض روح کا واقعہ | چنانچہ امام بخاری نے باب قائم فرمایا: باب من احب الدفن فی الارض المقدسة او نحوہا۔

مکہ اور مدینہ، لیکن بشرط عدم متک حرمتہ المیت، ولم یوجد فیہ مسلک احمد، اور حقیقہ کے نزدیک مجوز النقل قبل الدفن میلا او میلین، واما بعد الدفن فلا یجوز الا العذر شرعی، کالدفن فی الارض المخصوصہ، نیز فقہار نے لکھا ہے کہ عدم غسل یا عدم صلاۃ علی المیت کی وجہ سے بنش قبر جائز نہیں اسے ہی اگر میت کو غیر مستقبل القبلہ دفن دیا گیا تو استقبال قبلہ کیلئے بھی بنش قبر جائز نہیں۔

عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کنا حملنا القتلی یوم احد لندفنہم الخ۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جنگ احد میں بعض شہداء احد کو ان کے اعزہ یقین میں دفن کرنے کے لئے منتقل کرنے گئے، اس پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی جانب سے ایک منادی نے آکر ندادی کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حکم فرما رہے ہیں کہ مقتولین کو ان کی شہادت گاہ ہی میں دفن کیا جائے پس ہم نے ان کو ادھر لوٹا دیا۔ اس حدیث سے حنفیہ کی تائید ہوتی ہے نقل میت کے مسئلہ میں، شافعیہ وغیرہ جو جواز کے قائل ہیں وہ اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ حکم مختص ہے شہداء کے ساتھ، یا یہ کہ یہ حکم ابتداء تھا اس لئے کہ منقول ہے کہ حضرت جابر بن عبد اللہ نے

— اور اس میں انہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ حدیث ذکر فرمائی قال ارسل ملک الموت الی مؤمنی فلما جاردہ مکہ ففقا عینہ فرفع الی ربہ فقال ارسلنی الی عبد لایرید الموت فرد اللہ علیہ عینہ وقال ارجع فقل لہ یضیع یدہ علی منقن ثور فلہ بكل ما غطت یدہ نکل شجرة سنہ، قال ای رب ثم ماذا قال ثم الموت، قال فالا ان تسأل اللہ تعالیٰ ان یدنیہ من الارض المقدسہ ریتہ بحجر، قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، فلکنت ثم لای تم قرہ الی جانب الطريق عند الکشیب الاحمر یعنی جب اللہ تعالیٰ نے ملک الموت کو آدمی کی صورت میں حضرت مؤمنی علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام کے پاس بھیجا تبض روح کیلئے (تو اس نے جا کر ان سے عرض کیا کہ میں آپ کی روح قبض کرنے کے لئے آیا ہوں، آپ نے اس کو پہنچانا نہیں) اس پر آپ نے اس کو ایک طہاچہ مارا جس سے اس کی ایک آنکھ پھوٹ گئی وہ فرشتہ لوٹ کر اللہ تعالیٰ کے پاس گیا اور اس نے جا کر عرض کیا کہ آپ نے مجھے ایسے بندہ کے پاس بھیجا جو مرنا نہیں چاہتا، اللہ تعالیٰ نے اس کی آنکھ درست کر کے فرمایا کہ اب اس سے جا کر یہ کہہ کہ وہ اپنا ہاتھ بیل کی پشت پر رکھے تو جتنے ہال اس کے ہاتھ کے نیچے آئیں گے ہر ہال کے بعد ر ایک سال کی زندگی بڑھادی جائیگی (چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا اس پر) حضرت مؤمنی نے عرض کیا کہ اے میرے رب! اسکے بعد پھر کیا ہوگا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا پھر موت آئیگی، انہوں نے عرض کیا پھر ابھی لے لیجئے اور یہ دعا فرمائی کہ ان کو بیت المقدس کے قریب کر دیں (اس وقت مؤمنی علیہ السلام وادی تہ میں تھے) اتنا قریب کر دیجئے کہ اگر ان کی قبر سے کوئی پتھر پھینکنے والا ہاتھ سے پتھر پھینکے تو وہ بیت المقدس تک پہنچے، اسکے بعد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ اگر میں اس جگہ نہ ہوتا تو میں ان کی قبر تم کو دکھا دیتا راستہ کی جانب مرغ ریت کے ٹیلہ کے قریب، اس واقعہ پر ایک مشہور اشکال ہے کہ مؤمنی علیہ السلام نے فرشتہ کے چہرے کیسے مار دیا، اس کا جواب جو حاشیہ بخاری میں لکھا ہے وہ یہ ہے کہ اس وقت وہ فرشتہ آپ کی خدمت میں بصورت آدمی پہنچا تھا اور حالت ہی کہہ دیا کہ میں تو قبض روح کے لئے آیا ہوں، جبکہ مؤمنی علیہ السلام کے ذہن میں یہ تھا کہ مجھ کو موت کے وقت اغتیار دیا جائے گا اس لئے وہ مجھ نہ سکے کہ یہ فرشتہ ہے اس لئے ایسا ہوا، اور بھی اس کی توجہات کی گئی ہیں۔ بخاری کا یہ ترجمہ الباب اور یہ قصہ ہم نے یہاں اس حیثیت سے ذکر کیا ہے کہ تقدس راض ہی ایک امر مطلوب ہے، لاسیما حیث اصل المسئلۃ اعنی نقل المیت۔

اپنے والد کو جو جنگ احد میں شہید ہو گئے تھے احد سے یقین کی طرف چھ ماہ بعد منتقل کیا تھا یہ روایت خود اگے اسی کتاب میں آ رہی ہے۔ والحدیث اخبرہ الترمذی والنسائی وابن ماجہ، قالہ الترمذی۔

## باب فی الصف علی الجنازۃ

اور بعض نسخوں میں ہے الصفوف علی الجنازۃ، مضمون حدیث یہ ہے کہ جس میت پر نماز پڑھنے والوں کی تین صفیں ہوں تو وہ شخص مستحق جنت ہو جاتا ہے۔ — اس حدیث کے راوی مالک بن سیرہ ہیں۔ فکان مالک اذا استقل اهل الجنازۃ جزاً اھم ثلاثۃ صفوف للحدیث۔ یعنی حضرت مالک بن سیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی حدیث کے پیش نظر جب دیکھتے تھے کہ نماز پڑھنے والوں کی تعداد بہت کم ہے تو ان کو تین حصوں میں تقسیم کر دیتے تھے اور ان کی تین صفیں بنادیتے تھے، مثلاً اگر نماز پڑھنے والے کل چھ آدمی ہیں تو دو دو آدمیوں کی تین صفیں بنادیتے تھے۔

صفوف جنازہ کے بارے میں امام بخاری نے باب قائم کیا ہے ”من صف صفین او ثلاثہ“ اس باب کے بارے میں حضرت شیخ نے حاشیہ جامعہ میں اپنی رائے یہ لکھی ہے کہ ممکن ہے امام مالک کا مذہب امام بخاری کی غرض ان لوگوں پر رد کرنا ہو جو یوں کہتے ہیں کہ نماز جنازہ کی تو

بس ایک صف ہونی چاہیے، چنانچہ ابن العربی نے امام مالک سے نقل کیا انہ استحب ان یکون المصلون علی الجنازۃ سطرًا واحدًا، قال ولا اعلم لمذک وجہا اھ اور پھر آگے حضرت شیخ نے ابن قدامہ سے نقل کیا کہ مستحب یہ ہے کہ جنازہ پر تین صفیں قائم کی جائیں اسی — مالک بن سیرہ کی حدیث سے استدلال کرتے ہوئے، امام ترمذی نے امام احمد سے بھی یہی نقل کیا ہے کہ مصلین کی اگر قلت ہو تو تین صفیں بنائی جائیں، لوگوں نے ان سے سوال کیا کہ اگر نماز پڑھنے والے صرف چار ہوں تو پھر کیسے کیا جائے تو فرمایا پھر اس صورت میں صرف دو صفیں بنائی جائیں فی کل صف رجلین، اور تین بنانے کی اجازت نہیں دی کہ اس صورت میں ایک صف میں صرف ایک ہی آدمی رہ جائے گا۔ والحدیث اخبرہ الترمذی وابن ماجہ، قالہ الترمذی۔

## باب اتباع النساء الجنازۃ

عن ام عطیۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت: نہینا ان نتبع الجنائز ولم یعزّم علینا۔ حضرت ام عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ہمیں۔ یعنی عورتوں کو منع کیا گیا ہے جنازوں کے ساتھ جانے سے لیکن سختی کے ساتھ نہیں منع کیا گیا۔

مسئلۃ الباب میں مذاہب ائمہ | امام نووی فرماتے ہیں یعنی آپ کی جانب سے اس میں تنزیہاً منع ہے نہ کہ تحریماً،

اور پھر کہا انہوں نے ہمارا مذہب بھی یہی ہے کہ مکروہ ہے حرام نہیں۔ قاضی عیاض فرماتے ہیں عند المجہور منع ہے لیکن علماء مدینہ نے اس کو جائز رکھا ہے و اجازہ مالک و کرہہ للشافیۃ، اور حنفیہ کا مسلک در مختار میں لکھا ہے ویکرہ خروجن تحریرنا نقولہ علیہ الصلاۃ والسلام ارجعن ما زورات غیر ما زورات رواہ ابن ماجہ بسند ضعیف، لکنہ یعضدہ المعنی الحادث باختلاف الزمان الذی اشارت الیہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بقولہا لو ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم رأى ما حدث النساء بعده لسنعن کما صنعت النساء بنی اسرائیل، وھذا فی تسار زمانہا فما ظنک بتسار زماننا، واما ما فی الصحیحین عن ام عطیہ (یعنی حدیث الباب) فیمنعنی ان یخص بذلک الزمن حیث یباح لہن الخروج الی المساجد والاعیاد (ہذل) حاشیہ بذل میں ہے علامہ عینی نے کراہتہ تنزیہہ کو ترجیح دی ہے۔ والحدیث اخرجہ البخاری ومسلم وابن ماجہ، قالہ المنذری۔

## باب فضل الصلاۃ علی الجنائز

من تبع جنازۃ فصلی علیہا فلہ قیراط اء۔

یعنی جس شخص نے جنازہ کے ساتھ جاکر اس پر صرف نماز پڑھی اور قبرستان تک نہیں گیا تو اس کا اجر بقدر ایک قیراط ہے، اور جو نماز پڑھنے کے بعد اس کے ساتھ قبر تک جائے اور دفن تک وہیں رہے تو اس کے لئے دو قیراط ثواب ہے اور آپ نے فرمایا کہ ایک قیراط کا ثواب احد پہاڑ کے برابر ہے، ایک قیراط کی مقدار لغۃ تو نصف دانق ہے، اور دانق سدا درہم کو کہتے ہیں لہذا ایک قیراط درہم کا بارہواں حصہ ہو اگر یہاں حدیث میں لغوی معنی مراد نہیں بلکہ بہت بڑی مقدار مراد ہے جیسا کہ حدیث میں ہے احد پہاڑ کے برابر، وفی البذل تحت قولہ فصلی علیہا، فرجع ولم یمش معها الی القبر حتی یدفن، فی ہامشہ، وقال الطحاوی فی مشکل الآثار ان هذا الاجرمع المشی لا مجرد الصلاۃ اء فلیرجع الی مشکل الآثار۔ والحدیث اخرجہ البخاری ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ، قالہ المنذری۔

الاتسمع ما یقول ابو ہریرۃ انہ سمع رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یقول اء۔

یعنی حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو جب حضرت ابو ہریرہ کی یہ حدیث پہنچی ایک قیراط اور دو قیراط والی تو انہوں نے اسکی تحقیق کیلئے حضرت عائشہ کے پاس آدی بھیجا جس پر انہوں نے ابو ہریرہ کی تصدیق کی۔

یہ روایت یہاں مختصر ہے اور ترمذی میں اس پر یہ زیادتی ہے۔ فقال ابن عمر لقد فرطتانی قرار یط کثیرۃ۔ اور مسلم شریف کی ایک روایت میں مزید براں یہ ہے۔ عن سالم بن عبد اللہ قال کان ابن عمر یصلی علی الجنائز ثم ینصرفہ فلما بلغہ حدیث ابی ہریرۃ قال قد کرہ، یعنی حضرت ابن عمر کا معمول شروع میں صرف نماز جنازہ پڑھنے کا تھا اس کے ساتھ قبرستان جانے کا نہیں تھا، جب ان کو حضرت ابو ہریرہ کی یہ حدیث پہنچی اور پھر حضرت عائشہ نے بھی اس کی تصدیق فرمادی تو انہوں نے اپنے عمل پر اظہار افسوس فرمایا کہ ہم نے اپنے بہت سے قرار یط کا نقصان کر دیا (تھخ) یہ صحابہ کرام کے یقین کی بات ہے

ہی تو سب سے بڑی دولت تھی ان کے پاس کمال یقین کی وخیر ما لقی فی القلوب الیقین۔  
والحدیث اخرجه مسلم بمعناه اتم منه، قال المنذری۔

ما من مسلم يموت فيقوم على جنازته اربعون رجلاً الا

یعنی جس شخص کی نماز جنازہ پڑھنے والوں کی تعداد چالیس تک پہنچ جائے تو ان کی یہ شفاعت اللہ تعالیٰ کے یہاں قبول کی جاتی ہے، اور صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث میں یہ لفظون منہ ہے، اور اس سے پہلے مالک بن سیرہ کی روایت میں ثلاثہ صفوف آیا ہے جس میں نہ سو کی قید ہے نہ چالیس کی، اس اختلاف عدد کا ایک جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ اختلاف سوال سائلین پر محمول ہے یعنی یہ حدیثیں آپ نے سائلین کے جواب میں ارشاد فرمائیں کسی سائل نے سو کے عدد کے بارے میں سوال کیا اور کسی نے چالیس کے بارے میں، دونوں کے جواب میں آپ نے فرمایا ہاں ایسا ہی ہے یعنی اس عدد کی تحدید ابتداء آپ کی جانب سے نہیں ہے ممکن ہے اگر اس سے کم کے بارے میں سوال کیا جاتا تو اس پر بھی آپ یہی فرماتے دنی ہامش البذل: وجمع بینہما ای بین المسنة والاربعة الطحاوی فی مشکل الآثار ج ۱۰ جملہ اربعین علی آخر الزمان اھ ان شئت التفصیل فارجع الیہ۔  
والحدیث اخرجه مسلم اتم منه، واخرجه ابن ماجہ بخوة، قال المنذری۔

## باب فی اتباع المیت بالنار

لا تتبع الجنابة بصوت ولا نار ولا یستثنی بین یدیهما۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ جنازہ کے پیچھے اس کے ساتھ نہ آواز ہونی چاہئے اور نہ آگ۔ آواز سے مراد غم ہے کہ بکاؤ کی وجہ سے ہو یا ذکر و تلاوت کی وجہ سے، اور آگ سے مراد دھونی کی آگ ہے۔ قبر کو دھونی دینے کے لئے جیسا کہ اہل کتاب کیا کرتے تھے، اور منہ دو وجہ سے ہے لاجل التفاؤل وھولان النار آلہ العذاب اور مخالفت اہل کتاب، اور اگر روشنی کے لئے آگ ساتھ لی جائے اس میں کچھ مضائقہ نہیں، وہ تو ثابت ہے ابھی قریب میں حدیث گزری ہے، اور آگ کے اس روایت میں ہے کہ جنازہ سے آگ نہ چلا جائے اس پر آگ کے مستقل باب آ رہا ہے۔

## باب القیام للجنازة

اذا رأیت جنازة فقوموا لها حتى تخلفكم او توضع۔

یہاں پر دو مسئلے ہیں اور دونوں سے متعلق جو حدیثیں ہیں ان دونوں کو مصنف نے اسی باب میں ذکر فرمایا ہے

ان میں ایک مسئلہ تو وہ ہے جو اس حدیث میں مذکور ہے، دوسرا مسئلہ وہ ہے جو باب کی آخری حدیث میں ہے۔ کات رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یقوم فی الجنائزۃ حتی توضع فی اللحد فمر بہ خبر من الیہود فقال هكذا يفعل بنجلس النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم وقال اجلسوا خالفہم، اسی لئے امام ترمذی نے دو باب الگ الگ قائم کئے ہیں۔ باب ماجار فی الجلوں قبل ان توضع۔ اور دوسرا باب ماجار فی القیام للجنائزۃ۔ ابوداؤد کی آخری حدیث میں جو مسئلہ مذکور ہے یہ وہی مسئلہ ہے جس کو امام ترمذی نے باب اول میں بیان کیا ہے، اور باب کی پہلی حدیث جو ہم نے شروع میں نقل کی اس میں وہ مسئلہ ہے جس کو امام ترمذی نے باب ثانی میں ذکر فرمایا، مگر امام ابوداؤد نے دونوں قسم کی حدیثوں کو ایک ہی ترجمۃ الباب کے تحت ذکر فرمایا پھر دوسرا باب کے بعد امام ترمذی نے ایک تیسرا باب قائم کیا جیسا کہ ہم آگے بیان کریں گے۔

(مہم مسئلہ) المسئلۃ الاولیٰ | باب کی اس پہلی حدیث میں جو مسئلہ مذکور ہے وہ تو یہ ہے کہ جس شخص کے قریب میں جنازہ گذرے اس کو چاہیئے کہ اس کو دیکھ کر کھڑا ہو جائے، یعنی یہ نہیں کہ

اپنے کام میں اسی طرح مشغول رہے اور جنازہ گذرنے کی کوئی پرواہ نہ کرے کیونکہ حدیث میں ہے ان الموت فرع جیسا کہ اس باب کی تیسری حدیث میں ہے، جسکا مضمون یہ ہے: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے کہ ایک جنازہ ہمارے قریب کو گذرا تو آپ اس کو دیکھ کر کھڑے ہو گئے تاکہ اس کے اٹھانے میں شریک ہوں تو معلوم ہوا وہ یہودی کا جنازہ ہے، ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ تو یہودی کا جنازہ ہے، آپ نے فرمایا: ان الموت فرع فاذا راہتم جنازۃ فقوموا، کہ موت گھبراہٹ کی چیز ہے۔ یعنی دوسرے کے جنازہ کو دیکھ کر اپنی موت یاد آنی چاہیئے اور فرمایا کہ جب تم جنازہ کو دیکھا کرو تو کھڑے ہو جایا کرو۔

لیکن یہ حدیث عند الجمہور منسوخ ہے، البتہ امام احمد، اسحاق بن راہویہ، ابن حبیب مالکی اور بعض شافعیہ جس میں امام نووی بھی ہیں، ان حضرات کے نزدیک مرد جنازہ کے وقت قیام مستحب ہے، عند الجمہور یہ منسوخ ہے، چنانچہ اس باب کی چوتھی حدیث میں آ رہا ہے جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے قلم فی الجنائزۃ ثم یقعہ بعد کہ آپ شروع میں تو کھڑے ہوتے تھے بعد میں چھوڑ دیا تھا کھڑا ہونا، جمہور کا مسلک یہی ہے وہ اس میں نسخ کے قائل ہیں اور فریق مخالف جو استحباب قیام کا قائل ہے حنابلہ وغیرہ انہوں نے اس دوسری حدیث کو یعنی نفی کی حدیث کو بیان جواز پر محمول کیا ہے، یعنی آپ کبھی قیام نہیں کرتے تھے بیان جواز کے لئے، چنانچہ امام ترمذی نے باب ماجار فی القیام للجنائزۃ کے بعد دوسرا باب باب الرخصۃ فی ترک القیام لہا قائم کیا جیسا کہ جمہور کا مسلک ہے، چنانچہ امام ترمذی فرماتے ہیں حدیث علی کے بعد: والعمل علی ہذا عند بعض اہل العلم، قال الشافعی: وبذا اصح شیء فی ہذا الباب، وبذا الحدیث

ناسخ الحديث الاول (اذا رايتهم يجتازة فتوما) وقال احمد ان شاء الله وان شاء لم يقيم، وهكذا قال اسحاق بن ابراهيم اه وفي نسخة الا حوزي  
فحدث احمد حديث علي بن ابيس بناسخ الحديث الاول، يجر انهم في حازي من بيان مذاهب في ذيل من نقل كذا، وقال  
احمد بن حنبل ان تمام لم اعبه، وان قد فلا بأس به وبه قال اسحاق بن حنظلي، وقال اكثر اهل العلم ليس على احد القيام للجماعة الى اخر  
ما ذكر، امام ترمذي اور حازي کے کلام سے معلوم ہوا کہ امام احمد کے نزدیک اس مسئلہ میں ترجیح ہے، ہم نے اوپر انکا مسلک استحبایم قلم  
لکھا ہے، ذکرہ اشخ فی البذل عن الشوكاني اور حضرت شيخ کے حاشیہ بذل میں ہے: هذا القيام منسوخ عند الائمة الاربعة  
وما حكى اهل الشرح عن الامام احمد انه ليس بمنسوخ عنده يا باه كتب في روضة نعم يندب عند ابن حزم وغيره، قلت، نعم النوى كما سبق۔  
**المسئلة الثانية** اور دوسرے مسئلہ یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جس جنازہ کے ساتھ جاتے تھے تو  
قبرستان پہنچ کر بیٹھتے نہیں تھے حتیٰ توضع فی اللحد جب تک میت کو قبر میں نہ رکھ دیا  
جاتا، ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ علماء یہودیوں سے ایک شخص گذر رہا تھا اس نے آپ کو دیکھ کر کہا ہکذا انفعول کہ ہاں  
آپ ٹھیک کر رہے ہیں ہم بھی ایسا ہی کرتے ہیں۔ اس واقعہ کے بعد آپ نے کھڑا رہنا چھوڑ دیا اور فرمایا، اجلسوا  
خالفوهم یعنی وضع فی اللحد سے پہلے بیٹھ جایا کرو۔

اس مسئلہ کے جمہور بھی قائل ہیں کہ وضع فی اللحد سے پہلے جلوس میں کوئی حرج نہیں ہے بیٹھ سکتے ہیں، البتہ  
وضع عن اعناق الرجال سے قبل جلوس کر وہ ہے عند الجمہور خلافا للما لکیتہ فیجوز عند ہم، ان دونوں مسئلوں کو الگ  
الگ اسی طرح سمجھنا چاہیے، بسا اوقات ان دونوں کے سمجھنے میں بلکہ بیان کرنے میں بھی جیسا کہ آپ دیکھیں گے غلط ہو جاتا ہے  
حدثنا احمد بن یونس الخ. وفيه. قال ابو داود: روى الثوري هذا الحديث عن سهيل عن ابيه  
عن ابي هريرة رضي الله تعالى عنه. قال فيه: حتى توضع بالارض، ورواه ابو معاوية عن سهيل، قال:  
حتى توضع في اللحد، وسفيان اخف من ابي معاوية۔

اس کی توضیح یہ ہے کہ اس حدیث کو سہیل سے روایت کرنے والے تین ہیں، اول زہیر بن کی روایت شروع میں  
ہے، دوسرے ثوری، تیسرے ابو معاویہ، زہیر کی روایت میں تو حتیٰ توضع مطلقاً ہے اور ثوری کی روایت میں  
حتى توضع بالارض ہے اور ابو معاویہ کی روایت میں حتیٰ توضع فی اللحد ہے، مصنف فرما رہے ہیں کہ سفيان  
احفظ ہیں ابو معاویہ سے لہذا حتیٰ توضع بالارض اصح ہے اور مسئلہ بھی اسی طرح ہے، اب اس باب کی جملہ روایات  
پر مشترک طور پر کلام آگیا، ان احادیث کی تخریج اس طرح ہے، حدیث عامر بن ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اخرجه البخاري  
ومسلم والترمذي والنسائي وابن ماجه۔

وحدیث ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اخرجه البخاري ومسلم والترمذي والنسائي من حدیث ابی سلمہ بن  
عبد الرحمن بن عوف عن ابی سعید بنخوه، وخرجه سلم من حدیث ابی صالح السمان عن ابی سعید

وحدیث جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اخرجہ البخاری ومسلم والنسائی ولبیس فی حدیثہم "فلما ذهبنا لخل"  
 وحدیث علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اخرجہ مسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ بخوہ۔  
 وحدیث عبادة بن الصامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ اخرجہ الترمذی وابن ماجہ قال المنذری۔

## باب الركوب فی الجنازة

جنائزہ کے ساتھ سوار ہو کر جانا بلا عذر کے خلاف اولیٰ ہے اور واپسی کے وقت سوار ہونے میں کچھ حرج نہیں،  
 شافعیہ کے یہاں کراہت کی تصریح ہے دنی مغنی المحتاج ص ۲۵۹ دلائل بالركوب فی الرجوع منہا لانه صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم  
 ركب فرسا مع ولما رجع من جنازة ابی الدرداء رواہ مسلم من حدیث جابر بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ واما فی الذہاب فتقدم  
 انه یکره الا لعذر کعبد المکان او ضعف اه وھكذا قال النووی۔

عن ثوبان ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم أتى بدابة وهو مع الجنازة فابى ان یركب فلما  
 انصرف أتى بدابة فركب الخ۔

یعنی آپ ایک جنائزہ کے ساتھ تشریف لیجا رہے تھے لوگوں نے سواری پیش کی آپ نے رکوب سے انکار فرمایا، اور  
 واپسی میں جب سواری پیش کی گئی تو آپ اس پر سوار ہو گئے، کسی صحابی کے سوال پر آپ نے فرمایا کہ جنائزہ کے ساتھ ملائکہ  
 پیدل چل رہے تھے اس لئے میں نے اس وقت رکوب کو مناسب نہ سمجھا، اب جبکہ وہ چلے گئے تو میں سوار ہو گیا۔  
 اور باب کی دوسری حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ابن الدرداء پر نماز جنائزہ پڑھی  
 (وینقال: ابوالدرداء) پھر گھوڑا لایا گیا آپ اس پر سوار ہو گئے، جو آپ کو لے کر دوڑ پڑا، اور ہم آپ کے پیچھے پیدل دوڑتے تھے۔  
 یہ آپ کا سوار ہونا واپسی ہی میں تھا۔ ابوداؤد کی روایت تو گو اس سے ساکت ہے لیکن ترمذی کی روایت میں رجوع  
 کی تصریح ہے، لہذا دونوں روایتوں میں تعارض نہ سمجھا جائے۔

حدیث الباب سے کراہت رکوب خلف الجنازہ کا ثبوت ہو رہا ہے لیکن یہ حدیث بظاہر اس حدیث کے خلاف ہے  
 جو آئندہ باب میں آرہی ہے، میغرہ بن شعبہ کی حدیث "الراکب لیسر خلف الجنازة والماشی یمشی خلفھا واما مہا، الحدیث۔  
 کیونکہ اس سے رکوب خلف الجنازہ کا جواز ثابت ہو رہا ہے اس کے بدل میں علامہ شوکانی سے دو جواب نقل کئے  
 ہیں، اولیٰ یہ کہ یہ دوسری حدیث عدم کراہت پر دال نہیں ہے زائد سے زائد جواز پر دلالت کرتی ہے، پس ہو سکتا ہے  
 کہ رکوب جائز مع الکراہۃ ہو، اور یا یہ کہا جائے کہ آپ نے جس رکوب پر نکیر فرمائی ہے وہ مشی ملائکہ کے ساتھ معلیٰ ہے  
 اور ملائکہ کی یہ مشی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھی، پس اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ملائکہ کی معیت  
 اور شرکت ہر جنائزہ میں ہو اہ اور ایک جواب یہ دیا گیا ہے کہ حدیث میغرہ معذور کے حق میں ہے، اور حدیث الباب غیر معذور کے حق میں۔





الراكب يسير خلف الجنائز والماشي يمشی خلفها وامامها وعن يمينها وعن يسارها قريب منها والسقط يصلي عليه ويديع لوالديه بالمغفرة والرحمة،

**صلوة على الطفل میں مذاہب ائمہ** | منیر بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ حدیث ترمذی شریف میں لفظی تغیر کیساتھ اس طرح ہے: الراكب خلف الجنائز والماشي حيث شاء منها، والطفل يصلي عليه

قال ابو عيسى هذا حديث حسن صحيح، امام ترمذی نے اس حدیث کو ماہر فی الصلوة علی الاطفال میں ذکر کیا ہے، اور امام احمد اور اسحاق بن راہویہ کا مذہب یہ بیان کیا کہ انکے نزدیک طفل پر نماز پڑھی جائے گی اگرچہ پیدائش کے وقت استہلال یعنی آثار حیات نہ پائے گئے ہوں، بعد ان یعلم انه خلق یعنی بشر طیکہ نفع روح اس میں ہو چکا ہو جس کی مدت علمائے چار ماہ و س دن لکھی ہے اس کے بعد امام ترمذی نے دوسرا باب قائم کیا، باب فی ترک الصلوة علی الطفل حتی يستحل، اور پھر اس کے تحت حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ حدیث مرفوعہ ذکر فرمائی: الطفل لا يصلي عليه ولا يرث ولا يورث حتی يستحل، لیکن امام ترمذی نے اس حدیث کی سند میں اضطراب بیان کر کے اس کے وقف کو رفع پر ترجیح دی ہے، لیکن جمہور علماء اور بقیہ ائمہ ثلاث کا مذہب یہی ہے، قال السندی: اخذ الجمهور بحديث جابر ترجيح المحرمة على الحل عند التعارض اس مسئلہ کی طرف ہمارے یہاں اشارہ کتاب الفرائض میں "اذا استحل المولود وورث" حدیث کے ذیل میں آچکا ہے، والحديث اخرجه الترمذی والنسائی وابن ماجه..... و حدیث ابن ماجہ مختصر، قال المنذری۔

## باب الاسراع بالجنائز

اور اس سے پہلے "باب تعجيل الجنائز" گذر چکا اور ان دونوں میں فرق بھی، قال لحافظ: المراد بالاسراع ما فوق المشي المعتاد ويكره الاسراع الشديد اخون۔ ابن قدامہ کہتے ہیں کہ یہ امر بالاتفاق استحباب کیلئے ہے، اور ابن حزم کے نزدیک وجوب کے لئے، قال صاحب البدایہ: وبیشون بہا سرعین دون الخبب اه بذل، چنانچہ آگے ابن مسعود کی حدیث مرفوعہ میں آ رہا ہے: فقال: ما دون الخبب، اور کہا گیا ہے کہ اس حدیث میں اسراع سے مراد اسراع فی التجهیز ہے قال القسطلی والاولی اظہر، وقال النووی: الثاني باطل مردود بقولہ فی الحدیث: تصوره عن رقابکم (بذل) اور مصنف کے نزدیک تو گویا یہ متعین ہے کہ ان احادیث میں اسراع سے مراد اسراع فی المشی ہے جیسا کہ احادیث الباب سے ظاہر ہو رہا ہے، دوسرے یہ کہ اسراع فی التجهیز کا باب اس سے پہلے "باب تعجيل الجنائز" میں گذر چکا۔

آگے اس حدیث میں اسراع کی حکمت کی طرف اشارہ ہے کہ اگر وہ میت نیک اور صالح آدمی ہے تو ظاہر ہے کہ اس کے لئے وہاں عالم آخرت میں خیر و خوبی ہے تو اس کا قاضی ہی ہے کہ اس کو خیر کی طرف جلدی پہنچایا جائے اور اگر وہ شخص ایسا نہیں ہے تو پھر وہ شر ہے جس کو اپنے کندھوں سے جلد اتارنا ہی بہتر ہے۔

وکننا مشی مشیا خفیفا فلحقنا ابو بکرۃ۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ قرفح سوطہ  
یعنی ہم جنازہ میں آہستہ چل رہے تھے تو پیچھے سے حضرت ابو بکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنا کواڑا اٹھائے ہمارے  
پیچھے روڑے، تنبیہ کیلئے، اور فرمایا کہ جب ہم حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جنازہ کے ساتھ جاتے تھے  
تو خوب تیز چلتے تھے۔

وحدیث ابی بکرۃ اخرجہ النسائی، قال المنذری۔

والجنازۃ متبوعۃ لیس معہما من تقدمہا۔ اس حدیث پر کلام ہمارے یہاں پہلے گزر چکا، اخرجہ الترمذی وابن  
ماجہ، وحدیث ابن ماجہ مختصر، قال المنذری۔

## باب الامام یصلی علی من قتل نفسه

ترجمۃ الباب والے مسئلہ میں مذاہب ائمہ | یعنی جو شخص خودکشی کر کے مرا ہو اس کی نماز جنازہ پڑھی جائیگی یا نہیں؟  
جمہور علماء اور ائمہ اربعہ کے نزدیک پڑھی جائے گی، امام مالک کی ایک  
روایت کراہت کی ہے اور امام احمد کی ایک روایت اہل علم و فضل کیلئے کراہت کی ہے یعنی صرف عوام کو پڑھنی چاہیئے،  
اور بعض علماء جیسے امام اوزاعی اور عمر بن عبد العزیز رحمہما اللہ تعالیٰ مطلق صلوٰۃ کے قائل نہیں، حضرت نے بذل میں  
یہی تحریر فرمایا ہے کہ کبار ائمہ اور علماء کو نہ پڑھنی چاہیئے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بھی گو بنفس نفیس اس پر  
نماز نہیں پڑھی لیکن دوسروں کو پڑھنے سے منع نہیں فرمایا، چنانچہ یہاں روایت میں ہے قتال اذا لا اصلی علیہ  
اور نسائی کی روایت میں ہے اما انا فلا اصلی علیہ۔

حدیثی جابر بن سمرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال مرض رجل فصیح علیہ فجاء جابرۃ الی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ  
علیہ وسلم فقال انہ قد مات قال وما یدریک؟ قال انا رأیۃ، قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم انہ لم یمت۔

مضمون حدیث | یہ ہے کہ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص مریض تھا اس پر  
رودیا اور چیخا جانے لگا، اس کا جو ایک پڑوسی تھا وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم  
کی خدمت میں پہنچا اور آپ کو اس کے مرنے کی خبر دی، آپ نے فرمایا کہ تجھے کیا خبر کہ وہ مر گیا، اس نے کہا کہ میں تو ایسا ہی  
سمجھتا ہوں، آپ نے فرمایا وہ ابھی نہیں مرا، یہ شخص آپ کے پاس سے لوٹ آیا، پھر کچھ دیر بعد دوبارہ رونے کی آواز سنائی  
دی، وہ شخص پھر آپ کے پاس آیا یہی کہتے کیئے کہ وہ مر گیا، آپ نے فرمایا کہ ابھی نہیں مرا، یہ شخص لوٹ آیا اس کے بعد  
پھر رونے اور چیخنے کی آواز سنائی دی، تو اس مریض کی بیوی نے اس پڑوسی سے کہا کہ حضور کو جا کر اطلاع کر دے  
تو اس پڑوسی نے اولاً تو اس مرنے والے کو ید عار دی اللہم العنہ پھر وہ پڑوسی اس مرنے والے کے گھر گیا اور اس کو

جا کر دیکھا کہ اس نے خود کشتی کی ہے تیر کے دھار دار حصہ سے۔ اس کے بعد وہ پڑوسی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں گیا اور آپ کو اس کے ہلاک ہو جانے کی خبر دی، اور آپ کے سوال پر اس نے عرض کیا کہ میں نے خود دیکھا ہے اس کی خود کشتی کو، آپ نے تاکید اس سے پھر دریافت کیا کہ کیا تو نے ایسا دیکھا ہے اس نے کہا ہاں، اس پر آپ نے فرمایا ایسی صورت میں اس کی نماز ہمیں پڑھوں گا۔

والحدیث اخرجه مسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ مختصراً بمعناه۔

## باب الصلاة على من قتلته الحدود

یعنی جو شخص حد شرعی میں مارا جائے اس کی نماز جنازہ ہوگی یا نہیں؟ جمہور کے نزدیک ہوگی اور زہری کے نزدیک مرحوم کی نماز نہیں پڑھی جائے گی اور قصاص کی صورت میں پڑھی جائے گی، اور امام مالک و احمد سے یہ مروی ہے کہ امام خود نماز نہ پڑھے اس کی، البتہ خفیہ کا مذہب قطاع الطريق اور بغاۃ کے بارے میں یہ ہے کہ ان کی نماز جنازہ مطلقاً نہ پڑھی جائے۔ عن ابی ہریرۃ الاسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم لم یصل علی ماعز بن مالک ولم ینه عن الصلاة علیہ۔

ماعز بن مالک الاسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کے رجم کا قصہ مشہور ہے ان کی نماز جنازہ کے بارے میں روایات مختلف ہیں، بعض میں اثبات ہے بعض میں نفی، نفی تو حدیث الباب میں ہے اور بخاری کی ایک روایت میں ہے بروایت جابر، فقال لہ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم خیر اوصی علیہ، قال البخاری: لم یصل یونس وابن جریج عن الزہری، فصلی علیہ اور مسلم کی روایت میں ہے، فما استغفر لہ ولا سبہ، اور اسی کی ایک روایت میں ہے، قال استغفر لہ الماعز بن مالک فقالوا غفر اللہ لہ الماعز بن مالک، حافظ نے فتح الباری میں جمیع بین الروایتین اس طرح کیا ہے کہ آپ نے پہلے دن ان پر نماز نہیں پڑھی اور دوسرے دن پڑھی جیسا کہ سنن ابی قرہ میں ہے، اس میں ہے فقیل یا رسول اللہ فصلی علیہ، قال: لا، قال فلما کان من الغد قال صلوا علی صاحبکم فصلی علیہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم والناس قبل المراد بالصلاة الدعاء فائدہ: ماعز بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر نماز پڑھنے کے بارے میں تو روایات مختلف ہیں، لیکن امر آؤ غایدہ، جہنیم جس پر ساقی باب کتاب الحدود میں آئے گا، اس پر نماز پڑھنے کے بارے میں سب روایات متفق ہیں کہ آپ نے ان پر نماز جنازہ پڑھی اس فرق کی وجہ کیا ہے؟ اس پر امام طحاوی نے مشکلی الآثار میں اس طرح تحریر فرمایا ہے کہ امرأة جہنیم اپنے اوپر حد جاری کرنے کے قصد سے آئی تھی، ان کی روایت میں تصریح ہے کہ مجھے اپنے اوپر حد جاری

لہ یہ ترجمہ مشفق کا ہے جس کو بیکان بھی کہتے ہیں، تیر کی ٹوک۔

کرانی ہے اس گناہ کی وجہ سے، بخلاف حضرت ماعز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کہ ان کے بارے میں یہ آتا ہے کہ ان سے جب اس گناہ کا قصد ہوا اور انہوں نے اس کا ذکر اپنے بعض لوگوں سے کیا تو انہوں نے یہ مشورہ دیا کہ تم اس بات کا ذکر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے جا کر کرو۔ پس وہ آپ کی خدمت میں اس نیت سے گئے تھے کہ شاید حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم توبہ واستغفار کا طریقہ بتلا دیں گے، لیکن جب باقاعدہ ان کے اقرار کی وجہ سے زنا کا ثبوت شرعی ہو گیا اور آپ نے رحم کا فیصلہ فرمایا اور اس پر عمل درآمد شروع ہو گیا تو وہ کہنے لگے غرتی قوی، کہ مجھے مشورہ دینے والوں نے غلط مشورہ دیا وغیرہ وغیرہ، امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اس صورت میں ان کی توبہ کا تحقق نہیں ہوا، یہی سبب ہوا دونوں کے بارے میں اختلاف روایت کا۔

## باب الصَّلَاةِ عَلَى الطِّفْلِ

نوملود کی نماز جنازہ کس صورت میں پڑھی جاتی ہے اور کس میں نہیں یہ مسئلہ بالتفصیل مع اختلاف ائمہ اس سے قبل "باب المشی امام الجنازة" میں "السقط یصلی علیہ" کے تحت گزر چکا۔

آپ نے اپنے صاحبزادے ابراہیم کی نماز پڑھی یا نہیں؟  
اس باب میں تو مصنف نے صرف ایک ہی مضمون کی حدیث ذکر کی ہے  
یعنی حضرت ابراہیم آپ کے صاحبزادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر نماز پڑھنے اور نہ پڑھنے کے بارے میں۔

عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت مات ابراہیم ابن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم وهو ابن ثمانية عشر شهرا فلم یصل علیہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔

اس کے بعد مصنف نے دو روایتیں اور ذکر کیں: سمعت البیہقی قال: لما مات ابراہیم ابن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم صلی علیہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فی المقاعد، اور دوسری روایت یہ:

عن عطاء ابن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم صلی علی ابنہ ابراہیم وهو ابن سبعین لیلة، ان روایات میں باب کی حدیث اول یعنی حدیث عائشہ جو کہ موصو لاً ہے اس میں نماز کی نفی ہے کہ آپ نے اپنے صاحبزادہ پر نماز نہیں پڑھی اور بعد کی دو روایتیں یعنی مرسل نہیں اور مرسل عطاء ابن عمار ان دونوں میں صلاۃ کا اثبات ہے کہ آپ نے ان پر نماز پڑھی، علامہ زیلعی نے "نصب الرایہ" میں اثبات صلاۃ کے بارے میں متعدد احادیث مسندہ و مرسلہ بیان کی ہیں، وہ فرماتے ہیں: فیہ احادیث مسندہ و احادیث مرسلہ، فالسندۃ عن ابن عباس، والبرابر ابن عازب والنس و الحمدری، اس کے بعد ان میں سے ہر ایک کو بسندہ ذکر کیا، چنانچہ ابن عباس کی روایت کو ابن ماجہ سے، اور حدیث البرابر کو مسند احمد اور بیہقی سے، اور حدیث النس کو مسند ابویعلیٰ سے، اور حدیث ابوسعید خدری کو مسند بزار سے، اور روایات مرسلہ

کے ذیل میں شروع میں یہ ابوداؤد کی دوسری روایتیں ذکر کی ہیں اور پھر آگے لکھا ہے: ورواہما البیهقی وقال ہذا الآثار  
مرسلۃ وہی تشد الموصول، وروایات الاثبات، اولیٰ من روایات الترحک، اس کے علاوہ اور بھی روایات مرسلہ انہوں نے  
ذکر کی ہیں، اس کے بعد احادیث الترحک میں ابوداؤد کی حدیث عائشہ ذکر کی ہے اور پھر فرماتے ہیں کہ ذکر الخطابی مرسل عطاء  
وقال ہذا اولیٰ الامرین وان کان حدیث عائشہ احسن ایصالہ امام بیہقی، خطابی اور امام زیلعی ان حضرات کا میلان ترجیح  
اثبات کی طرف ہے، اس کے بعد علامہ زیلعی فرماتے ہیں کہ جو لوگ ترک صلاۃ کو تسلیم کرتے ہیں انہوں نے اس کی بعض علل  
ضعیف بیان کی ہیں ایک یہ کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس روز صلوۃ الکسوف میں مشغول تھے، اور ایک یہ کہ وہ  
بؤۃ نبی (نبی کا صاحبزادہ ہونا) کی فضیلت کی وجہ سے نماز سے مستغنی تھے جس طرح شہداء فضیلت شہادۃ کی وجہ سے  
مستغنی ہوتے ہیں، اور یہ کہ نبی پر نماز نہیں پڑھتا چونکہ ان کے بارے میں یہ آیا ہے: «لو عاش لکان نبیا» اور یہ کہ  
مراد یہ ہے کہ انہم لصل علیہ بنفسہ وصلی علیہ غیرہ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب (زیلعی ص ۲۸)

حضرت ابراہیم کی مدۃ العمر میں اختلاف روایات  
دوسری بات احادیث الباب میں حضرت ابراہیم کی مدۃ العمر کے بارے میں ہے  
پہلی حدیث میں اٹھارہ ماہ ہے اور دوسری حدیث میں سبعین لیلتہ یعنی تقریباً  
سوا دو ماہ، اس میں پہلی روایت صحیح ہے اور ایک قول اس میں سولہ ماہ کا بھی ہے

اور وہ اس لئے کہ ان کی پیدائش ذی الحجہ ششم میں ہے اور وفات دس ربیع الاول سلمہ میں، اس صورت میں  
ماہ ولادت و وفات دونوں کو مستقل شمار کرنے کی صورت میں پورے سولہ ماہ بن جاتے ہیں، و قد مر فی کتاب الصلاۃ  
فی باب صلاۃ الکسوف۔

### باب الصلاۃ علی الجنائزۃ فی المسجد

یہ شافعیہ حنابلہ کے نزدیک جائز ہے بلا کراہت، اور حنفیہ مالکیہ کے نزدیک مسجد جماعت میں مکروہ ہے تحریم، وقیل تنزیہاً۔  
عن عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت واللہ ما صلی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم علی مہیل  
ابن البیضاء الا فی المسجد۔ اور اس کے بعد کی روایت میں ہے: علی ابی بیضاء فی المسجد۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں واللہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مہیل بن بیضاء اور اسکے  
بھائی کی نماز جنازہ مسجد ہی میں پڑھی تھی۔

یہ روایت یہاں مختصر ہے اور صحیح مسلم میں مفصلاً ہے وہ یہ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت سعد  
بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نماز جنازہ کے بارے میں یوں فرمایا کہ اس کو مسجد میں لے آئیں تاکہ وہ بھی ان  
پر نماز پڑھ سکے، لوگوں کو اس پر اشکال ہوا، اس پر انہوں نے فرمایا: ما سرع الناس ما سرع رسول اللہ صلی اللہ  
تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم علی مہیل بن البیضاء الا فی المسجد۔

شافعیہ حنابلہ کا استدلال باب کی اس پہلی حدیث سے ہے، اور حنفیہ مالکیہ کی دلیل باب کی دوسری حدیث ہے

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم من صلی علی جنازة

فی المسجد فلا شیء لہ۔

شافعیہ وغیرہ نے اس کے دو جواب دیئے اول یہ کہ وہ ضعیف ہے تفریبہ صالح مولی التوامۃ، دوسرا یہ کہ ایک روایت میں فلا شیء علیہ ہے، لیکن اگر اس حدیث کا ضعف تسلیم بھی کر لیا جائے تب بھی حدیث عائشہ جو کہ صحیح مسلم کی حدیث ہے وہی کون سی شافعیہ کے موافق ہے بد و وجہ، اول یہ کہ روایت میں ہے: فانکر الناس علیہا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عام طور سے صحابہ کے ذہنوں میں اس کی گراہت تھی، آخر وہ کیوں تھی، دوسرے اس لئے کہ حضرت عائشہ صلاۃ فی المسجد کے بارے میں جو نظیر پیش کر رہی ہیں وہ صرف ایک دو جنازہ کی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا یہ معمول نہیں تھا، خلاف معمول غالباً کسی عارض کی بنا پر یہ نماز مسجد میں پڑھی ممکن ہے اعتکاف وغیرہ کی حالت ہو یا زائد سے زائد بیان جواز جو کراہت کے منافی نہیں ہے واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب، اور نیز میں اس پر تفصیلی کلام حضرت شیخ نے کیا ہے اس کو نیچے حاشیہ میں دیکھئے لہ

ہیمل ابن بیضاء میں، بیضا ہیمل کی والدہ کا لقب ہے، اور نام اس کا دُغْد ہے اور ہیمل کے باب کا نام دہب بن بریۃ القرشی ہے، قال النووی دکان ہیمل قدیم الاسلام ہاجر الی الحبشۃ ثم عاد الی مکہ ثم ہاجر الی المدینۃ وشہد بدر وغیرہا

لہ قال ابن رشد وسبب الخلاف فی ذلک حدیث عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا الآتی عندنا لک فی الموطا حدیث ابی ہریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال من صلی علی جنازة فی المسجد فلا شیء لہ، وحدیث عائشہ ثابت وحدیث ابی ہریرۃ غیر ثابت ادعیہ متفق علی ثبوتہ لکن اکابر الصحابہ علی عائشہ یدل علی اشتہار العمل بخلاف ذلک عندہم، وشہد لذلک بروزہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم للمصلی لصلاۃ علی النجاشی لہ قلت حدیث ابی ہریرۃ اخرہ ابو داؤد والطحطاوی وابن ماجہ وابن ابی شیبہ، قال الحلی رواہ ابو داؤد وابن ماجہ عن ابن ابی ذئب عن صالح مولی التوامۃ، وصارح قال ابن معین ثقۃ لکنہ اختلف قبل موتہ فمن سمع منہ قبل ذلک ثبت حجتہ، وکلہم علی ان ابن ابی ذئب سمع منہ قبل الاختلاف قلت وحدیث ابی ہریرۃ عندنا ابن ابی شیبہ فیہ زیادۃ ونقص، قال دکان اصحاب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اذا تعفین بہم المکان رجعو ولم یصلوا! ویسط ابن الترمذی فی الجوز النقی ان صاحبائنا تکلم فیہ لاختلاف، ولا اختلاف فی عدالتہ، وابن ابی ذئب سمع منہ قبل الاختلاف، الی آخر ما فی الادب ج ۵، ۴، وفیہ ایضاً قال محمد فی موطا: وموضع الجنازة بالمدينة خارج المسجد وهو الموضع الذي كان النبي صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یصلی علی الجنازة فیہ، وقال الحافظ فی التلخیص ان یصلی الجنازۃ بالمدينة کان لاصفاً مسجد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم من ناحیۃ جہۃ المشرق ودل حدیث ابن عمر علی انہ کان للجنازة مکان معد للصلاة علیہا فقد استقامتہ ان ما وقع من الصلاة علی بعض الجنازۃ فی المسجد کان لامر عارض اولیان الجواز لہ

## توفی سلمہ، نیز امام نووی فرماتے ہیں کہ جو بیضارتین میں سہل، سہیل اور صفوان اہ باب الدفن عند طلوع الشمس وغروبها

انہ سمع عقبہ عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال ثلاث ساعات كان رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم

ينها ان تطلعي فيهن او تغربي فيهن موتانا الخ۔

یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان اوقات ثلاثہ میں نماز پڑھنے سے اور میت کو دفن کرنے سے منع فرمایا ہے  
طلوع شمس، عند الاستوار، وعند الغروب، اوقات منہیہ مکروہہ کا بیان کتاب الصلاة باب الصلاة بعد العصر میں الدر المنصور،  
جلد ثانی ص ۵۲ پر بالتفصیل گزر چکا۔

اوقات منہیہ میں صلوة جنازہ میں مذاہب اربعہ | اوقات منہیہ میں صلوة جنازہ کے بارے میں وہاں یہ گزرا ہے کہ بعد العصر اور بعد الفجر  
تو بالاجماع جائز ہے، اور ان اوقات ثلاثہ مذکورہ فی الحدیث

کے بارے میں — حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ اگر جنازہ خاص ان ہی اوقات میں پہنچا ہے تب تو ان اوقات میں پڑھنا  
جائز ہے بلکہ افضل ہے اور تاخیر نہ کی جائے، کما فی الطحاوی علی المراتی، ورنہ نہیں، اور امام شافعی کے نزدیک ان تینوں  
اوقات میں بلا کراہت جائز ہے اس لئے کہ نماز جنازہ ذات السبب ہے اور فاضل ذوات السبب ان کے یہاں مطلقاً  
تمام اوقات میں جائز ہیں، اور امام احمد کے نزدیک ان تینوں اوقات میں ناجائز ہے اور امام مالک کے نزدیک ان تین  
میں سے دو میں ناجائز ہے اور عند الاستوار جائز ہے اس لئے کہ یہ وقت ان کے یہاں اوقات منہیہ میں سے نہیں ہے۔

اوقات منہیہ میں دفن میت میں اختلاف ائمہ | دوسرا جزر اس حدیث کا دفن فی ہذہ الاوقات ہے، اس کے  
بارے میں یہ ہے کہ دفن عند الجہور ان اوقات میں مکروہ نہیں

یہی حنفیہ و مالکیہ کا مذہب ہے، البتہ امام احمد کے یہاں مکروہ ہے کما فی المغنی والروض المربع، اور امام شافعی کا مسلک  
امام خطابی نے یہ لکھا ہے: وكان الشافعي يرى الصلاة على الجنازة اى ساعة شاء من ليل او نهار، وكذلك الدفن اى وقت  
كان من ليل او نهار، یعنی امام شافعی کے نزدیک صلوة اور دفن دونوں کا حکم یکساں ہے یعنی مطلقاً جواز فی جمیع الاوقات،  
لہذا خلاصہ یہ نکلا کہ دفن فی ہذہ الاوقات عند الجہور و منہم لائتہ الثلاثہ الحنفیہ و المالکیہ و الشافعیہ جائز ہے اور ائمہ میں  
سے صرف امام احمد کے یہاں مکروہ ہے، لہذا یہ حدیث حنا بلکہ کے نزدیک تو اپنے ظاہر پر رہی چنانچہ امام ابو داؤد  
چونکہ حنبلی ہیں انہوں نے اس حدیث کو ظاہر پر رکھ کر باب الدفن قائم کیا، اور حنفیہ و مالکیہ کے نزدیک مؤول ہے کہ  
دفن سے مراد صلوة علی الجنازہ ہے، اور شافعیہ کے ہر حال میں خلاف ہے کیونکہ ان کے یہاں دونوں جائز ہیں ان کے  
زیدک اس کو صلوة جنازہ پر محمول کرتا مفید نہیں اسی لئے امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک اور راہ اختیار کی وہ یہ کہ قبر



سے مراد تو دفن ہی ہے، لیکن مطلق دفن مراد نہیں بلکہ بعد الدفن فی هذه الاوقات یعنی قصداً تاخیر کر کے ان اوقات میں پڑھنا، لکھا صرح صوبہ فی شرح مسلم فی شرح ہذا الحدیث، لیکن امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو صلاۃ پر محمول کرتے ہوئے ترجمہ قائم کیا، ما جاز فی کراہیۃ صلاۃ الجنازۃ عند طلوع الشمس وعند غروبہا۔ امام ترمذی کے بارے میں مشہور تو یہی ہے کہ وہ شافعی المسلک ہیں لیکن ان کے اس ترجمہ سے مسلک شافعیہ کی تو کوئی موافقت ہو نہیں رہی ہے، ہاں جمہور کی تائید یہی ہے۔ والحدیث آخرجہ مسلم والترندی والنسائی وابن ماجہ، قالہ المنذری۔

### باب اذا حضر جنازۃ رجال ونساء من یقدم

یعنی اگر مردوں اور عورتوں دونوں کے جنازہ ایک وقت میں جمع ہو جائیں تو کس کو مقدم کیا جائیگا یعنی امام کے قریب؟ حدیثی عمار مولى العارث بن نوفل انه شهد جنازة ام كلثوم وابنها فجعل الغلام مسایلی الامام فانکرت خلفه۔ یعنی ام کلثوم بنت علی، زوجہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ اور ان کا بیٹا زید بن عمر ان دونوں کا جنازہ لایا گیا اور زید کے جنازہ کو امام کے قریب رکھا گیا، عمار کہتے ہیں میں نے اس پر اشکال کیا، اس وقت جماعت میں حضرت ابن عباسؓ ابو سعید خدریؓ اور ابو قتادہؓ اور ابو ہریرہؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی موجود تھے فقالوا هذا السنة یعنی ان سب نے فرمایا کہ مسنون طریقہ یہی ہے، فی الادجز، وعلى هذا اکثر العلماء وقول الصحابی: هي السنة۔ لہ حکم الرفع، وقال الحسن وسالم والقائم النساء مسایلی الامام والرجال مما یلی القبلة، قالہ النذقی، یعنی ان حضرات کے نزدیک ترتیب بالعکس ہے کہ عورت کے جنازہ کو امام کے قریب اور مرد کے جنازہ کو قبلہ کے قریب لیا جائے اور ابن رشد نے اس میں ایک تیسرا قول بھی لکھا ہے وہ یہ کہ دونوں کی نماز علیحدہ علیحدہ پڑھی جائے، مردوں کی الگ، عورتوں کی الگ، والحدیث آخرجہ النسائی، قالہ المنذری۔

### باب ان یقوم الامام من المیت اذا صلی علیہ

یعنی امام کو جنازہ کے کس حصہ کے مقابل کھڑا ہونا چاہیے۔

مسئلہ الباب میں مذاہب ائمہ اس میں مذاہب ائمہ یہ ہیں کہ اگر مرد کا جنازہ ہے تو جمہور علماء اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک عند صدرہ، اور امام مالک کے نزدیک عند وسطہ، اور اگر جنازہ عورت کا ہے تو اس میں حنفیہ کا مسلک یہی ہے جو مرد کے حق میں ہے یعنی عند صدرہ اور باقی ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اس طرح ہے عند الشافعی حیال عجیز تھا، وعند احمد عند وسطہا، وعند مالک حیال منکبھا۔

عن نافع ابی غالب قال کنت فی سبکة المربد فمررت جنازة معہا ناس کثیر، وقال اجنازة عبد اللہ بن عمیر سکتہ المربد بصور میں ایک جگہ کا نام ہے، ویسے مربد بکری اور اونٹ کے بارے کو کہتے ہیں، ابو غالب کہتے ہیں کہ میں

سکتہ المرید میں تھا تو میرے سامنے ایک جنازہ گذرا جس کے ساتھ بڑا مجمع تھا لوگ کہتے تھے کہ یہ عبداللہ بن عمر کا جنازہ ہے تو میں بھی اس کے ساتھ چلنے لگا، اچانک میری نظر ایک ایسے شخص پر پڑی جس نے بایک سی چادر اوڑھ رکھی تھی تو ایک ترک گھوڑی پر سوار تھا، جس نے اپنے سر پر ایک کپڑا ڈال رکھا تھا دھوپ بچے کیلئے، تو میں نے پوچھا کہ یہ چودھری صاحب کون ہیں، لوگوں نے کہا کہ یہ انس بن مالک ہیں پس جب جنازہ رکھا گیا تو حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس پر نماز پڑھانے کیلئے اس کے قریب کھڑے ہوئے جس میں انہوں نے چار تکبیرات کہیں، نماز سے فارغ ہو کر جب وہ بیٹھنے لگے تو لوگوں نے عرض کیا کہ یہ ایک انصاری عورت کا جنازہ ہے اس پر بھی نماز پڑھ دیجئے وعلیہا نغش اخضر جس پر سبز رنگ کا گہوارہ تھا مقام عند عجیز تھا لوگوں نے پوچھا کیا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اسی طرح نماز جنازہ پڑھتے تھے، یعنی چار تکبیریں اور مرد کے جنازہ میں سر کے قریب اور عورت کے جنازہ میں سرین کے قریب، تو انہوں نے جواب دیا ہاں ایسے ہی پڑھتے تھے۔ اس کے بعد پھر روایت میں حضرت انسؓ نے غزوہ حنین کا ایک خاص واقعہ سنایا جس میں یہ ہے کہ غزوہ حنین میں شروع میں مسلمان بھاگ پڑے تھے اور کفار میں ایک شخص ایسا تھا جس نے بہت ہی مسلمانوں میں خونریزی کر رکھی تھی جس کے بارے میں ایک صحابی نے یہ نذر مان لی کہ اگر ہم نے اس کا فریاد پالیا تو میں اس کی گردن اڑاؤں گا، پھر جب آخر میں مسلمانوں کو فتح ہوئی اور ان کافروں کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لایا جا رہا تھا بیعت علی الاسلام کے لئے تو ان میں یہ کافر بھی آپ کے پاس آیا اور اگر آپ کے ہاتھ پر بیعت ہونے کا ارادہ کیا مگر آپ قصداً اس کی بیعت سے رکے رہے تاکہ وہ صحابی اپنی نذر پوری کر لیں، مگر وہ صحابی اس انتظار میں رہے کہ آپ ان کو اس کے قتل کا حکم فرمائیں، اور بغیر آپ کی اجازت کے اس کو قتل کرنے کی ان کو ہمت نہ ہوئی، اس میں کچھ وقفہ بھی ہو گیا جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا کہ وہ صحابی ویسے ہی کھڑے ہیں اپنی نذر پوری نہیں کر رہے ہیں تو آپ نے اس کو بیعت فرما کر اسلام میں داخل فرمایا، اس پر وہ صحابی عرض کرنے لگے یا رسول اللہ میری نذر کا کیا ہوگا، آپ نے فرمایا کہ میں اپنا ہاتھ اسی لئے تو روکا تھا بیعت سے تاکہ تو اپنی نذر پوری کر لے، تو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ نے میری طرف آنکھ سے اشارہ کیوں نہ فرمادیا، تو آپ نے فرمایا کہ نبی اپنی آنکھ سے اس قسم کا اشارہ نہیں کیا کرتا جس میں ظاہر اور باطن کی مطابقت نہ ہو۔ اس قسم کا واقعہ کتاب الجہاد، باب قتل الایسر ولای عرض علیہ الاسلام، میں عبداللہ بن ابی سرح سے متعلق گذر چکا ہے وہاں پر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد گذرا ہے انہ لاینبغی لنبی ان یتکون له فائتہ الایمن۔ اور یہاں پر روایت کے الفاظ یہ ہیں انہ لیس لنبی ان یومض۔

اس پر ایک سوال اور جواب بھی وہاں گذر چکا۔ یہاں آگے روایت میں ہے: ابو غالب کہتے ہیں کہ میں نے لوگوں سے دریافت کیا حضرت انس کے اس عمل کے بارے میں، یعنی عورت کے جنازہ میں اس کے سرین کے قریب کھڑا ہونا۔ تو انہوں نے یہ بیان کیا کہ انہوں نے ایسا اس لئے کیا کہ اس زمانہ میں عورتوں کے جنازوں پر گہوارے نہیں ہوا

کرتے تھے اس لئے امام اس کے سرین کے قریب کھڑا ہو جایا کرتا تھا پردہ کے لئے۔ اس پر حضرت نے بذل میں تحریر فرمایا ہے کہ اس سے معلوم ہوا کہ عورت کے جنازہ میں امام کا قیام حیا ل عجز تھا خلاف اصل اور عارض کیوجہ سے ہے، اور اصل محل اس کا صدر ہی ہے، لیکن چونکہ صدر اور راس دونوں قریب قریب ہیں تو ہو سکتا ہے دور سے دیکھنے والا یہ سمجھا ہو کہ سر کے قریب کھڑے ہوں اس لئے اس نے عند رائدہ کہہ دیا، لیکن — لوگوں کے اس جواب پر یہ اشکال ہے کہ یہاں پر تو روایت میں تصریح ہے گہوارہ ہونے کی وعلیہا نغش اخضر، تو اس کی توجیہ یہ ہو سکتی ہے کہ اصل بات تو وہی ہے جو لوگوں نے بیان کی لیکن حضرت انس چونکہ مطلقاً قیام حیا ل عجز تھا کے قائل تھے اس لئے انہوں نے باوجود گہوارہ کے ایسا کیا۔

والحدیث اخرجه الترمذی وابن ماجه، قاله المنذری۔

عن سمرة بن جندب رضى الله تعالى عنه ..... فقام عليها للصلاة وسطها۔

ہمارے استاد مولانا امیر احمد کاندھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے تھے کہ یہ حدیث حنفیہ کے خلاف نہیں اس لئے کہ سینہ بھی وسط ہی ہے اس لحاظ سے کہ سینہ کے نیچے بھی دو عضو ہیں بطن اور رگبتین (ٹانگیں) اور اوپر بھی دو عضو ہیں سر اور منگیبن، اور اگر کوئی پیمائش کے اعتبار سے اشکال کرنے لگے تو ہم کہیں گے کہ دونوں ہاتھوں کو سر کی جانب اٹھا کر پھیلا دیا جائے پھر پیمائش میں بھی برابری ہو جائے گی۔ یہ جواب تو بس ایک لطیفہ ہی ہے۔

والحدیث اخرجه البخاری ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجه، قاله المنذری۔

## باب التكبیر علی الجنازة

نماز جنازہ میں عدد تکبیرات میں روایات مختلف ہیں، قاضی عیاض فرماتے ہیں: صحابہ کے آثار اس میں تین سے لیکر نو تک ہیں، لیکن بعد میں چار کے عدد پر فقہاء اور اہل فتویٰ کا اجماع منعقد ہو گیا احادیث صحیحہ کی بنا پر اور میرے علم میں نہیں کہ کسی فقیہ کے نزدیک اس میں پانچ تکبیرات ہوں سوائے ابن ابی لیلیٰ کے (بذل) حدیث الباب میں صلاۃ علی القبر کا ذکر ہے، صلاۃ علی القبر پر آئندہ مستقل ایک باب آ رہا ہے۔

عن ابن ابی لیلی قال کان زید یغنی ابن ارقم: یکبر علی جنازتنا اربعاً، وانه کبر علی جنازة خمساً

ابن ابی لیلی جن کا مسلک اوپر قاضی عیاض کے کلام میں گذرا اس کا ماخذ یہی روایت ہوگی، اور اوپر یہ گزری چکا کہ اس میں اختلاف شروع میں رہا ہے بعد میں چار تکبیرات پر اجماع ہو گیا تھا۔

والحدیث اخرجه مسلم والترمذی والنسائی وابن ماجه، قاله المنذری۔

## باب ما یقرأ علی الجنائزۃ

صلیت مع ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما علی جنازۃ فقرأ بفاتحة الكتاب، فقال انهما من السنة۔ نماز جنازہ میں حنفیہ والکبیر کے نزدیک قراۃ فاتحہ نہیں ہے، امام شافعی واحمد کے نزدیک ہے، ہمارے فقہاء فرماتے ہیں: والآثار فی عدہا اکثر، یعنی بہ نسبت ثبوت کے نفی قرار ت میں آثار زیادہ ہیں، حنفیہ کے نزدیک سورہ فاتحہ بہ نیت تیار پڑھی جاسکتی ہے بہ نیت قرار ت نہیں۔

صلۃ جنازہ کے ارکان ائمہ اربعہ کے نزدیک کیا کیا ہیں اس کی تفصیل او جزی میں مذکور ہے، حنفیہ کا مذہب اس میں یہ لکھا ہے کہ ان کے نزدیک صرف دو رکن ہیں تکبیرات اربعہ اور قیام، لہذا قاعد بلا عذر جائز نہیں صرف تکبیر اولیٰ میں رفع یدین کیا جائے اور شان پڑھی جائے، اور دوسری تکبیر کے بعد صلاۃ علی البنی پڑھا جائے اور تیسری کے بعد دعا اور چوتھی تکبیر کے بعد سلام کذا فی الدر المختار، وقال ابن الہمام: اما رکائہا فالذی یفہم من کلامہا انہا الدعاء والقیام والتکبیر الی آخرہ باسقاط، اور قرار ت فاتحہ کو کتب شافعیہ وحنابلہ میں ارکان میں شمار کیا ہے۔ والحدیث أخرجه البخاری والترمذی والنسائی، قال المتذری۔

## باب الدعاء للمیت

اذا صلیت علی المیت فأخلصوا له الدعاء۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرما رہے ہیں کہ جب تم کسی میت پر نماز پڑھو تو تم اس کے لئے اخلاص تام کیساتھ دعا کرو۔ اب یہ کہ کیا دعا پڑھی جائے ان کا ذکر آئندہ آنے والی روایات میں آرہا ہے، والحدیث أخرجه ابن ماجہ، قال المتذری۔

شہادت مروان سأل اباه ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ کیف سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ

والہ وسلم یصلی علی الجنائزۃ؟ قال امع الذی قلت، قال: نعم، قال: کلام کان بینہما قبل ذلک۔

علی بن شماس کہتے ہیں کہ میں مروان امیر مدینہ کے پاس موجود تھا جبکہ اس نے سوال کیا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہ تم نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو نماز جنازہ میں کونسی دعا پڑھتے ہوئے سنا؟ اس سوال کا جواب آگے آرہا ہے، لیکن جواب دینے سے پہلے حضرت ابو ہریرہ نے اس سے فرمایا کہ کیا باوجود اس کے تو مجھ سے سوال کرتا؟ جو میں نے کہا تھا۔ اور ہو سکتا ہے یہ خطاب کا صبیحہ ہو، یعنی باوجود اس کے جو تو نے کہا تھا، اس کی تشریح راوی یہ کر رہا ہے کہ ان دونوں کے درمیان اس سے قبل کوئی بات پیش آئی تھی، یہ اس کی طرف اشارہ ہے تو حضرت ابو ہریرہ

کے کلام کا حاصل یہ ہے کہ جو بات میرے اور تیرے درمیان پیش آئی تھی اس کا تقاضا تو یہ تھا کہ تو مجھ سے سوال نہ کرتا، مردان نے جواب دیا کہ ہاں باوجود اس کے سوال کر رہا ہوں، جو ہونا تھا ہوا عند الاستیاج تو رجوع کرنا ہی پڑتا ہے نماز جنازہ میں جو دعائیں وارد ہیں آگے اس دعا کا بیان ہے: اللهم انت ربہا وانت خلقتها وانت

هدیتھا للاسلام وانت قبضت روحھا وانت اعلم بسرار علانیہا جثثا شفعاء فاغفرلہ۔ اور موطا کی روایت میں ہے ابو سعید خدری نے حضرت ابو ہریرہ سے سوال کیا کہ آپ نماز جنازہ کیسے پڑھتے ہیں انہوں نے کہا کہ میں جنازہ کے ساتھ اس کے گھر سے چلتا ہوں پھر جب وہ سامنے رکھ دیا جاتا ہے تو تکبیر اولیٰ کے بعد اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کرتا ہوں اور دوسری تکبیر کے بعد اللہ تعالیٰ کے نبی پر صلاۃ و سلام اور تیسری تکبیر کے بعد یہ پڑھتا ہوں اللهم عبدک وابن عبدک وابن آدم کان لک الحمد ان لا الہ الا انت وان محمد عبدک ورسولک وانت اعلم بہم اللهم ان کان محسنًا فزدنی احسانہ وان کان مسیئًا فنحیہ عن سبیئہ اللهم لا تحرمننا اجرہ ولا تغبننا بعدہ اس دعا کے بارے میں ابو ہریرہ کو پڑھنا مستحب جیسا کہ انکی کتابوں میں تصریح ہے اور حنفیہ کی کتابوں میں جو دعا مذکور ہے وہ آئندہ روایت میں قدرے تفاوت سے آ رہی ہے، یعنی الادا جرح ہے، وروی هذا الدعا (یعنی جو کتب حنفیہ میں ہے) عن ابی ہریرۃ مر فوعا عند احمد والترمذی وابن داؤد وابن حبان والبیہقی اھ اور شرح اتناج ۱۸۹ میں لکھا ہے کہ کامل دعایہ ہے۔ اور پھر اس کی ابتداء انہوں نے اسی دعا سے کی جو حنفیہ کی کتابوں میں ہے۔ اس کے بعد کچھ اور دعائیں ہیں جو اسی دعا کے ساتھ شامل کر کے ان کے یہاں پڑھی جاتی ہیں، اور صحیح مسلم میں عوف بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو ایک نماز جنازہ میں یہ دعا پڑھتے ہوئے سنا اللهم اغفرلہ وارحمہ دعا فیہ واعف غنہ واكرم نزلہ ودرج مدخلہ واغسلہ بالماء والثلج والبرد وقل من الخطایا کما کفیت الثوب الابيض من الدنس، وابدلہ دارہ اخر من دارہ واهلا خیر من اهلہ وزدوا خیرا من زوجہ وأدجلہ الجنة وأعدک من عذاب القبر ومن عذاب النار، آگے وہ فرماتے ہیں کہ یہ دعا سن کر میں یہ تمنا کرنے لگا کہ کاش یہ جنازہ میرا ہوتا، اور حنا بلہ کے نزدیک جیسا کہ ان کی کتابوں میں لکھا ہے یہ دعا ہے: اللهم اغفر لحینا ومیتنا وشاهدنا وغائبنا وصغیرنا وکبرنا وانثانا انک تعلم منقلبنا ومثوانا وانت علی کل شیء قدیر، اللهم من احییہ منا فاحییہ علی الاسلام والسنة ومن توفیہ فتوفہ علیہا اللهم اغفرلہ وارحمہ۔ اور اس کے ساتھ وہ دعا جو صحیح مسلم سے گزری۔ (العدہ شرح العمدة ص ۱۱۱)

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال صلی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم علی جنازۃ فقال اللهم اغفر لحینا ومیتنا وصغیرنا وکبرنا ان ذآخرہ اللهم لا تحرمننا اجرہ ولا تغبننا بعدہ۔ حدیث شملخ اخرجه النسائی فی الیوم واللیلۃ، وحدیث ابی سلمۃ اخرجه الترمذی والنسائی، قالہ المنذری۔

عن واثله بن الاسقع رضى الله تعالى عنه قال صلى بنا رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم على رجل من المسلمين فسمعت يقول: اللهم ان فلان ابن فلان في ذمتك وحبل جوارك فقه من نستتر القبر وعذاب النار وانت اهل الوفاء والحق اللهم فاغفر له وارحمه انك انت الغفور الرحيم.

اخر جابر بن ماجه قال المنذرى -

## باب الصلاة على القبر

اس مسئلہ میں مذہب امامہ | صلاة على القبر کا مسئلہ مختلف فیہ ہے، شافعیہ وحنابلہ کے نزدیک مطلقاً جائز ہے مالکیہ کے نزدیک علی المشہور ناجائز ہے اور یہی حنفیہ کا مذہب ہے کافی الشروح،

فقہ الاویز عن الزرقانی، واما الصلاة على القبر فقال بمشروعية الجمهور منهم الشافعي واحمد وابن وهب، ومالك في رواية شاذة، والمشهور عنه منعه، وروى قال ابو حنيفة والحنفي وجماعة، وعنه ان دفن قبل الصلاة شرع والا فلا، وقال الأبي في الاكمال؛ مشهور قول مالك المنع، والشاذ جوازها فيمن دفن بغير صلاة اه امام مالك كما جوقول شاذ ہے وہی حنفیہ کا مذہب ہے فقہ الہدایۃ ان دفن الميت ولم یصل علیہ صلی علی قبرہ لان النبی صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم صلی علی قبر امراة من الانصار، ویصلی علیہ قبل ان یتفقد، والمعتبر فی معرفۃ ذلك اکر الرأی هو الصحیح، لا اختلاف الحال والزمان والمكان، وفي هامشه احتراز عمار روى في الامالي عن ابی یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ انہ یصلی علی الميت فی القبر الی ثلاثۃ ایام اه گویا مالکیہ کا مشہور قول لویہ ہوا کہ مطلقاً ناجائز ہے اور حنفیہ کے نزدیک صلاة على القبر اس صورت میں جائز ہے جبکہ میت کو بغير صلاة کے دفن کر دیا گیا ہو، اب یہ کہ کب تک پڑھی جاسکتی ہے اس میں ایک روایت یہ ہے کہ تین دن تک، اور دوسرے قول جس کو صاحب ہدایہ نے اختیار کیا مالم یتفقد ولم یتفقد یعنی جب تک قن غالت ہو کہ میت کا جسم پھولا پھٹا نہیں اتوں تک پڑھ سکتے ہیں جو لوگ مطلقاً جواز کے قائل ہیں ان کے یہاں بھی اس میں اختلاف ہے کہ کب تک پڑھی جاسکتی ہے، امام احمد اسحق کے نزدیک الی شہر، اور شافعیہ کی اس میں مختلف روایتیں ہیں، مثلاً اقوال احمد، وثمانی الی ثلاثۃ ایام، وثمانی مالم یقبل جسدہ اور جرح

عن ابی ہریرۃ رضى الله تعالى عنه ان امرأة سوداء اور رجلا كان یصلی المسجد ففقد النبی صلی اللہ

تعالی علیہ وآلہ وسلم تسأل عنه فقیل مات، فقال ألا ذنوبی بہ، قال ذنوبی علی قبرہ فقد لوه فصلی علیہ -

حدیث الباب میں اختلاف روایات | حاشیہ بذل میں حضرت شیخ لکھتے ہیں قال الحافظ فی الفتح ۳/۱ ان الشیخ من ثابت والصواب امرأة اسمها خرقار وکنیتها ام محمد الخ. وقال ايضا

المذکور فی حدیث ابن عباس بلفظ مات انسان کان صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم یعورہ وهو طلحة بن البرار رضى الله تعالى عنه ودهم من قال بالاول لتغاير القصتين وكذا قال العیسی اه اور موطا کی روایت میں ہے۔ من حدیث ابی امامۃ سہیل بن حنیف ان مسکینۃ مررت فأخبر رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم بمرضاہا، فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم

اذا ماتت فاذا نزل بها فخرج بجنازتها ليلدا فلهذا ان يوقظوا رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم، فلما أصبح رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم أخبر بالذي كان من شأنها (بعد سؤاله عنها) كما في رواية ابن أبي شيبة) فقال ألم أكرمكم ان تؤذوني بها فقالوا يا رسول الله كرمنا ان نخرجك ليلدا فلو قظك الحديث، قال ابن عبد البر هذا الحديث روى من وجوه كثيرة عن النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم كلها ثابتة من حديث ابى هريرة وعامر بن ربيعة وابن عباس رضي الله تعالى عنهم اهـ وكتب الشيخ في الاذنية قوله ان مسكنة وفي حديث ابى هريرة في الصحيحين وغيرهما ان رجلا اسود امرأة سوداء كان يعقم المسجد الى آخره باسطة۔

مضمون حدیث یہ ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک عورت سیاہ رنگ، یامرد (شک راوی ہے) جو مسجد میں جھاڑو لگایا کرتا تھا۔ تم یقیناً مراد ہے کنس کنس کے، قمار کہتے ہیں گناہ کو یعنی وہ کباڑ جو جھاڑو سے اکٹھا کیا گیا، ایک روز جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو نہ دیکھا تو اس کے بارے میں سوال فرمایا، تو لوگوں نے عرض کیا کہ اس کا تو رات انتقال ہو گیا تھا۔ یعنی دفن دیا گیا۔ آپ نے فرمایا مجھے کیوں نہ خبر کی تم نے اس کی اور پھر فرمایا کہ مجھ کو اس کی قبر بتاؤ کہ کہاں ہے، صحابہ نے آپ کو اس کی قبر کی خبر دی، آپ نے اس پر کھڑے ہو کر نماز پڑھی۔

اوپر یہ موطا کی روایت سے گذر چکا کہ آپ نے صحابہ سے یہ فرمایا تھا کہ اس کی موت کی خبر مجھے کرنا، مگر صحابہ کرام نے اسی خیال سے آپ کو اطلاع نہیں کی تاکہ رات میں آپ کو تکلیف نہ اٹھانی پڑے، بہر حال یہ حدیث حنفیہ مالکیہ کے خلاف ہے، اس حدیث پر مکمل کلام میری ایک تقریر میں اس طرح لکھا ہوا ہے، مفید ہونے کی وجہ سے اس کو نقل کیا جاتا ہے، اس میں لکھا ہے: شافعیہ و حنابلہ کے نزدیک قبر پر نماز مطلقاً پڑھی جاسکتی ہے، اب یہ کہ کب تک؟ اس میں روایات مختلف ہیں، امام احمد کے نزدیک زائد سے زائد — ایک ماہ تک، اور شافعیہ کے اس میں متعدد اقوال ہیں، منجملہ ان کے ایک تو یہی ہے، اور ایک قول ہے الی ثلاثہ ایام، وقیل: مالم یمل البجیہ، ابن عبد البر کہتے ہیں کہ اس پر اجماع ہے کہ مدت دراز گزرنے کے بعد نہیں پڑھی جائیگی لیکن ایک قول یہ بھی ہے — بخروالی الابد۔

حنفیہ کی طرف سے | حنفیہ و مالکیہ کی طرف سے اس روایت کا جواب یہ ہے کہ یہ آپ کی خصوصیت ہے اور جن صحابہ نے آپ کے ساتھ پڑھی انہوں نے تبعا پڑھی، اور دلیل خصوصیت یہ ہے کہ حدیث الباب کی توجیہ | صحیح مسلم کی روایت میں ایک زیادتی ہے وہ یہ کہ آپ نے فرمایا: ان هذه القبور مملوءة ظلمة وان الله يؤثرها بصلواتي عليها، یعنی یہ قبور بالکل تاریک ہوتی ہیں اور بیشک اللہ تعالیٰ میری ان پر نماز کی وجہ سے ان کو روشن کر دیتا ہے، صحیح جواب یہی ہے، ویسے ایک جواب یہ بھی دیا گیا ہے کہ چونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

نے صحابہ کو اطلاع کرنے کا حکم فرمایا تھا اور انہوں نے اطلاع کی نہیں تو گویا وہ پہلی نماز صحیح نہیں ہوئی، اور ایک جواب یہ بھی دیا گیا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے وعدہ کیا تھا سو یہ بمنزلہ نذر کے ہو گیا، یہ جواب ابی نے شرح مسلم میں دیا ہے، اول کو صحیح قرار دیا ہے، اور ایک جواب حنفیہ کی طرف سے بعض نے یہ بھی دیا ہے کہ عموم بلوئی میں اخبار آحاد معتبر نہیں، نیز امام مالک نے جواب دیا کہ اس پر عمل اہل مدینہ نہیں، ابن الہمام نے کہا کہ یہ حدیث ہمارے خلاف ہے مگر یہ کہ یوں کہا جائے کہ اس کو بغیر نماز کے دفن کر دیا گیا ہوگا، لیکن یہ بات صحابہ کرام سے مستبعد ہے اھ من الاوجز۔

والحدیث اخرجه البخاری وسلم وابن ماجہ، قال المتذری۔

## باب الصلاة على المسلم يموت في بلاد الشرك

اور امام ترمذی نے باب قائم کیا باب صلاة النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم على النجاشي، مصنف کا اشارہ بھی گواہی دیتا ہے لیکن وصف عام کے ساتھ تاکہ نجاشی کی خصوصیت نہ سمجھی جائے، گویا اس باب میں مصنف صلاة على الغائب کا حکم بیان کر رہے ہیں، اس میں بھی وہی اختلاف ہے جو پہلے باب میں تھا، شافعیہ حنابلہ کے نزدیک یہ جائز ہے، حنفیہ و مالکیہ کے نزدیک ناجائز، ابن تیمیہ کا مسلک اس میں یہ ہے کہ جس مسلم کا انتقال دار الحرب میں ہو اس کی غائبانہ نماز جنازہ دار الاسلام میں پڑھی جاسکتی ہے اور یہی قید وہ ہے جس کو مصنف نے ترجمۃ الباب میں ذکر کیا ہے، اور بعض علماء (ابن حبان) کے نزدیک یہ اس صورت میں ہے جبکہ میت جہت قبلہ میں ہو اور اگر بلد یمیت قبلہ کی جانب نہ ہو تب جائز نہیں۔

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نسی للناس النجاشی فی الیوم الذی مات فیہ وخرج بہم الی المصلی نصف مہم وکبر لہ بع تکبیرات۔

نجاشی کا نام اصحہ تھا، ویسے نجاشی لقب ہے ہر ملک حبشہ کا ان کی وفات ۳۵ھ میں ہوئی کما فی الخیر السلفی وقال ابن الاثیر: اسلم فی عہد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، وتوفی ببلادہ قبل فتح مکہ اھ مختصر أعون، ان کا ذکر ہمارے یہاں کتاب الطہارت باب المسح علی الخنین میں گذر چکا ہے۔

حدیث الباب میں یہ ہے کہ جس روز نجاشی شاہ حبشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال ہوا اسی دن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام کو ان کے انتقال کی خبر دی، اور آپ صحابہ کرام کو لیکر مصلی کی طرف تشریف لے گئے اور صحابہ کرام کی باقاعدہ صف قائم کر کے نماز جنازہ آپ نے ادا فرمائی چار تکبیرات کے ساتھ۔

مصلی سے مراد حدیث میں مصلی عیدین نہیں ہے بلکہ وہ جگہ مراد ہے جو نماز جنازہ پڑھنے کے لئے معین تھی



بقیع الغرقہ میں، یہ حدیث حنفیہ مالکیہ کے خلاف ہے جو صلاۃ علی الغائب کے قائل نہیں، مختصر اس کے دو جواب ہیں (۱) یہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیت ہے، چنانچہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام حجاب آپ کے سامنے سے ہٹا دیئے گئے تھے اور گویا جنازہ بالکل آپ کے سامنے تھا، اور ظاہرات ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ یہ چیز کسی اور کو حاصل نہیں ہو سکتی (۲) یا یہ کہا جائے کہ یہ حضرت نجاشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خصوصیت ہے اس لئے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے نجاشی کے علاوہ کسی اور میت غائب پر نماز پڑھنا ثابت نہیں، والحدیث اخرہ البخاری، مسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ، قال المنذری۔

عن ابی بردۃ عن ابیہ قال امرنا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان ننتقل الی ارض

النجاشی، فذکر حدیثہ۔

ابو بردہ اپنے والد حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں حکم فرمایا تھا، ہجرت الی الحبشہ کا یعنی مکہ مکرمہ سے۔ اس کے بعد ان کے والد نے ان سے اس ہجرت کی تفصیل بیان کی ہوں گی جو مصنف کی غرض سے علیحدہ ہیں ماسی لئے مصنف نے حدیث کو مختصر کرتے ہوئے فرمادیا، "فذكر حدیثہ" ان نجاشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واقعات مسلمانوں کے ساتھ احسان اور حسن سلوک کے تاریخ کی کتابوں میں مشہور ہیں۔ حدیث الباب میں ان کے اسلام لانے کا ذکر ہے وہ یہ کہ انہوں نے کہا میں گواہی دیتا ہوں اس بات کی کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور یہ وہی نبی آخر الزماں ہیں جن کی بشارت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نے دی تھی، اور اسلام لانے کے وقت یہ بھی کہا، "ولولانا فانیہ من الملئک لانیۃ حتی اخیل نعلیہ" اس میں انہوں نے اپنے ترک ہجرت الی المدینہ کا عذر بیان کیا ہے کہ اگر جس ملک اور بادشاہت میں میں اس وقت ہوں اگر اس کے عوارض اور لوازم میں مبتلا نہ ہوتا تو میں ہجرت کر کے آپ کی خدمت میں مدینہ منورہ حاضر ہوتا یا ہاتھ تک کہ آپ کے نعلین شریفین کو اٹھا کر (سر پر رکھنے کی) سعادت حاصل کرتا، رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاه وجعل الحجۃ مثاہ جو بادشاہ ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اس طرح مدح سرائی کر رہا ہو اور ان پر جان نثار ہو رہا ہو ہمیں بھی اس سے محبت ہونی چاہیئے، اگرچہ آپ کو کسی بادشاہ یا مخلوق کی مدح اور منقبت کی حاجت نہیں اسلئے کہ آپ کے مدح خواں تو خود اللہ رب العالمین ہیں، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم وشرق کریم وود وقر و عظم۔

لہ کذا تذکر من بعض الاساتذۃ لکن ذکر حصۃ من العیود، روی انہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم صلی علی اربعۃ من الصحابۃ الاولیٰ النجاشی، وقصۃ فی الکتاب المسننہ وغیرہا، والثانی معاویۃ بن معاویۃ المزینی والثالث والرابع زید بن حارثہ وجعفر بن ابی طالب، ثم بسط الروایات فی ذلک، وفیہ بعد ذکر الروایات والکلام علیہا، والحاصل ان الامر کما قال الحافظ ابن عبد البر والبیہقی والذہبی ان اسانید ہذا الاحادیث لیست بالقویۃ لکن فیہ تفصیل وحو۔ الی آخر ما ذکر۔

## باب فی جمع الموتی فی قبر والقبر ینعلم

اس باب میں مصنف نے جو حدیث ذکر کی اس کا مضمون یہ ہے کہ جب حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال ہوا جو کہ آپ کے رضاعی بھائی تھے، تو جب ان کو دفن دیا گیا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ایک صحابی کو حکم فرمایا کہ کوئی بڑا سا پتھر اٹھا کر لائیں، وہ گئے لیکن ان سے اٹھ نہ سکا، اس پر آپ خود یہ نفس نفیس تشریف لے گئے اور آپ نے اپنی دونوں آستینیں چڑھا کر اس پتھر کو اٹھایا اور عثمان بن مظعون کی قبر کے سرہانے اس کو رکھ دیا اور فرمایا کہ اس کو میں بطور علامت کے رکھ رہا ہوں، اور یہ بھی فرمایا: اور اسی کے قریب اپنے دوسرے اعزہ کو دفن کروں گا اس سے معلوم ہوا کہ قبر کے سرہانے نشانی کے طور پر کوئی پتھر وغیرہ رکھ دینا مناسب ہے، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ایک خاندان اور گھرانے کے لوگ اگر ایک ہی جگہ اور ایک ہی قبرستان میں دفنائے جائیں تو یہ بہتر ہے۔ ترجمہ الباب میں دو جزر تھے، اعلام قبر یعنی قبر پر کوئی علم اور نشان لگا دینا، اور دوسرا جزر جمع الموتی فی قبر ہے، حدیث الباب سے جزر ثانی تو ثابت ہو رہا ہے، جزر اول کے ثبوت میں اشکال ہے، مگر یہ کہ یوں کہا جائے کہ ترجمہ میں قبر سے مراد قبرستان اور مقبرہ ہے، چنانچہ بعض نسخوں میں اسی طرح ہے فلا اشکال حینئذ۔

## باب فی الحفار یجد العظم هل یتنکذک المکان؟

یعنی اگر گورکن کوئی قبر کھود رہا ہو اور پھر اس جگہ میں کسی میت کی ہڈی نکل آئے تو کیا اس جگہ کو چھوڑ کر دوسری جگہ قبر کھودے؟ کسر عظم المیت ککسرہ حیثاً۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میت کی ہڈی کو توڑنا ایسا ہی برا اور گناہ ہے جیسے زندہ کی ہڈی کو توڑنا۔

اس حدیث سے اتنا تو معلوم ہو رہا ہے کہ گورکن کو چاہیئے کہ اس ہڈی کو توڑے نہیں لیکن پورا ترجمہ الباب اس حدیث سے ثابت نہیں ہو رہا ہے، لیکن اس حدیث کا جو سبب ہے یعنی جس موقع پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یہ حدیث بیان فرمائی تھی اس سے ترجمہ الباب کا حکم معلوم ہو جاتا ہے، اور وہ روایت یہ ہے جس کو حضرت نے بذل میں، درجات مرقاۃ الصعود سے نقل کیا ہے وہ یہ کہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایک جنازہ کے ساتھ قبرستان گئے، جب ہم وہاں پہنچے تو قبر کھودی جا رہی تھی، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قبر کے کنارہ پر بیٹھ گئے، گورکن نے قبر کھودتے ہوئے ایک ہڈی نکال کر دکھائی جس کو وہ توڑنے لگا آپ نے اس کو توڑنے سے منع فرمایا ذکر مافی حدیث الباب، اور نیز فرمایا آپ نے اس ہڈی کو

اسی قبر میں ایک طرف کو دبا دے، اس سے ترجمۃ الباب کا حکم معلوم ہو گیا کہ دوسری جگہ قبر کھودنے کی ضرورت نہیں بلکہ وہیں اس ہڈی کو چھپا دیا جائے، لیکن احترام کے ساتھ توڑا پھوڑا نہ جائے۔  
والحدیث اخرجه ابن ماجه، قاله المنذرى۔

## باب فی اللحد

اللحد لنا والشق لغيرنا۔ قبر کی دو قسمیں ہیں تحد اور شق۔ شق تو وہی جو ہمارے دیار میں رائج ہے یعنی سیدھی قبر اور لحد بغلی قبر یعنی زمین شق کرنے کے بعد قبلہ کی جانب میں ایک غار گڈھا سا اور کھودتے ہیں اور پھر میت کو اس میں رکھتے ہیں، پیچھے کی طرف سے اس کو پاٹ دیتے ہیں، جہاں کی زمین سخت ہو وہاں یہ قبر بن سکتی ہے، جائز دونوں قسمیں ہیں، صحابہ کرام میں ایک صحابی لا حد تھے یعنی لحد بناتے تھے۔ ابو طلحہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اور ایک صحابی شقاق تھے وہ شق بناتے تھے یعنی ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

لنا سے مراد مومنین اُمت محمدیہ اور غیرتنا سے مومنین اُمم سابقہ، اور مطلب یہ ہے کہ ہم لحد کو اختیار کرتے ہیں وہ ہمارے لئے اونی ہے شق کے مقابلہ میں، اس صورت میں اس سے مقصود فضیلت لحد کو بیان کرنا ہے نہی عن الشق مقصود نہیں اس لئے کہ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ باوجود اپنی جلالت شان کے دین اور امانت میں یہ کام کرتے تھے، نیز اگر شق ممنوع ہوتا تو صحابہ کرام حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی قبر کے بارے میں فیصلہ نہ فرماتے کہ لا حد اور شقاق ان دونوں میں سے جو پہلے آئے گا اسی کو اختیار کیا جائے گا، اور سند احمد کی ایک روایت میں ”اللحد لنا والشق لغيرنا من اهل الكتاب“ ہے شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر مراد لنا سے مسلمین اور لغيرنا سے یہود و نصاریٰ ہیں تب تو اس صورت میں لحد کی فضیلت بلکہ کراہیت شق پر اس حدیث کی دلالت ظاہر ہے اور اگر مراد لغيرنا سے اُمم سابقہ ہیں تو اس میں صرف اشارہ ہے فضیلت لحد کی طرف (دونوں) اور کہا گیا ہے کہ لنا میں ضمیر جمع سے مراد خود متکلم کی ذات ہے یعنی آپ اپنے بارے میں فرما رہے ہیں کہ میں اپنے لئے لحد کو پسند کرتا ہوں اور لغيرنا سے مراد دوسرے لوگ، فقی الاوجز ص ۵۷: قال الطیبری یکن ان یکون علیہ الصلاۃ والسلام عنی بتخیر الجمع نفسہ ای اوثر لی اللحد وهو اخبار عن الکائن فیکون معجزۃ، قال السید هذا التوجیہ بعید جد القول علیہ السلام الشق لغيرنا، اور اس کے بعد ایک احتمال یہ لکھا ہے کہ لنا سے مراد معاشر الانبیاء یعنی اللحد لنا معاشر الانبیاء والشق جائز لغيرنا اھ۔ والحدیث اخرجه الترمذی والنسائی وابن ماجه قاله المنذرى۔

## باب کھید خل القبر

یعنی میت کو قبر میں رکھنے کے لئے گئے آدمی قبر میں اتریں۔

عن عامر قال غسل رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم علي والمفضل واسامة بن زيد  
وهما داخلوا قبرة، یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو غسل دینے والے یہ تین حضرات تھے علی، فضل بن  
عباس، اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ اور ان ہی نے آپ کو قبر میں اتارا تھا۔ اور آگے ایک روایت میں ہے  
کہ ان تینوں نے اپنے ساتھ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی شامل کر لیا تھا۔ یعنی اصل تو یہ تین  
آدمی تھے جو گھر کے تھے اور ان ہی نے ضرورہ حضرت عبدالرحمن بن عوف کو بھی شامل کر لیا تھا، قال علی انما ابی الرجل  
اھلہ، یعنی جب آپ کی تدفین سے یہ حضرات فارغ ہوئے تو چونکہ اور بڑے بڑے حضرات صحابہ کرام جاں نثار  
کھڑے ہوئے تھے جو اس عمل میں شریک نہیں تھے یعنی غسل اور قبر کے اندر اتارنے میں تو اس لئے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ  
نے بطور معذرت یہ جملہ فرمایا کہ میت کو اس کے گھر والے ہی دفنایا کرتے ہیں، مطلب تو ظاہر ہے کہ وہ یہ فرمانا چاہ رہے  
ہیں کہ اس کام کو کرنے والے ہم اس لئے نہیں ہیں کہ ہم اور وہ سے افضل ہیں بلکہ وجہ یہ ہے جو انہوں نے فرمائی،  
در اصل یہ مقام مقام تنافس تھا اور بڑے شرف کی چیز تھی جو اللہ تعالیٰ نے ان کو نصیب فرمائی اہل بیت میں سے  
ہونے کی وجہ سے۔

چار آدمیوں کا قبر کے اندر اتارنا جو ہمارے یہاں رائج ہے یعنی شق ایسے تو مشکل ہے لیکن یحد میں گنجائش ہوتی ہے

### باب کیف یدخل المیت قبرہ

یعنی میت کو قبر میں اتارنے کی کیفیت کیا ہونی چاہیے؟ اس میں دو مذہب ہیں ایک وہ جس کو حنفیہ نے اختیار  
کیا، وہ یہ کہ میت کو قبر میں قبلہ کی جانب سے اتارا جائے یعنی سر پر میت کو قبر کی دائیں جانب اس کے عرض میں رکھا  
جائے اور پھر اس کے پورے جسم کو ایک ساتھ اس میں داخل کر دیا جائے، دوسرا طریقہ یہ ہے جس کو شافعیہ اور حنابلہ نے  
اختیار کیا جیسا کہ حدیث الباب میں ہے کہ میت کو قبر کے پائتانہ سے داخل کرنا اولیٰ ہے اس صورت میں سر پر میت  
کو طولاً قبر کے نیچے کی طرف رکھا جائے گا اور پھر بتدریج اس کو قبر میں سر کی جانب سے داخل کیا جائے گا اور اس میں  
ایک تیسرا طریقہ ہے جو حضرت امام شافعی کا ایک قول ہے کہ میت کو قبر میں قبر کے سرہانے کی جانب سے داخل کیا جائے  
لہذا یہ تین قول ہو گئے، کذا فی العون عن سبل السلام، علامہ شوکانی وغیرہ نے حنفیہ کی دلیل میں یہ لکھا ہے کہ انہ اسرہ  
کہ یہ طریقہ داخل کرنے کا زیادہ آسان ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ اتباع السنۃ اولیٰ من الرأی، لیکن صاحب سبل السلام  
نے کہا ہے کہ یہ بات نہیں قلت بل ورد بہ النص فاذہم الترمذی من حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ما هو  
نص فی اذخال المیت من قبل القبلة وانہ حدیث حسن فیستفاد من المجموع انہ فعل بخیر فیہ اھ حاشیہ ہدایہ میں حضرت  
مولانا محمد حسن منبھلی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس تخمینہ کو امام مالک اور ظاہر یہ کا مذہب لکھا ہے، یعنی ان کے نزدیک اختیار ہے

اور دونوں برابر ہیں۔ یہ حدیث ابن عباس جس کی طرف صاحب السبل نے اشارہ کیا ہے وہ ہے جس کو امام ترمذی نے باب ماجاء فی الدفن باللیل میں ذکر فرمایا ہے: عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم دخل قبر لیلًا فأنشجہ لہ سراج فاخذہ من قبل القبلة وقال رحمک اللہ ان کنت لآذًا ہا تلاء للقرآن وکبر علیہ اربعًا قال ابو عیینہ حدیث ابن عباس حدیث حسن وقد ذهب بعض اہل العلم الی ہذا وقال یدخل المیت القبر من قبل القبلة، وقال بعضهم یسئل سئل اب رہا یہ مسئلہ کہ خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو کس طرف سے داخل کیا گیا؟ سو اس سلسلہ میں روایات مختلف ہیں چنانچہ پہلی میں ہے بروایت ابن عباس وابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما انہم ادخلوا النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم من قبل القبلة، لکن ضعف البیہقی، اور مسند شافعی میں ہے ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سل من قبل رأسہ، اور مرسل ابی داؤد میں ہے عن النخعی انہ علیہ السلام ادخل من قبل القبلة ولم یسئل سئل (از زبانی ۲۹۹) وفی الہدایہ: ویدخل المیت ما علی القبلة خلا فاللشافعی فان عنده یسئل سئل، لما روی انہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سئل سئل ولنا ان جانب القبلة معظم فیستقبل الاذخال منه، واضطربت الروایاتی اذ قال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم انہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ میں جو ایک تولیہ سل کا اس کا ایک جواب ہمارے بعض علماء سے یہ منقول ہے کہ حجرہ شریفہ میں جس جگہ آپ کو دفنایا گیا اس میں قبلہ کی جانب قرب حائط کی وجہ سے گنجائش نہیں تھی کہ سریر کو اس جانب رکھا جاتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب، اس موضوع پر مولانا عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ایک مستقل تالیف ہے، کشف الستار عن اذخال المیت فی القبر۔

اروی البزار ان یصلی علیہ عبد اللہ بن یزید فحصل علیہ شہاد خلہ القبر من قبل رجلی القبر وقال هذا من السنۃ۔ امام ترمذی نے اس مسئلہ پر مستقل باب قائم نہیں کیا بلکہ ”باب ماجاء فی الدفن باللیل“ کے ذیل میں حدیث ابن عباس جو ہمارے یہاں اوپر گزر چکی ذکر فرما کر اس مسئلہ کو ضمناً اسی باب میں بیان کر دیا ہے، اور ابن ماجہ میں اس مضمون کی دو روایتیں مذکور ہیں، عن ابی رافع قال سئل رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سعدا ورش علی قبرہ ماؤ اور دوسری عن ابی سعید ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اخذ من قبل القبلة واستل سئل، اور ایک نسخہ میں ہے: واستقبل استقبالاً۔

### باب کیف یجلس عند القبر

یعنی اگر قبر تیار ہونے میں دیر ہو وہ کھودی جا رہی ہو تو ایسی صورت میں لوگوں کو کیا کرنا چاہیے، عام طور سے بات چیت میں اور فضولیات میں لوگ لگ جاتے ہیں، اس کے بارے میں حدیث الباب میں یہ ہے حضرت برابر بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ ہم حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایک انصاری صحابی کے جنازہ میں قبرستان گئے، قبر ابھی تک تیار نہیں ہوئی تھی تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم روبرو قبلہ ساکت بیٹھ گئے، ہم بھی آپ کے ساتھ اسی طرح بیٹھ گئے۔ بذل میں ہے کہ نسائی کی روایت میں یہ زیادتی ہے: وجلسنا حولہ کان علی رؤسنا الطیر

بہتر یہ ہے کہ اس موقع کو غنیمت سمجھتے ہوئے میت کے ایصالِ ثواب کے لئے تلاوت کی جائے، حضرت شیخ نور اللہ رحمہ اللہ کی ایک صاحبزادی شادی شدہ جس کا جوانی ہی میں انتقال ہو گیا تھا اور حضرت شیخ جنازہ کے ساتھ قبرستانِ تشریف لے گئے تھے، قبر کھودی جا رہی تھی لوگ ایک سائبان کے نیچے انتظار میں بیٹھے ہوئے تھے، یہ احقر بھی حضرت شیخ کے پاس ہی بیٹھا تھا تو حضرت نے مجھ سے فرمایا کہ سورہٴ یسین پڑھ، اور حضرت خود بھی مسلسل پڑھتے رہے، یغفر اللہ تعالیٰ لنا ولہا۔ والحدیث الخریجہ النسائی وابن ماجہ، قالہ المنذری۔

### باب فی الدعاء للمیت اذا وضع فی قبرہ

یعنی میت کو قبر میں رکھتے وقت کیا دعا پڑھنی چاہیے، حدیث الباب میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا یہ معمول مذکور ہے کہ آپ اس وقت بسم اللہ وعلیٰ سترہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، پڑھا کرتے تھے۔ والحدیث الخریجہ النسائی مسنداً وموقوفاً، قالہ المنذری۔

### باب الرجل یموت لہ قرابۃ مشرک

یعنی اگر کسی مسلمان کا کافر عزیز و قریب مر جائے تو کیا کیا جائے؟

عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قلت للنبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان عملاً الشیخ الضال قد ماتۃ حضرت علی فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے آکر عرض کیا کہ آپ کے بوڑھے گمراہ چچا کا انتقال ہو گیا، اس پر آپ نے فرمایا: تو پھر چالپنے باپ کو مٹی میں دبا دے، اور یہ بھی فرمایا بطور اہتمام کہ کے دبانے کے بعد کسی اور کام میں نہ لگ جانا فوراً مجھ کو آکر اطلاع کرنا (ثم لا تتحدثن شیئاً) یہ احداث سے ہے جس کے معنی کوئی کام کرنا۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں فوراً گیا اور ان کو دبا کر آپ کے پاس آگیا تو آپ نے مجھے غسل کا حکم دیا، اور آپ نے میرے لئے دعا فرمائی۔ والحدیث الخریجہ النسائی، قالہ المنذری۔

### باب فی تعمیق القبر

یعنی قبر کتنی گہری ہونی چاہیے، قالت الخنفیۃ: ان یعنی الی الصدر والا فالی السرة (بذل) وفی۔ نور الایضاح، ویحفر القبر نصف قامۃ اوالی الصدر، وان یزدکان حسناً، اور امام شافعی کے نزدیک بقدر القامۃ، وقال مالک لاصد لا غماقہ (عون)

عن هشام بن عامر قال جاءت الانصار الی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یوم احد فقالوا اصابنا قرح وجهدنا

یعنی جنگ احد میں آپ کی خدمت میں بعض انصار آئے، اور اگر عرض کیا یا رسول اللہ آپ کو معلوم ہی ہے کہ ہم لوگ زخمی اور مشقت میں ہیں تو اب کیا کیا جائے، یعنی ستر قبریں کھودنا بڑا مشکل کام ہے تو اس پر آپ نے فرمایا کہ قبریں خوب گہری اور وسیع کھودو اور دو دین تین کو لیک ایک قبر میں دفناؤ، ہشام کہتے ہیں کہ میرے باپ عامر بھی اس روز شہید ہو گئے تھے جن کو دو کے درمیان دفنایا گیا تھا یا ایک کے ساتھ۔ اور نسائی کی روایت میں ہے: فكان ابی ثالث ثلاثہ فی قبر، بغیر شک کے، یعنی جس قبر میں میرے والد دفنائے گئے تھے تو اس میں دو ان کے علاوہ تھے۔ والحدیث اخبرہ الترمذی والنسائی وابن ماجہ، قالہ المتذری۔

## باب فی تسویۃ القبر

عن ابی ہشام الاسدی قال بعثنی علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال لی ابشاک علی ما بعثنی علیہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان لا ادع قبرا مشرفا الا سویتہ ولا تمثالا الا طمسہ۔  
ابو ہشام اسدی کہتے ہیں کہ مجھ سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں تم کو اس کام کے لئے بھیجا ہوں جس کام کے لئے مجھ کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بھیجا تھا اور پھر آگے وہ کام بتلایا کہ کیا ہے، کہ نہ چھوڑوں میں کسی قبر کو جو اونچی ہو مگر یہ کہ اس کو برابر کر دوں یعنی زمین کے۔ مراد قریب ہے، اور نہ چھوڑوں کسی تصویر کو مگر یہ کہ اس کو مسادالوں، اس حدیث میں ارتفاع قبر سے رد کا گیا ہے کہ قبر زیادہ اونچی نہ بنائی جائے، یہ امر تو جمع علیہ ہے کہ قبر زیادہ اونچی نہ ہونی چاہیے، زمین کے قریب ریف لیسر کے ساتھ ہونی چاہیے، قال النووی یرفع نحو شبر۔

دوسری چیز جو اس حدیث میں مذکور ہے وہ تسویۃ القبر ہے جیسا کہ ترجمۃ الباب میں ہے، اب یہ کہ تسویۃ سے کیا مراد ہے؟ ظہور کہتے ہیں کہ اس سے مراد عدم الرفع الزائد ہے کہ زائد اونچی نہ ہو، اور دوسرا قول اس میں یہ ہے کہ اس سے مراد تسطیح ہے، یعنی قبر کو مسطح بنانا، یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے کہ قبر میں تسیم اولیٰ ہے یا تسطیح؟ ائمہ ثلاثہ ومنہم المحنفیۃ تسیم قبر کے قائل ہیں یعنی قبر مستقیم اور کوہان نما ہونی چاہیے، امام شافعی فرماتے ہیں کہ قبر کا مسطح ہونا اولیٰ ہے۔  
حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی قبر کے بارے میں روایات مختلف ہیں،۔ ہادیہ میں ہے: وسم القبر ولا یسطح ای لا یرفع، لانه صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بنی عن تربیع القبور، ومن شاهد قبرہ اجرانہ مستقیم یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی قبر دیکھنے والوں نے بتایا ہے کہ وہ مستقیم ہے، قال الحافظ فی الدررۃ: ویعارضہ ما روی من عدۃ طرق من انہا کانت مسطوحۃ، ثم قال: وجمع بینہما الحاکم بانہا کانت اولاً کذا لک ای مسطوحۃ ثم لما سقط الحدیث استتم، یعنی حاکم نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی قبر کے بارے میں اختلاف روایات میں تطبیق اس طرح فرمائی ہے کہ شروع میں تو وہ مسطح ہی تھی (رکما قال الشافعی) پھر جب کسی زمانہ میں (فی خلافتہ مولید بن عبد الملک و فی المارۃ عمر بن عبد العزیز) حجرہ شریفہ کی دیوار

ساقط ہو گئی تھی تو اس وقت اس کو منسم بنا دیا گیا تھا، قلت واخرج البخاری فی صحیحہ عن سفیان التمار انہ رأى قبر النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم منماہ (حون)

والحدیث اخرہ مسلم والترذی والنسائی، قالہ المنذری۔

کناعند فضالہ بن عبید بروذ من بارض الروم الخ۔

ابو علی ہمدانی کہتے ہیں کہ ہم حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس تھے مقام روزس میں جو ملک عراق میں ہے، ہمارے ایک ساتھی کا انتقال ہو گیا تو حضرت فضالہ نے ان کے لئے قبر بنوائی جس کو زمین سے زیادہ اونچا نہیں رکھا گیا (علی قول جمهور) یا سطح بنایا گیا غیر منسم اور فرمایا کہ میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے سنا کہ آپ اسی کا حکم فرماتے تھے۔

آگے مصنف فرماتے ہیں کہ روزس ایک جزیرہ ہے بحر روم میں، روزس کے ضبط میں بھی کافی اختلاف ہے کہ بضم الراء ہے یا بفتح الراء، نیز واد کے بعد دال مہملہ ہے یا ذال مجملہ، ویسے یہ وہی جگہ ہے جو روزس کے ساتھ مشہور ہے یورپ کے علاقہ میں۔ والحدیث اخرہ مسلم والنسائی، قالہ المنذری۔

من القاسم قال دخلت علی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فقلت یا أمہ! إکشفی لی عن قبر رسول اللہ صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم وصاحبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما فکشفت لی عن ثلاثہ قبور لا مشرقیہ ولا لاطلیہ مبطوحہ یبطحاء العرصۃ الحمراء۔

**شرح الحدیث** حضرت عائشہ کے بھتیجے حضرت قاسم بن محمد کہتے ہیں کہ میں ایک روز حضرت عائشہ کے یہاں گیا (اور چونکہ ان ہی کے حجرہ شریفہ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور حضرات شیخین کی قبریں ہیں جن کی طرف پردہ پڑا رہتا تھا) اور ان سے عرض کیا کہ اماں جی! مجھے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صاحبین کی قبریں کھول کر دکھلا دیجئے، انہوں نے پردہ ہٹا دیا تو میں نے تین قبریں ایسی دیکھیں جو نہ اونچی تھیں نہ بالکل زمین سے لگی ہوئی تھیں، جن پر مقام عرصہ کی سرخ کنکریاں بکھی ہوئی تھیں مبطوحہ بمعنی مفروشہ، اور عرصہ جگہ کا نام ہے، اور ببطحاء بمعنی حصیاء اور الحمراء بطحا کی صفت ہے۔

قال ابو علی: یقال ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مقدم وابوبکر عند رأسہ وعمر عند رجليہ، رأسہ عند رجلي رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔

لہ یہ تو اس زمانہ کی بات ہے کہ قبور کی جانب ایک پردہ پڑا ہوا تھا بعد میں اس حجرہ شریفہ میں مختلف زمانوں میں تعمیری تغیرات ہوتے رہے سقوط طاعن کا بھی قصہ پیش آیا جس کا ذکر صحیح بخاری میں بھی ہے حضرت عمر بن عبد العزیز نے ان قبور ثلاثہ کے ارد گرد اونچی دیوار سے احاطہ کرا دیا تھا اب تو ان قبور تک پہنچنا بھی ممکن نہیں رہا۔



یعنی ایسے۔

عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اور دوسرا قول اس میں یہ ہے کہ عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر صدیق اکبر کے قد میں کے محاذات میں ہے، لہذا

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

### باب الاستغفار عند القبر للمیت فی وقت الانصراف

عن عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اذا فرغ من دفن

المیت وقف علیہ فقال استغفروا لہ بالثبیت فانہ الآن یسئل

تدفین کے بعد میت کیلئے دعا کرنا یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا معمول تھا کہ جب آپ دفن میت سے فارغ ہوتے تو قبر پر تھوڑی دیر کھڑے ہوتے اور فرماتے کہ اپنے بھائی کیلئے

استغفار اور تثبیت کی دعا کرو اس لئے کہ اس سے اس وقت سوال کیا جائے گا، تثبیت کی دعا کرو، یہ اشارہ ہے

اس آیت کریمہ کی طرف، یشہد اللہ الذین امنوا بالقول الثابت فی الحیوة الدنیا فی الآخرة، قول ثابت سے

مراد کلمہ تو حید ہے، ہمارے حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ جن کی وفات مدینہ منورہ میں ہوئی تھی اور تدفین جنت البقیع

میں اہل بیت کے قریب، دفن کے وقت مسجد نبوی کے کئی ائمہ بھی موجود تھے، دفن سے فراغت کے بعد امام مسجد نبوی

شیخ عبداللہ خرپوش رحمۃ اللہ تعالیٰ جو قبر کے کنارہ پر اخیر تک بیٹھے رہے تھے انہوں نے رفع یدین کے ساتھ جہر شیخ

کے لئے دعا کرائی تھی، اور باقی ائمہ بقیع کے دروازہ پر کھڑے تھے اور ملنے والوں سے تعزیتی جملے استعمال کر رہے

تھے، اور اسی طرح حضرت شیخ کی اہلیم حومہ، والدہ مولانا طلحہ جن کا انتقال نظام الدین دہلی میں ہوا تھا اور مسجد

کے عقب میں تدفین ہوئی، تدفین کے بعد حضرت مولانا انعام الحسن صاحب اور مولانا افتخار الحسن صاحب کا نذرہ صلی

تھوڑی دیر وہاں قبر پر رک گئے اور دوسرے لوگ بھی، اور حضرت جی نے مولانا افتخار صاحب سے استمراج کے بعد

رفع یدین کے ساتھ اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے دعا کرائی، یغفر لہم

## باب کراہیۃ الذبح عند القبر

عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم لا یعقر فی الاسلام۔  
یہ وہی حدیث ہے جس کا حوالہ ہم نے کتاب الاضحیہ میں "نبی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عن معارفۃ  
الاعراب" الحدیث کے ذیل میں دیا تھا۔

**شرح الحدیث** | اس حدیث کی تفسیر خود کتاب میں راوی کی جانب سے مذکور ہے، کاذا یعقرون عند القبر، یعنی  
زمانہ جاہلیت میں بعض لوگ کسی بڑے آدمی سخی کی قبر پر کوئی جانور ذبح کر کے چھوڑ دیتے تھے  
گائے وغیرہ ضیافت سباع و طیور کی نیت سے، کہ جس طرح یہ لوگوں کی اپنی زندگی میں مہمانی کرتا تھا اسی طرح  
اس کے مرنے کے بعد بھی ہم اس کی طرف سے جانوروں کی ضیافت کا انتظام کریں، اور بعض اس نیت سے ذبح کرتے  
تھے جو ان میں سے بعث کے قائل تھے تاکہ اس صاحب قبر کا حشر اس جانور پر سوار ہو کر ہو قیامت کے دن، والا  
فیبعث راجلاً، یعنی اگر ہم ایسا نہیں کریں گے تو اس کو پیدل اٹھ کر جانا پڑے گا، اسی رسم جاہلیت کی تردید میں آپ  
فرما رہے ہیں، لا یعقر فی الاسلام، کتاب الاضحیہ میں ایک اور حدیث گزری ہے "نبی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم  
عن شریطۃ الشیطان" یہ حدیث بھی چونکہ ذبح سے متعلق ہے اس لئے ہم نے اس پر تنبیہ کر دی تاکہ طلبہ کے ذہن میں  
رہیں یہ حدیثیں اور امتحان دینے میں سہولت ہو۔

## باب الصلۃ علی القبر بعد حین

اور اس سے پہلے بھی ایک باب گزرا ہے "باب الصلۃ علی القبر" یہاں "بعد حین" کی قید ہے۔  
عن عقبۃ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم خرج یوماً فصری  
علی اہل اُحد صلاتہ علی المیت ثم انصرف۔

یعنی آپ نے ایک مرتبہ شہدار اُحد کی قبور پر اسی طرح نماز پڑھی جس طرح میت کی پڑھی جاتی ہے، اور اس کے  
بعد دوسری روایت میں ہے کہ یہ نماز آپ نے آٹھ سال بعد پڑھی تھی گویا سلسلہ میں۔  
اس حدیث کا ذکر ہمارے یہاں "باب الشہید فیصل" میں صلاۃ علی الشہید کی بحث میں گذر چکا، آگے روایت  
میں یہ ہے کالمودع للاحیاء والاموات یعنی آپ کا یہ شہدار اُحد کی نماز پڑھنا اتنی مدت کے بعد اور اپنے زمانہ وفات  
کے قریب بطور تودیع و رخصت کے تھا، احیاء کی تودیع بھی اور اموات کی تودیع بھی، احیاء کی تودیع تو آپ نے  
حجۃ الوداع میں بار بار فرمائی بقولہ فذواعنی مناسککم لعلی لا اراکم بعد عامی هذا، حجۃ الوداع میں متعدد مقامات پر



قال عثمان: اویزاد علیہ۔ یعنی اس جملہ کی زیادتی عثمان کی روایت میں ہے مسدک کی روایت میں نہیں، اس جملہ کا مطلب بظاہر یہ ہے کہ رفع قبر میں زیادتی کرنا مقدار شبر سے، اور ان یکتب علیہ یعنی کسی پتھر وغیرہ پر میت کا نام یا اور کوئی چیز اللہ رسول کا نام برائے برکت لکھ کر اس کو وہاں نصب کرنا مناسب نہیں، قال ابو الطیب السندی فی شرح الترمذی: یتحمل الہنی عن الکتابہ مطلقا لکتابہ اسم صاحب القبر و تاریخ وفاته، او کتابہ شی من القرآن واسماء اللہ تعالیٰ و تحوذ لک للبرک لاحتمال ان یو طاد ویسقط علی الارض فیہیر تحت الارجل اھ حاشیہ ترمذی میں بھی یہی لکھا ہے کہ علت منع بے حرمتی کا خوف ہے لکن ایبول علیہ کلب او غیرہ۔۔۔۔۔ والحدیث اخرجہ سلم والترمدی والنسائی وابن ماجہ بخوہ

قاتل اللہ الیہود اتخذوا قبور انبیاءہم مساجد۔

### شرح الحدیث

یعنی اللہ تعالیٰ ناس کرے ان یہود کا کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبور کو مساجد بنایا۔ یا تو واقعہ قبر پر مسجد بنانا مراد ہے اس لئے کہ جب قبر پر مسجد بنائی جائے گی تو قبر مسجد کے اندر ہو جائے گی جس سے صلاۃ الی القبر لازم آئے گا، اور یہ کہ بنار مساجد سے مراد یہی ہے قبور انبیاء کی طرف نماز پڑھنا والمصنف حمل الحدیث علی المعنی الاول کما یظهر من الترجمة، کتابہ الشرح فی البذل: لعنہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم علی ذلک لانہ یشاہ عبادۃ الاصنام اھ یہ حدیث صحیح مسلم میں بھی ہے اور اس میں یہود کے بعد انصاری کی زیادتی ہے، اس پر پھر اشکال ہوتا ہے کہ انبیاء نصاریٰ کی قبر زمین پر کہاں ہے، اس کا جواب دیا گیا کہ ایک روایت میں قبور انبیاء ہم کے بعد دسالحیم کی زیادتی ہے، اس زیادتی سے اشکال حل ہو جاتا ہے، انبیاء کا تعلق یہود سے ہو جائے گا اور صالحین کا تعلق نصاریٰ سے۔ والحدیث اخرجہ البخاری وسلم والنسائی، قالہ المنذری۔

### باب فی کراہیۃ القعود علی القبر

لا ینجلس احدکم علی جہرۃ النور۔ البتہ یہ بات کہ تم میں سے کوئی شخص چنگاری پر بیٹھے اور اس کے کپڑے جل جائیں اور اس کا ضرر اس کی کھال تک پہنچے یہ بہتر ہے اس سے کہ قبر پر بیٹھے، یعنی انجام اخروی کے اعتبار سے۔ اخرجہ مسلم والنسائی وابن ماجہ، قالہ المنذری۔

لا تجلسوا علی القبور ولا تصلوا الیہا، یعنی نہ تو قبروں پر بیٹھ کر ان کی بے حرمتی کرو اور نہ ان کی طرف نماز پڑھ کر ان کی بے جا تعظیم، افراط اور تقریط دونوں سے بچئے۔ جلوس علی القبر پر کلام گذشتہ باب میں گذر گیا۔ اخرجہ مسلم والترمدی، والنسائی، قالہ المنذری۔

عنہ قلت فی الترمذی ص ۱۷۱ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زائرات القبور والمحبین علیہا المساجد۔ فی حدیث الباب اتخذوا قبور انبیاءہم مساجد فھنا امر ان اتخذوا مسجد علی القبر ومعناه ظاہر والامر الثانی اخذوا القبر مسجد و یوحی علی معنیہ ان مسجد اللہ تعالیٰ متوجہا الی القبر تعظیما للقبر بحیث یجعلہ قبلۃ۔ والثانی ان مسجد القبر فالاول شرک حقیقی والثانی مشرک حلی کفرائے متفاد علی الشرح۔

## باب المشی بین القبور فی النعل

امام احمد کے نزدیک قبرستان میں جوتے پہن کر چلنا مکروہ ہے، اور ابن حزم ظاہری کے نزدیک نعل سبستی پہن کر چلنا مکروہ ہے، اس لئے کہ حدیث میں جو نکیر وارد ہے وہ سبستی جو توں پر ہی ہے، اور جمہور علماء اور ائمہ ثلاث کے نزدیک قبرستان میں جوتے پہن کر چلنا بلا کراہت جائز ہے، مصنف نے اس باب میں دو حدیثیں ذکر فرمائی ہیں حدیث اول سے جنابہ کے مذہب کی تائید ہوتی ہے، اور حدیث ثانی سے جمہور کے مسلک کی یعنی جواز۔

قال بیہما اناما شی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یبقّر المشرکین فقال لقد سبق هؤلاء خیرا

کثیرا ثلاثا انهم یبقرون المسلمین فقال لقد ادرک هؤلاء خیرا کثیرا

بشیر بن معبد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ چلا جا رہا تھا کہ آپ کا گزر بعض قبور مشرکین پر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ یہ لوگ خیر کثیر اپنے پیچھے چھوڑ کر اس سے آگے نکل کر چلے گئے، یعنی اسکو نہیں حاصل کر سکے یہ بات آپ نے تین بار فرمائی، پھر آپ کا گزر بعض قبور مسلمین پر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ ان لوگوں نے خیر کثیر کو پایا ہے، پھر اچانک آپ کی نظر ایک ایک ایسے شخص پر پڑی جو قبرستان میں جوتے پہنے ہوئے چل رہا تھا، اس پر آپ نے فرمایا یا صاحب السببیتین اپنے سبستی جوتے اتار دے تیرا ناس ہو اس نے جب دیکھا کہ کہنے والے آپ ہیں فوراً تار کر پھینک دیئے۔ اخرجه النسائی وابن ماجہ قالہ المنذری۔

عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اذ۔ یعنی آپ نے فرمایا کہ جب میت کو دفن کر کے اس کے متعلقین واپس لوٹتے ہیں انہیں لیج جمع قریع نعالھم کہ وہ میت قبر میں ہوتے ہوئے ان کے جوتوں کے کھٹ کھٹ کی آواز سنتا ہے

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مشی بین القبور فی النعل جائز ہے مگر مذہب الجمہور، اور پہلی حدیث کا جواب جمہور کی جانب سے کئی طرح دیا گیا ہے، اول یہ کہ وہ بیان اولویت پر محمول ہے اور یہ بیان جواز پر یا یہ کہ اس حدیث میں ہنہ خیلہ کی وجہ سے تھی کہ وہ شخص سبستی جوتے پہن کر اترتا ہوا چل رہا تھا، اس زمانہ میں سبستی جوتے عمدہ شمار ہوتے تھے یعنی چرمی جوتے صاف جن پر بال نہ ہوں، یا یہ کہ وہاں پر ہنہ لاجل القدر تھی، یعنی اس کے جوتوں کو ناپاکی لگ رہی ہوگی واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

والحدیث اخرجه البخاری ومسلم والنسائی قالہ المستذری۔

## باب فی تحویل المیت من موضعہ للامر بحادث

اس سے پہلے باب گذر چکا ہے، "باب فی المیت یحمل من ارض الی ارض" ولقد ہم جناک بیان الفرق بین الترحمتین۔

عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال دفن مع ابی رجل فکان فی نفسی من ذلک حاجة۔  
حضرت جابر فرماتے ہیں کہ میرے والد جو کہ جنگ احد میں شہید ہو گئے تھے۔ ان کے ساتھ ایک اور میت بھی دفن کی گئی تھی ایک ہی قبر میں، وہ فرماتے ہیں کہ میرے دل میں اس کا احساس تھا (یعنی وہ یہ چاہتے تھے کہ ان کے والد اپنی قبر میں تنہا ہوں) وہ فرماتے ہیں کہ میں نے ان کی نعش کو قبر کھود کر نکالا چھ ماہ کے بعد، تو میں نے ان کے جسم میں کوئی تغیر نہیں پایا سو اے ان کی ڈاڑھی کے چند بالوں کے جو زمین سے مل رہے تھے۔  
اس حدیث میں تحویل میت بعد الدفن مذکور ہے، اس میں نہ اہب وغیرہ پہلے باب میں گذر چکے۔

### باب فی التشاء علی المیت

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال مروا علی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بجنائزۃ فأتوا علیہا خیرا فقال رجبت، یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کو لوگ ایک جنازہ لے کر گذرے حاضرین نے اس میت کی بھلائی بیان کی آپ نے فرمایا اس کے لئے جنت واجب ہو چکی، پھر کسی دوسرے وقت ایک دوسرا جنازہ آپ پر کو گذر لوگوں نے اس کا شر ہونا بیان کیا آپ نے فرمایا اس کے لئے جہنم واجب ہو چکی، پھر آپ نے ارشاد فرمایا کہ بیشک بعض مسلمان بعض دوسرے مسلمانوں کے حق میں گواہ ہیں۔ یعنی ایسے گواہ جن کی گواہی عند اللہ معتبر ہے، اور صحیحین کی روایت میں ہے، "انتم شہداء اللہ فی الارض" وہی روایت، المؤمنون شہداء اللہ فی الارض، اس حدیث کی شرح میں ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ انتم سے مراد یا تو صحابہ کرام ہیں یا مؤمنین (صحابہ ہوں یا غیر صحابہ) وہ فرماتے ہیں کہ ان حضرات نے جنازہ کے بارے میں جو شہادت دی تھی اس پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان شاہدین (گواہوں) کا تذکرہ فرمایا تو اب ظاہر بات ہے کہ صحابہ کرام جیسوں کی شہادت ہو اور پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جیسا شخص ان گواہوں کا تذکرہ کر رہا ہو تو یقیناً اس کا نفع اور اثر مشہودہ کے حق میں ظاہر ہونا ہی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ دیانت دار اور نیک لوگوں کی گواہی کسی میت کے بارے میں خیر یا شر کی وہ عند اللہ تعالیٰ معتبر ہے اگرچہ واقعہ کے خلاف ہو، اللہ تعالیٰ مؤمنین کی شہادت کی لاج رکھتے ہیں مگر خالص دنیا دار قسم کے لوگوں کی شہادت مراد نہیں ہے، اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ صحابہ نے ایک جنازہ کی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے تعریف فرمائی، کچھ دیر بعد جبریل اچکے پاس تشریف لائے اور انہوں نے فرمایا یا محمد ان صاحبکم لیس کما یقولون الخ یعنی یہ میت ایسا نہیں جیسا یہ لوگ اس کے بارے میں کہہ رہے ہیں اس لئے کہ اس کی ظاہری حالت کچھ تھی اور باطنی کچھ اور، ولکن اللہ صدقہم فیما یقولون وغفر لہم ما لا یعلمون، یعنی جو بھلائی واقعی اس میت میں تھی جس کو صحابہ نے بیان کیا تھا اللہ تعالیٰ نے اس بھلائی میں صحابہ کرام کی تصدیق فرماتے ہوئے، اور جس

چیز کی ان کو خبر نہیں تھی اس کو معاف کرتے ہوئے اس کے ساتھ شہادت کے مطابق معاملہ فرمایا (بذل) زبان خلق کو تقارہ خدا سمجھو، یعنی جس کو سبھی اچھا کہتے ہوں تو وہ انشاء اللہ تعالیٰ اچھا ہی ہے، یا کم از کم اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ اچھوں والا معاملہ فرماتے ہیں۔

والحیثیث اخرجه النسائی، وقد اخرجه البخاری ومسلم والنسائی من حدیث ثابت الدینانی عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قالہ للذکر

## باب فی زیارة القبور

اس سلسلہ میں مصنف نے دو باب قائم کئے، یہ پہلا باب فی حق الرجال ہے، دوسرا باب فی حق النساء، اس پہلے باب میں ہے آپ فرما رہے ہیں، نہایت کم عن زیارة القبور فزور وھان فان فی زیارتھا تذکرة، یعنی آپ فرما رہے ہیں کہ میں نے تم سب کو قبرستان جانے سے منع کر دیا تھا لیکن اب کہتا ہوں کہ وہاں جایا کرو اس لئے کہ زیارت قبور میں اپنی موت اور آخرت کی یاد تازہ ہوتی ہے۔

اس حدیث میں ناسخ اور منسوخ دونوں جمع ہیں، پہلے زیارت قبور ممنوع تھی بعد میں آپ نے اس کی نہ صرف اجازت بلکہ ترغیب فرمائی، اور یہ دونوں باتیں خود اسی ایک حدیث میں جمع ہیں، اس حدیث کی شرح میں عام طور سے شرح نے زیارة قبور للرجال کے بارے میں علماء کا اجماع جواز پر لکھا ہے لیکن اس میں کچھ اختلاف ہے جو آگے آئے گا، لیکن عورتوں کے بارے میں اختلاف ہو رہا ہے کہ اس اجازت میں وہ بھی داخل ہیں یا نہیں؟ عند الجمهور وہم الشافعی و مالک عورتیں بھی اس میں داخل ہیں، حنفیہ کا اصح قول بھی یہی ہے للعجائز دون الشواب وان قبل بالجواز مطاعا ايضا وسیاتی للزید علیہ، امام احمد کی اس میں دو روایتیں ہیں مصنف نے زیارة النساء کا الگ مستقل باب قائم کر کے اس میں جو حدیث ذکر کر کے ہے وہ منع

کی ہے لعن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم زائرات القبور والمتخذین الی مصنف کا میلان عدم جواز کی طرف معلوم ہوتا ہے، وفي الاوجز ۵۳۵ قال لحافظ قال النووی تبعاً للعبدی والحازمی وغیرھا: اتفقوا علی ان زیارة القبور للرجال جائزة۔ کذا اطلقوا۔ وفيہ نظر، حافظ کہتے ہیں کہ اس میں مردوں کے حق میں بھی اختلاف مردی چنانچہ مصنف ابن ابی شیبہ میں ابن سیرین ابراہیم نخعی اور شعبی سے کراہت مردی ہے قال لحافظ وکان ہولاء لمہ يبلغہم الناسخ، اور اس کے بالمقابل ابن حزم کے نزدیک زیارة قبور واجب ہے اگرچہ عمر میں ایک ہی مرتبہ ہو، وفي الشرح الکبیر من فروع المالکیۃ۔ جاز زیارة القبور بل ہی مندوبہ بلاحدیوم او مقدار ما یکث عندھا، قال الذہبی: ذکر فی المدخل فی زیارة المنسار للقبور ثلاثۃ اقوال المتع والجواز بشرط السر والتحفظ والثالث الفرق بین المتجالد والشاہدۃ وفي الدر المختار لا بأس بزیارة القبور ولو للنسار، قال ابن عابدین قوله لا بأس بل تندب کما فی البحر، وقوله ولو للنسار قبل تحرم علیہن والاصح ان الرخصة ثابتہ وجرم فی شرح المنیۃ بالکراہۃ، وقال الخیر الرملی ان کان ذلک لتجديد الحزن والبکا علی ما جرت بہ

عاد تہن فلا تجوز، وعلیہ حمل حدیث اللعن، وان کان للاعتبار والترحم فلا بأس اذا کن عجائز، دیکرہ اذا کن شواب  
کحضور الجماعۃ فی المسجد، قال ابن عابدین: وهو توفیق حسن اھ حضرت سہارنپوری نے بذل میں عورتوں کے حق میں جوازی  
کو ترجیح دی ہے بشرط ارتفاع موانع مثلاً جزع فرع التبرج برزینہ اور اضاغت حتی زوجیت وغیرہ، بعض روایات  
کی بنا پر چنانچہ مسلم کی روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے  
عرض کیا کہ میں زیارت قبور کے وقت کون سی دعا پڑھا کروں تو آپ نے فرمایا قوی السلام علی اہل الدیار من المؤمنین  
والمسلمین ویرحم اللہ المستقرین مناد المستأخرین وانا ان شاء اللہ بکم للاحقون، اور ایسے ہی حاکم کی روایت ہے  
کہ آپ کی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر کی زیارت ہر جمعہ  
کو کرتی تھیں فقصل و تبکی عنہ، حضرت فرماتے ہیں کہ زیارت قبور کی علت حدیث میں تذکر موت بیان کی گئی ہے  
اور اس کی ضرورت کبھی کو ہے مردوں اور عورتوں دونوں کو۔

نیز جانتا چاہیے کہ یہ گفتگو زیارت قبور للنساء کے بارے میں ہے اور اتباع النساء البجائز کے بارے میں نہیں  
(عورتوں کا جنازہ کیساتھ قبرستان میں جانا) وہ جائز نہیں وقد تقدم باب اتباع النساء البجائز۔

حدیث ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اخرجہ مسلم والنسائی وابن ماجہ، و حدیث بریدۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اخرجہ مسلم  
والنسائی بخو، قال المنذری۔

## باب ما یقول اذا مر بالقبور

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم خرج الی المقبرۃ فقال  
السلام علیکم دار قوم مؤمنین وانا ان شاء اللہ بکم لاحقون۔

اس دعا میں ان شاء اللہ پر شرح نے کلام کیا ہے کہ یہ استثناء شک کے طور پر نہیں ہے اس لئے کہ موت  
تو یقینی ہے بلکہ یہ لفظ مکمل تحسین کلام کے طور پر۔ ذکر کرتا ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ جب قبرستان میں  
داخل ہوئے تو آپ کے ساتھ مؤمنین صادقین بھی تھے اور بعض ایسے بھی تھے جو بہم بالنفاق تھے تو یہ استثناء  
ان ہی کے لحاظ سے ہے تو گویا یہ لفظ اس قسم کے لوگوں کے بارے میں ان کے ایمان کی توقع پر لایا گیا، اور کہا  
گیا ہے کہ یہ استثناء نفس موت کے اعتبار سے نہیں بلکہ موت علی الایمان کے اعتبار سے ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ  
ہم بھی ایمان پر خاتمہ کے بعد تمہارے ہی ساتھ آکر شامل ہو جائیں گے۔

والحدیث اخرجہ مسلم والنسائی وابن ماجہ، قال المنذری۔



## باب كيف يصنع بالمحرم اذا مات

یعنی اگر کسی شخص کا حالت احرام میں انتقال ہو جائے تو اب اس کے ساتھ محرم جیسا معاملہ کیا جائے گا یا غیر محرم جیسا؟ شافعیہ و حنابلہ ظاہر یہ کہ نزدیک اس کے ساتھ محرم جیسا معاملہ کیا جائے گا، یعنی عدم تطہیب اور عدم تخمیر رأس یعنی کفن سے اس کا سر کھلا رکھا جائے گا اور خوشبو بھی اس کے قریب نہیں لائی جائے گی، ان دونوں اماموں کا استدلال حدیث الباب سے ہے جس کا مضمون یہ ہے: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس ایک ایسے شخص کو لایا گیا جس کی گردن کو اس کی سواری نے توڑ دیا تھا، یعنی سواری پر سے گر کر اس کی گردن ٹوٹ گئی تھی اور انتقال ہو گیا تھا جبکہ وہ حالت احرام میں تھا، آپ نے فرمایا اس کو اسی کے احرام کے دونوں کپڑوں میں کفنا دو اور غسل دو اور اس کے سر کو مت ڈھانپنا۔ **فَاتِ اللَّهَ يَبْعَثُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَدْبِي** کہ یہ شخص قیامت کے دن تلبیہ پڑھتا ہوا اٹھے گا یعنی حالت احرام میں۔

حنفیہ، مالکیہ کے نزدیک ایسے شخص کے ساتھ دہنی معاملہ کیا جائے گا جو غیر محرم کے ساتھ کیا جاتا ہے اس لئے کہ احرام ایک عمل ہے اور موت سے تمام ہی اعمال منقطع ہو جاتے ہیں جیسا کہ مشہور حدیث سے ثابت ہے، رہی یہ حدیث سو یہ محمول ہے خاص اسی شخص کے حق میں، اور دلیل خصوصیت آپ کا یہ قول **فَاتِ اللَّهَ يَبْعَثُ يَدْبِي** ہے، کسی اور محرم کے بارے میں یہ ہرگز نہیں کہا جاسکتا کہ **انہ یبعث یدبی** یہ تو اخبار بالغیب کے قبیل سے ہے، اس حدیث کو مصنف تو لائے ہیں کتاب الجنائز میں اور امام ترمذی کتاب الحج میں اور امام بخاری دونوں جگہ۔

والحدیث اخرہ البخاری و مسلم و الترمذی والنسائی وابن ماجہ، قالہ المنذری۔

بحمد اللہ کتاب الجنائز پوری ہوئی اور اس کا خاتمہ بھی ما شاء اللہ تعالیٰ ایسی حدیث پر ہوا جس میں ایمان پر خاتمہ کی بشارت ہے جو کچھ لکھا اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرمائے اور ہم سب کا ایمان پر خاتمہ باخیر فرمائے۔ آمین۔

## اخر کتاب الجنائز

لہذا قامت ابن آدم القطع عمل الاعن ثلاث صدقہ جاریہ اور عظم منتفع بہ، اولد صالح یدعولہ، قال الزیلعی رواہ مسلم و ابوداؤد و النسائی فی الوصایا و الترمذی فی الاحکام۔

## بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

## اَوَّلُ كِتَابِ الْإِيمَانِ وَالنَّذْرِ

مباحث اربعہ علمیہ مفیدہ | یہاں چند امور قابل ذکر ہیں (۱) اس کتاب کی ماقبل سے مناسبت (۲) ایمان اور نذر دونوں کو یکجا ذکر کرنے کی وجہ یعنی ان دونوں کے درمیان مناسبت اور وجہ الحج

(۳) یحییٰ اور نذر ہر ایک کے لغوی اور شرعی معنی (۴) یحییٰ و نذر کے اقسام و احکام۔  
بحث اول :- اس کتاب کی مناسبت کتاب البجائز سے اس طور پر ہے کہ یہ تو ظاہر ہے کہ جنائز کا تعلق موت سے ہے تو جس طرح موت کے اندر سلب اختیار ہوتا ہے من جانب اللہ تعالیٰ تو اسی طرح یحییٰ بھی سلب اختیار کا ایک سبب ہے اس لئے کہ نذر اور یحییٰ کی وجہ سے ام مباح شرعاً واجب ہو جاتا ہے، اور کسی چیز کے واجب ہو جانے کے بعد اس کے ترک کا اختیار باقی نہ رہنا ظاہر ہے۔

بحث ثانی :- اس کے بعد جانتا چاہیے کہ عام طور سے کتب حدیث میں ایمان اور نذر دونوں کو ایک ساتھ بیان کیا گیا ہے جیسا کہ یہاں ابو داؤد میں، اور اسی طرح صحیح بخاری ترمذی اور نسائی میں، جس کی وجہ امام ابن ماجہ کے طرز سے معلوم ہوئی کہ انہوں نے اپنی سنن میں ایک عنوان قائم کیا، ابواب الکفارات، اور پھر اس کے تحت اولاً چند ابواب ایمان سے متعلق اور اس کے بعد پھر چند ابواب نذر سے متعلق۔ ذکر کئے ان کے اس صنیع سے ایمان و نذر کو یکجا جمع کرنے کی لم معلوم ہوئی، وہ یہ کہ یہ دونوں کفارہ میں مشترک ہیں، تو جس طرح بعض ایمان کے احکام میں وجوب کفارہ ہے اسی طرح نذر کی بعض صورتوں میں بھی کفارہ واجب ہوتا ہے، ابو داؤد میں آگے ایک حدیث آرہی ہے، کفارة النذر کفارة الیمین، اور ترمذی میں ہے کفارة النذر اذا لم یسم کفارة الیمین، اور اس کی وجہ اصولاً یہ ہے کہ یحییٰ نذر کے موجبات اور لوازم میں سے ہے لان النذر ایجاب الیمان وهو یستلزم تحریم الحلال، و تحریم الحلال یحییٰ، بدلیل قولہ تعالیٰ "یا ایہا النبی لم تحرم ما حل اللہ لک" قال الشیخ الدہلوی فی اللمعات کمافی حاشیہ ابن ماجہ۔

بحث ثالث :- ایمان جمع ہے یحییٰ کی اور یحییٰ کے لغوی معنی میں ید کے، دہنا ہاتھ۔ پھر اس کا اطلاق ہونے لگا حلف پر، لانہم کاوا اذا تجالفا واخذ کل یمین صاحبہ، یعنی لوگوں کی عادت ہے۔ کہ جب وہ آپس میں قسمیں کھاتے ہیں تو اس وقت ایک دوسرے کے ہاتھ سے ہاتھ ملاتا ہے، اس مناسبت سے حلف پر یحییٰ کا اطلاق ہونے لگا، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ دائیں ہاتھ کا کام کسی چیز کو محفوظ رکھنا ہے، پھر اس کا اطلاق حلف پر اسی لئے کیا گیا کہ مخلوق علیہ کی آدمی رعایت اور حفاظت کرتا ہے، اور یحییٰ کی شرعاً یہ تعریف کی گئی ہے تو کنید شیء بذکر اسم

او صفی اللہ تعالیٰ، کہ کسی چیز کو مضبوط اور مؤکد کرنا اللہ تعالیٰ کا نام یا اس کی صفت ذکر کر کے، قال الحافظ: وهذا اخضر التعریف واقربہا۔

نذور جمع ہے نذر کی جس کے معنی ہیں انذار اور تحویف، اور امام راغب نے اس کی تعریف (شرعاً) اس طرح کی ہے ایجاب بالیس بواجب لحدوث امر، یعنی انسان کا اپنے اوپر کسی ایسی چیز کو واجب قرار دے دینا جو اس پر واجب نہ تھی کسی امر کے پائے جانے کے وقت، جیسے یوں کہے ان فرزت فی الاختیار فعلی صوم کہ اگر میں امتحان میں کامیاب ہو گیا تو میرے ذمہ ایک روزہ ہے، یہاں پر صوم کو جو غیر واجب تھا اپنے اوپر واجب کیا گیا ہے حدوث امر یعنی فوز فی الامتحان پائے جانے پر۔

بحث رابع :- حاشیہ لامع میں حضرت شیخ نے ایمان اور نذور کے اقسام ذکر کئے ہیں، اور الاول باب التراجم میں مجملایہ لکھا ہے: فالاول علی خمسہ انواع، والثانی علی سبعة انواع ایمان کی تین قسمیں بہت مشہور ہیں، یثین منعقدہ، یثین الغموس، یثین اللغو، اگے ابو داؤد میں ایک مستقل باب آرہا ہے باب لغو الیمین، ان اقسام کو مع ان کے احکام کے انشاء اللہ تعالیٰ وہاں بیان کیا جائے گا۔

### باب التغلیظ فی الیمین الفاجرة

اس باب میں یمین غموس کا ذکر ہے اور آئندہ آنے والے باب میں بھی، فاجرة بمعنی کاذبہ، یعنی جان بوجھ کر جھوٹی قسم کھانے کے بارے میں جو وعید آئی ہے، یمین غموس کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ کسی امر ماضی پر قصد خلاف واقع قسم کھائی جاسے، جیسے یوں کہے کہ دائر میں نے فلاں کام کیا ہے حالانکہ اس نے نہیں کیا، یا جیسے کسی دوسرے کے مال کے بارے میں یہ قسم کھائے کہ یہ میری ملک ہے، یمین غموس کو غموس اس لئے کہتے ہیں کہ یہ اپنے صاحب کو گناہ کے اندر ڈبو دیتی ہے اور پھر بعد میں جہنم میں۔

یمین غموس میں وجوب کفارہ ہے یا نہیں؟ یمین غموس میں جبہور علماء کے نزدیک کفارہ نہیں، صرف معصیت اور اثم ہے، اور امام شافعی اور اوزاعی کے نزدیک

اس میں کفارہ واجب ہوتا ہے، جبہور کہتے ہیں کہ یہ اتنا بڑا گناہ ہے کہ اس کی تلافی کفارہ سے ہو ہی نہیں سکتی، اور جو لوگ وجوب کفارہ کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں انہ ائحوج الی الکفارة من غیرہ، کہ اس میں تو کفارہ کی اور زیادہ حاجت ہے،

من حلف علی یمین مصبورة کاذباً فلیست بواجب مفعلة من النار

یمین مصبورة اس قسم کو کہا جاتا ہے جو آدمی کو قاضی کی مجلس میں روک کر اس سے لی جائے۔ صغیر بمعنی جس اس کو یمین صبر بھی کہتے ہیں، اور یمین کی صفت مصبورة مجاز الائی گئی ہے، مصبور توفی الواقع وہ صاحب یمین ہے مگر چونکہ اس کو اس قسم کی وجہ سے روکا گیا ہے اس لئے صبر کی نسبت یمین ہی کی طرف کی گئی مجازاً واتساعاً (خطابی)

آپ فرما رہے ہیں کہ جو شخص قاضی کی مجلس میں جھوٹی قسم کھائے اس کو اپنے ٹھکانے پر جو جہنم میں ہے چلا جانا چاہیے اس میں آپ نے سوائے اس وعید کے کفارہ کا ذکر نہیں فرمایا اس سے جمہور کی تائید ہوتی ہے یعنی عدم وجوب کفارہ فی الیمین الغموس۔

## باب فی من حلف لیقتطع بہ ہامالا

عن عبد اللہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ..... فقال الاشعث رفی واللہ کان ذلک، کان بیتی وین رجل من الیہود ارضاً

یہ حدیث عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص کسی چیز پر قسم کھائے حال یہ کہ وہ اُس میں جھوٹا ہو، اور کھائے اسلئے تاکہ اس قسم کے ذریعے سے کسی مسلمان کے مال کو خود قبضہ لے تو اس شخص کا انجام یہ ہوگا کہ وہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ وہ اس پر غضبناک ہوں گے۔ — اشعث بن قیس کنندی نے یہ حدیث سن کر کہا: واللہ اس حدیث کا ورد تو میرے قصہ میں ہوا تھا، پھر اگے انہوں نے وہ قصہ بیان کیا کہ میرے اور ایک یہودی کے درمیان زمین تھی، یعنی جس پر وہ یہودی قابض تھا جس کے دینے سے وہ انکار کرتا تھا، میں اس یہودی کو پکڑ کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لے گیا اشعث کہتے ہیں: حضور نے مجھ سے پوچھا کیا تیرے پاس بیٹہ ہے؟ میں نے عرض کیا نہیں، آپ نے یہودی سے فرمایا کہ تو قسم کھا، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ تو جھوٹا آدمی ہے قسم کھالے گا اور میرا مال اڑائے گا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی: ان الذین یشترون بعہد اللہ وایماہنم ثمنا قلیلاً۔ الی آخر الآیۃ۔

یہ آیت اور حدیث دونوں اس پر بات پر دلالت کرتے ہیں کہ علماء کہ یمین غموس میں کفارہ نہیں ہے۔

عن الاشعث بن قیس ان رجلاً من کنندۃ ورجلاً من حضر موت اختما الی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فی ارض من الیمین فقال الحضرمی یا رسول اللہ ان ارضی اغتصبینہا ابوہذا وھی فی یدک۔

اشعث بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ یمین میں ایک زمین تھی جس کے بارے میں ایک رجل کنندی اور رجل حضرمی کا اختلاف اور جھگڑا ہوا، حضرمی مدعی تھا اور کنندی مدعی علیہ، حضرمی نے عرض کیا یا رسول اللہ اس کنندی کے قبضہ میں جو زمین ہے وہ میری ہے اس کنندی کے باپ نے وہ زمین مجھ سے چھینی تھی، آپ نے حضرمی سے فرمایا: تیرے پاس بیٹہ ہے؟ اس نے کہا کہ نہیں، اور یہ بھی کہا کہ میں اس کنندی سے اس طرح قسم کھلوانا چاہتا ہوں کہ وہ اپنی قسم میں یوں کہے: واللہ میں نہیں جانتا ہوں یہ بات کہ یہ زمین حضرمی کی ہے اور اس حضرمی سے میرے باپ نے غصب کی تھی اس پر کنندی اس طرح قسم کھانے کے لئے تیار ہو گیا، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جھوٹی قسم کھانے پر تحریر کرتے ہوئے فرمایا کہ جو شخص جھوٹی قسم کھا کر دوسرے کا مال لے لے تو وہ اللہ تعالیٰ سے

اس حال میں ملاقات کریگا کہ اجزم ہوگا (کندی یہ وعید سنکر ڈر گیا اور) کہنے لگا کہ یہ زمین اسی کی ہے۔

**یہاں پر مصنف نے تین روایات ذکر کی ہیں** | اس حدیث کے راوی صحابی اشعث بن قیس ہیں، اس کے بعد والی حدیث میں بھی اسی قسم کا قصہ آرہا ہے جس کے راوی

وائل بن حجر ہیں لیکن وائل کی روایت میں اس طرح ہے کہ حضری مدعی نے یہ کہا کہ کندی کے پاس جوزین ہے وہ میرے باپ کی تھی جس پر یہ کندی قابض ہے، اور پہلی حدیث یعنی اشعث بن قیس کی حدیث میں یہ تھا کہ حضری مدعی نے یہ کہا کہ کندی کے پاس جوزین ہے وہ میری ہے کندی کے باپ نے مجھ سے غصب کر لی تھی یہ دونوں حدیثیں اس بات میں متفق ہیں کہ مدعی رجل حضری تھا اور مدعی علیہ رجل کندی، اور ان دونوں کے برخلاف باپ کی پہلی حدیث جس کے راوی عبداللہ بن مسعود ہیں اس میں اس طرح ہے کہ خود اشعث بن قیس یہ کہتے ہیں کہ میری زمین ایک یہودی کے قبضہ میں تھی جس کو وہ دیئے سے انکار کرتا تھا اور میں اس کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لے گیا فیصلہ کے لئے، اس صورت میں مدعی خود اشعث بن قیس ہوئے اور مدعی علیہ یہودی۔

**روایات ثلاثہ میں تطبیق** | جاننا چاہیئے کہ دوسری اور تیسری حدیث میں جو آپس میں اختلاف ہے وہ تو صرف

ہے اور ایک میں یہ ہے میری زمین ہے جس کو اس کے باپ نے غصب کر لیا تھا، اور باپ کی پہلی حدیث یعنی عبداللہ ابن مسعود والی حدیث اس کے اندر مدعی خود اشعث بن قیس کندی ہیں اور مدعی علیہ یہودی ہے، اور اشعث بن قیس اور وائل بن حجر کی حدیثوں میں مدعی رجل حضری اور مدعی علیہ رجل کندی ہے، حضرت سہارنپوری نے بذل میں متعدد روایات کو سامنے رکھتے ہوئے یہ رائے قائم فرمائی ہے کہ یوں کہا جائے کہ اس اختلاف کو تعدد واقعہ پر محمول کیا جائے، عبداللہ بن مسعود والی حدیث کا واقعہ الگ ہے، اور جو واقعہ حدیثیں اخیر میں مذکور ہیں وہ دوسرے حضرت امام بخاری نے صحیح میں ان دو میں سے صرف عبداللہ بن مسعود والی حدیث کے قصہ کو لیا ہے۔

حدیث ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اخرجہ البخاری ومسلم والترذی والنسائی وابن ماجہ، وحدیث اشعث بن قیس سکت علیہ المنذری، وحدیث وائل بن حجر اخرجہ مسلم والترذی والنسائی، قالہ المنذری۔

### باب ماجاء فی تعظیم الیمین عند منیر النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

**تعظیم الیمین بالزمان والمکان** | تعظیم بمعنی تغلیظ، اور ترجمۃ الباب کا حاصل تغلیظ الیمین بالمکان ہے، یعنی قسم کو معظّم اور غلیظ کرنا مکان مقدس کے ذریعہ جیسے مسجد یا منبر شریف کے قریب قسم کھلوانا، اور ایسے ہی تغلیظ بالزمان جیسے بروز جمعہ یا بعد العصر وغیرہ، تغلیظ الیمین بالزمان ہو یا بالمکان

حنفیہ اس کے قائل نہیں، شافعیہ مالکیہ قائل ہیں، وعن الحنابلة روايتان، وليس ہمارے فقہار کی عبارتیں قدرے مختلف ہیں، ففی الدر المختار لا یستحب تغلیظ الیمین بزمان ولا مکان، قلت وحاصلہ الاباضۃ، و فی البحر لا یجوز۔

لا یحلف احد عند منبری هذا علی یمین اثمۃ الخ۔ اس حدیث سے بظاہر تغلیظ الیمین بالمکان سمجھ میں آ رہا ہے اس کا جواب میرے ذہن میں یہ ہے کہ عند منبری کی قید بیان واقع کے طور پر ہے برائے تغلیظ نہیں اس لئے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے عوام فیصلے مسجد میں منبر شریف کے قریب ہی ہوا کرتے تھے۔ فقہ ترجم البخاری فی کتاب العلم باب ذکر العلم والعقبات فی المسجد وترجم ایضاً فی کتاب الاحکام باب من قضی ولا عن فی المسجد، قال ابن بطال استحب القضا فی المسجد طائفة وقال مالک ہوا الامر للقدیم الخ و فی الہدایہ وبجلس للحکم جلوساً ظاہراً فی المسجد الخ (ترجم بخاری ص ۳۱) والحدیث اخرجه النسائی وابن ماجہ، قال المذری۔

### باب الیمین بغیر اللہ

یمین بغیر اللہ بالاجماع ممنوع ہے، کراہۃ اور حرمت میں اختلاف ہے، اس میں سبھی ائمہ کے دونوں قول ہیں، لیکن مالکیہ کے نزدیک مشہور کراہۃ ہے، اور حنابلہ کے نزدیک تحریم اور یہی ظاہر یہ کا مذہب ہے، شافعیہ کے یہاں بھی دور وایتیں ہیں اس لئے کہ امام شافعی سے منقول ہے: اخشی ان یكون الحلف بغیر اللہ معصیۃ، فامشیر الی الرد، لیکن جمہور اصحاب شافعی کے نزدیک کراہۃ تنزیہی ہے، اور علت منع یہ ہے کہ کسی چیز کے ساتھ قسم کھانا محکوف بہ کی غایت تعظیم پر دلالت کرتا ہے، والعظمت فی الحقیقۃ انما ہی للہ تعالیٰ وحده (الابواب والترجم ص ۱۹۷)۔

من حلف فقال فی حلفہ: واللہ فلیقل لا الہ الا اللہ، ومن قال لصاحبہ تعال اقام رک فلیصدق بشیء۔ جو شخص لات کی قسم کھاتے یعنی بطور سبقت لسان کے اس سے ایسا ہو گیا تو چونکہ یہ صورتہ شرک ہے اس لئے اس کو اس کے تدارک کے لئے کلمہ توحید پڑھنا چاہیئے اور اگر کوئی شخص یہ قسم قصداً بطریق تعظیم کھائے اس صورت میں تو کفر لازم آئے گا اور تجدید ایمان ضروری ہو گا۔ حدیث کا دوسرا جز یہ ہے کہ جو شخص اپنے ساتھی کو جوئے بازی کے لئے بلائے تو چونکہ یہ معصیت ہے اس لئے اس کو اس کے اثر کے ازالہ کے لئے صدقہ کرنا چاہیئے۔ قال اللہ تعالیٰ: ان الحسنات یدھبن السیئات وقال علیہ الصلوٰۃ والسلام اذا عملت سیئۃ فاتبعها حسنة تجھا (ابن مثنیٰ) والحدیث اخرجه البخاری ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ، ولیس فی حدیث اجد نہم بشیء سوی سلم وحده، قال المذری

لا تحلفوا با یا بامکرم ولا بامہاتکرم ولا بالانداد

حلف بالآبار والاهمات ناجائز اور ممنوع ہے اور اس سے یمین بھی منع نہیں ہوتی عند الأئمۃ الاربعۃ، ابن قدامہ فرماتے ہیں مخلوق کے ساتھ قسم کھانے سے یمین منع نہیں ہوتی کالکعبۃ والانیار و سایر المخلوقات

وہو قول اکثر الفقہاء آگے لکھتے ہیں کہ ہمارے اصحاب کے یہاں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ قسم منعقد ہو جاتی ہے جس میں کفارہ واجب ہوتا ہے۔

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما عن عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ادرکہ وهو فی ركب الخ۔

**شرح الحدیث** حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنا واقعہ خود بیان کرتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ ایک قافلہ سواروں میں تھا، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے دیکھا کہ میں باپ کی قسم کھا رہا ہوں تو اس پر آپ نے تنبیہ فرمائی کہ۔ اگر قسم کھانی ہے تو اللہ کے نام کے ساتھ کھاؤ ورنہ خاموش رہو۔ اور دوسری روایت میں یہ زیادتی ہے، قال عمر فواللہ ما حلفت بهذا کرا ولا اشرا۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تنبیہ کے بعد کبھی باپ کی قسم نہیں کھائی نہ ذکر آنہ آثرانہ خود اپنی طرف سے اور نہ دوسرے کے کلام سے نقل کرتے ہوئے۔ یعنی اگر کسی دوسرے شخص نے باپ کی قسم کھائی تو میں نے اس کو اپنی زبان سے نقل بھی نہیں کیا۔ اس جملہ کے متبادر معنی یہی ہیں۔

والحدیث اخرہ البخاری ومسلم والنسائی وابن ماجہ، قال المنذری۔

انہ سمع طلحة بن عبید اللہ۔ یعنی فی قصۃ الاعرابی۔ قال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم: افلح وابیہ الخ یہ حدیث کتاب الصلوة کے شروع میں گزر چکی وکذا الکلام علیہ فاربع الیہ لوشنت۔

## باب کراہیۃ الحلف بالامانة

حلف بالامانة منعقد ہوتا ہے یا نہیں؟ حنابلہ کے یہاں اس سے قسم منعقد ہو جاتی ہے بان یقول وامانة اللہ

لہ وجہہ الدر دیر لما لکی بانہ لا ینعقد بالینی ولا بالکعبۃ والرکن والمقام والعرش۔ الی آخر ما ذکر۔ فی البدائع۔ لو حلف بشئ من ذلک لایکون بیعتا

لانہ حلف بغير الله تعالیٰ (ترجمہ بخاری) وقال ابن اہلم من حلف بغير الله کأنی بالکعبۃ لم یکن حالفاً (عون)

تہ شرح نے اس جملہ کے دو معنی اور لکھے ہیں (۱) یہ دونوں لفظ ہم معنی ہیں یعنی ارادۃ وقصد وعلیٰ ہذا ذکر اس التکرار (بالغیم) ضد النسیان و آخر اس الاشارة ای الاختیار و فی المعنی الاول آخر اس الاثر بمعنی النقل (۲) تیسرے معنی یہ لکھے ہیں آخر ای متعثر بالآباء الاثر بمعنی الافتقار والاکرام یعنی باپ کی قسم بطور فقر علی الآباء کے کبھی نہیں کھائی (کما یفعل فی الجاہلیہ) بل علی سبیل التجری علی اللسان، اب خلاصہ ان معانی تین کا یہ ہوا۔

جان کر اپنی طرف سے اور نہ دوسرے کی طرف سے نقل کے طور پر۔ ارادۃ واختیاراً بخلاف النسیان کہ اس کی نفی نہیں ہے۔ باپ کی قسم کبھی نہیں

کھائی لا مطلقاً ولا متعثرانہ تعافر کے طور پر اور نہ ویسے ہی۔ (یستفادہ المعانی من حاشیۃ الترمذی)

اور بالامانہ (مغنی) اور خطابی نے امام شافعی کا مسلک عدم انعقاد یمین لکھا ہے، اور حنفیہ کی یمین دونوں روایتیں ہیں انعقاد و عدم انعقاد، انعقاد کی وجہ تو یہ ہے کہ امانت بھی اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ایک صفت ہے از الایمن من اسمائے تعالیٰ اور عدم انعقاد کی وجہ امانت کا عبادت اور فریضہ کے معنی میں آنا ہے۔ (بذل)

من حلف بالامانۃ فلیس منا۔ اس حدیث کا تقاضا یہ ہے کہ حلف بالامانہ منعقد نہیں ہونی چاہیے، ممنوع ہے جس طرح حلف بالآبار ممنوع ہے، لیکن چونکہ حلف بالامانہ بہت سے ائمہ کے نزدیک منعقد ہو جاتی ہے اس لئے کہا جائے گا کہ حدیث میں ممانعت تشبہ بالینود کی وجہ سے ہے۔

## باب المعارض فی الایمان

معارض جمع ہے معارض کی جو اخوند ہے تعریض سے، تعریض یعنی ضد التصريح، اشارہ و کنایہ سے بات کرنا۔

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یمینک علی ما یصدقک علیہا صاحبک۔ یہ خطاب حالف یعنی مدعی علیہ کو ہے اور صاحب سے مراد اس کا مقابل اور خصم یعنی مدعی ہے، یعنی جس چیز پر مدعی قسم کھانا چاہتا ہے اسی پر وہ قسم محمول ہوگی، یہ نہیں کہ جھوٹ سے بچنے کے لئے مدعی علیہ قسم کھاتے وقت کچھ اور نیت کر لے۔

اس حدیث میں دیانت اور سچائی کی تعلیم اور ترغیب ہے اور معارض سے گویا رد کیا گیا ہے کہ آدمی قسم کھاتے وقت تو یہ کرنے لگے، لیکن علماء نے لکھا ہے کہ اگر مدعی علیہ مظلوم ہو تو پھر ظلم سے بچنے کے لئے تو یہ جانتے جیسا کہ آئندہ حدیث میں آ رہا ہے۔

عن سوید بن حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال خرجنا نؤید رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ومعتاض بن عزیق۔ حضرت سوید بن حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ہم اپنے وطن سے چلے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ارادہ سے، ہمارے ساتھ وائل بن حجر بھی تھے ان کو ان کے کسی دشمن نے پکڑ لیا، میں نے دشمن کے سامنے قسم کھائی کہ یہ میرا بھائی ہے اس پر دشمن نے ان کو چھوڑ دیا، دوسرے لوگوں نے تو قسم کھانے سے گریز کیا تھا گناہ کے خوف سے، پھر جب ہم حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پہنچے تو میں نے آپ کو یہ قصہ سنایا تو آپ نے میری تائید فرمائی صدقت المسلمو اخو المسلم۔ اس حدیث سے ظلم سے بچنے کے لئے تو یہ کی اجازت معلوم ہو گئی۔

حدیث ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اخرجہ مسلم والترمذی وابن ماجہ، و حدیث سوید اخرجہ ابن ماجہ، قالہ المنذری



## باب ماجاء في الحلف بالبراءة من ملة غير الاسلام

ترجمہ الباب کی تشریح و ذکر اختلاف النسخ | اکثر نسخوں میں اسی طرح ہے اور بعض نسخوں میں ترجمہ الباب اس طرح ہے۔ "ما جاء في الحلف بالبراءة بملّة غير الاسلام" اور یہی نسخہ صحیح ہے، اس صورت میں ترجمہ الباب کے دو جزر ہوئے اول حلف بالبراءة، ای عن الاسلام، اور دوسرا جزر حلف بملّة غير الاسلام، چنانچہ باب کی پہلی حدیث میں ترجمہ الباب کا جزر ثانی مذکور ہے۔ "من حلف بملّة غير الاسلام كاذباً فهو كما قال" اس کی مثال یہ ہوگی ان فعلت كذا فانما یہودی، اذ نصرانی، اس میں قسم غیر اسلام کے ساتھ کھائی جارہی ہے، اور باب کی دوسری حدیث میں ترجمہ کا جزر اول موجود ہے۔ "من حلف فقال اني بريء من الاسلام فان كاذباً فهو كما قال" مثلاً اس طرح قسم کھائے کہ اگر میں فلاں کام کروں تو میں اسلام سے بری ہوں، اب یہ کہ ان دونوں مسئلوں سے متعلق فقہاء کیا فرماتے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ امام شافعی و مالک کے نزدیک ان دونوں صیغوں سے یہیں منعقد نہیں ہوتی اور نہ کفارہ واجب ہوتا ہے لیکن اس طرح قسم کھانے والا گنہگار بہر حال ہے سچ کہہ رہا ہو یا جھوٹ، اور حنفیہ و حنابلہ کے نزدیک دونوں صیغوں سے یہیں منعقد ہو جاتی ہے اور کفارہ واجب ہوتا ہے اور جو ترجمہ الباب ہمارے نسخہ میں ہے اس کا تو مطلب یہ ہوگا کہ قسم کھانا ملت غیر اسلام سے برادرت کی مثال یوں کہے کہ اگر میں فلاں کام کروں تو غیر اسلام سے بری ہوں، اس طرح تو کوئی قسم نہیں کھاتا، اور غیر اسلام سے تو ہر مسلمان بری ہوتا ہی ہے اور اگر کوئی بالفرض اس طرح قسم کھائے بھی تو اس میں وعید کی کوئی بات نہیں حالانکہ حدیث میں وعید مذکور ہے قد ترددنا فلان هذه الترجمة دقيقة مشككة لاجل اختلاف النسخ، صحیح بخاری میں ترجمہ کی عبارت اس طرح ہے۔ "باب من حلف بملّة سوى الاسلام"

## باب الرجل يحلف ان لا يأتدّم

اور بعض نسخوں میں "ان لا يأتدّم" ہے، اور موافق قیاس بھی یہی ہے جیسا کہ کتاب الطہارۃ میں "ان تنترّدوا وتأتدّموا" کی تحقیق میں گذر چکا ہے، صحیح بخاری میں بھی اسی طرح ہے۔ "اذا حلف ان لا يأتدّم" یہ ادام سے ماخوذ ہے جسکے معنی سالن کے ہیں۔

رأيت النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم وضع شجرة على كسرة فقال هذه ادام هذه-

الکلام علی الحدیث من حیث الفقہ | یعنی ایک مرتبہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ہاتھ میں روٹی کا ٹکڑا لیکر اس پر ایک کھجور رکھی اور فرمایا یہ اس روٹی کا سالن ہے۔

یعنی ضرورت کے وقت میں کھجور سے ہی سالن کا کام لیا جاسکتا ہے، آپ کا مقصد مسئلہ بیان کرنا نہیں ہے، یہی بات کہ مسئلہ کیا ہے سو جانتا چاہیے کہ اس میں امام محمد اور شیخین کا اختلاف ہے، شیخین فرماتے ہیں الادام بالصطیع بہ الخبز اذا اختلط بہ نخل وزیت، لا اللحم والبیض، یعنی ادا م وہ چیز ہے کہ جب روٹی کو اس کے ساتھ لگائیں تو روٹی اس کے رنگ میں رنگ جائے جیسے سرکہ اور روغن زیتون، اور جہاں اس طرح نہ ہو تو وہ ادا م نہیں ہے جیسے لحم اور بیض ان میں روٹی کہاں رنگی جاتی ہے، اور امام محمد کی رائے یہ ہے کہ الادام هو ما یؤکل مع الخبز غالباً، یعنی جو چیز عام طور سے روٹی کے ساتھ روٹی کے تابع ہو کر کھائی جاتی ہو وہ ادا م ہے خواہ روٹی اس میں رنگی جائے یا نہ رنگی جائے، لہذا جو چیز عام طور سے تنہا کھائی جاتی ہو مستقلاً کتمر و زبیب و بیض و سائر الفواکہ لیس ادا م، ہاں اگر کسی مقام میں ان پھلوں میں سے کوئی پھل تبخال الخبز کھایا جاتا ہو تو اس مقام میں اس کو ادا م کہا جائے گا عرف کا اعتبار کرتے ہوئے کذا فی الدر المختار، علامہ عینی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وبقول محمد قالت الائمة الثلاثة الشافعی و مالک و احمد (من الابواب والترجم)

اس بیان مذاہب سے معلوم ہو رہا ہے کہ روٹی کے لئے ترائمہ اربعہ میں سے کسی کے نزدیک بھی ادا م نہیں ہے، مسئلہ کہ عرب میں کھجور غالباً مستقلاً کھائی جاتی ہے، اور اس میں روٹی بھی نہیں رنگی جاتی، لہذا حدیث کا جواب وہی ہے جو اوپر شرح حدیث میں ہم نے لکھا ہے۔ والحدیث اخرجه الترمذی قالہ المنذری۔

### باب الاستثناء فی الیمین

من حلف علی یمین فقال ان شاء اللہ فقد استثنی۔  
یمین کا اطلاق کبھی محلو ف علیہ پر بھی ہوتا ہے مجازاً کافی ہذا الحدیث، یعنی جو شخص کسی بات پر قسم کھانے کے ساتھ ان شاء اللہ کہے تو وہ حانث نہیں ہوتا بشرطیکہ یہ استثناء یعنی ان شاء اللہ کہنا مستقلاً ہو، اس اتصال کی قید کا بیان آئمہ، باب الحالف استثنی بعد ما یتکلم میں آ رہا ہے۔  
والحدیث اخرجه الترمذی والنسائی وابن ماجہ، قالہ المنذری۔

### باب مجاء فی یمین النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ما کان

یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم زیادہ تر کن لفظوں کے ساتھ قسم کھاتے تھے، باب کی پہلی حدیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ وہ لفظ لا وقلب القلب ہے، اور تیسری حدیث میں لا واستغفر اللہ لا وقلب القلب میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ لازماً ہے دوسرا یہ کہ لا کا تعلق مضمون سابق سے ہے یعنی دوران کلام آپ نے فرمایا کہ

ایسا نہیں ہے و مقلب القلوب، اس صورت میں۔ لاہ پر سکتے کرنا ہوگا، اور لاہ استغفر اللہ میں یہ بات متعین ہے کہ یہاں پر قسم یہ مخدوف ہے یعنی لاہ اللہ استغفر اللہ اور باب کی دوسری حدیث میں یہ ہے کہ جب آپ کسی بات پر قسم مبالغہ کے ساتھ کھاتے تھے تو اس طرح فرماتے تھے لاہ الذی نفس الی العاصم بیدہ۔

چوتھی حدیث یہ ہے قال دلمہم وحده ثنیہ ایضا الاسود بن عبد اللہ عن عامر بن لقیط بن لقیط بن عامر۔ دلمہم بن الاسود جو سند حدیث کے راوی ہیں وہ اس حدیث کو دو طریق سے روایت کر رہے ہیں، پہلا طریق یہ ہے دلمہم بن الاسود عن ابیہ عن عمہ لقیط بن عامر، یعنی دلمہم روایت کرتے ہیں اپنے باپ اسود سے اور اسود روایت کرتے ہیں اپنے چچا لقیط بن عامر سے۔

### تحقیق سند

اور دوسرا طریق یہ ہے دلمہم بن الاسود عن ابیہ عن عامر بن لقیط بن عامر یعنی دلمہم روایت کرتے ہیں اسود اور اسود روایت کرتے ہیں عامر بن لقیط سے اور عامر بن لقیط روایت کرتے ہیں لقیط بن عامر سے، مگر حضرت نے بذل میں یہ تحریر فرمایا ہے کہ میرے پاس جو رجال کی کتابیں موجود ہیں ان میں میں نے لقیط بن عامر کوئی راوی نہیں پایا، پس ہو سکتا ہے کہ یہ تحریف ہو اور صحیح لقیط بن عامر ہو دھو لقیط بن صبرۃ بن عامر، واللہ تعالیٰ اعلم۔

خرج وانفذ الی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔

لقیط کہتے ہیں کہ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے یہاں قاصد بن کر پہنچا۔ آگے مصنف فرماتے ہیں اختصاراً کہ اس کے بعد لقیط نے حدیث ذکر کی جس میں یہ ہے کہ آپ نے فرمایا لَقِمْتُ الْفُلَّاحَ تیرے معبود کی بقا کی قسم، عمر سے مراد بقار جو کہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، جیسا کہ قرآن کریم میں ہے۔ لَقِمْتُ الْفُلَّاحَ تیرے معبود کی قسم، اب یہ کہ لَقِمْتُ الْفُلَّاحَ تیرے معبود کی قسم سے یہیں منعقد ہوتی ہے یا نہیں؟ جواب یہ ہے کہ حنفیہ والکلب کے نزدیک منعقد ہو جاتی ہے، اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ اگر اس نے یہ یہیں کی نیت سے کہا تب تو یہیں ہوگی ورنہ نہیں، اور امام احمد سے دونوں روایتیں ہیں کاملہ صیین، کمافی النیل (کذا فی ہامش البذل)

فائدہ کا۔ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی اسی طرح کا باب قائم کیا ہے۔ باب کیف کان یحیی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں، یعنی وہ الفاظ جن کے ساتھ آپ ہمیشہ قسم کھاتے تھے یا اکثر اور مجموعہ اس کا جو اس باب میں مذکور ہے وہ چار الفاظ ہیں (۱) والذی نفسی بیدہ اور ایسے ہی والذی نفس محمد بیدہ، ان میں بعض کے شروع میں لفظ لا ہے اور بعض کے شروع میں لفظ آنا۔ اور بعض کے شروع میں لفظ ایم۔ (۲) لاہ مقلب القلوب، (۳) واللہ (۴) ورب الکعبۃ، والاول اکثرھا ورواھا اور حافظ ابن قیم نے ایک جگہ لکھا ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے قسم کھانا اسی سے زائد مواضع میں منقول ہے فی اکثر من ثمانین موضعاً، وامر اللہ تعالیٰ بالحلف

علی تصدیق ما أخبر به فی ثلاثه مواضع: فی سورة یونس و سبأ و التغابن اه (الابواب و التراجم مختصراً)

## باب الحنث اذا كان خیرا

عن ابی بردۃ عن ابیہ ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم قال انی واللہ ان شاء اللہ لا احلف علی یمین

فارنی غیر ہا خیر امتہا الا کفرت یمینی و اتیت الذی ہو خیر

آپ فرما رہے ہیں کہ واللہ میری طریقہ یہ ہے کہ اگر میں کسی چیز پر قسم کھا بیٹھوں اور پھر اس کے غیر کو اس سے بہتر سمجھوں تو میں اپنی یمین کا کفارہ ادا کر دیتا ہوں اور وہ کام جس کو خیر سمجھتا ہوں اسکو کرتا ہوں۔ اس میں راوی کو شک ہو رہا ہے کہ یا تو آپ نے اسی طرح فرمایا تھا اور یا اس طرح فرمایا تھا کہ میں اس کا خیر کو کرتا ہوں اور کفارہ یمین ادا کرتا ہوں (ان دونوں میں تقدیم و تاخیر کا فرق ہے) پہلے جملہ میں کفارہ یمین اولاً مذکور ہے اور اس کا خیر کو کرتا بعد میں مذکور ہے، اور دوسرے جملہ میں ترتیب اس کے برعکس ہے۔

**تقدیم الکفارۃ علی الحنث** | اور یہ مسئلہ خود مختلف فیہ ہے یعنی کفارہ قبل الحنث کا جواز عدم جواز جس کو مصنف آگے خود بیان کر رہے ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں، قال ابو داؤد: سمعت

احمد بن یحییٰ فیہا الکفارۃ قبل الحنث، بقیہ ائمہ کے مذاہب اس میں یہ ہیں کہ امام مالک کا مسلک بھی یہی جو امام احمد کا ہے یعنی کفارہ قبل الحنث کا جواز مطلقاً اور امام شافعی کے نزدیک کفارہ مالیہ کی تقدیم توجائز ہے اور غیر مالیہ یعنی کفارہ بالصوم اس کی تقدیم جائز نہیں اور حنفیہ کے نزدیک مطلقاً جائز نہیں۔

اسکے بعد جانا چاہیے کہ کفارہ یمین جو قرآن کریم کی اس آیت میں مذکور ہے، لا یؤخذ کفر اللہ باللغو فی ایمانکم و لکن یؤخذ کرم ما عقدتم الایمان فکفارتہ اطعام عشرۃ مساکین من اوسط ما یطعمون اھلیکم او کسوۃم او قحیر من رقبۃ، فمن لم یجد فصیام ثلثۃ ایام۔ یہ کل چار چیزیں ہوں گی، اطعام عشرۃ مساکین، یا آن کا کسوۃ، اعتاق، اور ان تینوں میں سے کسی ایک پر قدرت نہ ہونی کی صورت میں صوم ثلاثۃ ایام، حنفیہ کے نزدیک وجوب کفارہ کا سبب حنث ہے اسی لئے انکے نزدیک تقدیم الکفارۃ علی الحنث جائز نہیں، اور شافعیہ وغیرہ کے نزدیک وجوب کفارہ کا سبب خود یمین ہے اور حنث اسکی شرط، و فی شرح السنۃ: و انما یجوز تقدیم العقی او الاطعام او الکسوۃ کما یجوز تقدیم الزکاة علی الحول، و لا یجوز تعیل صوم رمضان قبل وقۃ انتہی۔ (بذل مختصراً)

**باب فی القسم هل یكون یمینا**

تفصیل مذاہب اربعہ فی مسئلۃ الباب | یعنی لفظ قسم سے یمین منعقد ہوتی ہے یا نہیں جیسے یوں کہتے اقسمت

یا اقسمت باللہ، جانتا چاہیے کہ حلف بلفظ القسم کی دو صورتیں ہیں (۱) مجرد اذن لفظ الجلالہ یعنی بغیر لفظ اللہ کے صرف یوں کہے، اقسمت۔ (۲) مقررنا بلفظ الجلالہ، جیسے اقسمت باللہ، حنفیہ کا مسلک تو یہ ہے کہ ان دونوں صورتوں میں یحییٰ منعقد ہو جاتی ہے، اور امام خطابی نے امام شافعی و مالک کا مذہب یہ لکھا ہے کہ پہلی صورت میں منعقد نہیں ہوتی صرف دوسری صورت میں منعقد ہوتی ہے (بذل) حنفیہ کا یہ مسلک بذل میں بدائع سے نقل کیا ہے اور یہ کہ امام زفر کا مسلک اس میں امام شافعی کے مسلک کے موافق ہے، اور حافظ نے ابن المنذر سے جو مذاہب ائمہ نقل کئے ہیں وہ اس طرح ہیں کہ لفظ اقسمت سے خواہ اس کے ساتھ باللہ کہیں یا نہ کہیں، یحییٰ کا قصد ہو یا نہ ہو بہر صورت یحییٰ ہے وہ قال النخعی والثوری والکوفیون، اور امام مالک کا مسلک یہ نقل کیا ہے کہ اقسمت باللہ تو بہر حال یحییٰ ہے اور صرف لفظ اقسمت یحییٰ نہیں ہے الا بالنیۃ، اور امام شافعی کا مسلک یہ لکھا ہے کہ صرف لفظ اقسمت تو کسی حال میں یحییٰ نہیں ہے یعنی دلونوی، اور لفظ اقسمت باللہ یہ یحییٰ ہے یہ صورت نیت ورنہ نہیں، اور اسحق بن راہویہ کے نزدیک مطلقاً یحییٰ نہیں ہے، اور امام احمد کے انہوں نے اس میں دو قول نقل کئے ہیں ایک یہ کہ مطلقاً یحییٰ ہے مثل الحنفیہ، دوسرا یہ کہ نیت کی صورت میں یحییٰ ہے ورنہ نہیں مثل المالکیہ (الابواب المترجم)

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال کان ابوہریرۃ یحدث ان رجلاً اتی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وآلہ وسلم فقال انی اری اللیلۃ فذکر رؤیا فعبہا ابو بکر فقال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اصبت بعضاً وخطأت بعضاً فقال اقسمت علیک یا رسول اللہ الخ۔

**مضمون حدیث** حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آیا اور کہا کہ رات میں نے یہ خواب دیکھا ہے (مصنف نے تو اس خواب کو یہاں اختصاراً حذف کر دیا یہ خواب ابو داؤد میں باب فی شرح السنۃ میں باب فی الخلفاء کے اندر اس طرح آرہا ہے فقال انی اری اللیلۃ قلۃ یتنظف منہا السمن العسل فاری الناس یتکفون بایدیم فاستکثر والمستقل الحدیث، کافی طویل خواب ہے جس کے شروع کا حصہ یہ ہے کہ اس شخص نے عرض کیا کہ رات میں نے خواب میں ایک بادل کا ٹکڑا دیکھا جس سے گھی اور شہد ٹپک رہا ہے اور میں لوگوں کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ اپنے ہاتھوں سے اس ٹپکنے والی چیز کو لے رہے ہیں بعض کثیر مقدار میں اور بعض قلیل مقدار میں۔ الی آخر الخ روایا، اس خواب کے بارے میں صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ سے یہ عرض کیا یا رسول اللہ اس کی تعبیر دینے کی مجھے اجازت دے دیجئے، اور پھر انہوں نے اس کی تعبیر بیان کی اور پوچھا یا رسول اللہ میں نے صحیح تعبیر دی یا غلط، اس پر آپ نے فرمایا جو یہاں روایت میں مذکور ہے، اصبت بعضاً وخطأت بعضاً، کہ کچھ حصہ تعبیر کا صحیح ہے اور کچھ غلط، اس پر صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) میں آپ کو قسم دیتا ہوں کہ آپ مجھے بتلا دیجئے کہ میں نے کیا غلطی کی

آپ نے فرمایا لا تقسموا، یعنی قسم مت کھاؤ اور پھر آپ نے خطا و صواب کی تعیین نہیں فرمائی۔

**حدیث الباب استدلال بہ الفرقہ یقان** | امام خطابی فرماتے ہیں اس واقعہ کو فریقین میں سے ہر ایک نے اپنی دلیل قرار دیا، شافعیہ نے (جن کے نزدیک اس سے قسم نہیں ہوتی)

اس طور پر کہ حدیث میں ابرار مقسم کا حکم وارد ہو رہا ہے کہ اگر کسی مسلمان پر اس کا دوسرا بھائی قسم کھالے تو اس کو چاہیے کہ اس کی قسم کو پورا کر دے اور حالف کو حانت نہ ہونے دے، دیکھئے یہاں پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے صدیق اکبر نے جس چیز پر قسم کھائی تھی کہ آپ بتا دیجئے مگر آپ نے نہیں بتایا، تو اگر قسمت علیک قسم منعقد ہو جاتی تو صدیق اکبر حالف اور مقسم ہوتے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان کا ابرار فرماتے، حالانکہ حضور نے ان کا ابرار نہیں فرمایا، معلوم ہوا صدیق اکبر مقسم ہی نہ تھے، یہ طریق استدلال تو ہوا شافعیہ کا، اور حنفیہ کا طریق استدلال یہ ہے کہ حضور صدیق اکبر سے فرما رہے ہیں لا تقسم کہ قسم کیوں کھاتے ہو میں نہیں بتاؤں گا، معلوم ہوا کہ قسم ہو گئی تھی۔  
والحدیث أخرجه البخاری ومسلم والترمذی وابن ماجہ، قالہ المنذری۔

### باب فی الحلف کاذباً متعمداً

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان رجلیین اخضا علی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔  
یعنی دو شخص آپ کی خدمت میں کسی چیز کے بارے میں جھگڑتے ہوئے آئے، مدعی کے پاس چونکہ بیٹہ نہیں تھا اس لئے آپ نے مدعی علیہ سے قسم طلب کی تو اس نے قسم ان لفظوں کے ساتھ کھائی، بالشر الذی لا الہ الا هو، تو آپ نے اس کی قسم کے یہ لفظ سن کر فرمایا بلی قد فعلت، کہ جس چیز کے نہ کرنے پر تو قسم کھا رہا ہے تو نے وہ کام ضرور کیا ہے (لہذا تو اس قسم میں جھوٹا ہے) لیکن تیری یہ لغزش اور گناہ قول لا الہ الا اللہ کے اخلاص کی برکت سے معاف کر دیا گیا۔

**استفید بالحدیث امران** | اس پر علامہ سندھی فتح الودود میں لکھتے ہیں: ظاہر یہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس شخص کی بیعت کو بذریعہ وحی یا الہام باطل قرار دیتے ہوئے اس کے خلاف فیصلہ فرمایا، اور اس سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ احیاناً حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم وحی وغیرہ کے ذریعہ سے باطن حال کا اعتبار کرتے ہوئے ظاہر کے خلاف فیصلہ فرماتے تھے، اور وہ جو آپ نے فرمایا لیکن غفر اللہ لک اس سے مراد حلف کاذب کے گناہ کی معافی ہے نفیہ دلیل علی ان الکبائر تغفر بکلمۃ التوحید اھ

لہ یعنی قسم کیوں کھاتے ہو فعلہ منہ انہ یمن کما هو مسلک المحنفیۃ واجہل عند الشافعی وجہ آخر بان علیہ السلام امر ابرار المقسم فلو کان قسماً لا یبرہ۔

قال ابو اؤد: يراود من هذا الحديث انه لم يامره بالكفارة - الم ابو اؤد يه فرما رہے ہیں کہ اس حدیث سے یہ بات مستفاد ہو رہی ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس حالف کو کفارہ کا حکم نہیں فرمایا حالانکہ اس کی یہ یحییٰ بن عیسیٰ بن غموس تھی جس کے اندر امام شافعی کے نزدیک کفارہ ہے، لیکن جمہور کا مسلک یہی ہے کہ کفارہ فیہ، اس حدیث سے دو فائدے وہ مستفاد ہوئے جن کو علامہ سندی نے بیان کیا، تیسرا فائدہ یہ ہوا جس کو مصنف نے بیان فرمایا ہے، یہاں پر حضرت نے بذل الجہود میں ایک اشکال اور پھر اس کا جواب تحریر فرمایا ہے، اشکال یہ کہ یحییٰ بن عیسیٰ کا ذبیحہ کبیرہ ہے جو بغیر توبہ کے معاف نہیں ہوتا، تو اس شخص کا یہ کبیرہ صرف کلمۃ التوحید سے کیسے معاف ہو گیا اس لئے کہ حسنات صرف مکفر صغائر ہیں نہ کہ مطلقاً، پھر اس کا جواب یہ لکھا ہے کہ ممکن ہے یوں کہا جائے کہ جب اس شخص نے لا الہ الا اللہ اخلاص کے ساتھ کہا تو گویا اس کو ندامت ہوئی اپنے فعل پر اور ندامت ہی توبہ ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ کہا جائے کہ یہ شخص لا الہ الا اللہ کہنے سے پہلے مؤمن مخلص نہیں تھا اس حلف کے وقت ہی کلمۃ توحید اخلاص کے ساتھ پڑھا تو گویا اس نے اپنے ایمان کی تجدید کی تو اس تجدید ایمان نے اس کی سابقہ معصیت کی تکفیر کر دی۔

والحدیث اخرجه النسائی، قال المستذری۔

## باب كم الصاع في الكفارة

یعنی کفارہ یحییٰ میں کتنے صاع غلہ دیا جائے گا؟

کفارہ یحییٰ کی تفصیل مع مذاہب ائمہ | وفي الكثر، وكفارتہ تحریر رقبۃ او اطعام عشرة مساكين كما في الظهار  
او كسوتهم بما يستر عانة البدن لقوله تعالى: فكفارتہ اطعام عشرة  
مساكين او كسوتهم الآية وكلمة: اؤد للتخفيف كان الواجب احد الاشياء الثلاثة، وقوله: كما في الظهار اي كالا طعام  
والتي يرفى الظهار، وقد بيناها هناك (زيلي ج ۱۱) وفي حاشية الشلبي: وان شارب اطعم عشرة مساكين كالا طعام في  
كفارة الظهار وهي نصف صاع من بر او صاع من تمر او شعير، ويجوز ان يغديهم ويعشيم بنجر الا انه ان كان بر لا يشترط  
فيه الادام وان كان غيره فبادام، ويجزئ في الاطعام كل من التملك والاباحة معلوم هو ان اطعام في دونين اختيار  
بين ياتوهر مسكين كومثل صدقة الفطر کے ایک صاع شعیر وغیرہ کا اور نصف صاع گیہوں کا دیا جائے، اور یا تغیر  
اور تشیم کو اختیار کرے یعنی دس مسکینوں کو صبح شام پیٹ پھر کر کھانا کھلانا، اور کھانے میں بھی اباحت اور تملیک  
دونوں کا اختیار ہے، اسی طرح شافعیہ وغیرہ کے یہاں جو مقدار کفارہ ظہار وغیرہ میں دی جاتی ہے وہی مقدار یہاں  
دس مسکینوں کو دیا جادے، چنانچہ شافعیہ کے یہاں ہر مسکین کو ایک مد من کل شیء اور امام مالک کے نزدیک نصف صاع  
یعنی دو مد من کل شیء، اور امام احمد کے نزدیک من البر مد او من غیرہ مدین کا تقدم في كفارة الظهار۔

یہی مسئلہ مصنف کے ترجمہ الباب میں مذکور ہے اسی لئے ہم نے اس کو یہاں بیان کیا۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ مصنف کی غرض ترجمہ الباب سے مقدار صاع کو بیان کرنا ہو کہ جس صاع سے کفارہ ادا کیا جائے اس صاع کی مقدار کیا ہو، چنانچہ اس حدیث سے جو مذکور تحت الباب ہے معلوم ہوا کہ اس کی مقدار مدہشام کے اعتبار سے مدین اور نصف مدینونی چاہیے، نفی غرض المصنف من الترجمة احتمالان۔

فوهبت لنا ام حبيب صاعا حدثنا عن ابن ابي شافية عن صفية عن صفية رضي الله تعالى عنها..... فوجدنا مدین ونصف مدہشام، ابن حرمہ کہتے ہیں کہ ہم کو ام حبیب نے جو کہ حضرت صفیہ کے بھتیجے کے نکاح میں تھیں انہوں نے ہم کو ایک صاع دیا جس کے بارے میں انہوں نے اپنے شوہر ابن اخی صفیہ سے اور انہوں نے حضرت صفیہ سے یہ روایت کیا کہ یہی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا صاع تھا۔ آگے حضرت انس فرماتے ہیں کہ میں نے جو اس کو ناپا تو اس کو دو مدہ اور نصف مدہ پایا مدہشام کے لحاظ سے۔

مدکی بحث ہمارے یہاں ابواب الوضوء میں بالتفصیل گزر چکی اور یہ کہ ایک صاع بالاتفاق چار مد کا ہوتا ہے لیکن اس میں اختلاف ہے کہ ایک مد کا وزن کیا ہے، حنفیہ کے نزدیک دو رطل اور جمہور کے نزدیک ایک رطل اور ثلث رطل، لیکن یہاں روایت میں راوی یہ کہہ رہا ہے کہ وہ صاع دو مد اور نصف مد کا تھا لیکن ساتھ ہی میں راوی یہ بھی کہہ رہا ہے کہ میری مراد مد سے مدہشام ہے۔

**مدہشام کی مقدار اور اس کی تحقیق** | اس سے معلوم ہوا کہ مدہشام مطلق مد سے بڑا ہوتا ہے، اب یہ کہ اس کی مقدار کیا ہوتی ہے، بخاری شریف کا ترجمہ تو ہے ”باب صاع المدنیۃ و المدنی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم دبرکتہ۔ مدہشام کا ذکر اس میں نہیں ہے البتہ موطا مالک میں ہے چنانچہ اس میں ہے قال مالک والکفارات كلها وزكاة الفطر وزكاة العشر كل ذلك بالمد الا صغر مد النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم الا الظهار فان الكفارة فيه بالمد الاعظم مدہشام اھ جمہور علماء کے نزدیک تو تمام ہی کفارات میں مد مدنیہ یا کہنے مد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا اعتبار ہے اور امام مالک نے بھی جملہ کفارات اور زکاة فطر وغیرہ میں اسی مد کا اعتبار کیا ہے جس کو موطا میں مد اصغر سے تعبیر کیا ہے لیکن کفارة ظہار میں انہوں نے مدہشام کا اعتبار کیا، جس کو مد اعظم سے تعبیر کیا ہے اور جز میں حضرت شیخ نے علامہ باجی سے نقل کیا ہے کہ ہمارے اصحاب کا اسکی مقدار میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں ایک مدہشام ایک ثلث کم دو مدنی کے برابر ہوتا ہے اور ایک قول یہ ہے کہ پورے دو مدنی کے برابر ہوتا ہے یعنی اس سے پورا دو گنا ہوتا ہے۔ (الی آخر ما ذکر فی الاو جز ص ۱۸۹)



## باب فی الرقبة المؤمنة

کفارہ یحییٰ والے رقبہ میں مؤمنہ کی قید جمہور علماء اور ائمہ ثلاث کے نزدیک ہے، حنفیہ کے نزدیک اس میں مؤمنہ کی قید نہیں، البتہ کفارہ قتل میں حنفیہ کے نزدیک رقبہ مؤمنہ کی قید ہے اسلئے کہ وہ آیت کریمہ جو کفارہ قتل کے بارے میں ہے وہ ایمان کی قید کے ساتھ مقید ہے بخلاف اس نص کے جو کفارہ یحییٰ کے بارے میں ہے کہ وہ مطلق ہے قال تعالیٰ: او تحریر بر رقبہ۔ لہذا مطلق اپنے اطلاق پر رہے گا اور مقید اپنی تقييد پر اور جمہور علماء نے اس مسئلہ میں مطلق کو مقید پر محمول کیا ہے، یہ مشہور اختلافی مسئلہ ہے کتب اصول فقہ میں بھی مذکور ہے المطلق بحری علی اطلاقہ والمقید علی تقييدہ ضابطہ کے تحت۔

عن معاوية بن الحكم السلمي قال قلت يا رسول الله جارية لي صككتها صككة فعضمة ذلك علي رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم۔

معاوية بن الحكم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ میری ایک باندی ہے جس کے چہرہ پر میں نے تھپڑ مار دیا تھا آپ نے اس کا میرے حق میں جرم عظیم ہونا ظاہر فرمایا (یہ گھبر گئے) اور کہنے لگے کہ کیا میں اس کو آزاد نہ کر دوں آپ نے فرمایا کہ اس کو میرے پاس لے کر آؤ، وہ کہتے ہیں میں اسکو آپ کے پاس لے کر آیا آپ نے اس سے بطور امتحان سوال فرمایا۔ این اللہ کہ اللہ تعالیٰ تیرے نزدیک کہاں ہے اس نے جواب دیا۔ فی السماء، آسمان میں ہے، یہ سوال تو گویا توحید سے متعلق ہوا اور اس میں اصنام کے الہ ہونے کی نفی ہو گئی پھر آپ نے سوال فرمایا کہ میں کون ہوں، اس نے کہا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں، آپ نے ان صحابی سے فرمایا کہ اس کو آزاد کر دو کہ یہ مؤمنہ ہے،

اس حدیث کی شرح میں امام خطابی لکھتے ہیں کہ یہ بات معقول اور بدیہی ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان صحابی کو اس جاریہ کے آزاد کرنے کا حکم بطریق کفارہ کے دیا تھا یعنی معصیت ضرب کا کفارہ اس طور پر کہ پہلے آپ نے اس کے ایمان کا امتحان لیا اس کے بعد اس کے اعتقاد کا حکم فرمایا، اس سے معلوم ہو رہا ہے کہ ہر کفارہ کا حال اور حکم یہی ہے اور پھر اس کے بعد انہوں نے اس میں اختلاف علماء کو بیان کیا ہے، یہاں ذکر چونکہ کفارہ یحییٰ کا ہو رہا ہے اسی لئے امام خطابی نے اشارہ کیا اس بات کی طرف کہ ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کو مطابقت بطریق قیاس ہے۔

والحدیث اخرجه مسلم والنسائی بإسنادہ، قالہ المنذری۔

## باب کراہیۃ النذر

گذشتہ ابواب میں سے متعلق تھے یہاں سے نذر کے ابواب شروع ہوتے ہیں چنانچہ بعض نسخوں میں اس باب سے پہلے جلی قلم سے لکھا ہے: **اول النذور**

عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال اخذ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ینہی

عن النذر ویقول انہ لا یزید شیئاً وانہا یستخرج بہ من البخیل۔

**حکم نذر میں مذاہب ائمہ** مصنف نے ترجمہ قائم کیا کراہت نذر کا، مصنف حنبلی ہیں اور حنابلہ کے یہاں ابتداء نذر مکروہ ہے اور یہی امام شافعی کا مذہب ہے کما قال الحافظ، اور حنفیہ مالکیہ کے نزدیک حکم نذر استحباب ہے لیکن حافظ نے مالکیہ کا مذہب بھی کراہت نقل کیا ہے مثل شافعیہ کے، لیکن اس پر قسطلانی نے تعقب کیا ہے کہ مختصر خلیل (جو فقہ مالکی کی کتاب ہے) میں تصریح ہے اس بات کی کہ جو شخص نذر ماننا ہے شکر اللہ تعالیٰ وہ مندوب ہے قال ابن رشد وہو مذہب مالک اھ من الابواب والترجم والبسط فیہ حنفیہ مالکیہ کے نزدیک روایات نہی کا محل مطلق نذر نہیں ہے بلکہ نذر اللجاج ہے امام بخاری نے باب قائم کیا۔ باب الوفاء بالنذر وقول اللہ تعالیٰ یوفون بالنذر علامہ عینی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ امام بخاری اس آیت کو لائے اس بات کی طرف اشارہ کرنے کے لئے کہ نذر کو پورا کرنا قابل تعریف چیز ہے، اس کا فاعل سخی ثنار ہے لیکن اس نذر سے مراد نذر طاعت ہے نہ کہ نذر معصیت، اور پھر فرماتے ہیں کہ نذر طاعت کے وفاء کے وجوب پر علماء کا اجماع ہے، لیکن ابتداء نذر میں اختلاف ہے فقہل مستحب وقیل مکروہ الخ، یعنی اولاً تو یہ سمجھئے کہ ایک تو ہوتی ہے نذر طاعت اور ایک نذر معصیت، نذر معصیت کا قبیح اور ناجائز ہونا تو ظاہر ہے اور نذر طاعت میں دو پہلو ہیں ایک نذر مان کر اس کو پورا کرنا، اسمیں بھی کوئی کلام نہیں کہ یہ عبادت ہے اور مستحسن ہے، لیکن گفتگو ابتداء نذر میں ہے یعنی نذر ماننا کیسا ہے محمود یا مذموم؟ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے حنفیہ و مالکیہ کے یہاں مستحب اور شافعیہ و حنابلہ کے یہاں مکروہ ہے، خوب اچھی طرح سمجھ لیجئے یعنی الفرق بین ایفاء النذر وابتداء النذر۔

**شرح الحدیث** یہ سارا کلام تو تھا ترجمہ الباب کے تحت اور حدیث الباب کا مضمون یہ ہے، حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم منع فرماتے رہتے تھے نذر سے۔ یعنی ابتداء نذر سے۔ اس لئے کہ یہ تو ظاہر ہے کہ ایفاء نذر واجب ہے، اور پھر آگے حدیث میں ہے کہ آپ فرماتے تھے کہ نذر تقدیر کو نہیں ٹال سکتی (بلکہ ہوتا ہی ہے جو تقدیر میں ہے) اور پھر فرماتے ہیں کہ جزایں نیست کہ نذر کے ذریعہ سے مال نکلوایا جائے بخیل آدمی سے، اس سے دو باتیں معلوم ہو رہی ہیں

ایک یہ کہ اس اعتقاد سے نذر ماننا کہ نذر کی وجہ سے ہمارا کام ہو ہی جائے گا یہ اعتقاد تاثر باطل ہے لہذا اس نیت اور اعتقاد سے نذر نہیں مانتی چاہیے، دوسری بات یہ معلوم ہو رہی ہے کہ طاعت کی نذر ماننا اس طاعت کو معلق کرنا ہے کہ اگر یہ کام ہمارا ہو جائے گا تو ہم اتنا مال صدقہ کریں گے یہ طریق بخیلوں کا ہے، انفاق قبیلہ لوجہ اللہ کو نذر کے ذریعہ سے معلق نہیں کرنا چاہیے، بلکہ اس نیکی کو بدون نذر کے کر گزرنا چاہیے، لیکن بخیل کی طبیعت اس کے لئے آمادہ نہیں ہوتی وہ بدون تعلیق بالنذر کے خرچ نہیں کرتا، اور نذر طاعت کا یہ پہلو قابل مدح نہیں بلکہ مذموم ہے، بذل میں لکھا ہے کہ لوگوں کی عادت ہے کہ جلب منافع اور دفع مضار کیلئے نذریں مانتے ہیں اور یہ فعل ہے بخلا کا اسی لئے اس سے حدیث میں منع کیا گیا ہے لیکن اگر کوئی شخص اخلاص کے ساتھ کسی قربت و عبادت کی نذر مانے جس طرح حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسجد حرام میں ایک رات کے اعتکاف کی نذر مانی تھی وہ ممنوع نہیں ہے اھ

والحدیث اخرجه البخاری ومسلم والنسائی وابن ماجہ، قالہ المنذری۔

## باب النذر فی المعصیۃ

عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم من نذر ان یطیع اللہ فلیطعہ ومن نذر ان یعصی اللہ فلا یعصہ۔

نذر معصیت منعقد ہوتی ہے یا نہیں، مذاہب ائمہ | اس حدیث میں نذر طاعت کے پورا کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور نذر معصیت سے منع کیا گیا ہے یعنی اس کے پورا کرنے سے، اس پر اجماع ہے کہ نذر معصیت کا ایفار جائز نہیں لیکن اس میں اختلاف ہو رہا ہے کہ نذر معصیت منعقد بھی ہوتی ہے یا نہیں اور ایسے ہی وجوب کفارہ میں، ابن قدامہ فرماتے ہیں کہ نذر معصیت کا ایفار بالاجماع جائز نہیں اور ناذر پر کفارہ یحییٰ واجب ہو تا ہے سفیان ثوری اور ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کے نزدیک، اور امام احمد اس قسم کی روایت مردی ہے جو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اس پر کفارہ واجب نہیں ہے اور یہی مذہب ہے امام مالک اور شافعی کا اھ (تراجم بخاری) امام خطابی نے بھی امام مالک اور شافعی کا مذہب عدم وجوب کفارہ لکھا ہے، اور حافظ ابن قیم نے تہذیب السنن میں امام احمد کا مسلک مثل حنفیہ کے لکھا ہے ان کے لفظ یہ ہیں :

قال الموحیون للکفارة فی نذر المعصیۃ (وہم احمد واسحاق والثوری وابو حنیفہ واصحابہ) هذه الآثار قد تعددت طرقها ورواياتها ثقات۔ الی آخر ما ذکر۔ خود حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ پر تفصیل کے ساتھ کلام کرتے ہوئے وجوب کفارہ کو ترجیح دی ہے روایت ودرایت، ان عبارات سے معلوم ہوتا ہے بلکہ بعض نے تصریح بھی کی ہے کہ

حضرت امام احمد بن حنبل سے اس میں دونوں روایتیں ہیں۔  
والحدیث اخرجه البخاری والترمذی والنسائی وابن ماجه، قاله المنذری۔

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال بینما النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یخطب اذا هو

برجل قائم فی الشمس فسأل عنہ فقالوا هذا ابو اسرائیل الخ۔

یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جبکہ خطاب فرما رہے تھے اچانک آپ کی نظر ایک ایسے شخص پر پڑی جو دھوپ میں گھڑا ہوا تھا آپ نے اس کے بارے میں لوگوں سے سوال کیا، لوگوں نے عرض کیا کہ یہ شخص ابو اسرائیل ہے اس نے نذر مانی ہے اس بات کی کہ گھڑا رہے گا یعنی دھوپ میں، اور بیٹھے گا بنیں اور یہ کہ کسی سے بات نہیں کریگا، اور یہ کہ روزہ سے رہے گا، آپ نے فرمایا کہ اس سے کہہ دو کہ اس کو چاہیے کہ بات کرے اور سایہ میں چلا جائے، اور بیٹھے گھڑا نہ رہے اور اپنے روزہ کو پورا کرے۔

امام خطاب فرماتے ہیں کہ اس شخص کی نذر، نذر طاعت، اور نذر معصیت دونوں پر مشتمل تھی پس آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان انواع نذر میں سے جو نذر طاعت تھی اس کے پورا کرنے کا اور جو نذر غیر طاعت کی تھی اس کے ترک کرنے کا حکم فرمایا، صوم تو نذر طاعت تھی اور قیام فی الشمس اور ترک کلام و ترک استقلال یہ نذر غیر طاعت تھی، اسلئے کہ یہ چیزیں مشاق کے قبیلہ سے ہیں بدن کو تھکانے والی اور اذیت پہنچانے والی، ان میں کوئی معنی عبارت اور قربت کے نہیں ہیں، اسی لئے آپ نے ان کے ترک کا حکم فرمایا۔  
والحدیث اخرجه البخاری وابن ماجه، قاله المنذری۔

## باب من رأى عليه كفارة اذا كان في معصية

یہ ترجمہ الباب حنفیہ کے مسلک کی ترجمانی کر رہا ہے اور اسی طرح وہ حدیث جو اس باب میں مصنف لائے ہیں لیکن مصنف نے اس حدیث پر بعض دیگر محدثین کی طرح سخت کلام کیا ہے کما سیأتی۔

عن یونس بن الزہری عن ابی سلمة عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ

وسلم قال لا نذر فی معصیة وکفارة یمین۔

یہ حدیث ترجمہ الباب اور حنفیہ کے مسلک کے مطابق ہے اگے مصنف اس پر کلام اور نقد فرما رہے ہیں۔

قال ابو داود وسمعت احمد بن شویہ قال قال ابن المبارک۔ یعنی فی هذا الحدیث حدیث

ابی سلمة۔ فذلک علی ان الزہری لم یسمعه عن ابی سلمة۔

قال ابو داود کی تشریح وفتح [اس عبارت کا مطلب سمجھنے کے لئے اس حدیث کی دوسری سند جو آگے آ رہی ہے

اس کو دیکھتے چنانچہ اس میں اس طرح ہے: عن ابن شہاب عن سلیمان بن ارقم عن یحییٰ بن ابی کثیر اخبرہ عن ابی سلمۃ۔ اس سند میں زہری اور ابوسلمہ کے درمیان دو واسطے مذکور ہیں سلیمان بن ارقم اور یحییٰ بن ابی کثیر جبکہ اس پہلی سند میں ان دونوں واسطوں میں سے ایک بھی واسطہ مذکور نہیں بلکہ براہ راست زہری ابوسلمہ سے روایت کر رہے ہیں، اب اسکے بعد مصنف کے کلام کا مطلب سمجھئے، مصنف فرما رہے ہیں میں نے اپنے استاذ احمد ابن شہاب سے سنا کہ حضرت عبداللہ بن المبارک نے اس حدیث ابوسلمہ پر کلام کیا ہے (اگے کچھ نہیں ہے کہ کیا کلام فرمایا ہے) لیکن مصنف فرما رہے ہیں کہ ابن المبارک کا حدیث پر نقد اور کلام اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ زہری نے اس حدیث کو ابوسلمہ سے براہ راست نہیں سنا، یہ بات مصنف نے کیسے سمجھی کہ انہوں نے کلام اس بنا پر کیا؟ غالباً مصنف نے یہ اسلئے سمجھا کہ اس حدیث کی سند میں کوئی راوی ایسا نہیں جو غیر ثقہ ہو لہذا یہ کلام کسی اندر کے راوی کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ انقطاع سند کی وجہ سے ہو سکتا ہے اسی لئے اس کے بعد والی حدیث میں مصنف ایسے طریق کو لائے ہیں جس میں زہری اور ابوسلمہ کے درمیان دو واسطے موجود ہیں، فثبت منہ انقطاع هذا السند ووجه الکلام علیہ، مصنف اسی پر بس نہیں کرتے ہیں بلکہ آگے امام احمد کا نقد بھی جو اس حدیث پر ہے اس کو ذکر فرما رہے ہیں: قال ابو داؤد سمعت احمد بن حنبل یقول انس واحلیسا هذا الحدیث، قیل لہ: وضح

افساد عندک؟ وھل رواہ غیر ابن ابی اویس؟ قال: ایوب، کان امثلاً منہ، وقد رواہ ایوب، مصنف فرما رہے ہیں میں اپنے استاذ احمد بن حنبل سے سنا وہ فرماتے تھے بعض لوگوں نے اس حدیث کو ہم پر فاسد اور خراب کر دیا، یعنی اس کی سند میں گڑبڑ کر کے۔ کسی نے ان سے پوچھا کیا آپ کے نزدیک اس حدیث کا یعنی اس کی سند کا گڑبڑ ہونا محقق ہے؟ دراصل سائل کچھ گیا تھا کہ حضرت امام احمد بن حنبل اس حدیث کی سند کا فساد جو ثابت فرما رہے ہیں وہ اس سند اور طریق کے پیش نظر ہے جو آگے کتاب میں آرہی ہے جس کا راوی ابوبکر بن ابی ایس (جس نے اس حدیث کی سند میں زہری اور ابوسلمہ کے درمیان دو واسطے ذکر کئے ہیں) تو سائل امام احمد سے یہ سوال کر رہا ہے کہ جس حدیث کی بنا پر آپ اس حدیث کی سند کا فساد ثابت کر رہے ہیں جس کا راوی ابن ابی اویس ہے تو کیا ابن ابی اویس کا کوئی متابع بھی اس میں ہے یا نہیں تاکہ ہم اس دوسری سند کو جو آنے والی ہے جس میں دو واسطے موجود ہیں اس کو راجع قرار دے سکیں، اس لئے کہ جس حدیث کی سند کو وہ فاسد کہہ رہے ہیں اس کا راوی تو زہری سے یونس ہے جو کہ ثقہ اور قوی ہے اور وہ دوسری سند جس کے پیش نظر وہ اس سند کو منقطع قرار دے رہے ہیں اس کا راوی ابن ابی اویس ہے جو متکلم فیہ ہے، تو تاوقتیکہ اس کا کوئی متابع نہ مل جائے اس کو راجع کیسے قرار دیا جاسکتا؟ تو اس اصولی سوال کا جواب امام صاحب نے ایسا دیا جو عجیب سا ہے، اور وہ یہ کہ وہ بجائے متابع پیش کرنے کے یہ فرما رہے ہیں کہ ابن ابی اویس کا جو شاگرد ہے یعنی ایوب وہ ابن ابی اویس سے زیادہ ثقہ ہے تو گویا

تھا بہت شاگرد کو قائم مقام متابع کے قرار دے رہے ہیں، یعنی امام صاحب کے ذہن میں ابن ابی اویس کا کوئی متابع تو تھا نہیں جو اس کو بیان کرتے بلکہ یہ فرمایا کہ ابوب جو ابن ابی اویس سے روایت کر رہے ہیں وہ بہت ثقہ ہیں مگر یہ بات بس ایسی ہی ہے چنانچہ حضرت تحریر فرماتے ہیں دانت خیر بان جواب اللامام غیر صحیح علی قاعدۃ الحمدین فان رواۃ ابوب بن سلیمان لایدفع ضعف ابی بکر بن ابی اویس فانہ تلمیذہ فلا یقاوم حدیث یونس عن الزہری فلا یثبت احتمال التدریس، حضرت یہ فرما رہے ہیں کہ شاگرد کی ثقاہت، وقت استاذ کے ضعف کو دور نہیں کر سکتی جب یہ بات ہے تو پھر ابوبکر بن ابی اویس کی حدیث، حدیث یونس عن الزہر کی مقاومت نہیں کر سکتی، لہذا حدیث یونس عن الزہری کا مدلس یا منقطع ہونا ثابت نہ ہوا جو یہ حضرات ثابت کرنا چاہ رہے ہیں، پھر آگے حضرت فرما رہے ہیں علی ان النسائی روی حدیث یونس بسند صارون بن موسی المدنی قال ثنا ابو ضمرۃ عن یونس عن ابن شہاب قال ثنا ابو سلمۃ عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، دیکھئے اس سند میں ابن شہاب ابو سلمۃ سے سماع کی تصریح کر رہے ہیں، لہذا اس حدیث کا نہ انقطاع ثابت ہوا نہ تدلیس۔ الی آخر اذکر فی البذل۔

حدثنا احمد بن محمد المروزی نا یوب بن سلیمان عن ابی بکر بن ابی اویس عن سلیمان بن ہلال عن ابن ابی عقیق و موسی بن عقبۃ عن ابن شہاب عن سلیمان بن ارقم عن یحییٰ بن ابی کثیر اخبرنا عن ابی سلمۃ عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لا نذر فی معصیۃ و کفارتہ کفارة یمین۔

باب کی پہلی حدیث یعنی حدیث عائشہ کا یہ طریق ثانی ہے جس میں ابن شہاب اور ابو سلمہ کے درمیان دو واسطے موجود ہیں، جو پہلی سند میں نہیں تھے اور اسی بنا پر امام ابو داؤد نے اس سند پر عبد اللہ بن المبارک اور امام احمد بن حنبل کا لفظ نقل فرمایا تھا لیکن اب آگے یہاں مصنف اس طریق ثانی پر بھی اپنے استاذ احمد بن محمد المروزی کا لفظ نقل فرما رہے ہیں جس کا مطلب یہ ہوا کہ اس حدیث عائشہ کا یہ طریق ثانی بھی غلط ہے چنانچہ فرماتے ہیں:

قال احمد بن محمد مروزی اننا الحدیث حدیث علی بن المبارک عن یحییٰ بن ابی کثیر عن محمد

ابن الزبیر عن امیہ بن عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، اراد ان سلیمان بن ارقم و وہوفیہ و حملہ عن الزہری و اسئلہ عن ابی سلمۃ عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

احمد بن محمد مروزی فرما رہے ہیں کہ اوپر والا طریق یعنی سلیمان بن ارقم عن یحییٰ بن ابی کثیر بالکل غلط ہے، صحیح طریق یحییٰ بن ابی کثیر کے دوسرے شاگرد یعنی علی بن المبارک کا ہے، اور علی بن المبارک نے حدیث اس طرح روایت کی ہے عن یحییٰ بن ابی کثیر عن محمد بن الزبیر عن امیہ بن عمران بن حصین، دراصل یہ سلیمان بن ارقم راوی مجمع علی ضعف ہے اس نے سند کو یحییٰ بن ابی کثیر سے غلط طریق سے بیان کیا، یحییٰ بن ابی کثیر کے استاد اس سند میں ابو سلمہ نہیں ہیں

جیسا کہ سلیمان بن ارقم نے بیان کیا بلکہ محمد بن الزبیر میں اور پھر ان سے آگے سند اس طرح ہے عن ابیہ عن  
 عمران بن حصین، گو یا یہ حدیث مسانید عائشہ سے ہے ہی نہیں بلکہ عمران بن حصین کے مسانید سے ہے  
 اور یہ ساری گڑبڑ سلیمان بن ارقم کی طرف سے ہے، اور پھر مزید برآں یہ گڑبڑ پائی گئی کہ چونکہ اس حدیث کو  
 امام زہری نے سلیمان بن ارقم سے لیا تھا تو انہوں نے بجائے بعینہ نقل کرنے کے مسلا عن ابی سلمہ روایت کر دیا  
 بیچ کے دوراوی تدلیساً حذف کر دیئے (زہری کا شمار ہے بھی مدلسین میں) فلاصہ یہ نکلا کہ اس حدیث عائشہ  
 کی سند میں دو شخصوں نے گڑبڑ کی اول سلیمان بن ارقم نے کہ انہوں نے سند کچھ کی کچھ بیان کی اصل حدیث مسانید  
 عمران بن حصین میں سے تھی سلیمان نے اس کو بجائے ان کے عائشہ کی طرف منسوب کیا، دوسرا تصرف اس حدیث  
 کی سند میں سلیمان کے شاگرد ابن شہاب زہری نے کیا کہ درمیان سے دوراوی تدلیساً حذف کر دیئے، امام  
 ابو داؤد جو کچھ فرمایا چاہ رہے ہیں اس کی تشریح وہ ہے جو ہم نے اوپر لکھی، اب اس سبب کا حاصل یہ ہوا کہ باب کے  
 شروع میں مصنف نے جو حدیث عائشہ پہلے ایک طریق سے اس کے بعد دوسرے طریق سے ذکر کی، یہ حدیث  
 دونوں ہی طریق کے اعتبار سے وہم ہے، اور صحیح اس طرح ہے جس کو احمد بن محمد مروزی کہہ رہے ہیں یعنی علی بن المبارک  
 عن یحییٰ بن ابی کثیر عن محمد بن الزبیر عن ابیہ عن عمران بن حصین عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم انه قال لا تذر فی  
 معصیۃ وکفارۃ یمین۔

میں ابو داؤد کے سبق میں کہا کرتا ہوں کہ یہ قال ابو داؤد تمام کتاب میں جملہ اقاییل ابو داؤد میں سے زیادہ  
 مشکل اور دقیق ہے اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہم نے اوپر اس کی پوری وضاحت لکھ دی ہے اب سمجھنے والوں کے لئے  
 اس میں کوئی دشواری نہ ہوگی، اور ہم نے اس کی جو تشریح کی ہے وہ تقریباً سب ہی بذل الجہود سے ماخوذ ہے۔

حدیث عائشہ پر محدثین کا نقد | اس کے بعد آپ سمجھے کہ یہ حدیث عائشہ جس پر کلام چل رہا ہے نذر  
 اور حنفیہ کی طرف سے اس کا رد | معصیت میں حنفیہ کے مسلک کی دلیل ہے یعنی یہ کہ نذر معصیت منعقد  
 ہو جاتی ہے اور پھر اس میں کفارہ یمین واجب ہوتا ہے جبکہ جمہور علماء

یہ کہتے ہیں کہ نذر معصیت منعقد نہیں ہوتی اور نہ اس میں کفارہ واجب ہوتا ہے، اب یہ حضرات محدثین اس حدیث  
 عائشہ پر کلام کر رہے ہیں، امام ابو داؤد اور امام احمد وغیرہ کا نقد تو ابھی اوپر مذکور ہو چکا ہے، امام خطابی یہ کہہ رہے  
 ہیں کہ اگر یہ حدیث عائشہ صحیح ہو جائے لکان القول بہ واجبا والمہیل لہ لازم، اور پھر آگے فرماتے ہیں لیکن یہ حدیث  
 ثابت نہیں ہے کیونکہ محدثین کا یہ دعویٰ ہے کہ حدیث مقلوب اور اس کے بعد پھر وہ جو امام ابو داؤد نے جو کچھ  
 کلام کیا ہے خطابی نے اس سب کو بیان کیا ہے اور پھر اخیر میں یہ کہا کہ جب یہ ثابت ہو گیا کہ یہ حدیث اس طرح  
 مروی ہے جس طرح احمد بن محمد مروزی کہہ رہے ہیں، اور جس طرح وہ کہہ رہے ہیں اس کی سند میں محمد بن الزبیر

اور ان کے باپ راوی ہیں اور یہ دونوں مجہول ہیں، پس یہ حدیث میں طریق الزہری تو مقلوب ہے اور اس دوسرے طریق میں رجل مجہول ہے لہذا یہ حدیث ساقط الاحتجاج ہوئی، واللہ تعالیٰ اعلم۔ اس سب کا جواب ہماری طرف سے یہ ہے جس کو حضرت سہارنپوری نے بذل میں حاشیۃ السندی علی النسائی سے نقل فرمایا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ حدیث صرف حضرت عائشہ ہی سے مروی نہیں ہے بلکہ عقبہ بن عامر اور عمران بن حصین سے بھی مروی ہے، اور حدیث عائشہ کی بعض اسانید میں عن الزہری عن ابی سلمہ ہے اور بعض طرق میں عن الزہری قال حدثنا ابو سلمہ ہے جو صریح ہے زہری کے سماع میں ابو سلمہ سے (لہذا تالیس کا احتمال بیان کرنا صحیح نہیں) اور اس کے بعض طرق میں ہے عن الزہری عن سلیمان بن ارقم ان یحییٰ بن ابی کثیر حدثنا عن سمیع ابی سلمہ، وھذا الاختلاف لیکن دفعہ باثبات سماع الزہری مرۃ عن سلیمان عن یحییٰ عن ابی سلمہ ومرۃ عن ابی سلمہ نفسه، وعند ذلک لا قطع بضعف سماع حدیث عقبہ وعمران یؤید الثبوت واللہ تعالیٰ اعلم یعنی زہری کی حدیث میں جو اضطراب و اختلاف ہے اس کے بارے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ ممکن ہے یہ حدیث زہری کو دونوں طرح پہنچی ہو براہ راست ابو سلمہ سے بھی اور بواسطہ سلیمان بن یحییٰ بن ابی کثیر، اور اس میں کوئی اشکال کی بات نہیں، خصوصاً جبکہ عقبہ بن عامر اور عمران بن حصین کی حدیث سے بھی کفارہ کا ثبوت ہو رہا ہے۔

حدیث عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا أخرجه الترمذی وابن ماجہ، قال المذہب ذری۔

عن عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ أخبرنا انہ سأل النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عن اخت لہ

نذرت ان تعج حافیۃ غیر محتومۃ فقال مروھا فلتختمر ولترکب ولتصم ثلاثۃ ایام۔

معنون حدیث یہ ہے کہ حضرت عقبہ بن عامر نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ میری ایک بہن ہے جس نے یہ نذرمانی ہے کہ وہ حج کرے گی پیدل تنگے پاؤں اور بغیر سر ڈھانکے، آپ نے فرمایا اس کو چاہیے کہ سر ڈھانپے اور سوار ہو کر حج کرے اور اس کو چاہیے کہ تین روزے رکھے۔

روایات الباب کا تحریر یہ | جاتا چاہیے کہ مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اخت عقبہ کی نذر کے قصہ کو دو طرح سے ذکر کیا ہے ایک بروایت عقبہ اور دوسرے بروایت عکرمہ عن ابن عباس مسنداً

اور ایک طریق میں ہے عن عکرمہ مرسل، پھر روایت عقبہ بن عامر کے الفاظ تو یہ ہیں مروھا فلتختمر ولترکب ولتصم ثلاثۃ ایام۔ اور ایک روایت میں ہے لتمش ولترکب اسمیں صوم وغیرہ کا ذکر نہیں، اور ابن عباس کی ایک روایت میں یہ ہے فامھا النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان ترکب وتہدی صدیا، اور ایک روایت میں ان کی اس طرح ہے فلتج را کبۃ ولتکفر یمینہا، نیز ابن عباس کی روایت میں صرف مشی کا ذکر ہے عدم اخیار کا نہیں۔

اس کے بعد مصنف نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ذکر کی جس کا تعلق اخت عقبہ سے نہیں ہے بلکہ اس میں ہے رأی رجلاً یہادی بین ابینہ، اور اس میں یہ ہے، ان اللہ لغنی عن تعذیب هذا فہو امرہ



ان پر کب حافظ فرماتے ہیں کہ حدیث انس میں یہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو رکوب کا حکم فرمایا جزا، اور اخت عقبہ کے بارے میں یہ ہے کہ اس کو آپ نے حکم فرمایا، ان تمشي وان تركب، اس لئے کہ حدیث انس کے اندر نذر ماننے والا کان شیخا ظاہر الحج، اور اخت عقبہ کا حال یہ نہیں تھا اس لئے آپ نے اس کو یہ فرمایا کہ جب تک پیدل چل سکے پیدل چلے اور جب عاجز ہو جائے تو سوار ہو جائے ۱۰۔

الكلام على الحديث من خیرت الفقه | اس کے بعد جانتا چاہیے کہ جو شخص حج ماشیا کی نذر مانے تو اس پر اس کا ایفار واجب ہے ورنہ اس پر جزا واجب ہوگی، پس اگر اس

نے اپنی نذر کا ایفار کر دیا تو فقہاء اور اگر نہیں کیا تو امام احمد کا مذہب یہ ہے کہ اس پر کفارۃ یمین واجب ہوگا لہذا، ولتقسم ثلاثۃ ایام، والی روایت حنابلہ کے موافق ہوگی اور امام شافعی و مالک کے نزدیک اس پر ہدی واجب ہوگی، اور حنفیہ کے نزدیک ہدی اس صورت میں واجب ہوگی اذا كان الركوب في اكثر المسافة اور اگر ایسا نہیں تو اس پر قیمت شاة واجب ہوگی بقدر رکوب کے، ائمہ ثلاث کا استدلال ابن عباس کی روایت سے ہوا جس میں ہے، ان ترکب و تہدی ہدیاً، اب یہ کہ جس روایت میں و تقسم ثلاثۃ ایام، ہے وہ ائمہ ثلاث کے خلاف ہے، اس کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ ممکن ہے یہ روایت بالمعنی ہو اس لئے کہ ابن عباس کی روایت کے ایک طریق میں اس طرح ہے، فلنحج راكبة و لتكفر يمينها، تو اسی کو راوی نے، و تقسم ثلاثۃ ایام، سے تعبیر کر دیا، حالانکہ کفارۃ یمین سے مراد یہاں پر کفارۃ الجنایۃ تھا جیسا کہ ابن عباس ہی کی روایت کے دوسرے طریق میں ان ترکب و تہدی ہدیاً وار د ہے چنانچہ ملا علی قاری مرقاة میں فرماتے ہیں والظاهر ان المراد بالتكفير كفارة الجنایۃ وہی الہدی ادا یقوم مقامہ من الصوم یہ سب کچھ تو وہ ہے جو ہم نے حافظ وغیرہ شراح کے کلام سے سمجھا، اور ہمارے حضرت سہارنپوری نے، بذل الجہود میں اس مقام کی شرح میں یہ لکھا ہے کہ اخت عقبہ کی نذر میں دو چیزیں پائی گئیں ایک حج ماشیا کی نذر دوسرے عدم اختار کی نذر، ان دو میں ایک نذر نذر طاعت ہے اور دوسری نذر معصیت، نذر طاعت کا پورا کرنا واجب ہے یعنی حج ماشیا، اور پورا نہ کرنے کی صورت میں ہدی یعنی دم جنایت واجب ہوگی جیسا کہ ایک روایت میں ہدی کا ذکر ہے، اور دوسری نذر جو نذر معصیت ہے اس کا ایفار چونکہ ناجائز ہے اور حائث ہوتا واجب، اور پھر اس صورت میں کفارۃ یمین واجب ہوگا جیسا کہ یہاں ایک روایت میں ہے، ولتقسم ثلاثۃ ایام، مصنف رحمہ اللہ اس حدیث کو جس ترجمۃ الباب کے تحت لائے ہیں اس سے حضرت کی رائے کی تائید ہوتی ہے۔

حضرت شیخ کے حاشیہ بذل میں اس مسئلہ میں مذاہب ائمہ کی تفصیل مذکور ہے جو نیچے حاشیہ میں درج کی جاتی ہے والحدیث اخرجه الترمذی والنسائی وابن ماجہ، قالہ المنذری۔

وحدیث انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اخرجه البخاری ومسلم والترمذی والنسائی، قالہ المنذری۔

(حاشیہ اگلے صفر)

## باب من نذر ان یصلی فی بیت المقدس

عند الحنفیہ نذر کے اندر تعیین الزمان والمکان معتبر نہیں لہذا اگر کوئی شخص کسی خاص مسجد میں نذر کرے نذرمانہ یا کسی خاص زمانہ میں روزہ کی نذر مانے تو نفس نماز اور نفس روزہ سے نذر پوری ہو جاتی ہے، اور مالکیہ و حنابلہ کا مسلک بھی یہی ہے لیکن ان کے نزدیک مساجد ثلاثہ اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہیں، ان مساجد کی تعیین ان کے نزدیک معتبر ہے، اور امام شافعی سے دور وائتیں ہیں، اور حنفیہ میں سے امام زفر رحمۃ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی تعیین الزمان والمکان والشخص نذر میں معتبر ہے۔

قال صل ھہنا ثم اعد علیہ فقال صل ھہنا، مضمون حدیث یہ ہے: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن ایک شخص کھڑا ہوا اور اس نے آپ سے سوال کیا کہ میں نے یہ نذر مانا تھی اللہ کے لئے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے آپ پر مکہ کو فتح کر دیا تو میں بیت المقدس میں دو رکعت ادا کروں گا، آپ نے فرمایا یہیں پڑھ لے اس نے پھر دوبارہ سوال دہرایا آپ نے پھر ارشاد فرمایا کہ یہیں پڑھ لے، پھر تیسری بار ایسا ہی ہوا فقال شأنک اذا یعنی بس تو پھر تو جان اور تیرا کام۔

انہ سبع حفص بن عمرو بن عبد الرحمن بن عوف، وعمر، وقال عباس بن حنظلہ، اخبرنا عن

عمر بن عبد الرحمن بن عوف۔

**شرح السند** اس سند کو اس طرح سمجھئے کہ یوسف بن الحکم کے دو استاد ہیں حفص بن عمر اور عمر، اس دوسرے استاد کے بارے میں مصنف کے ایک استاد یعنی مخلد بن خالد نے تو صرف عمر ہی کہا بغیر نسبت کے اور مصنف کے دوسرے استاد عباس غنیری نے بجائے عمر کے عمر بن حنظلہ کہا یعنی عمر کی نسبت بھی ذکر کی، اخبرنا کی ضمیر تنبیہ حفص بن عمر اور عمر بن حنظلہ کی طرف راجع ہے، یعنی ان دونوں نے خبر دی اپنے شاگرد یوسف کو۔ قال ابو داؤد: رواہ الانصاری عن ابن جریر فقال: جعفر بن عمر، وقال: عمرو بن حنیۃ۔

لہ نفیہ: من نذر المشی ثم رکب فعند احمد والقادر علی المشی اسار دون العاجز وعلیہ کفارة یمین بكل حال والروایۃ الاخری علیہ دم وهو قول الشافعی فی الحالیین القدۃ والعجز والدم الشاة علی الاصح، وقول آخرانہ بدنہ، وعند مالک یجب قضاء ما رکب فی سنۃ اخری فیمشی ما رکب ویرکب ما مشی اذا کان المشی کثیرا وکان فی المناسک وھو من خروج مکۃ الی رجوع منی، ومع ذلک یجب الہدی ایضا وضدا اذا کان قریب البلدۃ کالمکہنی او متوسطھا کالمصری، وان کان بعید البلدۃ کالافریق فی فعلیۃ الہدی فقط وکذا اذا کان المکوب قلیلا فی غیر المناسک وعندنا الحنفیۃ۔ اذا رکب فی اکثر الطرق بعذر او بلا عذر فطیۃ دم شاة، وفي الاقل والمساواة بقدر ذلک من قیمۃ الشاة (ادجز ص ۱۳)

یہ انصاری ابن جریج کے شاگرد روح کے عدیل (مقابل) ہیں جو اوپر سند میں آئے، مطلب یہ ہے کہ ابن جریج کے شاگرد روح نے تو ان سے یوسف کے استاد کا نام حفص بن عمر ذکر کیا، اور اس انصاری نے ابن جریج سے بجائے حفص بن عمر کے جعفر بن عمر ذکر کیا، نیز بجائے عمر بن حنہ کے عمر بن حمیہ ذکر کیا۔ وقال: اخبرنا عن عبد الرحمن بن عوف وعن رجال، یعنی انصاری نے حفص بن عمر اور عمر بن حنہ کا استاد عبد الرحمن بن عوف کو قرار دیا۔ بجائے عمر بن عبد الرحمن کے، اور دوسرا فرق یہ کر دیا کہ بجائے عمر بن حنہ کے، وعن رجال۔ کر دیا۔

## باب قضاء النذر عن الميت

مسئلۃ الباب میں مذاہب ائمہ | یعنی میت کے ذمہ اگر کوئی نذر ہو تو اس کے پورا کرنے کا بیان، اس کی تفصیل یہ ہے کہ نذر دو حال سے خالی نہیں یا تو وہ مالی ہوگی یا بدنی، یعنی اس کا تعلق یا تو عبادت مالیہ سے ہوگا جیسے صدقہ یا عبادت بدنیہ سے، اگر عبادت مالیہ سے ہے تو پھر دیکھا جائے گا میت نے مال چھوڑا ہے یا نہیں، اگر نہیں چھوڑا تو پورا کرنا کسی کے نزدیک واجب نہیں، اور اگر چھوڑا ہے تو پھر اس وصیت کی تنفیذ صرف ثلث مال میں واجب ہوگی، امام شافعی واحد کے نزدیک مطلقاً، اور امام ابو حنیفہ و مالک کے نزدیک بشرط الوصیۃ، اور اس کے بالمقابل عبادت بدنیہ میں جیسے صوم و صلاۃ اس میں وارث کی جانب سے قضا یعنی نیابت عن الميت جائز نہیں، ہاں اقتدار یعنی فدیہ کے ذریعہ قضا ہوگی عند الائمۃ الثلاثہ امام احمد کے نزدیک صوم اس سے مستثنیٰ ہے ان کے نزدیک صوم مندور کی قضا نیابت عن الميت جائز ہے۔ یہ نیابت کا مسئلہ اس سے پہلے کتاب الحج و الصوم میں بھی گذر چکا، اور ظاہر یہ کہ نزدیک قضا النذر عن الميت مطلقاً واجب سواہ کان فی العبادۃ المالیۃ او البدنیۃ۔

عن عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان سعد بن عبادۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ استفتی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم انی۔

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے معلوم کیا کہ میری والدہ کا انتقال ہو گیا حالانکہ ان کے ذمہ ایک نذر تھی جس کو پورا نہیں کیا تھا آپ نے فرمایا کہ تم ان کی طرف سے اس کی قضا کر دو۔ یہ نذر کس چیز کی تھی؟ قیل کان نذراً مطلقاً، وقیل نذراً الصوم، وقیل نذراً العقی، وقیل الصدقۃ۔

لہ لا تجزئ النیابۃ فی الصلاۃ عند الائمۃ الاربعۃ الا فی روایۃ لاحد، ولا تجزئ فی الصوم عند الائمۃ الثلاثہ ولا تجزئ عند احمد فی الصوم المنذور لا الواجب الاصلی وروایۃ للشافعی، وتجزئ فی الحج بالاتفاق۔

یہاں پر اس حدیث میں قضا کا حکم حنفیہ کے نزدیک استحباً ہے، کیونکہ حنفیہ کے نزدیک نذر بالعبادة البدیہ میں تو قضا جائز ہی نہیں بقول ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما لا یصوم احد عن احد ولا یصلی احد عن احد، وعن ابن عمر نحوہ اور عبادت مالیہ میں اگرچہ واجب ہے ایک صورت میں لیکن بشرط الوصیۃ اور یہاں وصیت پائی نہیں گئی اسلئے کہا ہم نے کہ یہ امر استحباً ہے عند الحنفیۃ وکذا عند المالکیۃ۔  
والحیث حدیث احمد بن حنبل و مسلم و الترمذی والنسائی وابن ماجہ، قال المنذری۔

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان امرأة رکبت البحر فنذرت ان نجاها الله ان تقصوم شهرًا او یعنی کسی عورت نے کشتی کے سفر میں یہ نذر مانی کہ اگر میں صحیح سالم پہنچ گئی تو ایک ماہ کے روزے رکھوں گی، مگر اس کو روزے رکھنے کی نوبت نہیں آئی یہاں تک کہ انتقال ہو گیا تو اس کی بیٹی یا بہن آپ کی خدمت میں آئی تو آپ نے اس کو صوم عن المیت کا حکم فرمایا، یعنی بالافتاء علی مسلک الجمهور۔

عن عبد الله بن بريدة عن ابيه بن بريدة رضي الله تعالى عنه ان امرأة الو۔ یہ حدیث بسندہ و متنہ کتاب الوصایا میں گذر چکی اور اسی طرح کتاب الزکاة میں باب من تصدق بصدقة ثم در ثبأ کے اندر، اور آگے کتاب البیوع میں باب فی الرجل یفضل بعض دله علی بعض فی النخل میں آ رہی ہے۔

## باب ما یومر به من وفاء النذر

ان امرأة اتت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم فقالت یا رسول اللہ انی نذرت ان اضرب علی رأسک بالدف، قال اولی بنذرک۔

اس روایت میں یہاں اختصار ہے، ترمذی کی روایت میں اس پر اضافہ ہے، مضمون حدیث یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ایک مرتبہ اپنے بعض مغازی میں تشریف لے گئے، آپ کی اس غزوہ سے واپسی پر ایک جاریہ سوداگر آئی اور اس نے عرض کیا یا رسول اللہ میں نے نذر مانی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو صحیح سالم واپس بھیج دیا تو آپ کے سامنے میں دف بجاؤں گی (یعنی دھڑانے کہ ڈھول اسی الطبل فانه ممنوع کما سیأتی فی الاشجۃ بنی عن الطبل) بین یدیک کا لفظ ترمذی کی روایت میں ہے، اس پر آپ نے فرمایا کہ اگر واقعی تو نے یہ نذر مانی تھی تو اس کو پورا کر لے اس حدیث کے بارے میں امام ترمذی نے فرمایا حدیث حسن صحیح غریب۔

شرح الحدیث | اس حدیث کی شرح میں امام خطابی لکھتے ہیں کہ ضرب دف تو ان طاعات میں سے نہیں ہے جس کی نذر صحیح ہو اسلئے کہ ضرب الدف زائد سے زائد مباح ہو سکتا ہے نہ کہ طاعت لیکن چونکہ اس ضرب دف کا تعلق بعض ایسی چیزوں سے ہے جن کو عبادت کہا جاسکتا ہے، یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

کی سلامتی کیساتھ واپسی پر اظہار سرور جس میں مسارۃ کفار ہے اور اذلال منافقین وغیرہ امور، اس حیثیت سے اس میں عبادت کے معنی پیدا ہو گئے، اور پھر آگے اس حدیث میں یہ ہے کہ اس عورت نے یہ بھی عرض کیا کہ میں نے فلاں مکان میں جانور ذبح کرنے کی نذر مانی ہے جہاں پر میل جاہلیت ذبح کیا کرتے تھے، آپ نے پوچھا کہ کیا تیری یہ نذر کسی بت کے نام پر ذبح کرنے کے لئے ہے، اس نے کہا کہ ایسا نہیں ہے تب آپ نے فرمایا کہ اپنی نذر پوری کر لے۔ اس کے بعد بھی ایک اور حدیث اسی قسم کے مضمون کی آ رہی ہے۔

### باب النذر فیما لا یملک

باب کی حدیث کے آخر میں ہے۔ لا فناء لنذر فی معصیۃ اللہ ولا فی مالا یملک ابن آدم۔  
ترجمۃ الباب والے مسئلہ میں مذاہب ائمہ  
اس مضمون کی مفصل حدیث باب فی الطلاق قبل الزکاح میں گزری ہے عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال لا طلاق الا فیما تملک ولا عتق الا فیما تملک ولا وفاق الا فیما تملک ولا وفاقا نذر الا فیما تملک، اور ایک روایت میں یہ زیادتی ہے من حلف علی معصیۃ فلا یمین لہ، ان تمام مسائل کا بیان و اختلاف علماء کتاب الطلاق میں اسی حدیث کے ذیل میں گزر چکا، تاہم نذر سے متعلق مسئلہ دوبارہ ہم یہاں لکھ دیتے ہیں یعنی جو چیز آدمی کی ملک میں نہ ہو نذر ماننے کے وقت، اس کی نذر معتبر نہیں، منذ ورنہ اگر مال کے قبیلہ سے ہے وہ ناذر کی ملک میں ہونا چاہیے یا کم از کم وہ نذر مضاف الی الملک ہو یا مضاف الی سبب الملک ہو، ان دونوں صورتوں میں بھی نذر صحیح ہو جاتی ہے جیسے کوئی شخص یوں کہے ان شفی اللہ مر یضی فعبد زید حر، یہ نذر باطل ہے بالاتفاق یا تو اپنا غلام ہونا چاہیے یا پھر اضافت الی الملک یا سبب الملک ہونا چاہیے جیسے یوں کہے کل مال الملک قیما استقبل فهو صدقۃ، یا یوں کہے کل ما شتریتہ او ارثہ فهو صدقۃ، اور امام مالک کے نزدیک اضافت الی الملک یا الی سبب الملک کے ساتھ اس شخص کی کچھ صفت بھی ذکر کر دی جائے مثلاً قبیلہ کی تعیین یا کسی شہر کی تعیین یا اور کوئی صفت جس سے فی الجملہ تخصیص پیدا ہو جائے تب نذر صحیح ہوتی ہے ورنہ نہیں، اور حضرت امام شافعی کے نزدیک اضافت الی الملک یا الی سبب الملک عموماً ہو یا خصوصاً دونوں صورتوں میں معتبر نہیں فی الحال ملکیت ہونی چاہیے حقیقہ مالکیہ کے نزدیک یہ حدیث تنجیز پر محمول ہے کوئی شخص غیر مملوک چیز میں نذر مانے تنجیز معتبر نہیں، تعلیق کی صورت میں معتبر ہے، اور امام شافعی کے نزدیک تنجیز و تعلیق دونوں حدیث کے مفہوم میں داخل ہیں، ملا علی قاری فرماتے ہیں: و مذہبنا مردی عن عمرو ابن مسعود وابن عمر والجواب عن الاحادیث المذكورة انها محمولة علی نفی التنجیز والحمل ما ثور عن السلف الشافعی والزہری، قال عبد الرزاق فی مصنفہ: انا معمر عن الزہری انه قال فی رجل قال کل امرأۃ تزوجها فی طانی، وکل امۃ

اشتر یہاں ہی حرہ ہو گا قال، فقال له عمر اویس قد جازا طلاق قبل النکاح ولا عتق الا بعد ملک، قال انما ذلک ان یقول امرأۃ فلان طالق، وعبد فلان تراہ (بذل ۲۷۳) بذل میں اس کے بعد مصنف ابن ابی شیبہ سے بہت سے تابعین سے بھی یہی نقل کیا ہے جیسے سالم وقاسم بن محمد وعمر بن عبد العزیز وشعیب والنفی والنہری وغیرہ، یعنی یہ کہ یہ حدیث تنجیز پر محمول ہے اور تعلیق والی صورت اس میں داخل نہیں۔

عن عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال كانت العضباء لرجل من بنی عقیل وكانت من سوابق الحاج قال فأسر فأتی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم وهو فی وثاق۔

آپ کی اس ناقدہ عضباء کا واقعہ جو یہاں مذکور ہے اس کو ہم "باب فی اقطاع الارضین" میں صحیح بن علیہ رض کی حدیث کے ذیل میں مختصر لکھ چکے ہیں ایک خاص مناسبت سے، اس کو وہاں دیکھ لیا جائے (۱/۱۸۱) اس قصہ کا بقیہ یہ ہے قال فضوی الرجل بعد بالرجلیں، یعنی پھر اس قیدی کا انجام یہ ہوا کہ اس کو ان دو مسلمان قیدیوں کے بدلہ میں بطور فدیہ کے چھوڑ دیا گیا۔ جن کا ذکر اوپر

قصہ میں آچکا ہے، قال وحسب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم العضباء لرجلہ، یعنی اس عضباء اونٹنی کو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے اپنی سواری کے لئے روک لیا، قال فاغار المشركون علی سرح المدینة

فذہبوا بالعضباء فلما ذہبوا بہا واسروا امراة من المسلمین قال فکانوا اذا کان اللیل یرجون الہم فی افنیہم ۱/۱۸۱

**ناقدہ عضباء کا ایک واقعہ** اگے راوی اس ناقدہ عضباء کے ساتھ جو ایک اور قصہ پیش آیا اس کو بیان کرتا ہے وہ یہ کہ ایک دن ایسا ہوا کہ بعض مشرکین نے اہل مدینہ کے اونٹوں پر غارت گری کی اور ان کو لوٹ کر لے گئے اور ان اونٹوں کے ساتھ یہ اونٹنی بھی گئی اور ایسے ہی ایک عورت کو بھی قید کر کے لینگے یہ عورت حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی تھیں، یہ مشرکین جو اونٹوں کو لوٹ کر مدینہ سے لے جا رہے تھے دوران سفر جب رات آتی تھی تو ان اونٹوں کو خیموں کے سامنے باندھ کر سو جاتے تھے، یہ بڑھیا ان کے ساتھ تھی ہی جو ہر وقت جان بچا کر ان کے بچے سے بھاگنے کی فکر میں رہتی تھی، چنانچہ ایک روز ایسا ہوا کہ رات کے وقت جب وہ سب لیٹے پر گر سو گئے تو یہ عورت جاگ رہی تھی یہ ابھی کسی قابل سواری اونٹنی کو تلاش کرنے لگی تاکہ اس پر سوار ہو کر مدینہ لوٹ آئے، دراصل ہر اونٹنی سواری کے قابل ہوتی نہیں اس لئے پہلے اس اونٹنی کو دیکھنا پڑتا ہے کہ یہ سواری کے لائق ہے یا نہیں، یہ عورت تجربہ کار تھی جانتی تھی کہ سواری کے قابل کون سی اونٹنی ہوتی ہے، چنانچہ یہ عورت چپکے سے اٹھی اور ان اونٹنیوں کے پاس جا کر ہر ایک پر الگ الگ ہاتھ رکھ کر دیکھتی تھی، جس پر بھی ہاتھ رکھے وہی اونٹنی بلبلانے لگتی، اونٹ پر جب پالان وغیرہ رکھتے ہیں سواری کے لئے یا سامان لادنے کے لئے تو اس وقت وہ کچھ آواز سی نکالتا ہے (جب وہ اونٹ بولتے یہ عورت ایک دم اس کے پاس

سے ہٹ جاتی یہ اندازہ لگا کر کہ یہ سواری کے قابل نہیں ہے اور اس ڈر سے کہ کہیں یہ سوتے ہوئے جاگ نہ جائے غرضیکہ وہ اسی طرح جلدی جلدی ہر ایک پر ہاتھ رکھ کر دیکھتی اور جب وہ بولنے لگتا تو ہٹ جاتی، جب اس ناقہ عضبار کا نمبر آیا اور اس پر بھی اس نے ہاتھ رکھ کر دیکھا تو وہ نہیں بولی، چنانچہ مسلم کی روایت میں ہے فجلت اذا دنت من البعیر رفا فترکہ حتی تنہی الی العضبار فلم ترغ، یہ سمجھ گئی کہ یہ اونٹنی سواری کے قابل ہے، ذلول اور منجوسۃ کے معنی یہی ہیں یعنی وہ اونٹنی جو سوار کے تابع ہو اور سواری کے لائق ہو، چنانچہ یہ اس پر سوار ہو گئی، اور مدینہ کا رخ کیا اور اس وقت اس نے یہ بھی نذر مانی ان نجاھا اللہ لتحرنہا، کہ اگر اللہ تعالیٰ نے اس اونٹنی کے ذریعہ مجھے نجات دلادی اور اس پر سوار ہو کر میں مدینہ منورہ صبح سالم پہنچ گئی تو میں اس اونٹنی کو اللہ کے لئے ذبح کروں گی، چنانچہ اس پر بیٹھ کر وہ صبح سالم مدینہ پہنچ گئی، فلما قدمت المدینۃ عرفت الناقۃ ناقۃ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، یعنی جب دن میں لوگوں نے اس اونٹنی کو دیکھا تو وہ پہچان گئے کہ یہ تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ناقہ عضبار ہے اور پھر آپ کو اس کی اطلاع کی گئی، آپ نے آدمی بھیج کر اس عورت کو بلایا اور آپ سے اس عورت کی نذر کا بھی ذکر کیا گیا، آپ نے سن کر فرمایا، ہنس ملبجزتھا، او جزیبتھا، یہ شک راوی ہے کہ آپ نے غائب کے صیغہ کیساتھ فرمایا یا اس عورت کو خطاب کرتے ہوئے صیغہ حاضر کا تلفظ فرمایا، یعنی اس عورت نے اس اونٹنی کو یہ تو بہت برا بدلہ دیا، ان اللہ نجاھا علیہا لتحرنہا یہ حرف شرط ہے یعنی اگر اللہ تعالیٰ نے اس کو نجات دیدی اس اونٹنی پر تو یہ ضرور بالضرور اس کو ذبح کریں گی، اس جزاء کا برا ہونا صوریہ ظاہر ہے کہ جس جافرو کو اللہ تعالیٰ اس عورت کی جان کی حفاظت کا ذریعہ بنا رہے ہیں وہ عورت اس کو ہلاک کر دے فہذا جزاء الحسنۃ بالسیئۃ، پھر آگے آپ نے شرعی مسئلہ کی بات بیان فرمائی لا وفاء لندری معصیۃ اللہ ولا نیا لایملاک، یعنی جس چیز کا آدمی مالک نہ ہو اس میں نذر ماننے کا کیا مطلب، نذر تو اپنے مال کی ہونی چاہیے اس حدیث کی شرح اور مسئلہ کی تفصیل ہم شروع باب میں بیان کر چکے ہیں۔

استیلاہ الکافر علی مال المسلم سے یہاں پر ایک اور علمی سوال و جواب ہے وہ یہ کہ کتاب الجہاد میں ایک باب کے تحت میں "باب فی المال یصیبہ العدو من المسلمین ثم یدرکہ صاحبہ" یہ مسئلہ گزر چکا ہے حنفیہ و مالکیہ کے نزدیک استیلاہ الکافر علی مال المسلم سبب ملک ہے

تو اس قاعدہ کا تقاضا یہ ہے کہ یہ مشرک لٹھے اس عضبار کے مالک ہو گئے تھے اور یہ عورت اس مال مشرک کو لوٹ کر لائی لہذا یہ اونٹنی مال غنیمت ہوئی جس کا مالک لوٹنے والا ہی ہونا چاہیے، اس پر لا یملاک کہاں صادق آتا ہے، شافعیہ و حنابلہ کے مسلک پر تو کوئی اشکال نہیں کیونکہ ان کے نزدیک استیلاہ الکافر سبب ملک نہیں ہوتا، اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ عند الحنفیہ استیلاہ سبب ملک بعد الاحراز ہوتا ہے، یہاں گو استیلاہ پایا گیا لیکن ابھی تک

احراز نہیں پایا گیا تھا، یعنی مال کو دارالاسلام سے دارالحرب کی طرف منتقل کر لینا، ہاں مالکیہ کے نزدیک استیلا الکافر مطلقاً سبب ملک ہوتا ہے، پس یہ حدیث اگر خلاف ہے تو مالکیہ کے ہے نہ کہ حنفیہ کے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔  
قال ابو داود: المرأة هذه امرأة ابي ذر۔

والحدیث أخرجه مسلم والنسائی بطوله، وأخرجه الترمذی منہ طرفاً، وأخرج النسائی وابن ماجہ منہ طرفاً، قال المنذی۔

## باب من نذر ان يتصدق بماله

عن كعب مالك رضى الله تعالى عنه قال قلت يا رسول الله ان من توبتي ان اخرج من مالي صدقة الى الله والى رسوله قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم امسك عليك بعض مالك فهو خير لك۔  
تصدق بجميع المال کی نذر میں نذر اہم کہہ کہے کہ اگر کوئی شخص یہ نذر مانے کہ اگر میرا فلاں کام ہو گیا تو میں اپنا سارا مال اللہ تعالیٰ کے لئے صدقہ کر دوں گا۔ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے مالکیہ و حنابلہ کا مسلک اس صورت میں یہ ہے کہ یکنویہ الصدقہ بالثلث یعنی ایسے شخص کے لئے ثلث مال کا صدقہ کر دینا کافی ہے، اور امام شافعی کے نزدیک پورا ہی مال صدقہ کیا جائے گا، وعند الحنفیہ جميع المال الزكوى ان كان والا فما كان، یعنی حنفیہ کے نزدیک یہ نذر اس مال پر محمول ہوگی جس میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے (نقدین و السوائم وغیرہ) اگر اس کے پاس مال زکوٰۃ ہو، اور اگر اس کے پاس اس قسم کا مال نہ ہو تو پھر جو بھی مال ہو اسی پر محمول ہوگی، وہی سب دیا جائے گا، امام مالک کا مسلک خود موطاء میں موجود ہے عن عائشة ام المؤمنين انها سئلت عن رجل قال مالي في رواج الكعبة فقالت عائشة يكفره ما يكفر اليمين، قال مالك في الذي يقول مالي في سبيل الله ثم يحنث قال يجعل ثلثه في سبيل الله، وفي الاوجز وأخرج محمد في موطاه اثر عائشة ثم قال قد بلغنا هذا عن عائشة وأحب اليانا ان يعني بما جعل على نفسه فيصدق بذلك ويمسك ما يقوته فاذا افاد ما لا يصدق بمثل ما سئل وهو قول ابی حنيفة والعامة من فقهاءنا اه امام محمد فرما رہے ہیں کہ ہمارے نزدیک اس صورت کا حکم یہ ہے کہ ایسی نذر ماننے والا شخص اس نذر کو پورا کرے یعنی سارا مال صدقہ کرے اور سردست بقدر قوت روک لے پھر بعد میں جب کہیں اور سے مال کمالے تو اس مقدار کو بھی صدقہ کر دے (ادجزع ۴ ص ۱۶۵)

شرح الحدیث من حیث الفقه حدیث الباب کا مضمون یہ ہے کہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی توبہ جب قبول ہو گئی تو انہوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے یہ عرض کیا کہ یا رسول اللہ (میرے ذہن اور اعتقاد میں یہ بات ہے کہ) میری توبہ کا کمال اس میں ہے کہ میں اپنے پورے



مال کو اللہ اور اس کے رسول کے لئے صدقہ کر کے اس سے علیحدہ ہو جاؤں، اس پر آپ نے فرمایا کچھ مال اپنے لئے روک لے یہ تیرے لئے زیادہ بہتر ہے، تو انہوں نے عرض کیا: بہتر ہے تو پھر میں اپنا وہ حصہ جو غنائم خیر میں سے ملا تھا اس کو روک لیتا ہوں۔ اور اس کے بعد والی روایت میں یہ ہے کہ آپ نے ان کو کل مال کے تصدق سے اور اسی طرح نصف مال کے تصدق سے بھی منع فرمایا اور پھر اخیر میں ثلث مال کے تصدق کی اجازت دی، مالکیہ و حنابلہ نے اسی حدیث سے استدلال کیا ہے چنانچہ حاشیہ بذل میں ہے استدلال بہ الموفق فیمن نذر التصدق بجمع مآلہ انہ یجوزہ التصدق بالثلث، وبہ قال مالک، وقال الشافعی یلزمہ کل فی التبرردون اللجاج، وقال الحنفیہ یلزمہ تصدق المال الزکوٰۃ کما نذر لجاج والغضب اس نذر کو کہتے ہیں جو نذر آدمی جو شس میں آکر قسم کے طور پر مانتا ہے کسی کلم کے کرنے یا اس سے رکنے کے لئے جس سے ناذر کا مقصود قربت اور عبادت نہیں ہوتا صرف اپنے ذمہ کوئی کام لینا مقصود ہوتا ہے، نذر تبریر نذر طاعت کو کہتے ہیں جس سے مقصود قربت اور عبادت ہو اور سوچ سمجھ کر وہ نذر مانی جائے، نذر لجاج پر تفصیلی کلام آئندہ ایک باب کے بعد آ رہا ہے، لہذا یہ حدیث حنفیہ و شافعیہ کے خلاف ہوئی، اس کا جواب احقر کے ذہن میں یہ ہے کہ اس قصہ کعب میں نذر کا ذکر کہاں ہے وہ تو آپ سے استشارہ کر رہے ہیں کہ میرا خیال یہ ہے کہ میری توبہ کی تکمیل جب ہوگی جب میں اپنا سارا مال صدقہ کر دوں، آپ نے ان کو بجائے کل کے ثلث مال کے تصدق کا مشورہ دیا، اور اگر مان لیا جائے کہ ان کا مقصد اپنی نذر ہی کو بیان کرنا تھا کہ میں نے اپنی توبہ کی تکمیل کے لئے تصدق بجمع المال کی نذر مان رکھی ہے تو اب میں کیا کروں، تو اس صورت میں آپ کے کلام کی تاویل یہ ہوگی کہ سر دست ثلث مال کا صدقہ کر دو، سارا مال ایک ساتھ صدقہ نہ کرو اس سے پریشانی ہوگی، بعد میں آہستہ آہستہ اس مقدار کو صدقہ کر کے پورا کر دینا، چنانچہ حنفیہ کے نزدیک بھی یہی ہے کہ دفعۃً سارا مال صدقہ نہ کرے کما تقدم آفا من کلام الامام محمد رحمہ اللہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

والحدیث اخرجه النسائی ایضا محققاً، و اخرجه البخاری ومسلم فی الحدیث الطویل، قال المنذری۔

## باب نذر الجاہلیۃ ثم ادرك الاسلام

عن ابن عمر عن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما انہ قال یا رسول اللہ انی تذرت فی الجاہلیۃ ان اعتکف

فی المسجد الحرام لیلة فقال لہ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اوف بندرت۔

یہ حدیث باب الاعتکاف میں گزر چکی، جمہور علماء اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک صحت نذر کے لئے اسلام ناذر شرط ہے اس لئے کہ نذر ہوا کرتی ہے طاعت کی و الکافر لیس باہل لبھا، امام احمد کے نزدیک شرط نہیں انہوں نے اسی حدیث سے استدلال کیا ہے، اور جمہور اس حدیث کو استحباب پر محمول کرتے ہیں، اگر کوئی اس پر

یہ اشکال کرے کہ عند الجہور تو نذر کا فر نذر ہی نہیں ہے حالانکہ آپ اس کو نذر قرار ہے ہیں، اس کا بعض علماء نے جواب دیا کہ مطلب یہ ہے اَوْفِ بِمِثْلِ نَذْرِكَ کہ جس طرح حقیقی نذر کو پورا کیا کرتے ہیں اسی طرح اس مثل نذر کو پورا کرے۔  
والحدیث اخرجه البخاری ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ، قاله المنذري۔

## باب من نذر نذراً لم یستمه

عن عقبۃ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کفارة النذر کفارة الیمین۔

حدیث الباب کا محل اور اس میں اختلاف علماء اور ترمذی کی روایت میں اس طرح ہے کفارة النذر اذا لم یستمه کفارة الیمین، ابو داؤد کی حدیث میں گو یہ زیادتی نہیں لیکن مصنف نے اس حدیث کو محمول اسی پر کیا ہے جیسا کہ ترجمۃ الباب میں ہے، اس نذر کی صورت یہ ہے جسے کوئی شخص یوں کہے۔ للہ علی نذرک اَوْ کس چیز کی نذر ہے اس کی تعیین نہ کرے اس نذر کو نذر مبہم بھی کہتے ہیں، نذر مبہم میں جہور علماء کا مسلک یہی ہے کہ کفارة کفارة الیمین، اس لئے کہ پورا کرنے کی تو کوئی صورت ہے ہی نہیں غیر معین ہونے کی بنا پر، ابن قدامہ نے اکثر علماء کا مذہب یہی قرار دیا ہے وہ فرماتے ہیں: ولا اعلم فیہ مخالفاً الا الشافعی قال لا یستحق نذره ولا کفارة فیہ، ولنا ما روی عقبۃ بن عامر کفارة النذر اذا لم یستمه کفارة الیمین الحدیث اھ من المعنی وفي المحلی وزواہ احمد والوداؤد والنسائی، ورواہ مسلم بدون قولہ، اذالم یستمه، فحملہ مالک والوحیفة وجماعة علی النذر المطلق، وحملہ احمد وبعض الشافعية علی نذر المعصية، وحملہ جہور الشافعية علی نذر اللجاج مثلاً ان کلمت زیداً فللہ علی حجة فکلمہ فہو بالجیار بین الکفارة ویمین ما التزمہ اھ، وھکذا حکى القاری عن النووی انه قال حملہ جہور اصحابنا علی نذر اللجاج قال لقاری لا یظهر حملہ لم یستمه، علی المعنی المذكور مع ان التخییر خلاف المفہوم من الحدیث، وحملہ علی المعصية مع بعدہ یردہ حدیث ابن عباس مرفوعاً من نذر نذر لم یستمه کفارة الیمین ومن نذر نذر فی معصية کفارة الیمین فان الاصل فی العطف المغایرة اھ مختصراً من الادب ج ۳ ص ۱۳۶ صاحب محلی نے جو لکھا ہے کہ امام احمد نے اس کو نذر معصية پر محمول کیا ہے یہ اس کے خلاف ہے جو ابن قدامہ سے نقل کیا گیا ہے یعنی یہ کہ اس سے مراد نذر مطلق و مبہم ہے لہذا صحیح یہ ہے کہ جہور علماء و مبہم التلائے کہ نزدیک اس سے مراد نذر مبہم ہی ہے۔ الا الشافعی کہ ان کے نزدیک اس سے مراد نذر لجاج ہے اب یہ کہ نذر لجاج کا حکم کیا ہے۔

نذر لجاج کی تعریف اور اسکے حکم میں اختلاف آئمہ اور جز میں ایک دوسرے مقام پر نذر لجاج پر تفصیلی کلام کرتے ہوئے مالکیہ کا مذہب یہ لکھا ہے کہ یہ نذر ان کے نزدیک

قول راجح میں واجب الوفا رہے۔ اور نذر لجاج یہ ہے کہ جس سے مقصود طاعت وغیرہ کچھ نہ ہو بلکہ اپنے نفس کو کسی کام سے روکنا اور اس کو سزا دینے کے طور پر ہو جیسے یوں کہے للشر علی کذا ان کلمت زیدا، یعنی زید پر ناراض ہونے کی صورت میں کہے کہ اگر میں اس سے بات کروں تو میرے ذمہ ایک حج یا عمرہ ہے مثلاً اس کی ایک مثال باب الیمین فی قطیعة الرحم میں آ رہی ہے، قال الباجی یلزم النذر علی وجه اللجاج والغضب وقال الشافعی هو مخیر فی نذره علی اللجاج بین ان یکفر کفارة یمین و بین ان یغنی بہ اور موفی نے اپنا یعنی حنا بلکہ کا مذہب بھی یہی نقل کیا ہے جو امام شافعی کا ہے انہ مخیر بین الوفا بما صلت فلا یلزمہ شیء و بین ان یبحث فیتخیر بین فعل المنذور و بین کفارة الیمین، وقال ابو حنیفہ و مالک یلزم الوفا بنذره لانه نذر فیلزم الوفا بہ کذا التبرر۔ الی آخر باسقاط الموقوف۔ اس کے بعد حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ شافعیہ کے اس میں پانچ قول ہیں جن کو امام نووی نے شرح مہذب میں مبسوطاً ذکر کیا ہے وقال نذر اللجاج والغضب ویقال فیہ یمین اللجاج والغضب ویقال لہ ایضاً یمین الغلق ونذر الغلق فاذا قاتل ان کلمت فلانا للشر علی صوم شہر او حج او صلاۃ او نحو ذلک ثم کلمہ فیما یلزمہ خمسہ طرق جمہا الرافی قال اشعرا علی ثلاثہ۔ اقول احدھا یلزم الوفا بما التزم، والثانی یلزمہ کفارة الیمین والثالث یتخیر بینہما، قال دھذ الثالث هو الاظہر عند العراقیین، وقال النووی هو الاصح اھ اور ملا علی قاری نے حنفیہ کا مذہب اس طرح لکھا ہے کہ یلزم الوفا بالنذر سواء کان مطلقاً او معلقاً بشرط بان قال ان شفی الشمر یعنی فعلی حجۃ مثلاً او عمرۃ مثلاً، لکن لزومہ عند وجود الشرط اذا کان معلقاً، ولا یتخرج عنہ بالکفارة فی ظاہر الروایۃ عن ابی حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ، اور پھر اس کے بعد لکھتے ہیں کہ نذر معلق کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ تعلیق ایسی شرط کے ساتھ ہو جس کا وجود مطلوب ہو جیسے ان شفی الشمر یعنی فعلی کذا تو ایسی نذر کا تو ایفا رہا ہی واجب ہے اور اگر تعلیق ایسی چیز کے ساتھ ہو جو غیر مطلوب ہو جیسے ان کلمت زیدا فللشر علی کذا اس میں دو قول ہیں ایک یہی کہ واجب الایفا رہے دوسرا یہ کہ اس صورت میں کفارة یمین کافی ہے دھو ایصح وقد رجح الیہ اللام ابو حنیفہ قبل موتہ بثلاثہ ایام او سبغہ وھو قول محمد رحمہ اللہ تعالیٰ اھ اور یہی تفصیل حنا بلکہ کے مذہب میں ہے کمافی الروض المربع کہ اگر تعلیق ایسی شرط کے ساتھ ہے جس کا وجود مطلوب ہو اس کا ایفا واجب ہے اور اگر وہ شیء ایسی ہے جس کا وجود مطلوب نہیں وہاں پر تخیر ہے بین الایفا و کفارة الیمین، اور حضرت شیخ فرماتے ہیں ہذا التفصیل مولرجع عند الشافعیۃ

**خلاصۃ المذہب** | نزدیک وہ مطلقاً واجب الایفا رہے اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک علی الرائج اس میں تفصیل ہے فالجاصل فی نذر اللجاج ان الائمۃ الثلاثہ فی جانب والامام مالک فی جانب امام مالک کے نزدیک وہ مطلقاً واجب الایفا رہے اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک علی الرائج اس میں تفصیل ہے

جواب بھی اوپر مذکور ہوئی اس مقام کی شرح میں بہت تطویل ہو گئی جس کا منشأ ناقلیین مذہب کا اختلاف ہے کسی ایک کتاب میں یہ مسئلہ مہذب و متقہ نہیں ملا لیکن اب بحمد اللہ تنقیح و تحقیق ہو گئی جو ہم نے دونوں جگہ اخیر میں لکھ دی نذر مہم میں بھی اور نذر لجاج علی بھی فلتہ الحمد۔

## باب لغو الیمین

یہ وہی باب ہے جس کا حوالہ ہم نے ابتدائی مباحث کی بحث رابع میں دیا تھا۔

یمین کی تین قسمیں مشہور ہیں۔ یمین منعقدہ یمین غموس، یمین لغو، یمین منعقدہ وہ ہے جس کا تعلق زمان مستقبل سے ہو کہ قسم کھا کر یوں کہے کہ میں ایسا کروں گا یا نہیں کروں گا، اور یمین لغو اور غموس

ان دونوں کا تعلق ماضی یعنی گزشتہ زمانہ سے۔ یا حال سے ہوتا ہے اور یہ دونوں خلاف واقع ہوتی ہیں، فرق یہ ہے کہ یمین غموس میں جان بوجھ کر خلاف واقع بات پر قسم کھائی جاتی ہے یمین لغو میں بلا قصد کے یعنی وہ خبر اعتقاد کے تو مطمئن ہوتی ہے لیکن واقعہ کے خلاف، مثلاً اگر قسم کھا کر یہ کہا کہ زید آگیا، اور فی الواقع وہ آیا نہیں تھا تو اگر یہ غلط قسم جان بوجھ کر کھائی تب تو یمین غموس ہے ورنہ یمین لغو، یہی مذہب امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کا ہے امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا یمین لغو کی تعریف میں اختلاف ہے ان کے نزدیک یمین لغو کی تعریف یہ ہے خواہ اس کا تعلق ماضی سے ہو یا حال سے یا مستقبل سے ماسبق الیہ اللسان من غیر قصد، جیسا کہ لوگوں کی عادت ہوتی ہے دوران گفتگو لاؤ اللہ، بلی واللہ وغیرہ لفظ کہنے کی، اور امام احمد کے نزدیک یہ دونوں قسمیں یمین لغو میں داخل ہیں، جس کو شافعیہ لغو کہتے ہیں وہ بھی اور اسی طرح جو حنفیہ و مالکیہ کے نزدیک لغو ہے وہ بھی، قال الصاوی المالکی المفسر اختلف العلماء فی معنی اللغو فقال الشافعی هو ما سبق الیہ اللسان من غیر قصد عقد الیمین وقال ابو حنیفہ و مالک هو ان یحلف علی ما یعتقد فتمین خلافہ، وکلا ہما داخل فی اللغو عند الامام احمد۔

قالت عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم قال هو کلام الرجل فی بیتہ کلا واللہ دسلی واللہ۔ یہ حدیث بظاہر شافعیہ کے موافق ہے، بدائع میں اس کا جواب یہ لکھا ہے کہ یہ حدیث ہمارے خلاف نہیں ہے، ہمارے نزدیک بھی یہ یمین لغو ہی ہے بشرطیکہ اس کا تعلق ماضی یا حال سے ہو، شافعیہ کے نزدیک یہ عام ہے، ان کے نزدیک یہ مستقبل کو بھی شامل ہے، وہ فرماتے ہیں والدلیل علی ما قلنا انہا قسرتہا بالماضی، روی عن مطر عن رجل قال دخلت انا و ابن عمر علی عائشہ فسألتهما عن یمین اللغو فقالت قول الرجل قلنا واللہ کذا، وصنعنا واللہ کذا، فحملت تلک الروایۃ علی ہذا توفیقاً بین الروایتین اذا حملت علی المفسر

قال ابو داؤد: ابراہیم الصائغ قتله ابو مسلم بفرستہ من، قال وكان اذا رفع المطرقة فسمع النداء سببها

ابراہیم صائغ کی ایک خاص خصلت | سند میں جو ایک راوی ابراہیم صائغ آئے ہیں ان کے بارے میں مصنف فرما رہے ہیں کہ ان کو ابو مسلم نے مقام فرندس میں قتل کیا تھا

آگے ان کی ایک عادت بیان کر رہے ہیں کہ ان کا حال یہ تھا کہ کام کے دوران جب یہ زیور بناتے وقت ہتھوڑی مارنے کے لئے اٹھاتے تھے تو اگر اس وقت ان کے کان میں اذان کی آواز پڑ جاتی تھی تو فوراً ہاتھ کو روک لیتے تھے۔ اور اس ہتھوڑی کو بجائے مارنے کے رکھ دیتے تھے۔ بذل میں لکھا ہے کہ یہ ابو مسلم حجاج بن یوسف کی طرح بڑا ظالم اور سفاک تھا۔

### باب فیمن حلف علی طعام لایا کله

عن عبد الرحمن بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال نزل بنا اضياف لنا وكان ابو بکر يتحدث عند رسول الله صلى الله عليه واله وسلم بالليل ۱۷۔

**ضيْفَانِ ابی بکر صدیق کا قصہ** | عبد الرحمن بن ابی بکر بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہمارے یہاں چند مہمان آئے (یہ تین شخص تھے اصحاب صفہ میں سے) وہ فرماتے ہیں کہ والد صاحب کا معمول رات میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بات چیت کے لئے جانے کا تھا، چنانچہ وہ جاتے وقت مجھ سے فرما گئے کہ میری والدہ سے پہلے ان کو کھانے سے فارغ کر دینا، عبد الرحمن کہتے ہیں: میں ان کے پاس کھانا لیکر آیا، مہمانوں نے بغیر صاحب خانہ (صدیق اکبر) کے کھانے سے انکار کر دیا، عبد الرحمن کہتے ہیں کہ جب والد صاحب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سے واپس آئے تو دریافت فرمایا کہ تم لوگ کھانے سے فارغ ہو گئے؟ انہوں نے جواب دیا کہ نہیں۔ اس کے بعد بخاری کی روایت میں یہ ہے کہ صدیق اکبر نے اپنے بیٹے عبد الرحمن کو آواز دی (وہ صدیق اکبر کے غصہ کو دیکھ کر چھپ گئے تھے جیسا کہ بخاری کی روایت میں ہے) یا غش (راکھنے) وہ سامنے آئے اور اگر عرض کیا اجمی میں تو ان کے سامنے کھانا لیکر آیا تھا مگر ان لوگوں نے کھانے سے انکار کر دیا کہ جب تک آپ نہیں آئیں گے اس وقت تک ہم۔ نہیں کھائیں گے، اس پر مہمانوں نے عبد الرحمن کی تصدیق کی کہ بیشک یہ تو کھانا لیکر آئے تھے لیکن ہم نے انکار کر دیا تھا آپ کے انتظار میں، صدیق اکبر نے پوچھا کہ میرا انتظار کیوں کیا انہوں نے جواب دیا کہ آپ کے مقام اور مرتبہ کی وجہ سے، صدیق اکبر کو اس پر ناگواری ہوئی اور قسم کھا کر فرمایا میں بھی آج یہ کھانا نہیں کھاؤں گا، ان مہمانوں نے بھی قسم کھالی کہ ہم بھی نہ کھائیں گے جب تک آپ نہ کھائیں گے۔

قال سارائت فی الشر کاللیلۃ قط۔ اس پر صدیق اکبر بڑے متاثر ہوئے اور کہنے لگے کہ ایسی بری رات تو میں نے کبھی نہیں دیکھی، مگر انہوں نے اس ناگوار صورت حال کو فوری طور پر ختم کیا اور فرمایا کھانا لیکر آؤ اور بسم اللہ پڑھ کر کھانا شروع کر دیا، مہمانوں نے بھی شروع کر دیا۔ آگے روایت میں یہ ہے کہ اس رات کے واقعہ کے بعد صبح کو جب صدیق اکبر حضور کی خدمت میں پہنچے اور یہ رات کا واقعہ آپ کو سنایا اور یہ کہ میں تو اپنی

قسم میں حانث ہو گیا تو اس پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بل انت ابرہم وأشد قہم کہ تم کہاں حانث ہوئے تم تو ان میں سب سے زیادہ نیک اور سچے ہو مطلب یہ کہ یہ حنث وہ حنث نہیں جو معصیت یا مذموم ہو بلکہ یہ تو من حلف علی یحیٰ بن فرآی غیر ہا خیر امنہا کے قیل سے ہے۔

یہ واقعہ صحیح بخاری میں مزید تفصیل سے ہے اس میں یہ بھی ہے فاکلوا فکلوا لا یرون لقمۃ الاربت من اسفلہا اکثر منها فقال یا حنث بنی فراس ما هذا؟ فقالت وقرۃ عینی انہا الآن لا کثر قبل ان ناکل فاکلوا وبعث بہا الی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فذکر انہ اکل منها، یعنی جب یہ لوگ وہ کھانا کھا رہے تھے تو جو بھی لقمہ اٹھاتے تھے تو کھانا اس کے نیچے سے اور بڑھ جاتا تھا، اور پھر آگے یہ ہے کہ اس کھانے میں کاجا ہوا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بھی بھیجا گیا جس میں سے آپ نے بھی نوش فرمایا، یہ قصہ صحیح بخاری میں کتاب الادب ص ۹۷ اور علامات نبوت میں ص ۱۵۸ اور مواقیف الصلوة میں ص ۸۵ پر مذکور ہے، قال: ولہم یدلغی کفارۃ، راوی کہہ رہا ہے کہ اس واقعہ میں صدیق اکبر نے کفارہ یحیٰ بن فرآی کو کیا تھا یا نہیں اس بارے میں مجھے کچھ نہیں پہنچا لیکن اصولاً کفارہ واجب ہے اور عدم ذکر عدم کو مستلزم نہیں، اور اگر یہ واقعہ مشر و عیت کفارہ سے پہلے کا ہو تو پھر امر آخر ہے۔ (بذل) والحدیث اخرجه البخاری وسلم بخو اتم منه، قالہ المنذری۔

## باب الیمین فی قطیعة الرحم

عن سعید بن المسیب ان اخوين من الانصار كان بينهما ميراث فسأل احدهما صاحبه القسمة فقال

ان عُدَّتْ تسألني عن القسمة فكل مالي في راج الكعبة الخ  
شرح الحدیث و فیہ بیان نذر اللہ حاج | یعنی دو انصاری شخص جو آپس میں بھائی بھائی تھے ان دو کے درمیان میراث کا مسئلہ رکھا ہوا تھا ان میں سے ایک نے دوسرے سے تقسیم میراث کا مطالبہ کیا (ممکن ہے کئی بار مطالبہ کی فزیت آچکی ہو) اس نے کہا کہ اگر آئندہ تو نے تقسیم کا سوال کیا تو پھر میری نذر یہ ہے کہ میرے حصہ کا کل مال باب کعبہ کے لئے ہے، مراد خود کعبہ ہی ہے۔ آگے روایت میں یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علم میں جب یہ واقعہ پہنچا تو انہوں نے اس نذر ماننے والے سے فرمایا ان الکعبة غنیۃ عن مالک، کہ کعبہ کثیرے مال کی ضرورت نہیں، اپنی قسم کا کفارہ دے اور اپنے بھائی سے بات کرنا شروع کر اس لئے کہ میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے۔ وہ فرماتے تھے: لا یمین علیک ولا نذر فی معصیۃ الرب ولا فی قطیعة الرحم۔ اس قصہ میں جو نذر مذکور ہے وہ نذر اللہ حاج ہے جس کا حکم ابھی قریب میں مع بیان مذاہب الائمہ گذر چکا ہے و حاصلہ: اگر کوئی شخص اپنی نذر کو کسی شئی کے حصول پر معلق کرے

تو اس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ وہ شئی مطلوب و مقصود ہو جیسے ان شفی اللہ مریضی فعبدی حر، ایسی نذر کا ایفاء بالاتفاق واجب ہے اور اگر وہ شئی غیر مطلوب ہو جیسا کہ غصہ وغیرہ کی صورت میں نذر مان لی جاتی ہے جیسے ان کلمتک فعلی صوم شہر، یہ نذر نذر بجا ج ہے اور پہلی نذر نذر المجازاة اور نذر تبرئ، امام مالک کے نزدیک تو دونوں قسموں کا حکم یک ہی ہے یعنی وجوب ایفاء اور باقی ائمہ ثلاث کے نزدیک قسم اول یعنی نذر المجازاة کا حکم وجوب ایفاء ہے و فی القسم الثانی التحریۃ بین الایفاء و کفارة الیمین اس مضمون کی ایک حدیث موطا کے اندر بھی ہے عن عائشہ ام المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا انہا سئلت عن رجل قال مالی فی رتاج الکعبۃ فقالت عائشہ یکفرہ ما یکفر الیمین، یہ روایت ہمارے یہاں باب من نذر ان یتصدق بمالہ میں بھی گذر چکی۔

### باب الحالف یستثنی بعد ما یتکلم

اس سے پہلے ایک باب گذرا ہے۔ باب الاستثناء فی الیمین، وہاں پر ہم نے یہ لکھا تھا کہ استثناء وہ معتبر ہے جو متصلاً ہو اور یہ کہ اس اتصال کی بحث اس آنے والے باب میں ذکر کی جائے گی۔

استثناء میں اتصال کی قید و ذکر المذہب | استثناء اصطلاح میں تو حکم ماقبل سے بعض افراد کے الاستثناء کے ذریعہ سے اخراج کرنے کو کہتے ہیں اور اس کا

اطلاق تعلیق علی المشیئة پر بھی آتا ہے یعنی ان شاء اللہ کہہ دینا، یہاں پر یہی مراد ہے، قسم کھانے کے بعد اگر کوئی شخص ان شاء اللہ متصلاً کہے تو یہ انعقاد یمین سے مانع ہو جاتا ہے، اتصال کی قید جمہور علماء اور ائمہ اربعہ کے

نزدیک ہے، بعض سلف جیسے طاؤس حسن قتادہ وغیرہ کا اس میں اختلاف منقول ہے، اسی طرح حضرت ابن عباس کا اختلاف اس میں مشہور ہے ان کے نزدیک استثناء کے لئے کسی زمانہ کی قید نہیں جب بھی چاہے کر سکتا ہے

اس سلسلہ میں ایک قصہ بھی مشہور ہے وہ یہ کہ ایک شخص نے (قیل ہو محمد بن اسحاق صاحب المغازی) خلیفہ منصور عباسی سے امام ابو حنیفہ کی شکایت کی کہ یہ آپ کے جدا مجد ابن عباس کی مخالفت کرتے ہیں کہ استثناء منفصل

معتبر نہیں متصل ہونا ضروری ہے، منصور نے امام صاحب کو بلا کر ان سے اس کے بارے میں سوال کیا انہوں نے جواب دیا کہ ہاں میں کہتا ہوں کہ استثناء منفصل معتبر نہیں اور پھر اس کو مطمئن کرنے کے لئے انہوں نے فرمایا کہ کیا

آپ کو یہ بات پسند ہے کہ لوگ آپ کی مجلس میں آپ کے ہاتھ پر بیعت کریں حلف اٹھائیں اور پھر مجلس سے باہر جا کر ان شاء اللہ کے ذریعہ نقض بیعت کر کے بری ہو جائیں اس پر وہ خوش ہو گیا اور کہا نعم ما قلت و غضب علی ابن اسحاق و اخرجه من عنده (بذل)

عن عکرمۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال غُرُوتٌ قَرِيشًا، واللہ لا غزون قریشا،

والله لا غزوة قریشا شر قال ان شاء الله۔ اور دوسری روایت میں یہ زیادتی ہے۔ شہسکت شر قال ان شاء الله۔

لیکن فصل یسیر جمہور کے نزدیک بھی جائز ہے چنانچہ بذل میں ابن امیر الحاج سے نقل کیا ہے: یشرط فی الاستئذان الاتصال بالمستثنی منہ لفظاً عند جماہیر العلماء الا تنفس او سعال او اخذ قمح و نحوہ کعطاس او جثارہ و عن ابن عباس جواز الفصل بشہر و سنہ مطلقاً، اور اس کے بعد پھر یہ ہے کہ وہ جو ابن عباس سے جواز فصل منقول ہے اس سے مراد وہ استئذان ہے جو بوقت تکلم منوی ہو لیکن مؤخر ہو۔

مضمون حدیث یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ایک روز فرمایا اللہ میں قریش مکہ سے بالفور غزوہ کروں گا اور اس کو آپ نے تین بار فرمایا، اس کے بعد دوسری روایت میں یہ ہے شہسکت یغزوہ کہ پھر آپ کو ان کے ساتھ غزوہ کی نوبت نہیں آئی اس پر بذل میں اشکال کیا ہے کہ مکہ کی فتح غزوہ ہی کے ذریعہ تو ہوتی ہے پھر نفی کے کیا معنی ہیں؟ قلت و لیکن ان یقال معناه لم یغزوہم بعد هذا القول علی الفور بل بعد زمان، پایہ کہ راوی کی مراد غزوہ سے قتال ہو چنانچہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مکہ کی فتح صلحاً ہوئی نہ کہ عنوة۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

## باب من نذر نذراً لا یطیقہ

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال من نذر نذراً لم یسمہ فکفارتہ یمین ومن نذر نذراً فی معصیۃ فکفارتہ کفارتہ یمین الخ۔

یہ وہی حدیث ہے جس کا ذکر ہمارے یہاں "باب من نذر نذراً لم یسمہ" میں ملا علی قاری کے کلام میں اس ذیل میں آیا ہے کہ جن علماء نے من نذر نذراً لم یسمہ کو نذر معصیت پر محمول کیا ہے وہ درست نہیں اس لئے کہ نذر معصیت تو اس حدیث کے بعد خود مذکور ہے اور عطف مقتضی ہے مغایرت کو وغیرہ وغیرہ۔  
والحدیث اخرہ ابن ماجہ قالہ المنذری۔

## اول کتاب البیوع

ما قبل من سبب | جب مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ عبادات کے بیان سے فارغ ہو گئے یعنی ارکان اربعہ نماز روزہ زکوٰۃ حج اور نکاح و جہاد و ایثار سے من الصیایا والوصایا والفرایض وغیرہا تو اب یہاں سے معاملات کا بیان شروع ہوتا ہے اور اس کے بعد اطعمہ و اشربہ کا اس لئے کہ یہ بیع وغیرہ معاملات کھانے پینے ہی کی سہولتوں کے لئے مشروع ہوئے ہیں اور پھر ان سب کے بعد جو احکام باقی رہ گئے ہیں یعنی حدود و قصاص



اور دیات ان کو مصنف نے ذکر فرمایا اس لئے کہ یہ امور یعنی حدود و قصاص وغیرہ زیادہ تر اکل و شرب ہی کی بے احتیاطی پر متفرع ہوتے ہیں اسی لئے ان کو اطعمہ و اشربہ کے بعد اخیر میں ذکر کیا، واللہ تعالیٰ اعلم۔ یہ مناسبت تو پوری کتاب کے مضامین کے اعتبار سے ہوئی اب رہی یہ بات کہ قریب میں جو کتاب گذری ہے یعنی کتاب الایمان والنذور اس میں اور بیوع میں کیا مناسبت ہے سو اس کے بارے میں یہ کہا جاسکتا ہے جیسا کہ کتاب النذور کے شروع میں گذر چکا کہ نذر میں زوال اختیار ہوتا ہے تو ایسے ہی بیع میں زوال ملکہ ہوتا ہے فتا سنا واللہ تعالیٰ اعلم۔ اور صحیح بخاری کی ترتیب یہ ہے کہ انہوں نے ارکان اربعہ میں سب سے اخیر میں صوم کو ذکر کرنے کے بعد اس کے بعد متصل کتاب البیوع کو بیان فرمایا ہے اور امام مسلم نے ارکان اربعہ میں کتاب الحج کو سب سے اخیر میں ذکر کرنے کے بعد اول کتاب النکاح اور اس کے بعد کتاب البیوع کو ذکر کیا ہے۔ بیع کی تعریف جو مشہور ہے وہ یہ ہے، "البيع مبادلة المال بالمال بالتراضی، اس تعریف پر ایک اشکال بھی کیا گیا ہے کہ یہ مانع نہیں ہے کیونکہ یہ جہت بشرط التراضی پر صادق آتی ہے، اسلئے بعض علماء نے اس تعریف میں لفظ تجارت کا اضافہ کیا یعنی مبادلة المال بالمال بالتراضی بطریق التجارة، لیکن اس پر بھی اشکال ہے اسلئے کہ اس سے بیع مکرمہ خارج ہو جاتی ہے حالانکہ حنفیہ کے نزدیک وہ منعقد ہے بیوع جمع ہے بیع کی بیع و شرائ ان دونوں کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ دونوں اعداد میں سے ہیں ایک دوسرے کے معنی میں آتا ہے لیکن اکثر بیع کا اطلاق اخراج المبیع عن الملك، اور شراء کا اطلاق اکثر اخراج الثمن عن الملك پر ہوتا ہے بیع کی انواع اور بیوع میں جمع کا صیغہ اختیار کرتے ہیں فقہاء بھی اور محدثین بھی کثرت انواع مع یکطرف اشارہ کرنے کے لئے، حاشیہ ہدایہ میں لکھا ہے کہ بیع کی باعتبار مبیع کے چار قسمیں ہیں (۱) بیع سلعۃ بمثلہا یعنی سامان کے بدلہ میں سامان بدلنا اس کا نام بیع مقایضہ ہے (۲) ثمن کے بدلہ میں سامان دینا جیسا کہ عام طور سے ہوتا ہے، مطلق بیع جب بولتے ہیں تو یہی مراد ہوتا ہے (۳) بیع الثمن بالثمن یعنی دونوں طرف تقدیر میں سے کوئی سا ایک ہو اس کا نام بیع الصرف ہے (۴) بیع دین بعین اس کا نام بیع سلم ہے، اس بیع میں مبیع دین ہوتی ہے یعنی فی الحال نہیں بلکہ واجب فی الذمہ، اور ثمن فی الحال ہوتا ہے یعنی عام طور سے تو اس کے برعکس ہوتا ہے کہ سلعۃ یعنی سامان فی الحال لیا اور اس کا عوض یعنی ثمن مؤجل کر دیا کہ بعد میں دیں گے، اور بیع کی اس قسم میں یعنی سلم میں اس کے برعکس ہوتا ہے کہ ثمن فی الحال اور مبیع مؤجل اسی لئے اس کی تعریف اس طرح کرتے ہیں، "بیع أجل بآجل" یہ ذہن میں رہے کہ باب بیع میں حرف "باء" ثمن پر داخل ہوتا ہے، بیع کی اس قسم رابع کا جواز خلاف قیاس، نص کی وجہ سے ہے، شریعت نے مصلحت اور سہولت عباد کیلئے اس قسم کو خلاف قیاس جائز رکھا ہے، اسی لئے اس کے جواز کے لئے بہت سی شرطیں رکھی گئی ہیں تاکہ بعد میں اختلافات پیدا نہ ہوں، یہ شرطیں فقہ کی کتابوں میں مذکور و مسطور ہیں، اسی طرح ثمن کے لحاظ سے بھی بیع کی چار قسمیں ہیں، بیع المساومہ، ما اتفاقا علیہ من غیر اعتبار الثمن الاول یعنی بجاؤ کر کے کوئی چیز

خریدنا جتنی قیمت پر بھی اتفاق ہو جائے جیسا کہ عام طور سے بیوع میں ہوتا ہے، وسیع المراجہ، التولیہ والوضیعہ ان تینوں قسموں میں ثمن اول کا اعتبار ہوتا ہے یعنی بائع یہ کہے کہ مجھ کو یہ چیز اتنے میں پڑی ہے اور میں تجھ کو اتنے میں دے رہا ہوں پھر نفع لینے کی صورت میں اس کو مراحہ اور نہ لینے کی صورت میں بیع تولیہ اور کم کرنے کی صورت میں بیع الوضیعہ کہتے ہیں۔

**دین میں معاملات کی درستگی کی اہمیت** ہمارا دین یعنی دین اسلام صرف عبادات کا نام نہیں ہے، بلکہ عبادات میں معاملات کی درستگی کی اہمیت، معاشرت اخلاقیات کے مجموعہ کا نام ہے، بغیر معاملات کی درستگی کے آدمی دیندار یا صوفی و زاہد نہیں ہو سکتا، چنانچہ ”تعلیم المتعلم“ میں لکھا ہے کہ ایک شخص نے حضرت امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں عرض کیا الانصف کتابا فی البیوع، کہ آپ زہد و تصوف میں کوئی کتاب کیوں نہیں لکھتے؟ تو انہوں نے جواب دیا قد صفت کتابا فی البیوع، کہ میں مسائل بیوع پر کتاب لکھ چکا ہوں، بظاہر جواب سوال کے مطابق نہ تھا اسی لئے سائل نے دوبارہ سوال کیا انہوں نے پھر وہی جواب ارشاد فرمایا، تین بار ایسا ہی ہوا ہر بار وہ یہی فرماتے رہے کہ میں بیوع میں کتاب لکھ چکا ہوں گویا امام صاحب نے اس طرف اشارہ فرمایا کہ بغیر بیوع اور معاملات کی درستگی کے آدمی صوفی اور زاہد نہیں بن سکتا، امام محمد ولے اس قصہ کی تائید امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ کے صنیع سے بھی ہوتی ہے اس لئے کہ انہوں نے کتاب البیوع کے شروع میں سب سے پہلے جو باب باندھا ہے وہ یہ ہے ”باب ما جار فی ترک الشبہات“ اور پھر اس میں یہ مشہور حدیث مرفوعہ ذکر فرمائی ہے الحلال بین والحرام بین و بین ذلک امور شتہات لا یدری کثیر من الناس ان الحلال ہی ام من الحرام فن ترکہا استبرار لیدینہ و عرضہ فقد سلم الحدیث قال ابو عیسیٰ ہذا حدیث حسن صحیح اھ قلت ہو متفق علیہ اخر جہ البخاری و مسلم۔

## باب فی التجارۃ یخاطبہا الحلف واللغو

عن قیس بن ابی غرزۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کنا فی عہد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نستی السماسرۃ فمننا النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فسمانا با سمرہ و احسن منه فقال یا معشر التجار ان البیع یحضرہ اللغو والحلف فشوبہ بالصدقۃ۔

قیس بن ابی غرزہ صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم شروع عہد نبوی میں سماسرہ کہلاتے تھے یعنی تاجروں کو سماسرہ کہا جاتا تھا جو کہ سمسار بمعنی الدلال کی جمع ہے، ایک روز حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بازار میں تاجروں کے پاس کو گزرے، وہ صحابی فرماتے ہیں کہ اس روز آپ نے ہمیں بڑے اچھے نام سے یاد فرمایا: فرمایا یا معشر التجار اے تاجروں کی جماعت دیکھو لین دین اور بیع و شرار میں لغویات اور جھوٹی قسم زبان پر آ جاتی ہے تو تم اپنے

اس عمل کو صدقہ کے ساتھ ملا لیا کرو، یعنی روزانہ حسب گنجائش و وسعت کچھ صدقہ کرتے رہا کرو، تاکہ ان لغویات کی تلافی ہو جائے۔

تاجر کا نام سمسار سے کیوں اچھا ہے اسلئے کہ تجارت الفاظ عربیہ میں سے ہے قرآن کریم میں مذکور ہے بخلاف سمسار کے کہ وہ عجمی لفظ ہے۔ والحدیث اخرجہ الترمذی والنسائی وابن ماجہ، قالہ المنذری۔

## باب فی استخراج المعادن

یعنی سونے چاندی کی کانوں میں سے مال نکال کر حاصل کرنا، اس باب کو کتاب البیوع سے کیا مناسبت ہے اسلئے کہ سونا چاندی اشیاء کو خریدنے کے لئے غنم بنتا ہے۔

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان رجلاً لزم غیر یمالہ بعشرة دنانیر الخ۔

**شرح الحدیث** حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے یعنی دائن نے پکڑ رکھا تھا اپنے دیون کو جس پر دین صرف دس دنانیر تھے، اور وہ رجل دائن یہ کہہ رہا تھا کہ واللہ میں تجھ کو نہ چھوڑوں گا جب تک کہ تو مجھ کو میرا دین ادا نہ کر دے یا اپنا کوئی کیلن پیش کرے۔ راوی کہتے ہیں کہ اس شخص کے دین کی کفالت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے لے لی اور پھر چند دن کے بعد حسب وعدہ آپ کی خدمت میں وہ دیون مال لے کر آیا، آپ نے اس سے سوال فرمایا کہ یہ سونا تو نے کہاں سے حاصل کیا، اس نے عرض کیا کہ ایک معدن سے، آپ نے یہ سن کر اس کو واپس کر دیا اور فرمایا ہمیں اس کی ضرورت نہیں، اس میں کوئی خیر نہیں اور پھر اس دائن کو اپنے اپنے پاس سے ادا فرما دیا۔

آپ نے اس معدن سے نکالے ہوئے سونے کو کیوں واپس فرما دیا، شرح اس کی توجیہ میں مختلف ہیں بعض نے کہا کہ اس کی کوئی خاص وجہ ہوگی جس کی ہمیں خبر نہیں، ورنہ محض اس کا مال استخراج من المعدن ہونا تو مانع عن التملک نہیں ہے امام خطابی نے اس کی متعدد توجیہات احتمالاً لکھی ہیں (۱) آپ نے اس کو اس لئے رد فرمایا لانہ لم یخمس یعنی اس شخص نے ابھی تک اس مال کا خمس ادا نہیں کیا تھا جو شرعاً واجب ہے (۲) اصحاب معادن کی عادت ہوتی ہے کہ وہ تراب المعادن کی بیع کرتے ہیں اسلئے کہ اس میں سونے چاندی کے ذرات ہوتے ہیں، اور چونکہ یہ معلوم نہیں کہ کچھ نکلے گا یا نہیں اور کتنا نکلے گا فقہ غرر (۳) ضرورت تھی سکے کی درایم و دنانیر کی اور وہ شخص لایا تھا سونا وغیرہ مضروب اسلئے آپ نے اس کو واپس کر دیا (۴) اصحاب معادن یہ کیا کرتے ہیں کہ کان کو ٹھیکہ پر دیدیتے ہیں کہ کھودنے والوں کا اس میں سے عشر یا خمس یا ثلث، باقی ہمارا، اور اس کی مقدار معلوم نہیں، اس جہالت کی وجہ سے یہ عقد فاسد ہوا اسلئے آپ نے واپس فرما دیا (بذل) والحدیث اخرجہ ابن ماجہ، قالہ المنذری۔

## باب فی اجتناب الشبهات

عن الشعبي قال سمعت نعمان بن بشير رضي الله تعالى عنه - ولا اسمع احدا ابعدا يقول

سمعت رسول الله صلى الله تعالى عليه واله وسلم يقول ان الحلال بين وان الحرام مبين -

اس سند میں "ولا اسمع احدا ابعدا" یہ جملہ معترضہ ہے اور نسائی میں اس طرح ہے "فواللہ لا اجمع بعده احدا" شعبی فرماتے ہیں کہ میں نے یہ حدیث (جو آگے آرہی ہے) نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنی ہے، اور ان سے سننے کے بعد پھر کسی اور سے اس کو نہیں سنوں گا، یعنی ان سے سننے کے بعد کسی اور صحابی سے سننے کی حاجت نہیں، صرف ان ہی سے سن لینا کافی ہے کیونکہ وہ بالکل سچے اور قابل اعتماد ہیں۔

**شرح الحدیث** | حدیث کا مضمون یہ ہے: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ الہ وسلم ارشاد فرما رہے ہیں کہ جس چیز کا لوگوں کو حلال ہونا معلوم ہے اس کا حکم تو ظاہر ہے، یعنی لوگ سمجھتے ہیں کہ اس کے اختیار کرنے میں کچھ حرج نہیں، اور اسی طرح جس چیز کا حرام ہونا لوگوں کو معلوم ہے اس کا حکم بھی ان کے نزدیک بین اور ظاہر ہے، یعنی یہ کہ اس سے بچنا ضروری ہے، لیکن ضرورت اس کی ہے کہ جو امور حلال و حرام کے درمیان ہیں ان کا حکم جانا جائے اور وہ یہ ہے کہ جیسا کہ حدیث کے اگلے حصہ سے مستفاد ہوتا ہے کہ ایسے امور سے بھی اجتناب احتیاطا ضروری ہے ورنہ احتیاط نہ کرنے کی صورت میں اندیشہ ہے کہ معاملہ آگے نہ بڑھ جائے یعنی وقوع فی الحرام، اور پھر آپ نے ان مشتبہات کے حکم کو ایک مثال سے سمجھایا ان الله حسی حسی وان حسی الله محارفة، کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے بعض چیزوں پر بائیس قائم کر کے ان کو ممنوع قرار دیدیا تاکہ آدمی ان تک نہ پہنچ سکے اور وہ امور جن پر اللہ تعالیٰ نے بائیس قائم کر دی ہیں وہ ممنوعات شرعیہ ہیں اور جو شخص باڑ کے قریب اپنے جانوروں کو چرائیگا تو اس کے بارے میں یہ اندیشہ قوی ہے کہ وہ باڑ کے اندر نہ گھس جائے، وانہ من یحاطط بالوبیة یوشاک ان یتجرس یعنی جو شخص مشکوک کے قریب جائے گا اس کے بارے میں اندیشہ ہے کہ وہ ایسا کرنے سے آگے جرات کرے اور صریح حرام میں گھس جائے۔ اس حدیث کے جملہ اولیٰ کا مطلب شرح نے یہی لکھا ہے جو ہم نے اوپر لکھا، اور اس جملہ کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تمام وہ چیزیں جو عند اللہ حلال ہیں اور اسی طرح وہ چیزیں جو عند اللہ حرام ہیں وہ سب بین اور ظاہر ہیں سب لوگ ان کو جانتے ہیں، اس مطلب کی شرح نے نفی کی ہے اس لئے کہ اس مطلب کی صورت میں پھر مشتبہ امور کہاں باقی رہیں گے جن سے بچنے کے لئے اس حدیث میں فرمایا جا رہا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

عمہ اور یہ بھی ممکن ہے کہ یوں کہا جائے کہ شعبی اوساط تابعین میں سے ہیں جو زیادہ تر تابعین سے روایت کرتے ہیں، اور یہ حدیث انکی صحابی سے ہے اس لئے م

## حدیث الباب کے بظاہر معارض ایک دوسری حدیث

یہاں ایک طالب علمانہ اشکال ہے کہ آگے کتاب الاطعمہ کے اخیر میں باب مالم  
یذکر تحریر کے اندر ابن عباس کی حدیث میں اس طرح ہے کان اہل الجاہلیۃ  
یا کلون اشیار ویترون اشیار تقدرا فبعث اللہ نبیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم  
وانزل کتابہ واصل حلالہ وحرم حرامہ فما اهل فهو حلال وما حرم فهو حرام وما سکت عنہ فهو عفو، اس حدیث میں حلال و حرام  
کے درمیانی چیزوں کو عفو قرار دیا گیا ہے اور حدیث الباب میں ان کو مشتبہ اور واجب الاحتراز فرمایا گیا ہے، اس  
اشکال اور اس کے جوابات کی طرف اشارہ حضرت شیخ نے حاشیہ کو کتب میں اس طرح فرمایا ہے کہ ان دونوں حدیثوں کے  
درمیان کئی طرح جمع کیا گیا ہے مثلاً یہ کہ (۱) حدیث ابن عباس من باب الفقہ والفتویٰ ہے اور نعمان بن بشیر کی حدیث  
من باب الورع والتقویٰ ہے (۲) اور اس سے بہتر توجیہ یہ ہے کہ ابن عباس کی حدیث میں جو حکم مذکور ہے یعنی عفو  
وہ مسکوت عنہ کا ہے، اور نعمان بن بشیر کی حدیث میں جو حکم مذکور ہے وہ امر مشتبہ کا ہے، پس یہاں چار مراتب  
ہوئے حلال، حرام، مسکوت عنہ یعنی وہ شئی جس کے بارے میں نہ دلیل حلت موجود ہو نہ دلیل حرمت، مشتبہ  
یعنی جس امر میں دلائل متعارض ہوں حلت و حرمت کے بارے میں، اور اس کا حکم وجوب ترک ہے ترجیحاً للحرمة۔  
اور قسم ثالث کا حکم یہ ہے کہ وہ معفو عنہ ہے اباحتہ اصلہ کا اعتبار کرتے ہوئے اھ اور ایک جواب یہ بھی دیا گیا ہے کہ  
نعمان بن بشیر کی حدیث متفق علیہ ہے بلکہ صحاح ستہ کی حدیث ہے، اور حدیث ابن عباس سنن کی روایت ہے  
عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال لیا تین علی

الناس زمان لا یبقی احد الا اکل الربا فان لم یأکلہ اصابہ من بخارہ۔ قال ابن عیسیٰ اصابہ من غبارہ۔  
شرح الحدیث عرب کے اندر ربا اور سودی معاملات کا لین دین بہت عام تھا جس کو وہ بالکل جائز سمجھتے تھے  
اسلام نے ان کو اس کو حرام قرار دیا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجۃ الوداع کے خطبوں میں  
دوسرے امور کے ساتھ اس کی بھی حرمت کا بار بار اعلان فرمایا اور زمانہ جاہلیت سے جو لوگوں کے ربوی معاملات  
چل رہے تھے سب پر آپ نے روک لگائی و ربا الجاہلیۃ موضوع واول ربا اضع ربا ناربا عباس بن عبد المطلب  
فان موضوع کلہ اور فرمایا کہ سابقہ سودی معاملات کی باقی رقم جو حضرت عباس کے معاملات کی ہے اس کے چھوڑنے میں  
پہل میں کرتا ہوں غرضیکہ لوگوں نے اس حرمت کے بعد سودی کاروبار و معاملات بند کر دیئے، پھر آپ اس حدیث الباب  
میں فرما رہے ہیں کہ ایک زمانہ ایسا آنے والا ہے کہ سودی معاملات کا سلسلہ پھر زور و شور کے ساتھ پایا جائے گا، اور

لہ اشیار میں اصل اباحتہ ہے یا توقف | وہی ہاشم البذل: فی حکم الاشیاء قبل ورود الشرع اربعۃ مذاہب کما فی العینی ص ۳۲۷ وہی الدر المختار مذہب  
اہل السنۃ ان الاصل فی الاشیاء التوقف والاباحتہ رأی المعزلة وروایہ ابن عابدین ص ۳۲۷ وہی ان الثانی مذہب اکثر الحنفیۃ والثانیۃ وسط المذاہب اھ۔

یہ وبا ایسی عام ہوگی جس سے کوئی نہ بچ سکے گا، اور اگر کوئی بہت ہی کوشش کر کے صریح سود کے کھانے سے پرہیز کرے گا بھی تو کم از کم اس کا بخار اور دھواں تو ضرور ہی اس تک پہنچ کر رہے گا، یعنی سود کا اثر اس کو کسی نہ کسی طرح پہنچے گا، مثلاً سودی معاملات میں شاہد بننے کی نوبت آئے گی یا کاتب بننے کی یعنی سودی معاملات لکھنے لکھانے کی، یا آکل ربا کے یہاں ضیافت کھانے یا اس کی طرف سے ہدیہ وغیرہ ملنے سے۔

والحدیث اخرجه النسائی وابن ماجه، قاله المنذری۔

من رجل من الانصار قال خرجنا مع رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم في جنازة۔

**مضمون حدیث** ایک انصاری صحابی فرماتے ہیں کہ ہم حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایک جنازہ میں قبرستان گئے میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ آپ قبر کے کنارہ پر کھڑے ہوئے گورکن کو ہدایت فرما رہے ہیں کہ اس جانب سے اور کھودو، اور اس فلاں جانب سے اور کھودو، فلما رجع استقبلہ داعی امرا کا فنجی بالطعام، یعنی جب آپ اس موقع پر قبرستان سے واپس تشریف لارہے تھے تو ایک عورت کی طرف سے آپ کو دعوت دینے والا ملا، چنانچہ آپ اس عورت کے یہاں تشریف لے گئے پس آپ کے سامنے کھانا لایا گیا، لوگوں نے کھانا شروع کیا، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بھی فقہ اٹھا کر منہ میں رکھا، لوگوں نے دیکھا کہ آپ اس لقمہ کو نگل نہیں رہے ہیں، چنانچہ تھوڑی دیر بعد آپ نے فرمادیا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ گوشت اس بکری کا ہے جس کو مالک کی اجازت کے بغیر لیا گیا ہے، جب اس عورت کو پتہ چلا کہ آپ اس گوشت کو نوش نہیں فرما رہے ہیں تو اس نے آپ کے پاس ایک شخص کو صورت حال بیان کرنے کے لئے بھیجا کہ یا رسول اللہ میں نے نفع یعنی جانوروں کی منڈی میں بکری خریدنے کیلئے آدمی بھیجا تھا لیکن وہاں بکری ملی نہیں تھی اس لئے میں نے اپنے پڑوسی کے یہاں آدمی بھیجا جس نے بکری خرید رکھی تھی کہ وہ بکری قیمت مجھے دیدے مگر اتفاق سے وہ شخص گھر پر نہیں تھا، پھر میں نے

لے اہل بیت میت کی طرف سے اکثر نسوں میں اس طرح ہے مطہر بھی اور قلمی بھی اور یہ روایت مشکوٰۃ میں بھی ہے اس میں یہ لفظ اس طرح ہے ضیافت پر اشکال اور اس کی توجیہ، داعی امر آتہ جمیر کے ساتھ یعنی اس میت کی زوجہ جس کو دفن کر آپ واپس آ رہے تھے، جیسا کہ ملاحظہ قاری نے اس کی شرح کی ہے، اگر یہ لفظ اسی طرح ہے جس طرح مشکوٰۃ میں ہے تو پھر اس پر اشکال ہے کہ ہمارے فقہانے تصریح کی ہے اس بات کی کہ اہل میت کی طرف سے ضیافت جائز نہیں اس لئے کہ ضیافت تو کسی مہر کے موقع پر شروع ہے نہ کہ رنج اور صدمہ کے موقع پر اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا اس ضیافت کو قبول فرمانا یہ دلالت کرتا ہے اسکے جواز پر تو اولاً تو اس کا جواب یہی دیا جائیگا کہ مشکوٰۃ میں یہ روایت ابو داؤد کی ہے اور ابو داؤد کے کسی نسخہ میں نسخ موجودہ میں سے داعی امر آتہ نہیں ہے، ثانیاً یہ کہ ہو سکتا ہے یہ واقعہ نبی سے قبل کا ہو، اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ آپ کا یہ عمل بیان جواز کے لئے تھا اس لئے کہ اہل بیت کی طرف سے ضیافت مکروہ ہی تو ہے حرام تو نہیں۔

اس کی بیوی کے پاس اسی غرض سے آدمی بھیجا اس نے میرے پاس وہ بکری بھیج دی پس یہ گوشت اس بکری کا ہے آپ نے فرمایا اطعمیہ الاساری یعنی یہ کھانا قیدیوں کو کھلا دے، یا تو اس لئے کہ وہ اکثر فقیر ہوتے ہیں اور یا اس لئے جیسا کہ بعض شراح نے کہا کہ وہ کافر ہیں ان کے کھالینے میں کچھ مضائقہ نہیں۔

باب فی آکل الربا وموكله

آکل سے مراد آٹھ اور موکل سے مراد معطل، یعنی جو شخص کسی سے ربا کا مال لے یا دوسرے کو دے (خواہ کھائے یا نہ کھائے)

عن عبد الله بن مسعود رضي الله تعالى عنه قال لعن رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم  
 أكل الربا وموكله وشاهد وكاتبه۔ امام نووی فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں تصریح ہے، اس بات کی کہ ربوی اور سودی  
 معاملہ کی کتابت خواہ اجرت کے ساتھ نہو یا بغیر اجرت کے، اسی طرح اس قسم کے معاملہ میں شہادت یعنی شاہد بننا حرام  
 اس لئے کہ اس میں اعانت علی الباطل ہے، والحدیث اخرجه الترمذی وابن ماجہ، واخرجه مسلم من حدیث جابر بن عبد الله  
 بن عامر، ومن حدیث طلحة عن عبد الله بن مسعود فی أكل الربا وموكله فقط واخرج البخاری من حدیث ابی جحيفة (حدیث)  
 طویل وافیہ: (وہی عن) وأكل الربا وموكله، قاله المنذرى۔

باب في وضع الريا

لکھ کر دس اموالکھ یعنی سابق سودی معاملات میں جو سود کی رقم باقی رہی ہوئی ہے اس کو نہ لیا جائے صرف  
رأس المال لیا جائے۔ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ نہ تو تم دوسرے پر ظلم کرو کہ سود کی باقی رقم کو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے  
کہ اصل رأس المال بھی پورا نہ دیا جائے، دونوں باتیں غلط ہیں، داول دم اضیع منہادم الحارث بن عبد المطلب  
یہ روایت کتاب الحج میں گزر چکی وہاں ایک روایت میں تو دم ربیعۃ بن الحارث، یعنی بجائے حارث کے ربیعۃ  
بن الحارث ہے، اور ایک روایت میں گذرا ہے دم ابن ربیعۃ بن الحارث، اور یہی صحیح ہے، تو گویا یہاں روایت میں  
دو مضاف محذوف ہیں۔ والحدیث اخرجه الترمذی والنسائی وابن ماجہ۔۔۔۔۔ وہذا مذکور فی حدیث جابر الطویل۔  
وقد اخرجه مسلم وابوداؤد فی الحج، قال المنذری۔

## باب في كراهية اليمين في البيع

الْحَلِيفُ مَنْفَقَةٌ لِلْسَّلَاحَةِ مَنْفَقَةٌ لِلْبَرَكَةِ، وَقَالَ ابْنُ السَّرْحِ: «الْحَلِيفُ حَارَكُ فَتَحٍّ أَوْ لَامُ كَسْرٍ»  
 كسرہ کے ساتھ اور کون لام بھی جائز ہے قالہ السندی علی النسائی قلت و- يجوز فیہ کسر الحار مع کون اللام کما تقدم

مفسداً فی باب الحلف فی آخر کتاب الفرائض، اگر قسم جھوٹی ہے تب تو کراہت تحریمی ہے اور اگر سچی ہے تب بھی مکروہ ہے کراہت تنزیہی۔ یعنی تاجر کا جھوٹی قسم کھانا (اسلئے کہ مسند احمد کی روایت میں "الیمین انکاذیہ" ہے) یہ تاجر کے سامان کو تو چاؤ کرنے والی ہے، لیکن برکت کو کم کرنے والی ہے، یا مٹانی والی ہے، منفقہ میم اور فار کے فتح کیساتھ درمیان میں یون ساکن ہے، یہ ماخوذ ہے نفاق بفتح النون سے وهو الرواج ضد الکساد، اور لفظ منفقہ بروزن منفقہ، اور اس میں ایک روایت ضم میم اور کسر جاد کی بھی ہے، یہ ماخوذ ہے حق سے بمعنی النقص والابطال، مطلب ظاہر ہے کہ جھوٹی قسموں سے سامان تو نکل جاتا ہے فروخت ہو جاتا ہے لیکن اس تجارت میں برکت نہیں ہوتی۔

### باب فی الرجحان فی الوزن والوزن بالاجر

یعنی بائع کو چاہیے کہ مبیع کچھ بڑھا کر دے اور اسی طرح مشتری کو چاہیے کہ ثمن کو کچھ جھکا کر دے، یعنی بیع مقایضہ میں یعنی جس صورت میں شرار بالسلعہ ہو۔

عن سماک بن حرب ناسوید بن قیس قال جلبت انا ومخرفہ العبیدی بزامن هجر فالتینابہ مکة سوید بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اور مخرفہ العبیدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مقام ہجر سے کچھ پیرا برائے تجارت لیکر مکہ مکرمہ میں آئے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہمارے پاس پایادہ تشریف لائے اور ایک سراویل کا ہم سے بھاؤ کیا ہم نے آپ کو وہ فروخت کر دیا دیکھو رجل یتوزن بالاجر یعنی وہاں ایک شخص موجود تھا جو اجرت لیکر اشیاء کا وزن کرتا تھا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ اس ثمن کو تول اور جھکتا ہوا تول۔

کوکب میں لکھا ہے کہ غالباً آپ نے یہ سراویل کسی وزنی شئی (سلعہ) کے بدلہ میں خریدا ہو گا جس کو آپ نے وزن کر کر بائع کو دیا (ورنہ اگر یہ خراب یا ثمن یعنی درہم اور دینار کے ذریعہ ہوتی تو اس کے تولنے کی کیا ضرورت تھی) لہذا فہمت من الکوکب فار جمع الیہ۔ شرح نے لکھا ہے کہ اس حدیث سے معلوم ہوا وزن بالاجر جائز ہے نیز یہ کہ وزن ثمن مشتری کے ذمہ ہے لہذا اس کی جرت بھی اسی پر ہو۔ جب ہوگی اور اس کے بالمقابل مبیع کا وزن یا کیل بائع کے ذمہ ہے فلذا الاجرۃ علیہ۔

کیا آپ کے لئے لبس سراویل ثابت ہے؟ نیز کوکب میں ہے کہ اس حدیث سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا سراویل کا خریدنا ثابت ہوا لیکن آپ کا اس کو پہننا کسی روایت

میں اس کی تصریح نہیں اہ اسکے حاشیہ میں حضرت شیخ نے جمع النوائد سے یہ روایت نقل کی ہے عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قلت یا رسول اللہ انک تلبس السراویل؟ قال اجل فی السفر والحضر وباللیل والنہار، فانی امرت ہا سہ فہم ج



شیئاً استر منہ، یعنی آپ نے حضرت ابو ہریرہ کے سوال پر فرمایا کہ ہاں میں سر اوئل پہنتا ہوں، سفر و حضر میں اور آپ نے سر اوئل کی تعریف فرمائی کہ اس میں ستر زیادہ ہے (یہ نسبت تہمند کے) حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ سیوطی نے اسکی سند پر ضعف کا حکم لگایا ہے، اور فی نفسہ یہ مسئلہ اختلافی ہے کہ آپ کا لبس سر اوئل ثابت ہے یا نہیں، ایک جماعت اس کی قائل ہے، ابن قیم ان ہی میں سے ہیں، اور ایک جماعت نے لبس کا انکار کیا ہے (کوکب ص ۳۸۶)  
والحدیث أخرجه الترمذی والنسائی وابن ماجہ، قال المنذری۔

عن سماک بن حرب عن ابی صفوان بن عُمیرۃ قال اتیت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم بمکة قبل ان یہاجر۔ بهذا الحدیث۔

**شرح السند** پہلی سند میں سماک سے روایت کرنے والے سفیان تھے اور اس دوسری سند میں ان سے روایت کرنے والے

دونوں کی روایت میں بیٹن فرق ہے، سفیان کی روایت میں سر اوئل کی بیع کرنے والے سوید بن قیس ہیں اور ان کے ساتھ مخرفہ بھی شامل ہیں، اور شعبہ کی روایت میں بجائے سوید اور مخرفہ کے ابوصفوان ہیں۔

قال ابو داؤد: رواه قیس کما قال سفیان، والقول قول سفیان، امام ابو داؤد نے سفیان کا متابعت قیس کو بیان کر کے سفیان کی روایت کو شعبہ کی روایت پر ترجیح دی، اسی طرح امام نسائی نے بھی حدیث سفیان کو اشبہ بالصواب قرار دیا ہے، نیز نسائی اور ابن ماجہ کی ایک روایت میں سمعت مالک ابا صفوان ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سوید بن قیس اور ابوصفوان دو شخص الگ الگ ہیں، ابوصفوان کا نام مالک ہے، اور اس میں بعض علماء کی رائے یہ ہے جس کو حاکم کراہیسی اور ابو عمر ابن عبد البر نے نقل کیا ہے کہ ابوصفوان سوید بن قیس ہی کی کنیت ہے (بذل) والحدیث أخرجه النسائی وابن ماجہ، قال المنذری۔

قال رجل لشعبة: خالفك سفیان، فقال: دَمَغْتَنِي، یعنی کسی شخص نے راوی حدیث شعبہ بن الحجاج کو کبار محدثین میں سے ہیں، اُن سے یہ کہا کہ آپ کی سفیان نے فلاں بات میں مخالفت کی ہے (یا تو یہی مخالفت جو حدیث الباب کی سند میں پائی گئی، یا اور کوئی مخالفت) تو اس پر شعبہ نے فرمایا کہ تو نے یہ جملہ بول کر (مخالفت سفیان کا) میرا سر توڑ دیا، بظاہر امام شعبہ نے حضرت سفیان ثوری کی مخالفت کو ان کی جلالت شان کے پیش نظر اہمیت دی۔  
عن شعبۃ قال کان سفیان احفظ منی، مصنف کی غرض تو ان اقوال کے نقل کرنے سے سفیان کی روایت کی ترجیح مقصود ہے جیسا کہ مصنف پہلے خود فرما چکے ہیں۔

دوسری بات جو ہمیں کہنی ہے کہ یہ دونوں ہی بڑے جلیل القدر محدثین میں ہیں، یہ آپس میں ایک دوسرے کی تعظیم و تکریم فرماتے تھے، چنانچہ شعبہ خود فرما رہے ہیں کہ سفیان مجھ سے احفظ ہیں، اور سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ

سے شعبہ کے باریسین بقول ہے کہ انہوں نے فرمایا: شعبۂ امیر المؤمنین فی الحدیث، چنانچہ تہذیب التہذیب میں ہے: وقال ابن مہدی کان الثوری یقول: شعبۂ امیر المؤمنین فی الحدیث۔

## باب فی قول النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم المکیال مکیال مدینۃ

یہ ترجمہ بلفظ الحدیث ہے، حدیث کا ایک ٹکڑا ہے، پوری حدیث تحت الباب مذکور ہے، الوزن وزن اہل مکہ والمکیال مکیال اہل المدینۃ، حدیث کا مطلب یہ ہے کہ احکام شرعیہ یعنی زکوٰۃ صدقہ الفطر اور کفارات میں وزن تو معتبر ہے اہل مکہ کا اور کیل معتبر ہے اہل مدینہ کا، دراہم و دنانیر یہ یوزونات میں سے ہیں اور زمین کی پیداوار غلے یہ مکیلات میں سے ہیں، اور بظاہر اس کی وجہ یہ ہے کہ اہل مکہ اصحاب تجارت تھے جن کے لین دین اور معاملات زیادہ تر دراہم و دنانیر سے ہوتے ہیں، اور اہل مدینہ اصحاب زراعت تھے جن کے معاملات زیادہ تر مکیال (پیمانہ) یعنی مد اور صاع وغیرہ سے ہوتے ہیں، خطاب فی فرماتے ہیں کہ دراہم دراصل مختلفہ الاوزان ہوتے ہیں مختلف شہروں کے اعتبار سے، اور اہل مدینہ کا تعامل جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے دراہم سے تمنا باعتبار عدد کے اور چونکہ دراہم جیسا کہ ابھی گزرا مختلفہ الاوزان ہوتے ہیں اس لئے آپ نے اس حدیث میں اہل مدینہ کو توجہ دلائی اس طرف کہ وہ دراہم اور دنانیر میں اہل مکہ کے وزن کا اعتبار رکھیں، اور اہل مکہ کا درہم وزن سبعہ ہوتا ہے یعنی ہر دس درہم سات مثقال کے برابر ہوتے تھے، لہذا جس شخص کی ملک میں دو سو درہم وزن سبعہ کے اعتبار سے موجود ہوں وہ صاحب نصاب ہوگا اور اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی، وزن سبعہ اور وزن ستم کا ذکر کتاب الزکوٰۃ میں گزر چکا ہے۔ والحدیث اخرجہ النسائی، قالہ المنذری۔

قال ابو داؤد، وکنذ ارواہ الفریابی، و ابو احمد عن سفیان، ورافقہما فی المتن وقال ابو احمد، عن

ابن عباس، مکان ابن عمر، ورواہ الولید بن مسلم عن حنظلہ فقال: وزن المدینۃ ومکیال مکہ۔

اس حدیث کا مدار حنظلہ پر ہے، حنظلہ سے روایت کرنے والے امام ابو داؤد کے کلام کے مطابق دو ہیں سفیان اور ولید بن مسلم، اور پھر سفیان سے روایت کرنے والے ان کے تین شاگرد ہیں، ابن دکین، فریابی، ابو احمد، ان تینوں کی روایت متن کے اعتبار سے تو متفق ہے یعنی وزن مکہ اور مکیال مدینہ، لیکن سند میں یہ تینوں مختلف ہیں تین میں سے دو یعنی ابن دکین اور فریابی ان دونوں نے اس حدیث کا راوی صحابی ابن عمر کو قرار دیا، اور ابو احمد نے ابن عباس کو۔

اور ولید بن مسلم نے سفیان کی مخالفت کی متن حدیث میں، اس نے متن کو پلٹ دیا اور کہا: وزن المدینۃ ومکیال مکہ، اس کے بعد مصنف ایک اور روایت کا حوالہ دیتے ہیں یعنی مرسل عطاء، اور اس کے بارے میں یہ فرما رہے ہیں

کہ اس روایت میں مالک بن دینار کی روایت میں بھی متن مختلف ہے۔

اس روایت کے متن میں مصنف نے کافی اختلاف روایات کو ذکر فرمادیا ہے اور پھر بعد میں کسی ایک طریق کی ترجیح کی طرف بھی کوئی اشارہ نہیں فرمایا اللہم الا ان یقال کہ وہ ابھی قریب نہیں اس سے پہلے باب میں یحییٰ بن معین کا یہ موقوفہ نقل کر چکے ہیں۔ کل من خالف سفیان قال قول قول سفیان، لہذا سفیان کی روایت کا متن راجح ہو گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم امام نسائی نے اس حدیث کو صرف ایک ہی طریق سے باب کم الصائم کے تحت اس طرح ذکر کیا ہے، قال ابو عبد الرحمن وحدثني زياد بن ابيوب واحمد بن سليمان قال احدثنا ابو نعيم قال حدثنا سفیان عن جندب عن طائوس عن ابن عمر عن النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم قال: المكيا ل مكيا ل اهل المدينة والوزن وزن اهل مكة۔

## باب فی التشدید فی الدین

عن سمرة رضي الله تعالى عنه قال خطبنا رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم فقال أهدنا احد من بني فلان؟ فلم يجبه احد..... فقام رجل فقال انا يا رسول الله فقال ما منعك ان تجيبني في الموتين الاوليين اني لم أنوه بكم الاخير۔

حضرت سمرہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ہم لوگوں کو خطاب فرمایا اور اس میں آپ نے ایک قبیلہ کا نام لیکر یہ دریافت فرمایا کہ اس قبیلہ کا یہاں کوئی فرد موجود ہے، اس پر کوئی نہیں بولا، آپ نے پھر دوسری اور تیسری مرتبہ بھی پوچھا، تیسری بار میں ایک شخص کھڑا ہوا اور اس نے عرض کیا میں ہوں یا رسول اللہ، آپ نے فرمایا پہلی اور دوسری مرتبہ کیوں نہیں جواب دیا تھا، بیشک میں تم سے اچھی ہی بات کہنا چاہتا تھا (وہ یہ کہ) تمہارا ایک ساتھی قبر میں اپنے دین کی وجہ سے مازود و مقید ہے۔ آگے راوی کہہ رہا ہے کہ میں نے دیکھا کہ اس کے ذمہ جتنا بھی دین تھا وہ سب ادا کر دیا گیا۔ والحدیث اخرجه النسائی، قال المنذرى۔

سمعت ابا بردة بن ابی موسى الاشعري يقول عن ابيه عن رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم انه قال:

شرح الحدیث | ابو موسیٰ اشعری حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ بیشک گناہوں میں سے بڑا گناہ جن کو لیکر زندہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرے یہ ہے کہ مرے کوئی شخص اس

حال میں کہ اسکے ذمہ دین ہو جس کو ادا کرنے کے لئے کچھ مال نہ چھوڑا ہو۔

اس حدیث کی شرح میں علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص یوں کہے کہ حقوق اللہ کی بنا و مصلحت اور مصلحت پر ہے بخلاف حقوق العباد کے کہ ان کا مسئلہ شدید ہے جیسا کہ اس حدیث میں گذرا یغفر کل ذنب الشہید الا الدین، اور اس حدیث میں دین کو کبار کے بعد رکھا ہے، اس سوال کا جواب طیبی نے دیا ہے کہ وہ جو حدیث میں گذرا ہے کہ

شبید کے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں سوائے دین کے وہ حدیث لوگوں کو دین سے بچانے کیلئے اور ڈرانے کیلئے علی سبیل المبالغہ تھی اور یہ حدیث اپنے ظاہر پر ہے، طبی نے پھر ایک اور سوال قائم کیا کہ اگر کوئی شخص کہے کہ نفس دین تو معصیت نہیں بلکہ وہ تو مندوب الیہ ہے چہ جائیکہ گناہ ہو، پھر اس کا جواب انہوں نے خود ہی یہ دیا کہ یہ تو صحیح ہے کہ نفس دین منہی عنہ نہیں بلکہ مندوب الیہ ہے، بلکہ اس کا گناہ ہونا ایک عارضی کی وجہ سے ہے وہ یہ کہ دین حقوق الناس کی اصناف کا سبب بن جاتا ہے، بخلاف کبائر کے کہ وہ فی حد ذاتہ باقیع اور ممنوع ہیں اھ عزیز می شارح جامع الصغیر فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں جو وعید ہے دین پر یہ اس صورت پر محمول ہے جبکہ مدیون اس کے ادا کرنے میں کوتاہی کرے (یعنی دین کے ادا کرنے میں مستعد نہ ہو) یا اس صورت پر محمول ہے جبکہ دین کسی معصیت کے لئے لیا گیا ہو اھ (بذل)

عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم لا یصلو علی رجل مات وعلیہ دین الا یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا معمول یہ تھا کہ جو شخص اپنے اوپر دین چھوڑ کر مر جائے تو آپ اس پر نماز جنازہ نہ پڑھتے تھے، ایک مرتبہ ایک میت کو لایا گیا آپ نے سوال فرمایا کہ اس پر دین تو نہیں؟ لوگوں نے عرض کیا کہ اس پر دو دینار کا دین ہے، آپ نے فرمایا صلوا علی صاحبکھ کہ اس کی نماز جنازہ تم ہی پڑھ لو میں نہیں پڑھوں گا۔ اس پر حضرت ابو قتادہ نے عرض کیا ہما علی یا رسول اللہ کہ ان دیناروں کی ادائیگی کی ذمہ داری میں لیتا ہوں اس پر آپ نے اس پر نماز پڑھی۔ اس کے بعد حضرت جابر فرماتے ہیں کہ آپ کا یہ معمول شروع میں رہا ہے فتوحات کے زمانہ سے پہلے فتوحات کے بعد آپ کا معمول یہ ہو گیا تھا کہ آپ فرماتے تھے انا اونی بكل مؤمن من نفسه، اس جملہ کا مطلب پہلے ہمارے یہاں کتاب الفرائض میں گذر چکا، یعنی یہ کہ میں ہر مومن سے اس کی جان سے بھی زیادہ قریب ہوں اور فرمایا آپ نے جو شخص اپنے ذمہ دین چھوڑ کر مر جائے گا اس کی تصانیر سے ذمہ ہے اور جو مال چھوڑ کر مرے وہ اس کے ورثہ کے لئے ہے، اس حدیث میں ادار دین عن المیت کا مسئلہ ہے اس پر کلام آگے آ رہا ہے۔ والحدیث اخرجہ البخاری وسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ، قالہ المنذری۔

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مثله، قال اشتری

من غیر بیعاً ولیس عنده ثمنہ ودرج فیہ الخ

یعنی ایک مرتبہ آپ نے کسی باہر سے آنے والے قافلہ سے کوئی چیز خریدی جس کا ثمن آپ کے پاس اس وقت نہیں تھا، یعنی وہ چیز آپ نے ادھار خریدی، اس کے بعد آپ نے اس کو فروخت کیا تو اس میں آپ کو نفع ہوا تو آپ نے اس نفع کو اپنے خاندان کی بیوہ عورتوں پر مسدود فرمادیا اور یہ بھی فرمایا کہ آئندہ کوئی چیز میں ادھار نہیں خریدوں گا۔

صحۃ الکفالتۃ عن المیت میں اختلاف ائمہ | اس حدیث میں یہ ہے کہ اس میت کے ذمہ جو دو دینا تھے اس کی میت کی طرف سے۔ لہذا اس سے معلوم ہوا کہ میت مفلس کی طرف سے کفالت صحیح ہے، ائمہ ثلاث اور صاحبین کا مسلک تو یہی ہے، لیکن امام اعظم ابو حنیفہ اس کفالت کی صحت کے قائل نہیں، اس لئے کہ کفالت کی حقیقت ہے ضم ذمۃ الاصل الی ذمۃ الکفیل فی المطالبۃ، چنانچہ کفالت کے بعد مکفول لہ کو حق رہتا ہے کہ چاہے تو وہ مطالبۃ الاصل یعنی اصل مدیون سے کرے یا اس کے کفیل سے، اور یہاں پر موت اصال کی وجہ سے ذمۃ الاصل فنا ہو گیا، جب وہ فنا ہو گیا فیکف ضم ذمۃ الی ذمۃ؟ اسی لئے ہدایہ میں امام صاحب کی دلیل میں لکھا ہے کہ یہ کفالت بدین ساقط ہے، اس لئے کہ جب محل دین باقی نہیں رہا تو دین بھی باقی نہیں رہا اس لئے یہ کفالت صحیح نہیں، اور اس حدیث کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ یہ کفالت اصطلاحیہ نہیں تھی بلکہ ان صحابی میت کی طرف سے ادار دین کا وعدہ تھا، اور یہ بھی ممکن ہے کہ ابو قتادہ نے جو فرمایا صاعلیٰ اس سے اشارہ کفالت سابقہ کی طرف ہو کہ وہ تو میں نے اپنے ذمہ لے رکھے ہیں، میں پہلے سے اس کا کفیل ہوں۔ (بذل عن القاری)

### باب فی المطل

مطل الغنی ظلمہ واذا اتبع احدکم علی ملئ فلیتبع۔ یعنی مالدار آدمی کا ادار دین میں تسویف و تاخیر کرنا یہ ظلم ہے، جب وہ اپنے غنا کی وجہ سے فی الحال ادائے دین پر قادر ہے اس کے باوجود اس کا ٹال مٹول کرنا برسر ظلم ہے، اس حدیث کے یہی معنی متبادر اور مشہور ہیں اور اس صورت میں مطل کی اضافت قائل کی طرف ہوگی اور میں نے اپنے استاد محترم حضرت مولانا اسعد الشرح صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ سے سنا وہ فرماتے تھے کہ اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ مطل کی اضافت مفعول کی طرف ہو رہی ہو، یعنی مدیون کا ٹال مٹول کرنا دائن غنی کے ساتھ یہ ظلم ہے یعنی مدیون ادائے دین میں اس بنا پر تاخیر کر رہا ہے کہ اس کا قرض خواہ مالدار ہے یعنی یہ سوچتے ہوئے کہ وہ تو مالدار ہے اس کو کیا جلدی ہے پھر کبھی دے دیں گے۔

اسی حدیث کے بارے میں میں نے استاد موصوف سے یہ بھی سنا تھا جو کہ حضرت تھانوی کے خلاف میں سے تھے ائمہ نے حضرت تھانوی کی مجلس میں سب سے پہلی جو حدیث حضرت کی زبان سے سنی وہ یہی حدیث ہے۔  
یرطل الغنی ظلم۔

آگے اس حدیث میں یہ ہے کہ اگر مدیون اپنے دین کا حوالہ کسی مالدار شخص پر کرے تو پھر دائن کو وہ حوالہ قبول کر لینا چاہیئے، اور پھر اسی محال علیہ کا یہ چھا کر ناجا ہے۔ و ہذا الامر قیل للندب قیل للوجوب۔

مائع کو دو طرح ضبط کیا گیا ہے مائع بتشدید الیاء بدون البعزہ کفنی لفظاً ومعنی، اور مائع سکون یار اور ہمزہ کے ساتھ۔ والحدیث اخرجه البخاری وسلم والترمدی والنسائی وابن ماجہ، قالہ المنذری۔

## باب فی حسن القضاء

عن ابی رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال استسلف رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بکرا فجاءتہ ابل من الصدقة، حضرت ابو رافع فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص سے جو ان اونٹ نر بطور قرض لیا (اور اگر ماہہ ہو تو اس کو قلوں کہتے ہیں) کچھ روز بعد آپ کے پاس صدقہ کے اونٹ آئے تو آپ نے مجھے حکم فرمایا ادا کر دینا تو میں نے عرض کیا کہ ان اونٹوں میں جس عمر کا اونٹ آپ نے لیا تھا وہ تو ہے نہیں بلکہ بہت عمدہ اور اس سے زیادہ عمر کا ہے (رباعی یعنی جو اونٹ چھ سال کا ہو کر ساتویں میں داخل ہو جائے) آپ نے فرمایا وہی دیدو، اس لئے کہ لوگوں میں بہترین آدمی وہ ہے جو دوسرے کا حق بہتر طریقہ سے ادا کرتا ہو۔

اس حدیث سے شراح نے بہت سے فوائد و مسائل کا استنباط کیا ہے جو بذیل میں مذکور ہیں، مغلہ انکے ایک مشہور اختلاف فی مسئلہ ہے استقراض الحيوان، امام نووی فرماتے ہیں: یہ حدیث دلیل ہے اس بات کی کہ حیوان کو بطور قرض لینا اور دینا جائز ہے اور یہی مذہب ہے امام مالک و شافعی اور جمہور علماء کا۔ الی آخر ما ذکر فی البذل حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک استقراض الحيوان جائز نہیں، اور ان کے نزدیک اس کی دلیل وہ ہے جو آنگے باب فی بیع الحيوان ہا الحيوان نسیمہ میں آرہی ہے جس کو ہم وہیں بیان کریں گے ان شار اللہ تعالیٰ۔ اس حدیث پر ایک اشکال وجواب ہے وہ یہ کہ آپ نے مقرض کو اس کے حق واجب سے بطور حسن قہنار کے زائد دیا یہ زائد دینا اگر اپنے مال سے ہوتا تب تو درست تھا آپ نے دیا یہ صدقہ کے اونٹوں سے جو بیت المال کے ہیں، اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ استقراض آپ کا اپنی ضرورت کے لئے تھا پھر جب بیت المال میں اونٹ آئے تو آپ نے ان میں سے ایک اونٹ خرید کر قرض میں دیا فلا اشکال اور ایک توجیہ اس کی یہ کی گئی ہے کہ جس شخص سے قرض لیا گیا تھا وہ خود اہل ضرورت میں سے تھا اور اہل ضرورت کا حق بیت المال میں ہوتا ہی ہے۔ (بذل) والحدیث اخرجه مسلم والترمدی والنسائی وابن ماجہ، قالہ المنذری۔

کان لی علی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم دین نقضانی وزاد فی اس پر شراح نے لکھا ہے کہ مستقرض نے ادا کر دینے کے وقت، جو قرض لیا تھا اگر اس سے احسن یا اکثر ادا کرے بشرطیکہ یہ زیادتی بغیر کسی شرط اور معاہدہ کے ہو تو دینے والا محسن ہوگا اور مقرض کے لئے اس کا لینا جائز ہوگا، انام نووی فرماتے ہیں کہ مقرض کے لئے زیادتی

کالینا جائز ہے خواہ وہ زیادتی صفت کے اعتبار سے ہو یا نہ دیکھے اعتبار سے۔ اور امام مالک کا مذہب یہ ہے کہ زیادتی فی العدم ممنوع ہے اور ہماری دلیل آپ کی حدیث خیر الناس احسنهم قضاء ہے اپنے عموم کے پیش نظر والحدیث اخرجه النسائی، قال المنذری۔

## باب فی الصرف

بیع الصرف کی تعریف اور حکم | بیع الصرف وہ بیع ہے جس میں عوضین یعنی عوض اور عوض من جنس الاثمان ہوں۔ یعنی مونا یا پانچاندی صرف کے لغوی معنی نقل کے ہیں، چونکہ اس بیع

میں بدلیں میں سے ہر ایک کو دوسرے کی طرف نقل کرنا فوری ہے اسی لئے اس کا نام بیع الصرف رکھا گیا۔

جاننا چاہیے کہ بیع الصرف کی صحت کے لئے دو شرطیں ہیں عدم النسیئہ مطلقاً، وعدم التفاصل فی صورۃ الاتحاد الجنس

یعنی عدم النسیئہ کا حکم تو ہر حال میں ہے خواہ دونوں متحد الجنس ہوں یا مختلف الجنس۔ اس بیع میں ادھار تو مطلقاً

ناجائز ہے تفابض فی المجلس ضروری ہے اور حکم ثانی یعنی عدم التفاصل یہ وہ وقت ہے کہ جب عوضین متحد الجنس

ہوں مثلاً دونوں فضہ ہوں یا ذہب، اور اگر جنس کا اتحاد نہ ہو جیسے ایک جانب فضہ اور دوسری جانب ذہب

اس صورت میں تفاضل جائز ہے۔ ان دونوں میں سے پہلا حکم یعنی عدم النسیئہ ادھار کا ناجائز ہونا یہ تو اجماعی مسئلہ ہے

ربا الفضل کے عدم جواز میں | اور حکم ثانی یعنی عدم تفاصل فی صورۃ الاتحاد اس میں جمہور علماء اور ائمہ اربعہ

کامسک تو یہی ہے۔ لیکن بعض صحابہ کا اس میں اختلاف رہا ہے ان سے

ربا الفضل کا جواز منقول ہے جیسے ابن عمر اور ابن عباس، ان دونوں میں

سے ابن عمر کا رجوع ثابت ہے کہ انہوں نے مسلک جمہور کی طرف رجوع کر لیا تھا، لیکن ابن عباس کے رجوع

میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں انہوں نے بھی رجوع کر لیا تھا اور بعضوں نے ان کے رجوع کی نفی کی ہے

لیکن صحیح یہی ہے کہ ابن عباس سے بھی اس میں رجوع ثابت ہے وهو الذی اختارہ النووی فی شرح مسلم ص ۲۷

ان دونوں حضرات کا استدلال شروع میں حدیث امامہ لاریا الا فی النسیئۃ سے تھا، یہ حدیث بخاری و مسلم

دونوں میں ہے، جمہور علماء نے اس حدیث کے دو جواب دیئے ہیں یہ کہ ربا سے ماہی الزبا اور اشد الربا ہے

نفس ربا کی نفی نہیں، مطلب یہ ہے کہ بیع الصرف میں شدید حرمت جو ہے وہ نسیئہ میں ہے اور تفاضل کی

حرمت اتنی شدید نہیں ہے، اور ایک جواب نسخ کا بھی دیا گیا ہے، نیز جب حلت و حرمت میں تعارض ہو جائے

تو حرمت ہی کو ترجیح ہوتی ہے۔

ربا کی تعریف اور اسکی دو قسمیں | مذکورہ بالا بیان سے معلوم ہوا کہ ربا کی دو قسمیں ہیں ربا الفضل اور ربا

النسیئہ، ربا کی تعریف فقہاء نے یہ لکھی ہے الربا هو الفضل المستحق

احد المتعاقدين في المعاوضة ان عن غرض شرط فيه، یعنی مخصوص اموال کی بیع میں یعنی اموال ربویہ جن کی بیان حدیث الباب میں ہے) احد الجانبین میں ایسی زیادتی کا پایا جانا کہ جانب آخر اس زیادتی کے عوض سے خالی ہو مثلاً ایک درہم کی بیع سوا درہم میں کی تو یہاں پر ایک جانب میں ربع درہم کی زیادتی ایسی پائی جا رہی ہے جس کا دوسری جانب میں کوئی عوض نہیں اسلئے کہ ایک درہم کے بدلہ میں تو ایک درہم ہو گیا اب اس کے بعد ایک جانب میں جو ربع درہم پایا جا رہا ہے اس کا عوض دوسری جانب میں ندارد، لیکن یہ تعریف ربائی قسمیں مذکورین میں سے ہے ربی الفضل کی ہے اس کی قسم ثانی یعنی ربی النسیئہ اس سے اس تعریف کا تعلق نہیں، ربی النسیئہ تو یہ ہے کہ اموال مخصوصہ کی بیع میں تقابض فی المجلس نہ پایا جائے بلکہ معاملہ کو ادھار پر رکھا جائے، یعنی احد المتعاقدين تو معاملہ نقد کر رہا ہے اور فی الحال چیز دے رہا ہے، اور دوسرا شخص اس کا عوض فی الحال نہیں دے رہا ہے اس کے بعد آپ حدیث الباب کو لیجئے۔

عن عمر رضي الله تعالى عنه قال قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم الذهيب بالذهب وبالاهاء ودهاء والبر بالبر والاهاء ودهاء والتمر بالتمر والاهاء ودهاء والشعير بالشعير وبالاهاء ودهاء۔

شرح الحدیث علی اکل وجه انتشار اللہ تعالیٰ | اس حدیث میں صرف پانچ چیزیں مذکور ہیں، اور اس کے بعد جو عبادۃ بن الصامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث آرہی ہے

اس میں شئی سادس بھی مذکور ہے، والملاح بالملاح مَدْعَى بَمَدَى، اس حدیث میں جو لفظ مکرر یعنی ہار دھار ہے، یہ اسمائے افعال میں سے ہے جس کے معنی ہیں خذ اسمیں مذاور قمر دونوں جائز ہیں لیکن مد الفصحی ہی صوطی نے لکھا ہے کہ اس لفظ کی اصل ھا آف ہے یعنی خذ کاف (ک) کو حذف کر کے اس کے عوض میں مذاور ہمزہ کو لایا گیا، اور فائق میں لکھا ہے کہ لفظ ھا۔ اسمائے اصوات میں سے ہے بمعنی خذ اور اسی سے ہے یاری تعالیٰ کا قول ھاؤم اقرؤا کتابہ، علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ یہ لفظ محفل نصب میر ہے بنا برحالیہ کے، اور الا کا مستثنیٰ منہ مقدر ہے، اور مطلب یہ ہے کہ بیع الذہب بالفضہ ربایہ تمام حالات میں الاحال المحضور والتقابض فی المجلس پس یہ لفظ ھا دھار کنایہ ہے تقابض سے اھ (بذل) لہذا ترجمہ یہ ہوگا کہ ذہب کی بیع فضہ کے ساتھ رہا ہے جملہ احوال میں مگر اس حال میں کہ متعاقدين میں سے ہر ایک دوسرے سے کہہ رہا ہو خذ ھا یعنی لے بھائی اور دوسرا بھی کہہ لے بھائی، اسی کا نام ہے تقابض فی المجلس، اور اگر اس طرح نہیں ہوگا تو پھر ربی النسیئہ پایا جائیگا جو کہ حرام ہے۔ اس کے بعد آپ سمجھئے کہ یہ حدیث جس میں اموال ربویہ کا ذکر ہے اسمیں اس طرح کے اموال کی چھ بیان کئے گئے ہیں اور ان اشیاء مستثنیہ کے معاملہ کی دو صورتیں حدیث میں مذکور ہیں ایک اتحلا جنس والی کہ دونوں جانب ایک ہی شئی ہو مثلاً دونوں طرف ذہب ہی ہو یا فضہ ہی ہو دھکڑا، اور دوسری صورت اختلاف جنس کی بیان



کی گئی ہے جیسے ایک جانب ذہب دوسری جانب فضہ، یا ایک جانب حنظلہ، دوسری جانب شعیب، پہلی صورت کا حکم و خوب مساوات اور تقابض فی المجلس ہے یعنی کئی زیادتی اور ادھار دونوں ناجائز ہیں اور دوسری صورت کا حکم جو حدیث میں مذکور ہے وہ ان دونوں سے صرف ایک ہے یعنی تقابض فی المجلس یعنی ادھار کا حرام ہونا اور مساوات اس صورت میں ضروری نہیں، یعنی اس صورت میں فضل اور زیادتی جائز ہے، رباعی حرام نہیں ہے۔ اس کے بعد آپ سمجھئے کہ ظاہر یہ جو کہ منکرین قیاس ہیں ان کے نزدیک اموال ربویہ کا انحصار صرف ان ہی اشیائے ستہ میں ہے، اور جمہور علماء ائمہ اربعہ جو قیاس کو حجتہ شرعیہ مانتے ہیں ان کے نزدیک اموال ربویہ کا انحصار صرف ان اشیائے ستہ میں نہیں بلکہ اور بھی بعض دوسری اشیاء کیلئے اس حکم کو وہ ثابت کرتے ہیں بذریعہ قیاس، قیاس نام ہے تعدیۃ الحکم لوجود العلة کا، یعنی حکم منصوص کی علت معلوم کرنے کے بعد جہاں جہاں وہ علت پائی جاتی ہو اس میں حکم منصوص کو جاری کرنا۔

اشیائے ستہ مذکورہ میں | اب یہاں ان حضرات ائمہ اربعہ نے ان اشیائے ستہ میں حرمت و ربایا کی جو علت متعین کی ہے وہ مختلف ہے اور پھر ہر ایک امام کے نزدیک ان اشیائے ستہ کے علاوہ جہاں جہاں وہ علت پائی گئی اس نے وہاں یہ حکم منصوص نافذ کیا اب یہ کہ وہ علت حکم ان حضرات نے کیا متعین کی اس کے بارے میں سنئے، ان حضرات ائمہ نے اس حدیث میں جو اشیائے ستہ مذکور ہیں اس کا اولاً تجزیہ کیا، وہ یہ کہ ذہب و فضہ جن کو ثمنین کہا جاتا ہے ان کو تو الگ رکھا اور باقی اشیائے ستہ کو الگ کر کے ان میں علیحدہ وغیرہ کیا، ثمنین کی علت ربایا الگ تجویز کی گئی اور باقی اشیاء کی الگ، امام شافعی و مالک کے نزدیک ثمنین میں علت ربایا ثمنیت ہے اور چونکہ ثمنیت خاص صفت ذہب و فضہ ہی کی ہے کسی اور چیز میں نہیں پائی جاتی لہذا ان دونوں اماموں کے نزدیک ثمنین پر تو کسی اور چیز کو قیاس نہیں کیا جاسکتا اب رہے باقی اشیائے ستہ اربعہ، ان میں امام شافعی کے نزدیک علت ربایا طعم ہے یعنی ان اشیاء کا مطعم ہونا، لہذا جملہ مطعومات کا حکم ان کے نزدیک یہی ہوگا جو ان اشیائے ستہ اربعہ کا ہے، اور امام مالک کے نزدیک ان اشیاء میں علت ربایا اقیات و ادخار ہے یعنی ان اشیاء میں سے ہر ایک کا ثبوت مدخر ہونا یعنی انسان کی ایسی روزی جس کو ذخیرہ بنا کر رکھا جاسکے لہذا امام مالک کے نزدیک جملہ اقوات مدخرہ کا یہی حکم ہوگا، مثال کے طور پر ان اشیائے ستہ اربعہ میں رز یعنی چاول کا ذکر نہیں ہے، ذرہ یعنی جوار، اس کا بھی ذکر نہیں ہے وغیرہ وغیرہ، سب کا حکم یہی ہوگا، اور حنفیہ کے نزدیک ثمنین میں علت ربایا ثمنیت نہیں ہے بلکہ

۱۰ چنانچہ طائفہ ظاہر ہو کے امام ابو محمد علی بن احمد بن حزم نے انکار قیاس پر مستقل کتاب لکھی۔ البطلان الرئی والقیاس۔

وزن ہے یعنی ان دونوں کا شئی موزون ہونا لہذا ان دو کے علاوہ بھی جملہ موزونات کا یہی حکم ہوگا مثلاً حدید نحاس وغیرہ، اور باقی اشیائے اربعہ میں علت ربانہ حقیقہ کے نزدیک کیل ہے یعنی ان اشیاء کا کیلی ہونا، لہذا جملہ مکیلات کا حکم یہی ہوگا پس ربانہ النفسیہ کی علت ہمارے نزدیک بیع کے اندر عوضین کا وزنی یا کیلی ہونا ہے اور ربانہ الفضل کی علت عوضین کا وزنی یا کیلی ہونے کے ساتھ متحد الجنس ہونا ہے چنانچہ ہدایہ میں ہے کہ ربانہ کی علت ہمارے نزدیک کیل مع الجنس یا وزن مع الجنس ہے، اور امام احمد سے اس مسئلہ میں دو روایتیں ہیں ایک مثل حقیقہ کے اور دوسری مثل شافعیہ کے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

**فقہ ہار کرام کا امت پر احسان عظیم** | ان حضرات فقہائے کرام نے جو کہ ائمہ دین ہیں اپنی عمریں قرآن وحدیث سے استنباط مسائل ہی میں گزاری ہیں، پوری امت پر ان کا

احسان عظیم ہے کہ قرآن وحدیث سے احکام کا استنباط کر کے رہتی دنیا تک کیلئے دینی مسائل کی سہولتیں فراہم کر گئے، ایک قصہ یاد آیا جو تعلیم المتعلم میں مذکور ہے کہ حضرت امام محمد رحمہ اللہ کے انتقال کے بعد کسی نے ان سے خواب میں دریافت کیا کہ موت کے وقت آپ پر کیسی گذری، تو انہوں نے جواب دیا کہ مجھے کچھ خبر نہ ہوئی کہ میری روح کیسے نکالی گئی، میں تو اس وقت مکانب کے مسائل کے استنباط میں مشغول تھا اللہ اکبر! کیا شان تھی شکر اللہ سعیدم واجزل مثوبہم وحشرنا ومشائخنا معہم۔

اس حدیث میں تبرہا وعینہا مذکور ہے تبر کہتے ہیں خالص سونے چاندی کے ٹکڑوں کو جو مضروب نہ ہوں اور عین اس کا مقابل ہے یعنی جو مکہ کی شکل میں ہو، تو آپ یہ فرما رہے ہیں کہ تبر اور عین کا کوئی فرق معتبر نہیں دونوں ایک ہی حکم میں ہیں۔ نیز اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بر اور شعیر دو مختلف جنس ہیں ائمہ ثلاث کا مسلک یہی ہے اس میں امام مالک کا اختلاف ہے

وہ ان دونوں کو ایک ہی مانتے ہیں چنانچہ امام ترمذی فرماتے ہیں حدیث عبادۃ حدیث حسن صحیح وقد روی بعضہم ہذا الحدیث عن خالد بن خالد الاسد قال یحییٰ البر بالشعیر کیف شتمتہم یدابید، وذا قول اکثر اہل العلم وهو قول سفیان الثوری والشافعی واحمد واسحاق، وقد کرہ قوم من اہل العلم ان تباع الخنطۃ بالشعیر الا مثلاً بمثل وهو قول مالک بن انس، والقول الاول صحیح محقق لخصاً۔ ومن زاد ادا زاد فقد آری، یعنی اتحاد جنس کی صورت میں جو شخص دوسرے کو زائد دے گا یا زائد لے گا تو اس نے ربا اختیار کیا، اور پھر آگے یہ ہے کہ اگر ذہب کی بیع فضہ کے ساتھ ہو اور اسی طرح بر کی شعیر کے ساتھ اور ان دونوں میں سے ایک دوسرے سے زائد ہو تو یہ جائز ہے بشرطیکہ یدابید ہو، اور نسیمہ جائز نہیں۔

حدیث عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اخرجہ البخاری ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ۔

• وحدیث عبادۃ بن الصامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ اخرجہ مسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ بخوہ، قالہ المنذری۔

## باب فی حلیۃ السیف تباع بالدر اھم

عن فضالۃ بن عبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال اتی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عام خیبر

بقلاۃ فیہا ذهب وحرزٌ وفی رواۃ فیہا خرزوفۃ بذهب اتباعہا رجل یسعة دنانیر او بسبعة دنانیر

یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں یہ مسئلہ پیش کیا گیا فتح خیبر والے سال کہ ایک ہار جس میں سونا اور خر مہرے یعنی جواہرات وغیرہ قیمتی پتھر بھی تھے،

مخلوط کی بیع کا حکم اور دوسری روایت میں ہے کہ ایسا قلاۃ جس کے اندر خر مہرے سونے کے ساتھ

ٹکے ہوئے تھے، اس قلاۃ کو ایک شخص نے نو یا سات دینار میں خریدا تھا۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ بارہ

دینار میں خریدا تھا، اور اس دوسری روایت میں یہ بھی ہے کہ وہ خریدنے والا شخص کہتا ہے کہ جب میں نے اس

قلاۃ کے اجزاء کو الگ الگ کیا تو اس میں سے جو سونا نکلا وہ بارہ دینار سے زائد تھا (یعنی اور دوسری چیزیں

جواہر وغیرہ وہ مزید برآں) شیخ مذکور کہتا ہے کہ میں نے اس کا ذکر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے کیا تو آپ

نے فرمایا لا تباع حتی تنفصل یعنی اس قسم کے ہار کی بیع مجموعی طور پر جائز نہیں جب تک سب اجزاء کو الگ

الگ نہ کر لیا جائے۔

مسئلہ ثانیۃ بالحديث میں مذاہب ائمہ اگر کسی ہار میں جواہرات کے علاوہ سونا ٹکا ہو تو اس کی بیع

خالص سونے کے ساتھ یا ایسے ہی جس قلاۃ میں چاندی ٹکی ہوئی

ہو اس کی بیع چاندی کے ساتھ امام شافعی و احمد کے نزدیک مطلقاً جائز نہیں جب تک سب کو الگ الگ نہ کر لیا

جائے اندیشہ ربائی وجہ سے، ظاہر حدیث سے بھی یہی معلوم ہو رہا ہے اور حنفیہ کا مذہب اس جیسے مسئلہ میں

یہ ہے کہ اگر کسی طرح بالجزم یہ معلوم ہو کہ وہ خالص سونا اس سونے سے جو قلاۃ میں لگا ہوا ہے زائد ہے اور

قلاۃ والا سونا کم ہے تو اس صورت میں بیع جائز ہوگی، ایک طرف کا سونا دوسری طرف کے سونے کے مقابلہ میں

ہو جائے گا اور وہ جو خالص سونے کی زیادتی ہے ایک جانب میں وہ دوسری جانب کے جواہر کے مقابلہ میں

ہو جائے گی اور اس صورت میں کوئی ربا لازم نہیں آئے گا کہ ہو ظاہر، یہ صرف ایک صورت تو ہے جواز کی، اور اگر

وہ ذہب مُفَرَّز (خالص سونا غیر مخلوط) ذہب مخلوط کے برابر یا اس سے اقل ہو تو ان دونوں صورتوں میں یہ

بیع ناجائز ہوگی لزوم ربائی وجہ سے، اور امام مالک کا مسلک یہ ہے کہ اگر وہ ذہب مخلوط بالغیر تابع ہو غیر کے

بایں طور کہ ثلث یا ثلث سے کم ہو تب تو یہ بیع جائز ہے ورنہ نہیں، اس کے بعد آپ سمجھئے کہ یہاں حدیث میں

ہو صورت پائی گئی ہے جس کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا یہ وہی صورت ہے جو حنفیہ کے نزدیک بھی

ممنوع ہے اس لئے کہ اس مثال میں تو ذہب مُفْرَز بجائے اکثر ہونے کے برابر بھی نہیں تھا ذہب مخلوط کے بلکہ اس سے اقل تھا اور یہ ہمارے یہاں بھی ناجائز ہے، لہذا حدیث حنفیہ کے خلاف نہیں، اور اگر کوئی شخص یہ کہے کہ حدیث میں تو اس قسم کے قلابہ کی بیع کو تجزیہ و تفصیل سے قبل ناجائز قرار دیا گیا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ تجزیہ و تفصیل کے بعد جس صورت میں جائز ہوتا ہے اسی صورت میں ہم بھی اس کو جائز قرار دیتے ہیں، اور جس صورت میں ناجائز ہوتا ہے اس کو ہم بھی ناجائز قرار دیتے ہیں، غرضیکہ تجزیہ و تفصیل معرفت مقدار کا ذریعہ ہے تاکہ کمی زیادتی کا علم ہو جائے اور ربا لازم نہ آئے، لیکن اگر بدون تجزیہ و تفصیل کے معرفت مقدار حاصل ہو جائے ہم اسی کو جائز قرار دے رہے ہیں اور بغیر اس کے ہم بھی اس کو ناجائز مانتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ مدعجہ اور اسکی شرح و مثال** | کتب شافعیہ میں اس مسئلہ کو مسئلہ مدعجہ کے نام سے موسوم کیا گیا ہے جیسا کہ امام نووی کے کلام میں شرح مسلم ص ۲۱۱ میں مذکور ہے جس کی صورت انہوں نے یہ لکھی ہے کہ اگر ایک جانب میں مدعجہ اور درہم ہو (یعنی ایک مدعجہ کے ساتھ ایک درہم بھی ہو) اور اس کی بیع کی جائے مدین نجوہ کیساتھ یعنی دوسری جانب صرف تمر ہے لیکن بجائے ایک مد کے دو مد یا درہم کے ساتھ یعنی یا دوسری جانب صرف درہم ہو لیکن ایک نہیں بلکہ دو تو یہ جائز نہیں۔

یہ قلابہ والا مسئلہ اس کی تشریح و مذاہب ائمہ امام نووی نے حدیث الباب کے تحت شرح مسلم ص ۲۱۱ پر ذکر کئے ہیں، اس کی طرف رجوع کیا جائے نفیہ کلام نفیس فی شرح هذا الحدیث۔ حدیث الباب میں یہ بھی ہے کہ جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس ہار خریدنے والے کو اس بیع سے منع فرمایا تو اس نے کہا انما اودت الحجارۃ تو آپ نے تب بھی اجازت نہیں دی، اس شخص کی مراد یہ تھی کہ شراب قلابہ سے میرا مقصود و مطلوب وہ جواہرات ہیں جو اس میں ٹکے ہوئے ہیں، یعنی سونا مقصود نہیں، اور یہ جواہرات اموال ربوئہ میں سے ہیں نہیں لہذا اجازت ہونی چاہیے۔

عن فضالة بن عبيد رضى الله تعالى عنه ..... فباع اليهود الوقية من الذهب بالدينار وقال

غير قتيبة . بالدينارين والثلاثة .

اس حدیث کا مطلب بظاہر یہ ہے کہ ہم لوگ یہود خیر کو دو یا تین دینار دیگر ایک وقیہ سونے کا خرید لیتے تھے وقیہ نام ہے چالیس درہم کا، اور ظاہر بات ہے کہ چالیس درہم وزن کے برابر سونا کون فروخت کر سکتا ہے دو یا تین دینار کے بدلہ میں اس لئے یہ حدیث اپنے ظاہر پر نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ الوقیہ من ذہب و خرز وغیرہ یعنی ایسا ہار جس کا وزن چالیس درہم کے برابر ہوتا تھا جس میں سونا اور خرز ہر سے وغیرہ ہوتے تھے اس قسم کے ہار کو دو یا تین دینار میں خرید لیتے تھے۔ قالہ النووی (عون) والحدیث اخرہ مسلم قالہ المنذری۔

## باب فی اقتضاء الذهب من الورق

مسئلہ مترجم بہا کی شرح | اقتضای بمعنی الاخذ یعنی خرید و فرخت کے معاملہ میں اگر دینار سے معاملہ ہوا ہے۔  
اور بیان مذاہب | اس کے بجائے دراہم لینا یا اگر معاملہ دراہم کے ساتھ ہوا تھا اور پھر بعد میں بجائے  
دراہم کے اسی قیمت کے بقدر دنایر لینا۔ ایسا کرنا بحساب قیمت متساویاً تو بالافتاء

جائز ہے اور بالفرض اگر متفاضلاً ہو تب بھی تراضی طرفین کے ساتھ جائز ہے اسلئے کہ اختلاف جنس کی صورت میں  
تو کمی زیادتی جائز ہے، لیکن یہ بھی ظاہر ہے کہ جو شخص ایسا کرے گا یعنی دنایر کے مقابلہ میں دراہم، یا دراہم کے  
عوض میں دنایر لے گا وہ بحساب قیمت متساویاً ہی لے گا تفاضل کا اصولاً جائز ہونا وہ امر آخر ہے، لیکن تفاضل  
فی المجلس ضروری ہے جیسے کہ تمام اموال ربویہ کا حکم ہے کیونکہ یہ عقد عقد صرف ہوگا جس میں تفاضل فی المجلس ضروری  
ہے، خطابی فرماتے ہیں وقد اختلف الناس فی اقتضاء الدراہم من الدنایر، فذهب اکثر اهل العلم الی جوازہ، ومنع  
من ذلک ابو سلمۃ بن عبد الرحمن والوشی برتہ، وكان ابن ابی لیلیٰ یکرہ ذلک الا بسعر یومہ، ولا یغیر غیرہ السعر، ولم  
یبالوا کان ذلک باغلی او ارض من سعر یوم احد یعنی ابن ابی لیلیٰ یہ فرماتے ہیں کہ اس قسم کا تبادلہ اس صورت میں  
جائز ہے کہ جس روز معاملہ ہوا تھا اس روز دراہم و دنایر کی جو قیمت تھی بازار میں اس قیمت کا اعتبار کرتے ہوئے  
ہو ورنہ مکروہ ہے سعر یوم جس کو خطابی فرما رہے ہیں وہ حدیث الباب میں مصرح ہے۔ فقال رسول اللہ صلی اللہ

تعالیٰ علیہ والہ وسلم لا یأثم ان تاخذ ما بسع یومہا مالہ فتضرق او ینکما شئ۔ لیکن یہ قید بعض طرق  
میں ہے بعض میں نہیں، چنانچہ باب کی حدیث ثانی میں نہیں کہا قال المصنف باسناده ومعناه والادلہ اکمل مذکر  
"بسعر یومہا" غالباً اسی وجہ سے جمہور نے سعر یوم کے اعتبار کو ضروری قرار نہیں دیا، خطابی کے کلام میں امام احمد کا  
مسکک مذکور نہیں، ان کے نزدیک سعر یوم کی قید ضروری ہے کہا قال الموفق کما فی ہامش البذل، وفيہ ایضاً:  
قلت حکى الشوكاني تقييدہ عن احمد والیہ یشیر کلام الترمذی اذ ذکر فین قال بالحدیث احمد، وبہ جزم الموفق کما سبق۔  
اور علامہ سند کی حاشیہ میں یہ ہے کہ بسع الیوم کی قید علی طریق الاستحباب ہے۔

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال کنت ابيع الابل بالبیع (وفی نسخة: بالنقیع، بالون) فابیع  
الدنایر واخذ الدراہم، وابع بالدراہم واخذ الدنایر۔

اس حدیث میں وہی مسئلہ مذکور ہے جو ہم نے اوپر بیان کیا۔ والحدیث اخریہ الترمذی والنسائی وابن ماجہ قالہ المنذری۔

لہ لیکن یہ جواز تفاضل صرف حنفیہ کا مسلک ہے، دوسرے ائمہ کے نزدیک جائز نہیں، کما فی ہامش البذل عن الموفق۔

## باب بیع الحيوان بالحيوان نسيئة

یہ باب اور اسمیں جو مسئلہ مذکور ہے اس کا حوالہ ہمارے یہاں باب فی حسن الفضلہ میں گذر چکا ہے استقراض الحيوان کے ذیل میں مسئلہ الباب میں مذکور ہے۔ بیع الحيوان بالحيوان اگر یہاں سے تو بالاتفاق جائز ہے اور مساوات بھی اس میں ضروری نہیں تھا۔ مثلاً بیع البعیر بالبعیر، یا بیع البعیر بالبعیر، لیکن اسمیں اختلاف ہو رہا ہے کہ بیع الحيوان بالحيوان نسيئة بھی جائز ہے یا نہیں، اس میں دو امام ایک طرف ہیں اور دو ایک طرف، حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک ناجائز ہے کما فی حدیث الباب، نبی عن بیع الحيوان بالحيوان نسيئة، اور امام مالک شافعی کے نزدیک یہ بیع جائز ہے، اسی لئے مصنف نے آگے باب قائم کیا ہے، باب فی الرخصة فی ذلک، لیکن امام مالک کے نزدیک اس کا جواز اختلاف جنس کی صورت میں ہے، مثلاً ایک طرف اونٹ ہے اور دوسری طرف بکریاں، اور اتحاد جنس کی صورت میں ان کے نزدیک بھی جائز نہیں، تو گویا امام مالک ایک صورت میں حنفیہ و حنابلہ کے ساتھ ہیں اور ایک صورت میں شافعیہ کے، یہ پہلا باب اور اس کی حدیث حنفیہ و حنابلہ کے حق میں ہے اور شافعیہ کے خلاف ہے، امام شافعی و مالک نے اس حدیث کا جواب یہ دیا ہے کہ یہ اس صورت پر محمول ہے جب کہ نسيئة جائز نہیں ہے جو جس کو اصطلاح فقہاء میں بیع الکالی بالکالی کہتے ہیں اور اگر جانب واحد سے ہو تو اسکو یہ دونوں حضرات ممنوع قرار نہیں دیتے اسی لئے یہ دونوں حضرات استقراض الحيوان کے جواز کے قائل ہیں کیونکہ اس میں نسيئة جانب واحد سے ہوتا ہے اور حنفیہ و حنابلہ کے نزدیک یہ حدیث اپنے عموم پر ہے یعنی خواہ نسيئة من الجانبین ہو یا من جانب واحد، اور اسی لئے ان کے نزدیک استقراض الحيوان بھی ناجائز ہے والحدیث اخرجه الترمذی والنسائی وابن ماجه، قاله المتبذری۔

## باب فی الرخصة

عن عبد الله بن عمرو رضي الله تعالى عنهما ان رسول الله صلى الله تعالى عليه والوسلم اَمَرَ  
ان يجهز جيشاً فنقدت الابل فامرته ان ياخذ في قلاص الصدقة (وفي نسخة. على قلاص الصدقة)  
فكان ياخذ البعير بالبعيرين الى ابل الصدقة۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو ایک لشکر کی تجہیز کا حکم فرمایا یعنی سامان جہاد مہیا کرنے کا، انہوں نے اس کی تیاری شروع کر دی، لیکن درمیان میں اونٹوں کی کمی پڑ گئی انہوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا، تو حضور نے ان کو حکم فرمایا کہ صدقہ کے اونٹوں کی بنیاد

پر لوگوں سے مستعار لے لیں، کہ جب بیت المال میں صدقہ کے اونٹ آئیں گے ان سے یہ دین ادا کر دیا جائے گا۔ چنانچہ وہ لوگوں سے دو دو اونٹ کے بدلہ میں ایک ایک اونٹ لیتے تھے۔

اس حدیث میں دو باتیں پائی گئیں: استبدال النجوان بالنجوان متفاضلاً، یعنی حیوانات کا تبادلہ تفاضلاً کے ساتھ، اس میں تو کوئی اشکال نہیں، یہ تو سب کے نزدیک جائز ہے، دوسری چیز ہے نسبیہ یعنی اس کا جائز ہونا مصنف کی غرض اس باب سے جواز نسبیہ ہی کو بیان کرنا ہے کما فی ترجمۃ الباب۔

**حدیث الباب** حنفیہ و حنبلیہ | یہ حدیث حنفیہ و حنبلیہ کے خلاف ہوئی اور شافعیہ کے موافق، ان حضرات کی طرف سے ایک جواب تو اس حدیث کا نسخ کے ساتھ دیا گیا کہ عبداللہ بن عمرو کی حدیث منسوخ ہے ذکرہ الطحاوی احتمالاً، علامہ شوکانی فرماتے ہیں لاشک ان

احادیث النبی وان کان کل واحد منها لایخلو عن مقال لکنہا ثبتت من طرق ثلاثہ من الصحابہ، سمرۃ (کما فی الباب لابی یزید) و جابر بن سمرۃ و ابن عباس و بعضہا یقوی بعضاً فی ارجح من حدیث واحد غیر قال عن المقال وھو حدیث عبداللہ بن عمرو، یعنی منع کی روایات متعدد صحابہ سے مروی ہیں حضرت سمر و جابر بن سمرہ اور ابن عباس، اور جواز کی روایت جو کہ صرف ایک ہی طریق سے مروی ہے اور وہ بھی ایسی جو کلام اور ضعف سے خالی نہیں، اور ویسے بھی اصولاً دلیل تحریم کو ترجیح دی جاتی ہے دلیل اباحت پر (بذل)

## باب فی ذلک اذا کان یدابید

عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اشتری عبد ابی عبدین۔  
یعنی آپ نے دو غلاموں کے بدلہ میں ایک غلام خریدا، یعنی یدابید کما فی ترجمۃ الباب، اور یہ بالاتفاق جائز ہے کما فی الباب السابق۔

والحدیث اخرہ مسلم والترمذی والنسائی باتم منہ، قالہ المنذری

## باب فی التمر بالتمر

یہ دونوں تائے مشابہ من فوق سے ہیں اور ایک نسخہ میں فی التمر بالتمر ہے یعنی پہلا شمار سے اور دوسرا شمار سے، اور ارجح بھی یہی نسخہ تائید ہے حدیث الباب کے پیش نظر۔

ان زید اباعیاش اخبرہ انہ سأل سعد بن ابی وقاص عن البیضاء بانسلت فقال لہ سعد ایہما افضل؟ قال البیضاء قال فنہا عن ذلک، قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یسأل عن

شراء التمر باله حسب فقہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اینقص الرطب اذ ایس قالوا  
نعم فنهاه عن ذلك۔

**شرح الحدیث من حیث الفقہ** | مضمون حدیث یہ ہے کہ کسی شخص نے حضرت سعد بن ابی وقاص سے مسئلہ دریافت کیا کہ کیا حنظل کی بیع مٹلت کے ساتھ جائز ہے، سلت شیعہ کی ایک عمدہ قسم ہوتی ہے جس کا تشر باریک ہوتا ہے، یعنی لطیف قسم کا جو، جو غوام میں جو پیمیری کیساتھ مشہور ہے، تو اس پر حضرت سعد نے پوچھا کہ ان دو میں عمدہ کونسا ہے سائل نے جواب دیا کہ عمدہ تو گیہوں ہی ہوتا ہے، انہوں نے اس کا یہ جواب سن کر بیع سے منع کر دیا یہ حدیث احادیث مشککہ میں سے ہے غیر واضح المعنی، اس لئے کہ ہمیں معلوم کہ سائل کی غرض بیع نسیمہ سے ہے یا دبامید سے، اگر سوال کا تعلق بیع نسیمہ سے ہے تب تو اس مسئلہ کا حکم واضح ہے کہ بالاتفاق ناجائز ہے یہ دونوں اموال ربویہ میں سے ہیں، پھر افضل اور غیر افضل سے سوال کے کیا معنی، اور اگر مراد اس بیع سے وہ ہے جو دبامید ہو تو پھر اس میں دو احتمال ہیں، متفاضلاً یا متساویاً اگر متساویاً مراد ہو تب بالاجماع جائز ہے، اور اگر متفاضلاً مراد ہے تو اس صورت میں بھی ائمہ ثلاث اور جمہور کے نزدیک ناجائز ہے لیکن یہ صورت امام مالک کے نزدیک ناجائز ہے، اس لئے کہ ان کے نزدیک جیسا کہ پہلے گذر چکا حنظل اور شیعہ تخریج جنس ہیں، اس صورت میں حضرت سعد کا جواب مالکیہ کے مسئلہ کے موافق ہو گا ہو سکتا ہے ان کی رائے بھی امام مالک کے موافق ہو، لیکن اس صورت میں حضرت سعد کا استدلال کرنا اس حدیث سے جو انہوں نے ذکر فرمائی یعنی بیع التمر بالرطب جس کو حضور نے ناجائز قرار دیا تھا اس سے ان کا استدلال صحیح نہیں کیونکہ اس حدیث میں بیع التمر بالرطب سے بیع متساویاً مراد ہے نہ کہ متفاضلاً، پھر حضرت سعد کا اپنے مسئلہ میں اس حدیث سے استدلال کرنا کیسے درست ہوا اسی لئے ہم نے کہا تھا کہ یہ حدیث مشکل ہے۔

**بیع الرطب بالتمر میں امام صاحب کا اختلاف اور دلیل** | بیع الرطب بالتمر کا مسئلہ خود اختلافی ہے اور علماء کے مابین مشہور ہے وہ یہ کہ بیع الرطب بالتمر متساویاً جمہور علماء ائمہ ثلاث اور صاحبین کے نزدیک اسی حدیث کی بنا پر ناجائز ہے، اس لئے کہ آپ نے صحابہ سے دریافت فرمایا تھا کہ کیا رطب خشک ہونے کے بعد کم ہو جاتی ہے، تو صحابہ نے عرض کیا جی ہاں کم ہو جاتی ہے، اس پر آپ نے اس سے منع فرمادیا، کیونکہ اگرچہ فی الحال مساوات

پائی جا رہی ہے لیکن آئندہ مستقبل میں بعد الیئس مساوات باقی نہیں رہے گی، لیکن اس مسئلہ میں حضرت امام ابو حنیفہ کی رائے جمہور کے خلاف جواز بیع کی ہے وہ فرماتے ہیں اس لئے کہ رطب دو حال سے خالی نہیں، یا وہ من جنس التمر ہوگی یا نہیں، اگر من جنس التمر ہے تو جس طرح بیع التمر بالتمر متساویاً بالاتفاق جائز ہے، اسی طرح یہ بھی



جائز ہونی چاہیے، اور اگر ششمانی کو لیا جائے یعنی یہ کہ رطب من جنس التمر نہیں ہے بلکہ خلاف جنس سے ہے تو اسکے بارے میں خود حدیث میں تصریح ہے واذا اختلف الجنسان فبیعوا کیف شئتم، پس حاصل یہ کہ اگر رطب تمر کی جنس سے ہے تو اول حدیث کے پیش نظر یہ بیع جائز ہونی چاہیے، اور اگر خلاف جنس سے ہے تو پھر آخر حدیث کی وجہ سے یہ بیع جائز ہونی چاہیے لیکن یہ حدیث سعد بن ابی وقاص جس میں آپ نے یہ سوال فرمایا، اینقص الرطب اذا بنس امام ابو حنیفہ کے خلاف ہے اس کا جواب صاحب ہدایہ وغیرہ نے یہ دیا ہے کہ اس حدیث کا مدار زید بن عیاش پر ہے وہ مجہول، اور ایک جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ حدیث بیع نسیدہ پر مجہول ہے جیسا کہ اسی حدیث کے دوسرے طریق میں صراحت آ رہا ہے، نہی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عن بیع الرطب بالتمر نسیدہ وفی حاشیۃ البذل عن الحجرات النحاسی لو صح الحدیث فهو مخالف للروایات الشہیرۃ التمر بالتمر مثلاً بشل، واذا اختلفا فکیف شئتم۔ زید بن عیاش جن کی کنیت ابو عیاش ہے اس راوی کے مجہول اور معروف، اسی طرح ثقہ اور ضعیف ہونے میں علماء رجال کا اختلاف ہے، بذل المجہود میں یہ سب اختلاف مذکور ہے اس کی طرف رجوع کیا جائے۔ والحدیث اخرہ الترمذی والنسائی وابن ماجہ، قال المنذری۔

### باب فی المزاینة

بیع مزاینة کی تعریف اور وجہ تسمیہ | بیع مزاینة کی تعریف یہ ہے بیع ما علی الشجر من التمر بالتمر المجذوذ کیلاً، یعنی مالک باغ کا ان کھجوروں کو جو درخت پر لگی ہوئی ہیں اندازہ لگا کر ان کھجوروں کے بدلہ میں کیل کر کے بیچنا جو زمین پر لٹی ہوئی رکھی ہیں چونکہ درختوں کی کھجوروں کی مقدار محض انداز سے تعین کی گئی ہے اسلئے یوں سمجھئے کہ یہ بیع التمر بالتمر جزا ہے نہ کہ کیلا، اور اس صورت میں کمی زیادتی کا قوی احتمال ہے جو کہ رہا ہے، اسی لئے یہ بیع بالاجماع ناجائز ہے، یہ ماخوذ ہے زبن سے بمعنی الدفع، اس بیع میں چونکہ ظن غالب ہوتا ہے اس بات کا کہ متعاقبین میں سے کسی ایک کا زیادہ فائدہ ہوتا ہے اور دوسرے کا نقصان، جس کا علم بعد میں ہوتا ہے، تو اب وہ نقصان کے علم کے بعد کوشش کرتا ہے اس بیع کو فسخ کر نیکی، اور اس کا جو مقابل ہے وہ فسخ کے لئے تیار نہیں ہوتا، اس کا نفع بیع کو باقی رکھنے میں ہوتا ہے اسلئے اس میں جانیبن سے مدافعت ہوتی ہے اسی لئے اس کو بیع مزاینة کہتے ہیں۔

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نہی عن بیع التمر بالتمر کیلاً، وعن العن بالزبيب کیلاً۔

شرح الحدیث | یعنی منع فرمایا آپ نے ان کھجوروں کی بیع سے جو درخت پر لگی ہوئی ہوں ان کھجوروں کے بدلہ میں

جو ٹوٹی ہوئی ہیں کیل کر کے، کیلا کا تعلق ان کھجوروں سے ہے جو زمین پر ٹوٹی ہوئی ہیں، اسلئے کہ جو درخت پر ہیں ان کو ناپنا اور کیل کرنا تو ممکن ہی نہیں، اور اسی طرح منع فرمایا آپ نے انگوروں کی بیج سے جو درختوں پر ہیں کشمش کے بدلہ میں کشمش کو کیل کر کے، اور تیسرا جزء حدیث کا یہ ہے کہ منع فرمایا آپ نے کھڑی کھیتی کی بیج سے گیہوں کے بدلہ میں کیل کر کے۔

وجہ منع کی ظاہر ہے کہ ان تمام بیوع کا مدار تخمین پر ہے جس میں تفاضل کا احتمال قوی ہے جو کہ ربل ہے اتحاد جنس کی وجہ سے۔ والحدیث اخرجه البخاری وسلم والنسائی وابن ماجہ بخوہ، قالہ المنذری۔

## باب فی بیع العرایا

اخبرنی خارجة بن زید بن ثابت عن ابيه رضي الله تعالى عنه ان النبي صلى الله تعالى عليه

واله وسلم رخص في بيع العرایا بالتمر والربط۔

عرایا کی حقیقت اور مصداق میں اختلاف ائمہ عرایا عربیہ کی جمع ہے، عربیہ بمعنی عطیہ، اس کی جمع عرایا جیسے عطیہ کی جمع عطایا، عربیہ میں جمہور علماء اور حنفیہ کا اختلاف ہے، اس کے حکم میں بھی اور حقیقت میں بھی، چنانچہ آگے مستقل باب آرہا ہے تفسیر العرایا جمہور کے نزدیک عرایا از قبیل بیع ہے، بالفاظ دیگر بیع مزایہ کا ایک فرد ہے،

اور جو حقیقت بیع المزایہ کی ہے جمہور کے نزدیک وہی حقیقت عرایا کی ہے، لیکن لامطلقاً بل فی مقدار مخصوص یعنی بیع مزایہ جس کی تفسیر اوپر گذشتہ باب میں گذر چکی ہے وہ عند الجمہور ایک مخصوص مقدار میں جائز ہے، اور اس سے زائد میں جائز نہیں، اس مقدار سے اگر زائد ہوگی تو پھر اس کا نام بیع العربیہ نہ ہوگا بلکہ بیع المزایہ ہوگا جو کہ ممنوع ہے، اور وہ مخصوص مقدار کیلئے اس کا باب آگے مستقل آرہا ہے، چنانچہ امام نووی نے عربیہ کی تعریف جو کی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک شخص جس کے پاس تمر یعنی خشک کھجوریں ہیں وہ کسی باغ والے کے پاس جا کر اس طرح معاملہ کرے کہ اپنے باغ کے ان چند درختوں پر جو پھل ہے کسی خاص سے اس کا خرص کر کے یعنی یہ کہ ان پر جو تمر کھجوریں لگی ہوئی ہیں خشک ہونے کے بعد ان کی کیا مقدار رہے گی تو اسی مقدار کے برابر مجھ سے یہ کھجوریں لے لے اور یہ درخت میرے حوالہ کر دے پس وہ دونوں تعابض فی المجلس کر لیں مشتری تمر کی وہ مقدار صاحب نخل کے حوالہ کر دے اور صاحب نخل ان نخیل کو مشتری کے حوالہ کر دے، لیکن مخصوص مقدار کے اندر یعنی ما دون خمسہ اوسق، اور اگر وہ کھجوریں پورے پانچ وسق ہوں اس میں امام شافعی کے دونوں قول ہیں، اصح القولین عدم جواز ہے۔ لہ اور عند الحنفیہ بیع مزایہ کا کوئی فرد بھی جائز اور حلال نہیں، اور عربیہ جس کی

لہ بدل کی عبارت میں یہاں نقل میں کاتبیہ خطا واقع ہوئی کہ بجائے لا يجوز کے اس میں يجوز لکھا گیا، فلیجوز۔

حقیقت عند الجہور بیع ہے، حنفیہ کے نزدیک اس کی حقیقت بیع نہیں ہے بلکہ تبادلہ فی الہبہ ہے جس کی شکل یہ ہے کہ ایک شخص جو بڑے باغ والا ہے وہ اپنے باغ کے چند درختوں کو یعنی ان کے پھلوں کو کسی نادار آدمی کو ہبہ کر دے تاکہ وہ نادار شخص بھی ان درختوں کے پھل سے منفعہ ہوتا رہے، چنانچہ وہ نادار شخص یعنی معری لہ وقتاً فوقتاً اس باغ میں ان درختوں سے پھل لینے کے لئے جاتا رہتا ہے اس کی اس بار بار آمد و رفت سے اس باغ والے کو گرانی ہوتی ہے کیونکہ وہ محلے اہل و عیال کے باغ میں مقیم ہے تو اس پر وہ باغ والا اس اذیت سے بچنے کے لئے یہ صورت اختیار کرتا ہے کہ وہ اس معری لہ سے یہ کہتا ہے کہ تم اندازہ کر کے بتاؤ کہ ان درختوں پر جو پھل ہیں وہ کتنے ہونگے تاکہ اسی کے بقدر ہم تم کو تمر یعنی ٹوٹی ہوئی کھجوریں خشک پھلوں کے توڑنے کے وقت میں ادا کر دیں گے، اب ظاہر ہے اس بیچارہ کو کیا اس میں انکار ہو سکتا ہے اسکو جو کچھ مل رہا ہے مفت ہی میں ہے، باقاعدہ کوئی بیع تو ہے ہی نہیں وہ اس کو منظور کر لیتا ہے، اور اس کے جائز ہونے میں کوئی تردد کی بات ہی نہیں ہے، پس حنفیہ یہی کہتے ہیں کہ احادیث میں جس عریہ کا ذکر آتا ہے اس کی حقیقت یہ ہے یعنی معری کا معری لہ کو تمر کھجوروں کے بدلہ میں جو درختوں پر لگی ہوئی ہیں لیکر اس کے بدلہ میں تمر یعنی خشک کھجوریں دیدینا موطا محمد میں بھی امام مالک سے عریہ کی یہی تفسیر منقول ہے حنفیہ کے نزدیک یہ معاملہ صرف واہب اور موہوب لہ کے درمیان ہے اور شافعیہ و حنابلہ کے نزدیک چونکہ عریہ کی حقیقت بیع ہے یعنی بیع مزاجنہ کا ایک فرد لہذا ان کے نزدیک اس قسم کا معاملہ کسی بھی شخص کے ساتھ کیا جاسکتا ہے جس طرح بیع ہوا کوئی ہے، ان کے نزدیک اس معاملہ کا تعلق واہب اور موہوب لہ سے نہیں، اسی لئے اس کو انہوں نے بیع قرار دیا اور ہر شخص کے ساتھ مقدار مخصوص میں اس بیع کو جائز قرار دیا، اب یہ کہ وہ مقدار مخصوص کیا ہے اس کا بیان آگے مستقل باب میں آ رہا ہے، مالکیہ کا مسلک اس میں بین بین ہے چنانچہ حضرت شیخ نے الابواب والتراجم میں مذاہب اربعہ اس کے بارے میں اس طرح لکھے ہیں، وحاصل اختلاف الائمة فی ذلک انہما رجوع الواہب فی ہبۃ بعض عند الحنفیہ وشرار الواہب ہبۃ عند المالکیۃ وقل الشافعی و احمد ان ہذا القدر ای مقدار خمسۃ اوسق مستثنی من البہی عن المزاجنۃ فیوز بیعہ مع الواہب وغیرہ، کذا فی ہاشم اللامع اھ

لہ بدلہ میں بدائع سے نقل کیا ہے کہ حنفیہ کے نزدیک عریہ کی تفسیر وہ ہے جس کو امام مالک نے موطا میں ذکر فرمایا ہے وہو ان یکون لرجل نخل یعطی رجلاً منہا ثمرۃ نخلة او ثخلتین یلقطہما العدالۃ ثم یثقل علیہ دخولہ ما ظن فیسألہ ان یتجاوز لہ عنہما علی ان یعطیہ بمکیلتہا تمر عند صرام النخل، وذلک، ما یأس بہ عندنا، لانه لا یبع ہناک بل التمر کلہ لصاحب النخل فان شاء سلم لہ ثمر النخل وان شاء اعطاه بمکیلتہا من التمر الا ان ساء الراوی یعالتصورہ بصورۃ البیع لان یکون بیعا حقیقۃ بل ہو عطیۃ الاثری انہ لم یملکہ المعری لہ لانعدام القبض فکیف یجعل بیعا، ولانہ لو جعل بیعا لکان بیع التمر بالتمر الی اجل وانه لا یجوز بلا خلاف۔ الی آخر ما فی البذل۔

## باب فی مقدار العربیۃ

**مسئلۃ الباب کی تشریح** | یعنی جس مقدار میں عربیہ جائز ہے وہ کیا ہے؛ مادون خمسۃ اوسق کے جواز میں تو جمہور کا اتفاق ہے اور ما فوق خمسۃ اوسق کے عدم جواز پر اتفاق ہے، اور خمسۃ اوسق یعنی پوبے پانچ و سق میں، اسکے بارے میں روایت میں شک راوی ہے

جیسا کہ حدیث الباب میں ہے، اور امام نووی کے کلام میں گزر چکا کہ ان کے اسمیں دو قول ہیں، اور اصح قول عدم جواز ہے، ابن المنذر فرماتے ہیں کہ پانچ و سق کے اندر رخصت مشکوک فیہ ہے، اور نہی عن المزاج نہ ثابت ہے، پس ضروری ہے یہ کہ پانچ و سق کے اندر عربیہ مباح نہ ہو سوائے قدر متیقن کے، اور پھر اگے وہ فرماتے ہیں کہ اس قدر کو حضرت جابر نے بھی روایت کیا ہے فانتہی بہ الی اربعۃ اوساق یعنی جابر کی روایت میں صرف چار ہی و سق مذکور ہے لہذا صرف اسی مقدار میں عربیہ مباح ہوگا اور اس سے زائد میں محظور و ممنوع، هذا القول صحیح وقد الزمہ المزنی الشافعی وهو لازم علی اصلہ ومعتاہ قالہ الخطابی یعنی امام مزنی کی تحقیق بھی یہی ہے اور انہوں نے امام شافعی کا مسلک بھی یہی قرار دیا ہے جیسا کہ امام شافعی کا قاعدہ ہے اھ یہ اشارہ ہے اس طرف جو حضرت امام شافعی سے منقول ہے اذ اصح الحدیث فہو مذہبی، امام احمد کے نزدیک جواز صرف مادون الخمسۃ میں ہے اور مالکیہ کے نزدیک راجح قول پانچ و سق کے جواز کا ہے اور شافعیہ کے نزدیک عدم جواز ہے مثل حنابلہ کے (من التحف وغیرہ)

والحدیث اخر جہ البخاری وسلم والنسائی، قالہ المنذری۔

لے جواہر النسخ کی جہ یعنی چار و سق

## باب تفسیر العرایا

عن عبد ربہ بن سعید الانصاری انہ قال العربیۃ الرجل یعوی الرجل النخلۃ او الرجل یستثنی

من مالہ النخلۃ والانتین یا کلھا فبیعھا بتمر

یعنی ایک شخص (صاحب نخل) دوسرے شخص کو عطا کرتا ہے تمر نخل پھر بعد میں معریٰ لہ معریٰ کو وہ تمر نخل فروخت کرتا ہے تمر کے بدلہ میں، حضرت بذل میں تحریر فرماتے ہیں کہ عربیہ کی یہ تفسیر اس صورت میں حنفیہ کے مسلک کے موافق ہے، اور اگر بیعھا کے معنی یہ لئے جائیں کہ وہ معریٰ لہ معریٰ کے علاوہ کسی دوسرے شخص کے ہاتھ اسکو فروخت کرے تب بیشک یہ تفسیر ہمارے مذہب کے خلاف ہوگی، اور دوسری شکل جو اس حدیث میں تفسیر عربیہ کی مذکور ہے یعنی، او الرجل یستثنیٰ من مالہ، اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص اپنے باغ کے پھول کی بیج کے وقت ایک یا دو درخت کا استثناء کر لے یعنی ان کو فروخت نہ کرے اپنے کھانے کے لئے لیکن پھر بعد میں ان دو

درختوں کے پھلوں کو بھی تمر کے بدلہ میں اسی شخص کے ہاتھ فروخت کر دے۔ عرایا کی تفسیر بالتفصیل پہلے باب میں گذر چکی ہے۔ عن ابن اسحاق قال: العرایا ان یهب الرجل الرجل النخلات فیشق علیہ ان یقوم علیہا فیبیعہا بمثل خرصہا۔ بدل میں اس کے بارے میں لکھا ہے وھذا التفسیر ایضا موافق لما فیہ البوصیفة اور کر لیجئے سمجھ میں آجائے گا۔ لیکن بیع سے صورت بیع مراد ہوگی۔

## باب فی بیع الثمار قبل ان یدو صلاحہا

یعنی درختوں کے پھلوں کی بیع ان پھلوں کی صلاحیت ظاہر ہونے سے پہلے کر دینا۔ بدو بمعنی ظہور، اذ صلاح سے مراد قابلیت انتفاع۔

مسئلہ مترجم بہا کی صورت مختلفہ مع بیان الحکم | جانتا چاہیے کہ بیع شمار کی تین صورتیں ہیں قبل الظہور، قبل بدو الصلاح، بعد بدو الصلاح، ان میں سے پہلی صورت کا حکم یہ ہے کہ بالا جماع جائز نہیں کیونکہ یہ بیع معدوم ہے پھلوں کا ابھی ظہور ہی نہیں ہوا، صرف پھول آنا شروع ہوا ہے (کہر) اور تیسری صورت کا حکم یہ ہے کہ بجوز بالا جماع یعنی قابلیت انتفاع کے بعد، اور درمیانی صورت جو کہ ترجمۃ الباب اور حدیث الباب میں مذکور ہے یعنی بیع الثمار قبل بدو الصلاح، اسکی تین صورتیں ہیں بشرط ترک علی الاشجار، یعنی خریدار بالغ سے شرط کرتا ہے کہ میں اپنے ان پھلوں کو فی الحال توڑ کر تیرے درختوں کو فارغ نہیں کروں گا یہ بالا جماع ناجائز ہے، اور دوسری صورت ہے بیع بشرط القطع، یعنی بالغ نے شرط لگائی کہ ان پھلوں کا اسی حال میں توڑ کر میرے درختوں کو فارغ کرنا ہوگا، یہ بالاتفاق جائز ہے، تیسری صورت ہے اطلاق اور عدم تقید کی یعنی نہ ترک کی شرط لگائی گئی نہ قطع کی، بلکہ بیع کو مطلق رکھا، اس صورت میں حنفیہ کے نزدیک جائز ہے اور جمہور کے نزدیک ناجائز، لہذا حدیث الباب میں جو آیا ہے عن بیع الثمار حتی یدو صلاحہا، یہ ہمارے نزدیک بیع بشرط ترک پر محمول ہے، واللہ تعالیٰ اعلم کذا تذکر من الشروح۔

والحدیث اخرجه البخاری ومسلم والنسائی وابن ماجہ، قال المنذری۔

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نہی عن بیع النخل

حتى تزھود عن السنبلی حتی یتبیض وطمأن العاھة، نہی المائع والمشدی۔

یعنی منع فرمایا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے تمر کی بیع سے جب تک وہ تمر رنگ دار نہ ہو، کھجور پر رنگت کا آنا سرخی یا زردی وغیرہ یہ علامت ہے اس کے صلاح کی لہذا اس سے قبل اس کو فروخت نہ کیا جائے، اور اسی طرح منع فرمایا آپ نے بیع سنبلی یعنی گینوں وغیرہ کی بال کی بیع سے جب تک اس گینوں میں سفیدی نہ آجائے اور وہ

آفت سماوی سے محفوظ نہ ہو جائے، اس آخری جملہ میں اشارہ ہے علت نہی کی طرف یعنی ان چیزوں کی بیع اگر بالکل شروع میں کر دی جائے تو نہ معلوم بعد میں وہ کونسی آفت سماوی سے ضائع ہو جائے جس میں خریدار کا نقصان ظاہر ہے والحديث اخرجه مسلم والترمذی والنسائی، قال المنذری۔

نہی عن بیع الفنا شرحتی تقسم وعن بیع النخل حتی تنحر زمن کل عارض، وان یصلی الرجل بغیر حرام یعنی منع فرمایا آپ نے مال غنیمت کی بیع سے جب تک وہ تقسیم نہ ہو، اس لئے کہ تقسیم کے بعد ہی وہ آدمی کی ملکیت میں آتا ہے اور اسی طرح کھجور کی بیع سے یہاں تک کہ وہ محفوظ نہ ہو جائے ہر قسم کے عارض سماوی سے (عارض مثلاً تیز ہوا، آندھی یا اولہ وغیرہ) اور اس سے بھی منع فرمایا آپ نے کہ آدمی نماز پڑھے تہبند کو بغیر باندھے حزام یعنی کمربند و پیٹی، مطلب یہ ہے کہ نماز سے پہلے تہبند کو اچھی طرح درست کر کے باندھ لینا چاہیے تاکہ درمیان نماز کے اس کو درست کرنا نہ پڑے، اس کے بعد اور بھی دو حدیثیں اسی مضمون کی اور ہیں۔

كان الناس يتبايعون الثمار قبل ان يبدوا صلاحها

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ شروع میں لوگوں کی عادت تھی کہ ثمار کی بیع کرتے تھے قبل بدو الصلاح پھر جب خریدار ان پھلوں کو توڑتے اور بیچنے والوں کی طرف سے ثمن کا تعاضد ہوتا تو خریدار کہتے کہ پھلوں میں فلاں بیماری پیدا ہو گئی تھی اور فلاں بیماری پیدا ہو گئی تھی جس کی وجہ سے ہمارا بڑا نقصان ہو گیا، دُمان اور قشام اور مراض یہ سب عوارض اور بیماریاں ہیں جو پھلوں سے متعلق ہیں

فلما كثرت خصوصتهم ..... فامالا فلا تبت اعوا الثمرة حتى يبدوا صلاحه۔

**شرح کلام الراوی** | راوی حدیث حضرت زید بن ثابت فرما رہے ہیں کہ جب اس قسم کی خصوصیتیں اور جھگڑے ان لوگوں کے درمیان کثرت سے ہونے لگے تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بطور مشورہ اور خیر خواہی کے فرمایا کہ اگر تم سے یہ نہیں ہو سکتا یعنی یہ کہ جھگڑوں سے بچو اور آپس میں جھگڑا نہ کرو تو پھر تم پھلوں کی بیع اس طریقہ سے کیوں کرتے ہو یعنی قبل بدو الصلاح۔

حضرت زید بن ثابت کا مقصد یہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی جانب سے بیع الثمار قبل بدو صلاحہا کی ممانعت حتماً و لازماً نہیں ہے جس کی وجہ سے اس بیع کو فاسد قرار دیا جائے، بلکہ اس طرح کی بیع صحیح ہے اور یہ نہی آپ کی جانب سے عارض خصوصیت کی بنا پر ہے فلما لا کا مطلب یہ ہے لیکن ان لم تستطیعوا ان التنازعوا جیسا کہ ترجمہ میں ہم نے اس کو ظاہر کر دیا۔

والحدیث اخرجه البخاری تعلیقاً، قال المنذری۔

عن جابر رضي الله تعالى عنه ان النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم نهى عن بيع الثمر حتى

یسد وصلاحه، ولا یباع الا بالدينار او بالدرهم الا العوايا۔

اس آخری جملہ کا مطلب یہ ہے کہ درختوں پر لگے ہوئے پھلوں کی بیع درہم اور دینار کے بدلہ میں ہونی چاہیے، یعنی تمر مجذوز کے عوض میں نہ ہونی چاہیے، کیونکہ اس صورت میں تو وہ بیع مزائنہ ہو جائے گی جو بالاتفاق ممنوع ہے، مگر عرایا کا اپنے استثناء فرمایا، یہ استثناء مسلک جمہور پر تو استثنائے متصل ہے، اور عند الحنفیہ استثناء منقطع، لان العریۃ لیست بیع عندہم۔  
والحدیث اخرجه ابن ماجہ مختصراً، قالہ المنذری۔

### باب فی بیع السنین

بیع السنین کو بیع معاومہ بھی کہتے ہیں، یعنی دو یا تین سال کے پھلوں کی ایک ساتھ بیع کر دینا حدیث میں اس کی ممانعت آئی ہے اور یہ بالا جماع ناجائز ہے لان بیع المعدوم، بلکہ یہ چاہیے کہ فصل کی بیع اسی سال میں ہونی چاہیے نہی عن بیع السنین و وضع الجواشع، یعنی امر بوضع الجواشع، وضع کے معنی ساقط کر دینا اور معاف کر دینا، جواشع جمع ہے جائحہ کی یعنی وہی عارض اور آفت سماوی جو پھلوں کو خراب کر دیتی ہے، مطلب یہ ہے کہ جواشع کی وجہ سے پھلوں کے خریداروں کو جو نقصان پہنچے تو مالکان باغ یعنی بیچنے والوں کو یہ مقدار نقصان کی معاف کر دینی چاہیے۔ آگے چند ابواب کے بعد مستقل باب آرہا ہے، باب فی وضع الجاشع، یہ عفو اور وضع کا جو حکم حدیث میں وارد ہے عند الجمہور استحباب کیلئے ہے، ان کے نزدیک یہ حدیث معروف اور احسان کے قبیل سے ہے اس لئے کہ بیع میں جو نقصان پایا جاتا ہے بعد قبض مشتری وہ ضمان مشتری میں ہوتا ہے، اصولاً بائع اس کا ذمہ دار نہیں ہے، امام احمد اور بہت سے محدثین کے نزدیک امر وجوب کے لئے ہے، ان کے نزدیک معاف کرنا واجب ہے، آگے ایک اور بھی باب آرہا ہے، باب فی تفسیر الجاشع، اس پر کلام وہیں آئے گا۔  
وقال المنذری: اخرج النسائی الفصلین مفرقین، واخرج مسلم وابن ماجہ عن بیع السنین۔

نہی عن المعاومۃ اس سے مراد وہی بیع السنین ہے، یہ لفظ عام سے مشتق ہے جس کو باب مفاعلت میں لے گئے، اور ایسے ہی سنہ سے مسانہہ اور شہر سے مشاہرہ، اور یوم سے میاومہ، یعنی روزانہ اور یومیہ۔  
والحدیث اخرجه مسلم با تم منہ، واخرجه ابن ماجہ، قالہ المنذری۔

### باب فی بیع الغرر

نہی عن بیع الغرر۔ زاد عثمان۔ والحصاة۔

غرر (دھوکہ) یعنی وہ بیع جس میں بائع یا مشتری کا نقصان اور غرر ہو آپ نے اس سے منع فرمایا ہے یہ ایک قاعدہ کلیہ کے طور پر ہے جس کے اندر بہت سی بیوع داخل ہو سکتی ہیں، مثلاً شئی مجہول کی بیع، عید آتی کی بیع، اور ایسے ہی ہر غیر مقدور التسليم کی بیع جیسے بیع السمک فی الماء و بیع الطیر فی الهواء اور بیع الحصة یہ ہے کہ احد العاقدین دوسرے سے یہ کہے اذ انبتت الیک الحصة فقد وجب الیبع، یعنی بائع یا مشتری دوسرے سے یوں کہے کہ جب میں تیری طرف یہ کنکری پھینک دوں تو سمجھ لینا چاہیئے کہ بیع منعقد ہو گئی، اور یا یہ کہ میں یہ کنکری اس بکریوں کے ریوڑ میں پھینک رہا ہوں جس بکری کے بھی یہ لگے گی اسی کی بیع مانی جائے گی، اس صورت میں جہالت بیع پائی جا رہی ہے

والحدیث اخرجه مسلم والترمذی والنسائی، وابن ماجہ قال المنذری۔

نهی عن بیعتین وعن لیستین، اما البیعتان فالملامسة والمنابذة۔

**شرح الحدیث** یعنی آپ نے دو قسم کی بیع سے منع فرمایا اور دو طرح کے پہناوے سے، بیعتان سے مراد بیع ملامسة اور منابذة ہے ان دونوں کی تفسیر آئندہ روایت میں آ رہی ہے، اور لیستین کا مصداق حدیث میں ایک تو اشتمال صماہ بیان کیا گیا ہے (اشتمال صماہ کی دو تفسیریں کی گئی ہیں جو کتاب الصلاة میں ثیاب الصلاة کے بیان میں گذر چکیں، اول یہ کہ کسی چادر کو اپنے اوپر اس طرح اوپر سے نیچے لپیٹنا کہ دونوں ہاتھ بھی چادر کے نیچے رہ جائیں جس میں آدمی کے گرنے کا خطرہ رہتا ہے ہاتھوں کے چادر کے اندر ہونے کی وجہ سے، قبل ماخوذ من الصخرة الصماء یعنی ٹھوس پتھر، اور دوسری تفسیر اس کی یہ کی گئی ہے کہ بغیر قمیص اور ازار کے ایک چادر کو اس طرح اوڑھا جائے کہ اس کو لپیٹنے کے بعد اس کا کوئی سا ایک سرا دایاں یا بائیاں اس جانب کے کندھے پر اٹھا کر ڈال لیا جائے جس میں کشف عورت ہوتی ہے) اور لیستہ ثانیہ کا مصداق حدیث میں مذکور ہے ان یحتوی الرجل فی ثوب واحد کہ ایک چادر میں آدمی اس طرح گوٹ مار کر بیٹھ جائے جس سے کشف فرج ہوتا ہو، یعنی نیچے کا بدن دکھائی دیتا ہو۔ والمنابذة ان یقول: اذ انبتت الیک هذا الثوب فقد وجب الیبع۔ یعنی بائع یا مشتری سے یوں کہے کہ جب میں تیری طرف یہ کپڑے کا تھکان پھینک دوں پس سمجھ لینا کہ بیع لازم ہو گئی، یعنی بغیر اسباب قبول کے، اور یا یہ کہ اسباب قبول کی نفی مراد نہیں بلکہ لزوم بیع مراد ہے بغیر خیار رویت اور خیار عیب وغیرہ کے، والملامسة ان یمسہ یعنی بیع ملامسة یہ ہے کہ مشتری کے کپڑے پر صرف ہاتھ لگا دینے ہی سے، بغیر اس کے کھولے اور بغیر پلٹے بیع لازم ہو جائے، بیع کی ان سب صورتوں اور قسموں میں تراخی طرفین کا فقدان ہوتا ہے خیار رویت و خیار عیب وغیرہ امور کے نہ ہونے کی وجہ سے اور یا فساد کی وجہ سے اس سے اسباب قبول ہی کا نہ پایا جاتا ہے بحسب احد التفسیرین، یہ سب بیوع یا بیعیہ میں سے ہیں۔



والحدیث اخرجه البخاری ومسلم والنسائی وابن ماجہ، واخرجه البخاری ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ من حدیث  
ابی ہریرۃ مخرجا ومطولا، قالہ المنذری۔

نہی عن بیع حبل الحبلۃ۔

**شرح الحدیث وفيہ اربعۃ اوجہ** | ان دونوں لفظوں میں حا اور با دونوں مفتوح ہیں، حبلہ میں دو قول ہیں  
ایک یہ کہ جمع ہے حائل کی جیسے ظالم کی جمع ظلمہ، اور کہا گیا ہے کہ یہ مصدر

مطلق حیوان کے معنی میں۔ جانتا چاہیے کہ اس حدیث کی شرح میں چار احتمال ہیں اول یہ کہ حبل الحبلہ سے مراد جنین  
یا جنین الجنین، اور ان دونوں صورتوں میں پھر دو احتمال ہیں ایک یہ کہ اس کا مصداق بیع ہے یا اس سے مقصود بیع الی

اجل ہے، یعنی بیع تو کوئی اور شئی ہے لیکن اس کی تاخیر یعنی ادائے ثمن کی اجل ان دو میں سے کسی ایک کو قرار دیا گیا ہے  
لہذا یہ کل چار احتمال اس حدیث کے معنی میں ہو گئے ان احتمالات میں سے ایک صورت میں بیع فاسد ہوگی اور ایک صورت

میں باطل، یعنی اگر اس کو بیع پر محمول کیا جائے تو چونکہ ابھی وہ معدوم ہے اسلئے بیع باطل ہوگی، اور اگر بیع شئی آخریہ  
اور یہ اس کے لئے اجل ہے، اس صورت میں فاسد ہوگی، یہ تفسیر اس کی یہاں خود کتاب میں موجود ہے چنانچہ راوی کہہ

رہا ہے۔ وحبل الحبلۃ ان تنتج الناقۃ بطنها ثم تحمل التي تنتج، اس تفسیر میں اس کو جنین الجنین  
پر محمول کیا گیا، لیکن اس کی تصریح نہیں کہ مراد بیع ہے یا اجل، اس تفسیر کا حاصل یہ ہے کہ کوئی شخص یوں کہے کہ یہ

حاملہ اونٹنی جو سامنے ہے اس کا حمل پیدا ہونے کے بعد جب خود حاملہ ہوگا تو اس حمل ثانی کی بیع کرتا ہوں یا اس کو اجل  
قرار دیتا ہوں۔ والحدیث اخرجه البخاری ومسلم والنسائی، قالہ المنذری۔

## باب فی بیع المضطر

**بیع المضطر کا مصداق اور حکم** | مضطر کے دو معنی ہو سکتے ہیں کیونکہ اضطرار کی دو قسمیں ہیں ایک اضطرار  
لاجل الغیر یعنی دوسرے کی زبردستی کی وجہ سے مجبور ہونا جس کو اکراہ کہتے ہیں

اور دوسرے معنی اضطرار لاجل الفقر والحاجۃ یعنی اپنی ناداری کی وجہ سے محتاج اور مضطر ہونا، مضطر بالمعنی الاول  
کی بیع جہور کے نزدیک ناجائز اور فاسد ہے، حنفیہ کے نزدیک منعقد ہے، اور مضطر بالمعنی الثانی کی بیع حنفیہ کے

نزدیک فاسد ہے اور جہور کے نزدیک جائز مع الکراہۃ، کذا الذکر من درس الشیخ رحمہ اللہ تعالیٰ، ومثلہ فی البذل  
عن الخطابی، اور اس کے بعد بذل میں دو مختار سے بیع المضطر کی شرح یہ کی ہے ہوا ان یضطر الرجل الی طعام او شراب

او غیر ہما ولا یبیع البائع الا باکثر من ثمنہا بکثیر، وكذلك فی الشرار منہ، یعنی ایک شخص کو کھانے پینے کی چیز کی ضرورت ہے  
مثلاً اور دوسرے شخص کے پاس وہ چیز موجود ہے لیکن وہ اس کو اس کی عام قیمت پر دینے کے لئے تیار نہیں بلکہ بہت

زائد قیمت پر دیتا ہے اس قسم کے بیع کو در مختار میں فاسد لکھا ہے۔

خطبنا علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال سیأتی علی الناس زمان عضوض، یعنی الموبس علی مافی یدیدہ ولم یؤمر بیدلک، ویبایع المضطرون وقد نہی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عن بیع المضطر۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرما رہے ہیں کہ عنقریب لوگوں پر ایسا شدید بخل کا زمانہ آنے والا ہے کہ مالدار کا حال یہ ہو گا کہ وہ اپنے مال کو اپنے دانتوں سے بہت مضبوط دبا لے گا، حالانکہ لوگ اس کے مامور نہیں ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ تو یہ فرماتے ہیں کہ ایک دوسرے پر احسان کرنے کو نہ بھولو، یعنی ترک نہ کرو۔ آگے اسی بخل کی ایک شق بیان فرماتے ہیں کہ مجبور قسم کے لوگوں کے ساتھ بیع و شرا کی جائے گی حالانکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بیع المضطر سے منع فرمایا ہے۔

یہاں اس حدیث میں بھی شارح نے مضطر کے معنی میں وہی دو صورتیں لکھی ہیں جو اوپر مذکور ہوئیں۔

## باب فی الشرکۃ

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، رفعہ قال ان اللہ تعالیٰ یقول: انا ثالث الشریکین مالم یخفوا احدہما صاحبه فاذا خانہ خرجت من بینہما۔

حاصل حدیث یہ ہے کہ شریک بہت خیر و برکت کی چیز ہے بشرطیکہ دیانت داری کے ساتھ ہو خیانت اس میں نہ ہو لیکن جہاں اس میں ذرا خیانت پائی گئی تو ساری خیر و برکت ختم۔

**اقسام شریک** شریک کی بہت سی قسمیں ہیں، اولاً اس کی دو قسمیں ہیں، شریک الماک اور شریک عقود، لیکن یہاں حدیث میں شریک عقود مراد ہے جس کی چند قسمیں ہیں شریک مفادضہ، شریک ضمان شریک الصانع جس کو شرکۃ الابدان بھی کہتے ہیں، شریک الوجہ، جن کی تفصیل، احکام و شرائط کتب فقہیہ میں مذکور ہیں اسی طرح ایک خاص قسم اس کی مضاربہ بھی ہے، یہ شریکتیں جن کو شریعت نے مشروع فرمایا ہے اگر اصول شرعیہ اور دیانت کے ساتھ ہوں تو بڑی خیر و برکت کی چیزیں ہیں جیسا کہ حدیث الباب میں ہے لیکن آج کل اس زمانہ میں لوگوں نے قسم قسم کے معاملات افزونی مال اور تجارت کے لئے اپنی طرف سے اختراع کر لئے ہیں جو قسمیں شریعت کی شریعت نے مشروع کی تھیں ان کو نہ کوئی جانتا ہے نہ چاہتے کی کوشش کرتا ہے، اور موجودہ اختراعی طریقوں کا جو حال اور انجام ہے وہ سب چاہتے ہیں کہ ان کی وجہ سے کیسی کیسی مصیبتوں میں لوگ گرفتار ہو رہے ہیں۔

## باب فی المضارب یمخالف

مضارب بت جس کا ذکر ابھی گذر چکا یہ بھی ایک قسم کی شرکت ہے جس میں مال ایک شخص کا ہوتا ہے اور دوسری جانب عمل فقہ القدوری المضاربة عقد علی الشركة بمال من احد الشریکین وعمل من الآخر ولا یصح المضاربة الا بالمال الذی یتنا ان الشركة یصح بہ، ومن شرطہا ان یکون الریح بینہما مشاعاً لا یستحق احدھما منہ دراعم مسماة، یعنی صحت مضاربت کی ایک اہم شرط یہ ہے کہ اس تجارت سے حاصل ہونے والا نفع صاحب مال اور عامل کے درمیان مشترک ہو مقدار معین نہ ہو، لیکن یہ ضروری نہیں کہ مساوی اور علی النصف ہی ہو، بلکہ علی النصف یا علی الثلث جو بھی کچھ ہو مشترک ہو دراعم معینہ کسی ایک کے لئے نہوں۔

عن عروۃ قال اعطاک النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم دیناراً یشترى بہ اضحیۃ او شاة الخ  
عروۃ بن ابی الجعد الباری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ کو ایک دینار عطا فرمایا قربانی کی بکری خریدنے کے لئے، تو انہوں نے ایسا کیا کہ ایک دینار میں دو بکریاں خریدیں اور پھر ان دو میں سے ایک کو ایک دینار کے بدلہ میں فروخت کر دیا، اور حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بکری مع دینار کے پیش کی، آپ نے ان کے لئے تجارت میں برکت کی دعا فرمائی۔ فكان لو اشتري تراباً لربح فیہ۔ راوی کہتا ہے کہ آپ کی دعا کی برکت سے ان کی تجارت کا حال یہ تھا کہ اگر مٹی بھی خرید لیتے تھے تو اس میں بھی نفع ہوتا تھا مٹی سے مراد یا تو بطریق مبالغہ بہت گھٹیا اور معمولی چیز ہے اور یا یہ حقیقت پر محمول ہے، اس لئے کہ بعض انواع تراب کی بیع کی جاتی ہے، یہ صحابی آپ کی طرف سے وکیل بالشرع تھے لیکن انہوں نے اپنے مؤکل کی بظاہر مخالفت کی کہ شراء اور بیع دونوں کر گذرے، اور ترجمۃ الباب مضارب کے بارے میں ہے لیکن کہہ سکتے ہیں کہ مضارب بھی رب المال کے لئے بمنزلہ وکیل کے ہوتا ہے۔

مسئلہ مترجم بہا میں مذاہب ائمہ | مضارب اگر رب المال کی مخالفت کرے تو خطابی نے امام شافعی کا  
کا مذہب یہ نقل کیا ہے کہ مخالفت کی صورت میں مضارب نے اگر  
سامان بعینہ رب المال کے مال سے خریدا ہے تب تو بیع باطل ہے اور اگر اس نے بعینہ اس مال سے سامان نہیں  
خریدا بلکہ اپنے ذمہ میں رکھ کر خریدا اور پھر ادا کر دیا اسی رب المال کے مال سے تو اس صورت میں یہ سامان  
تجارت مشتری کے لئے ہوگا اور وہ مضارب ہر حال میں ضامن ہوگا رب المال کے مال کا، اھ۔ اور جو کچھ نفع  
ہوگا وہ مضارب ہی کا ہوگا، اور خطابی نے امام احمد کا مسلک یہ لکھا ہے کہ مخالفت کی صورت میں ربح  
رب المال کا ہوگا اور نقصان کا ضامن مضارب ہوگا، اور حنفیہ کے نزدیک مخالفت کی صورت میں ربح سب کا

سب مضارب کیلئے ہوگا اور مضارب ہی متا من ہوگا۔ بحديث الغرم بالغرم۔ لیکن مضارب پر اس ربح کا تصدق واجب ہوگا اسلئے کہ وہ کسبِ خبیث ہے۔

**بیع فضولی میں مذاہب ائمہ** | اس حدیث سے جو مسئلہ ثابت ہو رہا ہے صراحتہً وہ بیع فضولی کا ہے، مسئلہ اختلافی ہے، حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک یہ بیع موقوفہ اعلیٰ اجازۃ المالك صحیح ہے لیکن حنفیہ کے نزدیک صرف بیع فضولی جائز ہے۔ شرار فضولی نہیں اور امام مالک کے نزدیک بیع و شراء دونوں جائز ہیں، چنانچہ ارشاد السالک میں ہے "البيع والشراء كلاهما جائزان موقوفاً على اجازة المالك، اور حنابلہ کے نزدیک دونوں ناجائز ہیں کما فی زاد المستقنع لا يجوز البيع ولا الشراء، اور امام شافعی کے اس میں دو قول ہیں، قول قدیم میں جائز ہے، وقواہ النووی، وفی المجرد لا يجوز، امام شافعی کا استدلال لاتبع مایس عندک الحدیث سے ہے، ہماری طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ مایس عندک سے مراد شئی غیر مقبوض ہے جیسے عید آتی، اور یا پھر اس حدیث میں نفی مطلق بیع کی نہیں بلکہ بیع بات کی نفی ہے، ہنی کا تعلق نفس بیع سے نہیں بلکہ بیع البیع سے ہے بیع بات یعنی نافذ اور غیر موقوف۔

**حدیث الباب حنفیہ مالکیہ کی دلیل ہے** | اور حدیث الباب دلیل جواز ہے جیسا کہ ظاہر ہے۔ جانتا چاہیے کہ مصنف نے اس باب میں دو حدیثیں ذکر کی ہیں عروۃ الباری کی اور دوسری جو آگے آرہی ہے حکیم بن حزام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جس کا مضمون یہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو ایک مرتبہ ایک دینار یا قربانی کا جانور خریدنے کے لئے تو انہوں نے ایک بکری ایک دینار میں خرید کر اس کو دو دینار میں فروخت کیا اور پھر ایک دینار میں ایک اور بکری خرید کر وہ بکری بیع دینار کے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لیکر آئے۔

**شافعیہ کی طرف سے جواب** | یہ دونوں حدیثیں امام شافعی کے قول جدید کے خلاف ہیں، ان کی جانب سے پہلی قبیلہ دھو مجہول، اور دوسری حدیث کی سند میں شیخ من اہل المدینہ ہے دھو ایضاً مجہول، حضرت سہارنپوری نے بذل میں عروۃ بن ابی الجعد کی حدیث سے متعلق خطابی کا کلام کہ اس حدیث میں مجہول ہے یہ فرمایا ہے کہ مصنف نے حدیث عروہ کو دو طریق سے ذکر کیا ہے دوسرے طریق میں عن ابی لبید حدیثی عروۃ الباری ہے، اس سند میں کوئی راوی مجہول نہیں چنانچہ منذری فرماتے ہیں وقد اخرج الترمذی حدیث بشراء الشاة من رواية ابی لبید لما زہ بن زیاد عن عروۃ، دھو من ہذا الطريق حسن اھ اور حدیث ثانی یعنی حکیم بن حزام کی حدیث کے بارے میں حضرت فرماتے ہیں کہ یہ ایک دوسرے طریق سے بھی مروی ہے سنن ترمذی میں عن حبیب بن ابی ثابت عن حکیم بن حزام

لیکن امام ترمذی نے اس پر یہ کلام کیا ہے کہ حبیب بن ابی ثابت کا سماع میرے نزدیک حکیم بن خزام سے ثابت نہیں لیکن ہم کہتے ہیں کہ اس عدم سماع پر کیا دلیل ہے اب تک کوئی دلیل قائم نہیں ہوئی ولا مانع من السماع، ولو سلم فالمرسل عندنا حجة اہ۔ اور صاحب تحفۃ الاحوذی لکھتے ہیں: وحدیث عروۃ الباری هذا اخرجه احمد البخاری والبوداؤد وابن ماجہ، وفي اسناد من عند البخاری سعيد بن زيد اخو حماد بن زيد وهو مختلف فيه، عن ابی لمید لما زه بن زياد، وقد قيل انه مجهول لكنه قال انه وثقه ابن سعد، وقال حرب سمعت احمد بن حنبل عليه، وقال في التقریب انه ناصبی اجله، قال المنذري والنووي استاده صحيح لمجيئه من وجهين، وقد رواه البخاری من طريق ابن عيينة عن شعيب بن غرقدة سمعت الحی یحدثون عن عروۃ، قال الحافظ الصواب انه منقول في اسنادہ مبہم اہ امام نووی نے اس حدیث کو صحیح تسلیم کیا ہے جیسا کہ اوپر ابھی گذرا اور غالباً اسی بنیاد پر انہوں نے امام شافعی کے قولین میں سے قول قدیم صحت جواز یح فضولی کی تقویت کی ہے کما سبق قریباً اس مقام پر فتح الباری کو بھی دیکھا جائے تاکہ مزید بصیرت حاصل ہو، امام بخاری نے یہ حدیث مناقب میں باب سوال المشرکین ان یرہم النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم آیت فارہم الشقاق القرم کے بعد باب بلا ترجمہ میں ذکر کی ہے۔

وقدم تخریج حدیث عروۃ الباری وحدیث حکیم بن خزام فی اشار البحت۔

### باب فی الرجل یتجر فی مال الرجل بغير اذنه

یعنی جو شخص دوسرے کے مال میں تجارت کرے بغیر اس کی اجازت کے اس صورت میں جو کچھ ربح حاصل ہوگا وہ حنفیہ کے نزدیک تاجر کے لئے ہوگا اور اسی طرح ضمان بھی اسی پر ہوگا، لیکن یہ کسب کسب خبیث ہے لہذا اس قسم کا ربح واجب التصدیق ہوگا، اس مسئلہ میں دوسرے ائمہ کے مذاہب کی بھی تحقیق کر لی جائے مصنف نے اس باب کے تحت حدیث الغار کا ایک قطعہ ذکر کیا ہے جو ترجمۃ الباب کے مناسب تھا باقی قصہ کو اختصاراً حذف کر دیا، اور حضرت امام بخاری نے اس حدیث پر جو ترجمہ قائم کیا ہے وہ یہ ہے "اذا اشتري شيئا لغيره بغير اذنه فرضي"، اور پھر اس کے تحت انہوں نے حدیث الغار بتامہ ذکر فرمائی، جو شخص پورا قصہ جانتا چاہے وہ صحیح بخاری کتاب البیوع میں باب مذکور کی طرف رجوع کرے، امام بخاری نے اس حدیث سے بیع فضولی و شراء فضولی کے جواز کو ثابت فرمایا ہے۔

سمعت رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم يقول من استطاع منكم ان يكون مثل صاحب فرق الامر فليكن مثله قالوا ومن صاحب الامر؟ قال رسول الله فذكر حديث الغار الخ۔

ملہ کنانی الاصل۔ ۳ فرق یہ غلط اور اتاج کے ناپے کا ایک برتن ہے۔

**حدیث الغار کا ایک قطعہ** | یعنی آپ نے فرمایا صحابہ کرام سے۔ ترغیب کے طور پر۔ جو شخص تم میں سے اس بات کی طاقت رکھتا ہے کہ وہ فرق ارز والے شخص کی طرح ہوسکے تو اس کو اس جیسا

ہو جانا چاہیے، صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صاحب الارز کون تھا؟ اگے مصنف فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کے سوال پر حدیث الغار یعنی غار والوں کا قصہ ذکر فرمایا جب ان پر پہاڑ کی چٹان اوپر سے آپڑی تھی، (جس کی وجہ سے غار کا منہ بند ہو گیا، یہ تین ساتھی تھے جو کہیں سفر میں جا رہے تھے راستہ میں جب بارش آئی تو اس سے بچنے کے لئے پہاڑ کے غار میں داخل ہو گئے، جب غار کا منہ بند ہو گیا تو ان تینوں کی آپس میں یہ رائے ہوئی کہ ہم میں سے جس نے جو عمل اپنی زندگی میں اپنے نزدیک سب سے اچھا کیا ہو اس کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ سے دعا کرے

قال فقال الثالث پہلے اور دوسرے کا عمل اس روایت میں مذکور نہیں ان میں سے تیسرے نے اپنے اعمال میں سے یہ عمل ذکر کیا کہ اے اللہ تو جاننا ہے کہ میں نے ایک مزدور سے فرق ارز کے عوض میں کام کر لیا تھا، کام سے فراغ پر شام کے وقت جب میں نے اس پر اس کا حق پیش کیا تو اس نے اس کو لینے سے انکار کر دیا اور بغیر لئے چلا گیا، اس کے چلے جانے کے بعد میں نے اس کے اس فرق ارز کو کھیتی کے ذریعہ سے خوب بڑھایا یہاں تک کہ اس کی پیداوار اور آمدنی سے اس اجیر کے کیلئے کھیتی کے پل اور ان کے چرانے والے مہیا کر لئے، پھر ایک مدت کے بعد وہ اجیر مجھ سے ملاقات کے لئے آیا اور کہا کہ مجھ کو میرا حق دیدے تو میں نے ان ہیلوں اور ان کے چرواہوں کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ ان کو لیجایہ سب تیرے ہیں، وہ ان کو ہانک کر لے گیا۔

والحدیث اخرجه البخاری ومسلم بخود اتم منه، قال المنذری۔

اس حدیث کی ترجمہ الباب کے ساتھ مطابقت میں اشکال ہے اس لئے کہ ترجمہ ہے تجارت فی مال الغیر اور اس قصہ میں یہ اجیر اپنے فرق ارز کا بوجہ قبضہ نہ ہونے کے مالک ہی نہیں ہوا تھا اس لئے یہ تجارت فی مال الغیر نہ ہوئی بلکہ اس مستاجر کی یہ تعمیر تصرف فی مال نفسه تھا لہذا جو کچھ اس مال میں بڑھوتری ہوئی وہ سب ملک مستاجر تھی لیکن اس مستاجر کا ان سب چیزوں کو اجیر کو دیدینا بطور کار خیر اور بطریق تصدق تھا (بذل)

## باب فی الشریکۃ علی غیر رأس مال

ترجمہ الباب کی تشریح | یعنی وہ شرکت جو بغیر رأس المال کے ہو، جانتا چاہیے کہ جو شرکت بغیر رأس المال کے ہوتی ہے اس کی دو قسمیں ہیں شرکت فی المباحات اور شرکت الصنائع والابدان اول کی مثال جیسے دو شخص جن کے پاس کچھ مال نہیں ہے وہ آپس میں یہ معاہدہ کریں کہ ہم دونوں جنگل میں جا کر لکڑیاں جمع کیا کریں گے اور روزانہ بازار میں لاکڑا کو فروخت کریں گے اور اس صورت

میں جو کچھ پیسے حاصل ہوں گے وہ ہم دونوں کے مشترک ہوں گے اور ثانی کی مثال یہ: جیسے دو کاریگر کپڑا سینے والے آپس میں یہ طے کریں کہ ہم دونوں مل کر جتنا کپڑا اسی کرتیار کریں گے یہ کمائی ہم دونوں کے درمیان مشترک ہوگی۔

اب ان کا حکم سنئے امام شافعی کے نزدیک یہ دونوں قسمیں ناجائز ہیں، مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک دونوں جائز ہیں، اور حنفیہ کے نزدیک شرکۃ الصنائع تو جائز ہے لیکن شرکت فی المباہات ناجائز نہیں، مذاہب کی تحقیق یہی ہے، علامہ شوکانی سے بیان مذاہب میں خلط اور گڑبڑ ہوگئی انہوں نے حنفیہ کو مالکیہ کے ساتھ ذکر کر دیا، نیز ان کے کلام سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حنفیہ کے نزدیک شرکۃ الصنائع اور شرکت فی المباہات ایک ہیں، نہ علیہ شیخنا فی البدل

عن ابی عبیدۃ عن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال اشترکت انا وعمار و سعد فیما نصیب یوم بحدن

قال فجاء سعد یا سیرین ولما جئنا و عمار بشیء۔

مطلب تو ظاہر ہے حضرت عبد اللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ میں اور عمار اور سعد بن ابی وقاص ہم تینوں نے آپس میں شرکت کا معاملہ کیا جنگ بدر میں حاصل ہونے والی غنیمت میں (یعنی جو کچھ بھی ہم تینوں کو مال غنیمت میں حصہ ملے گا ہم اس کو آپس میں تقسیم کر لیں گے۔ اگے روایت میں یہ ہے عبد اللہ بن مسعود کہتے ہیں کہ سعد بن ابی وقاص تو مال غنیمت میں دو غلام لیکر آئے، اور میں اور عمار کچھ نہیں لائے۔)

اس حدیث میں جو شرکت مذکور ہے وہ شرکت فی المباہات کے قبیل سے ہے، اور یہ قسم شرکت کی حنفیہ و شافعیہ دونوں کے نزدیک ناجائز ہے، لہذا اس حدیث کا جواب یہ ہوگا کہ فعل بعض الصحابہ یعنی حدیث غیر مرفوع ہے، نیز منقطع ہے لعدم سماع ابی عبیدۃ من امیہ، کمافی البدل۔

**حدیث الباب پر ایک اشکال مع جواب** | مجھے یہاں پر یہ اشکال ہوا کرتا ہے کہ کتاب الجہاد میں حضرت

عبد اللہ بن مسعود کی حدیث گزر چکی لفظی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوم بدر سیف ابی جہل، اور یہاں وہ یہ فرما رہے ہیں ولم اجئنا و عمار بشیء، اب یا تو حدیث البنا کو مرجوح قرار دیا جائے انقطاع کی وجہ سے، اور یا اس کی تاویل کی جائے وہ یہ کہ اس حدیث میں نفی غنیمت عام کی ہے ممکن ہے عام غنیمت میں ان دونوں کا حصہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہ لگایا ہو کیونکہ کتاب الجہاد میں یہ بات گزر چکی ہے بان غنائم بدر کانت لرسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یدفعہا لمن یشاء، اور سیف ابی جہل جو حضرت عبد اللہ بن مسعود کو ملی تھی وہ تو بطور نفل اور حصہ خاصہ کے تھی واللہ تعالیٰ اعلم۔ والحدیث اخر جہ النساء و ابن ماجہ، وهو منقطع فان ابی عبیدۃ لم یسمع من امیہ، قالہ المنذری۔

### باب فی المزارعة

مزارعہ کا ذکر کتاب البیوع میں | کتاب البیوع چل رہی ہے اسی کے ضمن میں مصنف نے مزارعت کو بھی بیان

کیا اسلئے کہ جس طرح بیع و شراء اور تجارت طرق کسب میں ہے، اسی طرح مزارعت بھی انواع کسب میں ہے، حضرت امام بخاری نے تو مختلف بیعتوں کا ذکر اور اسکے متعدد ابواب کتاب البیوع ہی میں ذکر کئے ہیں باب ما قیل فی الصواع، باب ذکر القین والحداد، باب الخياط باب النساج، باب النجار وغیرہ وغیرہ، لیکن انہوں نے ابواب الحث والمزارعت کو کتاب البیوع کے بعد مستقل علیہ بیان کیا ہے مزارعت کے اقسام مع بیان مذاہب ائمہ | مزارعت کی مختلف صورتیں اور قسمیں ہیں جن میں سے بعض بالاتفاق ناجائز ہیں اور بعض بالاتفاق جائز ہیں اور بعض مختلف فیہ ہیں، مزارعت

کہتے ہیں دوسرے کی زمین میں کاشت کرنے کو کرایہ پر لیکر دینا یا مزارعت کو، الارض کا نام ہوا، پس اگر کراہ الارض بالدرہم وغیرہ ہے تو یہ بالاتفاق ائمہ اربعہ جائز ہے، اور اگر مزارعت بقسمۃ الارض ہے یعنی اس طرح معاملہ کرنا کہ زمین کے فلاں حصہ میں جو کاشت اور پیداوار ہوگی مالک ارض کہے کہ وہ تو میری ہوگی اور باقی کاشتکار کی، یہ بالاتفاق ممنوع ہے کیونکہ اس میں غرر ہے جیسا کہ ظاہر ہے، اور ایک صورت مزارعت کی یہ ہے کہ طعام مسمی کے بدلہ میں ہو یعنی مالک ارض زارع سے یہ کہے کہ میں تمہیں یہ زمین غلہ کی اتنی مقدار کے بدلہ میں کرایہ پر دیتا ہوں، مثلاً دس پوری گیہوں کی، گیہوں کو مطلق رکھے یہ نہ کہ زمین کی پیداوار میں سے، یہ صورت ائمہ ثلاث کے نزدیک جائز ہے اور طعام مسمی اس صورت میں ہمنزلہ درہم کے ہوگا، اس میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے، وہ کراہ الارض بطعام مسمی کو ناجائز قرار دیتے ہیں، اور ایک قسم مزارعت کی وہ ہے جو بجمہ من الخارج ہو یعنی زمین کی پیداوار میں سے کچھ حصہ پر زمین دی جائے مثلاً نصف یا ثلث جو بھی آپس میں ملے ہو جائے یہی وہ صورت ہے جو مشہور اور مختلف فیہ ہیں الائمہ ہے جس کو بٹائی پر زمین دینا کہتے ہیں، امام احمد اور صاحبین کے نزدیک مزارعت کی یہ صورت جائز ہے باقی ائمہ ثلاث امام ابوحنیفہ و مالک و شافعی کے نزدیک ناجائز ہے، امام ابوحنیفہ و مالک کے نزدیک تو مطلقاً، اور امام شافعی کے نزدیک کمالات انودی مستقلاً تو ناجائز ہے لیکن تبعاً للمساقات جائز ہے، ہمارے یہاں فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے یعنی جواز پر ہے، لیکن اس کے لئے متعدد شرائط ہیں جو کتب فقہ میں مذکور ہیں فلیراجع الیہا۔

مساقات کا حکم عند الائمہ الاربعہ | مزارعت ی کے قبیل سے ایک اور معاملہ بھی ہے جس کو مساقات کہتے ہیں جس کا تعلق باغ اور درختوں سے ہوتا ہے جیسا کہ مزارعت کا تعلق زمین سے ہوتا ہے یعنی کوئی شخص باغ والا دوسرے شخص کے ساتھ یہ معاملہ کرے کہ تم ہمارے ان درختوں کی آبپاشی اور خدمت کرو، جو کچھ ان پر پھل آئیں گے اس میں اتنا حصہ تمہارا ہوگا، یہ جمہور علماء ائمہ ثلاث و صاحبین سب کے نزدیک جائز ہے الا امام ابوحنیفہ کہ ان کے نزدیک مساقات بھی جائز نہیں، وہ فرماتے ہیں یہ تو کراہ معدوم ہے یعنی پھل موجود کہاں ہیں فی الحال جن کے ساتھ معاملہ کیا جا رہا ہے، جمہور کہتے ہیں کہ اس معاملہ کا تعلق عمل سے ہے جس طرح مضاربت میں ہوتا ہے وہاں بھی تو نفع فی الحال معدوم ہے پس اب ان اختلافات کا حاصل یہ ہوا کہ امام احمد و صاحبین



کے نزدیک مزارعت و مساقات دونوں جائز ہیں، اور امام اعظم کے نزدیک دونوں ناجائز ہیں، اور امام مالک و شافعی کے نزدیک مزارعت تو ناجائز ہے اور مساقات جائز ہے، لیکن یہ ذہن میں رہے جیسا کہ اوپر گذر چکا کہ امام شافعی کے نزدیک مزارعت تبعا للمساقات جائز ہے، یہ تفصیل ائمہ اربعہ کے مذاہب کے اعتبار سے ہیں، بعض دوسرے علماء کے اس میں اس کے علاوہ بھی مذاہب ہیں چنانچہ طاؤس اور ابن حزم ظاہری کے نزدیک مزارعت یعنی کراء الارض مطلقاً کسی طرح بھی جائز نہیں، اسی طرح حافظ فرماتے ہیں وبالغ ربيعة فقال لا يجوز كراءها الا بالذهب او الفضة۔ ہم نے اوپر یہ کہاہے کہ حنفیہ کے یہاں مزارعت میں فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے جو کہ امام احمد کا بھی مذہب ہے امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی باب المزارعة بالشطوخہ قائم کر کے ترجمۃ الباب کے تحت بعض صحابہ اور بہت سے تابعین کے اقوال تعلیقاً اس کے جواز میں نقل فرمائے ہیں۔

**جواز مزارعت کی حدیث متفق علیہ ہے** اور اس کے بعد پھر ابن عمر کی حدیث مسنداً اسکے جواز میں بیان فرمائی جس کا متن یہ ہے عن نافع ان عبد اللہ بن عمر اذہرہ ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عامل اہل خیبر بشرط ما يخرج منها من زرع و ثمر الحدیث (بخاری ص ۱۱۱)

امام ترمذی نے بھی سب سے پہلے باب میں اسی حدیث ابن عمر کو ذکر فرمایا ہے اور پھر فرماتے ہیں قال ابو عیسیٰ بذہ حدیث حسن صحیح، والعمل علی هذا عند بعض اہل العلم من اصحاب النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم وغیر ہم لم یروا بالمرار بأساً علی النصف والثلث والرابع وهو قول احمد اسحاق، اور پھر اس کے بعد دوسرا مذہب امام مالک و شافعی کا ذکر کیا کہ وہ اس کو جائز نہیں سمجھتے یعنی بٹائی پر زمین دینے کو اور پھر آگے تیسرا مذہب یہ بیان کیا کہ بعض علماء کے نزدیک کراء الارض صرف بالذہب والفضہ جائز ہے اہ یہ آخری قول جیسا کہ اوپر حافظ کے کلام میں گذرا ربيعة الرائی کا ہے یہ حدیث ابن عمر جو دلیل جواز ہے جس کو امام ترمذی نے حدیث حسن صحیح کہایہ صحاح ستہ کی روایت ہے چنانچہ تحفۃ الاحوذی میں ہے اخرہ للجماعۃ۔

**مزارعت کے عدم جواز کی حدیث** اور جو حضرات مزارعت کو ناجائز کہتے ہیں جیسے ائمہ ثلاثہ ان کی دلیل وہ وہیہ اضطراب مسنداً و متناً حدیث ہے جس کو امام ترمذی نے مستقلاً دوسرا باب قائم کر کے اس میں ذکر کیا ہے یعنی رافع بن خدیج کی حدیث جس کو امام ابو داؤد نے متعدد طرق سے

مختلف الفاظ کے ساتھ ذکر کیا ہے، اس حدیث کے بارے میں امام ترمذی فرماتے ہیں و حدیث رافع فیہ اضطراب، یروی بذہ الحدیث عن رافع بن خدیج عن عمرو مہ، ویروی عنہ عن ظہیر بن رافع وهو احد عمومتہ، وقد روی هذا الحدیث عنہ علی روایات مختلفہ اہ یعنی اس حدیث میں مسنداً بھی اضطراب ہے اور متناً بھی، اور یہ تمام مختلف طرق جن کی طرف امام ترمذی نے اشارہ فرمایا ہے اور تفصیلاً ان کو ذکر نہیں فرمایا یہاں ابو داؤد میں یہ تمام طرق مختلفہ و روایات

مختلف تفصیلاً مذکور ہیں جیسا کہ آپ کے سامنے کتاب میں موجود ہے۔

**رافع بن خدیج کی حدیث میں متن الاضطراب** | اس حدیث میں ہم نے جو کہا متنا بھی اختلاف ہے وہ اس طرح کہ اس باب کی چوتھی حدیث دیکھئے جس میں اس طرح

ہے سأل رافع بن خدیج عن كرار الارض بالذهب والورق فقال لا بأس بها إنما كان الناس يواجررون .....  
عالمی الماذنیات وأقبال المجدول الخ اس کا مضمون یہ ہے کہ رافع بن خدیج فرما رہے ہیں کہ کرار الارض بالدر اھم والدنایہ میں کچھ حرج نہیں، ممانعت تو اس کی ہے جس طرح بعض لوگ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں مزارعت کیا کرتے تھے (تقسیم ارض کے ساتھ) کہ جو پیداوار پانی کی نالیوں پر ہوگی اور نہر کے قریبی حصوں میں وہ تو ہماری اور باقی کاشتکار کی (مادیات یعنی مسایل الماء، پانی کی نالیاں اور اس کے بہنے کی جگہیں اقبال المجدول یعنی اوائل المجدول) اس روایت کا متن تو یہ ہے، اور اس کے بعد پھر آئندہ آنے والے باب، باب فی التمدید فی ذلک کی ساتویں حدیث میں اس طرح آرہا ہے، انی لیتیم فی حجر رافع بن خدیج ومجت معہ فجار اخي عمران بن سهل فقال اگرینا ارضنا فلانہ بمشتی رحم، فقال دع فان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہنی عن کرار الارض، دیکھئے اس میں کرار الارض بالدر اھم والدنایہ سے بھی وہ منع کر رہے ہیں، لہذا ترجیح حضرت ابن عمر کی حدیث یعنی حدیث الجواز ہی کو ہوگی، اور یہی ابن عباس کی روایت سے بھی معلوم ہوتا ہے جیسا کہ ہمارے یہاں باب کی پہلی حدیث میں ہے۔

سمعت ابن عمر یقول ما کن انری بالمزارعة بأسا حتی سمعت رافع بن خدیج یقول ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قد ذکرہ لطاوس فقال قال لی ابن عباس ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم لم ینہ عنہا وکن قال لیمنح احدکم ارضہ خیر من ان یأخذ علیہا خراجا معلوما، مضمون حدیث یہ ہے عمر بن دینار کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا وہ فرماتے تھے کہ ہم لوگ تو مزارعت میں کچھ حرج نہیں سمجھتے تھے (یعنی تقریباً تمام ہی صحابہ یہاں تک کہ میں نے رافع بن خدیج سے سنا وہ کہتے تھے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے، عمر بن دینار کہتے ہیں کہ میں نے ابن عمر کی اس بات کو طاؤس سے نقل کیا اس پر طاؤس نے کہا کہ مجھ سے میرے استاد ابن عباس نے یہ فرمایا تھا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مزارعت سے منع نہیں فرمایا تھا بلکہ یہ فرمایا تھا کہ آدمی اپنی زمین کو منہج بنائے یعنی ویسے ہی بغیر عوض کے کاشت کے لئے دوسرے کو دیدے یہ زیادہ بہتر ہے اس سے کہ اس پر کوئی اجرت معلوم لے۔

اس کا حاصل یہ نکلا کہ رافع بن خدیج جو حدیث بنی عن المزارعت کے بارے میں روایت کرتے ہیں اس حدیث سے مقصود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا تحریم مزارعت کو بیان کرنا نہیں ہے بلکہ اس سے مقصود صرف ترغیب ہے کہ زمین بچائے بٹائی پر دینے کے مفت دیدی جائے تو زیادہ بہتر ہے، اسی طرح آگے زید بن ثابتؓ سے بھی حدیث

رافع پر نقد آرہا ہے۔

اب اس کے بعد جملہ روایات الباب میں غور کر کے دیکھ لیا جائے سب کالب لباب اور ما حصل ہم نے بیان کر دیا۔  
**رافع بن خدیج کی حدیث بھی** | اور جمہور علماء ائمہ ثلاثہ کے اتباع جنہوں نے رافع بن خدیج کی حدیث پر عمل کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث سنن کے علاوہ اپنے بعض طرق کے صحیحین میں موجود ہے اعتبار سے بخاری و مسلم میں بھی ہے اس حدیث کے جو طرق راجح تھے ان

ہی طرق سے حضرات شیخین نے اس کو لیا ہے اور اس کے متن میں جو اوپر اضطراب بیان کیا گیا ہے اس کے بارے میں محدثین نے اس طریق کو جس میں کرار الارض بالدرہم والدنانیر سے منع وارد ہے اس کو ضعیف قرار دیا ہے چنانچہ تحفۃ الاحوذی میں ہے قال الحافظ فی الفتح واما ما رواہ الترمذی عن طریق مجاہد عن رافع بن خدیج فی الہنی عن کرار الارض ببعض خراجہا او بدرہم فقد اعلم النسائی بان مجاہد لم یسمع من رافع قال الحافظ ابوبکر بن عیاش فی حفظہ مقال وقد رواہ ابو عوانہ وھو احفظ منہ عن شیخہ فیہ فلم یدکر الدرہم اھ

قال زید بن ثابت یغفر اللہ لرافع بن خدیج انا واللہ اعلم بالحديث الا۔

زید بن ثابت رافع بن خدیج کی روایت پر نقد فرما رہے ہیں کہ ان کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث کا مفہوم سمجھنے میں غلطی ہوئی، زید بن ثابت ثابت فرما رہے ہیں اس حدیث سے میں رافع بن خدیج سے زیادہ واقف ہوں اصل بات یہ ہے کہ دو شخص جنہوں نے آپس میں مزارعت کا معاملہ کیا تھا (اس میں انہوں نے کوئی ناجائز والی شکل اختیار کی ہوگی، شرط فاسد وغیرہ) وہ آپ کی خدمت میں جھگڑتے ہوئے آئے تو آپ نے فرمایا کہ اگر تمہارا حال یہ ہے تو پھر مزارعت کا معاملہ مت کیا کرو یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مطلق مزارعت سے منع نہیں فرمایا تھا بلکہ ایسی مزارعت جو مفضی الی النزاع ہو فمع قول لا تکروا المزارع یعنی رافع بن خدیج نے بغیر سیاق و سباق میں غور کئے لا تکروا المزارع حدیث کا صرف یہ ٹکڑا سنا اور اسی کو روایت کرتے رہے

عن سعد قال کنا نکرى الارض بماعلى السواقي من الزرع وما سعد بالمام مستها۔

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرما رہے ہیں کہ ہم زمین کرا یہ پر دیا کرتے تھے اس پیداوار کے بدلہ میں جو پانی کی نالیوں کے آس پاس کھیتی ہوتی ہے، اور زمین کے جس حصہ میں سواقی کا پانی خود بخود پہنچ جاتا تھا (یعنی مزارعت بقسمۃ الارض) پس حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں اس سے منع فرمادیا۔

## باب فی التشدید فی ذلک

ان ابن عمر کان یکرى ارضه حتی بلغه ان رافع بن خدیج الانصاری

یعنی حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی عادت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہی کے زمانہ سے مزارعت کی تھی یہاں تک کہ آپ کو حضرت رافع بن خدیج کی یہ حدیث پہنچی کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم منع فرماتے تھے کراء الارض سے اس پر حضرت عبداللہ بن عمر رافع بن خدیج سے ملاقات کے لئے گئے کہ تم حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے کراء الارض کے بارے میں کیا حدیث نقل کرتے ہو؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ میں نے اپنے دو چچاؤں سے سنا تھا (قیل اسم العین، قلیہر ومظہر، وقیل قلیہر و مہیر) جو ہمارے گھر والوں سے بیان کرتے تھے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے کراء الارض سے منع فرمایا ہے، اس پر حضرت عبداللہ بن عمر نے فرمایا واللہ ہم تو اچھی طرح جانتے ہیں کہ آپ کے زمانہ میں زمین اس طرح کرایہ پر دی جاتی تھی شہ خشی عبد اللہ یعنی شروع میں تو ابن عمر نے یہی فرمایا لیکن پھر بعد میں ان کو یہ اندیشہ ہوا کہ ایسا نہ ہو واقعی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اخیر میں اس سے منع فرمادیا ہو جس کی مجھے خبر نہ ہوئی ہو لہذا انہوں نے مزارعت کو احتیاطاً ترک کر دیا۔

ولا یکاریہا بثلث ولا بربع ولا بطعام مسمی۔

امام مالک کے مسلک کی تائید | اس حدیث سے امام مالک کے مسلک کی تائید ہوتی ہے کہ زمین کو طعام مسمیٰ کے بدلہ میں نہ دینا چاہیئے، جمہور کی طرف سے اس کا جواب ہو سکتا ہے کہ طعام مسمیٰ سے مراد غلہ کی مقدار معین پانچ بوری یا دس بوری مراد نہیں ہے بلکہ اس سے وہ غلہ مراد ہے ماعلی السواقی والمافیاتا جو بالاتفاق ممنوع ہے۔

قال سعید أفقر أخاك أو أكره بالدراهم، یہ اگرہ الاکراء سے ماخوذ ہے، کرایہ پر دینا، سعید بن المسیب فرما رہے ہیں کہ اپنے بھائی کو زمین دلیسے ہی مفت عاریۃ دیدے یا دراہم کے بدلہ میں، یعنی بٹائی پر مت دے۔  
نہی عن المحاقلة والمزابنة، محاقلہ کہتے ہیں بیع الزرع بالمحظہ کو یعنی کھڑی کھیتی کا تبادلہ اس کا اندازہ لگا کر تیار شدہ غلہ سے کرنا، یا اس سے مراد بیع الزرع فی سنبلہ قبل بدو الصلاح ہے اور کہا گیا ہے کہ اس سے مراد مزارعت بالثلث و النحوہ ہے۔

## باب فی زرع الارض بغیر اذن صاحبها

من زرع فی ارض قوم بغیر اذنہم فلیس لہ من الزرع شیء ولہ نفقۃ، یعنی جو شخص دوسرے کی زمین میں بغیر اس کی اجازت کے کھیتی کرے تو زراعت کے لئے اس کھیتی میں سے کچھ نہیں ہے، یعنی ساری کھیتی صاحب ارض کی ہوگی ولہ نفقۃ اور اس کھیتی کرنے والے کے لئے جو کچھ اس کا خرچہ اور محنت ہوئی ہے اس کیلئے وہ ہوگا یہ حدیث مسلک جمہور کے خلاف ہے اس لئے کہ اس حدیث سے تو یہ معلوم ہو رہا ہے کہ ایسی صورت میں کھیتی مالک ارض کے لئے ہوگی اور مزارع کے لئے مطلقاً نہ ہوگی حالانکہ جمہور فقہاء کا مسلک یہ ہے کہ زراعت

صاحب البذر مطلقاً ولا آخر کر الارض او اجر الخدمۃ یعنی اس صورت میں کھیتی اس شخص کے لئے ہوگی جس کا بیج ہوگا خواہ وہ مالک ارض ہو یا کاشتکار اور دوسرے کیلئے اگر وہ مالک ارض ہے تو کراہ الارض ہوگا اور اگر کاشتکار ہے تو اس کے لئے محنت مزدوری کی اجرت ہوگی، لیکن ظاہر یہ ہے کہ جب بغیر مالک کی اجازت کے کھیتی کر رہا ہے تو بیج وہ کاشتکار اپنے ہی پاس سے ڈالے گا اور اسی صورت میں فقہار کا فیصلہ یہ ہے کہ کھیتی۔ کاشتکار کیلئے ہوگی حالانکہ اس حدیث میں یہ ہے کہ مالک ارض کے لئے ہوگی، اس کا محدثانہ جواب تو یہ ہے کہ یہ حدیث عند المحدثین غیر ثابت ہے کما قال الخطابی، اور یا پھر یہ تاویل کی جائے کہ حدیث میں جو یہ حکم مذکور ہے اس صورت میں ہے جب بیج بھی مالک ارض کا ہو، یعنی حدیث عام نہیں بلکہ ایک خاص صورت پر محمول ہے۔  
والحدیث اخرجه الترمذی وابن ماجه، قال المنذری۔

### باب فی المخابرة

نہی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم عن المزاینة والمحاولة والمخابرة..... وعن الثنیا۔ مزاینہ کے معنی مستقل باپ میں گزر چکے اور محاولہ کے معنی ابھی گزرے ہیں، مخابرہ سے مراد وہی مزارعت اور بٹائی پر زمین دینا ہے، یہ لفظ خیر سے بنا ہے، اور کہا گیا ہے کہ مخابرہ اور مزارعت میں فرق ہے وہ یہ کہ مزارعت میں بذر مالک ارض کی طرف سے ہوتا ہے بخلاف مخابرہ کے کہ اس میں کسان کی طرف سے ہوتا ہے وقیل غیر ذلک۔ وعن الثنیا، ثنیا بمعنی استئثار اور مراد اس سے استئثار مجہول ہے کہ بیع وغیرہ میں استئثار مجہول مضر اور ناجائز ہے اسی لئے آگے دوسری روایت میں آ رہا ہے الا ان یعلم یعنی معلوم ہو تو کچھ حرج نہیں جیسے کوئی پھولوں کی بیج کے وقت میں اپنے باغ کا معاملہ کرتے وقت یوں کہے، مگر پانچ درخت، اور یہ تعیین نہ کرے کون سے پانچ درخت یا یوں کہے مگر چند درخت، یہ استئثار مجہول ہے بیع فاسد ہو جائے گی۔

من لم یبذر المخابرة فلیؤذ بحرب من اللہ ورسولہ، یعنی جو شخص مخابرہ کو چھوڑنے کیلئے تیار نہیں اور وہ اتنا جری ہے تو اس کو چاہیے کہ اعلان کرے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ جنگ کا۔ بطور وعید کہا جا رہا ہے کہ ایک قدم اور آگے بڑھ جائے، کافی قولہ تعالیٰ، فان لم تفعلوا فاذنوا بحرب من اللہ ورسولہ، کہ اگر تم نہیں چھوڑتے تو تیار ہو جاؤ جنگ کیلئے اللہ اور اس کے رسول سے، اور صاحب عون المعبود نے اس کو بصیغہ مجہول ضبط کیا ہے ای بخبر وبالفارسیہ، آگاہ کر رہا ہوں، یعنی ایسے شخص کو آگاہ کر دیا جائے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے جنگ سے، یعنی وہ اللہ اور رسول کے ساتھ جنگ کر رہا ہے، یا یہ کہ اب اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اس کے ساتھ جنگ ہوگی، واللہ تعالیٰ اعلم، اور بیدل میں لکھا ہے کہ مخابرہ چونکہ عقد فاسد ہے جو کہ ربا کے حکم میں ہے اور اللہ تعالیٰ

نے عدم ترک رباً پر قرآن کریم میں یہ وعید فرمائی ہے یا یہاں الذین آمنوا اتقوا اللہ وذرُوا ما بقی من الربا ان کنتم  
مؤمنین، فان لم تفعلوا فاذنوبکم من اللہ ورسولہ، اھ لہذا مخابرہ نہ چھوڑنے والا بھی اسی وعید کا مستحق ہے۔

## باب فی المساقات

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عامل اہل خیبر بشطرنج  
ما یرج من شرا وذرع۔ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما چونکہ خود مزارعت کے قائل تھے جیسا کہ گذشتہ باب میں  
گذر چکا ایسے ہی وہ مساقات کے جواز کے بھی قائل تھے جیسا کہ ————— وہ اس حدیث مرفوعہ میں روایت  
کر رہے ہیں، اس حدیث میں مزارعت اور مساقات دونوں کا ذکر ہے۔

آپ کا معاملہ یہود خیبر کیسا تھا؟ مزارعت کا تھا یا حراج کا؟

حضرت گنگوہی کی تقریر الکوکب الدری میں باب ما جاء فی المزارعة میں  
یہ تحریر ہے جانا چاہیے کہ اکثر آرا اسی خیبر کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوۂ  
فتح فرمایا تھا، اور پھر اس طرح کی زمینوں کو بعد از خراج خمس فائزین کے  
درمیان تقسیم کر دیا گیا تھا (جس کے صحابہ کرام مالک ہو گئے تھے) مگر پھر یہ ہوا کہ یہود کو عمل کے لئے وہیں برقرار رکھا  
گیا لہذا یہ معاملہ مزارعت کا ہوا اور جو آرا اسی خیبر صلی فتح کی گئی تھیں (حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو بجائے  
صحابہ کرام کے درمیان تقسیم کرنے کے) گویا یہود ہی کو ہبہ کر دی تھیں (وقتی طور پر) اور ان پر خراج مقاسمت مقرر فرما دیا  
تھا، لیکن امام اعظم ابو حنیفہ کی رائے کا استقرا اس پر ہوا کہ یہ سب کا سب معاملہ خراج مقاسمت ہی کا تھا اس میں  
صاحبین نے امام صاحب کی مخالفت کی اور انہوں نے اس بارے میں تفصیل کو ثابت کیا (یعنی یہ کہ بعض زمینوں کا معاملہ  
یہود کے ساتھ بطور مزارعت کے تھا اور بعض کا بطریق خراج مقاسمت) پھر حضرت فرماتے ہیں اور صحیح بھی یہی تفصیل  
ہے جس کو صاحبین نے اختیار کیا (اب یہ کہ پھر بعض روایات میں آپ نے مزارعت سے کیوں نہی فرمائی اس کے  
بارے میں حضرت فرما رہے ہیں کہ) ان احادیث میں مزارعت سے یہ نہی بعض شرط فاسدہ کے اقرار کیونکہ ہے  
اور یا نہی تنزیہی ہے مہاجرین کے افلاس کی وجہ سے اس وقت میں اھ حضرت کی اس تحریر کا حاصل یہ ہے کہ  
صاحبین جو جواز مزارعت کے قائل ہیں ان کا استدلال حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے یہود کے ساتھ اس  
معاملہ سے — ہے کیونکہ صاحبین کی تحقیق میں یہ معاملہ مزارعت ہی کا تھا لہذا دلیل جواز ہوا، اور حضرت امام  
اعظم جو جواز مزارعت کے قائل نہیں ہیں انہوں نے اس معاملہ یہود کو خراج پر محمول کیا ہے نہ کہ مزارعت پر۔

فلما کان حین یصرم النخل بعث الیہم عبد اللہ بن رواحۃ فحزور (بمقتدر الزای علی الرأء) علیہم

النخل وهو الذی یرسمہ اهل المدينۃ الخوص الخ۔

مضمون حدیث یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جب خیبر کو فتح کر لیا اور مسلمان ارض خیبر کے مالک ہو گئے تو یہود خیبر نے آپ سے یہ درخواست کی کہ کاشتکاری کو ہم آپ لوگوں سے زیادہ جانتے ہیں لہذا یہ باغات اور زمینیں ہمارے حوالہ کر دیجئے اس طور پر کہ آدھا پھل اور آدھا غلہ ہمارے لئے اور نصف آپ کے لئے ہوگا، آپ نے ان کی یہ بات منظور فرمائی (مگر چونکہ یہود غیر اُمنار تھے دیانت دار نہیں تھے اسلئے آپ یہ تدبیر فرماتے تھے کہ) جب پھل توڑنے کا زمانہ قریب آتا تو آپ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو خرس یعنی باغوں کے پھلوں کا صحیح اندازہ لگانے میں ماہر تھے آپ ان کو بھیجتے یہود کے ان باغات میں خرس یعنی خرس کے لئے تودہ درختوں کی جاریخ کرنے کے بعد پھلوں کی مقدار متعین فرماتے کہ اس باغ میں اتنا ہے اور اُس باغ میں اتنا ہے، لہذا اسی مقدار کے مطابق تم کو دینا ہوگا تو یہود ان سے کہتے اکثرت علینا یا ابن رواحہ کہ تم نے تو بہت بڑی مقدار متعین کر دی تو وہ اس پر فرماتے فانا ابی خزرج المنخل یہ ابی واحد شکم کا صیغہ ہے ولی ابی ولینا ہے جس کے معنی ذمہ داری لینے کے ہیں، اور خزرج یہاں محذور کے معنی میں ہے، یعنی پھلوں کی جو مقدار میں نے بیان کی ہے میں اس کی ذمہ داری لیتا ہوں، یعنی تم پھلوں کو چھوڑ کر ان کے تیار ہونے کے بعد علیحدہ ہو جانا میں اس محینہ مقدار کا نصف تم کو دیدینگا تو اس پر وہ کہتے کہ نہیں، نہیں جو آپ کہہ رہے ہیں وہ ٹھیک ہی ہے اس ذات کی قسم جس کے حکم سے آسمان زمین قائم ہے ہم اس مقدار پر راضی ہیں جو تم نے بیان کی۔

بالسنادۃ ومعناہ قال فخرز مصنف لفظ حدیث میں رواۃ کا اختلاف بیان کر رہے ہیں پہلی سند میں عمر بن ایوب تھے ان کی روایت میں فخرز علیہم تھا یعنی زاک تقدیم کیساتھ راہ پر اور صحیح بھی وہی ہے، اور اس دوسری روایت کے راوی زید بن ابی الزرقاء ہیں انہوں نے بجائے خرس کے خرس کہا، قال النووی فی بعض الروایات بتقدیم الراہ وهو مصحف (بذل) والحدیث اخر جابر ماجہ، قال المنذری۔

## باب فی الخرس

خرس کا باب کتاب الزکاۃ میں بھی گذر چکا خرس کی تعریف اور اس سے متعلق جملہ مباحث و اختلافات وہاں گذر چکے ہیں، یہاں اس باب سے پہلے دو باب گذر چکے باب المزارعت اور باب المساقات، مزارعت اور مساقات دونوں کا حکم بھی گذر چکا مزارعت کا جواز مختلف فیہ ہے اور مساقات تقریباً تمام علماء کے نزدیک جائز ہے سوائے امام اعظم کے، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یہود کیساتھ یہ دونوں معاملے فرمائے ہیں مزارعت کا بھی اور مساقات کا بھی، یہ تیسرا باب جو خرس کے بارے میں ہے اس کو مصنف نے یہاں اس مناسبت سے ذکر کیا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا معمول تھا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عبداللہ بن رواحہ کو

خیر بھی کرتے تھے ان باغات کا خرص کرنے کے لئے جو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمانوں نے یہود خیر کو بطریق مساوات دے رکھے تھے۔

عدم جواز الخرص فی المزارعة وکذا فی المساقاة | لیکن یہ ذہن میں رہے کہ کتاب الزکاة کے باب الخرص میں یہ مسئلہ گزر چکا ہے ان الخرص لا یجوز فی الجبوب بالاجماع، اور حفاظ ابن عبد البر نے کافی التعلیق الحمد۔ اس بات کی تصریح کی ہے

کہ خرص فی المساقات کسی کے نزدیک جائز نہیں اب اس پر اشکال ہو کہ جب خرص فی المساقاة ناجائز ہے تو پھر عبد اللہ بن رواحہ کو بھیج کر خرص کیوں کرایا جاتا تھا؟ اس کا جواب انہوں نے یہ دیا ہے کہ یہ خرص ایک خارجی مصلحت کیلئے تھا اگر الزام حکم کے لئے نہیں تھا، کیونکہ یہود غیر اُمنار تھے اس لئے ان کو صحیح مقدار سے آگاہ کیا جاتا تھا تاکہ زکاة یعنی عشر کے مسئلہ میں نقصان اور غلط واقع نہ ہو، چنانچہ حضرت عائشہ اس خرص کے بارے میں فرما رہی ہیں دکی تخصی الزکاة قبل ان توکل الشمار وتفروق، البتہ عشر جو مسلمانوں کے باغات میں ان پر واجب ہوتا ہے اس میں جواز خرص بلکہ وجوب خرص کے شافعیہ وغیرہ حضرات قائل ہیں، اور حنفیہ جو خرص فی الزکاة کے قائل ہی نہیں انکے دلائل کتاب الزکاة میں جمہور کی دلیل کیساتھ گزر گئے ہیں فارج الیہ لوشنت۔

انہ سمع جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما یقول خرصھا ابن دوحۃ اربعین الف وستمی الخ۔ یعنی ایک مرتبہ عبد اللہ بن رواحہ نے ان باغات کا خرص کرنے کے بعد جو مقدار متعین کی تھی وہ چالیس ہزار و ستمی تھی جس کے نصف یعنی بیس ہزار و ستمی دینے کی ذمہ داری یہود نے قبول کی تھی، ایک و ستمی ساٹھ صاع کا ہوتا ہے چالیس ہزار و ستمی کے حساب لگا کر دیکھتے کتنے و ستمی بنتے ہیں ہمارے حساب سے تو جو بیس لاکھ صاع بنتے ہیں جس کا نصف یقیناً مسلمانوں کو ملا ہوگا حسب معاہدہ، اسی لئے کہتے ہیں کہ فتوحات خیر کے بعد تو مسلمان مالدار ہو گئے تھے۔

## کتاب الاجارة

امام بخاری نے کتاب الیورع کے آخر میں کتاب السلم کا باب قائم کیا ہے اس کے بعد کتاب الشفعة مستقل ہے

لہ وعبارة اخرى اس کو اس طرح سمجھئے کہ یہ خرص مساقین کے حصوں کی تقسیم کیلئے نہیں تھا، یعنی اصل معاملہ سے اسکا تعلق نہ تھا بلکہ زکاة یعنی عشر جو درختوں کی کل پیداوار میں واجب ہوتا ہے اس کو محفوظ و معین کرنے کیلئے تھا، پھلوں کے پکنے اور تیار ہونے سے پہلے اور یہود کے اس میں تصرف کرنے سے پہلے تاکہ مقدار عشر میں کوئی کمی نہ آئے، مثلاً خرص کے بعد فارص نے کہا کہ اس باغ میں سو و ستمی تمر ہیں لہذا اس مقدار میں سے عشر یعنی دس و ستمی زکاة کے نام سے وصول کیا جائیگا اسکے بعد نو وقت ہر مہ مغل مساقین کے حصے حسب ضابطہ کیلا ہی تقسیم کئے جائیں گے، اس وقت فارص کے خرص کو پیش نظر نہیں رکھا جائیگا، دھڑا معنی قول عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا لکی تخصی الزکاة قبل ان توکل الشمار وتفروق، واللہ تعالیٰ اعلم۔



اس کے بعد کتاب الاجارۃ، اور انہوں نے کتاب الاجارہ کے تحت تمام ابواب اجارہ ہی سے متعلق ذکر کئے ہیں، اور امام ابو داؤد نے کتاب البیوع ہی کے درمیان کتاب الاجارہ کا عنوان قائم کر کے اور اس کے بعد پھر چند ابواب اجارہ سے متعلق ذکر کر کے بقیہ ابواب البیوع جن میں بیع السلم اور شفعہ بھی داخل ہے ان کو ذکر کیا۔

جاننا چاہیے کہ تملیک کی دو قسمیں ہیں تملیک الاعیان و تملیک المنافع، اور پھر ان دونوں میں سے ہر ایک کی دو قسمیں ہیں بعوض و بلا عوض، اس طرح یہ چار صورتیں ہوجاتی ہیں، تملیک العین بالبعوض بیع ہے اور تملیک العین بلا عوض یہ ہبہ ہے، اور تملیک المنافع اگر بالبعوض ہے تو وہ اجارہ ہے، اور اگر بلا عوض ہے تو وہ عاریۃ اور عارہ ہے۔

## باب فی کسب المعلم

استیجار علی الطاعات میں اختلاف ائمہ | علوم دینیہ کی تعلیم کے ذریعہ کسب اور کمائی یہ شافعیہ و مالکیہ کے نزدیک جائز ہے، حنفیہ و حنابلہ کے نزدیک ناجائز ہے حدیث الباء سے جس کا مضمون آگے آ رہا ہے حنفیہ و حنابلہ کے مسلک یعنی عدم حواز کی تائید ہوتی ہے، مصنف بھی علی القول الا شہر۔ حنبلی ہیں، استیجار علی الطاعات کا مسئلہ ابواب الاذان و التیجذ مؤذنا لایاخذ علی اذانه اجراء الحدیث کے تحت المد المنصور جلد اول میں گزر چکا ہے، اور ایسے ہی کتاب النکاح زوجتک بما معک من القرآن کے تحت بھی۔

عن عبادة بن الصامت رضي الله تعالى عنه قال علمت ناساً من اهل السنة القرآن والكتاب فاهدوا الى رجل منهم قوساً ۱۰۰۔

حضرت عبادہ فرماتے ہیں کہ میں نے چند اہل صفہ کو قرآن سکھلایا اور کتابت یعنی لکھنا، توان میں سے ایک شخص مجھ کو ایک کمان ہدیہ کرنے لگا تو میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ کوئی ایسا مال تو ہے نہیں یعنی جس کو اجرت کہا جاسکے دوسرے یہ کہ میں اس کو جہاد ہی میں استعمال کروں گا (کسی اپنی ذاتی ضرورت میں نہیں) لیکن پھر بھی میں نے یہ ارادہ کیا کہ بغیر حضور سے دریافت کئے نہیں لوں گا چنانچہ میں آپ کی خدمت میں گیا اور اس کمان کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا ان كنت تحب ان تخطو طوقاً من نادى قبلكها كذا تو اس کی وجہ سے آگ کا طوق اپنے گلے میں ڈالنا پسند کرتا ہو تو یہ ہدیہ قبول کرے۔

اس حدیث کے ذیل میں امام خطابی نے اخذ الاجرة علی تعلیم القرآن میں علماء کے تین مذہب لکھے ہیں ایک مطلقاً عدم حواز، فقال الیہ ذہب الزہری والوصیفہ۔ واسحاق بن راہویہ، دوسرا مذہب یہ کہ اگر بغیر شرط کے کوئی معاوضہ دے تو اس کے قبول میں کچھ حرج نہیں وهو قول الحسن البصری وابن سیرین والشعبي، اور تیسرا مذہب مطلقاً جواز وهو مذہب عطاء و مالک والشافعی، اور شافعیہ کی دلیل زوجتک بما معک من القرآن بیان کی۔



کو تقسیم کر لیا جائے، لیکن اصل راقی نے یہ کہا کہ جب تک حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ہم نہ پہنچ جائیں اور آپ سے معلوم نہ کر لیں اس وقت تک نہیں، پھر حضور کی خدمت میں پہنچے اور آپ سے اس واقعہ کا ذکر کیا تو آپ نے اظہار مسرت فرمایا اور پوچھا کہ تمہیں کیسے خبر ہوئی کہ سورہ فاتحہ رقیہ ہے اور ان صحابہ کی مزید تسلی کے لئے فرمایا کہ اپنے ساتھ اس میں میرا بھی حصہ لگانا۔

**دوسرا قصہ** | اس کے بعد مصنف نے اسی قسم کی ایک دوسری حدیث جس کے راوی عم فارہ ہیں ذکر فرمائی جس کا مضمون یہ ہے کہ وہ کسی سفر میں جا رہے تھے راستہ میں کسی بستی میں لوگوں نے ان کو روک کر پوچھا کہ تم ایسے بزرگ شخص کے پاس سے آرہے ہو یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سے، ہمارا ایک مریض ہے معہہ یعنی مجنون جو زنجیروں میں بندھا ہوا ہے اس پر دم کر دیجئے انہوں نے تین دن تک صبح شام سورہ فاتحہ پڑھ کر اس پر دم کیا، ہر مرتبہ پھونکتے وقت اس پر لعاب بھی گراتے تھے چنانچہ وہ بالکل ٹھیک ہو گیا فاعطوہ شیئا یعنی ان لوگوں نے ان صحابی کو ہدیہ کچھ پیش کیا۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سو بکریاں تھیں جیسا کہ خود ابو داؤد ہی میں یہ حدیث کتاب الاطعمہ کے اخیر میں آ رہی ہے وہاں پر اس عدد کی تصریح ہے، وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئے اور آپ سے اس کا ذکر کیا آپ نے ان کو قبول کرنے کی اجازت دیدی۔ اور فرمایا مکیٰ نذعنہ لکم اکل برقیۃ باطل (اس کی جزا محذوف ہے فعلیہ وبالہ) یعنی آپ نے فرمایا کہ تو اس کو کھا سکتا ہے اور قسم ہے میری جان کی جو شخص باطل رقیہ کے ذریعہ سے کھائے اس پر وبال ہے، اُس کا بڑا تو یہ برحق رقیہ کے ذریعہ سے کھا رہا ہے اس میں کیا حرج ہے۔

**استنباط المصنف بحديث الباب** | مصنف نے تعلیم قرآن پر اجرت کے عدم جواز کو جیسا کہ حنابلہ کا مسلک ہے حضرت عبادہ کی حدیث سے ثابت کیا ان کنت تحب ان تطوق طوقا من نار فاقبلہا، اور اُس پر ترجمہ قائم کیا کسب المعلم، اور ابو سعید خدری، اسی طرح عم فارہ کی حدیث جن سے جواز مجل ثابت ہوتا ہے اس پر ترجمہ قائم کیا باب فی کسب الاطباء، انہوں نے اس دوسرے واقعہ کو علاج و معالجہ پر محمول کرتے ہوئے اس کے ذریعہ سے اجرت طیب کے جواز کو ثابت کیا، جو بالاتفاق جائز ہے، امام ابو داؤد نے یہاں پر بڑی نقاہت کا ثبوت دیا، احادیث پر کتب احادیث میں جو عنوان و تراجم قائم کئے جاتے ہیں وہ بڑی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں، چنانچہ مشہور ہے، فقہ المحدث فی تراجمہ، جیسا کہ ایک جملہ بھی مشہور ہے، فقہ البخاری فی تراجمہ، امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے حدیث ابو سعید خدری پر ترجمہ قائم فرمایا ہے، باب ما جاز فی اخذ الاجر علی التوکید، انہوں نے بھی اس حدیث کو مصنف کی طرح رقیہ اور علاج و معالجہ پر ہی محمول کیا، لیکن وہ حدیث کے تحت لکھتے ہیں و رخص الشافعی للمعلم ان یاخذ علی تعلیم القرآن اجرا ویری لہ ان یشترط علی ذلک

واجب بہذا الحدیث، اور امام البوراد نے حدیث عبادہ اور حدیث ابوسعید خدری جن کے مضمون میں بظاہر تعارض ہے دونوں پر یکے بعد دیگرے الگ الگ ترجمہ قائم کر کے صحیح صورت حال کو واضح فرمادیا ہے کہ حدیث عبادہ کا تعلق تعلیم قرآن سے ہے اور حدیث ابوسعید خدری کا محل علاج و معالجہ اور کسب طبیب ہے، قلنہ در المصنف۔  
والحدیث اخرجه النسائی، قال المنذری۔

## باب فی کسب الحجام

**ایضاح المسئلۃ** یہاں پر دو چیزیں ہیں ایک پیشہ حجامت یعنی یہ حرفہ، دوسری اس کی آمدنی، جمہور کے نزدیک دونوں جائز ہیں اور امام احمد اور ایک جماعت کی رائے یہ ہے کہ آزاد آدمی کے حق میں احترام بالحجامت مکروہ ہے یعنی یہ پیشہ اختیار کرنا اور اس کی آمدنی کو اپنے اوپر خرچ کرنا ان کے نزدیک حرام ہے، وہ کہتے ہیں کہ اگر یہ پیشہ اختیار کرے تو اس کی آمدنی کو رقیق اور دو اب پر خرچ کرے، اور غلام کے حق میں ان کے نزدیک نہ پیشہ اختیار کرنے میں کچھ حرج ہے اور نہ آمدنی میں، قالہ الحافظ۔

عن رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال کسب الحجام خبیث۔  
**شرح الحدیث** خبیث کا اطلاق دو معنی پر ہوتا ہے حرام و نجس، دوسرے خلاف الطیب یعنی گری ہوئی اور گھٹیا چیز۔ جمہور کے نزدیک یہاں بھی ماہرہ کذا قال القاری، لیکن امام احمد کے نزدیک اگر حجام حرم ہو تو پھر اس صورت میں خبیث کے دوسرے معنی ہوں گے یعنی حرام۔  
اگے مصنف نے اس کے بعد دو حدیثیں اور ذکر کی ہیں ان میں بھی غور کیجئے

عن ابن شہاب عن ابن محیصۃ عن ابیہ انہ استاذن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فی اجارۃ الحجام۔

یعنی حضرت محیصہ نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے اجازت چاہی تو آپ نے ان کو اس سے منع کر دیا وہ آپ سے اس کے بارے میں سوال کرتے ہی رہے یہاں تک کہ آپ نے اخیر میں ان سے یہی فرمایا اعلفہ ناضحک ورفیقک کہ اس آمدنی کو جانوروں کو اور غلاموں کو کھلا سکتے ہو۔  
اس حدیث سے حنا بلہ کی تائید ہوتی ہے۔

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال احتجم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم واعطی الحجام اجرہ ولو علمہ خبیثا لم یعطہ۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے پچھنے لگوائے اور حجام کو اجر عطا کیا۔

بھی عطا کی آگے ابن عباس اپنا استنباط بیان کرتے ہیں کہ اگر آپ اجرت حجام کو حرام سمجھتے تو کیوں عطا کرتے، اس حدیث سے جمہور کی تائید ہوتی ہے، لیکن اس استدلال پر یہ نقد ہو سکتا ہے کہ ظاہر یہ ہے کہ اس حجام سے مراد ابو طیبہ جیسا کہ اس کے بعد کی روایت میں ہے اور وہ حر نہیں تھے بلکہ مملوک تھے، لیکن جمہور یہ کہہ سکتے ہیں کہ اگر ابو طیبہ مملوک تھے تو اس سے یہ استدلال کہاں درست ہے کہ غیر مملوک کو اجرت دینا جائز نہیں یا اس کے حق میں حرام ہے یہ تو اتفاقی امر ہے کہ جن سے آپ نے پچھنے لگوائے وہ مملوک تھے حر نہ تھے واللہ تعالیٰ اعلم۔

عن انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال حجیم ابو طیبہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فامرہ بصاع من تمر و امر اہلہ ان یخففوا عنه من خراجہ۔

یعنی حضرت ابو طیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو سینگلی لگائی تو آپ نے اس کی اجرت میں ان کو ایک صاع تمر دینے کا حکم فرمایا اور ان کے مالکان کو حکم فرمایا کہ اس کی کمائی میں سے جو معینہ مقدار لیتے ہیں اس میں تخفیف کر دیں، ابو طیبہ کا نام بعض نے نافع لکھا ہے، لیکن صحیح یہ ہے کہ ان کا نام معلوم نہیں، یہ مولیٰ الانصار تھے یعنی ان کے غلام چونکہ یہ سینگلی لگانا جانتے تھے اس لئے ان کے آقا ان سے یہی کمائی کراتے تھے، اور یومیہ ایک مقدار معین مال کی ان سے لیتے تھے، اس کے بعد باقی ان کا تھا، تو آپ نے ان کے مولیٰ سے یہی بات فرمائی کہ تم نے جو مقدار ان سے لینے کی مقرر کر رکھی ہے اس میں کچھ کمی کر دو۔  
والحدیث اخرجہ البخاری ومسلم والترمذی، قالہ المنذری۔

## باب فی کسب الاماء

منہی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عن کسب الاماء۔  
زمانہ جاہلیت میں لوگ اپنی باندیوں سے حرام کمائی کرایا کرتے تھے اور اس کو جائز سمجھتے تھے اور ان کے نزدیک یہ کوئی عار کی بات نہیں تھی، یہی نہیں بلکہ زنا کے ذریعہ نسب بھی ثابت مانتے تھے جیسا کہ کتاب الطلاق میں ”باب فی ادعاء ولد الزنا“ میں یہ حدیث گزر چکی ہے لا مساعاة فی الاسلام، اسلام نے اگر زنا اور دواعی زنا اور زنا کی کمائی ان سب چیزوں کو حرام قرار دیا، آگے دوسری روایت میں یہ زیادتی ہے نہانا عن کسب الامۃ الا ما عملت بیدھا وقال ہکذا با صابغہ نحو الخبز والغزل والنفض، یعنی باندی کی اس کمائی سے منع کیا ہے جو حرام کاری کے ذریعہ ہو نہ کہ مطلقاً، لہذا اگر دوسرے جائز کاموں کے ذریعہ سے کمائی کرے جیسے کسی کی روٹی پکانی یا سوت کا تنا ایسے ہی روٹی دھونا، یہ کمائی اس کی جائز ہے، بذل میں لکھا ہے کہ وہ جو شرح وقایہ کے بعض حواشی میں ہے ان اجرة الزانیۃ حلال اس سے مراد اجرة زنا نہیں ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی باندی

جو کہ زانیہ بھی ہے اس کے باوجود اگر وہ کسی اور طریقہ سے کسب کرتی ہے تو اس کا وہ کسب جائز ہے جیسا کہ یہاں حدیث الباب میں ہے اھ۔ حدیث ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اخرجہ البیہاری قال المنذری۔

## باب فی عَسَبِ الْفَحْلِ

**شرح الحدیث** | فحل یعنی نر جانور مطلقاً فرسا کان او جملاً او تیساً، اور عسب بمعنی مار الحیوان اور اس کا ضرب یعنی جفتی دونوں معنی لکھے ہیں، اور حدیث الباب میں ہے نہی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عن عَسَبِ الْفَحْلِ، یہاں پر عبارت میں مضاف محذوف ہے یعنی عن کرار عَسَبِ الْفَحْلِ، یعنی نر کی جفتی کی اجرت لینے سے آپ نے منع فرمایا، اور کہا گیا ہے کہ عسب کا اطلاق اجرتِ ضرب پر بھی ہوتا ہے لہذا اس صورت میں حذف مضاف ماننے کی حاجت نہوگی، جمہور علماء اور ائمہ ثلاث کا مذہب یہی ہے کہ نر کو جفتی کے لئے کرایہ پر دینا حرام ہے کیونکہ اس میں غرر ہے اس لئے کہ نر کبھی جفتی کرتا ہے کبھی نہیں کرتا کبھی اس سے علق یعنی حمل ٹھہرتا ہے کبھی نہیں ٹھہرتا نیز مار الفحل یعنی اس کی مٹی مال غیر مستقیم ہے، اجرت لینے کی صورت میں گویا اس کی بیع ہے جو فاسد ہے ہاں عاریۃ پر نر محل دینا چاہیئے یہ مندوب الیہ ہے چنانچہ حدیث میں آتا ہے "من جہقما اطراق فحلہا" لیکن اس میں امام مالک کا اختلاف منقول ہے بایں طور کہ مدت ضرب کو معین کر دیا جائے مثلاً ساعت یا نصف ساعت تو اس پر جوازِ اجرت لی جائیگی وہ ثمنِ مار کے طور پر نہیں بلکہ آپ نے اپنا جانور دوسرے کے کام کیلئے مدت معینہ کیلئے دیا ہے یہ اس کی اجرت ہے، عند الجمہور اجرت پر دینا تو ممنوع ہے لیکن مستعیر بطور کرامت کے اگر کچھ دے تو اس کا لینا جائز ہے۔ والحدیث اخرجہ الترمذی والنسائی قال المنذری

## باب فی الصائغ

صائغ اور صواغ دونوں لغت میں اور صیاغ بھی واو کو یا سے بدل دیتے ہیں، صیغت کے معنی کسی مادہ کو پگھلا کر اس سے کسی خاص ہیئت پر کوئی چیز بنانا، اور اسی سے ہے صائغ الحلی یعنی زرگر، سونے چاندی کے زیورات بنانے والا، مجمع البحار میں ہے: وفيه واعدت صواغاً من بنی قینقاع، وهو صائغ الحلی، من صاغ یصوغ، ومنه کذب الناس الصواغون، مصنف کی غرض اس ترجمۃ البیہاری سے حرۃ صیغت کی کراہت کو بیان کرنا ہے جیسا کہ حدیث الباب سے مستفاد ہو رہا ہے۔

عن ابی ماجدۃ قال قطعت من اذن غلام۔ او قطع من اذنی۔

**شرح الحدیث** | ابو ماجدہ کہتے ہیں کہ میں نے کسی لڑکے کا کان کاٹ دیا، اگے شک راوی ہے کہ یا انہوں نے

یہ کہا تھا کہ میرا کان کاٹ لیا گیا، پھر یہ ہوا کہ ہمارے پاس حج کے زمانہ میں ابو بکر تشریف لائے ہم ان کے پاس جمع ہو گئے اور گویا ان کے سامنے اس اذن کا ذکر آیا فرقنا الی عمر بن الخطاب یعنی حضرت ابو بکر نے ہمارے اس مقدمہ کو حضرت عمر کی خدمت میں بھیج دیا، تو حضرت عمر نے واقعہ سنکر فرمایا کہ یہ قصہ تو قصاص کی حد تک پہنچ گیا یعنی یہ فعل موجب قصاص ہے، اور فرمایا کہ میرے پاس حجام کو بلا کر لاؤ تاکہ اس قاطع سے قصاص لیا جائے، راوی کہتا ہے کہ جب حجام کو بلایا گیا (تو حضرت عمر کو ایک حدیث یاد آئی جس پر انہوں نے فرمایا کہ) میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ایک موقع پر سنا تھا۔ آپ فرما رہے تھے کہ میں نے اپنی خالہ کو ایک غلام مہبہ کیا تھا اور میں امید کرتا ہوں اس بات کی کہ میری خالہ کے لئے اس میں خیر و برکت ہوگی اور میں نے خالہ کو دیتے وقت ان سے یہ کہا تھا کہ اس لڑکے کو حجام یا صانع یا قصاب کے حوالہ دے کرنا، یعنی ان پیشوں میں سے کوئی سا پیشہ سکھانے کیلئے، اور مجمع البحار سے صواغین کے بارے میں کذب الناس ہونا گذر چکا، علماء نے لکھا ہے کہ صانع کی مذمت اس لئے کی گئی ہے کہ وہ زیورات بنانے میں کھوٹ ملا تا ہے، نیز ان کے کلام میں ٹال مٹول اور جھوٹے وعدے بہت پائے جاتے ہیں، اور حجام اور قصاب کی کراہت اس نجاست کی وجہ سے ہے جس سے ان کو سابقہ پڑتا رہتا ہے۔

## باب فی العبد یباع ولہ مال

من باع عبداً ولہ مال فمالہ للبائع الا ان یشرطہ المبتاع ومن باع نعتلاً مؤثراً فالشركة للبائع الا ان یشرط المبتاع۔

شرح الحدیث مع استنباط المسئلة | یعنی جو شخص اپنے ایسے غلام کو فروخت کرے جس کے لئے مال ہو تو وہ مال مالک یعنی بائع کا ہوگا مشتری کے لئے نہ ہوگا، الا یہ کہ مشتری شرط لگائے اس مال کی بھی، ائمہ اربعہ کا مذہب یہی ہے، لیکن یہاں سوال یہ ہوتا ہے کہ کیا عبد بھی کسی مال کا مالک ہو سکتا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ جمہور علماء اور ائمہ ثلاث کے نزدیک عبد کے اندر مالک بننے کی صلاحیت نہیں لہذا حدیث میں مال کی اضافت عبد کی طرف مجاز ہے یعنی اس کے پاس جو مال ہے گو اس کا نہیں، اس میں امام مالک کا اختلاف منقول ہے وہ فرماتے ہیں کہ اگر آقا اپنے غلام کو کسی مال کا مالک بنا دے تو وہ مالک ہو جائے گا اور یہی اہل ظاہر کا قول ہے، اس اختلاف پر شرح نے بطور ثمرہ اختلاف کے یہ مسئلہ بھی لکھا ہے کہ جمہور کے نزدیک غلام کے لئے تشری جائز نہیں یعنی وطنی بملک الیمین، اور امام مالک کے نزدیک جائز ہے، دوسرا مسئلہ اس حدیث میں

لہ تشری، مریۃ سے ماخوذ ہے، مریۃ اس باندی کو کہتے ہیں جس کو آدمی وطنی کے لئے رکھے ۱۲

بیع نخل کا ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنے نخل یعنی کھجور کے درخت کو تا میر کے بعد فروخت کیا ہے تو اس صورت میں پھل درختوں کے تابع نہ ہوگا بلکہ بائع کے لئے ہوگا الا یہ کہ مشتری صراحۃً شرط لگائے تو پھر مشتری ہی کے لئے ہوگا یعنی بیع میں داخل ہو جائے گا، جمہور علماء اور ائمہ ثلاث نے اس حدیث میں مؤبراً کی قید کا اعتبار کرتے ہوئے یہی کہا ہے کہ یہ حکم نخل مؤبر کا ہے اور اگر نخل غیر مؤبر ہو تو اس صورت میں خمر بائع کے لئے نہ ہوگا بلکہ درختوں کے تابع ہو کر مشتری کے لئے ہی ہوگا، اور حنفیہ کے نزدیک یہ قید اتفاقی ہے احترازی نہیں، ان کے نزدیک قبل التاییر اور بعد التاییر دونوں صورتوں میں خمر بائع کے لئے ہوگا، اور یہاں ایک تیسرا مذہب بھی ہے وہ یہ کہ خمر دونوں صورتوں میں مشتری کے لئے ہوگا، اس کی طرف گئے ہیں ابن ابی لیلیٰ، جمہور کا استدلال بطریق مفہوم مخالف ہے اور حنفیہ چونکہ مفہوم مخالف کا اعتبار نہیں کرتے اس لئے انہوں نے اس کو اختیار نہیں کیا، وہ یہ کہتے ہیں خمر مستقل چیز ہے اور درخت مستقل۔

عن نافع عن ابن عمر عن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما عن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بقصة العبد، وعن نافع عن ابن عمر عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بقصة النخل۔

مصنف رواۃ کا اختلاف بیان کر رہے ہیں، اس حدیث کا پہلا طریق سالم عن ابن عمر ہے اور یہ دوسرا طریق نافع عن ابن عمر ہے، سالم سے روایت کرنے والے زہری ہیں، اور نافع سے روایت کرنے والے مالک، تو یہاں پر سالم اور نافع کا اختلاف ہو رہا ہے وہ یہ کہ سالم نے حدیث کے دونوں جزو بیع نخل اور بیع عبد ان دونوں کو اپنے باپ ابن عمر سے روایت کیا، اور نافع نے بیع النخل کو تو ابن عمر سے روایت کیا، اور بیع العبد کو عن ابن عمر عن عمر روایت کیا، یعنی ایک جزو کاراوی عمر کو قرار دیا اور ایک جزو کاراوی ابن عمر کو بخلاف سالم کے کہ انہوں نے دونوں جزو کو ابن عمر ہی سے روایت کیا۔

بعض نسخوں میں ایک عبارت ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ محدثین کے نزدیک چار حدیثیں ایسی ہیں کہ جن میں زہری اور نافع کا اختلاف ہے ان چار میں کی ایک یہ بھی ہے، یاد پڑتا ہے کہ رفع یدین کی بحث میں ابن عمر کی حدیث کے ذیل میں یہ گزر رہا ہے کہ سالم و نافع کا چار حدیثوں کے اندر رفع اور وقف میں اختلاف ہے بخلاف ان کے ایک رفع یدین والی حدیث بھی ہے جس کو سالم نے مرفوعاً اور نافع نے موقوفاً روایت کیا ہے۔  
وحدیث سالم اخرجه البخاری ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ، قال الترمذی۔

### باب فی التلقی

مسئلۃ الباب کی تشریح مع اختلاف ائمہ | تلقی سے مراد تلقی بالجلب ہے جیسا کہ باب کی حدیث ثانی میں ہے یہی عن تلقی الجلب، جَلَبٌ مصدر بمعنی مجلوب یعنی وہ سامان جس کو دیہاتی



دیہات سے شہر میں فروخت اور تجارت کے لئے لار ہے ہوں اور تلقی بمعنی استقبال، لہذا مطلب یہ ہوا کہ جو مال دیہاتی دیہات سے شہر میں منڈی میں فروخت کرنے کے لئے لار ہے ہوں، اگر کوئی شہری اس آنے والے قافلہ کا استقبال اس کے شہر میں پہنچنے سے پہلے کرے اور اس سامان کو وہیں راستہ ہی میں خرید لے منڈی تک اسکو پہنچنے نہ دے تو آپ نے اس سے منع فرمایا ہے، جمہور کے نزدیک تلقی رکبان مطلقاً ممنوع ہے اس میں اختلاف ہے کہ حرام ہے یا مکروہ، اور ابن المنذر نے حنفیہ کا مذہب یہ نقل کیا ہے کہ ان کے نزدیک بلا کراہت جائز ہے مگر اس پر حافظ نے تعقب کرتے ہوئے کہا کہ کتبہ حنفیہ میں تو یہ ہے کہ تلقی دو صورتوں میں مکروہ ہے، ایک یہ کہ اہل بلد کو اس سے ضرر لاحق ہوتا ہو، یا یہ کہ اس شہری کی طرف سے تلبیس سحر یا جالتے، یعنی وہ غلط بیانی سے کام لے اور اس قافلہ سے بازار کا صحیح بھاؤ نہ بتائے بلکہ اس سے کم کر کے بتائے اھ حافظ نے صحیح کہا کہ حنفیہ کے نزدیک تو تلقی مطلقاً مباح ہے اور نہ مطلقاً مکروہ ہے کما عند الجمہور بلکہ ان ہی دو صورتوں میں کراہت ہے ورنہ نہیں کما فی البذل عن الہدایۃ وابن الہمام۔

فان تلقاء متعلق مشتری فاشترک فصاحب السلعة بالخيار اذا وردت السوق۔ یعنی اگر کوئی شخص اس آنے والے قافلہ سے کوئی شے خرید لے تو شہر میں پہنچنے کے بعد صاحب سلعہ یعنی بائع کو رجوع عن البيع کا اختیار ہوتا ہے، اس اختیار رجوع کے اکثر علما قائل نہیں الا الشافعی فانہ اثبت النخیار للبائع قولاً بظاہر الحدیث قالہ الخطابی باب کی پہلی حدیث میں لا بیع بعد حکم علی بیع بعض مذکور ہے اس کے بارے میں سفیان کا کلام مصنف نقل کر رہے ہیں قال ابو داؤد! قال سفیان الخ یعنی بیع علی بیع اخیه جس کی حدیث میں مانعت ہے سفیان اسکی تفسیر کر رہے ہیں۔ بیع علی بیع اخیه کی شرح کہ دو شخص جو آپس میں خرید و فروخت کی بات کر رہے تھے تو درمیان ہی میں تیسرا شخص یہ کہے مشتری سے کہ میں اس ثمن میں یہ چیز اس سے بڑھیا تجھے دے سکتا ہوں لیکن یہ کراہت اس وقت میں ہے جب اصل بائع و مشتری کا بھاؤ کرنے کے بعد کسی مقدار ثمن پر استقرار ہو گیا ہو، اور جب تک استقرار نہ ہو بلکہ کمی زیادتی کی بات چل رہی ہو تو پھر اس کی گنجائش ہے۔ بیع علی بیع اخیه جو حدیث میں آتا ہے اس کی شرح بالتفصیل کتاب النکاح میں لا یخطب علی خطیۃ اخیه الحدیث کے ذیل میں گذر چکی ہے فاربع الیہ لوشنت۔ حدیث ابن عمر اخریہ البخاری ومسلم والنسائی وابن ماجہ مختصراً ومطولاً، وحدیث ابی ہریرۃ اخریہ مسلم والترمذی والنسائی، قال المنذری۔

### باب فی النهی عن النجش

مسئلۃ الباب کی تشریح عند الفقہاء | نجش کا مطلب یہ ہوتا ہے کسی چیز کے خریدار کے سامنے کسی شخص کا اس

لہ النجش بفتحین، دروی النجش بالکون، اصل من نجش الصید و ہوائیۃ (مغربی لفظ) من ہاشم محمد عوامر، وفی البذل قال النووی النجش بسکون النجیم ان یرید فی الثمن لا یرغبۃ بل یخدع غیرہ۔

شئی کی زائد قیمت لگا دینا جبکہ خریدنے کا ارادہ بھی نہیں ہے تاکہ وہ خریدار اس چیز کے ثمن میں اضافہ کر دے، اس حدیث میں اس کی ممانعت ہے۔ لاتاجشوا۔ کیونکہ یہ دھوکہ ہے لیکن بدائع میں یہ لکھا ہے کہ نجش کی کراہت اس صورت میں ہے جبکہ مشتری اس سامان کو مثل ثمن پر خرید رہا ہو یعنی پوری قیمت لگا کر، اور اگر وہ اس چیز کو خریدنا چاہ رہا ہو ثمن مثل سے کم پر پھر اس صورت میں کوئی شخص نجش کرے تاکہ وہ خریدار اس چیز کو ثمن مثل پر خرید لے یعنی بازار میں جو اس شئی کی قیمت ہو تو پھر یہ نجش مکروہ نہیں اگرچہ ناجش کا ارادہ خریدنے کا نہ ہو (بدل) اور امام نووی فرماتے ہیں کہ نجش بالاجماع حرام ہے اور بیع صحیح ہے اور منعقد ہو جاتی ہے اور گناہ ناجش کے ساتھ خاص ہے اگر یہ نجش بغیر علم بالغ کے ہو، اور اگر دونوں کی موافقت اور سازش سے ہو تو پھر دونوں گناہ گار ہوں گے، اور امام مالک کی ایک روایت یہ ہے نجش کی صورت میں بیع باطل ہے انہوں نے یہی کو مقتضی فساد قرار دیا ہے (عون) والحدیث اخرجه البخاری ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ مختصراً، قال المنذرى۔

### باب فی النهی ان یبیع حاضر لباد

حاضر یعنی حضری، شہری، باد بمعنی بدوی و دیہاتی۔

نہی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان یبیع حاضر لباد۔

مسئلہ الباب کی تشریح | آگے روایت میں ہے کہ شاگرد نے استاد سے پوچھا کہ اس حدیث کا کیا مطلب تو انہوں نے فرمایا مطلب یہ ہے کہ شہری کو دیہاتی کے لئے دلال نہیں بننا چاہئے دیہاتی دیہات سے جو مال شہر میں فروخت کرنے کے لئے لاتے ہیں تو چونکہ شہر میں ان کے قیام کی کوئی جگہ باقاعدہ نہیں ہوتی تو وہ اس شئی کو بصر الیوم فروخت کر کے چلے جاتے ہیں، یعنی اس چیز کا اس روز منڈی میں جو بھی بھاؤ ہوتا ہے اس سے، اور چونکہ منڈی میں اشیاء کا بھاؤ گھٹتا بڑھتا رہتا ہے اسلئے کوئی شہری اپنے واقف دیہاتی سے یہ کہے کہ تو اپنا یہ سامان میرے پاس رکھ دے جس روز منڈی کا بھاؤ مناسب ہوگا اس وقت میں اس کو تیری طرف سے فروخت کر دوں گا تو اس میں اگرچہ اس دیہاتی کا تو فائدہ ہے لیکن عام لوگوں کا نقصان ہے اسلئے شریعت نے انفرادی فائدہ پر اجتماعی فائدہ کو ترجیح دیتے ہوئے ایسا کرنے سے منع کیا ہے چنانچہ باب کی آخری حدیث میں آرا ہے لایبیع حاضر لباد و ذروا الناس یرزق الله بعضهم من بعض۔ یعنی ان دیہاتیوں کو چھوڑو اور جس طرح وہ معاملہ از خود کریں شہر والوں سے سستیا ہنگام جیسے بھی ہو کرنے دو، اللہ تعالیٰ ایک کو دوسرے سے فائدہ پہنچاتا ہے اس مسئلہ میں مذاہب ائمہ | اب یہ کہ یہ ممانعت کس صورت میں ہے جمہور کا مسلک یہ ہے کہ کراہت مطلقاً ہے بشرطیکہ وہ چیز لوگوں کی عام حاجت و ضرورت کی ہو، اور بشرط العلم بالہی، اور

حقیقہ کے نزدیک ایک تو شرط یہی ہے کہ وہ چیز ایسی ہو کہ محتاج الیہ اہل المصر اور دوسرے یہ کہ زمانہ غلاء اور گرانی کا ہو (عندنا مختص بمن الغلاء و بما محتاج الیہ اہل المصر) تیسرے سبب اس میں امام بخاری وغیرہ کا ہے کہ یہ گراہت اور نہی اس صورت میں ہے جبکہ وہ شہری یہ کام کچھ اجرت لیکر کرے (کمیشن) دالاً فلا یکرہ، اسی لئے انہوں نے باب قائم کیا ہے، صل بیع حاضر لباد بغیر اجر و صل بعینہ او بیعہ، اور پھر تعلیقاً یہ حدیث ذکر کی، وقال البیہقی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذا استصح احدکم افاه فلینصح له، و رخص فیہ عطاء، شرح نے امام بخاری کا مسلک یہی لکھا ہے کہ گراہت اجرت کی صورت میں ہے ورنہ پھر اس میں کوئی گراہت نہیں، بلکہ وہ تو باب نصیحت سے ہے، ہاں اجرت لینے کی صورت میں نصیحت نہیں بلکہ خود غرضی ہے۔ والحدیث اخرجه البخاری ومسلم والنسائی وابن ماجہ، قالہ المنذری۔

عن سالم المکی ان اعرابیا حدثہ انه قدم بعلوبہ لہ علی عهد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فنزل علی طلحة بن عبید اللہ الخ۔

یعنی ایک اعرابی نے خود اپنا واقعہ بیان کیا کہ میں اپنی ایک دودھ دینے والی اونٹنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں دیہات سے شہر میں لیکر آیا اور حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یہاں اتر (اور ان کے یہاں اترنے سے اس دیہاتی کا منشا یہ تھا کہ فوری طور پر اس اونٹنی کو منڈی میں لیجا کر فروخت کرنے کے بجائے ان کے یہاں ٹھہرا رہے اور یہ اپنی صوابدید سے جب اس کو بیچنا مفید سمجھیں بازار میں جا کر فروخت کر آئیں) مگر حضرت طلحہ اس کے لئے تیار نہ ہوئے اور فرمایا کہ دیکھ بھائی! حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بیع الحاضر للمبادی سے منع فرمایا ہے لہذا تو خود بازار اس کو لیکر جا پھر جسکے ہاتھ بیچنے کی تیری رائے ہو مجھ سے اگر مشورہ کرے، اس سے زائد میں نہیں کر سکتا۔

و حدیث جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آخر احادیث الباب اخرجه مسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ، قالہ المنذری۔

## باب من اشترى مصراً فکرها

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال .... ولا تصروا

الابل والغنم فمن ابتاعها بعد ذلك فهو بخير النظرين بعد ان يحطبها فان رضىها امسكها وان سخطها

ردھا وصاع من تمر اور اس کے بعد والے طریق میں یہ ہے فهو بالخيار ثلاثۃ ايام اور آگے ہے ردھا

وصاع من طعام لاسمراء اور اس کے بعد والی حدیث ابن عمر میں ہے فان ردھا ردھا معها مثل او مثل لبنيها فمحقا

حدیث المصراۃ کی شرح اور اس پر کلام من حیث الفقہ

اس باب میں ایک مشہور اور اہم اختلافی مسئلہ مذکور ہے مسئلہ بیع المصراۃ، مصراۃ اسم مفعول کا صیغہ ہے لغریک

جنس کے لغوی معنی جس کے ہیں (روکنا) اور عرف میں کہتے ہیں جس اللبن فی الفرع کو، جس کی شرح یہ ہے کہ بعض لوگ جب کسی دودھ والے جانور کو فروخت کرنا چاہتے ہیں تو وہ یہ حرکت کرتے ہیں کہ ارادۃ بیع سے ایک دو دن پہلے اس کا دودھ دو سنا بند کر دیتے ہیں تاکہ دودھ اس کے تھنوں میں جمع ہو جائے اور پھر جب بوقت بیع مشتری کے سامنے اس کا دودھ نکال کر دکھاتے ہیں تو وہ مشتری سمجھتا ہے کہ یہ جانور بہت دودھ والا ہے اور اس کو یہی سمجھ کر خرید لیتا ہے پھر جب گھر لاکر اس کو باندھ دیتا ہے تو ایک آدھ روز کے بعد اس کے دودھ میں کمی آتی ہے تو وہ پریشان ہوتا ہے اور اس کو بائع کی دھوکہ دہی کا علم ہو جاتا ہے، ایسے جانور کو عرف میں مصراۃ کہتے ہیں، اب یہ کہ اس قسم کے معاملہ میں کوئی شخص مبتلا ہو جائے تو اس کا حل اور حکم کیا ہے حیث الباب میں یہ ہے کہ ایسی صورت میں اس کو دونوں اختیار ہیں اس جانور کو اس کی موجودہ حالت میں رکھنا چاہے تو رکھ لے، اور واپس کرنا چاہے تو واپس کر دے، اور ایک روایت میں اس میں تین دن کی بھی قید ہے کہ تین دن کے اندر اندر واپس کر سکتا ہے اس کے بعد نہیں، نیز یہ بھی ہے کہ جب اس مصراۃ کو واپس کرے تو اس کے ساتھ ایک صاع تمر کا بھی واپس کرے۔

**مذاہب ائمہ** | اس حدیث پر ائمہ ثلاث اور امام ابو یوسف کا عمل ہے یہ حضرات تصریہ کو عیب قرار دیتے ہیں اور عیب کی صورت میں چونکہ خیار رد ہوتا ہی ہے اس لئے یہاں بھی رد کا اختیار مانتے ہیں طرفین یعنی امام ابو حنیفہ و محمد رحمہما اللہ تعالیٰ، و فی روایت لما لک ایضاً۔ تصریہ عیب نہیں ہے کیونکہ اس کا تعلق ذات بیع سے نہیں ہے بلکہ وصف بیع سے، لہذا تصریہ کی وجہ سے خیار رد نہیں حاصل ہوگا، نیز خیار عیب تین دن کے ساتھ مقید نہیں ہوا کرتا مطلقاً ہوتا ہے اور یہاں حدیث میں تین دن کے ساتھ مقید ہے کہ تین دن کے اندر رد کر سکتا ہو بعد میں نہیں، بہر حال حنفیہ نے اس حدیث پر عمل نہیں کیا۔

**حدیث المصراۃ مخالف اصول ہے ثمانیۃ اوجہ** | علامہ عینی فرماتے ہیں واقوی الوجہ فی ترک العمل بہا خالفہا عمل نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ حدیث اصول اور قواعد کلیہ کے خلاف ہے آٹھ حیثیت سے، پھر انہوں نے ان وجوہ ثمانیہ کو بالتفصیل بیان کیا، علامہ عینی کا یہ پورا کلام بذل المجہود میں مذکور ہے، من جملہ ان وجوہ کے یہ ہے کہ اس حدیث میں صاع من تمر دینے کا جو حکم ہے تو ظاہر یہ ہے کہ یہ اس دودھ کا عوض ہے جو مشتری نے اپنے یہاں لاکر نکالا ہے، یعنی اس کا ضمان ہے، لیکن ضمان میں تو مماثلت ضروری ہے لقولہ تعالیٰ۔ وان عاقبتہم فعاقبوا بمثل ما عوقبتہم بہ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ضمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ بالمثل ہو، اور مثل کی دو قسمیں ہیں، مثل صوری جو زوات الامثال ہی میں ہو سکتا ہے (اور لبن بھی ذوات الامثال ہی میں سے ہے) دوسرا مثل مثل معنوی ہے یعنی قیمت جو زوات القیم میں ہوتا ہے جیسے حیوانات وغیرہ، اور صاع تمر تو نہ مثل صوری ہے نہ مثل معنوی، نیز یہاں پر

رد صاع جو بطور رمضان کے ہے وہ ہونا ہی نہیں چاہیے اسلئے کہ قاعدہ منصوصہ یہ ہے الغرم بالغنم، الخراج بالزمان، یعنی نفع اسی کا ہوتا ہے جس پر زمان واجب ہو، اور یہاں یہ حیوان یعنی مصراۃ ضمان مشتری میں تھا کہ اس دوران اگر وہ جانور ہلاک ہو جائے تو ظاہر ہے کہ اس کا ضمان مشتری ہوگا لہذا اس صورت میں اس جانور کا جو نفع و ثمرہ ہے یعنی دودھ وہ بھی مشتری کیلئے ہونا چاہیئے پھر ضمان اس پر کیوں واجب ہو، اس حدیث میں ہے ردھا و صاعا من ستم ظاہر حدیث کا تقاضہ یہ ہے کہ صاع ثمرہ مصراۃ کے مقابلہ میں ہے خواہ وہ ایک ہو یا ایک سے زائد، لیکن اکثر وہ حضرات جو حدیث مصراۃ پر عمل کے قائل ہیں ان کا مسلک یہ ہے کہ ہر ایک بکری یا جو بھی جانور ہو مصراۃ اس کے بدلہ میں ایک ایک صاع ہوگا، مصراۃ کے عدد کے مطابق، لیکن بعض شافعیہ جیسے ابوالحسن مادر دی ان کے نزدیک یہ حکم مطلق مصراۃ کا ہے ایک ہو یا اس سے زائد، من شاة و کذا من الف شاة، اس حدیث میں ہے "صاعا من طعام لاسمراء"، جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ صاع گیہوں کا نہ ہونا چاہیئے اس کے علاوہ کسی اور کھانے کی چیز کا ہو، علامہ شوکانی لکھتے ہیں۔ وینبغي ان يحمل الطعام على التمر المذكور في اکثر الروایات، پھر آگے وہ لکھتے ہیں چونکہ لفظ طعام کے متبادر معنی گیہوں کے تھے اس لئے راوی نے اس کی نفی کر دی بقولہ "لا سمراء"، لیکن اس کے بعد والی روایت میں جو آ رہا ہے رد معهما مثل او مثلی لیسنا قمتحنا، ان دونوں میں تعارض ظاہر ہے کہ پہلی حدیث میں گیہوں کی نفی تھی اور اس میں اثبات، قلت اجاب عن الحافظ بان اسناد هذا الحديث ضعيف، قال وقال ابن قدامة انه متروك الظاهر بالاتفاق، قال المنذري، واخرجه ابن ماجه، وقال الخطابي وليس اسناده بذاك اه من الحون، معلوم ہوا کہ یہ دوسری روایت ابوداؤد کے علاوہ صرف ابن ماجہ کی ہے، اور وہ روایت جس میں "لا سمراء" وارد ہوا ہے وہ صحیح مسلم کی روایت ہے۔

اہل اصول نے لکھا ہے کہ یہ حدیث المصراۃ خبر واحد ہے اور خبر واحد پر عمل کی شرط یہ ہے کہ وہ خلاف اصول نہ ہو، اور حدیث المصراۃ خلاف اصول ہے گو سند ثابت اور صحیح ہے، اسلئے کہ یہ حدیث صحیحین بلکہ صحاح ستہ کی روایت ہے اور حضرت اقدس گنگوہی کے افادات درسیہ میں جس کو ہمارے حضرت شیخ کے والد بزرگوار مولانا محمد یحییٰ کاندھلوی نور اللہ مرقدہ نے قلم بند کیا ہے، اور جس کو حضرت مہار پوری نے یہاں بذل الجہود میں نقل فرمایا ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ یہ روایات حنفیہ کے نزدیک اپنے موارد کے ساتھ خاص ہیں، قواعد کلیہ اور دوسرے نصوص کے خلاف ہونے کی وجہ سے، اور کلمہ "من" جو ان روایات میں ہے اس کے لئے عموم جنسی یا نوعی لازم نہیں، بسا اوقات یہ لفظ قضیہ شخصہ میں مستعمل ہوتا ہے اس لئے کہ اپنے مقام پر یہ بات ثابت ہے کہ اسم موصول بسا اوقات عہد کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے جیسا کہ عموم کے لئے استعمال ہوتا ہے، اور امام شافعی اگرچہ اس بات کے مقرر ہیں کہ یہ روایات مخالف کلیات ہیں لیکن ان کی رائے یہ ہے کہ یہ روایات عام ہیں اپنے مورد کے ساتھ مختص نہیں بلکہ

## باب فی النہی عن الحکرۃ

عکرة اور عکرۃ اور احتکاران سب کے معنی لغوی جمع اور امساک کے ہیں کسی چیز کو روک کر رکھنا۔  
**احتکار کی حقیقت و تعریف** | احتکار جس کی حدیث کے اندر ممانعت ہے اس کی تعریف امام نووی نے یہ لکھی ہے کہ غلہ کو غلار اور گرانی کے زمانہ میں تجارت کی نیت سے خرید کر رکھ لینا اور فی الحال اس کی بیع نہ کرنا خرید گرانی کے انتظار میں تاکہ پیسے زیادہ حاصل ہوں، اور ممانعت اس صورت میں ہے جبکہ اس غلہ کو اپنے ہی شہر سے خرید کر روک لے، اور اگر کسی اور جگہ سے خرید کر لایا ہے، یا سستے کے زمانہ میں خرید کر رکھ لیا ہو اور پھر اس کو روک لے گرانی کے زمانہ میں فروخت کرنے کے لئے، اس میں کچھ حرج نہیں ہے یہ احتکار ممنوع نہیں ہے، اور بدائع میں لکھا ہے کہ احتکار یہ ہے کہ اپنے شہر سے غلہ خرید کر رکھ لینا اور اس کو فروخت نہ کرنا جبکہ اہل شہر کو ایسا کرنے سے نقصان پہنچ رہا ہو اور اگر بڑا شہر ہو جہاں ایسا کرنے سے لوگوں کو نقصان نہ پہنچتا ہو تو یہ احتکار ممنوع نہیں ہے، ایسے ہی اگر کسی دور دراز علاقہ سے غلہ خرید کر اپنے شہر میں لا کر اس کو روک لے تب بھی احتکار نہ ہوگا، ہاں اگر شہر کے قریب کسی بستی سے لا کر جس کا غلہ اس شہر میں آتا ہو روک کر رکھے اور شہر بھی صغیر ہو تب محکم ہوگا۔ یہ تو احتکار ممنوع کی تعریف ہوئی۔

**احتکار کن کن چیزوں میں منع ہے** | دوسرا مسئلہ یہاں پر یہ ہے کہ احتکار کن کن چیزوں میں ممنوع ہے مسئلہ مشہور اختلافی ہے، امام شافعی و احمد کے نزدیک مافیہ عیش الناس و اوقات البشر یعنی جس چیز پر آدمی کی زندگی کا دار ہو جس کو عام طور سے لوگ کھا کر زندگی بسر کرتے ہوں، اور طرین (امام ابو حنیفہ و محمد) کے نزدیک مافیہ عیش الناس و عیش البہائم، یعنی انسانوں اور جانوروں دونوں کی غذا اور خوراک میں، اور امام مالک کے نزدیک فی کل شئی غیر الفواکہ، اور امام ابو یوسف کے نزدیک فی کل ما تغم الحاجۃ الیہ، یعنی تمام وہ چیزیں جو عام حاجت اور ضرورت کی ہوں۔

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم لا یحتکر الا خا طی فقلت لسعید فانک تحتکر قال ومعہ کان یحتکر سعید بن المسیب کے شاگرد نے ان سے کہا کہ آپ نہیں عن الاحتکار کی حدیث بیان کر رہے ہیں اور آپ خود احتکار کرتے ہیں، انہوں نے جواب دیا کہ میرے استاد عمر بھی احتکار کیا کرتے تھے۔

ان کا مطلب یہ تھا کہ احتکار ہر چیز میں نہیں ہوتا، امام ابو داؤد کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد سے دریافت کیا کہ احتکار کیا چیز ہے تو انہوں نے جواب دیا مافیہ عیش الناس آگے مصنف امام اوزاعی سے نقل کر رہے ہیں المحتکر من یعترض السوق یعنی محتکر وہ شخص ہے جو اپنے شہر ہی کے بازار میں سے غلہ خرید کر رکھ لے

اور اگر کوئی شخص اس قسم کی چیزیں باہر سے لا کر اپنے شہر میں روکے وہ احتکار نہیں۔

قال ابن المثنی قال عن الحسن فقلنا له لا تقل عن الحسن، مصنف کے اس حدیث میں دو اسناد ہیں محمد بن یحییٰ اور محمد بن المثنی، اور ان دونوں کے استاد یحییٰ بن فیاض ہیں، اس کے بعد سند اس طرح ہے عن ہمام عن قتادہ، تو مصنف یہ کہہ رہے ہیں کہ میرے استاد محمد بن المثنی نے اس سند میں عن قتادہ کے بعد عن الحسن بھی زیادہ کیا، تو ہم نے ان سے کہا کہ عن الحسن مت کہو، غالباً یہ اس لئے کہ یس فی التبرحکرة قتادہ ہی کا قول ہے حسن اس کے قائل تھے ہی نہیں۔

قال ابو داؤد: وكان سعيد بن المسيب يحتكر الزبدي والخبط والبذر، امام ابو داؤد یہاں سے بعض علماء کے مذاہب نقل کر رہے اس بارے میں کہ احتکار کن کن چیزوں میں ممنوع ہے اور کن کن میں نہیں چنانچہ فرماتے ہیں کہ سعید بن المسيب درختوں کے پتوں اور کھجور کی گٹھلی اور دوسری قسم کے بیج کا احتکار کرتے تھے یعنی ان کے نزدیک اس میں احتکار ممنوع نہ تھا۔

آگے روایت میں ہے سألت سفیان عن كبس القث، یعنی سفیان ثوری سے جانوروں کے چارے کے احتکار کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا كانوا يكرهون الحكرة جس کا غالباً مطلب یہ ہے کہ ہاں علماء اس کے اندر بھی احتکار کو ناجائز سمجھتے ہیں، اور اس جملہ میں یہ بھی احتمال ہے کہ انہوں نے كبس القث کا حکم بیان کرنے سے گریز کیا ہو بوجہ علم یقینی نہ ہونے کے اسلئے مطلقاً فرما دیا کہ علماء احتکار کو مکروہ جانتے ہیں، مجمل سی بات فرمادی وسألت ابا بكر بن عياش یعنی ابو بكر بن عياش سے بھی اس کا سوال کیا یعنی كبس القث کا تو انہوں نے اس کا یہ جواب دیا کہ ہاں اس کو روک سکتے ہو۔

## باب فی کسر الدراہم

نہی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان تکس سکة المسلمين الجائزة بينهم الا من بائس  
**شرح الحدیث** | یعنی آپ نے جو سکہ مسلمانوں کے درمیان رائج ہو اس کے توڑنے پھوڑنے سے منع کیا ہے مگر کسی ضرورت اور مجبوری سے، اس منع کی علت میں مختلف قول ہیں کہا گیا ہے کہ چونکہ سکہ میں بسا اوقات اللہ تعالیٰ کا نام لکھا ہوتا ہے حروف ہوتے ہیں، اس میں اس کی بے ادبی ہے، اور کہا گیا ہے کہ اس میں اضاعت مال ہے کیونکہ سکہ کی قیمت زائد ہوتی ہے مطلق سونے چاندی سے، اور کہا گیا ہے کہ کسر سے مراد توڑنا نہیں بلکہ دراہم اور دنانیر کے کناروں کو باریک باریک چھیلنا مراد ہے جس صورت میں کہ دراہم و دنانیر کے ساتھ معاملہ عدا ہو تو بعض لوگ ان کے کنارے اس طرح چھیل کر ان کا وزن کم کر دیتے تھے چوری

اور دھوکہ سے اس سے منع کیا گیا ہے۔ والحدیث اخرجه ابن ماجہ، قال المنذری۔

## باب فی التسعیر

تسعیر سے ماخوذ ہے، یعنی اشیا کی قیمت اور نرخ متعین کرنا۔

ان رجلا جاء فقال يا رسول الله سَعَرَ، فقال: بَلْ أَدْعُو۔

شرح الی بیث و مذاہب الائمہ فی مسئلۃ الباب | ایک شخص آپ کی خدمت میں آیا اور عرض کیا یا رسول اللہ! نرخ متعین کر دیجیے، بظاہر غلہ کا یا جو چیز اس کے قائم مقام ہو تو آپ نے فرمایا تسعیر نہیں کرتا بلکہ دعا کرتا ہوں، پھر ایک اور شخص بھی آیا اس نے بھی یہی درخواست کی تو آپ نے فرمایا تسعیر سے کہاں گرائی ختم ہوتی ہے بلکہ (اشیا کے نرخ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں ان کو وہی گراتا اور بڑھاتا ہے، اور میں امید کرتا ہوں اس بات کی (یعنی میری کوشش یہ ہے کہ) میں اللہ تعالیٰ سے ملاقات کروں اس حال میں کہ کسی کا حق مجھ پر نہ ہو مظلّم کہتے ہیں کسی کے اس حق کو جو دبا لیا جائے ادا نہ کیا جائے، اس میں اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ حاکم وقت کا تسعیر لوگوں اور تاجروں کے حق میں ظلم ہے، ہدایہ میں لکھا ہے کہ قاضی یا حاکم کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ تسعیر کرے الا یہ کہ ارباب طعام حد سے تجاوز کرنے لگیں تو پھر کچھ حرج نہیں، اسی طرح در مختار میں ہے اور اس میں یہ بھی ہے کہ امام مالک یہ فرماتے ہیں کہ دالی کو چاہیے کہ گرائی کے زمانہ میں تسعیر کر دے اھ۔ من ہامش البذل۔

## باب فی النہی عن الغش

ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہر بوجہ بیع طعاما فسالہ کیف یبیع انہ۔

یعنی آپ کا گذر ایسے شخص پر ہوا جو غلہ لئے بیٹھا تھا بیع و تجارت کے لئے تو آپ نے اس سے بیع کے بارے میں سوال فرمایا غالباً سمجھا و معلوم کیا اس نے بتلادیا، اسی وقت آپ پر وحی آئی کہ اس غلہ کی ڈھیر میں ہاتھ داخل کیجئے، آپ نے اس میں ہاتھ داخل کیا تو اس ڈھیر کے اندر کا حصّہ تر نکلا، اس پر آپ نے فرمایا لیس منامن غش۔

کان سفیان یکرہ ہذا التفسیر، لیس منامن، یعنی سفیان ثوری علماء جو اس حدیث کی تاویل کرتے ہیں اور اس کے جو معنی مرادی بیان کرتے ہیں وہ اس تاویل کو پسند نہ کرتے تھے اس لئے کہ لوگوں کے سامنے تاویل بیان کرنے کی صورت میں اس سے متکلم کی غرض فوت ہوتی ہے، یعنی تحریف اور تویض، تاویل اصولاً تو ضروری ہے اہل سنت و جماعت کے مسلک کے پیش نظر لیکن عام لوگوں کے سامنے اس کے اظہار کو وہ پسند نہیں کرتے تھے اور تاویل اس لئے ضروری ہے کہ ظاہر حدیث سے یہ معلوم ہو رہا ہے کہ جو شخص مسلمانوں کو دھوکہ دے



وہ جماعت مسلمین ہی سے خارج ہے حالانکہ غش کی وجہ سے اسلام سے تو خارج ہوتا نہیں، اور تاویل جو کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ جو مسلمان دوسروں کو دھوکہ دے وہ ہمارے طریق پر نہیں ہے، اور ہماری سیرت پر نہیں ہے۔  
والحدیث آخر جہ مسلم والترندی والنسائی وابن ماجہ بخوہ، قالہ المنذری۔

## باب فی خیار المتبایعین

بیع کے اندر جو خیار ہوتا ہے اس کی چند قسمیں ہیں جیسا کہ آپ نے ہدایہ ثالث میں پڑھا ہے خیار بشرط، خیار عیب، خیار رویت وغیرہ، ایک قسم خیار کی اور ہے جس کو مصنف یہاں بیان کر رہے یعنی خیار مجلس جس کے شافعیہ و حنابلہ قائل ہیں، حنفیہ

اور مالکیہ قائل نہیں، اور خیار مجلس کا مطلب جس کے شافعیہ قائل ہیں یہ ہے کہ بائع مشتری کے درمیان ایجاب و قبول ہو جانے کے بعد جب تک متعاقدین مجلس عقد میں موجود ہیں تو ان میں سے ہر ایک کو بائع ہو یا مشتری بیع کو باقی رکھنے اور فسخ کرنے کا اختیار رہتا ہے اور مجلس ختم ہونے کے بعد باقی نہیں رہتا، گویا ان کے یہاں ایجاب و قبول سے بیع تام تو ہو جاتی ہے، لیکن لازم نہیں ہوتی، اور ان حضرات کا استدلال حدیث الباب سے ہے،

المتبایعان کل واحد منهما بالخيار على صاحبه ما لم يفتقرا لابیع الخيار یعنی بائع مشتری میں سے ہر ایک کو اختیار حاصل ہوتا ہے اپنے ساتھی پر یعنی بیع کو باقی رکھنے اور نہ رکھنے کا جب تک کہ وہ دونوں جدا نہ ہوں۔

الابیع الخيار اس استثناء کی تشریح ہم بعد میں کریں گے، اس حدیث میں افتراق سے مراد شافعیہ کے نزدیک مجلس سے جدا ہونا ہے یعنی تفرق بالابدان، اور حنفیہ و مالکیہ جو خیار مجلس کے قائل نہیں ان کے نزدیک افتراق سے افتراق بالبدن نہیں بلکہ افتراق بالقول مراد ہے اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ متعاقدین میں سے ہر ایک کو اپنے قول سے رجوع کرنے کا اختیار رہتا ہے جب تک کہ دونوں اپنی بات کہہ کر فارغ نہ ہوں، دراصل ایجاب کہتے ہیں

اول کلام صدر عن احد المتعاقدين کو خواہ وہ مشتری ہو یا بائع ہو، لہذا مطلب یہ ہوا کہ بائع و مشتری میں سے جو بھی پہلے بولے اور ایجاب کرے تو ثانی کے قبول کرنے سے پہلے اس صاحب ایجاب کو اختیار ہے اس بات کا کہ وہ

اپنے اس قول سے رجوع کر لے، اور بیع کی بات ہی کو ختم کر دے اگر حدیث کا مطلب یہی لیا جائے تو پھر بات بالکل صاف اور واضح ہے یعنی یہ معقول بات ہے کہ احد المتعاقدين کو اختیار ہے اس کا کہ وہ اپنے کلام کے تلفظ

کے بعد فوراً اس کو کالعدم کر دے، یہ تو ہوا عدم تفرق، اور حدیث میں ہے تفرق کے بعد اختیار نہیں رہتا یعنی دونوں جب اپنے کلام سے فارغ ہو جائیں اور ایجاب کے بعد قبول بھی ہو جائے تو اب ان کے لئے اختیار

باقی نہیں رہتا بلکہ ایجاب و قبول کے بعد بیع محقق اور لازم ہو گئی اور عقد مضبوط ہو گیا، ظاہر بات ہے کہ اگر حدیث

کا یہ مطلب لیا جائے جیسا کہ حنفیہ نے لیا تو پھر اس صورت میں اختیار مجلس کوئی چیز نہیں بلکہ اختیار مجلس کی تو اس سے اور نفی ہو رہی ہے، اور اگر کوئی یہ کہے کہ تفرق کے متبادر اور ظاہری معنی تفرق بالبدن یعنی مجلس سے اٹھ جانا ہی ہے اور یہ تفرق بالقول جس کو آپ اختیار کر رہے ہیں اس کی کوئی نظیر بتائیے تو اس کا جواب یہ ہے کہ آیت کریمہ: «وَأَنْ يَتَفَرَّقَ» یعنی اللہ کلام من سعته، اس میں بھی تو تفرق سے تفرق بالقول ہی مراد ہے، اس لئے کہ طلاق میں تو تفرق بالقول ہی ہوتا ہے، نیز حنفیہ کی بعض تائیدات آگے بھی آرہی ہیں۔

اس حدیث میں یہ تھا الابیح الخیار جس کے بارے میں ہم نے کہا تھا کہ اس کی شرح اخیر میں لکھیں گے، اس استثناء کی شرح میں امام نووی نے علماء کے تین قول لکھے ہیں اول یہ کہ اس سے مراد تنجاری فی المجلس ہے اور امضار البیع یعنی ایجاب قبول کے بعد تا قیام مجلس متبایعین کو بیع کے باقی رکھنے نہ رکھنے کا اختیار رہتا ہے لیکن تنجاری کی صورت میں باوجود قیام مجلس کے خیار باقی نہیں رہتا، یعنی اگر مجلس کے اندر ایجاب و قبول کے بعد آپس میں بیع کو اختیار کر لیں ہر ایک دوسرے سے کہے کہ ہاں میں نے یہ چیز لے لی، دوسرا کہے ہاں میں نے فروخت کر دی تو اب بیع لازم ہو جاتی ہے خیار مجلس باقی نہیں رہتا، اب اس کو فسخ نہیں کر سکتے، اس سے مراد بیع بشرط اختیار ہے یعنی الابیح بشرط فیہ خیار الشرط یعنی اگر بیع کے وقت خیار شرط پایا جائے تین دن یا اس سے کم کے لئے تو اس صورت میں افتراق کے باوجود خیار فسخ باقی رہتا ہے مدۃ مشروطہ تک۔ تیسرے معنی یہ کہ متبایعین کیلئے جب تک ان کا افتراق نہ ہو ان کے لئے خیار باقی رہتا ہے مگر یہ کہ عدم خیار کی شرط لگائی جائے تو پھر اس صورت میں باوجود عدم تفرق کے خیار مجلس حاصل نہیں ہوتا، اس تیسرے معنی کے بارے میں وہ فرماتے ہیں وهذا تاویل من بیع البیع علی نذالوجہ، والاصح عند اصحابنا بطلانہ بهذا الشرط، یعنی یہ تیسرے معنی اس جملہ کے ان لوگوں کے نزدیک ہیں جو اس طرح بیع کو جائز سمجھتے ہیں، ورنہ شافعیہ کا اصح قول تو یہ ہے کہ اس طرح کی بیع صحیح ہی نہیں ہے یعنی جس میں خیار مجلس نہ ہونے کی شرط لگائی جا رہی ہو اھ (بذل) والحدیث اخرجه بخاری ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ، قالہ المنذری۔

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بمعناہ قال: او یقول  
احدہما لصاحبہ اختار یعنی اس روایت میں بجائے الابیح الخیار کے یہ دوسرے الفاظ ہیں میں کہتا ہوں یہ جو دوسرے الفاظ ہیں یہ وہی معنی اول ہے ان معانی ثلاثہ میں سے جو اوپر الابیح الخیار کی شرح میں گذرے، اور امام نووی نے اسی معنی اول کو اصح الاقوال کہا ہے، اور اس کے بعد والی روایت میں اس طرح ہے مالم یفترقا الا ان تکنون صفقتہ خیاریہ بظاہر۔ ان معانی ثلاثہ میں سے معنی ثانی ہے۔

ولا یحل لہ ان یمارق صاحبہ خشیۃ ان یمستقلہ۔

حدیث سے مسلک حنفیہ کی تائید | یہ عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی روایت ہے جو ابوداؤد ترمذی

اور نسائی میں ہے، اس میں جو آخری جملہ ہے، ولا یحل لہ ان یفارق ۱۰ یہ جملہ خیار مجلس کے منافی ہے جس کے شافعیہ وغیرہ قائل ہیں، اسلئے کہ استقالہ کے معنی طلب اقالہ کے ہیں اور اقالہ لزوم بیع کے بعد ہی ہوتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ خیار مجلس کوئی چیز نہیں، اسلئے کہ اگر خیار مجلس متبایعین کو حاصل ہوا کرتا تو پھر اس صورت میں متبایعین میں سے ہر ایک کو بیع کا اختیار حاصل ہوتا، طلب اقالہ کی ضرورت ہی نہ ہوتی اب اس صورت میں اس پوری حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ متبایعین کیلئے ایجاب و قبول کے بعد یہ مناسب نہیں ہے کہ مجلس سے جلدی سے اٹھ کھڑا ہو کر چلا جائے اس اندیشہ سے کہ کہیں دوسرا اس بیع کو فسخ کر نیکی فرمائش نہ کر دے بلکہ نصیحت اور خیر خواہی کا اظہار یہ ہے کہ ایسی بات نہ سوچے۔

حضرت سہارنپوری نے حکیم بن حزام کی جو حدیث آگے آرہی ہے اس کی شرح میں اس مسئلہ میں مذہب حنفی کی ترجیح میں مختصر اور جامع کلام فرمایا ہے جس کے اخیر میں یہ ہے ویؤید الحنفیۃ مارواہ البخاری عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اشتری من عمر بکر اصعبا فوہیہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم لابن عمر بعد الشراء قبل ان یتفرقا، فلو لم یکن التفرق صلا لا قبل التفرق ولم یم یتم البیع کیف وہیب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم البکر لابن عمر فثبت بذلک ان التفرق فی المبیع بعد العقد ان لم یم یمخر احدہما الاخر جائزاً رواہ و حدیث عمر بن شعیب عن امیہ عن جدہ اخرجہ الترمذی والنسائی، قال المنذری۔

عن ابی الوضئی قال غزوہ غزوۃ لنا فنزلنا منزلاً فباع صاحب لنا فرسا بخلام ثم اتانا ما بقیۃ یومہما ولیتہما الذن۔

**مضمون حدیث** مضمون روایت یہ ہے کہ ہم لوگ ایک غزوہ کے سفر میں تھے (عرف الشذی میں بحوالہ یہ بھی لکھا ہے کہ یہ واقعہ کشتی کے سفر میں پیش آیا تھا، کذا فی ہامش البذل) راستہ میں ایک جگہ اترے تو ہمارے ایک ساتھی نے اپنا گھوڑا ایک دوسرے ساتھی کے ہاتھ ایک غلام کے عوض میں فروخت کر دیا اور اس واقعہ پر دن — کا باقی حصہ اور پوری رات گزر گئی، پھر اگلے دن صبح کے وقت اس منزل سے کوچ کا وقت آیا تو اس گھوڑے کا خریدار اپنے گھوڑے کے پاس جا کر اس پر زین باندھنے لگا سواں ہونے کے لئے، اس موقع پر وہ بیچنے والا اپنی اس بیع پر نادم ہوا اور اس مشتری کے پاس گیا اور اس بیع کو فسخ کر کے اپنا گھوڑا لینا چاہا، مشتری نے واپس کرنے سے انکار کیا، بالبع نے کہا کہ اس معاملہ میں میرے اور تمہارے درمیان ابوہریرہ صحابی قاضی اور فیصل ہیں، چنانچہ یہ دونوں ان کی خدمت میں گئے اور ان دونوں نے اپنی اس بیع کا قصہ بیان کیا، انہوں نے فرمایا کہ کیا

۱۰ کہ جو کہ اقالہ کا مطلب قویہ ہوتا ہے یا اور مشتری میں سے کوئی سا ایک دوسرے سے معاملہ کو فسخ کرنے کی درخواست کرے ۱۲

تم اس پر راضی ہو کہ میں تمہارے اس مسئلہ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم والا فیصلہ نافذ کروں، اور پھر یہ حدیث سنائی، البیعان بالخیار الم یفرقا، اور یہ بھی فرمایا ما أُرکما افرقا، کہ میری رائے یہ ہے کہ تم دونوں کا اس بیع کے بعد ابھی تک افراق نہیں ہوا (لہذا خیار مجلس باقی ہے جس کی وجہ سے نسخ بیع کا ہر ایک کو اختیار ہے) یہ ان صحابی کا اپنا اجتہاد تھا انہوں نے افراق کے مفہوم میں بڑی وسعت پیدا کر دی اور گویا ایک شکر اور ایک سفر کے معاملہ کو مجلس واحد کا معاملہ قرار دے دیا، اس کا تو کوئی بھی قائل نہیں۔ (بذل)

والحدیث اخرہ ابن ماجہ ورجال اسنادہ ثقات، قال المنذری۔

کان ابوہریرۃ اذا باع رجلا خیرہ۔ قال۔ ثم یقول خیرنی۔ یعنی البوزرعہ کا یہ معمول تھا کہ جب کسی شخص کے ساتھ وہ بیع کا معاملہ کرتے تو ایجاب و قبول کے بعد اپنے ساتھی کو مجلس عقد میں اختیار دیتے، یعنی اس سے کہتے کہ اگر تو اس معاملہ پر راضی ہو تو باقی رکھ ورنہ نسخ کر دے، اور پھر اس ساتھی سے یہ کہتے کہ اسی طرح تو بھی مجھے اختیار دیدے (تاکہ جانیں سے اچھی طرح تراضی ہو جائے) اور پھر اس کو یہ حدیث سناتے، "لا یفرقن اثنان الا عن تراض" کہ بائع مشتری کوئی معاملہ کرنے کے بعد بغیر اظہار رضا مندی کے ایک دوسرے سے جدا نہیں ہونا چاہیئے۔

والحدیث اخرہ الترمذی ولم یدکر قصۃ ابی زرعہ۔ قال المنذری

## باب فی فضل الاقالۃ

اقالۃ بمعنی نسخ، باب افعال سے، اور مجرد میں بیع سے، قال یقال، نفی القاموس، وقیلۃ البیع بالکسر وقلۃ فسوۃ، واستقالۃ طلب الیہ ان یتقبلہ (بذل)

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم من اقال مسلما اقال اللہ عثرۃ، یعنی آپ نے فرمایا کہ جو شخص تمام بیع کے بعد اپنے ساتھی سے اقالہ کر لے یعنی قبول کر لے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی لغزشوں کو معاف فرمادیں گے، اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ دو شخصوں نے آپس میں بیع وشرار کا معاملہ کیا، معاملہ کی تکمیل کے بعد کسی ایک کو اس پر ندامت ہوئی نیچکر یا خرید کر بچھتا یا اور اپنے ساتھی سے کہنے لگا کہ اگر تو اس معاملہ کو نسخ کر دے تو مہربانی ہوگی، دوسرے نے اس کی اس درخواست کو قبول کر لیا، اس حدیث میں اقالہ قبول کرنے والے کے لئے اس کی لغزشوں کی معافی کی بشارت ہے۔

دیکھئے بیع وشرار کوئی عبادت تو نہیں ہے ایک مباح کام ہے جس کو آدمی اپنی ضرورت کے لئے اختیار

کرتا ہے، لیکن اگر کوئی شخص شریعت پر چلے اور حدیثوں کو سامنے رکھے تو مباحات بھی اس کی مغفرت کا ذریعہ بن سکتے ہیں، عبادات کا تو کہنا ہی کیا ہے، واللہ تعالیٰ الموفق۔ والحدیث اخرہ ابن ماجہ قالہ المنذری۔

## باب فیمن باع بیعتین فی بیعة

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم من باع

بیعتین فی بیعة فله او کسهما او الیاء۔

حدیث الباب اور اس مقام کی کامل تشریح یہ حدیث ترمذی میں بھی ہے لیکن اس میں اس طرح ہے،  
یہی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عن بیعتین فی بیعة۔

قال ابو عیسیٰ حدیث ابی ہریرۃ حدیث حسن صحیح، اس پر تحفۃ الاحوذی میں لکھا ہے قال الحافظ فی بلوغ المرام رواہ احمد والنسائی وصحہ الترمذی وابن حبان، ولابی داؤد: من باع بیعتین فی بیعة فله او کسهما او البیاء انتہی، آپ نے دیکھا کہ ابو داؤد کی روایت میں اس حدیث میں ایک زیادتی ہے جو دوسری کتب حدیث میں نہیں ہے اس زیادتی پر کلام اور اسکی شرح ہم آگے کریں گے، کیونکہ اس زیادتی کی وجہ سے معاملہ مشکل ہو گیا، پہلے اصل اور مشہور حدیث کا مطلب سمجھ لیا جائے، چنانچہ امام ترمذی فرماتے ہیں: واعلم علی ہذا عند اهل العلم اور پھر انہوں نے اس حدیث کی شرح میں دو صورتیں اور مثالیں لکھی ہیں اول یہ کہ ایک بیع میں دو بیع جس کی ممانعت کی جا رہی ہے اس کی شکل یہ ہے کہ کوئی شخص یوں کہے خریدار سے کہ میں یہ کپڑا تجھ کو نقد تو دس درہم میں دیتا ہوں اور اگر تو سیرت لے تو بیس درہم میں دیتا ہوں اب یہ ایک بیع کے اندر دو بیع ہو گئیں ایک دس درہم والی اور ایک بیس درہم والی، تو اب اگر قبل التفرق قبل العین ان دو میں سے کسی ایک کی تعیین کر لیں اور تعیین کے بعد جدا ہوں تب تو اس میں کسی کے نزدیک بھی کچھ حرج نہیں بلکہ جائز ہے اور اگر بلا تعیین کے مبہم سا معاملہ کر کے جدا ہو جائیں تو یہ بالاتفاق ممنوع ہے جہالت ثمن کی وجہ سے حدیث میں اسی صورت کی بھی وارد ہے، اور پھر امام ترمذی نے اس حدیث کی شرح میں ایک اور صورت تحریر فرمائی وہ یہ کہ کوئی شخص دوسرے شخص سے یہ کہے ابيعک داری ہذہ بکذا علی ان تبیعنی غلامک بکذا الخ یعنی میں اپنا یہ مکان تیرے ہاتھ فروخت کرتا ہوں اتنی رقم میں اس شرط پر کہ تو اپنا غلام مجھ کو فروخت کرے اتنی رقم میں پس جب تو اپنے غلام کی بیع مجھ سے اس طرح کر لیا گا تو پھر میرے مکان کی بیع بھی تیرے لئے ہو جائے گی، وھذا تفارق عن بیع: ثمن معلوم ولایدری کل واحد منهما علی ما وقعت علیہ صفقۃ، یہ جو دوسری مثال ہے اس میں کوئی شق صحت بیع کی نہیں کیونکہ یہ تو بیع بغیر ثمن معلوم ہے، اس لئے کہ بائع دار اس بیع پر بغیر بیع غلام کے تیار نہیں جس سے معلوم ہو رہا ہے کہ اس بیع غلام میں اس کا نفع ہے تو گویا ثمن کا کچھ حصہ اس بیع غلام میں داخل ہے

اور وہ کتنا ہے یہ معلوم نہیں، اسلئے کہہ سکتے ہیں کہ یہ بیع بمن مجہول ہے، اور یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ یہ بیع بشرط ہے اور بیع بشرط کی حدیث میں ممانعت آئی ہے اس سبب کے بعد آپ ابو داؤد کی حدیث کو لیجئے جس کا سیاق اس مشہور سیاق سے بالکل مختلف ہے کیونکہ اسکا مضمون یہ ہے کہ جو شخص ایک بیع کے اندر دو بیع کرے تو اس کیلئے اوکس البیعین یعنی اقل الثمنین والی بیع جائز ہوگی، اور اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو پھر بال لازم آئے گا، رہا سے خرافہ فساد بیع ہے اسلئے کہ عقود فاسدہ جتنے بھی ہوتے ہیں وہ حکم رہا ہی میں داخل سمجھے جاتے ہیں۔

اب اس ابو داؤد کی حدیث کا تو حاصل یہ ہوا کہ ہم نے اوپر بیعتین فی بیعة کی جو پہلی مثال لکھی تھی کہ میں اس چیز کو ادھار لیتے ہیں دیتا ہوں اور نقد اتنے میں دیتا ہوں تو اس معاملہ میں اگر بائع مشتری دس درہم والی صورت کو بعد میں اختیار کرتے ہیں تب تو یہ معاملہ صحیح ہے، اور اگر زائد ثمن والی شے کو اختیار کرتے ہیں تو پھر یہ بیع فاسد ہے حالانکہ یہ کسی کا مذہب نہیں ہے کہ یہ بیع مذکور اقل ثمن والی تو صحیح ہو سکتی ہے اور اکثر ثمن والی نہیں ہو سکتی، لم یذہب الیہ احد من الائمة الاربعہ، البتہ امام اوزاعی سے بھی منقول ہے جو ابو داؤد کی اس حدیث میں ہے، اسی لئے ہم نے شروع میں کہا تھا کہ ابو داؤد کی یہ حدیث بہت مشکل ہے، امام خطابی نے اس حدیث کی توجیہ یہ کی ہے کہ اس کو ایک خاص صورت پر محمول کیا جائے یعنی بیع سلم کی ایک خاص شکل وہ یہ کہ ایک شخص نے قیصر حنظلہ کی بیع کی ایک دینار میں یعنی الی شہر، پھر جب مدت پوری ہو گئی یعنی ہمینہ تو بائع نے کہا مشتری سے کہ تیرا جو قیصر حنظلہ میرے ذمہ ہے اس ایک قیصر کو قیصرین کے بدلہ میں میرے ہاتھ فروخت کر دے الی شہرین تو اس خاص صورت میں جو پہلی بیع تھی وہ اوکس البیعین تھی، تو اس صورت میں وہ توجہ جائز رہے گی اور یہ دوسری فاسدہ اور حضرت نے بذل میں حضرت اقدس گنگوہی کی تقریر سے اس کی ایک اور توجیہ نقل کی ہے وہ یہ کہ بیعتین فی بیعة کی جو ہم نے شروع میں مثال لکھی تھی کہ یہ شے اگر مشتری نقد لے تو اتنے کی ہے اور ادھار لے تو اتنے کی ہے اور پھر اس کے بعد ان کا تفرق ہو گیا بغیر احد البیعین کی تعیین کے تو یہ بیع حدیث کی رو سے فاسد ہے اس کا حکم یہ تھا کہ یہ بیع واجب الفسخ تھی لیکن یہاں یہ ہوا کہ بیع مشتری کے پاس ہلاک ہو گئی یا اس نے اس کو کھالیا تو اب اس صورت میں بائع کو چاہیے کہ اصل ثمن لینے کے بجائے اس بیع کا مثل لے (ان کان من ذوات الامثال) یعنی بیع کو فسخ کرنے کی نیت سے یا اس کی قیمت، اور قیمت جو ہو اگر تی ہے عادیۃ اوکس من الثمن ہوتی ہے، اور اگر بائع صورت مذکورہ میں بجائے مثل یا قیمت کے ثمن ہی لیتا ہے تو ابقار بیع ہوگا، حالانکہ وہ بائع مامور ہے اس کے فسخ کا، اور بیع فاسد بلکہ تمام ہی عقود فاسدہ رہا کے حکم میں داخل ہیں اسی کو حدیث میں کہا گیا ہے کہ قلہ اوکسہما او الی یا کہ اگر اوکس کو اختیار نہیں کریگا تو رہا لازم آئے گا۔

ملہ قیمت تو کسی شے کی وہ بازار کے اعتبار سے ہوتی ہے بازار میں وہ جتنے میں ملتی ہے اور ثمن اس کو کہتے ہیں جو متعاقبین کے درمیان ملے ہو

## باب فی النهی عن العینۃ

**بیع عینہ کی تعریف اور حکم** | بیع عینہ کی تعریف یہ لکھی ہے شرابا باع باقل مما باع قبل نقد الثمن الاول اور چاہے اس طرح کہ بیعہ بیع ماشری باقل مما اشتری قبل نقد الثمن الاول یعنی ایک شخص نے اپنی کوئی چیز دوسرے شخص کے ہاتھ دس درہم میں فروخت کی الی اجل مسمی ابھی تک مشتری نے اس کو ثمن ادا نہیں کیا تھا بائع ادائے ثمن کا تقاضا کرنے لگا اور جب مشتری نہ دے سکا تو بائع مشتری سے کہنے لگا اگر تجھ سے یہ نہیں ہو سکتا تو اچھایہ کر کہ وہ چیز میرے ہاتھ پانچ درہم میں فروخت کر دے پھر میرے تیرے ذمہ پانچ درہم باقی رہ جائیں گے وہ بعد میں ادا کر دینا اس کے بارے میں یہ لکھا ہے کہ یہ بیع ائمہ ثلاث کے نزدیک ناجائز ہے اور امام شافعی اور ان کے اصحاب نے اس کو جائز رکھا ہے قالہ الشوکانی فی النیل (عون) اور بذل میں درمختار سے نقل کیا ہے کہ بیع عینہ مکروہ اور شرعاً مذموم ہے کیونکہ اس میں اعراض عن الاقراض ہے یعنی بائع اول قرض دینے سے بچنے کے لئے یہ صورت اختیار کرتا ہے تاکہ صورت قرض بھی ہو جائے اور اپنا نفع بھی، شامی میں ہے کہ حضرت امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ہذا البیع فی قلبی کالمثال الجبال، ذمیم اخترعہ اکلمہ الربا، یعنی وہ فرماتے ہیں کہ اس بیع کا بوجھ میرے قلب پر کئی پہاڑوں کے بوجھ کے مانند ہے، یہ بیع بڑی مذموم ہے جو لوگ سود کھانے کے عادی ہیں ان کی اختراع ہے۔

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یقول اذا تبایعتم بالعینۃ واخذتم اذناہ البقر ورضیتہم بالزرع وتركتم الجہاد سلط اللہ علیکم ذلایا یزعلہ حتی ترجعوا الی دینکم۔

**مسلمانوں کیلئے ترک جہاد پر سخت وعید** | اس حدیث میں بیع عینہ کے اختیار اور ترک جہاد پر بڑی سخت وعید ہے چنانچہ آپ فرما رہے ہیں کہ اے لوگو جب تم بیع عینہ کرنے لگو گے اور کھیتی پر راضی ہو کر ہیلوں کی دموں کو پکڑو گے اور جہاد کو پس پشت ڈال دو گے تو اللہ تعالیٰ تم پر ایسی ذلت مسلط کر دے گا جس کو اللہ تعالیٰ اس وقت تک دور نہیں کریں گے جب تک تم اپنے دین کی طرف نہ لوٹو گے، اور بقریہ سیاق حدیث رجوع الی الدین سے مراد بیع عینہ کو چھوڑنا اور جہاد کو کھیتی پر ترجیح

لہ فی الشرح الکبیر من باع سلعة بثمن مؤجل ثم اشترھا باقل من نقد الثمن یحذر، ردی ذلک عن ابن عباس وعائشہ واکسن وابن سیرین والشیخین رحمہم اللہ وبقال الترمذی والادزنی والکلی السجی واصحاب الرائی واجازہ الشافعی لانہ ثمن یجوز بہ جہاد من غیر البعای فجاز من الباعکما لو باعہما بثل ثمنہما۔  
الی آخر ما فی الادجزہ

دینا ہے، اس حدیث کی شرح میں شرح نے لکھا ہے کہ دراصل جہاد میں اسلام کا اعزاز اور اس کا غلبہ ہے باقی ادیان پر، تو جب مسلمان اس چیز کو چھوڑیں گے جس میں اسلام کی عزت اور غلبہ ہے تو اس کی سزا میں اللہ تعالیٰ ان پر عزت کی نقیض یعنی ذلت کو مسلط کر دیں گے۔

## باب فی السلف

اس میں دوسرا لغت سلم ہے، سلف اہل عراق کا لغت ہے اور سلم لغت اہل حجاز، اس بیع کی تعریف یہ کی گئی ہے "بیع موصوف فی الذمۃ یعنی بائع بیع کے اچھی طرح اوصاف وغیرہ بیان کر کے مکمل طریقہ سے اور اس کو اپنے ذمہ میں لیکر نقد شن کے مقابلہ میں فروخت کرے، اس کی تعریف اس طرح بھی کی جاتی ہے "بیع اجل بعاجل" یعنی شئی مؤجل کی بیع شئی معجل کے ساتھ، اس بیع کی شریعت نے اجازت دی ہے خلاف قیاس دفعا لحاجۃ المفایس یعنی نادار قسم کے لوگوں کی حاجت و ضرورت کو پیش نظر رکھتے ہوئے، ورنہ قیاس کا تعاضیہ ہے کہ یہ بیع جائز نہ ہو کیونکہ یہ اس شئی کی بیع ہے جو غیر موجود عند البائع ہے، اسی لئے اس بیع کی صحت کے لئے بہت سی شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے۔

**صحت سلم کی شرائط** چنانچہ قدوری میں ہے: ولا یصح السلم عند ابی حنیفۃ الا بیع شرائط تذکر فی العقد جنس رأس المال، وتسمیۃ المكان الذی یوافیہ فیہ اذا کان له حمل وموتۃ اھ، اسی طرح جن چیزوں میں یہ بیع جائز ہے وہ بھی متعین ہیں ففی العقد وری السلم جائز فی المکیلات والموزونات والمعدودات الی لاتتفاوت کالجوز والبیس، و فی المذروعات، ولا یجوز السلم فی الیھوان۔ الی آخرہ۔ اس میں بعض اور اختلافی مسائل بھی ہیں جو آگے احادیث کے ضمن میں آرہے ہیں۔ جاننا چاہیے کہ بیع سلم میں شئی کو اس المال اور بیع کو مسلم فیہ، بائع کو مسلم الیہ اور مشتری کو رب السلم کہتے ہیں۔

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال قدم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم المدینۃ وہم یسلفون فی التمر السنۃ والسمتیۃ والثلاثۃ، فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم من اسلف فی تہر فلیسلف فی کیل معلوم ووزن معلوم الی اجل معلوم۔

یعنی جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ نے اہل مدینہ کو دیکھا کہ وہ کھجوروں میں بیع سلم کا معاملہ کرتے تھے، ایک سال کی کھجوریں یا دو سال کی، اور اسی طرح تین سال کی بھی، تو اس پر آپ نے فرمایا کہ جو شخص تہر میں بیع سلم کا معاملہ کرے تو چونکہ تہر کیل ہے اسلئے کیل معلوم ہونا چاہیے



یعنی اس کی مقدار کیلئے متعین ہونی چاہیے اور اگر اس بیع کا تعلق شئی موزون سے ہے تو بیع کا وزن معلوم ہونا چاہیے اور اس کے علاوہ ایک شرط آپ نے یہ بیان فرمائی کہ بیع سلم کی مدت بھی معلوم ہونی چاہیے، اس آخری مسئلہ میں جمہور اور ائمہ ثلاث کی رائے تو یہی ہے البتہ امام شافعی کا اس میں اختلاف ہے، انہوں نے سلم حال کو جائز قرار دیا ہے انہوں نے اس حدیث کی تاویل یہ کی ہے کہ آپ کی مراد یہ ہے کہ اگر بیع سلم الی اجل ہو تو پھر وہ معلوم ہونی چاہیے۔  
والحدیث اخرجه البخاری ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ، قالہ المنذری۔

اناشعۃ اخباری محدث اور عبد اللہ بن مجالد قال اختلاف عبد اللہ بن شداد والی سیرۃ فی السلف والو شعبہ کہتے ہیں کہ مجھ کو خبر دی محمد بن مجالد نے یا عبد اللہ بن مجالد نے (کذا فی اکثر النسخ، والصحیح ابن ابی مجالد کہذا فی البذل کہ عبد اللہ بن شداد اور ابو بردہ کا اختلاف ہوا بیع سلم کے بارے میں تو وہ کہتے ہیں (محمد بن ابی مجالد یا عبد اللہ بن ابی مجالد کہ ان دونوں نے مجھے عبد اللہ بن ابی اوفی صحابی کے پاس بھیجا، میں نے ان سے دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ ہم لوگ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت شیخین کے زمانہ میں بیع سلم کیا کرتے تھے حنظلہ شعیفہ قر اور زبیب ان سب میں، اور یہ معاملہ ایسے لوگوں کے ساتھ کرتے تھے جن کے پاس وہ بیع موجود نہ ہوتی تھی عند العقد۔

**شرح السند** آگے روایت میں آ رہا ہے۔ والصواب ابن ابی المجالدہ وشعبۃ اخطأ فیہ۔ امام ابو داؤد فرما رہے ہیں کہ صواب ابن ابی المجالدہ ہے شعبہ سے اس میں خطا واقع ہوئی ہمارے اس نسخہ میں اسی طرح ہے لیکن اس نسخہ پر مصنف کے کلام کا مطلب واضح نہیں اس لئے کہ شعبہ نے ابن ابی المجالدہ ہی کو کہا ہے حضرت کی تحقیق یہ ہے بذل میں کہ عبارت اس طرح ہونی چاہیے والصواب عبد اللہ بن ابی المجالدہ اس وقت میں مطلب یہ ہوگا کہ صواب تو عبد اللہ بن ابی المجالدہ ہے، لیکن شعبہ سے اس میں غلطی ہوئی کہ انہوں نے راوی کا نام محمد بن ابی المجالدہ یا عبد اللہ بن ابی المجالدہ شک کے ساتھ بیان کیا۔ الی قوم ما ہو عندہم میں ایک مسئلہ مضمر ہے، یعنی سلم فی المنقطع جس کی تفصیل آگے آئے گی، والحدیث اخرجه البخاری وابن ماجہ، قالہ المنذری۔

غزو نامع رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم الشام فكان یا تینا انباط من انباط الشام فتسلفهم فی البر والیزیت سعوا معلوما واجلا معلوما، فقیل لہ من لہ ذلک؟ قال ما کننا نسألہم۔  
عبد اللہ بن ابی اوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ملک شام کے غزوہ میں شریک ہوئے۔ بظاہر اس سے مراد غزوہ تبوک ہے فانہا وقعت فی لواء حمی الشام (بذل) تو اس سفر کے دوران ملک شام کے نبطی ہمارے پاس آتے تھے تو ہم ان کے ساتھ ان اشیاء مذکورہ فی الحدیث میں بیع سلم کا معاملہ کرتے تھے سمر معلوم اور اجل معلوم کے ساتھ کسی نے عبد اللہ بن ابی اوفی سے پوچھا کہ آپ لوگوں کا یہ بیع سلم کا معاملہ کیا ان لوگوں کے ساتھ ہوتا تھا جن کے پاس وہ شئی مسلم فیہ موجود ہوتی تھی؟ تو انہوں نے

نے جواب دیا کہ یہ بات ہم ان سے دریافت نہیں کیا کرتے تھے۔

**مسئلہ سلم فی المنقطع کی تفصیل** | جانتا چاہیے کہ بیع سلم کا معاملہ تو اسی شخص کیساتھ ہوتا ہے عند المجہور جس کے پاس بیع یعنی مسلم فیہ عند العقد موجود نہیں ہوتی، لیکن یہاں مسئلہ یہ ہے کہ

مسلم فیہ کا بازار میں موجود ہونا ضروری ہے یا یہ بھی ضروری نہیں، اس لحاظ سے اس مسئلہ کی چار صورتیں ہیں، چنانچہ علامہ عینی نے شرح بخاری میں سبب السلم الی من لیس عندہ اصل کے تحت فرمایا ہے کہ مصنف کا اشارہ سلم المنقطع کی طرف ہے جو کہ عند الخفیہ جائز نہیں اور پھر وہ فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ کی چار صورتیں ہو سکتی ہیں (۱) یہ کہ مسلم فیہ عند العقد موجود ہو اور عند الاجل منقطع ہو، یہ بالاتفاق جائز نہیں (۲) مسلم فیہ بازار میں من وقت العقد الی الاجل موجود ہو یہ بلا خلاف جائز ہے (۳) یہ کہ منقطع عند العقد ہو اور موجود عند الاجل (۴) یہ کہ بوقت العقد اور اجل موجود ہو اور درمیان میں منقطع، یہ تیسری اور چوتھی دونوں صورتیں خفیہ کے نزدیک ناجائز ہیں اورائمہ ثلاث کے نزدیک جائز ہیں ۱۵۔ (۱۵)

(الابواب والترجمہ ص ۳۶) پس حاصل یہ کہ عند الخفیہ سلم فیہ کا بازار میں موجود ہونا من وقت العقد الی اجل ضروری اور عند المجہور بوقت اجل موجود اس حدیث میں انبساط کا ذکر ہے نبط ایک عجیب قوم ہے جو عراقین کے درمیان آباد تھی اہ مصباح اللغات، عرب کی ایک قوم ہے جو رومیوں کے ساتھ شامل ہو گئی تھی اور شام میں مقیم تھی (بذل)

### باب فی السلم فی ثمرۃ بعینہا

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان رجلا اسلف رجلا فی نخل فلم یخرج تملک السنۃ شیئا۔ ترجمۃ الباب میں جو مسئلہ مذکور ہے وہ یہ ہے کہ اشجار معینہ کے پھلوں میں بیع سلم جائز نہیں اس لئے کہ ممکن ہے اس سال ان درختوں پر پھل نہ آئے، اس صورت میں سلم فیہ غیر مقدور التسليم ہو جائے گا حالانکہ مقدور التسليم ہونا ضروری ہے، نفی القدوری، ولانی طعام قریہ بعینہا، ولانی ثمرۃ نخلة بعینہا اہ چنانچہ حدیث الباب کا مضمون یہی ہے کہ ایک شخص نے نخلہ معینہ میں سلم کا معاملہ کیا اور پھر اس سال اس پر پھل نہیں آیا، جس پر آپ نے تنبیہ فرمائی، بسم تستحل مالہ اردود علیہ مالہ، ثم قال، لا تسلفوا فی النخل حتی یبید وصلاحہ، یہ بظاہر مستقل ایک دوسرا حکم ہے جو پہلے گذر چکا یعنی نہی عن البیع قبل بدو الصلاح۔

### باب السلم لا یحول

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم من اسلف فی شئ فلا یصوفہ الی غیرہ۔ شرح الحدیث مع بیان المذاهب | اس حدیث کے مطلب میں دو احتمال لکھے ہیں، اول یہ کہ جس شخص نے

جس شخص کیساتھ کسی شے میں بیع مسلم کا معاملہ کیا تو اس معاملہ کرنے والے کیلئے۔ یعنی مشتری کے لئے یہ بات جائز نہیں کہ اس شے مسلم فیہ کو اپنے غیر کی طرف منتقل کرے باعتبار بیع یا ہبہ کے، یعنی قبل القبض، اور دوسرا احتمال یہ کہ جس شخص نے جس شخص کے ساتھ جس چیز کا معاملہ کیا ہے تو اس مسلم فیہ کے بدلہ میں قبل القبض کوئی دوسری چیز نہ لے یعنی مسلم فیہ کا استبدال کسی دوسری شے کے ساتھ قبل القبض کرنا جائز نہیں، اگر رب المسلم مسلم فیہ کے عوض میں کوئی دوسری شے لینا چاہے تو شے اول پر قبضہ کرنے سے پہلے یہ استبدال جائز نہیں، قبضہ کے بعد اختیار ہے، احتمال اول کی صورت میں، غیورہ کی ضمیر، من، کی طرف راجع ہوگی، فی قولہ، من اسلف، اور دوسری صورت میں یہ ضمیر شے کی طرف راجع ہوگی جس سے مراد مسلم فیہ ہے، مشہور ہے کہ مسلم فیہ میں استبدال قبل القبض جمہور ومنہم الخفیہ کے نزدیک جائز نہیں حضرت امام شافعی کے نزدیک جائز ہے، لہذا یہ حدیث اس مسئلہ میں جمہور کی دلیل ہے۔  
والحدیث اخرہ ابن ماجہ، قالہ المنذری۔

## باب فی وضع الجائخۃ

اس مسئلہ سے متعلق حدیث باب فی بیع السنین میں بھی گزر چکی۔ وضع الجوائح وہاں پر یہ مسئلہ اختلافیہ بھی گزر چکا ہے کہ امر بوضع الجوائح عند الجمہور من باب المعروف والاحسان ہے اور امام احمد اور اکثر محدثین کے نزدیک علی الوجوب ہے، جمہور کی طرف سے یہ بھی کہا گیا ہے کہ اگر حدیث کو وجوب ہی پر محمول کیا جائے تو یہ ایک خاص صورت میں ہوگا یعنی جبکہ وہ پھل ہلاک ہو جائیں قبل التسليم الی مشتری فابہا حینئذ فی ضمان البائع، اس لئے اس صورت میں سارا نقصان بائع ہی کو بھگتنا پڑے گا۔

اصیب رجل فی عہد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فی شمار ابتاعہا فکثر دینہ الخ مضمون حدیث واضح ہے۔ آگے اس حدیث میں یہ ہے: خذوا مما وجدتم و لیس لکم الا ذلک، یعنی لوگوں کے صدقہ کرنے کے بعد مشتری پر، جب مشتری نے جتنے پیسے اس کے پاس جمع ہو گئے تھے ان کو دے دیا جو دین کے برابر نہیں تھے اس سے کم تھے تو آپ نے فرمایا کہ بس یہی لیجاؤ تمہارے لئے اور کچھ نہیں، اس کا مطلب علی حسب الاصول یہ لینا پڑے گا کہ آپ کی مراد یہ ہے کہ فی الحال تمہارے لئے یہی ہے باقی بعد میں ادا ہوتا رہے گا والحدیث اخرہ مسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ، قالہ المنذری۔

بعد تاخذ مال اخیک بخیر حق۔ یہ حدیث حنابلہ کے نزدیک تو اپنے ظاہر پر ہے اور عند الجمہور مؤول ہے ای فی التقوی، یا قبل التسليم الی مشتری پر محمول ہے کما تقدم قریباً اخرہ مسلم والنسائی وابن ماجہ، قالہ المنذری۔

## باب فی تفسیر الجائحة

عن عطاء قال: الجوائح کل ظاہر مفسد من مطر أو بکد أو جراد أو ریح أو حریق۔  
یعنی جوائح جس کے ساقط کرنے کا اور مخاف کرنے کا حدیث میں حکم آیا ہے اس سے ایسی آفت مراد ہے جو بالکل ظاہر اور نمایاں ہو، پھلوں کو خراب کر دینے والی ہو، جیسے بارش یا اولہ، اور ٹڈی، اسلئے کہ ان کی قطار جس بارش میں بھی پہنچ جاتی ہے سب پھلوں کا ناس کر دیتی ہے۔ اور ایسے ہی آندھی اور سخت ہوا اور حریق یعنی آگ لگ جانا حدیث میں ظاہر کی قید اس لئے لگائی گئی ہے کہ اس صورت میں مشتری کا نقصان متیقن ہوگا، اور اگر وہ چیز ظاہر نہ ہو بالکل مشتری کسی مخفی امر کو بیان کرے تو اس میں احتمال اس کے کذب کا ہے، پس ظاہر ہونے کی صورت میں اس پر جو حکم مرتب ہو گا وہ حتمی ہوگا، اور دوسری صورت میں عفو کا حکم محض دیانہ ہوگا (بذل بن تقریر الکتب گوئی)

عن یحییٰ بن سعید انه قال لا جائحة فیما اصاب دون ثلث رأس المال قال یحییٰ وذلك فی سنة المسلمین۔ یحییٰ بن سعید فرما رہے ہیں کہ پھلوں کے نقصان کی تلافی کا جو حدیث پاک میں حکم ہے تو وہ اس صورت میں ہے جبکہ کم از کم ثلث مال ان آفات سماویہ سے ضائع ہوا ہو، اور اگر ثلث سے کم خراب ہوا ہے تو اس کا اعتبار نہیں اس لئے کہ تھوڑا بہت نقصان تو ہوا ہی کرتا ہے تجارتوں میں، آگے یحییٰ فرما رہے ہیں کہ ہمارے زمانہ میں مسلمانوں کا تعامل اسی طرح ہے۔

## باب فی منع الماء

قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم لا يمنع فضل الماء ليمنع به الكلاء۔  
**شرح الحدیث** مقصد یہ ہے کہ جو پانی آدمی کی اپنی ضرورت سے زائد ہو اس کے دینے سے انکار نہیں کرنا چاہیے یہ نہی فی نفسہ عام ہے لیکن یہاں اس حدیث میں اس کو ایک خاص صورت کیساتھ ذکر کیا گیا ہے یعنی لیمنع به الکلاء یعنی پانی دینے سے اسلئے انکار کرتا ہے تاکہ اس کو ذریعہ بنائے گھاس سے روکنے کا، جس کی مثال شرح نے یہ لکھی ہے کہ ایک شخص نے ارض نبات کے اندر اس کا احیا کر کے اس میں کنواں کھودا جس کی وجہ سے اس کنویں کا مالک ہو گیا اور صورت حال یہ ہے کہ اس کے آس پاس جو ارضیات کی قسم کی زمینیں پڑی ہوئی ہیں جن میں اتفاق سے گھاس وغیرہ بھی اگتا ہے تو چونکہ اس شخص نے ان زمینوں کا احیا نہیں کیا اسلئے ان کا مالک بھی نہیں ہوا اسلئے اصولاً ان زمینوں کی گھاس سے اس کو حق نہیں کہ کسی کو — روکے بلکہ دوسرے لوگ اپنے جانوروں کو لاکر وہاں چرا سکتے ہیں، لیکن جب جانور وہاں چرنے کے لئے آئیں گے تو ان کو گھاس کے ساتھ پانی کی بھی ضرورت پیش آئے گی، اب یہ شخص یعنی صاحب المار

ان جانوروں کو اپنے کنویں کا پانی پلانے سے روکتا ہے تاکہ لوگ اپنے جانوروں کو یہاں پترانے کے لئے لانا ہی چھوڑ دیں۔ تو اس طور پر صاحب المار کے لئے یہ گھاس محفوظ ہو جائے گی، اس حدیث میں اسی سے منع کیا جا رہا ہے کہ اپنی ضرورت سے زائد پانی کو نہ روکا جائے تاکہ اس کے ذریعہ سے لوگوں کو گھاس سے روکا جائے۔ والحدیث اخرجه البخاری ومسلم والترندی والنسائی وابن ماجہ من حدیث الاعرج عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال المنذری۔

ثلاثة لا يملكهم الله يوم القيامة رجل منع ابن السبيل فضل ماء عنده الخ۔

یعنی تین شخص ایسے ہیں اللہ تعالیٰ بروز قیامت ان سے نرم کلام اور رحم و کرم کا معاملہ نہیں فرمائیں گے ایک وہ شخص جو مسافر کو اپنی ضرورت سے زائد پانی دینے سے انکار کرے۔ اس پانی کی دو صورتیں ہیں اگر یہ اس کی اپنی ملک ہے تب تو اس کے لئے یہ حکم ہے کہ قیمت لیکر اس کو دنیا ضروری ہے باوجود قیمت ملنے کے انکار کرنا جائز نہیں اور اگر پانی اس کی ملک ہی نہیں تو اس صورت میں انکار مطلقاً ممنوع ہوگا، آگے مضمون حدیث واضح ہے والحدیث اخرجه البخاری ومسلم والترندی والنسائی وابن ماجہ، قال المنذری۔

عن امرأة يقال لها بهيسة عن أبيها الخ۔ یہ حدیث کتاب الزکاة میں گزر چکی اور اس پر کلام و شرح بھی، یہاں پر بذل میں اس پر جو لکھا ہے اس کی تلخیص یہ ہے فی ہذا الحدیث ثلاث مسائل للعلامة النجاشی علی التحریج، من باب المعروف والاحسان، لا يجوز له المنع لكن يجب لصاحب المار القيمة، وهذا اذا كان المراد بالمار ما لا يبرأ التي حفرها في النوات واسحاها، وان كان المار الذي جمع في صهرتج او حوض فان له ان يمنعه اه۔

المسلمون شركاء في ثلاث في الماء والكلأ والنار، پانی کے بارے میں تو تفصیل کتاب الزکاة میں گزر چکی کہ پانی تین طرح کا ہوتا ہے ہر ایک کا حکم الگ ہے کلاً کے بارے میں بھی ابھی اوپر گزری چکا کہ ارض موات میں جو گھاس ہوتا ہے کسی کے لئے اس سے روکنے کا حق نہیں ہے، اور تیسری چیز اس حدیث میں جس میں مسلمانوں کی شرکت برائی ہے وہ آگ ہے، بذل میں لکھا ہے کہ آگ میں شرکت کا ہونا وہ روشنی اور اس کی گرمائی کے اعتبار سے ہے کہ اس کے پاس بیٹھ کر سینکے سے کسی کو منع نہ کرے، اور اس سے دیکتے ہوئے انکار سے مراد نہیں ہیں، نہ اس پر ان کو دینا واجب ہے اور نہ دوسرے کے لئے لینا بغیر مالک کی اجازت کے جائز ہے۔

## باب فی بیع فضل الماء

منہی عن بیع فضل الماء۔ فضل بمعنی زائد یعنی اپنی ضرورت سے زائد پانی کی بیع سے، یعنی پیسے لیکر اس کو دینے سے آپ نے منع فرمایا ہے، پانی اگر صاحب مار کی ملک ہے تب تو اس کی بیع سے منع من باب المعروف والاحسان ہوگا، یعنی خلاف ادلی ہوگا، اور اگر غیر ملک ہے تب یہ بھی تحریم کے لئے ہوگی کہ مقدم قریباً هذا التفصیل۔

والحدیث اخرجه الترمذی والنسائی وابن ماجہ، وقال الترمذی حدیث حسن صحیح، قالہ المنذری۔

## باب فی ثمن السنور

ثمن کلاب کا باب جو آگے آرہا ہے وہ تو مختلف فیہ ہے لیکن ثمن سنور یعنی اس کی بیع یہ باتفاق ائمہ اربعہ جائز ہے گو بعض سلف کا اس میں بھی اختلاف ہے چنانچہ بذل میں خطابی سے منقول ہے، وکرہ بیعہ ابوہریرۃ وجابر وطائوس ومجاہد اہ۔

نہی عن ثمن الکلب والسنور، اور اس کے بعد زالی حدیث میں صرف ہرہ کا ذکر ہے نہی ثمن الہرق ثمن ہرہ تو عند المجہور جائز ہے اس لئے اس حدیث کے کئی جواب دیئے گئے ہیں، ان دو حدیثوں میں سے پہلی حدیث کے بارے میں امام ترمذی فرماتے ہیں، ہذا حدیث فی اسنادہ اضطراب۔ الی آخر اذکر۔ اور دوسری حدیث کے بارے میں بذل میں لکھا ہے قال الترمذی غریب۔ وقال النسائی هذا منكر اھ، اور دوسرا جواب نسخ کا دیا گیا ہے، اور تیسرا جواب یہ ہے کہ یہ متوتش پر محمول ہے، یعنی جو بلی مانوس نہ ہو جنگلی جانوروں کی طرح تو چونکہ وہ غیر مقدور التسليم ہوتی ہے اس لئے اس کی بیع ناجائز ہے۔ حدیث جابر الثانی اخرجه الترمذی والنسائی وابن ماجہ، قالہ المنذری۔

## باب فی اثمان الکلاب

نہی عن ثمن الکلب ومسد البغی وحلوان الکاهن۔

مذاہب ائمہ اس حدیث میں بیع کلب سے منع کیا گیا ہے، امام شافعی و احمد کا مذہب یہی ہے حنفیہ کے یہاں بیع کلاب جائز ہے خواہ معلم ہو یا غیر معلم، امام مالک کے تین روایتیں ہیں جواز، عدم جواز، والثالث بحسب القيمة لا الثمن، یعنی بیع تو اگرچہ جائز کسی طرح بھی نہیں لیکن اگر کوئی شخص کسی کا کتا ہلاک اور تلف کر لے تو پھر اس کی قیمت یعنی ضمان دینا واجب ہوگا، اور امام ابو یوسف سے ایک روایت یہ ہے کہ کلب عقود کی بیع جائز نہیں اور عطا اور ابراہیم غنوی فرماتے ہیں بجوز بیع کلب الصيد دون غیرہ۔ ویدل علیہ ما اخرجه النسائی من حدیث جابر قال نہی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عن ثمن الکلب الا کلب صید الی آخر ما فی العون۔

یہ حدیث شافعیہ و حنابلہ کے تو موافق ہے اور حنفیہ نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ یہ حدیث اس زمانہ کی ہے جب امر کلاب میں تشدید تھی حتیٰ کہ ان کے قتل کا حکم دیا گیا تھا جو بعد میں عند الاکثر منسوخ ہو گیا، امر کلاب میں تشدید کی بحث کتاب الطہارۃ باب الوضوء من سور الکلب میں گزر چکی۔ وافی حدیث اخرجه البخاری وسلم و الترمذی والنسائی وابن ماجہ۔

اس حدیث میں دو جزر اور ہیں جن سے منع کیا گیا ہے مہر البقی یعنی زانیہ کی اجرت، جس کو مجازاً مہر کہا گیا ہے اور دوسری چیز حلوان کاھن، یعنی کاہن کی شیرینی، یعنی کاہن سے اپنی مخفی باتیں اور راز معلوم کرنے کے بعد اس کی جو کچھ اجرت دیا جائے، کاہن کے پاس جانا، اس کی تصدیق کے لئے اور اس کو اجرت دینا کہانت پر سب حرام ہے، بلکہ اس کی بات کی تصدیق تو کفر ہے اگر اس کے علم غیب کے اعتقاد کے ساتھ ہو۔ الکوکب الدری میں لکھا ہے کہ اگر کاہن کی تصدیق یہ سمجھتے ہوئے کی جائے کہ بعض جنات ان کے تابع ہوتے ہیں اور وہ ان کو آ کر خبریں دیتے ہیں تو اس صورت میں اس کی تصدیق کفر نہ ہوگی۔

## باب فی ثمن الخمر والمیتة

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال ان اللہ حرم الخمر وشنہا، وحرم المیتة وشنہا، وحرم الخنزیر وشنہ۔

**شرح الحدیث من حیث الفہم** | اس حدیث میں بیع خمر اور بیع میتہ اور لیس طرح بیع خنزیر ان تینوں کی حرمت ایک ساتھ بیان کی گئی ہے، فقہاء کے نزدیک ان اشیاء کی تحریم بیع کی نوعیت میں فرق ہے، ہدایہ کے متن میں تو یہ ہے: واذا کان احد الغرضین او کلاهما محرما فالبیع فاسدا کا بیع بالمیتة والدوم والخمر والخنزیر اس پر صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ مصنف کا یہ کلام مجمل ہے محتاج تفصیل ہے جس کو ہم بیان کریں گے، پھر آگے تفصیل میں انہوں نے فرمایا کہ بیع بالمیتة والدوم اور ایسے ہی بالخنزیر تو بیع باطل ہے لانعدام رکن البیع و هو مبادلة المال بالمال، اسلئے کہ یہ اشیاء کسی کے نزدیک بھی مال شمار نہیں ہوتیں، اور پھر آگے فرماتے ہیں کہ بیع الخمر والخنزیر یہ دونوں بیع فاسد ہیں نہ کہ باطل، حقیقت بیع کے پلئے جانے کی وجہ سے، یعنی مبادلة المال بالمال، اسلئے کہ خمر مال ہے، اور خنزیر بھی عند البعض مال ہے یعنی عند اہل الکتاب، اور بیع باطل مفید ملک ہی نہیں ہوتی بخلاف بیع فاسد کے کہ وہ مفید ملک ہو جاتی ہے بعد القبض، اس کے بعد پھر صاحب ہدایہ نے اور مزید تفصیل اور فرق کی صورتیں بیان کی ہیں فارجع الیہ لوشئت۔

اس کے بعد والی روایت میں میتہ اور خنزیر کے بعد والا صنام کی زیادتی ہے یعنی بیع صنم کو حرام قرار دیا گیا کوکب دری میں لکھا ہے کہ بیع اصنام حرام ہے جبکہ اصنام کی بیع اصنام ہونے کی حیثیت سے کچھ ہے لیکن اگر کوئی شخص ان کی بیع کسی اور نیت سے کرے جیسے کوئی شخص لکڑیوں کی بیع کرے جس میں لکڑی کے تراشے ہوئے اصنام بھی ہوں تو یہ بیع جائز ہوگی بشرطیکہ ان اصنام کو لکڑیوں ہی کے دام میں فروخت کرے۔ مگر یہ کہ ایسے شخص کے ہاتھ بیع ہو رہی ہو جس کے بارے میں یہ معلوم ہو کہ یہ شخص اس صنم کی تعظیم یا عبادت کرے گا۔ اھ (کوکب ص ۲۷۸)

فقيل يا رسول الله ارايت شحوم الميتة فانه يطلى بها السفن ويدهن به الجلود ويستصبح

بها الناس فقال: لا هو حرام۔

## شرح الحديث

یعنی جب آپ نے بیع میتہ کی تحریم بیان فرمائی تو اس پر آپ سے بعض صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ شحم میتہ کا کیا حکم ہے اس لئے کہ اس کو کشتیوں پر ملا جاتا ہے (تاکہ چکنا بٹ کیوہ سے اندر پانی سرایت نہ کر جائے) اور اسی طرح ان کو چمڑوں پر ملا جاتا ہے (ان کو نرم رکھنے کے لئے) اور ایسے ہی لوگ اس کے ذریعہ سے روشنی حاصل کرتے ہیں یعنی مصباح اور چراغ میں اس کو جلاتے ہیں آپ نے فرمایا جائز نہیں، بلکہ حرام ہے۔

کو کب میں لکھا ہے کہ یہاں پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب آپ نے بیع میتہ کا حکم بیان فرمایا تھا کہ وہ حرام تو میتہ میں تو اس کے تمام ہی اجزاء داخل ہو گئے تھے، تو پھر شحم میتہ کے بارے میں الگ مستقل سوال گس بنا پر کیا گیا، اس کا جواب یہ لکھا ہے کہ چونکہ صحابہ کرام کو یہ بات پہلے سے معلوم تھی کہ بعض اجزاء میتہ ایسے ہیں جو جائز الاستعمال ہیں جیسے جلد میتہ اور ایسے ہی عظام میتہ تو اسی لئے انہوں نے شحم میتہ کے بارے میں سوال کیا کہ ممکن ہے وہ بھی اہاب وغیرہ کی طرح ہو خصوصاً جبکہ شحم میتہ کی بہت سی چیزوں میں ضرورت پیش آتی ہے جس کی طرف صحابہ نے خود اشارہ اپنے سوال میں کیا ہے، پھر آگے کو کب میں لکھا ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ میتہ شحم کے اجزاء سے انتفاع کے جواز کا مدار رطوبات بخمسہ کے زوال پر ہے اور شحم سے زوال رطوبت ممکن ہی نہیں، پھر اس کے بعد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس حرمت کو مؤکد فرمایا بعد والے جملہ سے قاتل اللہ الیہود الا یہ اس جملہ کی تشریح یہ ہے آپ فرما رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہلاک و برباد کرے یہود کو کہ اللہ تعالیٰ نے جب ان پر شحم میتہ کو حرام کیا تھا تو انہوں نے اس کی تحلیل کا یہ حیلہ اختیار کیا کہ شحم میتہ کو آگ پر بگھلایا اور پھر اس کی بیع کرنے لگے اور اس کے ثمن سے فائدہ اٹھانے لگے یہ حیلہ اس لحاظ سے تھا کہ شحم پر شحم کا اطلاق اسی وقت تک ہوتا ہے جب تک اس کو آگ پر بگھلایا نہ جائے اور بگھلانے کے بعد اس کا نام بدل جاتا ہے اور بجائے شحم کے اس کو ودک کہا جاتا ہے، لیکن ایسا کرنے سے اس کی حقیقت اور حکم تو نہیں بدلتا، امام خطابی اس پر لکھتے ہیں کہ اس سے ہر اس حیلہ کا بطلان ثابت ہو رہا ہے جس کو وسیلہ بنایا جائے کسی حرام تک پہنچنے کے لئے، اور یہ کہ محض تغیر ہیئت اور تبدیل اسم سے حرام چیز کا حکم نہیں بدلتا۔

فقال: لا، هو حرام۔ اس کی شرح میں اختلاف ہو رہا ہے وہ یہ کہ ہونیمیر کس طرف راجع ہے حافظ کہتے ہیں کہ بعض علماء وہنم الشافعی کے نزدیک یہ ہونیمیر بیع کی طرف راجع ہے، یعنی شحم میتہ کی بیع حرام ہے، اور اکثر علماء نے اس ہونیمیر کو راجع کیا ہے انتفاع کی طرف، لہذا ان کے نزدیک نہ صرف بیع میتہ ناجائز ہے بلکہ مطلقاً



انتفاع اس کے تمام اجزاء سے ناجائز ہے بحر اس کے کہ جس کی تخصیص پر دلیل قائم ہے یعنی جلد مدبورغ (یہ کلام تو تھا شحم میتہ سے متعلق) اس کے بعد انہوں نے دہن متنجس یعنی جوتیل وغیرہ کسی نجس چیز کے واقع ہونے سے ناپاک ہو جائے اس کے بارے میں اختلاف علماء بیان کیا اور وہ یہ کہ جمہور کے نزدیک اس سے انتفاع جائز ہے اور امام احمد اور ابن الماجشون مالکی کے نزدیک ناجائز ہے اھ (من التحفۃ) امام خطابی نے بھی "لا، هو حرام، کا تعلق بیع سے ہی قرار دیا ہے (غالباً امام شافعی کے مسلک کی تائید میں کما تقدم عن الحافظ) چنانچہ وہ لکھتے ہیں: وفيه دليل على جواز الاستصباح بزيت نجس وان بيعه لا يجوز اھ خطابی نے شحم میتہ اور دہن متنجس دونوں کو ایک درجہ میں رکھا شافعیہ کے مسلک کے پیش نظر ورنہ عند الجمہور دونوں کے حکم میں فرق ہے، اس لئے کہ شحم میتہ سے انتفاع عند الجمہور ناجائز، اور قسم ثانی یعنی دہن متنجس سے انتفاع فی غیر الاکل مثل الاستصباح جائز ہے۔ خلافاً للاحمد وابن الماجشون کما تقدم قریبانی کلام الحافظ، "عرف الشذی طنب" میں اس حدیث کے تحت لکھا ہے کہ حدیث الثبا میں اشارہ ہے اس طرف کہ نجس العین کی بیع باطل ہے، امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ شحم میتہ نجس ہے، اس سے مطلقاً انتفاع جائز نہیں، اور وہ بھی یا تیل جو کسی عارض کی وجہ سے ناپاک ہو جائے مثلاً سقوط نارہ جو گر کر اس میں مر جائے تو یہ تیل تو ناپاک ضرور ہے لیکن نجس العین نہیں، اس کی بیع بھی جائز ہے اور انتفاع یعنی استصباح بھی جائز ہے، اور امام شافعی کے نزدیک شحم میتہ سے بھی انتفاع و استصباح جائز ہے اھ پس خلاصہ یہ کہ شحم میتہ کی بیع تو بالاتفاق ناجائز ہے اور انتفاع فی غیر الاکل والشرب میں اختلاف ہے عند الجمہور وہ بھی ناجائز ہے، امام شافعی کے نزدیک جائز ہے۔ اور دہن متنجس سے انتفاع عند الجمہور جائز ہے امام احمد کے نزدیک وہ بھی ناجائز ہے اب یہ کہ اس کی بیع کا کیا حکم ہے سو ظاہر یہ ہے کہ جب انتفاع جائز ہے تو بیع و شرا بھی جائز ہوگی چنانچہ عرف الشذی میں عند الحنفیہ اس کی بیع کو جائز لکھا ہے دوسرے ائمہ کے مسلک کی تحقیق کریں گے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

عن المغيرة بن شعبة رضي الله تعالى عنه قال قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم من

باع الخمر فليس بقص الخنازير

**شرح الحدیث** تشقیص کے معنی الذبح بالشفق، شقص کہتے تیر کے اگلے حصہ کو جو دھار دار ہوتا ہے اس صورت میں یہ ماخوذ ہوگا مشقص سے، اور یا اس کے معنی جعل الشی شقصاً شقصاً یعنی کسی چیز کے الگ الگ ٹکڑے ٹکڑے کر دینا جیسا کہ جانور کو ذبح کرنے کے بعد گوشت کی اصلاح کے لئے اس کے الگ الگ ٹکڑے کئے جاتے ہیں، اس سے پہلے احادیث میں بیع خمر و بیع خنزیر دونوں کا حکم یعنی تحریم میں مساوی ہونا گذر چکا لیکن بہت سے لوگوں کا حال یہ ہوا کرتا ہے کہ وہ خنزیر کو تو عملاً و کلاً حرام قرار دیتے ہیں لیکن شراب نوشی اور اس کی تجارت سے نہیں بچتے اور نہ اس کو کوئی خاص عیب سمجھتے ہیں، اس لئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تحریم خمر کی

تاکید میں یہ فرما رہے ہیں کہ جو شخص عملاً شراب کی بیع اور اس کی تجارت سے نہیں بچتا تو اس کو چاہیے کہ خنزیر کے گوشت کی بھی تجارت کرنے لگے اور اس کے کھانے کو بھی جائز سمجھنے لگے کیونکہ شرعاً دونوں میں کوئی فرق نہیں۔

عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت لما نزلت الآيات الاواخر من سورة البقرة خرج رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم فقراهن عليهن وقال حُرِّمَتِ التِّجَارَةُ فِي الْخَمْرِ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرما رہی ہیں کہ جب سورۃ بقرہ کی آخری آیات نازل ہوئیں (جن میں تحریم ربا مذکور ہے) تو آپ باہر تشریف لائے اور ہم کو وہ آیات پڑھ کر سنائیں اور فرمایا کہ تجارت فی الخمر حرام ہے۔

ظاہر حدیث پر ایک اشکال اور جواب | اس حدیث کی شرح میں شرح نے یہ لکھا ہے کہ تحریم خمر کا ذکر سورۃ مائدہ میں ہے اور وہ آیت ربا سے جو سورۃ بقرہ کے اواخر میں ہے

بہت پہلے نازل ہو چکی تھی، اس لئے کہ مشہور ہے کہ آیت ربا آخر ما نزل یا من آخر ما نزل من القرآن ہے، اور اس حدیث کا سیاق اس ترتیب کے منافی ہے، اس سے تحریم خمر کا متأخر ہونا ظاہر ہو رہا ہے، تو اس کی توجیہ ان حضرات نے یہ کی ہے کہ گویا صحیح ہے کہ تحریم الخمر تحریم ربا سے پہلے ہے لیکن ہو سکتا ہے کہ تجارت خمر کی تحریم جو اس حدیث میں مذکور ہے مؤخر ہو تحریم الخمر سے فلا اشکال حینئذ اور یہ بھی ممکن ہے کہ آپ نے تحریم خمر کے وقت بھی تحریم تجارت کی خبر دی ہو اور پھر دوبارہ مکرر نزول آیت ربا کے بعد بھی تحریم تجارت کی خبر دی ہو تاکہ اکیلا و مبالغۃ امام بخاری نے ابواب المساجد میں باب قائم کیا باب تحریم تجارة الخمر فی المسجد یعنی مسجد میں لوگوں کے سامنے تجارت خمر کی حرمت بیان کرنا کہ تجارت خمر حرام ہے جس طرح اور دوسری چیزوں کی نصیحت مسجد میں کی جاتی ہے لہذا فی المسجد یہ طرف تحریم سے متعلق ہے نہ کہ تجارت سے، ورنہ مطلب فاسد ہو جائے گا یعنی مسجد میں خمر کی تجارت کا حرام ہونا، تو کیا غیر مسجد میں تجارت خمر حرام نہیں ہے، چنانچہ بخاری کی حدیث الباب میں ہے کہ نزول آیات کے بعد آپ مسجد میں تشریف لے گئے اور پھر تجارت خمر کی حرمت کا اعلان فرمایا۔  
والحدیث اخرجه البخاری ومسلم والنسائی وابن ماجہ، قال المنذری۔

## باب فی بیع الطعام قبل ان یستوفی

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم قال من ابتاع طعاما فلا یبعه حتی یتستوفیہ۔ اور اس کے بعد ابن عمرؓ کی دوسری حدیث میں اس طرح ہے، کنانی زمان رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم نبتاع الطعام فیبعث علینا من یأمرنا بان نقالہ من المکان الذی ابتعنا فیہ الی مکان سواہ قبل ان یتبعہ یعنی جزافاً۔

اس ترجمۃ الباب اور اس کی احادیث میں بیع الطعام قبل الاستيفاء کی مانعت ہے، استيفاء بمعنی قبض اور وصول کرنا، یعنی اگر کوئی شخص غلہ کی قسم کی کوئی چیز خریدے اور خریدنے کے بعد اس کو فروخت کرنا چاہے تو اس کو چاہیے کہ پہلے اس پر قبضہ کرے اس کے بعد اس کو فروخت کرے، لیکن ہر چیز کا قبضہ اور استيفاء اسکے حال کے مناسب ہوتا ہے، بعض چیزوں کا قبضہ یہ ہے کہ اس شے کو دوسرے شخص کے ہاتھ میں دیا جائے اور بعض چیزوں کا قبضہ تخلیہ سے ہوتا ہے، یعنی بائع چیز کو فروخت کرنے کے بعد مشتری سے کہے کہ تیری چیز یہ رکھی ہے تو اس کو جب چاہے یہاں سے اٹھا، اور بعض صورتوں میں قبضہ نقل شے سے ہوتا ہے یعنی مشتری نے اس بیع کو جس جگہ سے خریدا ہے وہاں سے اس کو کسی دوسری جگہ منتقل کر دے، اور یہ وہاں ہوتا ہے جہاں پر غلہ کی بیع جزا فاقا ہو یعنی غلہ کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا بیع جزا فاقا کی صورت میں بھی اس کا قبضہ ہے جیسا کہ باب کی حدیث ثانی میں ہے اور اگر کوئی شے کیلا یا وزن فروخت کی جائے تو وہاں پر اس کو کیل کر لینا یا وزن کر لینا یہی اس کا قبضہ ہے۔

**بیع قبل القبض سے نہیں** اس کے بعد جاننا چاہیے کہ یہ حکم طعام میں تو متفق علیہ ہے کہ اس کی بیع قبل القبض جائز نہیں متفق احادیث میں اس کی تصریح ہے، طعام کے علاوہ باقی کن کن اشیا میں کن کن اشیا میں ہے یہ حکم جاری ہوگا اس میں علماء کا اختلاف ہے، اس میں چار قول مشہور ہیں (۱)

امام شافعی و محمد کے نزدیک ہر چیز کا یہی حکم ہے سوا کان من المکیلات او الموزونات، ومن الماکول او المشروب والمنقول وغیر المنقول (۲) اور یحییٰ امام الوضیفہ والیوسف کے نزدیک عقار (زمین) کے علاوہ تمام منقولات کا یہی حکم ہے، اس مذہب میں صرف عقار کا استثناء ہے، بخلاف پہلے مذہب کے کہ اس میں کسی چیز کا استثناء نہیں (۳) امام احمد کے نزدیک جملہ مکیلات و موزونات کا یہی حکم ہے، اس کے علاوہ باقی دوسری چیزوں کا یہ حکم نہیں ہے (۴) امام مالک کے نزدیک یہ حکم صرف ماکول اور مشروب کا ہے۔

**امام مالک اور جمہور کا ایک اور اختلاف** اس کے بعد یہاں ایک اختلاف اور ہے وہ بھی سمجھ لینا چاہیے وہ یہ کہ جمہور علماء اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک بیع طعام مطلقاً

قبل القبض جائز نہیں، یعنی چاہے اس کو جزا فاقا خریدا ہو یا کیلا، اور امام مالک کے قول مشہور میں جزاف اور غیر جزاف میں فرق ہے وہ یہ کہ جو غلہ جزا فاقا خریدا گیا ہو اس کی بیع قبل القبض جائز ہے اور جو کیلا خریدا گیا ہو اس کی بیع قبل القبض جائز نہیں اور مشتری کا اس کو کیل کر لینا یہی اس کا قبضہ ہے، امام مالک کا

استدلال باب کی چوتھی حدیث سے ہے جس کے لفظ یہ ہیں نہی ان یبیع احد طعاما اشتراہ بکیل حتی یتوفیہ، یعنی آپ نے منع فرمایا ہے اس بات سے کہ کوئی شخص اس طعام کو جس کو اس نے کیلا خریدا ہو وہ اس کی بیع قبل الاستيفاء کرے اس حدیث میں اشتراہ بکیل کی قید مذکور ہے، جمہور یہ کہتے ہیں

اشتراک بیکل کی قید احترازی نہیں، جس کا قرینہ باب کی حدیث اول ہے جو مطلق ہے، اسی طرح باب کی حدیث ثانی و ثالث میں باوجود بیع جزاف کی تصریح کے اس کو منتقل کرنے کا حکم کیا گیا ہے، اور یہ آقا ہی تو استیفاء ہے مگر تقدم قریبا ان قبض کل شیء بحسبہ۔

حدیث ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما الاول اخرجہ البخاری ومسلم والنسائی وابن ماجہ، والثانی اخرجہ مسلم والنسائی، والثالث اخرجہ البخاری ومسلم والنسائی وابن ماجہ بخوہ، والرابع اخرجہ النسائی، قال المنذری۔

قلت لابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما لم؟ قال: الاتری انہم یبتاعون بالذهب والطعام مخرجاً حضرت ابن عباس نے جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث نقل کی کہ جو شخص غلہ خریدے تو جب تک اس کو کیل نہ کر لے کسی دوسرے کے ہاتھ اس کو فروخت نہ کرے تو شاگرد یعنی طاؤس نے ان سے پوچھا کہ ایسا کیوں ہے تو انہوں نے اس منع کی وجہ کو ایک خاص مثال سے سمجھایا کہ دیکھتا نہیں ہے کہ بہت سے لوگ درہم و دینار سے خریدتے ہیں غلہ کو حالانکہ وہ غلہ مؤخر و مؤجل ہو تا ہے، انہوں نے یہ مثال بیع سلم کی دی جس میں بیع مؤجل ہوا کرتی ہے، ابن عباس کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ قبل القبض بیع کرنے میں رہا پایا جاتا ہے جیسے ایک شخص نے دوسرے کے ساتھ بیع سلم کی یعنی ایک دینار کے بدلہ میں قفیز حنظل خرید دینار تو فی الحال ادا کر دیا جیسا کہ بیع سلم میں ہوا کرتا ہے اور اجل پورا ہونے پر مثلاً ہبینہ گذر جانے کے بعد جب بائع نے مشتری سے کہا کہ اپنا قفیز حنظل لے لے تو مشتری نے قبل القبض اس کو دو دینار میں کسی شخص کے ہاتھ فروخت کر دیا اور کہہ دیا کہ فلاں جگہ سے اٹھالے تو اب صورت حال یہ بن گئی کہ یہ بیع الدینار بالدینار بن ہو گئی جو سر اسر رہا ہے اسلئے کہ مشتری نے تو اس غلہ کی شکل بھی نہیں دیکھی بلکہ مال کا یہ ہوا کہ ایک دینار گیا اور اس کے بدلہ میں دو آگئے، اور اس معاملہ کی حرمت ظاہر اور بدیہی ہے، والحدیث اخرجہ البخاری ومسلم والترمذی والنسائی، وابن ماجہ بخوہ، قال المنذری۔

قال ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما: واحسب کل شیء مثل الطعام۔ اس سے حضرت ابن عباس کا مذہب معلوم ہو گیا کہ ان کے نزدیک یہ حکم بالکل عام ہے، آگے اس کے بعد اس باب میں دو روایتیں اور ہیں جن کا مفہوم ظاہر ہے۔

والحدیث اخرجہ البخاری ومسلم والترمذی والنسائی، وابن ماجہ بخوہ قال المنذری۔

لہ اس لفظ کے ضبط میں نسخے مختلف ہیں، بعض میں تو اسی طرح ہے جس کو ہم نے اختیار کیا یعنی تخفیف الحیم و بعد ما ہمزہ، و فی بعض النسخ بدون ہمزہ مخرجاً، و فی بعض النسخ مخرجی، یمتثل الحیم و بعد ما ہمزہ، و فی بعض النسخ مخرجی۔ و فی النہایۃ ای مؤجلاً و مؤخرأ و ہمزہ و لا یہمز و فی کتاب الخطای علی اختلاف نسخہ مخرجی۔ بالتشدید للہامۃ (کذا فی تعلیق شیخ محمد خواجہ)۔

## باب فی الرجل یقول عند البیع: لا خلاۃ

خلاۃ بمعنی خدلیعہ اور دھوکہ، یعنی کوئی شخص کسی چیز کی بیع کے وقت یا شرائط کے وقت یوں کہے کہ دیکھو دھوکہ اور نقصان کی بات نہ ہونی چاہیے، یعنی قیمت میں زیادہ فرق نہ ہونا چاہیے (کیونکہ میں خرید و فروخت کا زیادہ تجربہ نہیں کرتا)

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان رجلاً ذکر لرسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اسئلہ

یحذرع فی البیع فقال لہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم: اذا ہایعت فقل: لا خلاۃ۔

**شرح الحدیث** اس رجل سے مراد وہ صحابی ہیں جن کا نام حبان بن منقذ ہے، انہوں نے آپ سے اپنا حال عرض کیا کہ میں بیع کے اندر دھوکہ کھا جاتا ہوں۔ اس روایت میں اختصار ہے، بعد والی روایت

میں جو حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے اس میں اس طرح ہے کہ ایک شخص جو ضعیف العقل تھے وہ خرید و فروخت کیا کرتے تھے، یعنی خرید و فروخت کا تو انہیں شوق تھا، دکان پر جا کر خرید و فروخت کیا کرتے تھے لیکن تھے اس معاملہ میں اناڑی تو ان کے گھر والے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئے اور اپنی پریشانی ظاہر کی اور یہ عرض کیا کہ یا رسول اللہ ان پر حجر واقع کر دیجئے تاکہ یہ پھر کسی سے خرید و فروخت نہ کر سکیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے گھر والوں کی شکایت پر ان کو بلایا اور ان کو بیع و شراء سے منع کیا، انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھ سے بغیر بیع کے صبر نہیں ہوتا، آپ نے فرمایا کہ اچھا اگر تو بیع نہیں چھوڑ سکتا تو فتل ہاء و ہاء ولا خلاۃ تو پھر تو بیع و شراء کے وقت بالغ سے یا مشتری سے چیز لیتے وقت یادیتے وقت یہ کہہ دیا کر کہ لے بھائی (خمن یا بیع) اور دیکھ دھوکہ کی بات نہ ہونی چاہیے۔

**الکلام علی الحدیث من حیث الفقہ** اس حدیث سے امام احمد اور بعض علماء نے یہ استنباط کیا کہ اگر کوئی شخص بیع و شراء کے وقت یہ لفظ کہہ دے یعنی لا خلاۃ، تو اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ اگر اس بیع کے اندر غبن پایا گیا تو خیاریہ نہ ہوگا

جبور علماء و منہم الخنفیۃ و الشافعیۃ، مغبون کے لئے خیاری غبن حاصل ہونے کے قائل نہیں، اور اس حدیث کا جواب انہوں نے یہ دیا کہ واقعہ حال لا عموم لہا، قال ابن العربی انہ کلمہ مخصوص بصاحبہ لا یتعدی الی غیرہ، اور امام مالک کا قول اصح بھی یہی ہے، اور دوسرا قول ان کا یہ ہے کہ الخیار بشرط ان یتبلغ الغبن ثلث القیمۃ، کہ مغبون کے لئے خیاری غبن ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ اس بیع کو فسخ کر سکتا ہے بشرطیکہ اس غبن کی مقدار ثلث قیمت تک پہنچی ہو، اس سے کم ہو تو نہیں، کذا فی ہامش الترمذی، اور تذل میں نقلاً عن الخطابی امام مالک کا قول یہ لکھا ہے کہ جس صورت میں مشتری صاحب بصیرت نہ ہو اور اس کی بیع میں غبن پایا جائے تو اس کو خیاریہ حاصل ہوتا ہے اور

بذل ہی میں خطابی سے امام احمد کا قول وہ نقل کیا ہے جو اوپر ہم نے ذکر کیا ان الامام احمد قال: اذا بايعه فقال لا خلافة  
فله الرداه، پس حاصل کلام یہ نکلا کہ اکثر علماء اور حنفیہ شافعیہ کا اس حدیث پر عمل نہیں ہے وہ اس حدیث کو صاحب  
واقعہ کے ساتھ خاص مانتے ہیں، اور امام احمد اور امام مالک فی احد القولین۔ اس حدیث پر عمل کرتے ہیں، ہم نے اپنے  
بعض اساتذہ سنا ہے اس حدیث کی توجیہ میں کہ اس حدیث میں کہاں تفریح ہے اس بات کی کہ لا خلافت کہنے کے بعد خیال غبن  
حاصل ہوتا ہے بلکہ اصل بات یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا زمانہ خیر کا زمانہ تھا لوگوں میں ایک دوسرے  
کے لئے ہمدردی تھی اس لئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان صحابی کو یہ مشورہ دیا کہ اگر تم بیع سے نہیں رک  
سکتے تو کم از کم بیع کے وقت اتنا ہی کہہ دیا کرو تاکہ تمہارے ساتھ معاملہ کرنے والا تمہارا الحاظ و خیال رکھے اور  
بس، اور اگر یہی کہا جائے کہ آپ کی مراد یہ تھی کہ ایسا کہنے سے تمہیں خیال غبن حاصل ہو جائے گا تو پھر وہی جواب  
ہوگا جو اوپر شرح سے نقل کیا گیا کہ انہ مخصوص بہذا الصحابی، واللہ تعالیٰ اعلم۔

اس حدیث کے ضمن میں ایک مسئلہ اور اختلافتی ہے یعنی حجر علی الکبیر السفیہ، امام اعظم ابو حنیفہ کے نزدیک اسباب حجر  
کا انحصار تین چیزوں میں ہے، جنون، قسما اور رقی، فلا حجر عنده علی الکبیر السفیہ، یعنی جو شخص باوجود عقل بالغ  
ہونے کے معاملات میں انارٹی ہو اور نادانی کی وجہ سے اپنا مال خراب اور ضائع کر دیتا ہو اس پر حجر واقع کرنا ائمہ  
ثلاثہ اور صاحبین کے نزدیک جائز ہے، اور امام صاحب کے نزدیک جائز نہیں، فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے  
اس حدیث سے فی الجملہ دونوں مسلکوں کی تائید ملتی ہے فنهنا عن البیوع سے قائلین کی تائید ہوتی ہے، اور  
ان كنت غیر تارك سے امام صاحب کی تائید ہوتی ہے حدیث ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اخرجہ البخاری ومسلم  
والنسائی، وحدیث النس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اخرجہ الترمذی والنسائی وابن ماجہ، قالہ المنذری۔

## باب فی العربان

عربان ضم عین اور سکون راء کے ساتھ اور اس کو عربون بھی کہتے ہیں، اس کی تفسیر خود کتاب میں امام مالک  
سے منقول ہے، حدیث الباب میں ہے۔ نہی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عن بیع العربان  
قال مالک وذلک فیما نری واللہ اعلم۔

بیع عربان کی تعریف و بیان مذاہب | بیع عربان جس سے حدیث میں منع کیا گیا ہے حضرت امام مالک  
اس کی تفسیر فرما رہے ہیں کہ عربان یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے سے  
غلام (مثلاً) خریدے یا اس سے دابہ کرایہ پر لے اور اس بیع یا اجارہ کے وقت مشتری یا مستاجر یوں کہے کہ میں  
تجہ کو یہ دینا دے رہا ہوں اس طور پر کہ اگر میں نے یہ چیز چھوڑی اور نہ خریدی یا کرایہ پر نہ لی تو پھر جو کچھ میں

نے تجھ کو دیا ہے وہ تیرے لئے ہے اور اگر خرید لی یا کرایہ پر لے لی تو پھر یہ دینار ختم اور اجرت میں شمار ہوگا، بیع عربان جمہور علماء اور ائمہ ثلاث کے نزدیک ناجائز ہے، ائمہ میں امام احمد اور صحابہ میں عمر و ابن عمر سے اس کی اباحت منقول ہے، بذل میں یہ سب کچھ لکھنے کے بعد اخیر میں یہ ہے: قلت ویرد العربان اذا ترک العقد علی کل حال بالاتفاق، یعنی وہ دینار جو مشتری یا مستاجر نے پیشگی دیا تھا اس کو واپس بہر حال کیا جائے گا بالاتفاق، یعنی ان کے نزدیک بھی جو بیع عربان کے جواز کے قائل ہیں، واللہ تعالیٰ اعلم، قال الخطابی وقد اختلف الناس فی جواز هذا البیع فابطلہ مالک والشافعی للخبیر ولما فیہ من الشرط الفاسد والغرر، ویدخل ذلک فی اکل المال بالباطل، وابطلہ اصحاب الرأی ایضا، وقد روی عن ابن عمر وعمرانہ اجازہ هذا البیع، واما احمد بن حنبل الی القول باجازتہ۔ الی آخر ما فی البذل۔ امام احمد نے اس حدیث کی تضعیف کی ہے کہ یہ منقطع ہے، لیکن علامہ زرقانی نے اس تضعیف کو رد کیا ہے۔

یہ باب کتب ستہ میں سے ابو داؤد کے علاوہ صرف ابن ماجہ میں ہے اور انہوں نے یہی حدیث ابو داؤد والی اس میں ذکر کی ہے یعنی عن عمر بن شعیب عن ابیہ عن جده، اور امام ابن ماجہ نے عربان کی تفسیر بھی ذکر کی ہے قال ابو عبد اللہ العربان ان یشتری الرجل دابة بمئة دینار فیعطیہ دینارین عربوناً فیقول ان لم اشتر الدابة فالدیناران لک اھ اور امام مالک نے مؤطا میں کتاب البیوع کی ابتداء ہی اس باب سے کی ہے، ماجار فی بیع العربان، وفي الاخر العربان بضم العین وسكون الراء قال عربون وعربون بالفتح والضم، وبالهزرة (یعنی اربون) بدل العین فی الثلاث والراء ساکن فی الکل۔ الی آخر ما ذکر من اختلاف اللغات وغیرہ۔

والحدیث اخر جہ ابن ماجہ وهذا منقطع، واسندہ ابن ماجہ وفيہ ضعیف کاتب الامام مالک وعبد اللہ بن عامر الاسلمی ولا یصححہما، قالہ المنذری۔

## باب فی الرجل یبیع ما لیس عندہ

عن حکیم بن الحزام رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال یا رسول اللہ! یا تبتی الرجل ینوید منی البیع، لیس عندی اقا بتاعہ لہ من السوق فقال لا تبع ما لیس عندک۔

اس حدیث کے مفہوم میں بیع العبد الا بئق اور بیع الشئ قبل القبض اور بیع مال غیر بغیر از نہ سب داخل ہیں لیکن اس آخری صورت میں جن بیع فضولی میں علماء کا اختلاف ہے جو پہلے گذر چکا، حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ مشتری حکیم بن حزام نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ بعض لوگ میرے پاس آتے ہیں اور مجھ سے ایسی چیز خریدنا چاہتے ہیں جو میرے پاس نہیں ہوتی تو کیا اس صورت میں میں ان کیساتھ بیع کر سکتا ہوں، یعنی پہلے

اس چیز کی بیع کر دوں اور پھر بعد میں اس کو بازار سے خرید کر اس شخص کو دوں، آپ نے اس سے منع فرمایا۔  
والحدیث اخرجه الترمذی والنسائی وابن ماجہ۔

لا یحل سلف و بیع ولا شرطان فی بیع ولا ربح مالم یضمن ولا بیع مالین عندک۔

**شرح الحدیث** | اس حدیث میں چار اجزاء مذکور ہیں جس کی شرح یہ ہے (۱) ہمیں حلال ہے قرض اور بیع، یعنی بیع بشرط القرض جائز نہیں، اور یا مطلب یہ کہ بیع بید المقروض جائز نہیں، کیونکہ جب مقروض کے ساتھ بیع کی جائے گی تو وہ مشتری قرض کی رعایت میں شمن میں کمی نہیں کرائے گا بلکہ ہوسکتا ہے اس کو گراں قیمت پر خریدے، حالانکہ ضابطہ یہ ہے، کل قرض جرفعا فہو باء (۲) ولا شرطان فی بیع اس کا مفہوم عند الجمهور تو یہ ہے لا بیعان فی بیع جیسا کہ حدیث ہے، "ہنی عن بیعتین فی بیعة" اور امام احمد نے اس حدیث کو اپنے ظاہر پر رکھا یعنی یہ کہ کسی بیع میں دو شرطیں لگانا تو جائز نہیں، اور صرف ایک شرط اگر ہو تو جائز ہے، چنانچہ ترمذی میں ہے قال احمد اذا قال ابيعک هذا الثوب و علی خیاطۃ و قصارتہ فہذا من نحو شرطین فی بیع، و اذا قال ابيعک و علی خیاطۃ فلا بأس بہ، و اذا قال ابيعک و علی قصارتہ فلا بأس بہ انما ہو شرط واحد، قال اسحاق کما قال، یعنی اگر کوئی شخص کسی کے ہاتھ کوئی کپڑا بیچے اور بائع بوقت بیع اپنے ذمہ دو شرطیں لگالے کہ میرے ہی ذمہ اس کا سینا ہوگا اور دھونا بھی تو یہ صورت تو ناجائز ہے اور اگر بیع ثوب کے وقت صرف خیاطت یا صرف قصارت کی شرط لگائی تو اس میں کچھ حرج نہیں یہ شرط واحد ہے اور حدیث میں ممانعت شرطین کی ہے، اور جمهور اسکے جواب میں یہ کہتے ہیں کہ ہر وہ شرط جو مقتضائے عقد کے خلاف ہو اس کا لگانا جائز نہیں، مفسد بیع ہے کیونکہ ایک دوسری حدیث میں ہے ہنی عن بیع و شرط (۳) اور اس حدیث کا تیسرا جزو یہ ہے کہ جو چیز آدمی کے ضمان میں داخل نہ ہو اس سے ربح حاصل کرنا جائز نہیں، جیسے بیع قبل القبض (۴) چوتھا جزو وہی ہے جو ترجمۃ الباب میں مذکور ہے جس کی مثال گذر چکی۔ والحدیث اخرجه الترمذی والنسائی وابن ماجہ، قالہ المنذری۔

## باب فی شرط فی بیع

مصنف کی غرض بیع میں شرط واحد کے جواز کو بیان کرنا ہے جیسا کہ امام احمد کا مذہب ہے اور مصنف صہبلی ہیں، اس باب میں مصنف نے حضرت جابر کی شرار جمل والی روایت ذکر کی ہے جیسے، واشترطت حملانہ الی اہلی۔ حضرت جابر کی شرار جمل والی حدیث | حضرت جابر فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ اپنا اونٹ فروخت کیا اور میں نے آپ سے فروخت کرتے وقت گھر تک اس پر سوار ہونے کی شرط لگائی، یہ شرط لگائی، یہ شرط جیسا کہ ابھی اوپر گذرا امام احمد کے نزدیک مطلقاً



جاؤ ہے اور حنفیہ و شافعیہ کے نزدیک مطلقاً ناجائز ہے و عند مالک الفرق بین المكان القریب والبعید یعنی مختصر سی مسافت کی شرط لگانا ناجائز ہے ان کے نزدیک مسافت طویلہ کی شرط لگانا جائز نہیں، حنفیہ شافعیہ کی طرف سے اس حدیث کا جواب یہ ہے کہ اس قصہ کی روایات کے الفاظ مختلف وارد ہیں ایک روایت میں ہے افترقی ظہرہ یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یہ اونٹ بطور عاریت کے مدینہ تک پہنچنے کے لئے مجھے دیدیا تھا، اس سے معلوم ہو رہا ہے کہ یہاں صلب عقد میں کوئی شرط نہیں تھی بلکہ سرے سے شرط ہی نہ تھی آپ نے اونٹ عاریتہ دیدیا تھا، قال فی آخرہ ثانی انہا ما کسک لا ذہب بجمک حد جملک و شمنہ فہما لک، مصنف کہہ رہے ہیں کہ اس حدیث کا آخر میں یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جابر سے فرمایا کہ کیا تیرا خیال میرے بارے میں یہ ہے کہ میں نے تجھ سے اونٹ خریدتے وقت دشمن میں لگی اس لئے کرائی تھی تاکہ کم قیمت میں تیرا اونٹ لیلوں (نہیں، ایسا نہیں تھا بلکہ) بے اپنا اونٹ بھی لیا، اور اس کا دشمن بھی، دونوں ہی ہم نے تجھ کو دیئے، مصنف نے اس حدیث کو یہاں حسب عادت مختصر بیان کیا، صحیح بخاری میں یہ حدیث دسیوں نہیں بلکہ بیسیوں جگہ ہے کہیں مختصر کہیں مطول، کتاب الشرط میں اس حدیث پر انہوں نے باب اذا اشتراط البائع ظہر الدایۃ الی مکان سبی جائز ترجمہ قائم کیا، اور وہاں جو حدیث ذکر کی ہے اس میں اس طرح ہے کہ میں غزوۂ تبوک میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کیساتھ ایسے اونٹ پر سوار ہو کر جا رہا تھا جو تھک گیا تھا، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جب میرے قریب کو گذرے تو آپ نے اس اونٹ کے ایک ضرب لگائی اور دعا بھی فرمائی جس سے وہ بہت تیز چلنے لگا، وہ فرماتے ہیں کہ پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے اس کے خریدنے کی بات شروع کی (تقریباً) اور فرمایا کہ میرے ہاتھ یہ ایک اوقیہ میں فروخت کر دے میں نے نفی میں جواب دیا، آپ نے مکرر فرمایا، پھر آگے یہ ہے کہ جب ہم مدینہ پہنچ گئے تو میں نے یہ اونٹ آپ کی خدمت میں پیش کر دیا آپ نے لے لیا اور اس کا دشمن مجھے دلا دیا، پھر جب میں جانے لگا تو آدمی بھیج کر مجھے بلایا اور فرمایا، ہمیں تیرا اونٹ لینا مقصود نہیں تھا اور یکڑا اپنا اونٹ بھی جو کہ تیرا ہی مال ہے الحدیث والحدیث اخرجہ البخاری والترندی والنسائی وابن ماجہ، مختصر او مطولاً، قالہ المنذری۔

### باب فی عہدۃ الرقیق

عن عقبۃ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال عہدۃ الرقیق ثلاثۃ ایام غلام کو واپس لینے کی ذمہ داری تین دن تک رہتی ہے، یعنی اگر کوئی شخص کسی مسئلہ مترجم بہا کی تشریح کے ہاتھ اپنا غلام فروخت کرے اور پھر مشتری کے پاس اس غلام میں کوئی مع بیان المذاہب والذلیل عیب ظاہر ہو تو تین دن کے اندر اندر بائع کے لئے اس کا واپس لینا ضروری

یعنی واپس لینے کی اس کی ذمہ داری ہے یعنی بغیر بینہ کے۔ اور اگر تین دن کے بعد کوئی عیب اس میں ظاہر ہو تو پھر بغیر بینہ قائم کئے مشتری کو واپس کرنے کا کوئی حق نہیں۔

اس حدیث کا تعلق خیار عیب سے ہے، جمہور علماء اور ائمہ ثلاث کے نزدیک مشتری کو عیب کی وجہ سے جو خیار عیب حاصل ہوتا ہے اس کا عام قاعدہ اور ضابطہ یہ ہے کہ اگر وہ عیب ایسا ہے کہ اس مدت میں اس کا مشتری کے یہاں پیدا ہونا ممکن نہیں تب تو بغیر بینہ کے مشتری اس مبیع کو واپس کر سکتا ہے، اور اگر وہ عیب ایسا ہے کہ اس مدت میں مشتری کے یہاں پیدا ہو سکتا ہے یعنی اور یہ بھی احتمال ہے کہ وہ پہلے سے ہو، اس صورت میں مشتری کو بذریعہ بینہ یہ ثابت کرنا ہوگا کہ یہ عیب میرے یہاں آکر پیدا نہیں ہوا بلکہ پہلے ہی سے ہے، پس اگر مشتری یہ بینہ پیش کر دے گا تب تو اس کو اس مبیع کے واپس کر دینے کا حق ہوگا ورنہ نہیں، جمہور کے نزدیک یہ قاعدہ کلیہ ہے کوئی مسئلہ اور جزئیہ ان کے نزدیک اس سے مستثنیٰ نہیں، امام مالک کے نزدیک اس میں ایک استثناء ہے جو کہ حدیث الباب میں مذکور ہے جس کا تعلق غلام اور باندی کی شرائط سے ہے کہ اگر وہ مبیع غلام یا باندی ہے اور مشتری نے اس کے اندر کوئی عیب پایا تو مشتری تین دن کے اندر اندر اس غلام یا باندی کو بہر حال بغیر بینہ کے واپس کر سکتا ہے چاہے وہ عیب کیسا ہی ہو مگر یہ ان کے یہاں اس صورت میں ہے جبکہ بائع نے برات من کل عیب کی شرط نہ لگائی ہو، اور اگر لگائی ہو تو ان کے یہاں بھی یہ مسئلہ نہیں ہے، بہر حال یہ حدیث امام مالک کی دلیل اور جمہور کے خلاف ہے جمہور کی طرف سے اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ حدیث ثابت نہیں، بذل میں ہے وضعف احمد بن حنبل عہدۃ الثلاث، وقال لا یثبت فی العہدۃ حدیث وقالوا لم یسمع بحسن من عقبہ بن عامر شیئا، خطابی فرماتے ہیں کافی البذل وعہدۃ السنۃ من الجوز والجزام والبرص، ولا عہدۃ الا فی الرقیق فاصۃ وهذا قول اهل المدینۃ وابن المسیب والزہری، یعنی بڑی بڑی بیماریاں جیسے جوزن جزام اور برص ان میں عہدۃ الرقیق کی مدت بڑھ جاتی ہے تین دن کے بجائے ایک سال ہے، وہ فرماتے ہیں کہ امام شافعی اس میں نہ تین دن کا اعتبار کرتے تھے نہ ایک سال کا۔ الی آخر ما ذکرہ (بذل) میں کہتا ہوں اور موطا محمد میں ہے: سنا لعرف عہدۃ الثلاث ولا عہدۃ السنۃ الخ کہ ہم نہیں جانتے کہ عہدۃ الثلاث اور عہدۃ السنۃ کیا ہوتا ہے، مگر یہ کہ آدمی تین دن کی یا ایک سال کی شرط لگائے تو پھر وہ شرط معتبر ہوگی یعنی عہدۃ الرقیق کوئی مستقل چیز نہیں ہے اس کا کوئی ثبوت ہی نہیں ہے حدیث مرفوع سے ہاں خیار شرط معتبر اور ثابت ہے لہذا اگر مشتری غلام یا باندی — خریدتے وقت شرط لگائے رد بالعیب کی مطلقا خواہ وہ تین دن کی ہو یا ایک سال کی ہو تو اس حیثیت سے وہ معتبر ہوگی کیونکہ خیار شرط شرعا ثابت اور متفق علیہ ہے یہ

لہ امام مالک نے موطا میں ترجمہ قائم کیا، العہدۃ فی الرقیق، اور پھر اس کے ذیل میں وہ حدیث مرفوعہ ذکر نہیں کی جو یہاں —

## باب فمیں اشتري عیلا فاستعملہ ثم وجدہ عیبا

مسئلہ مترجم بہا کی تشریح | ہمارے اس نسخہ میں اسی طرح ہے "فاستعملہ" اور نسخہ خطابی میں بجائے اس کے "فاستعملہ" ہے استغلال غلہ سے ماخوذ ہے غلہ بمعنی نفع و آمدنی، لہذا ترجمہ الباب کا مطلب یہ ہوگا کہ جس شخص نے غلام خریدا اور پھر اس سے کمائی کرائی اور پھر مشتری نے اس غلام میں کوئی عیب پایا اس کے بارے میں مصنف مسئلہ بیان کرنا چاہ رہے ہیں کہ جب اس غلام میں عیب نکل آیا تو اب ظاہر بات ہے مشتری کو خیار عیب حاصل ہوگا جس کی وجہ سے وہ اس غلام کو واپس کر سکتا ہے لیکن وہ آمدنی جو مشتری کو غلام کے ذریعہ سے اس مدت میں حاصل ہوئی ہے اس کا کیا ہوگا وہ بھی غلام کے ساتھ واپس جائے گی یا اس کا مستحق خود مشتری ہوگا، اس بارے میں مصنف نے جو حدیث ذکر کی وہ یہ ہے۔

عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم الخراج بالضمان - خراج بمعنی نفع اور پیداوار، بالضمان ای مستحق بسبب الضمان - یعنی آدمی آمدنی اور نفع کا مستحق ہوتا ہے ضمان کی وجہ سے، پس جو شئی جس شخص کے ضمان میں ہوگی اس کی آمدنی اور نفع کا مستحق بھی وہی ہوگا، لہذا اس حدیث سے ترجمہ الباب والے مسئلہ کا حکم معلوم ہو گیا وہ یہ کہ یہ آمدنی مشتری کے لئے ہوگی، غلام کے ساتھ واپس نہیں کی جائے گی، اس لئے کہ اگر اس دوران وہ غلام مشتری کے یہاں ہلاک ہو جاتا تو اس کا ضمان مشتری ہی ہوتا یہ الخراج بالضمان والا مسئلہ تقریباً اجماعی ہے چنانچہ احناف نے مسئلہ مصراۃ میں بھی اس کو پیش نظر رکھا لیکن جمہور نے اس مسئلہ میں اس حدیث کی موافقت نہیں کی۔  
والحدیث اخرجه الترمذی والنسائی، قال المنذرى۔

→ ابوداؤد میں ہے بلکہ بعض امرئے مدینہ ابان بن عثمان اور ہشام بن اسماعیل کا طرز عمل بیان کیا انہما کا نایہ کران فی خطبہما عہدۃ الرقیق فی الایام الثلاثہ من حین یشتري العبد او الولیۃ، وعہدۃ السنۃ یعنی یہ امرئے مدینہ اپنے غلاموں میں عہدۃ الرقیق اور اسی طرح عہدۃ الولیۃ فی الایام الثلاثہ اور فی السنۃ ذکر کیا کرتے تھے، علامہ باجی فرماتے ہیں کہ امام مالک کا مقصد یہ ہے کہ یہ عہدۃ الرقیق فی الایام الثلاثہ او فی السنۃ ان امور میں سے ہے جو مشہور اور معمول بہا تھے اور جن کا امراء اہتمام کیا کرتے تھے یہاں تک کہ خطیوں میں اس کو بیان کیا کرتے تھے اھ اور امام محمد نے موطا میں ترجمہ قائم کیا۔ باب عہدۃ الثلاث و السنۃ، اور پھر وہی روایت ذکر کی جو موطا مالک میں ہے اس پر امام محمد نے تعقب کرتے ہوئے فرمایا قال محمد بن سنان عہدۃ الثلاث ولا عہدۃ السنۃ الا ان یشتري الرجل خیار ثلاثۃ ایام او خیار سنۃ فیکون ذلک علی ما شرط و اما فی قول ابی حنیفہ فلا يجوز الخیار الا ثلاثۃ ایام اھ امام محمد فرماتے ہیں کہ خیار شرط کا اعتبار ہے عہدۃ الرقیق کوئی چیز نہیں اور یہ بھی فرماتے ہیں کہ خیار شرط میں جتنے دن کی بھی شرط لگائی جائیگی وہ درست ہے ہمارے نزدیک لیکن امام ابو حنیفہ کے نزدیک خیار عیب تین دن سے زیادہ نہیں ہوتا۔

عن مخلد بن خفاف الغفاری قال کان بینی وبين اناس شرکة فی عبدنا فتویمته وبعضنا غائب فأغل علی غلة فخاصصتی فی نصیبه لی بعض القضاة الخ۔

مخلد بن خفاف کہتے ہیں کہ میرے اور بعض لوگوں کے درمیان ایک غلام مشترک تھا تو ایسا ہوا کہ ہمارے بعض شریک موجود نہیں تھے، میں نے اس غلام کو کمائی پر لگا کر اس کے ذریعہ سے کچھ کمایا، جب شریک غائب آیا تو اس نے اس غلام والی آمدنی میں سے اپنے حصہ کا مطالبہ کیا اور اس مسئلہ کو قاضی وقت کے پاس لے گیا، قاضی صاحب نے مجھے حکم دیا کہ میں اس آمدنی میں اس کا بھی حصہ لگاؤں میں قاضی کے اس فیصلہ کے بعد حضرت عروہ بن الزبیر کے پاس گیا اور ان سے یہ سارا قصہ اور قاضی کا فیصلہ بیان کیا، عروہ یہ سن کر قاضی کے پاس گئے اور اس قاضی سے یہ حدیث مرفوع جو حضرت عائشہ سے مروی ہے الخراج بالضمان بیان کی، یعنی آپ کا یہ فیصلہ صحیح نہیں خلاف حدیث ہے

عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان رجلا ابتاع غلاما الخ۔

اس کا مضمون اوپر والی حدیث کے مضمون ہی کی طرح ہے۔

قال ابو داؤد: هذا اسناد ليس بذلك۔

**الخارج بالضمان حدیث کس درجہ کی ہے؟** اسناد چاہے کیسی ہو لیکن مسئلہ اسی طرح ہے، اس سند کے ضعف کی وجہ جس کو مصنف فرما رہے ہیں یہ ہے کہ اس کا قال المنذری

کہ اس کی سند میں مسلم بن خالد الزنجی ہیں، جو کہ ضعیف ہیں، منذری کہتے ہیں لیکن امام ترمذی نے اس حدیث کو اپنی جامع میں اس سند سے روایت کیا ہے عمر بن علی المقدی عن ہشام بن عروہ عن ابیہ عن عائشہ ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قضی ان الخراج بالضمان قال وذا حدیث حسن صحیح من حدیث ہشام بن عروہ اھ اس سند میں مسلم ابن خالد الزنجی نہیں ہے، نیز ترمذی میں ہے قال ابو عیسیٰ استغرب محمد بن اسماعیل ہذا الحدیث من حدیث عمر بن علی قلت تراہ تدلیسا؟ قال: لا اھ تہذیب السنن میں منذری فرماتے ہیں: وحکی البیهقی عن الترمذی ان ذکرہ ل محمد بن اسماعیل البخاری زکاۃ العجبہ یعنی امام بخاری نے جب یہ حدیث اس سند سے سنی تو اس کو پسند فرمایا اھ اس کے بعد حافظ منذری نے عمر بن علی کے بارے میں لکھا: وقد اتفق البخاری ومسلم علی الاحتجاج بحدیثہ ورواہ عن عمر بن علی ابوسلمۃ یحییٰ بن خلف الجویباری وهو ممن یروی عنہ مسلم فی صحیحہ، وھذا اسناد جید ولھذا صحیح الترمذی، وهو غریب کما اشار الیہ الجبیری والترمذی، واللہ تعالیٰ اعلم۔ حافظ منذری نے ترمذی والی روایت کے تمام رواۃ کی ثقاہت کو اپنے اس کلام میں ذکر کر دیا ہے اور پھر اخیر میں فرما رہے ہیں کہ یہ سند جید ہے اسی لئے اس حدیث کی امام ترمذی نے تصحیح کی ہے، اور گو غریب بھی ہے لیکن غریب صحت کے منافی نہیں جیسا کہ مشہور اصولی مسئلہ ہے اور حضرت شیخ کے حاشیہ بذلی میں ہے ذکر تخریج الحدیث الحافظی التلخیص والمسئلۃ الجماعیۃ لھذا الحدیث کافی الادب، امام ابو داؤد نے اس حدیث

الخارج بالضم ان کو بروایت عائشہ تین مختلف سندوں کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ ان تین میں سے ایک سند پر کلام کیا ہے

## باب اذا اختلف البيعان والمبيع قائم

اخبرني عبد الرحمن بن قيس بن محمد بن الاشعث عن ابيه عن جداه قال اشترى الاشعث رقيقاً من رقيق الخمس من عبد الله بن عمرو بن العاص. عبد الرحمن بن قيس روایت کرتے ہیں اپنے باپ قیس سے اور قیس روایت کرتے ہیں عبد الرحمن کے دادا محمد بن الاشعث سے، محمد بن الاشعث اپنے والد یعنی اشعث کا واقعہ نقل کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ اشعث نے بیت المال کے غلاموں میں سے چند غلام عبد اللہ بن مسعود سے خریدے بیس ہزار درہم میں، عبد اللہ بن مسعود نے ثمن لینے کے لئے اشعث کے پاس آدمی بھیجا، اشعث نے کہا کہ میں نے وہ غلام دس ہزار درہم میں خریدے ہیں (اور عبد اللہ فرماتے تھے کہ بیس ہزار میں خریدے ہیں) جب ان دونوں میں اختلاف ہوا تو عبد اللہ بن مسعود نے فرمایا کہ کسی شخص کو اپنے اور میرے درمیان حکم بنالغی، اشعث نے کہا میرے اور آپ کے درمیان خود آپ ہی حکم ہیں، اس پر حضرت عبد اللہ بن مسعود نے فرمایا کہ میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے سنا کہ آپ فرماتے تھے، اذا اختلف البيعان وليس بينهما بينة فهو ما يقول رب السلعة او يتاركان۔

شرح الحدیث و بیان مذاہب الائمۃ | یعنی جب بائع اور مشتری کا عقد ارٹھن میں یا مبیع میں اختلاف ہو اور بینۃ کسی کے پاس نہ ہو تو پھر رب السلعة یعنی بائع کا قول معتبر ہوگا (یعنی مع یمینہ) اور یا پھر دونوں اس معاملہ کو چھوڑ دیں اور فسخ کر دیں، یعنی یا تو مشتری بائع کے قول کو مع یمینہ تسلیم کر لے اور اس پر راضی ہو جائے، اگر ایسا ہے تو فیہا اور اگر مشتری راضی نہ ہو تو پھر وہ بھی اپنی بات پر قسم کھالے اور پھر قاضی دونوں کے درمیان معاملہ کو فسخ کر دے یعنی ثمن مشتری، مشتری کو واپس کر دیا جائے اور مبیع مشتری سے لیکر بائع کو دیدی جائے۔

جانتا چاہیے کہ یہ مسئلہ مشہور اختلافی ہے بین الخفیۃ والشافعیۃ، اور وہ اختلاف یہ ہے کہ اوپر حدیث میں جو مسئلہ مذکور ہے وہ امام شافعی و احمد کے نزدیک مطلقاً ہے خواہ سلعة یعنی مبیع موجود ہو یا ہلاک ہوگئی ہو، اور اس دوسری صورت میں تراد کا مطلب یہ ہوگا کہ مشتری مبیع کی قیمت واپس کرے اور امام محمد بھی ان ہی کے ساتھ ہیں اور شیخین امام ابو حنیفہ و ابو یوسف اور امام مالک کے نزدیک یہ حکم مذکور فی الحدیث اس صورت میں ہے جبکہ مبیع قائم ہو اور اگر مبیع ہلاک ہوگئی ہو تو پھر ان دونوں کے نزدیک القول قول مشتری مع یمینہ، شیخین کی دلیل یہ ہے کہ اس حدیث کے بعض طرق میں تصریح ہے اذا اختلف البيعان والسلعة قائمۃ جس کی طرف مصنف نے بھی خود اشارہ کیا ہے ترجمۃ الباب میں اسلئے کہ انہوں نے ترجمۃ الباب میں "والمبيع قائم" کی قید لگائی ہے۔

ہذا ترجمہ الباب میں حنفیہ کی تائید ہوئی۔

**تفصیل المسئلۃ** یہ جو کچھ اب تک ذکر کیا گیا حدیث الباب کی شرح میں اور اس کے بعد فقہاء کا اختلاف ہے سب اس صورت میں تھا جبکہ بائع اور مشتری میں سے کسی کے پاس بیمنہ نہ ہو، اور اگر کسی

ایک کے پاس بیمنہ ہے اپنے دعویٰ پر تو صاحب بیمنہ کے حق میں فیصلہ کیا جائے گا۔ اور اگر ہر ایک نے بیمنہ قائم کر دیا تو اس وقت مسئلہ یہ ہے کہ جو بیمنہ مثبتہ للزیادۃ ہوگا وہ اولیٰ ہوگا، اس حدیث کے ذیل میں مولانا محمد میں ہے قال محمد وبہذا نأخذ، اذا اختلفا فی الثمن تجالفا وقرادا البیع وهو قول ابی حنیفۃ والعامۃ من فقہائنا اذا کان المبیع قائما ببعینہ، فان کان المشتري قد استہلک ما قال المشتري فی الثمن فی قول ابی حنیفۃ (وابی یوسف) دامانی قولنا فی ثقتی القان ویردان القیمۃ اھ اس میں امام محمد نے تصریح کر دی ہے کہ ان کی رائے اس مسئلہ میں امام صاحب کے ساتھ نہیں بلکہ وہ اس میں امام شافعی کے ساتھ ہیں کما قد سلف منافی بیان المذاہب۔ والحدیث اخرجه النسائی، قال المنذری۔

### باب فی الشفعۃ

**شفعہ کے لغوی اور اصطلاحی معنی کی تحقیق و تنقیح** شفعہ کے لغوی معنی ضم کے ہیں، قال القسطلانی دھبی فی اللغۃ اضم علی الاشر من شفعت الشئ ضممتہ فی ضم نصیب الی نصیب، وفی الشرع حق تملک قہری یشب للمشرک القدیم علی الحادث فی مالک بوجہ اور فتح الباری میں ہے:

وفی الشرع انتقال حصۃ شریک الی شریک کانت انتقلت الی اجنبی بمثل العوض المسمی ولم یختلف العلماء بمشروعیۃہا الا ما نقل عن ابی بکر الاصم من انکارہا اھ ان تعریفات میں جمہور کے مسلک کی رعایت کی گئی ہے جن کے نزدیک شفعہ کا ثبوت صرف شریک کے لئے ہوتا ہے بخلاف حنفیہ کے کہ ان کے نزدیک شفعہ کا انحصار شریک میں نہیں ہے بلکہ ان کے نزدیک شفعہ سخی جوار بھی ہوتا ہے جیسا کہ آگے مفصلاً آ رہا ہے حافظ نے جو تعریف کی ہے اس کا مطلب ہے کہ احد الشریکین کا حصہ جو بیع کی وجہ سے کسی اجنبی شخص کی طرف منتقل ہو گیا ہے (یعنی مشتری) اس کا منتقل ہونا اس اجنبی سے شریک آخر کی طرف عوض مسمی کے بدلہ میں، اس سے مراد وہ ثمن ہے جو مشتری نے ادا کیا ہے بائع کو، یہ احد الشریکین کے حصہ کا انتقال شریک آخر کی طرف جس کو شفعہ کہا جاتا ہے اس کا حصول چونکہ شریک آخر کے لئے غیر اختیاری ہے یعنی شرعی طور پر اس کو یہ حق پہنچتا ہے، یہ الگ بات ہے کہ وہ اپنے اس حق کو لے یا نہ لے

عہ کسی زمین یا مکان کی بیع کے وقت شرکت یا بخوار کی وجہ سے احد الشریکین یا پڑوسی کیلئے حق تملک حاصل ہونا ثمن مشتری،

اسی لئے قسطلانی نے شفعہ کی تعریف میں حق تملک قہری ای غیر اختیاری کہا ہے، اس کی مثال ایسی ہے جیسے وراثت کہ ایک وارث کو دوسرے وارث کے مال کا استحقاق غیر اختیاری طور پر ہوتا ہے، اسی طرح شفعہ بھی ہے کہ شریعت نے احد الشریکین اور پڑوسی کے لئے شریک آخر اور جار کے حصہ میں حصہ رکھا ہے اگر وہ شریک چاہے تو شریک آخر کا وہ حصہ جو شخص آخر اجنبی یعنی مشتری کے پاس پہنچ گیا ہے اس کو اس سے لے سکتا ہے جتنے میں وہ چیز مشتری کو پڑی ہے، اسی لئے ہمارے فقہاء نے شفعہ کی تعریف اس طرح کی ہے تملک البقعة بما قام علی مشتری بسبب البشرکہ او الجوار، ہر معنی اصطلاحی میں معنی لغوی بھی ملحوظ ہوتے ہیں، چنانچہ یہاں بھی شفعہ شرعی میں اس کے — لغوی معنی یعنی ضم حصہ الی حصہ پائے جاتے ہیں یعنی ایک شریک دوسرے شریک کے حصہ کو اپنے حصہ کی طرف ملاتا ہے (وہذا غلیۃ توضیح لہذا المقام)

**اسباب شفعہ عند الامتہ** | اس کے بعد جانتا چاہیے کہ اسباب شفعہ میں ائمہ کا اختلاف ہے، ہمارے یہاں اسباب شفعہ دو ہیں شرکت اور جوار، پھر شرکت کی دو قسمیں ہیں، شرکت فی نفس المبیع، اور شرکت فی طریق المبیع طریق کی کوئی تخصیص نہیں، بلکہ مقصود شرکت فی حق من حقوق المبیع ہے کا طریق والشرب و نحوہا، اور عند المجہور و ائمہ ثلاثہ مبیعت منحصر ہے شرکت فی نفس المبیع میں، لہذا اسباب شفعہ ہمارے یہاں تین ہیں اور مجہور کے نزدیک صرف ایک، یعنی شرکت فی نفس المبیع، باقی دو کے وہ قائل نہیں ہیں۔

عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم الشفعۃ فی کل شریک ربعة او حائط لا یصلح ان یمیع حتی یوذن شریکہ فان باع فہو احق بہ حتی یوذنہ۔

آپ فرماتے ہیں کہ ہر مشترک چیز یعنی مکان یا باغ میں شفعہ ثابت ہے، شریکین میں سے کسی ایک کیلئے جائز نہیں کہ وہ اپنا حصہ کسی اجنبی شخص کو فروخت کرے یہاں تک کہ اپنے شریک کو مطلع نہ کر دے پس اگر اس نے اپنا حصہ قبل الاذنان فروخت کر دیا تو اس کا شریک آخر اس کے حصہ کا زیادہ حقدار ہوگا بہ نسبت مشتری کے۔

اس حدیث میں دو مسئلے ہیں ایک وہی اوپر والا اختلافی مسئلہ کہ حق شفعہ صرف شریک ہی کے لئے ہوتا ہے شئی مشترک میں یا غیر شریک یعنی پڑوسی کے لئے بھی ہوتا ہے، دوسرا مسئلہ یہ کہ شفعہ کن کن چیزوں میں ہوتا ہے، صرف مکان اور زمین ہی میں یا اس کے علاوہ میں بھی۔

**شفعہ کن کن چیزوں میں ہوتا ہے** | یہ دوسرا مسئلہ بھی اختلافی ہے، خطابانی فرماتے ہیں حدیث الباب میں دلیل ہے اس بات پر کہ شفعہ صرف مکان اور زمین میں واجب ہوتا ہے

اس کے علاوہ دوسری چیزیں سامان اور حیوان وغیرہ میں نہیں ہوتا، ترمذی میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی ایک حدیث مرفوعہ عام دی ہے، "الشریک شیفع والشفعۃ فی کل شئی۔" یہ روایت ترمذی میں مرسلہ و مستند دونوں

طرح مردی ہے، لیکن امام ترمذی نے روایت مرسلہ کو اصح قرار دیا ہے، اور پھر اس کے بعد فرماتے ہیں: وقال اکثر اهل العلم انما تكون الشفعة في الدور والارضين ولم ير والشفعة في كل شئ، وقال بغض اهل العلم الشفعة في كل شئ والاول اصح، تحفة الاحوذی میں "الشفعة في كل شئ" پر لکھا ہے وہ قال مالک فی روایۃ، وهو قول عطاء، اور ایام احمد سے نقل کیا ہے کہ ان کے نزدیک شفعة منقولات میں سے صرف حیوانات میں ہے، باقی منقولات میں نہیں، کذا فی الفتح (تحفة) والحدیث اخرجه مسلم والنسائی، قال المنذرى۔

عن جابر بن عبد الله رضى الله تعالى عنهما قال انما جعل رسول الله صلى الله تعالى عليه واله وسلم الشفعة في كل مال لم يقسم فاذا وقعت الحدود وصرفت الطرق فلا شفعة۔

یعنی شفعة ہر اس مال مشترک میں ہے جس کو ابھی تک تقسیم نہیں کیا گیا اور پھر جب ہر شریک کے حصہ کی حدود متعین کر دی جائیں یعنی اس کی شرکت کو ختم کر کے ہر شریک کا حصہ میزاور جدا کر دیا جائے اور راستے بھی الگ الگ کر دیئے جائیں پھر شفعة نہیں رہتا۔

حدیث جو کہ دلیل جمہور ہے | جمہور علماء اور ائمہ ثلاث نے اپنے مسلک پر اسی حدیث سے استدلال کیا ہے، ہمارے علماء نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ حق شفعة کے مختلف اسباب ہیں جن میں ایک شرکت بھی ہے، جب یہ بات ہے تو پھر اس

حدیث کا یہ مطلب لیا جائیگا کہ مکان مشترک یا ارض مشترک کی تقسیم کے بعد جو حق شفعة شرکت کی وجہ سے حاصل تھا، تقسیم کے بعد اب وہ نہیں رہا، اب اگر کسی حدیث سے شرکت کے علاوہ کسی اور چیز کا سبب شفعة ہونا ثابت ہوگا تو پھر یہ حدیث اس کے منافی نہ ہوگی، اور ہم کہتے ہیں دوسری احادیث سے شرکت فی الطريق اور اسی طرح جوار کا سبب شفعة ہونا ثابت ہے لہذا اس کی اس حدیث میں نفی نہیں ہے (بذل) والحدیث اخرجه البخاری والترمذی وابن ماجه، قال المنذرى۔

آگے اسی مضمون کی حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی آرہی ہے اذا قسمت الارض وحدت فلا شفعة، اخرجه النسائی وابن ماجه سنداً ومسلماً، قال المنذرى۔

عن ابراهيم بن ميسرة سماع عمرو بن الشريد سمع ابا رافع سمع النبي صلى الله تعالى عليه واله وسلم يقول الجار احق بسقبة۔

سَقَب بمعنی قرب، یعنی آدمی کا پڑوسی اپنے پڑوسی کا اپنے قرب و جوار کی وجہ سے زیادہ مستحق ہے، یعنی بہ نسبت اس شخص اجنبی یعنی مشتری سے، جس نے کسی کا مکان خریدا ہے۔



## دلیل الحنفیہ اور اس پر اشکال و جواب

یہ حدیث شفعہ لاجل البحار میں حنفیہ کی دلیل ہے، خطاب نے اس پر چند تعقب کئے ہیں اول یہ کہ یہ حدیث تو اپنے مضمون میں مبہم ہے محتاج کشف و بیان ہے کیونکہ اس میں شفعہ کا کوئی ذکر نہیں، لہذا اس میں دونوں احتمال ہیں ہو سکتا ہے اس سے مراد شفعہ ہی ہو، اور ہو سکتا ہے اس سے مراد یہ ہو انہ احق بالبر والمعونۃ، یعنی آدمی کا پڑوسی پڑوسی کی وجہ سے سستی ہے اس کا کہ اسکے ساتھ بھلائی اور ہمدردی اور اعانت کی جائے، اور ایک نقد یہ کیا ہے کہ لفظ جار کا اطلاق شریک پر بھی ہوتا ہے جس طرح کہ زوجہ پر بھی جارہ کا اطلاق ہوتا ہے، تیسرا نقد یہ کیا ہے کہ اس حدیث کی سند میں اضطراب ہے اور وہ احادیث جن میں یہ ہے کہ شفعہ صرف شریک کیلئے ہوتا ہے اسانید کا اختیار ایس فی شئی نہنا اضطراب۔

خطابی کے پہلے نقد کا جواب یہ ہے کہ البحار احق بسبقہ اس حدیث میں کہا جا سکتا ہے شفعہ کا ذکر نہیں لیکن اس کے بعد والی روایت میں شفعہ کی تصریح ہے۔ جار الدار احق بدار البحار۔ دوسرے نقد کا جواب یہ ہے کہ بعض روایات میں تصریح ہے اس بات کی کہ جار سے مراد جار ہی ہے شریک نہیں، جیسا کہ امام طحاوی نے اپنی سند سے بیان کیا ثم قد روی عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من اسباب الشفعۃ بالبحار، وتفسیر ذلک بحوار ما قد حدثنا..... عن عمرو بن الشریح عن ابیہ قال قلت یا رسول اللہ ارض لیس لاصدقہا قسم ولا شرک الا البحار وبعث قال البحار احق بسبقہ، امام طحاوی فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں تصریح ہے اس بات کی کہ جس زمین کے بارے میں سائل نے آپ سے سوال کیا تھا اس میں کسی قسم کی کوئی شرکت فی المبیع یا شرکت فی الطریق کچھ نہیں تھی سوائے حوار کے اور اس کے باوجود آپ نے حق شفعہ کو ثابت فرمایا۔

اور تیسرے نقد کا جواب یہ ہے کہ اضطراب صرف بعض احادیث کے بعض طرق میں ہے، اور بعض اس میں ایسی بھی ہیں جو ہر قسم کے اضطراب و اختلاف سے محفوظ ہیں جیسا کہ حدیث الحسن بن سمرہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جار الدار احق بالدار قال ابو عیسیٰ فی الباب عن الشریح وابی رافع والنس قال ابو عیسیٰ حدیث سمرہ حدیث حسن صحیح، اور پھر بعض رواۃ نے جو اس میں اختلاف کیا ہے اس کو امام ترمذی بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں والصحیح عندنا العلم حدیث الحسن بن سمرہ۔ الی آخر ما ذکر الترمذی من اختلاف الروایات وترجیح بعضها علی بعض و فی آخرہ سمعت محمد بن یقول کلام الحدیثین عندی صحیح اھ والحدیث اخرجه البخاری والنسائی وابن ماجہ، قال المنذری۔

## باب فی الرجل یفلس فیجد الرجل متاعہ بعینہ

اس ترجمہ الباب اور حدیث الباب کو سمجھنے کے لئے اصل مسئلہ اور اس میں اختلاف علماء کو سنئے۔

سئل مترجم بہا کی تشریح اگر کوئی شخص مایون مفلس ہو بہت سون کا مقروض و مایون ہو تو اس کے پاس جو مال ہو یا کہیں سے آئے تو وہ تمام ارباب حقوق کو علی حسب الرؤس دیا جاتا ہے اور اس میں اختلاف ائمہ

مایون کے پاس ہو تو اس صورت میں ترجیح ہوگی کہ وہ مخصوص شئی صرف اس کے مالک کو دی جائے، اب اسکے بعد سمجھئے کہ اس مخصوص شئی سے کیا مراد ہے، مال و ریعت و مال غصب و عاریتہ یہ تو بالاتفاق ہے، اس مال مخصوص میں مبیع بھی داخل ہے یا نہیں، اس میں اختلاف ہے، ائمہ ثلاثہ کے نزدیک وہ بھی داخل ہے، حنفیہ کے نزدیک مبیع اس میں داخل نہیں، کیونکہ تبدیل ملک سے حکم تبدیل عین ہو جاتا ہے شرعاً جیسا کہ حدیث بریرہ، لک صدقہ و لنا حدیثہ سے ثابت ہے، لہذا مبیع پر فوجد الرجل مالہ بعینہ صادق نہیں آتا، اسی لئے حنفیہ کہتے ہیں کہ مسئلہ مذکورہ میں بائع احق بالمبیع نہ ہوگا بلکہ اسوۃ للغرماء ہوگا اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اس حدیث کے مصداق میں مبیع بھی داخل ہے اسی لئے وہ کہتے ہیں کہ بائع احق بالمبیع ہوگا، پھر ان ائمہ میں آپس میں بعض جزئیات میں اختلاف ہے مثلاً یہ کہ شافعیہ کے یہاں بائع کو ترجیح ہر حال میں ہوگی مایون زندہ ہو یا مرچکا ہو، اور مالکیہ کے یہاں مایون کی زندگی میں تو بائع کو ترجیح ہوگی یعنی بائع احق بالمبیع ہوگا اور بعد الموت نہیں، اسی طرح اگر مشتری نے بائع کو کچھ شمن ادا کر دیا تھا تو شافعیہ کے یہاں اس میں بھی عموم ہے کہ بائع کو دونوں صورتوں میں ترجیح ہوگی اور مالکیہ کے نزدیک یہ ہے کہ اگر مشتری نے بائع کو کچھ بھی حصہ شمن کا ادا نہ کیا ہو گا تب تو بائع کو ترجیح ہوگی، اور اگر اس نے شمن کا کچھ حصہ ادا کر دیا تھا تب ترجیح نہ ہوگی۔

یہ دونوں اختلافی مسئلے شافعیہ اور مالکیہ کے باب کی آنے والی حدیثوں سے سمجھ میں آرہے ہیں اور حنفیہ کے نزدیک بائع کو کسی حال میں ترجیح نہ ہوگی۔

اس کے بعد جانتا چاہیے کہ اس مسئلہ کی جن روایات میں فوجد الرجل مالہ بعینہ کیساتھ بیع کا ذکر نہیں ہے وہاں تو حنفیہ کے مسلک پر کوئی اشکال نہ ہوگا، وہاں پر حنفیہ کھل کر یہ کہیں گے کہ مالہ بعینہ صرف ودائع و عواری وغیرہ پر محمول ہے مبیع اس میں داخل نہیں، لیکن اگر خود حدیث میں بیع کی تصریح ہو جیسا کہ بعض روایات الباب میں ہے تو پھر حنفیہ کی توجیہ کیسے چلے گی؟ اس کا جواب علامہ سندھی نے حاشیہ تسائی میں یہ دیا ہے کہ انہ محمول علی الماخوذ علی سؤم الشراء او المبیع بشرط الخيار للبائع، یعنی بیع سے مراد مسادمت ہے یعنی خریدنے کے لئے بائع کے ساتھ

۱۔ مایون مفلس یا مفلس وہ شخص ہے جس کے ذمہ لوگوں کے دیون ہوں مگر دیوالیہ ہو جانے کی وجہ سے تسدید دین کے لئے اس کے پاس کچھ نہ ہو، دائنین کے مراد عند القاضی کے بعد قاضی بعد تحقیق اس کے اظہار کی تصدیق کر دے۔

بھاؤ کرنا، اور جو چیز بھاؤ کے وقت مشتری لیکر اپنے گھر جاتا ہے پسند کرنے کیلئے، یہ شئی مقبوض علی سوم الشراء ہے جس کو بیع بھی کہہ سکتے ہیں مجازاً، اور ایسے ہی وہ بیع جس کے اندر خیار شرط بائع کے لئے ہو، اس قسم کی بیع بھی ہمارے نزدیک خالص بائع کا حق ہوتی ہے، جیسا کہ تم نے قدوری میں پڑھا ہے۔ وخیار البائع یمنع خروج المبیع عن ملکة بخلاف خیار مشتری، اس تفصیل مسئلہ کے بیان سے ترجمۃ الباب اور حدیث الباب دونوں کا مفہوم سمجھ میں آجاتا ہے، اس سے معلوم ہو گیا کہ حدیث میں کیا مسئلہ ہے اور اس میں کیا اختلاف ہے، اور یہ بھی کہ حدیث اگر تنفیہ کے خلاف ہے تو اس کی کیا توجیہ ہے، فلله الحمد والمنة۔

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال ایما رجل باع من افس نادرك الرجل متاعه بعینه فهو حق به من غیره، اخرجه البخاری ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ قال المذنب ایما رجل باع متاعا فافلس الذی ابتاعه ولم یقبض الذی باعه من ثمنه شیئا فوجد متاعه بعینه فهو حق به وان مات المشتري فصاحب المتاع اسوة الغرماء۔

بائع کے حق کا بیع ہونے میں شافعیہ و مالکیہ کے جو دو جزئی اختلافی مسئلے ہم نے اوپر بیان کئے ہیں ان دونوں مسئلوں میں یہ حدیث مالکیہ کی دلیل ہے اور شافعیہ کے خلاف ہے، اور پھر آگے دو حدیثوں کے بعد جو تیسری حدیث آرہی ہے۔ عن عمرو بن خلدة قال اتينا ابا هريرة في صاحب لنا افس، فقال لا قضين فيكم بقضاء رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم، من افس او مات فوجد رجل متاعه بعینه فهو حق به یہ حدیث مالکیہ کے خلاف اور امام شافعی کے موافق ہے، حدیث عمرو بن خلدة اخرجه ابن ماجہ، قال المذنب۔

### باب فی من احیی حسیرا

مسئلہ مترجم بہا کی تشریح و اختلاف ائمہ | حسیرا خود بے حور سے بمعنی ماندہ شدن (تھک جانا) وہ ہو کر رک جائے، یہ بات زیادہ تر اونٹوں میں پائی جاتی ہے کہ بعض مرتبہ وہ تھک کر ایسا بیٹھتا ہے کہ کھڑا ہونے کا نام نہیں لیتا، اور پھر اس کا مالک مجبوراً اس کو اسی حال میں چھوڑ کر آگے چلے جاتا ہے، مصنف کی غرض اس قسم کے اونٹ کا حکم بیان کرنا ہے، چنانچہ حدیث الباب میں ہے من وجد دابة قد عجز عنها اهلها ان يعلفوها فليتبوها فاخذها فاحياها فهي له، اس حدیث میں یہ ہے کہ جو شخص اس قسم کے جانور کو جس کو اس کا مالک چھوڑ کر چلا گیا ہو اٹھائے اور پھر اس کا احیاء کرے جس طرح ارض و نبات کا احیاء ہوتا ہے یعنی اس کو کھلائے پلائے خدمت کرے جس سے وہ دوبارہ کار آمد ہو جائے فہی له تو یہ جانور اسی کا ہو جاتا ہے، امام احمد اور اسحاق

ابن راہویہ کا اس حدیث پر عمل ہے، اور مصنف بھی چونکہ غالباً حنبلی ہیں اسی لئے انہوں نے یہ باب قائم کر کے حنابلہ کا مذہب ثابت کیا ہے، اور جمہوریہ کہتے ہیں کہ یہ جائز یعنی حسیر ظاہر ہے کہ لفظ ہے اور لفظ کا حکم احادیث لفظ میں اس کے خلاف مذکور ہے، اور وہ احادیث اس حدیث کی بہ نسبت زیادہ صحیح اور مشہور ہیں لہذا ان ہی پر عمل ہوگا۔ من ترک دابة بمهلك، مہلک موضع ہلاکت، یعنی ایسی ویران جگہ جہاں گھاس پانی نہ ہونے کی وجہ سے جائز کے ہلاک ہونے کا اندیشہ ہو۔

**شرح السند** باب کی حدیث اول کی سند میں اس طرح ہے وقال عن ابان ان عامراً الشعبي قال کی ضخیم مصنف کے استاذ موسیٰ بن اسماعیل کی طرف راجع ہے اور موسیٰ کے اس حدیث کی سند میں دو استاذ ہیں حائے تحویل سے پہلے جو سند ہے اس میں ان کے استاد حماد ہیں اور بعد والی سند میں استاد ابان ہیں، تو مصنف یہ کہہ رہے ہیں کہ موسیٰ نے جب یہ حدیث حماد سے بیان کی تب تو انہوں نے سند میں عن الشعبي کہا، اور ان کی سند جو ابان سے ہے اس میں انہوں نے بجائے عن الشعبي کے ان عامراً الشعبي کہا گویا دو فرق ہوئے ایک "عن" اور "ان" کا دوسرا یہ کہ پہلی روایت میں شعبی کا نام مذکور نہیں، اور دوسری میں شعبی کا نام عامر مذکور ہے۔

**باب فی الرهن** مع والفقہ نیماں الروایۃ  
بہن کیونکہ انہیں عن استاذہ  
بخلاف الروایۃ ان ۱۲۔

عن ابی حریقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال لبن الذر یحلب بنفقته اذا کان مرهوناً والظہر یرکب بنفقته اذا کان مرهوناً، وعلى الذی یحلب یرکب النفقة۔

**شرح الحدیث من حیث الفقه و بیان المذاهب** حدیث الباب میں جو مسئلہ مذکور ہے یعنی ارتفاع المرہن بالمرہون پہلے اس کو سمجھ لیجئے، وہ یہ کہ امام احمد کا مسلک یہ ہے کہ شئی مرہون اگر کوئی حیوان ہے سواری کے لائق یا دودھ کے قابل تو مرہن کے لئے اس سے منتفع ہونا جائز ہے، یعنی اس کا دودھ وہ خود روہے اور اگر سواری کا جائز ہے تو اس پر سوار ہو، اور اس صورت میں گھاس دانہ اور خرچہ مرہن ہی کے ذمہ ہوگا، وہی اس کو کھلائے پلائے گا اور وہی اس سے منتفع ہوگا، ورنہ مالک تو منتفع ہو ہی گا مالک ہونے کی حیثیت سے، اور اسی کے ذمہ اس کا نفقہ ہوگا ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مرہن کا شئی مرہون سے منتفع ہونا جائز نہیں، حنابلہ کا استدلال حدیث الباب ہی سے ہے اور مصنف چونکہ حنبلی ہیں تو بظاہر ان کا مقصد بھی یہی ہے، حنابلہ نے بنفقته میں بار کو سببیہ قرار دیا ہے یعنی مرہن نفقہ کے سبب اس کا دودھ روہ سکتا ہے اور اس پر سوار ہو سکتا ہے، جمہور کی طرف سے اس حدیث کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ یہ حدیث منسوخ ہے، یہ اس وقت کی بات ہے جب ربا کی حرمت نازل نہیں ہوئی تھی، پھر جب ربا

کی تحریم ہوئی تو یہ حدیث بھی منسوخ ہو گئی، مرتہن کا شئی مرتہن سے منتفع ہونا یہ گویا اپنے دین سے منتفع ہونا ہے۔  
 "وکل قرض جر نفعا فهو رباً" قاعدہ کلیہ ہے، دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ "بفقتہ میں" یا "سببیہ نہیں، بلکہ" یا "برائے الصاق ہے اور" یجلب" کا چونکہ فاعل مذکور نہیں کہ کون ہے، اسلئے اس کا فاعل اصل مالک ہی کو قرار دیا جائے گا، اور "یا" الصاق کے لئے ہوگی اور "الدر" سے مراد چونکہ حدیث میں ذات الدر ہے تو پوری حدیث کا مطلب یہ ہو جائے گا کہ ذات در کا دودھ دوہا جائے گا اس کے خرچ کے ساتھ یعنی جب ذات الدر کا مالک، مالک ہونیکی حیثیت سے اس کا دودھ دوہے گا تو اس کے ساتھ اس کا نفقہ بھی اسی کے ذمہ ہوگا اس صورت میں یہ حدیث جہور کے خلاف نہوگی۔

قال ابو داؤد: هو عندنا صحيح، مصنف بظاہر یہ فرما رہے ہیں کہ اس حدیث کے جو معنی متباد ہیں کہ مرتہن اگر ذات در کا دودھ دوہے تو اس کا نفقہ بھی اسی کے ذمہ ہے، یہ حکم ہمارے نزدیک صحیح و ثابت ہے، یعنی گو خلاف قیاس ہے لیکن چونکہ حدیث ثابت ہے اس لئے اس سے جو حکم مستفاد ہو رہا ہے وہ بھی صحیح اور قابل عمل ہے، منسوخ اور فاسد نہیں۔

والحدیث اخرجه البخاری والترمذی وابن ماجه، قاله المنذری۔  
 ہمارے ترمذی کے قول میں صحیح و ثابت اور اسکا صحیح ای  
 ہمارے ترمذی کے قول میں صحیح و ثابت اور اسکا صحیح ای  
 ہمارے ترمذی کے قول میں صحیح و ثابت اور اسکا صحیح ای

## باب الرجل یا کل من مال ولده

عن عمار بن عمیر عن عمته انها سألت عائشة رضي الله تعالى عنها: في حجري يتيم  
 افا كل من ماله؟ فقالت قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم ان من اطيب ما كل الرجل  
 من كسبه، وولده من كسبه۔

شرح الحدیث | عمارہ سے روایت ہے وہ کہتی ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ سے سوال کیا کہ میری گود اور  
 ماتحتی میں ایک یتیم بچہ ہے۔ ممکن ہے وہ یتیم ان کا بیٹا ہو یا ان کا پوتا (بذل) تو کیا میں اس  
 کے مال میں سے کچھ کھا سکتی ہوں؟ اس پر حضرت عائشہ نے جواب دیا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد  
 ہے کہ بہترین روزی اور خوراک آدمی کی وہ ہے جو خود اس کی اپنی کمائی سے ہو، اور آدمی کی اولاد بھی اس کی  
 کمائی ہے لہذا اولاد کی کمائی خود اس کی اپنی کمائی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ والدین کے لئے اولاد کی کمائی میں سے  
 لینا حلال اور جائز ہے، یعنی اگرچہ بغیر اس کی اجازت کے ہو، لیکن فقہار نے اس کو حاجت کے ساتھ مقید کیا ہے  
 یعنی عند الحاجت لے سکتا ہے، اور اگر حاجت نہ ہو تو پھر بغیر اجازت کے لینا جائز نہیں (بذل)

قال ابو داؤد: وحماد بن ابی سلیمان زاد فیہ: اذا احتجتم وهو متکن یعنی حماد بن ابی سلیمان کی روایت

میں حدیث مذکور میں عند الاحتیاج کی قید کا اضافہ ہے، ہم ادھر لکھ چکے ہیں کہ فقہاء بھی یہی فرماتے ہیں کہ یہ حکم عند الاحتیاج ہے، مگر مصنف نے حدیث میں اس زیادتی کا انکار کیا ہے وہ اس کو ثابت نہیں مان رہے ہیں منکر قرار دے رہے ہیں، مصنف کی اس رائے پر حضرت نے بذل میں کلام فرمایا ہے اور یہ کہ یہ منکر نہیں بلکہ زیادہ وثقہ ہے، والحدیث اخرجه الترمذی والنسائی وابن ماجه، قاله المنذری۔

## باب فی الرجل یجد عین ماله عند رجل

ترجمہ الباب الی مسئلہ کی تشریح | اس سے پہلے قریب ہی میں جو باب گذرا ہے، باب فی الرجل یفلس فیجد الرجل متاعاً بعینہ، اس میں اور اس باب میں فرق دیکھنے کی ضرورت ہے جو اس باب کی حدیث میں غور کرنے سے معلوم ہو گیا ہے وہ یہ کہ باب اول کا تعلق مشتری مفلس سے تھا (علی مسک المجهور) یا غاصب اور سارق و مودع سے تھا (علی مسک الخفیة) اور اس باب کا تعلق غاصب یا سارق سے نہیں اور نہ مودع سے ہے بلکہ مشتری من الغاصب اور مشتری من السارق سے ہے، یعنی کسی شخص نے کسی کا مال چوری کر لیا اور پھر اس سارق نے وہ مال کسی کے ہاتھ فروخت کر دیا اور پھر اصل مالک نے اس اپنی چیز کو اس مشتری کے پاس دیکھا، علی هذا القیاس غصب، کہ کسی نے کسی کا مال غصب کیا اور پھر اس غاصب نے اس مال کو دوسرے شخص کے ہاتھ فروخت کر دیا اور پھر اصل مالک نے اپنی اس چیز کو مشتری من الغاصب کے پاس دیکھا، تو اس کے بارے میں حدیث الباب میں یہ ہے، من وجد عین ماله عند رجل فهو احق به ویستحب البیع من یأخذه، بیع بمعنی مشتری، یعنی جس شخص نے اپنا مال کسی شخص کے پاس دیکھا تو وہ مالک ہی اس کا زیادہ مستحق ہے اور مشتری کو چاہیے کہ وہ بیچا کرے اپنے بائع کا، یعنی صورت مذکورہ میں وہ مالک اپنی شئی اس مشتری سے لے لے اور پھر اس مشتری کو چاہئے کہ اپنے خمن کا مطالبہ بائع سے کرے، بائع سے مراد غاصب اور سارق ہے جو حکم اس حدیث میں مذکور ہے، فقہاء بھی اس کے بارے میں یہی فرماتے ہیں مگر اس طور پر کہ وہ مالک مشتری کے سامنے بینہ سے ثابت کر دے کہ یہ چیز میری ہے۔ والحدیث اخرجه النسائی، قاله المنذری۔

## باب فی الرجل یاخذ حقه من تحت یدہ

عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان ہذا ام معاویہ لما جاءت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فقالت ان اباسفیاء رجل شحیح الخ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت معاویہ کی والدہ ہند رضی اللہ تعالیٰ عنہا

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئیں اور اگر اپنے شوہر ابو سفیان کی شکایت کی کہ وہ بخیل آدمی ہے اور وہ میرے خرچ کے لئے اتنا نہیں دیتا جو مجھے اور میری اولاد کو کافی ہو جائے تو کیا میں اس کے مال میں سے بغیر اس کی اجازت کے کچھ لے سکتی ہوں، آپ نے فرمایا ہاں بقدر کفایت کے لے سکتی ہو، یعنی عرف و عادت میں عام طور سے جتنا کافی ہو جاتا ہے اتنا لے سکتی ہو۔

**مسئلۃ الظفر کی تشریح اور مذاہب ائمہ** | اس حدیث میں جو مسئلہ مذکور ہے اس کا نام ہے مسئلۃ الظفر یعنی ایک شخص کا دوسرے کے ذمہ کوئی حق ہے جس کو وہ ادا نہیں کرتا تو کیا ایسی صورت میں وہ صاحب حق اپنا حق اس شخص کے مال میں سے بغیر اس کی اجازت کے خفیہ طور پر لے سکتا ہے یا نہیں اس حدیث سے تو یہی معلوم ہو رہا ہے کہ لے سکتا ہے فقہار میں سے امام احمد کا مسلک اس کے خلاف ہے، ان کے نزدیک مطلقاً لینا جائز نہیں وہ اس کو خیانت قرار دیتے ہیں اور ان کا استدلال اس حدیث سے ہے جو اسی باب میں اس کے بعد آرہی ہے، باقی ائمہ ثلاثہ کے نزدیک صاحب حق اپنا حق لے سکتا ہے مگر تفصیل میں قدرے اختلاف ہے فعند الشافعی یاخذ من جنس حقه الا اذا تغذرا بجنس مطلقاً، یعنی امام شافعی کے نزدیک صاحب حق اپنا حق لے سکتا ہے لیکن جس چیز کو لے رہا ہے وہ من جنس حقه ہونی چاہیے، خلاف جنس سے لینا جائز نہیں، مثلاً کپڑے کے بدلہ میں کپڑے لے سکتا ہے، دراہم یا دنانیر وغیرہ نہیں لے سکتا مگر یہ کہ من جنس حقه لینا متعذر ہو تو پھر ان کے نزدیک خلاف جنس سے بھی لے سکتا ہے اور خفیہ کے یہاں اس میں دو روایتیں ہیں، فی روایۃ لا مطلقاً، یعنی ایک روایت یہ ہے کہ مطلقاً جائز نہیں جیسا کہ امام احمد کا مذہب ہے، دوسری روایت یہ ہے کہ صرف من جنس حقه لے سکتا ہے (والنقدان ای الدرہم والدنانیر من جنس واحد) اور امام مالک سے اس میں تین روایتیں ہیں مذاہب ثلاثہ مذکورہ کے مانند، والحدیث اخر جہ البخاری و مسلم وابن ماجہ، قالہ المذری۔

عن یوسف بن ماہک المکی قال کنت اکتب لفلان نفقة ایام کان ولینہم فغالطوا بالف درهم

فادھا الیہم فاد رکت لہم من مالہم مثلھا الخ۔

یوسف بن ماہک کہتے ہیں کہ فلاں شخص جو کہ بعض یتیم بچوں کے متولی تھے میں ان کے خرچ کا حساب کتاب کیا کرتا تھا ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ ان یتیم بچوں نے (یعنی جب وہ ہوشیار ہو گئے) اپنے متولی کو ایک ہزار درہم کے ساتھ مغالطہ میں ڈال دیا، متولی نے ان کی بات کا اعتبار کرتے ہوئے ایک ہزار درہم ان کو ادا کر دیا تو وہ یوسف جو ان کے محاسب تھے وہ کہتے ہیں کہ کچھ روز بعد حساب کتاب کے میں ایک ایسے موڑ پر پہنچا جس میں میرے لئے یہ بات بہت آسان تھی کہ میں وہ ہزار درہم ان کے ان ایام کے مال میں سے لے لوں، چنانچہ میں نے اس کے بارے میں اس شخص سے یعنی متولی سے معلوم کیا کہ اگر تمہاری اجازت ہو تو میں وہ تمہارے ہزار درہم حساب

میں سے نکال لوں تو انہوں نے مجھے منع کر دیا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث سنائی جو ان کو ان کے باپ کے واسطے سے پہنچی تھی اَدَّ الْأَمَانَةَ إِلَى مَنْ اَثْمَنَكَ وَلَا تَخُنْ مَنْ خَانَكَ، کہ جس شخص نے تجھ کو اپنا امین بنایا ہے اس کی امانت اس کو پوری پوری حوالہ کر، اور جو تیرے ساتھ خیانت کرے تو اس کے ساتھ خیانت مت کر اس مسئلہ الظفر میں امام احمد کی یہی حدیث دلیل ہے، لیکن جمہور یہ کہتے ہیں کہ اس حدیث میں تو خیانت سے منع کیا گیا ہے اور کسی سے اپنا حق وصول کرنا وہ جس طرح بھی ہو بغیر اس کی اجازت ہی کے یہی یہ خیانت کہاں ہے یوسف بن ماہک جو راوی حکایت ہیں وہ جن صاحب کے کاتب تھے یعنی متولی ایتام ان کا نام تو یہاں روایت میں مذکور نہیں، اور انہوں نے یہ حدیث اپنے باپ کے حوالہ سے نقل کی ہے لہذا ان کے باپ بھی مجہول ہوئے اس لئے اس اوپر ولے متن کا راوی کون صحابی ہیں یہ تو معلوم نہ ہو سکا، اس کے بعد مصنف نے یہی متن بڑا ایت ابوہریرہ مرفوعاً ذکر کیا ہے، قال المنذری و حدیث ابی ہریرۃ أخرجه الترمذی وقال حسن غریب اھ (غون)

### باب فی قبول الهدایا

اس سے پہلے کتاب الخراج میں ۷۰ ہدایا العمال کے عنوان سے باب گذر چکا جس میں مصنف نے ابن اللثیبیہ کی حدیث ذکر کی تھی، اور یہ باب جو ہے مطلق ہدیہ سے متعلق ہے، عمال سے اس کا تعلق نہیں ہے لیکن ہدایا العمال ہی کے عنوان سے ایک مستقل باب کتاب القضاء میں بھی آ رہا ہے یعنی کتاب القضاء کی مناسبت سے، اور اس سے پہلے جو گذر رہا ہے وہ کتاب الخراج کی مناسبت سے تھا اور چونکہ مال کا مسئلہ بہت زیادہ احتیاط طلب ہے اس لئے اس کی اہمیت کے پیش نظر مصنف نے دو جگہ اس کا باب قائم کیا ہے۔

عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کان یقبل الہدیۃ ویشب علیہا یعنی آپ کی عام عادت شریفہ ہدیہ قبول کرنے کی تھی اور یہ بھی کہ آپ اپنے فہمدی کو بھی ہدیہ دیا کرتے تھے، خطاب فرماتے ہیں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ہدیہ قبول فرمانا یہ محاسن اخلاق کے باب سے ہے جس کے ذریعہ آپ لوگوں کی تالیف قلوب فرماتے تھے، اور ہدیہ قبول کر کے اس کو کھانا یہ آپ کی ایک خاص شان اور علامت تھی جس کا ذکر گذشتہ آسمانی کتابوں میں بھی آیا ہے، یعنی یہ کہ وہ ہدیہ قبول کریں گے اور صدقہ قبول نہ کریں گے، اور ہدیہ قبول کرنے کے بعد آپ کا خود اس کو ہدیہ دینا اس کی مصلحت ظاہر ہے تاکہ آپ دوسرے کے احسان مند ہو کر اس سے نہ دین (بذل) والحدیث أخرجه البخاری والترمذی، قال المنذری۔

وَأَيْمُ اللَّهِ لَا أَقْبِلُ بَعْدَ يَوْمِي هَذَا مِنْ أَحَدٍ هَدِيَّةً إِلَّا أَنْ يَكُونَ مَهْجَرًا يَفْرُشِيهَا أَوْ أَنْصَارِيَا  
اور دوسیا اور ثقفیا، یہ حدیث یہاں مختصر ہے جس کو امام ترمذی نے کتاب المناقب کے اخیر میں مفصلاً ذکر کیا ہے



وہ یہ کہ ایک اعرابی نے آپ کی خدمت میں ایک ناقہ بطور ہدیہ کے پیش کی جس کو آپ نے قبول فرمایا اور پھر بعد میں اس اعرابی کو اس ناقہ کے عوض میں چھ اونٹنیاں عطا کیں مگر وہ اس پر بھی خوش نہ ہوا جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو یہ بات پہنچی تو اس پر آپ نے یہ ارشاد فرمایا جس کا حاصل یہ ہے کہ ہر شخص اور ہر خاندان کا فرد اس لائق نہیں ہوتا کہ اس کا ہدیہ قبول کیا جائے، اور پھر چند قبائل کا نام لے کر فرمایا کہ ان کے علاوہ آئندہ میں کسی کا ہدیہ قبول نہ کروں گا ایسم اللہ الفاظ قسم میں سے ہے فقی الجمع وایم اللہ لفظ قسم ذولغات، و ہمز تہا وصل، وقد تقطع، تفتح و تکسر اھ۔  
والحدیث أخرجه الترمذی والسنائی، قال المنذری۔

## باب الرجوع فی الہبۃ

مذاہب ائمہ کی تحقیق مع الدلیل | مسئلہ اختلافی ہے، امام مالک و شافعی و احمد کے نزدیک و اہلب کیلئے رجوع فی الہبۃ ناجائز ہے الا یہ کہ وہ بہرہ باپ کی طرف سے بیٹے کے لئے ہو تو باپ کے لئے رجوع فی الہبۃ جائز ہے، ان حضرات کا استدلال باب کی حدیث ثانی سے ہے جس میں اس طرح ہے: «الا والبدنیہ اعطی ولده، اور امام شافعی کی باپ کے علاوہ دیگر اصول میں دو روایتیں ہیں، اصح قول میں باقی اصول کا بھی وہی حکم ہے جو والد کا، اور حنفیہ کے نزدیک اس کے برعکس ہے ان کے نزدیک و اہلب کے لئے ہدیہ اجانب میں رجوع کرنا جائز ہے بشرطیکہ مہربوب لہ کی جانب سے اس کو عوض نہ ملا ہو ورنہ جائز نہیں الحدیث ابی ہریرۃ مرفوعاً الواہب الحق بھبتہ المم یشب منہا، اور جو ہدیہ ذی رحم محرم کو ہو اس میں رجوع جائز نہیں، نیز حنفیہ کے نزدیک زوجین اس مسئلہ میں ذی رحم محرم کے حکم میں ہیں۔ امام مالک کے مسلک کے بارے میں علامہ عینی لکھتے ہیں: «ولیس بغیر الاب الرجوع عند مالک الا ان عتدہ ان الام لہا الرجوع ایضا اذا کان ابوہ حیاً، وھذا ہوالاشہر عند مالک وروی عنہ المنع اھ (تراجم) اور قاضی عیاض فرماتے ہیں: «وجوز مالک الرجوع مطلقاً الا فی ھتہ احد الزوجین من الآخر اھ (تحفہ) حنفیہ کی دلیل اصل مسئلہ میں یہ ہے: «اذا كانت الہبۃ لذی رحم محرم لم یرجع رواہ الحاکم من حدیث الحسن عن سمرۃ مرفوعاً، اور ایک روایت اس سے پہلے گزر چکی الواہب الحق بھبتہ المم یشب منہا، أخرجه ابن ماجہ والدارقطنی من حدیث ابی ہریرۃ مرفوعاً (تحفہ)

حنفیہ کی طرف سے حدیث الباب کی توجیہ | اور حنفیہ نے جمہور کی دلیل یعنی باب کی حدیث ثانی، لا یحل لرجل ان یعطى عطیۃ او ہب ہبۃ فیرجع فیہا الا والہ فیما یعطى ولده، اس استثناء کا جواب یہ دیا ہے کہ یہ استثناء منقطع ہے، یعنی اس سے مقصود رجوع فی الہبۃ کو بیان کرنا نہیں ہے بلکہ نفس تصرف فی مال الابن کو بیان کرنا ہے یعنی عند الحاجة جو کہ متفق علیہ مسئلہ ہے کہ باپ کے لئے

بیٹے کے مال میں تصرف عند الحاجة مطلقاً جائز ہے (کذا فی الکوکب ص ۲۶۹) اور یہ جو حدیث میں ہے لایکل للاحد ان یعطی عطیۃ انہ اس کا مطلب عدم جواز نہیں ہے بلکہ مقصد یہ ہے کہ ایسا کرنا مناسب نہیں جیسے کہا جاتا ہے لایکل للواجد رد السائل، اور اس معنی پر اس حدیث کو محمول کرنے کی حاجت اس لئے ہے تاکہ دوسری احادیث سے تعارض نہ ہو جن سے رجوع فی الہب کا جواز ثابت ہو رہا ہے، اسی طرح العائد فی ہبۃ کا العائد فی قیۃ اس سے بھی عدم جواز پر استدلال درست نہیں اس لئے کہ دوسری روایت میں ہے کالکلب یعود فی قیۃ اس لئے کہ فعل کلب کو حرام نہیں کہا جاسکتا، بلکہ اس سے مقصود تشیع و تفریح ہے۔

الحديث الاول عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما اخرجه البخاري ومسلم والنسائي وابن ماجه والحدیث الثانی اخرجه الترمذی والنسائی وابن ماجه قالہ المنذری۔

مثال الذی یسترد ما وہب کمثل الکلب یقتی انہ۔ یعنی اس شخص کا حال جو ہبہ کرنے کے بعد اپنی چیز کو واپس لے کئے کی طرح ہے جو قبیح ہے اس کو کھائے۔ آگے روایت میں یہ ہے کہ جب کوئی شخص اپنے ہدیہ کو واپس لینا چاہے تو اس کو صوب لہ کو چاہئے کہ اپنے واہب کو سب کے سامنے کھڑا کرے اور جو ہدیہ وہ دیکر واپس لے رہا ہے لوگوں کے سامنے اس کی تشہیر کرے اور اس کے بعد پھر واپس کرے۔

اس حدیث سے بھی یہی معلوم ہو رہا ہے کہ واہب کے لئے حق رجوع ثابت ہے جواز کے درجہ میں لیکن نہایت بے مروتی اور کینہ پن کی بات ہے، والحدیث اخرجه النسائی وابن ماجه بنحوه، قالہ المنذری۔

### باب فی الهدیۃ لقضاء الحاجة

من شفع لاهیه شفاعۃ فاحدی له ہدیۃ علیہا فقبلہا فقد اتی بابا عظیما من ابواب الریاء۔ اس حدیث میں شفاعت پر ہدیہ قبول کرنے پر وعید ہے اور اس کو رشوت قرار دیا گیا ہے اس لئے کہ شفاعۃ حسنہ شرعاً مندوب الیہ ہے اور بعض صورتوں میں واجب بھی ہو جاتی ہے تو پھر بعد میں اس پر ہدیہ لینا شفاعت کے اجر کو ضائع کرنا ہے، جیسا کہ بیع کے اندر ربایینے سے اصل بیع جو کہ حلال تھی ضائع اور برباد ہو جاتی ہے۔

### باب فی الرجل یفصل بعض ولده فی النحل

نحل بمعنی عطیہ، کسی شخص کا اپنی اولاد میں سے بعض کو بعض پر ترجیح دینا تفصیل و مذاہب الائمہ ترجمۃ الباب والے مسئلہ کی

عطیہ میں یہ شرعاً مذموم ہے، حدیث میں اس کی مذمت آئی ہے، اب یہ کہ صرف مذموم ہے یا ناجائز و حرام؟ اس میں اختلاف ہے، جمہور علماء و مہتمم الائمۃ الثلاثہ کے نزدیک یہ خلاف اولیٰ اور مکروہ ہے، بعض علماء جیسے امام احمد اور اسحاق بن راہویہ ان کے

نزدیک تسویہ فی النخل واجب، اور تفضیل حرام ہے، اب یہ کہ تسویہ سے کیا مراد ہے؛ بعض شافعیہ و مالکیہ اور امام احمد اور ہمارے امام محمد کے نزدیک اس سے مراد میراث کے قاعدہ کی طرح للذکر مثل حظ الانثیین مراد ہے، اور اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ زندگی میں جو دیا جائے اس میں ذکر و انثی کا فرق معتبر نہیں، چنانچہ ایک روایت میں ہے سو و ابین اولاد کم فی العطیۃ فلو کنت مفضلًا احد الفضل النساء، اخرجه سعید بن منصور و البیهقی (تحفہ) امام ترمذی حدیث الہاب کے تحت فرماتے ہیں: والعل علی ہذا عند بعض اهل العلم یستحبون التسویۃ بین الولد حتی قال بعضهم یسوی بین ولدہ حتی فی العقبہ، وقال بعضهم یسوی بین ولدہ فی النخل والعطیۃ، الذکر والانی سوار، دھوقول سفیان الثوری، وقال بعضهم التسویۃ بین الولد ان یعطى الذکر مثل حظ الانثیین مثل قسمۃ المیراث دھوقول احمد اسحاق۔ حدثننا احمد بن حنبل ناہشیم ناسیار وانا مغیرۃ وانا داؤد، عن الشعبی وانا مجالد واسماعیل بن سالم عن النعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

**شرح السند** | اس حدیث میں مصنف کے استاد امام احمد بن حنبل اور ان کے استاد بشیم ہیں، پھر بشیم اس حدیث کو اپنے پانچ اساتذہ سے روایت کرتے ہیں ستیار، مغیرہ، داؤد، مجالد، اسماعیل اور یہ پانچو شعبی سے روایت کرتے ہیں، چنانچہ کتاب الاطراف میں ابوداؤد کی اس سند کو اس طرح نقل کیا ہے عن ابن حنبل عن بشیم عن سیار و مغیرۃ و داؤد بن ابی ہند و مجالد و اسماعیل بن سالم، خمستہم عن الشعبی (ہذل) لیکن اس سند کی تعبیر کچھ الجھی ہوئی سی ہے، غور کے بعد بھی سمجھ میں نہیں آتی۔

عن النعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال انخلنی ابی نخل، قال اسماعیل بن ابی سالم من بین القوم انخلہ غلاما لہ الخ۔

**مضمون حدیث** | نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھ کو میرے والد نے ایک چیز ہدیہ کی۔ بشیم کے استادوں میں چار نے تو اسی طرح کہا، اور پانچویں استاد یعنی اسماعیل نے اس عطیہ کی تعیین کی غلام کے ساتھ کہ میرے والد نے مجھے ایک غلام مہیا کیا۔ اس کے بعد وہ کہتے ہیں کہ میری والدہ عمرہ نے میرے والد یعنی بشیر سے یہ کہا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جائیے اور اپنے اس بہر پر حضور کو گواہ بنائیجئے، وہ حضور کی خدمت میں گئے اور آپ سے صورت حال بیان کی، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ کیا تمہارے سے اور بھی بیٹے ہیں نعمان کے علاوہ؟ انہوں نے کہا کہ جی اور بھی ہیں، آپ نے پوچھا کہ ان سب کو بھی تم نے غلام دیا ہے جس طرح نعمان کو دیا، انہوں نے عرض کیا کہ ان کو تو نہیں دیا، اس پر آپ نے فرمایا اس میں بشیم کے یہ اساتذہ خمسہ مختلف ہیں، بعض کی روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا ہذا جور، اور بعض نے فرمایا ہذا الخجۃ یعنی آپ نے فرمایا کہ یہ بعض کو دینا اور بعض کو نہ دینا یہ ظلم ہے، اور بعض کی روایت میں جو دوسرا

لفظ ہے هذا تلحیة اس کا بظاہر مطلب یہ ہے کہ یہ کلمہ تجھ سے زبردستی کرایا گیا ہے، یعنی تمہاری بیوی نے تم پر زور ڈال کر ایسا کرایا ہے جس کو تم خود بھی نہیں چاہتے تھے فاشهد علی هذا یعنی آپ نے فرمایا کہ میں تو گواہ نہیں بنتا، اس پر کسی اور کو گواہ بنالے۔

اس سے جمہور کے مسلک کی تائید ہو رہی ہے ترجمۃ الباب والے مسئلہ میں کہ ایسا کرنا حرام نہیں صرف مکروہ ہے کیونکہ اگر حرام ہوتا تو آپ دوسرے کو گواہ بنانے کی اجازت کیسے دیتے، اور اس سے پہلے جو لفظ آیا تھا هذا حرج اس سے فی الجملہ امام احمد کے مذہب کی تائید ہوتی ہے، اور اس کے بعد والی روایت میں ہے قال لا، قال فارودة یعنی آپ نے فرمایا کہ اپنے اس بہہ کو واپس لے لو، اس سے رجوع فی الہبہ کا جواز معلوم ہو رہا ہے جو کہ اختلافی مسئلہ ہے اور ابھی قریب میں گذرا ہے۔ وہ یہ کہ عند الجمہور باپ کے لئے بیٹے کے حق میں رجوع فی الہبہ جائز ہے اور حنفیہ کے نزدیک ناجائز ہے، اس کا جواب حنفیہ کی طرف سے یہ ہو سکتا ہے کہ حضرت بشیر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں اہتمام علی الہبہ کے لئے آئے تھے یا بہہ کرنے کے بارے میں مشورہ کے لئے آئے تھے کہ آیا وہ بہہ کر دیں یا نہ کریں، اس کے بارے میں شرح نے دونوں ہی احتمال لکھے ہیں اور علامہ عینی نے بعض روایات کے الفاظ سے اس کے استشارہ ہونے کو ترجیح دی ہے، لہذا اس سے ثابت ہوا کہ ابھی تک بہہ کا تحقق ہی نہ ہوا تھا، اور اس صورت میں فارودہ کا مطلب یہ ہوگا کہ تم اپنے اس ارادہ بہہ ہی کو ترک کر دو۔

**حدیث الباب میں اختلاف روایات** | یہ حدیث مشہور ہے، جملہ صحاح ستہ میں مذکور ہے، ان سب روایات میں بہہ کی تعیین غلام کے ساتھ وارد ہے اور صحیح

ابن حبان اور طبرانی میں بجائے غلام کے حدیث مذکور ہے۔ یعنی نعمان کی والدہ نے اپنے شوہر سے نعمان کو ایک باغ بہہ کرنے کی ترغیب دی، ابن حبان نے اس کو تعدد واقعہ پر محمول کیا ہے وہ یہ کہ ولادت نعمان کے وقت میں ان کی والدہ نے اعطاء حدیث کی فرمائش کی اور پھر جب نعمان کچھ بڑے ہو گئے اس وقت دوبارہ ان کی والدہ نے ان کے باپ پر عطیہ کا اصرار کیا، یہ دوسرا عطیہ غلام تھا، حافظ نے اس کی ایک دوسری توجیہ اختیار کی وہ یہ کہ شروع میں بشیر نے نعمان کو حدیث بہہ کیا تھا لیکن پھر بعد میں اس سے رجوع کر لیا، اس پر عمرہ نے دوبارہ اصرار شروع کیا کوئی چیز دینے پر انہوں نے دوسری مرتبہ ان کو غلام بہہ کیا مگر چونکہ اس سے پہلے بہہ کر کے رجوع کر چکے تھے اس لئے اس مرتبہ ان کی اہلیہ نے غلام بہہ کرنے کے بعد اہتمام پر اصرار کیا (هذا کلمہ ماخوذ من الادب المفرد ۳۲)

اس واقعہ کے بارے میں ائمہ کے ذہن میں ہمیشہ سے یہ بات ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے نعمان بن بشیر عمرہ بنت رواحہ کے سگے بیٹے ہوں گے اور جو دوسری اولاد تھی جن کے موجود ہونے کی تصریح اس روایت میں مذکور ہے وہ بظاہر بشیر کی دوسری زوجہ سے ہوں گے، اسی لئے عمرہ نے صرف اپنے بیٹے کے بارے میں اپنے شوہر

سے اس سہیہ کی باصرار فرمائش کی، واللہ تعالیٰ اعلم، کتب رجال سے اس کی تحقیق کی حاجت ہے۔

والحدیث أخرجه البخاری ومسلم والنسائی وابن ماجہ بخوہ، وأخرجه البخاری ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ، من حدیث حمید بن عبد الرحمن بن عوف ومحمد بن النعمان بن بشیر عن النعمان بن بشیر قالہ المنذری۔

## باب فی عطیۃ المرأة بغير اذن زوجها

کتاب الزکاۃ میں۔ باب المرأة تصدق من بیت زوجها، اس باب کی احادیث پر کلام وہاں گذر گیا، الم بخاری نے باب باندھا ہے، صیغۃ المرأة بغير زوجها۔

مسئلۃ الباب میں اختلاف علماء عورت کے سہیہ کرنے کی دو صورتیں ہیں ایک بیت زوج سے یعنی جو چیز شوہر نے اس کو گھر میں خرچ کرنے کیلئے دے رکھی ہے، عورت کا اس میں سے صدقہ کرنا دوسری یہ کہ عورت خود اپنے مال میں سے صدقہ کرے، اس دوسری صورت میں جمہور کے نزدیک عورت کیلئے صدقہ وغیرہ کرنا جیسے وہ چاہے جائز ہے، جمہور علماء کا مسلک یہی ہے، اس میں امام مالک کا اختلاف وہاں کتاب الزکاۃ میں گذر چکا ہے ان کے نزدیک عورت کے لئے اپنے مال میں زائد سے زائد صرف ثلاث میں تصرف کرنا جائز ہے یعنی بغير اذن الزوج اس سے زائد میں نہیں، قال الحافظ وخالف طاووس فمنع مطلقا، وعن اللیث: لا يجوز مطلقا الا فی اشئ التافہ وادلة الجمہور من الکتاب والسنة کثیرۃ اھ (من الترمذی ۴۵)

## باب فی العمری

اور اس کے بعد دوسرا باب آرہا ہے۔ باب فی الرقبی۔

عمری کی تعریف اور اس کا حکم شرعی | عمری اور رقبی سہیہ کی دو خاص صورتیں ہیں جو زمانۂ جاہلیت میں رائج تھیں، ان دونوں ہی کے بارے میں روایات متضادہ جوازاً

مختلف وارد ہیں جیسا کہ دونوں بابوں کی روایات دیکھنے سے ظاہر ہو رہا ہے، لہذا ان دونوں کے بارے میں فقہاء کی رائے معلوم ہونی چاہیے، نیز ہر ایک کا طریقہ و تعریف بھی عمری کی صورت یہ ہوتی ہے کہ ایک شخص دوسرے سے کہتا ہے داری لك عمری، یا یوں کہتا ہے اعترک داری جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ میں یہ مکان تجھ کو سہیہ کرتا ہوں، تیری عمر بھر کے لئے جمہور علماء اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اگر کوئی شخص کسی سے اس طرح کہہ دے تو پھر یہ جائز ہے لیکن وہ مکان صرف عمر بھر تک کے لئے نہیں بلکہ مغلہ کی حیات میں اس کے لئے اور اس کے انتقال کے بعد اسی کے ورثہ کے لئے ہوگا، گویا عمر بھر تک کی قید کا اعتبار نہیں، اس میں امام مالک کا اختلاف ہے وہ

فرماتے ہیں کہ عمری کی دو صورتیں ہیں اگر معمر نے صرف وہ الفاظ کہے جو اوپر گزرے یعنی "داری لک عمری" اس صورت میں تو وہ مکان معمر لکھنے کے لئے صرف اس کی زندگی تک کیلئے ہوگا اور اس کے مرنے کے بعد معمر کی طرف لوٹ آئے گا، اور اگر سہ کرنے والے نے "داری لک" کے ساتھ "ولعقبک بعدک" بھی کہا ہے تب تو یہ سہ ہمیشہ کے لئے نافذ ہو جائیگا اور موت معمر کے بعد اس کے ورثاء کے لئے ہوگا، اور اگر سہ کے وقت یہ زیادتی نہیں کہی تھی تو پھر موت معمر کے بعد وہ مکان واہب کی طرف لوٹ آئے گا۔

در اصل یہ اختلاف حقیقت عمری پر متفرع ہے عند مجہور عمری کی حقیقت تملیک الرقبہ ہے یعنی عین دار کا مالک بنادینا، اور امام مالک کے نزدیک اس کی حقیقت تملیک المنفعۃ ہے اسی لئے ان کے نزدیک معمر اصل مکان کا مالک نہیں ہوتا، اور نہ ان کے نزدیک اس میں میراث جاری ہوتی ہے یعنی من حیث الملك، اور اگر سہ کے وقت میں اس نے "لک ولعقبک بعدک" کہا ہو تو اس صورت میں ان کے نزدیک اس کے اندر میراث جاری ہوگی یعنی وہی منفعت کے لحاظ سے، لا من حیث الملك۔

حدیث ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اخرج البخاری ومسلم والنسائی، و حدیث جابر بن طریق ابی سلمۃ اخرج البخاری ومسلم والنسائی، ومن طریق عروۃ عنہ اخرج النسائی، قالہ المنذری، والحدیث الرابع من حدیث جابر بلفظ "ایما رجل اعمر عمری لہ ولعقبہ الحدیث اخرجہ مسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ بخوہ، قالہ المنذری۔

### باب فی الرقبۃ

رقبہ کی تعریف اور اس میں رقبہ یہ بھی ایک سہ کا طریقہ ہے عمری کی طرح، جس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ ایک شخص دوسرے سے کہے "داری لک رقبہ" یا "ارقبہ لک داری" جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ایک شخص دوسرے سے یوں کہے کہ میں اپنا یہ مکان تجھ کو اس طور پر دیتا ہوں کہ اگر پہلے میری موت واقع ہوئی تب تو یہ مکان تیرا ہوگا اور اگر تیری موت پہلے واقع ہوئی تب یہ مکان لوٹ کر میری طرف آجائے گا۔ یہ لفظ مر اقبہ سے ماخوذ ہے جس کے معنی انتظار ہیں کیونکہ سہ کی اس نوع میں واہب اور مویوب لہ میں سے ہر ایک دوسرے کی موت کا منتظر رہتا ہے اسی لئے اس کا یہ نام رکھا گیا۔

رقبہ کے حکم میں اختلاف ہے امام شافعی و احمد کے نزدیک جائز ہے مثل عمری کے، اور امام ابو حنیفہ و مالک کے نزدیک ناجائز ہے، صاحبین میں سے امام ابو یوسف امام شافعی کے ساتھ ہیں، اور امام محمد امام صاحب کے ساتھ اور منشأ اختلاف یہ ہے کہ ان حضرات ائمہ اربعہ کا حقیقت رقبہ میں اختلاف ہو رہا ہے کہ وہ کیا ہے، قائلین جواز کے نزدیک اس کی حقیقت تملیک بشرط فاسد ہے، بشرط فاسد سے مراد اس کا یہ کہنا کہ اگر تو پہلے مرے تب میرا، اور

اگر میں پہلے مروں تب یہ تیرا، ان حضرات کے نزدیک تملیک باقی رہ جاتی ہے اور یہ شرط فاسد کا لعدم، لہذا یہ تملیک صحیح ہوگئی اور بہر صورت مکان اسی کے لئے ہوگا، اور جو فقہار قائل بالجواز نہیں ہیں ان کے نزدیک اس کی حقیقت تملیک نہیں بلکہ تعلیق التملیک علی خطر ہے جس میں قمار کے معنی پائے جاتے ہیں جو کہ ناجائز ہے۔  
حدیث جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اخرجہ الترمذی والنسائی وابن ماجہ، وحدیث زید بن ثابت اخرجہ النسائی وابن ماجہ، قالہ المنذری۔

## باب فی تضمین العاریۃ

مسئلۃ الباب میں مذکور ہے کہ عاریۃ سے مراد شئی مستعار، یعنی اگر کوئی شخص کسی کو اپنی چیز عاریۃ دے اور پھر وہ شئی مستعیر کے پاس بلا اس کی تعدی کے ہلاک و ضائع ہو جائے تو اس صورت میں مستعیر پر اس کا ضمان واجب ہے یا نہیں؟ مسئلہ اختلافی ہے، امام شافعی و احمد ضمان کے قائل ہیں، اور حنفیہ کے نزدیک ضمان نہیں ہے، اور امام مالک کے نزدیک تفصیل ہے، مآظہر ہلاکہ لا ضمان فیہ، وما حنفی ہلاکہ فهو مضمون، یعنی اگر وہ شئی مستعار ایسی چیز ہے جس کا ہلاک ہونا ظاہر ہو یعنی قرین قیاس ہو جیسے حیوان اسیں ضمان نہیں ہے، اور جس چیز کا ہلاک ہونا مخفی اور پوشیدہ ہو جیسے کپڑا اس میں ضمان واجب ہوگا (بذل عن الخطابی)  
عن قتادۃ عن الحسن عن سمرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال علی الید ما اخذت حتی تؤدی۔

شرح الحدیث | یہ سے مراد صاحب ید، یعنی جس شخص نے کسی کی جو چیز لے رکھی ہے (عاریۃ) تو وہ اس کے ذمہ میں ہے جب تک اس کو ادا نہ کرے۔

\_\_\_\_\_ ادا کا تعلق عین ما واجب سے ہوتا ہے اور قضا و ضمان کا تعلق مثل ما واجب سے تو اس حدیث میں ادا کا ذکر ہے نہ کہ ضمان اور قضا کا جس کا تعاضل یہ ہے کہ عاریۃ میں ضمان نہیں ہے شئی مستعار اگر موجود و محفوظ ہے تو اس کو واپس کرنا واجب ہے اور اگر ضائع ہو جائے \_\_\_\_\_ تو پھر اس کا مثل یعنی ضمان واجب نہیں۔

پس اس روایت کا حاصل یہ ہوا العاریۃ مؤدۃ \_\_\_\_\_ اور اگر عاریۃ میں ضمان ہوا کرتا تو اس کے لئے اس طرح ہوتا۔ العاریۃ مضمونہ۔ حالانکہ باب کی آخری حدیث میں تصریح آ رہی ہے کہ عاریۃ مضمونہ نہیں بلکہ مؤدۃ ہے، پھر آگے روایت میں یہ ہے، ثم ان الحسن بنی فقال هو ایضا لا ضمان علیہ، یہ قتادہ کا کلام ہے کہ ہمارے استاد حسن یہ کہتے تھے کہ مستعیر این ہوتا ہے اس پر ضمان واجب نہیں، قتادہ یہ کہہ رہے ہیں کہ شاید ہمارے استاد اپنی بیان کردہ حدیث بھول گئے یعنی علی الید ما اخذت الخ یہ قتادہ کا اپنا لگانا ہے

جو صحیح نہیں، وہ یہ سمجھ رہے ہیں کہ حسن نے جو حدیث مرفوع نقل کی ہے وہ مقضیٰ ہے ضمان عاریۃ کو، حالانکہ ایسا نہیں، الفاظ حدیث کا تو تقاضا خود یہی ہے کہ ضمان نہ ہونا چاہیے (بذل یا مضاح)  
والحدیث اخرجه الترمذی والنسائی وابن ماجہ قالہ المنذری۔

عن امیۃ بن صفوان بن امیۃ عن ابیہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم استعار منہ

ادعایوم حنین فقال اعصبت یا محمد؟ قال: بل عاریۃ مضمونۃ۔

**شرح الحدیث** امیۃ بن صفوان اپنے باپ صفوان بن امیۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جنگ حنین کے موقع پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے صفوان سے چند زرہیں عاریۃ لیں، تو دیتے وقت صفوان نے پوچھا کہ اے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) آپ یہ زرہیں بطور غصب کے لے رہے ہیں یا عاریۃ (اس وقت تک صفوان اسلام نہیں لائے تھے) آپ نے فرمایا غصبا نہیں بلکہ عاریۃ، اور عاریۃ یہی ایسی جو ضمان والی ہوگی۔

**توجیہ الحدیث علی مسلک الحنفیۃ** اس حدیث سے قائلین ضمان کی تائید ہو رہی ہے، لیکن یہی حدیث باب کے آخر میں بھی آرہی ہے اس میں اس طرح ہے: قلت یا رسول اللہ! عاریۃ مضمونۃ

اور عاریۃ مؤدۃ قال: بل مؤدۃ، لہذا یہی صورت میں ضمان پر استدلال صحیح نہیں، اور حضرت نے بذل میں بدل عاریۃ مضمونۃ کا جواب یہ دیا ہے کہ آپ کا یہ ارشاد قاعدہ کلیہ اور بطور بیان حکم شرعی کے نہیں ہے بلکہ چونکہ صفوان اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے اور ادھر مسلمانوں کو اسلحہ کی حاجت تھی اسلئے خاص اس موقع کے بارے میں آپ نے یہ فرمایا تھا کہ نہیں بلکہ یہ عاریۃ ضمان والی ہوگی تاکہ صفوان عاریۃ دینے پر مطمئن ہو جائیں اور وہ وقتی ضرورت مسلمانوں کی پوری ہو جاتے اور یہ اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ تمام غلری کا حکم یہی ہے اھ جس کا قرینہ یہ ہے کہ آگے ایک روایت میں یہ آ رہا ہے کہ آپ نے جو زرہیں صفوان سے عاریۃ لی تھیں تو جب ان کے واپس کرنے کا وقت آیا تو ان میں چند زرہیں تعداد میں کم تھیں اس پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے صفوان سے فرمایا کہ تمہاری چند زرہیں مفقود ہو گئیں فصل لغرم لک، قال لایا رسول اللہ الا یعنی آپ نے فرمایا کہ کیا ہم ان کا ضمان تمہیں دیں؟ اس نے عرض کیا کہ نہیں یا رسول اللہ، اسلئے کہ میرے قلب میں آج وہ بات ہے جو اس وقت نہیں تھی۔ والحدیث اخرجه النسائی قالہ المنذری۔

العاریۃ مؤدۃ والمنحۃ مردودۃ، والدین مقضیٰ، والزعیم غارم۔ یعنی عاریۃ کی شئی کو اس کے مالک تک پہنچانا ضروری ہے اسی طرح مینہ کا مالک — تک لوٹانا ضروری ہے، مینہ کا ذکر بارہا آچکا ہے یعنی کوئی دودھ والا جانور یا کوئی پھل دار درخت جو کسی کو چند روز کیلئے برائے انتفاع دیا جائے، اور دین کا ادا کرنا واجب ہے اور کفیل ضامن ہوتا ہے، زعامۃ بمعنی کفالت، اور غارم ماخوذ ہے غرم سے جس کے معنی شئی لازم کا ادا کرنا۔

والحدیث اخرجه الترمذی وابن ماجہ محتمر قالہ المنذری۔



عن عطاء بن ابی رباح عن صفوان بن یعلیٰ عن ابيه. اس روایت میں اسی طرح ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ صاحب قصہ اور عاریہ پر دینے والے یعلیٰ تھے، حالانکہ گذشتہ روایت میں یہ ہے کہ وہ صفوان بن یعلیٰ تھے، ولم يتعرض له فی شیء من الشروح التي بایدنا فليفتش. والحدیث اخرجه النسائي، قاله المنذرى۔

### باب فیہن افسد شیئا یغرم مثله

یعنی جو شخص کسی کی چیز خراب اور ضائع کر دے تو اس کو اس کا ضمان دینا ہوگا۔  
**وجوب ضمان کا ضابطہ** | اس ترجمۃ الباب کے مصنف کی غرض ضمان المتلفات کو بیان کرنا ہے، اور ضابطہ اس کا یہ ہے کہ اشیاء کی دو قسمیں ہیں ذوات الامثال اور ذوات الیقیم، قسم اول کے ضمان میں مثل واجب ہوتا ہے یعنی مثل حسی، اور قسم ثانی میں مثل معنوی واجب ہوتا ہے یعنی قیمت، کمکلات اور موزونات یہ سب ذوات الامثال میں سے ہیں، اور حیوانات ذوات الیقیم میں سے ہیں۔

عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کان عند بعض نساء فارس لت احدی امہات المؤمنینؓ

**آپ کے کمال حسن معاشرت کی حکایت** | بعض نساء سے مراد حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں، یعنی ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حضرت عائشہ کی باری میں ان کے پاس تھے تو آپ کی ازواج میں کسی ایک زوجہ محترمہ نے (قیل ہی صفیہ او حفصہ اداہ سلمہ، و یحتمل تعدد الواقعة) اپنے خادم کے ساتھ ایک پلیٹ بھیجی جس میں کھانا تھا، جب خادم وہ کھانا لیکر اندر داخل ہوا تو حضرت عائشہ نے اس پر اپنا ہاتھ مارا جس سے وہ پلیٹ گر کر ٹوٹ گئی اور دو ٹکڑے ہو گئی، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان دونوں ٹکڑوں کو اٹھا کر اور ان دونوں کو آپس میں جوڑ کر وہ گرا ہوا کھانا اس میں جمع کرنے لگے اور بغیر کسی اظہار ناراضگی اور غصہ کے حضرت عائشہ کی طرف سے بطور معذرت کے آپ یہ فرما رہے تھے غارت امکم کہ تم لوگوں کی اماں جی کو دوسرے کے یہاں کا کھانا دیکھ کر غیرت آئی اور سو کنوں کی آپس میں غیرت اور منافس معروف ہے ہی جو ایک فطری چیز ہے جس میں انسان مجبور ہوتا ہے، آپ نے بھی حضرت عائشہ کے اس فعل کو غیرت، ضرر اور پر محمول فرماتے ہوئے کچھ نہ فرمایا اور بڑی حکمت عملی سے کام لیا، چنانچہ اس کا اثر علی الفور یہ ہوا کہ حضرت عائشہ شرمندہ

لہ دراصل آدمی کے جوش و اشتعال کے وقت اس کیلئے نصیحت مفید اور مؤثر نہیں ہوتی اسلئے آپ نے اس وقت کوئی نصیحت اور تنبیہ نہیں فرمائی، بعد میں جب ان کا غصہ اور بھڑاس نکل گیا تو وہ خود ہی معذرت فرماتے لگیں بلکہ تلافی کی صورت دریافت کرنے لگیں۔

ہو گئیں اور ایک دم کہنے لگیں یا رسول اللہ! ما کھاؤ ما صنعت یعنی یہ جو کچھ میں نے کیا اسکی تلافی کی کوئی صورت ہو سکتی ہے؟ تو آپ نے فرمایا اناء مثل اناء وطعام مثل طعام۔ چنانچہ حضرت عائشہ اس پلیٹ کے بدلہ میں ایک دوسری پلیٹ اندر سے لیکر آئیں، چنانچہ اس قصعہ مکسورہ کے بدلہ میں وہ قصعہ صحیحہ اس قاصد کے بدست جو کھانا لیکر آیا تھا بھی گئی۔ آگے دوسری روایت میں یہ بھی ہے: حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے صفیہ جیسا کھانا بنانے والی کوئی عورت نہیں دیکھی، وہ فرماتی ہیں کہ جب انہوں نے کھانا بنا کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لئے بھیجا تھا خدا نے اُکھا تو میں غصہ سے تھرا گئی۔

ہم نے ترجمہ الباب کی تشریح میں کہا تھا کہ مصنف کی غرض اس باب سے ضمان المتلفات کو بیان کرنا ہے لیکن قصعہ اور طعام ذوات الامثال میں سے نہیں ہیں۔ لہذا ان میں ضمان بالمثل نہیں بلکہ بالقیمت ہے، مگر چونکہ یہ حقیقہ ضمان تھا ہی نہیں اسلئے کہ دونوں پلیٹیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہی کی ملک تھیں، گھروں کا اکثر سلمان زوج ہی کی ملکیت ہوتا ہے، بلکہ اس سے مقصود تطیب خاطر صفیہ تھا فلا اشکال۔

حدیث انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اخرجه البخاری والترذی والنسائی وابن ماجہ، وحدیث عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اخرجه النسائی، قال المنذری۔

## باب المواشی تفسد زرع قوم

ان ناقۃ للبراء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ دخلت حائط رجل فافسدتہ علیہم فقط فی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم علی اهل الاموال حفظہا بالنہار وعلی اهل المواشی حفظہا باللیل۔ حضرت براء بن عازب کی اونٹنی کسی شخص کے باغ میں گھس گئی اور اس کو خراب کر ڈالا، تو اس موقع پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فیصلہ فرمایا کہ باغ اور کھیت والوں کے ذمہ ہے اپنے باغات اور کھیتوں کی حفاظت کرنا دن میں، اور ارباب مواشی کے حق میں یہ فیصلہ فرمایا کہ ان کے ذمہ ہے اپنے جانوروں کی حفاظت اور نگرانی رات کے وقت میں یعنی جانوروں کو رات میں تو باندھ کر رکھا جائے تاکہ کسی کا باغ اور کھیتی خراب نہ کریں، اور دن میں کھیت والوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی چیز کی حفاظت خود کریں۔

مسئلۃ الباب میں مذاہب ائمہ | اس حدیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ اگر رات میں کسی کا ماشیہ کسی دوسرے شخص

→ اس حدیث میں بہت بڑا سبق ہے حسن معاشرت اور مکارم اخلاق کا اور سورت کے جذبات کی رعایت کا، باوجود ان کی ہمارش اور تنبیہ کرنے کے، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اللہم وفقنا لمکارم الاطلاق النبی بعث لائما ہما بیننا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔

کا کھیت خراب کرے گا تو اس پر اس کا ضمان واجب ہوگا، اور اگر نقصان دن میں ہو تو پھر اہل مواشی پر کوئی ضمان نہیں، جمہور کا مذہب یہی ہے، حنفیہ کے نزدیک دن اور رات کا اسمیں کوئی فرق نہیں، حدیث البجاء جرہا جبار، یہ حدیث حدیث الباب سے زیادہ صحیح ہے اور متفق علیہ یعنی صحیحین کی روایت ہے، اور حدیث الباب سنن کی روایت ہے البتہ ایک شرط ضمان کی اور ہے جو متفق علیہ ہے وہ یہ کہ اس ماشیہ کیساتھ اس کا سائق نہ ہو، اگر سائق ہوگا تو اس صورت میں ضمان ہوگا اسلئے کہ اس صورت میں وہ فعل داہ (افساد وغیرہ) سائق کی طرف منسوب ہوگا، اور جس صورت میں ماشیہ کے ساتھ سائق نہیں ہوگا اس وقت فعل داہ کی نسبت داہ کی طرف ہوگی، اور حدیث میں فعل داہ ہی کو جبار اور عفو قرار دیا گیا ہے، لہذا ضمان و عدم ضمان کے لئے یہ قید تو بالاتفاق معتبر ہے لیکن یہ دن اور رات والے فرق کی بات یہ مختلف فیہ ہے، والحدیث اخرجہ النسائی، قالہ المنذری۔

عن الدیر ابن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کان لہ ناقۃ ضاریۃ۔ ناقۃ ضاریۃ وہ اونٹنی جو کھلی پھرنے کی وجہ سے لوگوں کے کھیت چرنے کی عادی ہو، حضرت برابر بن عازب نے اپنا یہ واقعہ خود بیان کیا کہ ان کی ایک اونٹنی ایسی تھی اور پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فیصلہ فرمایا تھا۔ والحدیث اخرجہ النسائی، قالہ المنذری۔

اختر کتاب البیوع

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## اَوَّلُ كِتَابِ الْقَضَاءِ

اور بعض نسخوں میں ہے، کتاب الاقصیۃ، امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کتاب البیوع کے بعد کتاب الاحکام عنوان قائم کیا ہے، اور مصنف نے کتاب القضاء دونوں کا حاصل ایک ہی ہے، صرف تعبیر کا فرق ہے، اسلئے کہ احکام سے مراد ترمذی میں احکام قاضی ہیں، لہذا دونوں کا حاصل ایک ہی ہوا، کتاب البیوع اور قضا میں مناسبت ظاہر ہے وہ یہ کہ بیوع اور معاملات میں بسا اوقات اختلاف و نزاع رونما ہو جاتا ہے جس کے فیصلہ کیلئے قاضی کی طرف رجوع کیا جاتا ہے، کتاب الاحکام کا عنوان صحیح بخاری میں بھی ہے جس کو انہوں نے تقریباً کتاب کے اخیر میں کتاب الفتن کے بعد ذکر کیا ہے۔

### باب فی طلب القضاء

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال من ولی القضاء فقد ذبح بغیرہ سکین۔

## شرح الحدیث

الکوکب الدرّی میں۔ فقہ ذبح بغیر سکیں کے معنی یہ لکھے ہیں وہ ہمیشہ کے لئے مصیبتوں میں مبتلا ہو گیا، بغیر سکیں سے اسی طرف اشارہ ہے، اسلئے کہ جو ذبح سکیں سے ہوتا ہے وہ تو تھوڑی دیر کی مصیبت اور تکلیف ہوتی ہے، اور جب بغیر سکیں کے ذبح کیا جائے گا تو اس کی شقت بڑی طول و طویل ہوگی، پھر اس مشقت دیرینہ و طولیہ کے بعد دو صورتیں ہیں یا تو اپنی دینداری اور انصاف کو جوہر سے جزیل ثواب کا مستحق ہوگا یا فیصلوں میں ظلم کر کے دنیا کیساتھ آخرت کو بھی ڈبو دے گا، اھ اور المم خطابی نے بغیر سکیں کے ایک معنی یہ بھی لکھے ہیں کہ یہ اسلئے فرمایا تاکہ معلوم ہو کہ آپ کے کلام میں ذبح اور ہلاکت سے ہلاکت حسی مراد نہیں بلکہ ہلاکت معنوی یعنی دینی نقصان، اور علامہ سندھی نے فتح الودود حاشیہ ابی داؤد میں لکھا ہے کہ یہ جملہ صورتہ خبرتہ ہے لیکن بمعنی اشارہ ہے، یعنی جس شخص کو قاضی بنا دیا جائے اس کو چاہیے کہ وہ اپنے اندر سے خواہشات نفسانیہ کو ذبح کر ڈالے اور اپنے نفس کو کچل دے اسلئے کہ تب ہی وہ صحیح معنی میں اپنے فرائض منصبی کو انجام دے سکتا ہے، اور یا یہ عہدہ قضا کی مذمت ہے کہ اس میں رغبت نہ کرنی چاہیے اس لئے کہ اس میں بڑا خطرہ ہے ہلاکت ہے۔ والحدیث اخرجه الترمذی قالہ المنذری۔

## باب فی القاضی یخطئ

عن ابن بربیۃ عن امیہ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم قال القضاء ثلاثۃ، واحد فی الجنة واثنان فی النار۔

اس حدیث کا حوالہ ہمارے یہاں کتاب الخراج میں۔ باب فی العرافۃ میں گذر چکا ہے۔  
یعنی قاضی تین قسم کے ہوتے ہیں جن میں ایک قسم تو جنت میں جائیگی اور دو جہنم میں جو جنت میں جائے گا وہ وہ قاضی ہے جو حق کو پہچان کر اس کے مطابق فیصلہ کرے، اور دوسری قسم وہ ہے کہ جس نے حق کو پہچاننے کے باوجود اس کے خلاف فیصلہ کیا، اور تیسری قسم وہ ہے جس نے سرے سے حق ہی کو نہیں پہچانا یہ دونوں قسمیں جہنمی ہیں۔  
والحدیث اخرجه الترمذی وابن ماجہ قالہ المنذری۔

عن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم اذا حکم الحاكم فاجتهد فاصاب فله اجران۔

یعنی جب کوئی حاکم فیصلہ کرے اپنے اجتہاد سے (یعنی فروع محکمہ غیر منصوصہ میں) اور اس کا اجتہاد درست رہا یعنی اصل حکم شرعی کے موافق رہا تو اس کے لئے دو اجر ہیں، ایک اجر الا اجتہاد اور ایک اجر الا صابۃ، اور اگر حاکم نے اجتہاد کے بعد فیصلہ کیا ایسا اجتہاد جس میں اس سے خطا واقع ہوئی ہے اور اصل حکم شرعی کو نہ پہنچ سکا تب بھی اس کیلئے اجر ہے مگر ایک، یعنی اجر الا اجتہاد، اسلئے کہ قاضی اور مفتی کا اجتہاد یہ اس کی عبادت ہے، اور جو خطا اس سے سرزد

ہوئی وہ معاف کر دی جاتی ہے۔

والحدیث اخرجه البخاری ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ مطولاً ومختصراً۔ قالہ المنذری۔

من طلب قضاء المسلمين حتى يناله ثم غلب عدله جوراً فله الجنة، ومن غلب جوراً عدله فلا النذر  
**شرح الحدیث** | بذل میں اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ اگرچہ عہدہ قضا کی طلب مکروہ و مذموم ہے لیکن  
 اگر کسی شخص نے اس عہدہ کو حاصل کر ہی لیا اور پھر اس کا عدل و انصاف اس کے جور و ظلم پر غالب  
 رہا تو اس کے لئے جنت ہے اور وہ کامیاب ہے اور جس کا ظلم اس کے انصاف پر غالب رہے گا اس کے لئے نار ہے اھ  
 ثم غلب عدله جوراً کا بظاہر مطلب یہ ہے کہ اس قاضی کی صفت عدل صفت جور پر غالب رہی یعنی ہر فیصلہ میں  
 اس کا عدل اس کی نا انصافی پر غالب رہا اور یہ مطلب نہیں کہ جس قاضی کے زیادہ تر فیصلے عدل و انصاف پر مبنی ہوں  
 اور بعض غیر انصاف پر اس کے لئے بھی جنت کی بشارت ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

## باب فی طلب القضاء والتسرع الیہ

قال ابو موسیٰ قال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم لمن نستعمل علی عملنا من ارادة۔  
 یہ حدیث یہاں مختصر ہے، کتاب الحدود کے شروع میں مفصلاً آرہی ہے، اور ہمارے یہاں اس سے پہلے بھی  
 اس کا ذکر کتاب الطہارۃ میں، باب کیف یتاک، میں آچکا ہے، اور نسائی شریف کے شروع میں ابواب الوضو میں  
 روایت مفصلہ مذکور ہے۔

والحدیث اخرجه البخاری ومسلم والنسائی بطولہ واخرجه ابو داؤد فی کتاب الحدود بطولہ، قالہ المنذری۔

## باب فی کراہیۃ الرشوة

لعن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم الراشی والمرشئی۔

راشی رشوت دینے والا، اور مرشئی لینے والا، والرشوة۔ مثلثة الرار ما یغنی لابطال حق او یعطی لاحقاق باطل  
 رشوة کا ذکر اور اس کی یہ تعریف کتاب الخراج میں باب فی کراہیۃ الافتراض فی آخر الزمان میں گذر چکی، والحدیث اخرجه  
 ابن ماجہ، قالہ المنذری۔

## باب فی ہدایا العمال

ابھی چند باب پہلے ایک باب گذرا۔ باب فی قبول الہدایا، اس باب میں اس موجودہ ترجمہ الباب کا حوالہ اور



میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ مجھے اس کام کیلئے بھیج رہے ہیں حالانکہ میں نو عمر ہوں اور مجھے قضاء کا علم بھی نہیں۔ شرح نے لکھا ہے کہ اس سے مطلق علم کی نفی مراد نہیں بلکہ اس سے عادت اور تجربہ کی نفی مراد ہے۔ آپ نے ان سے بطور دعا کے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے قلب کی صحیح فیصلہ کی طرف رہنمائی فرمائے گا، اور ہتھاری زبان کو حتیٰ پر حجاب سے گائیے اس کے ذریعہ صحیح فیصلہ کرائے گا، پھر آپ نے ان کو فیصلہ کے بارے میں ایک قاعدہ کلیہ کی طرف رہنمائی فرمائی وہ یہ کہ جب مجلس قضاء میں تمہارے پاس خصمین مدعی اور مدعی علیہ حاضر ہوں تو ایک شخص کا بیان سنکر ہرگز فیصلہ نہ کرنا جب تک اسکے خصم کی بات نہ سن لو جس طرح تفصیل سے پہلے کی بات سنی ہے فائدہ اُحری ان یتبین لک القضاء، اسلئے کہ اس صورت میں یعنی فریقین کی بات سننے کے بعد صحیح فیصلہ کا تم پر ظاہر ہونا بہت قریب ہوگا، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ (آپ کی اس دعا کی برکت اور آپ کے بیان کردہ قاعدہ کلیہ پر عمل کرنے کی بدولت) کبھی مجھے اپنے کسی فیصلہ میں شک اور تردد نہیں ہوا۔

### قضاء علی الغائب کے جواز میں اختلاف علماء

حتیٰ تسمع من الآخر پر شرح نے لکھا ہے کہ یہ دلیل ہے اس بات کی کہ حاکم کے لئے قضاء علی الغائب جائز نہیں اس لئے کہ جب خصمین کے موجود نہ ہونے کے باوجود دوسرے کی بات سننے سے پہلے فیصلہ کرنا جائز نہیں تو خصم کے غائب ہونے کی صورت میں عدم جواز بطریق اولیٰ ہوگا، خطابی فرماتے ہیں: ومن ذہب الی ذلک شریح وعمر بن عبد العزیز وھو قول ابی حنیفہ وابن ابی لیلیٰ، وقال مالک والشافعی القضاء علی الغائب جائز وکان ابو عبیدیری القضاء علی الغائب اذا تمیقن الحاکم ان فرارہ واستخفاه انما هو فرار من الحق ومعاندة للخصم، یعنی ابو عبیدہ کے نزدیک قضاء علی الغائب اس صورت میں جائز ہے جبکہ حاکم کو اس بات کا یقین ہو کہ فریق آخر کا عدالت میں حاضری نہ ہونا اور روپوش ہو جانا وہ ادائے حق ہے بچنے کے لئے اور اپنے مقابل کی دشمنی کی وجہ سے ہے، حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کے فیصلے بڑے مشہور ہیں قضاء و احکام میں ان کی ہمارے مشہور اور ضرب المثل ہے تم نے پڑھا ہوگا ٹھوکی کی کتاب میں، قضیۃ ولایا حسن لہاء اور حدیث بھی مشہور ہے جو بہت سے خطبوں میں بھی پڑھی جاتی ہے، واقضائہ علی۔ اس قسم کی روایات مناقب میں دیکھی جاسکتی ہیں۔ والحدیث اخرجہ الترمذی تحقراً، وقال حدیث حسن، قالہ المنذری۔

### باب فی قضاء القاضی اذا اخطأ

عن ام سلمة رضي الله تعالى عنها قالت قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم انما انا بشر وانکم تختصمون الی ولعل بعضکم ان یكون الحق بحجته من بعض فاقضی له علی نحو ما اسمع منه لئلا آپ فرما رہے ہیں بیشک میں انسان ہی ہوں اور تم لوگ اپنے مناجمات اور منازعات میں فیصلہ کے لئے میرے

پاس آتے ہو (اس بارے میں مجھ سے ایک بات غور کیے سو) وہ یہ کہ ہو سکتا ہے کہ تم میں سے بعض بڑے فصیح اور قادر الکلام ہو اپنی بات اور دلیل کو خوب اچھی طرح بیان کرنے والا ہو دوسرے کے مقابلہ میں، پس ایسی صورت میں امکان ہے ایسی بات کا کہ میں اس سخن اور انصیح کی تقریر کے موافق اس کے حق میں فیصلہ کر دوں (اور بالفرض ہو وہ فیصلہ خلاف واقع تفریق آخر کے اپنی بات کو اچھی طرح نہ سمجھانے کی وجہ سے) تو اس کے بارے میں یہ سن لو کہ ایسی صورت میں، میں جس شخص کے لئے دوسرے کے حق کا فیصلہ کر دوں تو اس کو اس کا لینا جائز نہ ہوگا بلکہ وہ یوں سمجھے کہ میں نے اس کے لئے آگ کا فیصلہ کیا ہے۔

**قضار القاضی کا نفاذ صرف ظاہر ہوتا ہے یا ظاہر و باطناً** | اس حدیث میں ایک مشہور اختلافی مسئلہ مذکور ہے وہ یہ کہ قضا قاضی کا نفاذ ظاہر و باطناً ہوتا ہے یا صرف ظاہر ہوتا ہے یا صرف ظاہر ہوتا ہے دنیوی احکام کے اعتبار سے، اس مسئلہ میں حنفیہ کی رائے یہ ہے کہ قضا قاضی کا نفاذ ظاہر و باطناً دونوں طرح ہوتا ہے، اور جہور کے نزدیک اس کا نفاذ صرف ظاہر ہوتا ہے یعنی دنیوی احکام کے اعتبار سے، باطنا عند اللہ نہیں یعنی قاضی کے ہر فیصلہ کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ ایسا ہو، بلکہ اس میں غلطی کا امکان ہونے کی وجہ سے خلاف حق ہونے کا احتمال ہے، اس اختلاف کے جاننے کے بعد اب آپ یہ سمجھئے کہ یہ حدیث بظاہر حنفیہ کے اس مسلک کے خلاف ہے کیونکہ آپ فرما رہے ہیں کہ میرے فیصلہ کرنے سے وہ شئی عند اللہ تعالیٰ اس شخص کے لئے حلال نہ ہوگی، اس کا جواب یہ ہے کہ حنفیہ کا جو یہ مسلک ہے جو اوپر مذکور ہو اس کا تعلق عقود و فسوخ سے ہے خواہ اس عقد کا تعلق طلاق و نکاح سے ہو یا اموال سے، املاک و ترسلہ میں ہمارا مسلک یہ نہیں ہے، عقود و فسوخ کی مثال جیسے ایک شخص نے دوسرے پر دعویٰ کیا کہ اس نے میرے ہاتھ اپنی فلاں چیز کی بیع کی ہے اور وہ دوسرا شخص بیع کا منکر ہے، مدعی نے دو شاہد زور اپنے دعویٰ پر قائم کر دیئے حاکم نے مدعی کے حق میں فیصلہ کر دیا تو اس صورت میں قضائے قاضی کی وجہ سے اگرچہ بیع پہلے سے منعقد نہ تھی اب یعنی فیصلہ کے بعد ہو جائے گی، اور مشتری کے ذمہ ثمن کی ادائیگی اور پھر اس شئی میں تصرف کرنا جائز ہوگا، ایسے ہی اگر کسی شخص نے کسی عورت پر نکاح کا دعویٰ کیا کہ میں تجھ سے نکاح کر چکا تھا، عورت انکار کرتی تھی لیکن مرد نے قاضی کی مجلس میں دو شاہد زور پیش کر دیئے جس کی وجہ سے قاضی نے مرد کے حق میں فیصلہ کر دیا یعنی ثبوت نکاح کا تو اس مثال میں باوجود پہلے سے نکاح نہ ہونے کے قضائے قاضی کی وجہ سے شرعاً عند اللہ نکاح منعقد ہو جائیگا جب حنفیہ کے مسلک کی تحقیق ہوگئی تو اب سمجھئے کہ یہ حدیث ہمارے خلاف نہیں ہے، ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث عقود و فسوخ سے متعلق نہیں ہے بلکہ ہم اس کا تعلق املاک و ترسلہ سے مانتے ہیں یعنی جہاں پر دعویٰ اور خصمیں ہیں اختلاف نفس ملک میں ہو مثلاً ایک شخص کہے کہ فلاں شخص کے پاس جو زمین ہے وہ اس کی ملک نہیں بلکہ میری ہے اس کا اس پر غاصبانہ قبضہ ہے، اس مسئلہ کا تعلق نفس ملک سے ہے عقد بیع و شراء سے نہیں تو اس مسئلہ میں مدعی نے جھوٹے گواہ پیش کر دیئے اور قاضی



نے اسکے حق میں فیصلہ کر دیا یا واقع میں وہ زمین مدعی ہی کی تھی، لیکن اسکے پاس بیمن نہ ہونے کی وجہ سے قاضی نے مدعی علیہ کی بیمن پر اسکے حق میں فیصلہ کر دیا، اس مثال میں قاضی کے فیصلہ سے وہ چیز مقضیٰ کہ کیلئے جائز و حلال نہ ہوگی، اور قاضی کا فیصلہ صرف ظاہر نافذ ہوگا نہ کہ باطناً حنفیہ کی دلیل یہ ہے کہ قاضی و حاکم کو ولایت عامہ حاصل ہونے کی وجہ سے لوگوں کے درمیان عقد و فسخ کا حق شرعاً حاصل ہے لہذا جب وہ دو شخصوں کے درمیان اصول اور قواعد کے مطابق عقد یا فسخ کا فیصلہ کرے گا تو اس کا یہ فیصلہ شرعاً معتبر و نافذ ہوگا لیکن قاضی کو اس بات کا حق حاصل نہیں کہ کسی چیز میں غیر مالک کے لئے ملکیت کو اپنے فیصلہ سے ثابت کرے لہذا حدیث الباب کا تعلق اسی دوسری صورت سے ہے، نیز حنفیہ کی تائید میں وہ واقعہ بھی پیش کیا جاتا ہے جس کو امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تصنیف کتاب الاصل میں ذکر کیا ہے جو علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ تعالیٰ کی تقریر "العرف الشذی" میں بھی مذکور ہے وہ یہ کہ ایک شخص نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس جا کر ایک عورت سے نکاح کرنے کا دعویٰ کیا اور اس پر دو شاہد زور بھی پیش کر دیئے جس پر انہوں نے نکاح کا فیصلہ فرمایا، اس پر وہ عورت کھڑی ہوئی اور اس نے کہا کہ یہ شخص جھوٹا ہے اور اے امیر المؤمنین! جب یہ بات ہے تو پھر میرا اس سے نکاح ہی کیونکر ہوگا تاکہ دونوں گنہ گار نہ ہوں، اس پر حضرت علی نے فرمایا، شاہد اک زور جاگ، یعنی ابھی اس مجلس میں دو گواہوں کی گواہی پر میں نے نکاح کا فیصلہ کیا ہے اسی سے عقد نکاح کا تحقق ہو گیا، اس کے بعد عرف الشذی میں یہ ہے کہ ذکرہ محمد بن الاصل ولایذکرون سندھذا الواقعة ولم اجد السند وظنی انہا لا تكون بلا اصل ومرا الحافظ علی هذا الاثر ولم یردہ زیادة المرء، ولم یقبلہ ایضاً، فدل علی انه لیس بلا اصل، یعنی حافظ ابن حجر اس واقعہ کو نقل کر کے انہوں نے اس کو کچھ زیادہ رد نہیں کیا گو قبول بھی نہیں کیا، پس ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ بے اصل نہیں ہے (عرف الشذی ص ۱۳۳)

والحدیث اخرہ البخاری ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ، قالہ المتذری۔

عن ام سلمة رضي الله تعالى عنها قالت اتى رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم رجلاً من بني قحطبان في مواسم يث لهما لم تكن لهما بينة الادعواهما فقال النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم. فذكر مثله۔

یہ حدیث بھی وہی ہے جو اوپر آئی مگر پہلی حدیث مختصر تھی اور اس میں یہ زیادتی ہے کہ دو شخص حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں میراث کے مسئلہ میں جھگڑتے ہوئے آئے، اور بیمنہ کسی کے پاس نہیں تھا اس پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے وہ حدیث ارشاد فرمائی جو پہلے گزر چکی۔ اس کے بعد یہاں روایت میں یہ ہے کہ آپ کی یہ وعید سن کر دونوں شخص روتے لگے اور ہر ایک ان میں سے اپنا حق دوسرے کو دیتے لگا، اس پر آپ نے ان دونوں سے فرمایا: اما اذا فعلتما

له ولا يخالفنا هذا الحديث فان الحديث يقتضي من قضيت له من حق اخيه شيئا في العقود والفسوخ لا يقتضي العاقبة بحق اخيه شيئا بل يحكم بالعقد او الفسخ الذي هو حق الحاكم الى آخر ما في البذل۔

ما فعلتما فاتسما وتوخيا الحق ثم استهما ثم تحالا، یہ اوپر اچکا کہ ان دونوں کا اختلاف کسی میراث اور ترکہ کے بارے میں تھا، ترکہ میں تو متفرق چیزیں ہوا ہی کرتی ہیں اسلئے آپ نے ان سے فرمایا کہ ان سب چیزوں کو برابر برابر دو جگہ کر لو، اور ہر ایک اس تقسیم سے اپنے ہی حق کو لینے کا ارادہ کرے، یعنی اس سے زائد کا نہیں۔ پھر جب وہ کل مال دو جگہ رکھا جائے تو رقم اندازی کرو تعین حصہ کے بارے میں، پھر جس کے نام جو نسا حصہ نکلے اس کو وہ لے لے اور اس کے باوجود بھی آپس میں ایک دوسرے کو اپنا حق معاف کر دے، یعنی احتیاطاً۔

یختصمان فی موارث و اشیاء قد درست، یعنی جھگڑا مال میراث اور ایسی چیزوں میں تھا جو برائی ہوئی تھیں فقال انی انما اقضی بیکم برأی فیما لم یُنزل علی فیہ۔ یعنی آپ نے یہ بھی فرمایا کہ جس مسئلہ کے بارے میں مجھ پر وحی نازل نہیں ہوئی اس میں میں اپنی رائے اور اجتہاد سے فیصلہ کرتا ہوں۔

آپ کے لئے اجتہاد کا جائز ہونا یہ حدیث صریح دلیل ہے اس بات کی کہ آپ کے لئے احکام میں اجتہاد جائز تھا، مسئلہ اختلافی ہے جمہور علماء کی رائے یہی ہے یعنی جواز کی، اس مسئلہ میں چار قول ہیں جو ہمارے یہاں ابواب الوضوء لولان اشق علی امتی لاسرہم بالسواک الحدیث کے ذیل میں گزر چکے۔

عن ابن شہاب ان عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال وهو علی المنبر یا ایہا الناس ان الراۃ انما کان من رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مصیبا لان اللہ تعالیٰ کان یریدہ، وانما هو منا الظن والتکلف۔

یعنی ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے خطبہ میں منبر پر یہ بات فرمائی کہ اے لوگو! بیشک اصل رائے جو درست اور صواب ہو وہ تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تھی کیونکہ اللہ تعالیٰ آپ کو حق بات سمجھاتے تھے، اور ہماری رائے تو بس ایک گمان اور تکلف کا درجہ رکھتی ہے۔

یہ روایت مرسل ہے یعنی منقطع، کیونکہ ابن شہاب کا سماع حضرت عمر سے ثابت نہیں دیکھتے! حضرت عمر اپنی رائے کے بارے میں کیا فرما رہے ہیں اور اس کو کتنا کم حیثیت بتا رہے ہیں حالانکہ خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کے بارے میں اصابتہ رائے اور حق گوئی کی شہادت دی ہے فقیہ الترمذی عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال: ان اللہ جعل الحق علی لسان عمر و قلیہ۔

حد ثنا احمد بن عبد القاضی الف۔ یہ اکثر نسخوں میں نہیں ہے کافی تعلق شیخ محمد عوامہ اور اس کے یہاں ہونے کی کوئی وجہ بھی سمجھ میں نہیں آتی (کافی البذل)

### باب کیف یجلس الخصمان بین یدی القاضی

عن عبد اللہ بن الزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال قضی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان الخصمین

یعتقد ان بین یدی الحاکم۔

یعنی آپ نے ارشاد فرمایا کہ قاضی کو چاہیئے کہ خصمین میں سے کسی ایک کیساتھ امتیازی برتاؤ نہ کرے بلکہ دونوں کو اپنے سامنے بٹھائے۔

بذل میں ایک اشکال لکھا ہے کہ اس حدیث میں کیفیت جلوس مذکور نہیں لہذا ترجمۃ الباب میں لفظ کیف نہیں ہونا چاہیئے تھا، لیکن اسکا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ خصمین میں سے ہر ایک کا حاکم کے سامنے بیٹھنا ہی کیفیت جلوس ہے۔

### باب القاضی یقضی وهو غضبان

لا یقضی الحکم بین اثنين وهو غضبان، یعنی قاضی صاحب کو اگر پہلے سے کسی بات پر غصہ آ رہا ہے تو اس وقت میں دعویٰ کی سماعت اور اس کا فیصلہ نہیں کرنا چاہیئے، ہو سکتا ہے اس حالت میں وہ معاملہ کو کا حق نہ سمجھ سکے، اسی طرح بذل میں لکھا ہے کہ جوع اور عطش وغیرہ احوال میں بھی فیصلہ نہیں کرنا چاہیئے۔  
والحدیث اخرجه البخاری والترمدی والنسائی وابن ماجہ قالہ المنذری۔

### باب الحکم بین اهل الذمة

مسئلۃ الباب میں مذکور ہے کہ، یعنی مسلمان قاضی کو دارالاسلام میں ذمیوں کے درمیان فیصلہ کرنا چاہیئے یا نہیں، امام مالک کی رائے اس میں تخییر کی ہے، اور حنفیہ کے نزدیک مرافعہ کی صورت میں فیصلہ کا حکم ہے ویسے نہیں، اور امام شافعی کے اس میں دو قول ہیں ایک یہی یعنی وجوب عند المرافعہ، دوسرا یہ کہ مطلقاً واجب ہے۔

قال کان بنو النضیر اذا قتلوا من بنی قریظۃ اذوا نصف الدیۃ الخ۔

یہ روایت مفصلاً کتاب الحدود میں آرہی ہے، بنو قریظہ اور بنو نضیر یہود کے دو مشہور قبیلے ہیں جو مدینہ میں آباد تھے جن میں بنو قریظہ کم درجہ سمجھے جاتے تھے اور بنو نضیر اونچے درجہ کے، اس لئے ان کے یہاں یہ بے انصافی شروع میں پائی جاتی تھی کہ بنو نضیر اگر کسی قرظی شخص کو قتل کر دیتے تو اس کی نصف دیت ادا کرتے، اور اگر بنو قریظہ بنو نضیر میں سے کسی کو قتل کر دیتے تو ان کو کامل دیت دینی پڑتی تھی، راوی کہہ رہا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی اس تفریق کو ختم کر کے دونوں کے درمیان مساوات کا فیصلہ فرمایا۔

اس آیت کریمہ کے مطابق جو روایت میں مذکور ہے، وان حکمت فاحکم بینہم بالقسط (بذل)  
والحدیث اخرجه النسائی، قالہ المنذری۔

## باب اجتہاد الرأی فی القضاء

المرسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم لما اراد ان یبعث معاذاً الی الیمن قال: من تقضی اذا عرض لك قضاء، قال اقض بکتاب اللہ، قال فان لم تجد فی کتاب اللہ؟ قال فبسنة رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) قال فان لم تجد فی سنة رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ولا فی کتاب اللہ؟ قال اجتهد رأی ولا الو، فذهب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم صمدلاً فقال الحمد لله الذی وفق رسول رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم لما یرضی رسول اللہ -

اس حدیث کا مضمون تو ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاذؓ سے دریافت فرمایا کہ میں پہنچ کر تم فیصلے کس طرح کرو گے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ کتاب اللہ کے مطابق اور اگر اس میں نہ ملا تو سنت رسول اللہ کے مطابق، آپ نے دریافت کیا کہ اگر دونوں میں نہ پاد تو کیسے فیصلہ کرو گے، تو انہوں نے جواب دیا کہ میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا ولا آلو یعنی اس اجتہاد کرنے میں کوئی کوتاہی اور کسر نہیں چھوڑوں گا یعنی حسبِ مسعت و طاقت صحیح فیصلہ کی کوشش کروں گا، آپ نے ان کا یہ جواب سنکر ان کے سینہ پر درست مبارک رکھا اور فرمایا تمام تعریف اس اللہ کے لئے ہے جس نے اپنے رسول کے قاصد کو توفیق دی اس چیز کی جس کو رسول اللہ پسند کرتا ہے۔

خطابی فرماتے ہیں اجتہاد رأی سے اپنی ذاتی رائے مراد نہیں جو انکے ذہن میں آئے بغیر استناد الی الکتاب والسنة کے، بلکہ رائے سے مراد رائے بطریق قیاس ہے جس کا ماخذ کتاب وسنت ہو، اور پھر اسکے بعد فرماتے ہیں: وفي هذا اثبات القیاس وایجاب الحکم بہ اھ چنانچہ تمام ہی فقہاء قاطبہ نے اس حدیث سے حجیۃ قیاس پر استدلال کیا ہے۔

حدیث الباب کی سند پر کلام اور محدثین کی طرف سے اس کا جواب اس کے بعد پھر ماننا چاہیئے کہ یہ حدیث سنداً ضعیف ہے اس کے اندر ایک راوی ہے حارث بن عمرو جو مجہول ہے بالاتفاق نیز وہ روایت کر رہا ہے اس کو اصحاب معاذ من اهل حمص سے جو کہ مجہول ہیں۔ امام ترمذی

نے بھی اس حدیث کی سند پر کلام کیا ہے وہ اس حدیث کی تخریج کے بعد فرماتے ہیں لا نعرف الا من هذا الوجه ولین اسنادہ عنہی بمقتضی اور جوز قانی نے تو اس حدیث کو موضوعات میں شمار کیا ہے، علامہ سیوطی، مرقاة الصعود، میں اس سب کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں قلت لکن الحدیث لہ شواھد موقوفہ عن عمر بن الخطاب وابن مسعود وزید بن ثابت وابن عباس، وقد اخرجہا البیہقی فی سننہ عقب تخریجہ لہذا الحدیث تقویۃ لہ اھ (بذل) حافظ ابن قیم نے اپنی مشہور تصنیف، اعلام الموقعین عن رب العالمین میں اس حدیث کو حجیت قیاس میں پیش کیا ہے اور اس سند میں جو خامیاں ہیں جن کا ذکر اوپر آیا ان کی طرف سے جواب دیا ہے، اور یہ کہ یہ حدیث حدیث شہرت کو پہنچی ہوئی ہے اور اصحاب معاذ کی

شہرت علم و دین اور فضل و صدق میں اتنی ہے جو کسی پر پوشیدہ نہیں، اور نیز فرماتے ہیں کہ شعبہ جو اس حدیث کے حامل لوہ ہیں ان کی شان یہ ہے کہ بعض ائمہ حدیث نے ان کے بارے میں فرمایا ہے اذارایت شعبۃ فی اسناد حدیث فاشددیدیک بہ کہ جب تم کسی حدیث کی سند میں شعبہ راوی کو دیکھ لو کہ وہ اس میں موجود ہیں تو پھر اس حدیث کو مضبوطی سے پکڑ لو، اور خطیب بغدادی نے اس حدیث کی ایک اور سند بھی بیان کی ہے جس کی سند متصل اور رجال معروف بالثقاہۃ ہیں، اس سب کے علاوہ یہ بات ہے کہ اہل علم اس حدیث کو نقل کرتے چلے آئے ہیں اور حجیت قیاس پر اس سے استدلال کرتے رہے ہیں فوقنا بذلک علی صحۃ عندہم، یعنی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث ان کے نزدیک صحیح و ثابت ہے اور پھر انہوں نے اس کے بعد بہت سی ایسی حدیثیں نظیر کے طور پر ذکر کیں جو من حیث الاسناد قوی نہیں، لیکن علماء کا نقل و نقل کرنا ان کی صحت کے لئے کافی اور مستغنی عن طلب الاسناد ہو گیا (مخصوصاً النون) والحدیث: أخرجه الترمذی، قال المنذری۔ تنبیہ:۔ حافظ ابن قیم تہذیب السنن میں فرماتے ہیں کہ امام ابن ماجہ نے بھی اس حدیث کی تخریج ایک دوسرے طریق سے کی ہے عن عبادۃ بن نسی عن عبد الرحمن بن غنم حدیثنا معاذ بن جبل قال لما بعثنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم الی الین قال لا تقضین ولا تفصلن الا بما تعلم وان اشدک علیک امر فقف حتی تبینہ او تکتب الی فیہ، ابن قیم فرماتے ہیں: وهذا جود اسنادا من الاول ولا ذکر فیہ للراۃ۔

## باب فی الصلح

یہ کتاب القضاء چل رہی ہے اس باب سے مصنف یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ جس طرح قاضی کا یہ فرض منصبی ہے کہ وہ خصمین کے درمیان علی حسب الاصول شرعی فیصلہ کرے اسی طرح قاضی کو اس کا بھی حق ہے کہ خصمین کے درمیان رفا للفرع صلح کرادے جیسا کہ کعب بن مالک اور ابن ابی حذر کے درمیان حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے صلح کرائی تھی۔

الصلح جائز بین المسلمین الاصلح احرم حلالا و احل حراما الخ۔

امام ترمذی کی حدیث الباب کے باریکیں  
تصحیح اور اس پر محدثین کا اعتراض  
مضمون حدیث تو ظاہر ہے، اس حدیث کے بارے میں امام ترمذی نے فرمایا ہذا حدیث حسن صحیح، امام ترمذی کی اس رائے پر علماء نے اشکال کیا ہے کہ اس حدیث کی سند میں جو ترمذی میں ہے کثیر

بن عبد اللہ بن عمرو بن عوف المزنی ہے جس کے بارے میں یہ ہے کہ ہوضیف جداً وقال النسائی لیس بثقة وقال ابن معین لیس بشئ، حافظ ذہبی فرماتے ہیں کہ امام ترمذی نے کثیر بن عبد اللہ کی روایت سے یہ حدیث الصلح جائز بین المسلمین روایت کرنے کے بعد اس کی تصحیح کی ہے فلہذا لا یعتد العلماء علی تصحیحہ، لیکن حافظ ابن حجر نے امام ترمذی کی طرف سے اعتذار ا یہ فرمایا ہے وکانہ اعتبر بکثرة طرقہ، یعنی امام ترمذی نے اس حدیث پر صحت کا حکم صرف اپنی بیان کردہ سند کے اعتبار سے

نہیں لگایا بلکہ ان کے پیش نظر اس کے دوسرے طرق بھی ہیں جن سے یہ حدیث مروی ہے (بذل) چنانچہ ابوداؤد کی اس سند میں یہ راوی نہیں ہے کما تری، اس حدیث پر من حیث الفقہ اور بھی کلام کیا گیا ہے، صلح کی مختلف انواع کے پیش نظر جس کے لئے تفصیل درکار ہے فلیراجع الی الشرح۔

اخبرنی عبد اللہ بن کعب بن مالک ان کعب بن مالک اخبرہ انہ تقاضی ابن ابی حنظلہ دینا کان لہ علیہ مضمون حدیث یہ ہے کہ کعب بن مالک کے بیٹے عبد اللہ اپنے والد کعب بن مالک سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے مجھ سے اپنا واقعہ بیان کیا کہ میرا ابن ابی حنظلہ زبردین تھا جس کا میں نے ان سے تقاضا کیا مسجد میں، جس سے دونوں کی آوازیں بلند ہو گئیں حتیٰ کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جو کہ اپنے حجرہ شریفہ میں تھے ان کی آواز سن کر دروازہ پر تشریف لائے اور اس پر جو پردہ پڑا ہوا تھا اس کو ہٹایا اور کعب بن مالک کا نام لیکر ان کو پکارا انہوں نے عرض کیا لبیک یا رسول اللہ، آپ نے ان کی طرف اپنی انگلی کے اشارے سے یہ سمجھایا کہ اپنا نصف دین معاف کر دو، انہوں نے عرض کیا جی میں نے ایسا کر دیا، اس پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے عبد اللہ بن ابی حنظلہ سے فرمایا کہ اٹھ کھڑا ہو اور نصف اس کو ادا کر دے جس پر صلح ہو گئی۔

والحدیث اخرجہ البخاری ومسلم والنسائی وابن ماجہ، قالہ المنذری۔

## باب فی الشہادات

ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال لا اُخبرکم بخیر الشہداء الذی یاتی بشہادۃ قبل ان یسألہا یعنی آپ نے فرمایا کہ شہدار میں بہترین شاید وہ ہے جو شہادت لے سے قبل اس کے کہ اس سے شہادت کی درخواست کی جائے یہ تو ظاہر ہے کہ شہادت سے سچی شہادت مراد ہے، اور چونکہ شاہدوں کی شہادت مدعی کے حق واجب کے ثبوت کا ذریعہ ہے اسلئے آپ اس کی مدح اور ترغیب فرما رہے ہیں۔

قال ابوداؤد قال مالک: الذی یخبر بشہادۃ ولا یعلم بہا الذی ھو لہ۔

رفع التعارض بین الحدیثین | امام مالک جن کا قول مصنف نقل کر رہے ہیں ان کی غرض اپنے اس کلام سے رفع التعارض بین الحدیثین ہے اسلئے کہ ایک دوسری حدیث میں مقام مذمت میں فرمایا گیا ہے الذین یشہدون ولا یشہدون کہ وہ ایسے ہیں کہ بغیر طلب شہادت کے شہادت دیتے پھر ہیں، امام مالک اس کی توجیہ یہ فرما رہے ہیں کہ شہادت قبل الاستشہاد کی مدح اس مقام پر ہے جہاں پر مدعی کو یہ معلوم نہ ہو کہ میرا کوئی شاہد ہے یا نہیں، لہذا ایسے موقع پر جس شخص کو مدعی کے صدق دعویٰ کا علم ہے اس کو چاہیئے کہ وہ کھڑا ہو کر گواہی دے اس کے حق کو ضیاع سے بچانے کیلئے، اور جس حدیث میں شہادت قبل الاستشہاد کی مذمت کی گئی ہے اس سے مراد وہ صورت ہے

جہاں مدعی کو اپنے شہود کا علم ہو لہذا وہاں کیا ضرورت ہے بدو ان استہادات کے شہادت دینے کی، یہ توجیہ تو امام مالک سے منقول ہے، اور اس تعارض کی اور توجیہات بھی کی گئی ہیں مثلاً یہ کہ جہاں پر مذمت وارد ہے اس سے مراد شہادۃ الزور ہے اور جہاں پر مدح آئی ہے اس سے سچی شہادت مراد ہے، امام ترمذی نے جامع ترمذی میں بھی اس تعارض پر کلام فرمایا، اور خود انہوں نے اس کی یہ توجیہ بیان فرمائی ہے کہ مقام مدح میں الذی یأتی بشہادۃ قبل ان یسألہا، اس سے مراد شہادت قبل الطلب نہیں ہے بلکہ اس سے مراد استعجال فی ادار الشہادۃ ہے یعنی وہ گواہ بہترین گواہ ہے کہ جب اس سے شہادت طلب کی جائے تو وہ فوراً بلا تاخیر اس کام کے لئے کھڑا ہو جائے۔ اس استعجال اور عدم تاخیر کو مبالغۃ قبل الطلب سے تعبیر کر دیا گیا ہے۔

والحدیث اخرجه مسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ، قالہ المنذری۔

### باب فی الرجل یعین علی خصومة من غیر ان یعلم امرہا

من حالت شفاعتہ دون حد من حد من اللہ فقد ضاد اللہ۔

یعنی جو شخص کسی شخص پر ثبوت حد کے بعد تنفیذ حد سے پہلے اس کی سفارش کے لئے کھڑا ہو اور عدم تنفیذ حد کی کوشش کرے تو اس شخص نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی بڑی سخت مخالفت کی، قاضی صاحب تک مسئلہ اور معاملہ پہنچنے سے پہلے اس بات میں کوشاں رہنا کہ کسی طرح حد کا ثبوت نہ ہو یہ امر آخر ہے، حدیث میں اس پر وعید نہیں بلکہ یہ تو محمود اور پسندیدہ ہے لیکن قاضی تک پہنچنے کے بعد پھر سفارش کرنا جیسا کہ ہم اوپر لکھ چکے ہیں یہ ناجائز اور مذموم ہے، حدود شرعیہ کا نفاذ بہت اہم اور موجب غیر و برکت ہے کما ورد فی الکتاب والسنة۔

ومن خاصم فی باطل وهو یعلمہ لم یزل فی سخط اللہ حتی ینزع۔ حدیث کا یہ جزو ثانی ترجمۃ الباب سے متعلق ہے، روخصوں میں کسی معاملہ میں نزاع ہو رہا ہے جن میں سے ایک باطل پر ہے اور دوسرا حق پر تو ایسی صورت میں کوئی شخص اس خصم کی تائید اور اعانت کرے جس کا اس کو باطل پر ہونا معلوم ہے اس کے بارے میں یہ وعید ہے کہ ایسا شخص ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے غصہ اور ناراضگی میں مبتلا رہے گا جب تک کہ اس سے رجوع اور توبہ نہ کرے۔

ومن قال فی مومن ما لیس فیہ امکنہ اللہ ردغۃ الخیال حتی یخرج مما قال۔ یہ حدیث کا تیسرا جزو ہے کہ جو شخص کسی مومن میں ایسی صفت بیان کرے یعنی کسی ایسے عیب کا اس پر الزام لگائے جو اس میں نہیں ہے، اور وہ اس سے بری ہے تو ایسے شخص کے بارے میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فرما رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کو آخرت میں جہنم کے اس طبقہ میں رکھیں گے جہاں جہنمیوں کے زخموں کی لہو پیپ ہوگی، ردغۃ الخیال ای التراب المخلوط بعصارة اہل النار، جہنمیوں کی لہو پیپ کا کچھ آپ فرما رہے ہیں کہ اس کا اس ٹھکانہ میں رہنا اس وقت تک ہوگا

جب تک وہ اپنے قول سے باہر نہ آجائے، لیکن ظاہرات ہے کہ جو شخص جو بات کہہ چکا وہ اس سے آخرت میں کیسے باہر آئے گا دنیا میں تو باہر آسکتا تھا تو بہرہ و تلافی کے ذریعہ، نہایت سخت و عید ہے اللہ تعالیٰ شانہ ہماری اس سے حفاظت فرمائے۔

## باب فی شہادۃ الزور

نقال عدلت شہادۃ الزور بالاشراک باللہ۔ ثلاث مرات۔ ثم قرأ: فاجتنبوا الرجس من الاوثان

واجتنبوا قول الزور۔ الایۃ۔

**شرح الحدیث** | آپ فرما رہے ہیں کہ جھوٹی گواہی شرک کے برابر ہے، یہ بات آپ نے تین بار فرمائی۔ اور اسکی تائید میں آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی، تائید یا تو اس طور پر ہے کہ اس آیت کریمہ میں اجتناب من الزور اور اجتناب من عبادة الاوثان دونوں کو ایک ساتھ بیان کیا گیا ہے اگرچہ اقران فی الذکر اقران فی الحکم کو مستلزم نہیں لیکن کم از کم مناسبت اور قربت کو تو مستلزم ہے، اور یا پھر استدلال آیت کے مابعد کے حصہ سے ہے حنفیہ للشر غیر مشرکین پر، حضرت گنگوہی کی تقریر میں ہے کہ قول زور کے بہت سے مراتب ہیں اور اس میں کیا شک ہے کہ اشراک باللہ بھی اسی کی ایک نوع ہے اس لئے کہ اس پر بھی قول زور ہونا صادق آتا ہے جس کی تائید حنفیہ للشر غیر مشرکین پر سے ہو رہی ہے والحدیث الخرجہ الترمذی وابن ماجہ، قالہ المستذری۔

## باب من تردّد شہادۃ

عن عمرو بن شعيب عن ابيه عن جدّه ان رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم ردّ شہادۃ

الغائب والغائبة ردّی الغمر علی اخیه۔

**شرح الحدیث من حیث الفقہ** | خیانت سے مراد عام ہے خواہ وہ خیانت فی اموال الناس ہو یا فی احکام اللہ تعالیٰ و فرائض، دونوں صورتوں میں آدمی فاسق ہوتا ہے، اور غمر کے معنی ہیں

حقد و عداوت، یعنی دشمن اور کینہ پرور کی شہادت اپنے بھائی کے خلاف، یعنی شہادۃ العدو علی العدو، آپ نے ان دونوں (شہادۃ الغائب و شہادۃ العدو) کو رد فرمایا ہے، جمہور کا مسلک یہی ہے لا تجوز شہادۃ العدو علی العدو، حنفیہ کا مذہب بھی یہی ہے لیکن بعض شرح نے یہ لکھا ہے کہ یہ حدیث حنفیہ کے خلاف ہے کیونکہ وہ شہادۃ العدو علی العدو کو جائز قرار دیتے ہیں لیکن یہ نقل صحیح نہیں، ہمارے نزدیک شہادۃ العدو علی العدو اس صورت میں معتبر ہے جبکہ وہ عداوت عدو دینیہ ہو اور اگر عداوت دنیویہ ہے تو پھر ہمارے نزدیک بھی جائز نہیں، ثم اختلفوا (ای حنفیہ) فقیل مطلقا، وقیل بل اذا كانت موجبة للفسق۔ و ردّ شہادۃ القانع لاهل البيت واجازها لغيرهم، قانع لاهل البيت سے مراد خادم ہے



جو کسی کے گھر پر اس کی روزی پر قناعت کئے پڑا ہو، ظاہر بات ہے کہ ایسے شخص کی شہادت اس گھر والوں کے حق میں مخدوش اور متہم ہے، ناجاز ہا غیر ہم یعنی اس قانع کی شہادت کو آپ نے مطلقاً رد نہیں فرمایا بلکہ خاص اس گھر والوں کے حق میں ان کے علاوہ دوسروں کے حق میں معتبر مانا، کیونکہ وہ تہمت کا مقام نہیں ہے۔ والحدیث اخرجہ ابن ماجہ، قالہ المنذری، یہ حدیث بروایت عائشہ رضی اللہ عنہا ترمذی شریف میں بھی ہے اور امام ترمذی نے اس حدیث پر من حیث الفقہ بھی کلام فرمایا ہے لہذا اس کو بھی دیکھا جائے نیز اس مقام کی الکوکب الدرری بھی دیکھی جائے۔ مفید ثابت ہوگی۔

## باب شہادۃ البدوی علی اہل الامصار

لا تجوز شہادۃ بدوی علی صاحب قریۃ، یعنی جنگلی اور دیہاتی کی شہادت بستی اور شہر میں رہنے والے کے خلاف جائز اور معتبر نہیں۔

شرح نے لکھا ہے کہ امام مالک کا اس حدیث پر عمل ہے، اور جمہور یہ کہتے ہیں کہ یہ قاعدہ کلیہ کے طور پر نہیں ہے بلکہ ایسا اس لئے فرمایا گیا ہے کہ عموماً اہل بادیہ جاہل اور بے علم ہوتے ہیں شہادت کی صلاحیت و اہلیت ان میں نہیں ہوتی، لیکن اگر کسی میں ان میں سے اس کی اہلیت ہو تو پھر اس کی شہادت بھی معتبر ہوگی۔ والحدیث اخرجہ ابن ماجہ، قالہ المنذری۔

## باب الشہادۃ علی الرضاع

مسئلۃ الباب میں مذاہب ائمہ کے مسئلہ مختلف فیہ ہے، امام احمد کے نزدیک ثبوت رضاعت کے لئے ایک عورت کی شہادت کافی ہے، وعند مالک شہادۃ امرأتین، اور حنفیہ کے نزدیک عام قاعدہ کے مطابق شہادۃ مدلیین اعدل وعدلتین یعنی دو عادل مرد یا ایک عادل مرد اور دو عادل عورتیں، اور امام شافعی کے نزدیک بھی اسی طرح ہے جیسے حنفیہ کے نزدیک، لیکن وہ یہ فرماتے ہیں کہ اگر صرف عورتیں ہی ہوں تو اگر وہ چار ہیں تو ان کی شہادت معتبر ہوگی، حنفیہ کے یہاں یہ نہیں ہے۔

حدیثی عقبۃ بن الحارث قال تزوجت ام یحییٰ فدخلت علینا امرأة سوداء فزعمت انها وضعتنا جميعاً۔ عقبہ بن الحارث فرماتے ہیں کہ میں نے ایک عورت ام یحییٰ بنت ابی اھاب سے شادی کی، شادی کے کچھ روز بعد یہ ہوا کہ ایک سیاہ رنگ عورت ہمارے گھر آئی اور اس نے آگریہ کہا کہ میں نے تو تم دونوں کو بچپن میں دودھ پلایا تھا یعنی پھر تم نے شادی کیسے کر لی، عقبہ فرماتے ہیں کہ میں اس کی یہ بات سن کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں گیا اور آپ کے سامنے مسئلہ رکھا (انہوں نے مسئلہ اس انداز سے رکھا تھا کہ گویا وہ عورت جھوٹی ہے)۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے میری بات سن کر اعراض فرمایا، وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور سے صاف طور پر یہ عرض کر دیا کہ وہ جھوٹی ہے، آپ نے فرمایا کہ تجھے کیا خبر کہ وہ جھوٹی ہے دعھا عنک چھوڑ دے اس عورت کو اپنے سے۔

حضرت امام احمد بن حنبل نے اس حدیث کے ظاہر پر عمل کرتے ہوئے مرضہ واحدہ کی شہادت کو کافی قرار دیا، جمہور یہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث درع اور تقویٰ پر محمول ہے، دئی الدر المختار: الرضاع حجة حجة المال وصی شہادۃ عدلین او عدل وعدلتین، ولا تقع الفرقة الا بتقرین القاضی۔ الی آخر فی حاشیۃ اللکوکب ۲۲۲۔ یعنی حنفیہ کے نزدیک رضاعت کے مسئلہ میں وہی دلیل معتبر ہے جو عام حقوق مالیہ میں معتبر ہوتی ہے، اور حقوق مالیہ میں اسی طرح ہے (شہادۃ عدلین او عدل وعدلتین)، بخلاف حدود کے کہ وہاں چار شخصوں کی گواہی درکار ہے، اور بخلاف خالص امور دینیہ کے کہ وہاں عدل واحد کی شہادت بھی معتبر ہے کافی روئے ضلال رمضان، لکن اذا کان بالنہار علیہ۔ والحدیث الخرجہ البخاری والترندی والنسائی، قالہ المنذری۔

### باب شہادۃ اہل الذمۃ والوصیۃ فی السفر

اہل ذمہ کی شہادت مسلم پر امام احمد کے نزدیک اس خاص صورت میں جو ترجمہ الباب میں مذکور ہے یعنی وصیۃ فی السفر میں معتبر ہے، ابراہیم نخعی اور اوزاعی کی رائے بھی یہی ہے، مصنف حنبل ہیں کہ تقدم مرارا اسی لئے حنبلیہ کے مسلک کے مطابق ترجمہ قائم کیا۔

فقال الاشعري هذا امر لم يكن بعد الذي كان في عهد رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم الا  
اس حدیث میں جو واقعہ مذکور ہے یہ تو وہ ہے جو ابو موسیٰ اشعری کے زمانہ میں پیش آیا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں پیش آنے والے جس واقعہ کا انہوں نے حوالہ دیا ہے وہ باب کی حدیث ثانی میں مذکور ہے، لہذا اسی میں غور کیا جائے اور وہ یہ ہے۔

عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما قال خرج رجل من بني سهم مع تميم الداري وعدي بن بداء

نہات السهمی بارض لیس فیہا مسلم فلما قد ما بترکۃ فقد واجام فضۃ مخصوۃ بالذهب الخ۔

عدي بن بدار اور تميم داری کا قصہ | اس حدیث میں جو واقعہ مذکور ہے وہ ترجمہ الباب کے مطابق ہے اور یہی وہی واقعہ ہے جس کا حوالہ اوپر والی روایت میں گذرا، اور یہی واقعہ سورۃ

مائدہ کی یہ آیات یا ایہا الذین امنوا شہادۃ بینکم اذا حضر احدکم الموت الا یہ کے نزول کا سبب ہے، واقعہ یہ ہے کہ قبیلہ بنو سهم کا ایک مسلمان شخص جس کا نام بیدیل تھا مال تجارت لے کر اپنے گھر سے چلا اس سفر میں اس کے دو ساتھی تھے اہل کتاب میں سے یعنی نصرانی تميم داری اور عدي بن بدار، تو راستہ میں یہ قصہ پیش آیا کہ وہ رجل سهمی

قریب المارگ ہو گیا تو اس نے ان دونوں کو اپنا وصی بنایا اور پھر اپنا سارا سامان اور مال تجارت ان دونوں کے حوالہ کر دیا اپنے گھر پہنچانے کیلئے، ان لوگوں نے مکہ مکرمہ پہنچ کر اس سہمی کا وہ سامان اس کے گھر والوں کو پہنچا دیا، اس سامان میں ایک چاندی کا پیالہ جس میں سونے کے پترے لگے ہوئے تھے اور یہی اسکے سامان کا قیمتی جزو تھا اس کے ساتھ انہوں نے خیانت کی اور اس کو سامان کے ساتھ نہیں دیا، جب اولیاء سہمی نے اس پیالہ کے بارے میں دعویٰ کیا تو انہوں نے اس کا انکار کیا کہ ہمارے پاس اس سامان کے علاوہ کچھ نہیں تھا، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں سے قسم لیکر کیونکہ وہ منکر تھے۔ ان کو چھوڑ دیا پھر کچھ روز بعد بعض اولیاء سہمی نے اس پیالہ کو کسی دوکاندار کے پاس دیکھا، دوکاندار نے دریافت کرنے پر بتایا کہ میں نے تو یہ پیالہ تیم داری اور عدی بن بداء سے خریدا ہے، دوبارہ یہ مقدمہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے یہاں پیش ہوا تو ان دونوں نے یہ چال چلی کہ یہ تو ہم نے اس مرنے والے رجل سہمی سے خریدا تھا، اولیاء سہمی نے اس کا انکار کیا، اس مرتبہ معاملہ برعکس ہو گیا، شروع میں ورثہ سہمی مدعی تھے اور یہ دونوں نصرانی مدعی علیہ، اسی لئے اس وقت ان دونوں سے قسم لی گئی تھی اب اس دوبارہ کے قضیہ میں یہ دونوں نصرانی مدعی بن گئے، یعنی مدعی شراہ اور اولیاء سہمی اس کے منکر، مدعیین کے پاس کوئی گواہ تھا نہیں، لہذا اولیاء سہمی جو منکر تھے ان کے حلف پر ان کے موافق فیصلہ کر دیا گیا، اس واقعہ کا یہ پورا مضمون حدیث الباب میں مذکور نہیں ہے، مختلف روایات کو جمع کرنے سے حاصل ہوتا ہے واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب، فہذا شرح ہذا الباب و حدیثہ والحدیثہ اخرہ الترمذی، واخرہ البخاری تعلیقاً، قالہ المنذری۔

### باب اذا علم الحاكم صدق شهادة الواحد يجوز له ان يقضي؟

قضاء القاضی بعلمہ میں مذاہب ائمہ | اس ترجمہ الباب میں جو مسئلہ مذکور ہے وہ ہے قضاء القاضی بعلمہ کا مسئلہ، ترجمہ الباب کا مضمون یہ ہے کہ اگر کسی قضیہ میں مدعی صرف ایک شاہد پیش کر سکا دوسرا شاہد اس کے پاس نہیں تھا لیکن حاکم اور قاضی کو ذاتی طور پر اس شاہد کی شہادت کا صدق معلوم تھا، لیکن نصاب شہادت پورا نہیں تو ایسی صورت میں قاضی مدعی کے حق میں فیصلہ کر سکتا ہے یا نہیں، یعنی علم قاضی قائم مقام شاہد واحد کے ہو سکتا ہے یا نہیں؟ سو اس کے بارے میں یہ ہے کہ حدود میں تو قضاء القاضی بعلمہ بالاجماع جائز نہیں، اور غیر حدود میں امام شافعی اور صاحبین کے نزدیک مطلقاً جائز ہے، اور امام احمد والکے کے نزدیک مطلقاً ناجائز ہے، اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک تفصیل ہے وہ یہ کہ علم قاضی اگر قاضی بننے کے بعد قاضی کو حاصل ہوا ہے تو اس علم کا تو اعتبار ہوگا اور اس کے ساتھ فیصلہ کرنا جائز ہوگا اور اگر وہ علم قاضی قبل القضاء ہے یعنی قاضی بننے سے پہلے کا تو وہ معتبر نہیں۔

عن عمارۃ بن خزيمة ان عمه حدثه ان النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم ابتاع فرساً من اعرابي فاستتبعه النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم ليقتضيه ضمن فرسه الخ

آپ کے شرار فرس کا ایک غیر تناک واقعہ

عم عمارہ جن کا نام عمارۃ بن ثابت ہے ان سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے (کسی جگہ راستہ میں) ایک اعرابی سے اس کا گھوڑا خریدا، آپ نے اعرابی کو اپنے ساتھ چلنے کے لئے فرمایا تاکہ گھر پہنچ کر اس کو گھوڑے کا شن ادا کر دیں، چنانچہ آپ تیزی کے ساتھ چل دیئے، اعرابی آہستہ آہستہ چلا، راستہ میں جو لوگ اس کو ملے وہ اس سے اسکے گھوڑے کی خریداری کی بات کرنے لگے، ان کو یہ معلوم نہ تھا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس گھوڑے کو خرید چکے ہیں (اب دیکھئے اعرابی کی نیت میں فساد آیا) اور اس نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو واژد بکر کہا کہ اگر آپ کو یہ گھوڑا خرید نہ ہے تو خرید لیجئے ورنہ میں اس کو فروخت کر رہا ہوں، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس اعرابی کی یہ بات سن کر ٹھہرے اور اس کی طرف پیچھے دیکھ کر فرمایا اولیس قد ابتعته منك کہ کیا میں یہ گھوڑا تجھ سے خرید نہیں چکا ہوں، اعرابی نے انکار کر دیا اور اس پر قسم بھی کھالی، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ایسا نہیں بلکہ میں تجھ سے اس کو خرید چکا ہوں، اعرابی کہنے لگا گواہ لائے (اس موقع پر اتفاقاً حضرت خزیمہ بن ثابت پہنچ گئے) وہ فرماتے لگے میں گواہی دیتا ہوں کہ تو نے اس گھوڑے کی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کیساتھ بیع کی ہے، ان کی شہادت پر آپ ان کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا ہوتشہد کہ تم شہادت کیسے دے رہے ہو تم تو بیع کے وقت موجود نہ تھے فقال بتصدیقک یا رسول اللہ تو انہوں نے جو باعرض کیا کہ محض آپ کے قول کی تصدیق کے لئے، یعنی چونکہ آپ فرما رہے ہیں خریدنے کی بات یہی میری شہادت کا مبنی ہے کیونکہ آپ کی بات حق کے سوا کچھ اور ہو ہی نہیں سکتی، لہذا آپ کی تصدیق کے طور پر میں یہ گواہی دے رہا ہوں، آپ نے ان کی یہ نہایت وزنی اور قیمتی بات سن کر آپ کو یہ تمغہ عطا فرمایا کہ ہمیشہ کیلئے تنہا ان کی شہادت کو شاہدین کی شہادت کے برابر قرار دیدیا، اس اعرابی کا نام بعض روایات میں سوار بن الحارث آیا ہے اور بعض میں سوار بن قیس، لیکن اس کو حافظ نے — دم قرار دیا ہے، اس قصہ کا تکملہ یہ ہے کہ پھر جب سب لوگوں کو معلوم ہو گیا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی شرار کا قصہ تو پھر اس کے بعد کسی نے بھی اس گھوڑے کو اس اعرابی سے نہیں خریدا، حالانکہ اس کا مقصد اس کو فروخت کرنا ہی تھا لیکن جب کسی نے اس کو نہ خریدا تو پھر مجبوراً شام کو اس کو اپنے گھر لجا کر باندھ دیا، صبح کو یہ شخص جب اٹھا تو اس نے اپنے گھوڑے کا عجیب حال دیکھا کہ وہ مر چکا تھا زمین پر پڑا ہوا تھا اور ایک ٹانگ اس کی داہر کی طرف ٹھہری تھی، فاصبحت رافعة وجلها، کذا فی الشفاء للقاہی عیاض۔

لہ بتصدیقک، دوسرا مطلب اس کا یہ ہو سکتا ہے، آپ کی تصدیق کی وجہ سے، یعنی چونکہ پہلے ایمان لاتے وقت میں نے آپ کی تصدیق کی ہے کہ جو کچھ آپ نے کرائے میں اور جو کچھ فرمائیں گے سب سچ ہوگا اسلئے یہ بھی سچ ہی ہے۔

اس حدیث میں کہہ سکتے ہیں کہ قضاء القاضی بعلمہ پایا گیا یعنی برما علمہ بعد القضاء وہی صورت جو امام صاحب کے نزدیک معتبر ہے اسلئے کہ آپ فرما رہے ہیں قد ابتعتہ لیکن یہ امر آخر ہے کہ آپ نے اپنے حق میں فیصلہ فرمانے کے بعد اسکو اختیار نہیں کیا بلکہ گھوڑے کو واپس کر دیا، لیکن اگر رکھنا چاہتے تو آپ کو اس کا حق تھا، والحدیث اخرجہ النسائی، قالہ المنذری۔

## باب القضاء باليمين والشاهد

عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما ان رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم قضى بيمين وشاهد اور اس کے بعد والے طریق میں یہ زیادتی ہے، قال عمرو: في الحقوق۔

مسئلة الباب کی تشریح اور مذاہب ائمہ میں یمن مدعی شاہد آخر کے قائم مقام ہو سکتی ہے؛ اور پھر مدعی کے حق میں فیصلہ کرنا جائز ہے یا نہیں، ائمہ ثلاث کے نزدیک جائز ہے مگر صرف ان دعاوی میں جن کا تعلق حقوق اور مال سے ہو نہ کہ حدود میں اور حنفیہ کے نزدیک جائز نہیں، حدیث الباب سے جمہوری کا مذہب ثابت ہوتا ہے حنفیہ کی دلیل وہ حدیث مشہور ہے جو کہ قریب بہ حد تو اتر ہے۔ البیہ علی المدعی والیمن علی من انکر، اور حدیث الباب اس مسئلہ میں محتمل ہے کیونکہ اس کے معنی میں دوسرا احتمال بھی ہے وہ یہ کہ آپ نے باوجود ایک شاہد کی موجودگی کے یمن مدعی علیہ پر فیصلہ کیا، یعنی جس طرح مطلقاً شاہد نہ ہونے کی صورت میں یمن مدعی علیہ پر فیصلہ ہوتا ہے اسی طرح شاہد واحد کے موجود ہونے کی صورت میں بھی آپ نے ایسا ہی کیا، اس مسئلہ میں امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ بھی حنفیہ کے ساتھ ہیں، چنانچہ انہوں نے ترجمہ قائم کیا۔ باب الیمن علی المدعی علیہ، حضرت شیخ نے تراجم بخاری میں مسئلہ قضائیمین و شاہد میں ائمہ کا اختلاف لکھنے کے بعد لکھا ہے: قلت ویل البخاری الی مسلک الحنفیۃ واستدل علیہ بالحصر فی قولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم شاہداک اویمینہ، ولقصة ابن شبرمة، وحدیث ابن عباس اھ میں کہتا ہوں کہ حدیث الباب یعنی قضی یمین و شاہد جو جمہور کا استدلال ہے، اس مسئلہ میں یہ روایت آفر او مسلم سے ہے اور حنفیہ کی دلیل متفق علیہ ہے جیسا کہ ابھی تراجم سے گزرا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد شاہداک اویمینہ، اسی طرح امام بخاری نے کتاب الرهن میں باب قائم کیا، اذا اختلف الراہن والمرتهن وجوہ فالبیہ المدعی والیمن المدعی علیہ اور پھر اسکے تحت انہوں نے یہ حدیث ابن عباس ذکر کی ان البی علی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قضی ان الیمن علی المدعی علیہ، اس حدیث ابن عباس کو امام بخاری نے کتاب البشادات میں۔ باب الیمن علی المدعی علیہ فی الاموال والحد ویر کے ذیل میں بھی ذکر کیا ہے۔ والحدیث اخرجہ مسلم والنسائی وابن ماجہ، قالہ المنذری۔

حدثنا الدراوردی عن ربيعة بن عبد الرحمن عن سهيل بن ابی صالح۔ اور اس کے بعد آ رہا ہے، اخبرنا الشافعی عن عبد العزيز قال فذكرت ذلك لسهيل فقال اخبرني ربيعة وهو عندی ثقة۔ انی



علیہ وآلہ وسلم یعنی میں اس شکر سے بچ نکلا اور سوار ہو کر ان سب لوگوں سے پہلے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پہنچ گیا، اور آپ کو سلام عرض کیا۔ السّلام علیک یا نبی اللہ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ اور میں نے آپ سے عرض کیا کہ آپ کا بھیجا ہوا شکر ہمارے پاس پہنچا انہوں نے ہم سب کو پکڑ لیا یعنی ہمارے سارے قبیلہ کو، حالانکہ ہم اسلام لاچکے تھے، اور بطور علامت کے اپنے مویشیوں کے تھوڑے تھوڑے کان کاٹ دیئے تھے، یعنی اسلام لانے کے وقت (یعنی یہ قبیلہ اگرچہ اسلام لے آیا تھا لیکن نہ تو انہوں نے ہجرت الی المدینہ کی اور نہ ہی اپنے اسلام کی انہوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع دی) آپ زبیب بنی نضیر کی یہ بات سن کر فاموش رہے پھر جب کچھ دیر بعد یہ قبیلہ جو مسلمانوں کے ہاتھ میں قید تھا مدینہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچا اب حضور نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ کیا تمہارے پاس بیڑہ اور گواہ ہیں اس بات پر کہ تم اسلام لاچکے تھے قید ہونے سے پہلے، ان ایام میں، زبیب کہتے ہیں میں نے عرض کیا جی، گواہ ہیں آپ نے فرمایا کہاں ہیں؟ میں نے عرض کیا ایک تو سمرہ نامی شخص ہے اسی قبیلہ کا اور ایک اور شخص کا نام لیا جس کو راوی بھول گیا، چنانچہ ان دونوں شاہدوں کو بلایا گیا، ان دو میں سے سمرہ نے تو شہادت دینے سے انکار کر دیا البتہ دوسرے شخص نے گواہی دی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے زبیب سے فرمایا کہ دیکھو سمرہ نے تو شہادت سے انکار کر دیا، صرف ایک نے گواہی دی، تو کیا تو ایک شاہد کیساتھ خود قسم کھا سکتا ہے؟ زبیب کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ کھا سکتا ہوں، چنانچہ میں نے قسم کھائی اس طرح — لقد اسلمنا باللہ یوم کذا وکذا وخصمنا اذ ان النحر، جب اس ایک شخص کی گواہی اور ایک شخص کی قسم پائی گئی تو اب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فیصلہ فرمایا کہ صحابہ سے فرمایا: اچھا جاؤ جو مال بغیر غنیمت بنو العنز کا تمہارے پاس ہے اس کو نصف نصف تقسیم کر لو، یعنی نصف بنو العنز کو واپس کر دو اور نصف تم خود رکھ لو، اور یہ بھی فرمایا کہ ان کی عورتوں بچوں کو ہاتھ مت لگانا نیز فرمایا، لولا ان اللہ تعالیٰ لایحب ضلالة العمل ما رزینا کم عقلاً، کہ اگر یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ تعالیٰ کسی شخص کے عمل کے رائیگاں ہونے کو پسند نہیں فرماتے تو ہم تمہارے مال میں سے ایک رسی کو بھی کم نہ کرتے، یعنی بچائے نصف کرنے کے سارا مال تم کو واپس کر دیتے۔

عمل سے مراد عمل صحابہ یعنی جہاد، مطلب یہ ہے کہ چونکہ شرعاً مال غنیمت مجاہدین کا حق ہے تو اب میں سارا ان سے لیکر تم کو واپس کر دوں یہ تو مناسب نہیں، اس صورت میں تو گویا ان کا عمل جہاد ایک لحاظ سے رائیگاں ہوگا، اور اللہ تعالیٰ کسی کے عمل کے رائیگاں ہونے کو پسند نہیں فرماتے اسلئے میں سارا تم کو واپس نہیں کر رہا ہوں (ورنہ جی یہی چاہتا تھا کہ کسی طرح سارا ہی واپس ہو جائے)

مصنف کی غرض اس واقعہ کے اسی حصہ سے حاصل ہو جاتی ہے ویسے آگے مصنف نے اس قصہ کا بقیہ حصہ بھی ذکر کیا ہے جس کو ہم بعد میں بیان کریں گے۔

مصنف گویا یہ کہنا چاہ رہے ہیں کہ اس واقعہ میں قضاء ہمیں وشاہد پایا گیا، لیکن حنفیہ تو اس کے قائل نہیں، ہماری طرف سے اس کا جواب یہ ہوگا کہ قضاء ہمیں وشاہد تو اس وقت ہوتا جب پورا مال واپس کیا جاتا، لہذا یہ استدلال کیسا، بلکہ ہم یہ کہیں گے یہ جو کچھ فیصلہ ہوا یہ بطور اصلاح ذات البین کے ہوا، واللہ تعالیٰ اعلم۔

بقیہ قصہ یہ ہے: قال الزییب قد عتبی اھی فقالت: هذا الرجل اخذ زریبتی الخ۔

زیب کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اس فیصلہ کے بعد میری والدہ نے مجھ کو بلایا اور۔۔۔ ایک لشکری کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ اس نے میری چادر لے رکھی ہے، میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں گیا اور آپ کو اس بات کی خبر دی، آپ نے مجھ سے فرمایا کہ جس شخص کے پاس وہ چادر ہے تو اس کو روک لے، میں نے اس کا گریبان پکڑ کے اس کو روک لیا، حضور نے ہماری طرف دیکھا دونوں کو ایک جگہ اس طرح کھڑا ہوا اور آپ نے دور ہی سے مجھ سے فرمایا کہ تو اپنے قیدی کے ساتھ کیا کرنا چاہتا ہے میں نے یہ سن کر فوراً اس کو چھوڑ دیا پھر آپ نے اس شخص سے (یعنی لشکری سے) فرمایا کہ اس کی ماں کی چادر اس کو واپس کر، اس نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ چادر تو میرے ہاتھ سے نکل گئی، جب اس نے یہ کہا تو آپ نے یہ کیا کہ اس شخص کے ہاتھ میں جو تلوار تھی وہ اس سے لیکر مجھے دی (والدہ تک پہنچانے کیلئے چادر کے بدلہ میں) اور آپ نے اس لشکری سے یہ بھی فرمایا کہ اس کو یعنی زیب کو مزید چند صاع غلہ کے بھی دے چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔

### باب الرجلین یدعیان شیئاً ولیست بینہما بینۃ

یعنی دو شخص کسی چیز کے بارے میں دعویٰ کرتے ہیں، ہر ایک کہتا ہے کہ یہ میری ہے ایسی صورت میں کہ بینہ کسی کے پاس نہیں۔ اس ترجمہ میں ایک اور قید بھی ملحوظ ہے جو مذکور نہیں وہ یہ کہ وہ شئی ان دونوں میں سے کسی کے قبضہ میں نہ ہو بلکہ کسی تیسرے کے قبضہ میں ہو یا اگر ہو تو پھر دونوں کے ہاتھ میں ہو، اس صورت کا حکم عند الفقہاریہ ہے: حنفیہ وشافعیہ کہتے ہیں کہ برابر برابر وہ شئی دونوں کو دی جائے، اس کی تنصیف کر دی جائے اور امام احمد اس صورت میں قرعہ کے قائل ہیں، قرعہ میں جس شخص کا نام نکلے تو اس سے قسم لیکر وہ ساری شئی اس کو دیدی جائے، اور امام مالک کا مذہب یہ ہے کہ هذا الشئ للاعدل من الرجلین، کہ ان دو شخصوں میں سے جو زیادہ عادل ہو اس کو دی جائے۔ (ہکذا المذہب فی حاشیۃ الشیخ)

عن ابی ہونئ الاشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہما رجلین ادعیَا بعداً اوداہۃ الخ۔

لہ من حیث ان زبیب العزیز کان مدعیاً وشہدہ شاہد واحد۔ وانکر الآخر عن الشہادۃ فافاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم المختلف عن المدعی بدل شہادۃ شاہد آخر وقضی لہ۔



یعنی کسی جانور کے بارے میں دو شخصوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جا کر دعویٰ کیا ہر ایک کہتا تھا کہ یہ میرا ہے اور بینہ کسی کے پاس تھا انہیں تو آپ نے اس کو دونوں کے درمیان مشترک کر دیا، حدیث سے حنفیہ اور شافعیہ کی تائید ہوتی ہے جو کہ صورت مذکورہ میں تفسیف کے قائل ہیں، والحدیث اخرجه النسائی وابن ماجہ، قالہ المنذری۔

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رجلیین اختصما فی متاع . . . . . استہما علی الیمین ما کان احباً ذلک او کبرھا۔

یہ حدیث مسئلہ مترجم بہا میں امام احمد کے مذہب کی دلیل ہے جو یوں کہتے ہیں کہ اس صورت میں استہام یعنی قرعہ اندازی کی جائے، اور قرعہ میں جس شخص کا نام نکلے اس سے حلف لیکر اسکے حق میں فیصلہ کر دیا جائے۔ والحدیث اخرجه النسائی، قالہ المنذری۔

### باب الیمین علی المدعی علیہ

یہ مسئلہ اجماعی ہے ائمہ ثلاث کے نزدیک مطلقاً ہے اور امام مالک کے نزدیک ایک قید کیساتھ مقید ہے، وہ یہ کہ مدعی اور مدعی علیہ کے درمیان آپس میں کچھ جوڑ اور یگانگت ہو تب ایسا ہے، اور اگر ان دونوں کے درمیان کسی قسم کا جوڑ اور مناسبت نہ ہو مثلاً ایک شخص بڑا پرہیزگار اور یکسو اور دوسرا شخص بڑا عیاش اور جھگڑا تو قسم کا جن کا آپس میں لین دین وغیرہ کا کوئی تعلق نہ ہو ایسا شخص عدالت میں جا کر ایسے شخص پر دعویٰ کرنے لگے تو یہ دعویٰ مسموع نہ ہوگا اور اس کے دعویٰ پر مدعی علیہ سے قسم نہیں لی جائیگی، یہ قید انہوں نے اسلئے لگائی تاکہ ادبائش قسم کے لوگ علماء اور فضلاء کو بلاوجہ پریشان نہ کریں لیکن اس قید کی کوئی اصل کتاب و سنت میں نہیں ہے (کذا فی الہذل وکذا فی حاشیۃ السنن علی الطبری)

### باب کیف الیمین

ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال۔ یعنی لرجل خلفہ۔ (خلف باللہ الذی

لا الہ الاہو، مالہ عندک شئی یعنی للمدعی)۔

یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس شخص سے فرمایا جس سے آپ کو قسم لینی تھی یعنی مدعی علیہ کہ ان لفظوں کے ساتھ قسم کھائے جو حدیث میں مذکور ہیں۔

بظاہر مصنف کی غرض اس ترجمہ سے یہ ہے کہ قاضی اگر الفاظ قسم میں تغلیظ کی ضرورت سمجھے تو جس قسم کے الفاظ سے وہ چاہے قسم لے سکتا ہے۔ والحدیث اخرجه النسائی، قالہ المنذری۔

## باب اذا كان المدعى عليه ذميا يحلف

یعنی مدعی علیہ گزرمی ہو تو کیا اس سے قسم لی جائیگی، جواب یہ ہے لی جائیگی، جیسا کہ حدیث الباب میں ہے یہ حدیث کتاب الایمان والسنذور میں گذر چکی۔

## باب الرجل يحلف على علمه فيما غاب عنه

ترجمۃ الباب کی تشریح | یعنی جس معاملہ کا تعلق براہ راست اپنے سے نہ ہو وہاں پر مدعی علیہ سے حلف اس کے علم پر لینا چاہیئے یعنی نفس الامر پر حلف نہ لیا جائے، احتیاط کا تقاضا یہی ہے جیسا کہ حدیث الباب میں ہے، یہ حدیث بھی کتاب الایمان والسنذور میں گذر چکی، اس حدیث میں یہ ہے کہ مدعی نے یہ کہا کہ مدعی علیہ کے پاس جو زمین ہے وہ میری ہے، مدعی علیہ کے باپ نے مجھ سے غضب کی تھی، دیکھئے یہاں غضب کا تعلق چونکہ براہ راست مدعی علیہ سے نہ تھا بلکہ اس کے باپ سے تھا اس لئے یہاں پر قسم علم پر لی گئی، چنانچہ مدعی علیہ نے قسم میں کہا کہ واللہ میرے علم میں انہیں یہ بات کہ میرے باپ نے مدعی کی یہ زمین غضب کی تھی۔

## باب الذی کیف یتحلف

ترجمۃ الباب اور حدیث ظاہر ہے کہ ذمی سے جو کہ یہود تھا اس کے عقیدہ کے مطابق قسم لی گئی، باللہ الذی انزل التوراة علی موسیٰ الحدیث یہ حدیث کتاب الحدود میں اپنے مقام پر آ رہی ہے۔

## باب الرجل يحلف على حقه

ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قضی بین الرجلین فقال المقضی علیہ لیا اذ برحسب اللہ ونعم الوکیل | یعنی آپ نے دو شخصوں کے درمیان کسی قضیہ میں ایک فیصلہ فرمایا جس شخص کے خلاف وہ فیصلہ تھا جب وہ جانے لگا تو کہنے لگا حسب اللہ ونعم الوکیل کہ اچھا ہمارا بھی اللہ مالک ہے بظاہر اس کا مطلب یہ تھا کہ یہ فیصلہ صحیح نہیں ہوا حق فی الواقع میرا تھا تو اس پر آپ نے اس شخص کو تنبیہ فرمائی اور فرمایا ارے بھائی اللہ تعالیٰ عجز اور بے بس ہو جانے کو پسند نہیں کرتا، آدمی کو چاہیئے کہ اپنی سمجھ سے کام لے اور حصول مقصد کے لئے کوشش کرے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھے، ہاں سب تدبیریں جب اختیار کر چکے اور کوئی شکل سمجھ میں نہ آئے تب یہ دعا پڑھے جیسی اللہ ونعم الوکیل۔ اس ترجمۃ الباب سے مصنف کی کیا غرض ہے ایک عرصہ تک اس میں بندہ غور کرتا رہا، ایک غرض یہ سمجھ میں آئی کہ اگر مدعی بینہ پیش نہ کر سکے تو قاضی کو چاہیئے کہ بلا تاخیر مدعی علیہ سے قسم لیکر اس کے حق میں فیصلہ کر دے اگرچہ بعض قرآن و آثار سے صدق مدعی ظاہر ہوتا ہو، مگر اس کی پرواہ نہیں کرنی چاہیئے، اس حدیث کے مضمون میں غور کرنے سے یہی سمجھ میں آتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ والحدیث اخرجه النسائی، قال المنذری۔

## باب فی الدین هل یحبس به

یعنی مدیون اگر دین کی ادائیگی میں تاخیر کرے یا وجود غنی اور قدرت علی قضا الدین کے تو اس ٹال مٹول پر اسکو قید کیا جاسکتا ہے، حدیث الباب اس میں ظاہر ہے۔

عن بہز بن حکیم عن ابیہ عن جدہ ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حبس رجلاً فی تہمة  
**شرح الحدیث** | یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کو محض شبہ کی وجہ سے اور اس کے متہم ہونے کے، اس کو قید کیا چند روز کیلئے، اس حدیث سے ثابت ہو رہا ہے کہ قاضی کے لئے شخص متہم کو قید کرنا تحقیق حال اور تفتیش حال کے طور پر جائز ہے، اس حبس کا نام حبس استظہار ہے نہ کہ حبس عقوبت، مثلاً کسی محلہ میں چوری ہو گئی اس محلہ میں بعض لوگ ایسے ہیں جن کے بارے میں چوری کا شک و شبہ ان کے ظاہری حال کے پیش نظر ہے تو یہاں پر قاضی اگر مناسب اور ضرورت سمجھے اتنے — اصل چوری کرنے والوں کی تحقیق اور تفتیش ہو ان لوگوں کو چند روز کے لئے نظر بند کر کرے تو اس میں کچھ مضائقہ نہیں بلکہ عین مصلحت ہے۔

عن بہز بن حکیم عن ابیہ عن جدہ انہ قام الی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم وهو یخطب فقال جیرانی بما اخذوا فاعرض عنہ مرتین ثم ذکر شیئاً فقال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم خلواہ عن جیرانہ۔

**شرح الحدیث** | جد ہز کا نام معاویہ بن حیدم ہے رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہ روایت کرتے ہیں کہ جس وقت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم خطبہ دے رہے تھے تو میں نے آپ کے پاس کھڑے ہو کر عرض کیا کہ میرے پڑوسیوں کو کیوں پکڑا گیا ہے آپ نے اس کی طرف التفات نہیں فرمایا، دو مرتبہ اس کی نوبت آئی۔ راوی کہتا ہے پھر معاویہ نے کچھ اور بھی عرض کیا کچھ دیر بعد حضور نے فرمادیا کہ اس کے پڑوسیوں کو چھوڑ دیا جائے۔ بظاہر معاویہ کے پڑوسیوں کو کسی واقعہ کے پیش آنے پر محض شک و شبہ اور متہم ہونے کی بنا پر قید کیا گیا ہوگا، جن کو قید کیا گیا وہ معاویہ کے پڑوسی تھے، انہوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے ان کی طرف سے صفائی پیش کی اس پر آپ نے ان کو چھوڑ دیا۔

یہ جو حدیث کی ہم نے شرح کی ہے اس صورت میں بما اخذوا فعل مجہول ہوگا اور اگر اس کو معروف کا صیغہ پڑھا جائے بما اخذوا تو اس صورت میں اس کا مطلب یہ ہو سکتا ہے فل جیرانی بما اخذوا ای علی ان اودی غنم ما اخذوا، میرے پڑوسیوں کو چھوڑ دیجئے اس طہر پر کہ میں ادا کروں گا ان کی طرف سے جو دین اور قرض انہوں نے لے رکھا ہے، یعنی یہ لوگ عدم قضائے دین کی وجہ سے مجھ کو سنبھال رہے تھے ان صحابی نے ان کی طرف سے ادائے دین کی کفالت قبول کر لی اس پر انکو چھوڑ دیا گیا

## باب فی الوکالة

کتاب القضاہ چل رہی ہے قضاۃ کے لئے دکلا بھی ہوا کرتے ہیں۔

**مضمون حدیث** حضرت جابر فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میرا ارادہ خیر جانے کا ہوا میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ کو سلام عرض کیا اور اپنے سفر کا ارادہ ظاہر کیا تو اس پر آپ نے مجھ سے فرمایا کہ تم جب خیر میں بہا رہے فلاں وکیل کے پاس جاؤ تو اس سے پندرہ وسق غلہ یا کھجوریں میرا نام لیکر لے لینا، اگر وہ اس پر کوئی دلیل اور علامت طلب کرے تو اس کے ثر و قہ پر اپنا ہاتھ رکھ دینا، یعنی حلق کے نیچے کا حصہ، آپ نے اپنے وکیل سے غالباً فرما رکھا ہوگا کہ اگر تجھ سے کوئی شخص میرے نام پر کوئی چیز مانگے تو اگر وہ تیرے طلب دلیل پر اس جگہ ہاتھ رکھ دے تو سمجھنا کہ وہ میری ہی طرف سے ہے۔

## باب فی القضاء

عن ابی ہریرۃ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال اذا تدارأت علی طریق فاجعلوا سبعة اذرع۔

**شرح الحدیث** اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی زمین ترکہ وغیرہ میں ملی ہوئی چند بھائیوں کے درمیان یا چند شخصوں کے درمیان مشترک پڑی ہوئی ہو اور اب وہ اس کی بنا اور تعمیر کا ارادہ کر رہے ہیں جس میں دو طرفہ مکان بنانے کا خیال ہے تو اب درمیان میں جو راستہ چھوڑا جائے مکانات کے درمیان آنے جانیکا وہ کتنا ہونا چاہئے پس اگر وہ سب کسی خاص مقدار پر متفق ہو جائیں تو فیہا اور اگر اختلاف ہو رہا ہے تو پھر اس صورت میں وہ کیا جائے گا جو حدیث الباب میں ہے یعنی سات ذراع کے بقدر چوڑی بیچ میں گلی چھوڑ دی جائے۔  
والحدیث أخرجه الترمذی وابن ماجہ، قال المستذری۔

اذا استأذن احدكم اخاه ان یغزى خشبة فی جداره فلا یمنعه۔

**شرح الحدیث** یعنی جب تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی سے اس بات کی اجازت چاہے کہ وہ اس کی دیوار میں کوئی لکڑی گاڑے مثلاً اس کی دیوار پر اپنی چھت کی کڑی رکھے یا ایک پڑوسی دوسرے پڑوسی کی دیوار میں کوئی کیل ٹھو کے تو اس کو چاہیے کہ انکار نہ کرے، امام احمد کے نزدیک یہ ہنسی تحریم کے لئے ہے اور جمہور کے نزدیک تنزیہ کیلئے ان کے نزدیک یہ حدیث حسن معاشرت پر محمول ہے، آگے روایت میں ہے فتکسوا افعال مالی اراکم ابو۔ راوی کہتا ہے کہ جب حضرت ابو ہریرہ یہ حدیث لوگوں کے سامنے بیان فرما رہے تھے تو انہوں نے ذرا سر نیچے کو جھکا لیا، بچائے اسکے کہ سر اوپر کو اٹھا کر حدیث کا سماع اچھی طرح کرتے، حضرت ابو ہریرہ نے ان کو تار لیا اور ناراض ہو کر فرمانے لگے کیا بات ہے اس حدیث کے سننے سے اعراض کیوں کر رہے ہو تم چاہے کچھ ہی کرو میں اس حدیث کو تمہارے سامنے بیان کر کے

ہی رہوں گا۔ اور یہ مطلب ہے کہ اس کیل کو میں تمہارے سینوں میں گاڑ کر ہونگا اور وہ کڑی تمہارے کندھوں پر رکھ کر ہونگا۔ حضرت ابو ہریرہ کی طرف سے حاضرین کو مضمون حدیث پر عمل کرنے کی سختی کے ساتھ تاکید و تنبیہ ہے۔

من ضاراً انوار اللہ فیہ ومن شاق شاق اللہ علیہ۔ جو شخص دوسروں کو ضرر پہنچائے تو اللہ تعالیٰ اس کو ضرر پہنچاتے ہیں اور جو شخص دوسروں کو مشقت میں ڈالے اللہ تعالیٰ اس پر مشقت ڈالتے ہیں۔  
والحدیث اخرہ الترمذی والنسائی، قالہ المندری۔

اس حدیث کو باب کے ساتھ کیا مناسبت ہے، بظاہر یہ ہے کہ قضاء کے پاس قسم قسم کے لوگوں کے مقدمات اور قضایا آتے ہیں ان میں بعض ظالم اور بعض مظلوم ہوتے ہیں تو شاید مصنف اس طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ ایسے مواقع میں قاضی کو چاہیے کہ موقع محل کے مناسب وعد اور وعید کی حدیثیں خصیصہ کو سنایا کرے، ہو سکتا ہے ان میں سے جو باطل پر ہے اسکے حق میں یہ وعید مؤثر ہو جائے اور وہ خود ہی اپنی ناحق خصومت سے باز آجائے جیسا کہ احادیث میں اس کی مثالیں ملتی ہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

عن سمرة بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ کانت لہ عضد من نخل فی حائط رجل من الانصار۔  
**مضمون حدیث** | حضرت سمرہ اپنا واقعہ خود ہی بیان فرما رہے ہیں کہ میں نے کچھ پودے ایک انصاری کے باغ میں لگا دیئے تھے، حضرت سمرہ فرماتے ہیں کہ اس انصاری کیساتھ باغ میں اس کے اہل و عیال بھی ہوتے تھے سمرہ فرماتے ہیں میں اپنے پودوں کی دیکھ بھال کے لئے اس باغ میں جاتا رہتا تھا جس کی وجہ سے اس باغ والے کو اذیت اور مشقت ہوتی تھی، سمرہ کہتے ہیں کہ اس باغ والے نے مجھ سے یہ درخواست کی کہ میں اپنے پودے اس کے ہاتھ فروخت کر دوں میں نے بیع سے انکار کر دیا، پھر اس نے مجھ سے اس بات کی درخواست کی کہ میں اپنے پودوں کو اس کے باغ سے منتقل کر دوں، میں نے اس سے بھی انکار کر دیا، اس انصاری نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے جا کر میری شکایت کر دی، وہ فرماتے ہیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ کو بلا کر یکے بعد دیگرے دو بار میں میرے سامنے رکھیں جو اس انصاری نے رکھی تھیں میں نے آپ سے بھی انکار ہی کر دیا آپ نے تیسری چیز میرے سامنے رکھی کہ اچھا اپنی چیز اس کو ہبہ ہی کر دو تجھے اس پر اتنا اتنا ثواب ملے گا، میں نے اس سے بھی انکار کر دیا وہ فرماتے ہیں کہ اس پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا انت مضطرب تو بڑا ضرر رساں ہے اور آپ نے اس انصاری سے فرمایا کہ اس کے پودے اکھاڑ کر باہر پھینک دے۔

حضرت سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا یہ واقعہ جس میں ان کی ضد اور ہٹ دھرمی پائی جا رہی ہے اس کو وہ خود ہی بیان فرما رہے ہیں گویا اپنا عیب اور کمی خود ہی بیان کر رہے ہیں یہ ان حضرات کے غایت اخلاص اور دیانت داری کی بات ہے تاکہ جو حدیث جس طرح حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے سنی ہے اس کو بعینہ اسی طرح نقل کیا جائے چاہے وہ

اپنے ہی خلاف کیوں نہ ہو، سکتا المنذری عن تخریج الحدیث واقصر علی قوله فی سماع الباق من سمرۃ بن جندب نظر فقد نقل من مولده ووفاته سمرۃ مات بعد سماعہ منہ وقیل فیہ یمکن مد السماع منہ (والشعر جعل اعلم) (عون)

عن عروۃ ان عبد اللہ بن الزبیر حدثہ ان رجلاً خاصم الزبیری فی شرایح الدرقۃ التي یسعون بها الخ۔

### مضمون حدیث

یہ مشہور حدیث ہے جس کا مضمون یہ ہے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اپنے والد کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص کا میرے والد زبیر کے ساتھ شراج حرہ یعنی مقام حرہ کے پانی کی نالیوں کے بارے میں جن کے ذریعہ سے لوگ کھیتوں کو سیراب کرتے ہیں جھگڑا ہوا وہ انصاری شخص میرے والد سے کہتا تھا کہ تم پانی کو چھوڑ دو تاکہ وہ گزر کر میرے کھیت کی طرف چلا آئے، حضرت زبیر نے ایسا کرنے سے انکار کیا اسلئے کہ قاعدہ یہ ہے کہ جس شخص کا کھیت اور زمین اوپر کی جانب ہو یعنی نہر کے متصل، اول حق اس کو سیراب کرنے کا ہے اس کے بعد اس سے نیچے والے کھیت کا اور یہ انصاری شخص حضرت زبیر سے اسکے خلاف کرانا چاہتا تھا جب مسئلہ حضور تک پہنچا تو آپ نے حسب قاعدہ زبیر سے یہی فرمایا کہ پہلے تم اپنا کھیت سیراب کر لو اس کے بعد نیچے کی طرف اپنے پڑوسی کے لئے چھوڑنا اس پر اس انصاری کو ناگواری ہوئی اور کہنے لگا اَنْ کَلِمَا ابْنِ عَمْرٍو (کہ آپ کا یہ فیصلہ اسی بنا پر تو ہے) کہ وہ آپ کا پھوپھی زاد بھائی ہے، حضرت زبیر بن العوام آپ کی پھوپھی صفیہ بنت عبد المطلب کے بیٹے ہیں۔ لم تسلم من عمتہ الاھی علی الصبیح کذا فی التجرید للذہبی۔ فتلقون وجہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم الخ۔ انصاری کے اس قول پر حضور کا چہرہ مبارک سرخ ہو گیا اور آپ نے زبیر سے فرمایا کہ تم ہی اول پانی دو اور جیتنگ پانی کھیت کی ڈول تک نہ پہنچے مت چھوڑ دینا اول آپ نے مسامحت اور ایثار کا حکم فرمایا تھا کہ اپنا حق پورا کرنے سے پہلے ہی پانی چھوڑ دینا لیکن آپ نے اس انصاری کا طرز عمل دیکھا تو پھر آپ نے اس پر زجر و تنبیہا حضرت زبیر کو استیفاء حق کا حکم فرمایا کہ یہ شخص قابل رعایت نہیں ہے (بذل الجہود میں لکھا ہے کہ اگر یہ انصاری مسلمان تھا تب تو اس کا یہ قول زلت شیطان تھا غصہ میں اس کو اس کا احساس ہی نہیں رہا کہ میں کیا کہہ رہا ہوں اور اگر منافق تھا پھر تو کوئی اشکال کی بات ہی نہیں اور اس پر انصاری کا اطلاق بنا براتحاد قبیلہ کے ہو گا۔

قال المنذری واخرجه الترمذی والنسائی وابن ماجہ واخرجه البخاری ومسلم من حدیث عبداللہ بن زبیر عن امیہ واخرجه البخاری والنسائی من حدیث عروۃ بن الزبیر عن امیہ (عون)

ان رجلاً من قریش کان ملہ سہم فی بنی قریظۃ فخاصم الی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فی مہزور الخ مہزور بن قریظہ کی ایک وادی کا نام ہے اور یہاں پر اس سے مراد سیل جنہور ہے جیسا کہ اسکے بعد والی روایت میں ہے

لے چنانچہ حضرت امام بخاری نے اس حدیث پر توجہ قائم کیا ہے بلب اذا اشار الامام بالصالح فالی حکم علیہما حکم البین

یعنی سیل بہرور کے بارے میں ایک قریشی شخص کا جس کی کوئی زمین یا باغ ارض بنو قریظہ میں تھی کسی کے ساتھ آپااشی کے سلسلہ میں اختلاف ہوا تو اس کے بارے میں آپ نے یہ فیصلہ فرمایا کہ اوپر کے کھیت والا جب پانی اس کے کھیت میں کھین تک پہنچ جائے اس کے بعد پانی نہ روکے بلکہ آگے چلا کر دے۔ والحدیث مسکت عنہ المنذری (عون)

عن ابی سعید الخدری قال اختصم الی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم رجلان فی حریم نخلة الا-  
**شرح الحدیث** | حریم سے مراد اس پاس کی جگہ اور ماحول جیسے کہتے ہیں حریم مصلی جس کا ذکر ابواب الستہ میں گذر چکا اس حدیث میں حریم نخلة کا ذکر ہے یعنی درخت کے نیچے کی اس پاس کی وہ جگہ جو اس درخت کا حق سمجھی جاتی ہے، مضمون حدیث یہ ہے کہ دو شخصوں کا حریم نخلة میں اختلاف ہوا اس کی تشریح یہ ہے کہ ایک شخص نے اپنے لئے ایک ارض موات کا احیاء کیا اور اس میں کھجور کے درخت لگائے اسکے برابر میں جو ارض موات تھی کسی دوسرے شخص نے اس کا احیاء کرنا چاہا اب دونوں زمینوں میں فصل کے لئے جگہ چھوڑنے کی ضرورت تھی اب یہ کہ فصل کے لئے کتنی جگہ چھوڑی جائے اس کی مقدار کے بارے میں ان دونوں شخصوں کا آپس میں اختلاف ہوا، اس پر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے یہ فیصلہ فرمایا کہ اس نخلة کو ناپ لیا جائے چنانچہ وہ سات ذراع نکلا آپ نے جتنا طول نخلة کا تھا اسی کے بقدر حریم کی مقدار متعین فرمادی، پس اب ہمیشہ کے لئے یہی ضابطہ وقاعدہ ہو گیا کہ دو ارض موات کے درمیان اسی کے مطابق فصل کے لئے جگہ چھوڑی جائے۔

قال عبد العزیز فامر بجریدة من جرید ہا فذرعت، یعنی آپ نے یہ فرمایا کہ اس نخلة کی ایک شاخ بعتد ذراع لیکر اس کے ذریعہ اس نخلة کو ناپ لیا جائے چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ والحدیث مسکت عنہ المنذری (عون)

## بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

### أَوَّلُ كِتَابِ الْعِلْمِ

اس کتاب کی ماقبل سے مناسبت یہ ذہن میں آتی ہے کہ اس سے پہلے "کتاب القضاء" کے شروع میں یہ حدیث گزری ہے: "القضاء ثلاثہ، واحد فی الجنة واثان فی النار الحدیث، جس میں یہ ہے کہ جو قاضی صاحب حق کے حق کو پہچان کر اس کے موافق فیصلہ کرے گا وہ جنت میں جائے گا، اور جو قاضی جہالت کے ساتھ فیصلہ کرے گا وہ جہنم میں جائے گا۔ اس حدیث سے علم کی ضرورت و اہمیت کا استفادہ ہونا ظاہر ہے۔

صحیح مسلم میں بھی کتاب العلم اور کتاب میں ہی مذکور ہے، اور ایسے ہی جامع ترمذی میں بھی، ہم نے السبل المفہم میں علم کی حقیقت اور اس کے انواع علوم شرعیہ و غیر شرعیہ، نیز تحصیل علم کا حکم شرعی وہاں ذکر کر دیا ہے اس کی طرف رجوع کیا جائے وہاں ہم نے یہ بات بھی لکھی ہے کہ بظاہر قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ کتاب العلم کو شروع میں لایا جائے جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے کہ اس میں سب سے پہلے "کتاب الایمان" اور اس کے بعد متصلاً کتاب العلم مذکور ہے، اس بارے میں یہ نکتہ وہاں لکھ گیا ہے: "یکمن ان یقال: لعل فیہ اشارة لطیفۃ ال ان منتهی علمنا یسادی مبتداه، فان العلم لا نہایۃ لہ، لایسا علم الشرعیۃ فانہ یجری فیہذا جیسا کہ بعض اکابر صوفیہ سے منقول ہے کہ جب ان سے تصوف کی انتہاء اور کمال کے بارے میں سوال کیا گیا کہ وہ کیا ہے، یا نہایۃ؟ فقال: الغود ال البدایۃ اور یہی مطلب کسی صوفی کے اس مقولہ کا ہے: "منزور و زاول است کہ بھی تو ہماری بسم اللہ ہی کا دن ہے (تصوف میں قدم ہی رکھا ہے) حضرت شیخ الہند نور اللہ مرقدہ نے تراجم بخاری میں کسی جگہ یہ تحریر فرمایا ہے کہ ہر شخص کا جہل اس کے علم سے بڑھا ہوا ہے، اس لئے کہ فی نفسہ معلومات (وہ امور جن سے علم متعلق ہو سکتا ہے) تو غیر متناہی ہیں اور ہر شخص کی اپنی معلومات متناہی ہیں اھ پس ہر شخص کا علم محدود و متناہی ہوا اور اس کا جہل غیر متناہی۔

علم کی حقیقت اور اس کی انواع، اور مختلف نزع سے اس کی تقسیمات اور ایسے ہی علم کے رؤس ثمانیہ اور علم کا شرف اور فضیلت وغیرہ امور تفصیل کے ساتھ ذیل صلی حسن خان نے اپنی مشہور تصنیف "ابجد العلوم" میں ذکر کی ہیں اور ایسے ہی "کشف الظنون" میں اور ان سے پہلے طاشی کبریٰ زادہ نے "مفتاح السعادة و مصباح السیادة" میں کتب منطق میں بھی علم کی تعریف اور تحقیق پر کلام کیا گیا ہے، چنانچہ ایک تعریف یہ کی گئی ہے: "الصورة الحاصلة



من شئ عند العقل، اور شرح عقائد تسفیہ میں علم کی تعریف اس طرح لکھی ہے: ہو صفة يتجلى بها المذكور لمن قامت هي به، یعنی کسی چیز کا علم یہ ہے کہ جب اس چیز کا نام لیا جائے تو فوراً اس چیز کی صورت اور نقشہ ذہن میں آجائے مثلاً جو شخص زید کو جانتا ہے اور اس سے واقف ہے تو جب اس کے سامنے زید کا نام لیا جائے گا تو فوراً زید کی شکل و صورت کی طرف سننے والے کا ذہن منتقل ہو جائے گا، اور اگر وہ زید کو نہیں جانتا ہوگا تو اس وقت کچھ بھی ذہن میں نہیں آئے گا۔

## باب فی فضل العلم

عن كثير بن قيس قال كنت جالساً مع ابي الدرداء في مسجد دمشق فجاءه رجل فقال: يا ابا الدرداء! **مضمون حدیث** کثیر بن قیس کہتے ہیں کہ میں ایک روز حضرت ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ بیٹھا تھا تو ایک شخص آپ کی خدمت میں آئے اور عرض کیا کہ میں آپ کے پاس مدینہ منورہ سے ایک حدیث سننے کیلئے آیا ہوں، جس کے بارے میں مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ آپ اس کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں، میری اس آمد کا مقصد سوائے اسکے اور کچھ نہیں ہے، تو اس پر انہوں نے فرمایا کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے: یقول: من سلك طريقاً يطلب فيه علماً سلك الله به طريقاً من طرق الجنة، شرح نے لکھا ہے کہ اس میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ اس سائل کو حضرت ابو الدرداء سے یہی حدیث مطلوب تھی جس کو ان سے سنا چاہتے تھے، دوسرا یہ کہ حدیث مطلوب تو اس کے علاوہ تھی جس کو انہوں نے بعد میں سنایا ہوگا لیکن یہ حدیث اس کے اس عمل کی تحسین اور تشریح کے لئے ذکر فرمائی، کہ جو شخص علم حاصل کرنے کیلئے راستہ طے کرتا ہے تو گویا اللہ تعالیٰ شانہ اس کو جنت کے راستہ پر چلا رہے ہیں یعنی تحصیل علم کے لئے چلنا یہ انجام کے لحاظ سے جنت کے راستہ پر چلنا ہے۔ اور اسکے بعد والی حدیث کے لفظ یہ ہیں: الاسهل الله له بطريق الى الجنة، کہ طالب علم کے لئے اللہ تعالیٰ جنت کا راستہ سہل اور آسان فرمادیتے ہیں، اسلئے کہ علم ذریعہ ہے عمل کا اور عمل سبب ہے دخول جنت کا۔

**شرح الحدیث** وان الملائكة لتضع اجنتها راضاً الطالب العلم حدیث کے اس جملہ کی تشریح میں "بذل" میں المام خطاب سے تین مطلب لکھے ہیں (۱) وضع اجنتہ سے مراد تو اضع ہے یعنی طالب علم کے سامنے ملائکہ تواضع اور نیاز مندی سے پیش آتے ہیں، بقولہ تعالیٰ واخفض لهما جناح الذل، (۲) الامساك عن الطيران الرسول عنده، یعنی اگر زمین پر طالب علم ہو اور اوپر فرشتہ اڑ رہا ہو تو وہ فرشتہ اس طالب علم کی وجہ سے اپنا اڑنا متوقف کر کے نیچے اس کے پاس اتر آتا ہے بقولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم: ما من قوم يذكرون الله تعالى الاحف بهم الملائكة وغشيتهم الرحمة، (۳) اس سے مراد فرشتہ کا طالب علم کے لئے اپنے پروں کو پھیلا دینا ہے اس کو اپنے اوپر ہوار کرنے کے لئے تاکہ اس کو منزل مقصود تک پہنچا دے۔ مراد اعانت ہے اور تیسرے طلب علم میں اھ

آگے حدیث میں یہ ہے کہ عالم کے لئے آسمان اور زمین والے استغفار کرتے ہیں حتیٰ کہ پانی کے اندر مچھلیاں (گویا یہ استغفار بر سے متجاوز ہو کر بھر تک پہنچ جاتا ہے)

اور یہ کہ علماء انبیاء کرام کے وارث ہیں اس لئے کہ انبیاء کرام کی میراث اور ترکہ درہم اور دینار نہیں ہوتا بلکہ ان کی میراث علم ہوتا ہے (لہذا طلباء و علماء ہی وارثین انبیاء ہوئے)

ومن اخذہ اخذ بحظ واقف۔ یہ جملہ یا تو خبر یہ ہے کہ جس شخص نے علم کو حاصل کیا اس نے بہت بڑی دولت حاصل کر لی، اور یا النشانیہ ہے کہ جو شخص علم حاصل کرے اور اس کے درپے ہو تو اس کو خوب اچھی طرح حاصل کرنا چاہئے اس حدیث کے بعد والے طریق میں یہ جملہ بھی مذکور ہے: ومن ابطأ بہ عمله لم یسرع بہ نسبہ یعنی جس شخص کو اس کا عمل پیچھے کر دے گا تو اس کو اس کا عالی نسب ہونا آگے نہیں بڑھا سکتا۔

**علم کی فضیلت اور برتری** | احادیث الباب سے فضیلت علم ظاہر ہے فرشتوں کا طالب علم کے ساتھ تواضع سے پیش آنا، اس کے لئے جنت کا راستہ ہموار ہونا، انبیاء کا وارث ہونا یقیناً غایت درجہ کا شرف ہے، حضرت شیخ رحمۃ اللہ تعالیٰ نے حاشیہ بذل میں علامہ شامی سے ۲۸۹/۵۱ نقل کیا ہے: مذاکرۃ العلم ساتھ خیر من احیاء لیلۃ، ولا الخروج لطلبہ بدون اذن الوالدین ولو لمتحیا، اما الامر دفلا، یعنی تھوڑی دیر کا علمی مذاکرہ رات بھر کی عبادت سے افضل ہے، نیز طلب علم کے لئے گھر سے نکلنا بغیر اذن والدین کے بھی جائز ہے بشرطیکہ وہ نکلنے والا دلجویم ہو، بے ریش لڑکے کیلئے جائز نہیں۔

والحدیث الاول اخرجه الترمذی وابن ماجہ، والحدیث الثانی اخرجه مسلم اتم منه واخرجه الترمذی محققاً قال المنذری۔

## باب رواية حديث اهل الكتاب

یعنی اہل کتاب جو مضمون بیان کریں تو کیا اہل اسلام کے لئے اس کو نقل کرنے اور روایت کرنے کی اجازت ہے فقال: یا محمد هل تکلم هذه الجنان؟ فقال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم: اللہ اعلم ابو اس حدیث کے راوی ابو نملہ صحابی ہیں جن کا نام عماد بن معاذ ہے اور ان سے روایت کرنے والے ان کے بیٹے ابن ابی نملہ ہیں جن کا نام نملہ ہے۔

مضمون حدیث یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کو ایک جنازہ گذرا، ایک یہودی نے آپ سے دریافت کیا کہ کیا یہ جنازہ کلام کرتا ہے؟ آپ نے فرمایا اللہ اعلم، اس یہودی نے کہا کہ ہاں بات کرتا ہے ممکن ہے اس نے یہ بات اپنی کتاب توراۃ میں دیکھی ہو جس بنا پر اس نے یہ کہا۔ آپ نے یہودی کی اس بات پر سکوت فرمایا اور صحابہ کرام سے آپ نے فرمایا کہ یہ اہل کتاب جو بات تم سے بیان کریں نہ اس میں ان کی تصدیق کرو اور نہ

تکذیب، بلکہ یوں کہو آمنت باللہ ورسولہ تاکہ نہ باطل کی تصدیق ہو سکے اور نہ حق کی تکذیب، اس سے معلوم ہوا کہ اہل کتاب کی حدیث روایت نہیں کرنی چاہیئے۔

آپ نے کلام جنازہ کے بارے میں فرمایا، اللہ اعلم، حالانکہ دوسری احادیث سے قبر میں فرشتوں کے سوال کے جواب میں میت کا کلام کرنا بکثرت وارد ہے، اب یا تو یہ کہا جائے کہ یہ حدیث شروع کی ہے جس وقت آپ کو قبر میں ملکیں اور میت کے سوال و جواب کا علم نہیں تھا، اور یا یہ کہا جائے کہ اس حدیث میں آپ نے کلام میت کے بارے میں توقف فرمایا اس بنا پر کہ اس حدیث کا تعلق مخصوص اس میت سے تھا کہ نہ مطلق کلام میت سے، اذادہ العلامة السندی۔

**دو مختلف بابوں میں تطبیق** | اس کے بعد جتنا چاہئے کہ آگے کتاب میں چند ابواب کے بعد اسی سلسلہ کا ایک دوسرا باب آرہا ہے۔ باب الحدیث عن بنی اسرائیل، جس میں مصنف نے دو حدیثیں

ذکر فرمائی ہیں پہلی حدیث یہ ہے، "حدثنا عن بنی اسرائیل دلا حرج، اس پر بعض شرح خطابی وغیرہ نے لکھا ہے کہ یہود سے روایت حدیث کی ممانعت ابتداء اسلام میں تھی، احکام اسلامیہ اور قواعد دینیہ کے استقرار سے پہلے، پھر جب احکام اسلامیہ کا استقرار ہو گیا اور صحابہ کرام یہود کی تحریفات و تخلیقات سے واقف ہو گئے تو پھر آپ نے صحابہ کو حدیث اہل کتاب کی روایت کی اجازت مرحمت فرمادی کہ اس صورت میں کذب و صدق اور حق و باطل کے درمیان خلط ہونے کا خطرہ نہیں تھا، گویا یہ ایسا ہی ہوا جیسا کہ آپ نے ابتدائیں کتابت حدیث سے صحابہ کرام کو منع فرمادیا تھا حدیث کے قرآن کے ساتھ التباس اور خلط کے اندیشہ کی وجہ سے، اور پھر بعد میں آپ نے اس نہی کو منسوخ فرما کر کتابت حدیث کی اجازت دیدی تھی جب خلط کا اندیشہ نہیں رہا تھا۔

اور حضرت امام مالک، "حدثنا عن بنی اسرائیل مکے بارے میں فرماتے ہیں: المراد جواز الحدیث عنہم بما کان من امر حسن امام اعلم کذبہ قلاً، یعنی مراد یہ ہے کہ اہل کتاب جو اچھی اچھی باتیں تم سے بیان کریں اس کے نقل کی اجازت ہے لیکن جس بات کا غلط ہونا معلوم ہو ظاہر ہے کہ وہ اس میں داخل نہیں (کذا فی العون عن الفتح) اور حاشیہ بذل میں ہے قال القاری فی المرقاة: لا حرج فی نقل الاعاجیب عنہم اھ فی الدر المنثور عن ابن حجر: ہذا الحدیث یقید مل سماع الاعاجیب والغرائب من کل مالا یتیقن کذبہ لقصد الفرصۃ لا الحجۃ۔ اھ خطابی کے نزدیک باب اول کی حدیث منسوخ اور باب دوم کی اس کے لئے ناسخ ہوئی اور امام مالک وغیرہ کے نزدیک اول حدیث کا تعلق مسائل و احکام سے ہے اور ثانی کا تعلق عام مفید باتوں سے یا غرائب سے احکام سے نہیں، دونوں حدیثوں کا محل الگ الگ ہے لہذا ناسخ منسوخ ماننے کی حاجت نہیں۔

**اسرائیلیات کا حکم** | تفسیر محارف القرآن از مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ تعالیٰ کے مقدمہ میں اسرائیلیات کا حکم کے عنوان کے تحت لکھا ہے: اسرائیلیات ان روایتوں کو کہتے ہیں جو اہل کتاب یعنی یہودیوں اور عیسائیوں سے

ہم تک پہنچی ہیں، حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے کہ اسرائیلیات کی تین قسمیں ہیں (۱) وہ روایات جن کی سچائی قرآن و سنت کے دوسرے دلائل سے ثابت ہے مثلاً فرعون کا غرق ہونا اور حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام کا کوہ طور پر تشریف لیجانا وغیرہ (۲) وہ روایات جن کا جھوٹ ہونا قرآن و سنت کے دوسرے دلائل سے ثابت ہے مثلاً اسرائیلی روایات میں یہ مذکور ہے کہ حضرت سلیمان علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام آخر عمر میں (معاذ اللہ) مرتد ہو گئے اس کی تردید قرآن کریم سے ثابت ہے ارشاد ہے: **وَمَا كَفَرَ سُلَيْمَانُ وَلَكِنَّ الشَّيَاطِينَ كَفَرُوا** اسی طرح مثلاً اسرائیلی روایت میں مذکور ہے (معاذ اللہ) حضرت داؤد علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام نے اپنے سپہ سالار اور یار کی بیوی سے زنا کیا یا اسے مختلف تدبیروں سے مراد اگر اس کی بیوی سے نکاح کر لیا یہ بھی کھلا جھوٹ ہے، اور اس قسم کی روایات کو غلط سمجھنا لازم ہے (۳) وہ روایات جن کے بارے میں قرآن و سنت اور دوسرے شرعی دلائل خاموش ہیں جیسے کہ تورات کے احکام وغیرہ، ایسی روایات کے بارے میں اس حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم یہ ہے کہ ان کے بارے میں سکتا اختیار کیا جائے، نہ ان کی تصدیق کی جائے نہ ان کی تکذیب، البتہ اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے کہ آیا ایسی روایات کا نقل کرنا بھی جائز ہے یا نہیں؟ حافظ ابن کثیر نے قول فیصل یہ بیان کیا ہے کہ انھیں نقل کرنا جائز تو ہے لیکن اس سے کوئی فائدہ نہیں کیونکہ شرعی اعتبار سے وہ حجت نہیں (مقدمہ تفسیر ابن کثیر)

دوسری حدیث اس باب میں جو مصنف نے ذکر کی ہے وہ یہ ہے: **كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَجِدُ شَاعِنَ بَنِي إِسْرَائِيلَ حَتَّى يَصْبَحَ** یعنی بعض مرتبہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم رات میں صحابہ کرام سے بنی اسرائیل کے حالات بہت دیر تک بیان فرماتے رہتے یہاں تک کہ صبح ہو جاتی، پہلے باب سے غرض مصنف کی اخذ الروایۃ عن اہل الکتاب سے منع کرنا ہے یعنی ان سے روایت نہ لی جائے جیسا کہ اس باب کی حدیث سے معلوم ہو رہا ہے، اور دوسرے باب کی غرض حدیث عن بنی اسرائیل یعنی حکایت عن بنی اسرائیل اور ان کے قصص اور واقعات کا نقل کرنا ہے کہ یہ جائز ہے اور ثابت ہے جیسا کہ اس باب کی حدیث ثانی میں مذکور ہے، اور اس باب کی حدیث اول یعنی حدیث عن بنی اسرائیل ولا حرج، کو بھی اسی معنی پر محمول کیا جائے یعنی ذکر قصصہم واثوابہم، اس صورت میں ان دونوں میں آپس میں کوئی تخالف ہی نہ ہوگا جس کے لئے کسی توجیہ کی ضرورت پیش آئے، **هَذَا مَا عَزَىٰ اِنْ كَانَ صَوَابًا فَمِنْ اللَّهِ تَعَالَىٰ وَاِنْ كَانَ خَطَا فَمِنِّي**.

قال زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ: امر فی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فتعلمت لہ

کتاب یہود، وقال انی واللہ ما امن یہود علی کتابی فتعلمتہ، فلم یمن فی الانصاف شہر حتی حدقۃ الخ

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ کو حکم فرمایا کہ میں یہود کی زبان لکھنا پڑھنا سیکھوں، اور فرمایا کہ مجھے اس پر اطمینان نہیں کہ کوئی یہودی میرا مصنون لکھے، وہ فرماتے ہیں کہ آپ کے حکم کی تعمیل میں میں نے یہود کی زبان نصف ماہ سے بھی کم کے اندر سیکھ لی، اور اس میں مجھ کو خوب بھی طرح

مہارت ہو گئی، چنانچہ اس کے بعد پھر میں ہی آپ کی طرف سے یہود کو لکھا کرتا تھا اور جب ان کا کوئی خط آپ کی طرف سے آتا تو اس کو میں ہی پڑھ کر سناتا۔

فائدہ: مشہور یہ ہے کہ انجیل سریانی زبان میں ہے لہذا انصاری کی زبان بھی وہی ہوئی اور تورات عبرانی ہے لہذا بظاہر یہود کی زبان بھی عبرانی ہوئی، صحیح بخاری کے پہلے باب میں ورق بن نوفل کے بارے میں مذکور ہے، "وكان يكتب الكتاب العبراني فيكتب من الانجيل بالعبرانية، وني هاشم الاعمش عن القسطلاني قيل: ان التوراة عبرانية والانجيل سریانی، وعن سفيان: ما نزل من السمار وحی الابا العبرية وكانت الانبياء عليهم السلام تترجمه لقومها وقيس عن الكركاني: يفهم من ان الانجيل ليس غير نبياد هو المشهور اده۔

**کاتبین وحی صحابہ کی تعیین و اسما** | اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے کاتبین میں سے ہیں، مشہور کاتبین وحی چھ حضرات ہیں، عثمان بن عفان، علی بن ابی طالب، ابی بن کعب، زید بن ثابت، معاویہ بن ابی سفیان، عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین، بہت سے علماء کی آپ کے کاتبین پر مستقل تصانیف ہیں جن کی فہرست کافی طویل ہے، جن کی دو قسمیں ہیں کاتبین وحی یعنی قرآن وغیرہ، اس کے بارے میں تو ہم ہی لکھا ہے کہ وہ چھ ہیں، اور قسم ثانی مطلق کاتبین وحی قرآن کریم کے علاوہ، ان کی تعداد بعض مصنفین نے اکتیس لکھی ہے (واحد وثلاثون) بعضوں نے اس سے کم زیادہ بھی لکھی ہے۔ والحدیث الخرج الترمذی وقال حسن صحیح، واخرجه البخاری تعلیقاً فی کتاب العلم، قال المنذری۔

## کتابۃ العلم

اور بعض نسخوں میں ہے، "باب فی کتابۃ العلم۔ اور بعض میں "باب فی کتاب العلم۔ اس مسئلہ پر اور اس سے متعلق احادیث پر کلام، الدر المنصور کے مقدمہ میں گزر چکا۔

## باب التشدید فی الکذب علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

عن عامر بن عبد اللہ بن الزبیر، عن ابيه قال قلت للزبیر: ما يمنعك ان تحدث عن رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم؟ حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اپنے والد حضرت زبیر سے دریافت کیا کہ آپ کے لئے احادیث بیان کرنے سے جس طرح آپ کے اصحاب بیان کرتے ہیں کیا چیز مانع ہے؟ تو انہوں نے

لہ قیداً بھی حدیث بھی مثلاً قدیم میں المصباح المعنی فی کتاب النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، اور جدید میں کتاب الوحی لاجمہ عبد الرحمن عیسیٰ کتاب النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم محمد مصطفیٰ الاعظمی،

فرمایا کہ واللہ مجھ کو جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے قرابت اور منزلت حاصل ہے وہ ظاہر ہے (جس کی بنا پر مجھ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بکثرت احادیث سننے کا موقع ملا، اس کے باوجود ترک روایت کا منشاء یہ ہے کہ میں نے آپ سے یہ حدیث سنی ہے کہ جو شخص مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ بولے تو اس کو جہنم میں اپنے ٹھکانہ پر پہنچ جانا چاہیے۔

ایک حدیث میں ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ ہر شخص کے لئے خواہ وہ مسلم ہو یا کافر دونوں جگہ ٹھکانہ بنا ہوا ہے جہنم میں بھی اور جنت میں بھی، تاکہ ایمان لانے کی صورت میں جنت والے ٹھکانہ میں اور ایمان نہ لانے کی صورت میں جہنم والے ٹھکانہ میں اس کو رکھا جائے، وثی الفتح: قوله: فليتيوا أي فليتيوا لنفسه منزلاً، فهو امر بمعنى الخیر او بمعنى التهديد او بمعنى التحکم، او دعاء علي فاعل ذلك أي بؤاه اللہ ذلک اھ حضرت امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ حدیث اور اسی مضمون کی بعض دوسری روایات، باب اثم من کذب علی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ذیل میں ذکر فرمائی ہیں، بخاری کی حدیث میں، مستعداً کا لفظ نہیں ہے، اور حافظ نے اس پر کلام بھی کیا ہے کہ حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس حدیث سے استدلال کرنے میں اس بات کی دلیل ہے کہ کذب کا اطلاق مطلقاً خلاف واقع خبر دینے پر ہے خواہ عمداً ہو یا خطاً اور یہی اصح قول ہے، اور خطا کی صورت میں اگرچہ گناہ نہیں لیکن حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اکثر فی الحدیث میں خطرہ ہوا اس بات کا کہ کہیں وہ خطا میں واقع نہ ہو جائیں جس کا ان کو شعور بھی نہ ہو، اور مختصر منذری میں ہے: واخرجه البخاری والنسائی وابن ماجہ، ویس فی حدیث البخاری والنسائی، والمتحفظ فی حدیث الزبیر انہ لیس فیہ مستعداً، وقد روی عن الزبیر انہ قال، وانشر ما قال مستعداً، وانتم تقولون مستعداً، اھ امام ابن ماجہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی سنن میں ابتداء کتاب ہی میں اس طرح کے مضامین اور ابواب قائم کئے ہیں، باب التوفی فی الحدیث عن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم باب التغلیظ فی تعدد الکذب علی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔

## باب الكلام في كتاب الله بلا علم

عن جندب رضي الله تعالى عنه قال قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم: من قال في كتاب الله برأيه فاصاب فقد اخطأ۔

شرح الحدیث | جو شخص کتاب اللہ کی تفسیر اپنی رائے سے کرے تو اگر اس نے وہ تفسیر صحیح بھی کی ہو تب بھی اس نے خطا کی برائیہ کے مطلب میں دو احتمال ہیں اول یہ کہ اپنی رائے سے کرے بغیر دلیل کے ہو افسے نفس

لہ حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ عشرہ عشرہ میں سے ہیں اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے چھوٹی زاد بھائی ہیں، ان ہی کے بارے میں کہا گیا تھا شراج حرہ والی حدیث میں، ان کا ابن عتک، کما تقدم، عتقت وفیہ نہ اذلا اثم تکلیف الوعید ۱۲

کے ماتحت ہو کر اپنی غرض کی موافقت کے لئے، دوسرا مطلب یہ کہ محض ظاہر عربیت پر نظر کرتے ہوئے قواعد صرف و نحو اور لغت کو سامنے رکھ کر بغیر اس کے کہ قرآن کریم کے غرائب اور مبہمات وغیرہ میں سماع اور منقول کی طرف رجوع کرے، جمع الجار میں لکھا ہے کہ اس دوسرے معنی لینے کی صورت میں ممانعت کی کوئی وجہ نہیں ہے اہلذا پہلے ہی معنی مراد ہوئے، اکابر کے کلام سے معلوم ہوتا ہے، کوکب اور فیض الباری وغیرہ سے کہ جو تفسیر قواعد عربیہ و اصول شرعیہ کو سامنے رکھ کر اپنے اجتہاد سے کی جائے وہ درست اور معتبر ہے بلکہ کتب تفسیر اس نوع کی تفاسیر سے مشہور اور لبریز ہیں اس لئے کہ وہ تفسیریں جو صراط براہ راست حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے منقول و ماقولہ ہیں وہ بہت ہی کم اور اقل قلیل ہیں، لہذا تفسیر بالرائی یا بمعنی ممنوع نہیں، اور اگر ہر آیت کی تفسیر کا منصوص من الشارح ہو نا ضروری ہو تا تو پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی دعا حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بارے میں، اللہم ففہم فی الدین و علمہ للتاویل بظاہر غیر مفید ہو جائے گی، اس حدیث کی شرح لکھتے ہوئے غور کرنے سے ایک بات ذہن میں آ رہی تھی پھر اسی طرح کی بات معارف القرآن مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے مقدمہ میں اچھے اسلوب میں دیکھنے کو ملی اس کو یہاں نقل کیا جاتا ہے اختصار کیساتھ

ماخذ تفسیر کے بارے میں اس میں تحریر ہے کہ علم تفسیر کی کتابوں کے مراجع اور سرچشمے چھ ہیں، (۱) قرآن کریم، علم تفسیر کا پہلا ماخذ خود قرآن کریم ہے چنانچہ ایسا بکثرت ہوتا ہے کہ کسی آیت میں کوئی بات مجمل اور تشریح طلب ہوتی ہے تو خود قرآن کریم کی کوئی دوسری آیت اس کے مفہوم کو واضح کر دیتی ہے (پھر اس کو اس مقدمہ میں مثال سے واضح کیا ہے) (۲) حدیث، اسکی وضاحت اس مقدمہ میں کی گئی ہے، لیکن الدر المنصور کے مقدمہ میں علم حدیث کی جو تعریف اور غرض بیان کی گئی ہے وہ اس کی وضاحت کے لئے کافی ہے تیسرا چوتھا ماخذ صحابہ کرام کے اقوال اور تابعین کے اقوال کو قرار دیا ہے، اور پانچواں ماخذ لغت عرب، وہ لکھتے ہیں: قرآن کریم چونکہ عربی زبان میں نازل ہوا ہے اس لئے تفسیر قرآن کے لئے اس زبان پر مکمل عبور حاصل کرنا ضروری ہے، قرآن کریم کی بہت سی آیات ایسی ہیں کہ ان کے پس منظر میں چونکہ کوئی شان نزول یا کوئی اور فقہی یا کلامی مسئلہ نہیں ہوتا اس لئے ان کی تفسیر میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یا صحابہ و تابعین کے اقوال منقول نہیں ہوتے، چنانچہ ان کی تفسیر کا ذریعہ صرف لغت عرب ہوتی ہے اور لغت ہی کی بنیاد پر اس کی تشریح کی جاتی ہے، اسکے علاوہ اگر کسی آیت کی تفسیر میں کوئی اختلاف ہو تو مختلف آراء میں محاکمہ کے لئے بھی علم لغت سے کام لیا جاتا ہے، چھٹا ماخذ تدبر اور استنباط، یہ اس کا آخری ماخذ ہے، قرآن کریم کے نکات و اسرار ایک ایسا بحر ناپید اکنار ہیں جس کی کوئی حد و نہایت نہیں چنانچہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے اسلامی علوم میں بصیرت و عطا فرمائی ہو وہ جتنا جتنا اس میں غور و فکر کرتا ہے اتنے ہی نئے نئے اسرار و نکات سامنے آتے ہیں، چنانچہ مفسرین کرام اپنے اپنے تدبر کے نتائج بھی اپنی تفسیروں میں بیان فرماتے رہے ہیں، لیکن یہ اسرار و نکات اسی وقت قابل قبول ہوتے ہیں جب کہ وہ مذکورہ بالا پانچ ماخذ سے متصادم نہ ہوں۔ الیٰ آخرہ۔

من قال فی کتاب اللہ براۓہ فاصاب فقد اخطا، جس نے قرآن کریم کی تفسیر اپنی رائے سے کی پس اگر صحیح بھی کی

تب بھی اس نے خطا اور غلطی کی اس کو اپنی طرف سے تفسیر نہیں کرنی چاہیے تھی، شرح کے کلام سے مستفاد ہوتا ہے یہ حدیث اپنے عموم اور ظاہر پر نہیں ہے بلکہ مؤول ہے جس کی وجہ بھی ظاہر ہے کیونکہ خود قرآن کریم یہ کہتا ہے کہ جو لوگ لغت عرب سے واقف ہیں اور جن کی زبان عربی ہے ان کے لئے قرآن کا سمجھنا آسان ہے جیسا کہ مندرجہ ذیل آیات کا مقتضی ہے: حَسَمَ وَالْكَتَابِ الْمُبِينِ اِنَّا جَعَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لِّعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ۔ اہل عرب کو خطاب ہے کہ ہم نے یہ کتاب عربی زبان میں (جو تمہاری مادری زبان ہے) اسی لئے نازل کیا تاکہ تم اس کو بلا واسطہ سمجھ سکو، "وَلَقَدْ مَنَعْنَا النَّاسَ فِي هَذَا الْقُرْآنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لِّعَلَّكُمْ يَتَذَكَّرُونَ، قُرْآنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِي عِوَجٍ لِّعَلَّكُمْ يَتَّقُونَ، وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَسَلِّ مِنْ ذِكْرِ"۔

لہذا ان آیات کی روشنی میں حدیث بالا کا مطلب یہ لیا جائے گا کہ قرآن کریم کی جن آیات کا مفہوم سمجھنے کیلئے صرف لغت عرب سے واقفیت اور اس میں مہارت کافی نہیں بلکہ ان کے سمجھنے کے لئے مزید علم کی ضرورت ہے، اسباب نزول یا بعض دیگر علوم شرعیہ سے مناسبت تو وہاں بغیر ان معلومات کے صرف اپنی رائے اور کجہ سے تفسیر کرنا جرات اور غلطی ہے اگرچہ وہ رائے صحیح ہی کیوں نہ ہو، حدیث میں بروایت کا لفظ اسی مطلب کی طرف مشیر ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ رائے کے استعمال کی ضرورت تو وہیں پیش آئے گی جہاں محض لغت دانی سے کام نہ چل سکتا ہو ایسے ہی مواقع کے لحاظ سے اس حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ اپنی رائے سے مطلب متعین نہ کیا جائے بلکہ نقل کی طرف رجوع کیا جائے اسی طرح علماء فرماتے ہیں جن آیات شریفہ میں وعظ و نصیحت کا مضمون ہے اس کو سمجھنا تو ہر عربی دان کیلئے آسان ہے، لیکن آیات سے استنباط احکام شرعیہ یہ مشکل کام ہے اس کیلئے متعلقہ علوم سے واقفیت ضروری ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ والحدیث اخرہ الترمذی والنسائی، وقال الترمذی هذا حدیث غریب، وقد حکم بعض اهل العلم فی سہیل بن ابی حزم قال المنذری

## باب تکریر الحدیث

ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کان اذا حدث حدیثا اعادة ثلاث مرات۔

شرح الحدیث | یعنی جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کوئی بات فرماتے تو اس کو تین بار فرماتے۔

اس سے ہر کلام اور بات مراد نہیں ہے بلکہ بعض وہ باتیں جو زیادہ اہم بالشان ہوں، تاکہ وہ اچھی طرح سمجھ میں آجائیں، تکرار کی یہ وجہ کہ وہ اچھی طرح سمجھ میں آجائے خود بعض روایات میں مصرح ہے، چنانچہ بخاری کی ایک روایت میں ہے "کان اذا تکلم بکلمۃ اعادہا ثلاثا حتی یفہم عنہ" اور ترمذی کی ایک روایت میں "حتی تعقل عنہ" ہے، اور بڈل میں ہے: قلت: یحتمل ان یکون التکرار لاجل مہولۃ الحفظ، بخاری شریف کی اس روایت میں جس کا اوپر حوالہ آیا جس کے راوی حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں یہ زیادتی ہے۔ واذ اتی علی قوم فسلم علیہم سلم علیہم ثلاثا، وہی روایت۔ انہ کان اذا سلم



سلم ثلاثاً، آپ کے تین مرتبہ سلام کے بارے میں مختلف ترجیحات کی گئی ہیں، ایک یہ کہ اس سے سلام استیذان مراد ہے جس کی حد ثلاثاً ہے جیسا کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں مذکور ہے، اور ایک تو جہہ یہ کی گئی ہے کہ یہ اس صورت میں ہے جبکہ آپ کو یہ خیال ہوا ہو کہ یہ سلام سب سے سنا نہیں، کذا فی الفتح، اور ایک تو جہہ یہ بھی کی گئی ہے کہ پہلے سلام سے مراد سلام استیذان، اور دوسرے سلام سے سلام تحیہ، مجلس میں داخل ہونے کے وقت، اور تیسرا سلام عند الرجوع عن المجلس۔

## باب فی سرد الحدیث

سرد الحدیث یعنی مسلسل اور جلدی جلدی بات کرنا۔

عن عروۃ قال: جلس ابو ہریرۃ الی جنب حجرۃ عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا وہی تصلى الخ حضرت عروہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عائشہ کے حجرہ کے قریب آکر بیٹھے جبکہ وہ اندر نماز پڑھ رہی تھیں، تو ابو ہریرہ ایک یا دو مرتبہ یہ کہہ کر کہ اماں جی ذرا سنئے، ذرا سنئے، بہت سی حدیثیں جلدی جلدی سنا کر چلے گئے۔ غالباً یہ احادیث کا سنانا استقباب تصدیق کیلئے ہوگا۔ عروہ فرماتے ہیں کہ جب اماں جی نے اپنی نماز پوری کی تو حضرت ابو ہریرہ کے اس استعجال پر اظہار رعب اور نیکہ کرتے ہوئے فرمایا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے کلام کا طریقہ تو یہ تھا کہ اتنے اطمینان سے بات فرماتے تھے کہ اگر کوئی شمار کرنے والا آپ کے الفاظ کو شمار کرنا چاہے تو شمار کر سکتا تھا۔ اس کے بعد والی روایت کا بھی یہی مضمون ہے۔

والحدیث اخرجه البخاری، وسلم بخوہ، قالہ المنذری۔

## باب التوقی فی الفتی

عن معاویۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نہی عن الغلوطات۔ اور ایک روایت میں ہے، عن الاغلوطات۔ جس کا واحد اغلوط ہے بروزن اُفْعُول، ماخوذ ہے غلط سے جیسے احموقہ حق سے، جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں تقسیم غنیمت والی روایت میں گذرا کہ انہوں نے نجد حروری کے بارے میں فرمایا تھا، لولا ان یاتی احموقۃ لما کتبت الیہ۔

شرح الحدیث | یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے نادر اور مشکل مسائل کے بارے میں سوال کرنے سے منع فرمایا ہے جن کو چستان کہا جاتا ہے اور عربی میں احاجی اور الغار، اس لئے کہ اس طرح کے سوالات سے مقصود مخاطب کو نہ نچا رکھنا اور شرمندہ کرنا ہوتا ہے، شرح نے لکھا ہے: و فیہ کراہیۃ التعمق والتکلف بما لا حاجۃ للانسان الیہ من المسئلۃ، اور ہذل میں حضرت گنگوہی کی تقریر سے منقول ہے: ولا ضیر فیہ، اذا کان لتدریب التلامذۃ، یعنی استاذ اگر

شاگردوں سے اس طرح کے سوالات کرے ان میں بیداری اور سمجھ پیدا کرنے کیلئے تو کچھ حرج نہیں جیسا کہ امام بخاری نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے مستقل ترجمۃ البیاض باب طرح الامام المسئلۃ علی اصحابہ لیخبر باعذہم من العلم اور اس میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث ان من الشجر شجرة لا یسقط ورقہا و انہما مثل المسلم حدیث ثانی ماہی الحدیث ذکر فرمائی ہے، اس پر حافظ لکھتے ہیں: والہی الولد فی ابی داؤد و محمول علی ما لا یفیع فیہ او خرج علی سبیل التعتت۔

اس حدیث کو باب سے مناسب جس کا مضمون احتیاط فی الفتویٰ ہے اس طرح پر ہو سکتی ہے کہ اس قسم کے سوالات میں مظنہ ہے عدم احتیاط کا مجیب کی جانب سے۔

سمعت ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یقول: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم: من افتی بغیر علم کان اثمہ علی من افتاہ۔ یعنی جس شخص کو اس کے استفتاء کا جواب بدون تحقیق دیا گیا ہو اور پھر اس مستفتی عامی نے اسی فتویٰ کے مطابق عمل کیا ہو تو اس کا گناہ مستفتی کو نہ ہوگا بلکہ مفتی کو ہوگا، لیکن اس مفتی سے مراد وہ مفتی جاہل ہے جو علماء کی ہیئت اور صورت میں ہو، اور اگر کوئی عامی اپنے جیسے کسی عامی ہی سے سوال کر کے اس پر عمل کرے تو اس صورت میں وبال سائل پر ہی ہوگا۔

مفتی کے غلط فتویٰ دینے پر کیا حکم ہے؟ اس پر کسی قدر کلام ابواب التیم باب فی المخرج یتیم میں گزر چکا ہے۔ اس کی طرف رجوع کیجئے۔ والحدیث اخر جہا بن ماجہ مقتصر علی الفصل الاول نخوہ قال المنذری۔

## باب کراہیۃ منع العلم

عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم من سئل عن علم فکتمہ الجہمۃ اللہ بلجام من نار یوم القیامۃ۔

شرح الحدیث | یعنی جس شخص سے کوئی مسئلہ دریافت کیا جائے جس کو وہ جانتا ہو اور وہ اس کو چھپائے تو بروز قیامت اللہ تعالیٰ اس کے منہ میں آگ کی لگام ڈالیں گے۔ (اعاؤنا اللہ منہ)

منہ کے اندر لگام کا ہونا کلام کرنے سے مانع ہوتا ہے، تو چونکہ یہ شخص بھی مسئلہ بتانے سے رکا تھا اور گویا اس نے اپنے منہ میں لگام لگالی تھی تو اس لئے اللہ تعالیٰ اس کو اس گناہ کے مشابہ ہی سزا دیں گے، قال الخطابی: وخرج هذا علی معنی مشکوٰۃ العقوبۃ الذنب، کہوہ اللہ تعالیٰ: الذین یا کلون الربا لایقومون الاۃ۔ اس حدیث میں جس علم کے کتمان سے منع کیا گیا ہے اس سے وہ علم مراد ہے جس کی تعلیم لازم اور ضروری ہے، جیسے کوئی کافر اسلام لانے کا ارادہ کرے اور وہ کسی سے دریافت کرے کہ مجھے بتاؤ کہ دین اسلام کیا چیز ہے، اس کی کیا حقیقت ہے، یا جیسے کوئی جاہل شخص جس کو نماز کا طریقہ نہیں آتا اور حال یہ کہ نماز کا وقت آگیا اور وہ کسی سے نماز کی کیفیت اور اس کا طریقہ معلوم کرے، و نحو ذلک من المسائل، اور جو علم

مستحبات کے قبیلہ سے ہو جس کے جانتے کی لوگوں کو کوئی خاص ضرورت نہ ہو وہ علم اس میں داخل نہیں (بذل عن الخطابی) اور حاشیہ بذل میں ہے وقل المراد بعلوم الشہادۃ کذا فی المرقاۃ اھ یعنی ایک شخص کو مدعی کے صادق ہونے کا علم ہے اور اس سے اس کے بارے میں شہادت طلب کی جائے تو وہ انکار کر دے، و فیہا ایضا وقیدہ فی الکوکب بان لا تکن فی الاظهار مفسرۃ اھ

**کیا حدیث الباب موضوع ہے؟** | اس حدیث کے بارے میں حاشیہ بذل میں لکھا ہے: تکلم بعضهم علی الحدیث بانه ضعیف بل موضوع، و فی المقاصد المحسنۃ حسنہ الترمذی، وصحیح الحاکم اھ۔

اس کتاب کے مقدمہ میں بھی اس حدیث کے بارے میں، اور اس کے علاوہ بھی جن احادیث پر ابن الجوزی رحمہ اللہ تعالیٰ نے وضع کا حکم لگایا ہے، ذکر کیا گیا ہے اور یہ کہ اس قسم کی ابوداؤد میں نو حدیثیں ہیں، حافظ منذری اس حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں: واخرجه الترمذی وابن ماجہ، وقال الترمذی: حدیث حسن، وهذا آخر كلامه، وقد روی عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ من طریقین فیہما مقال، والطریق الی اخرجه بہا ابوداؤد طریق حسن، فانه رواہ عن التبوذکی وقد ارجح بہ البخاری وسلم، عن حماد بن سلمۃ وقد ارجح بہ مسلم واستشهد بہ البخاری، عن علی بن الحکم وهو ابو الحکم البنانی، قال الامام احمد یسیر بہ بأس، وقال ابو حاتم الرازی لا بأس بصالح الحدیث، عن عطاء بن ابی رباح وقد اتفق الامان علی الاحتجاج بہ، اس کے بعد انہوں نے فرمایا کہ یہ حدیث متعدد صحابہ سے مروی ہے جن کے اسماء ذکر کئے ہیں و فی کل منہما مقال، اور حافظ ابن القیم نے تہذیب السنن میں اس پر مزید تفصیلی کلام فرمایا ہے فارجع الیہ لوشئت۔

## باب فضل نشر العلم

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم: **تَسْمَعُونَ وَتُسْمَعُ مِنْكُمْ وَيُسْمَعُ مِنْكُمْ**، آپ فرما رہے ہیں صحابہ کرام سے کہ تم علم کو مجھ سے سنتے ہو اور پھر میرے بعد تم سے سنا جائیگا اور اس کے بعد پھر اس سے سنا جائے گا جو تم سے سنے گا، یعنی صحابہ کرام علم دین کو سنیں گے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے اور تابعین سنیں گے صحابہ سے اور تبع تابعین سنیں گے تابعین سے، جہم جرا گویا اس میں تحریض ہے نشر علم پر کہ تم اس علم کو مجھ سے اچھی طرح محفوظ کر لو اور اس کو اپنے بعد والوں تک پہنچاؤ اور وہ اپنے بعد والوں کو پہنچائیں عن زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یقول: **نُصِرَ اللہُ امراً سَمِعَ مِنْ اَحَدِهِمْ فَحَفِظَهُ** الحدیث، اس حدیث کی شرح وغیرہ اس کتاب کے مقدمہ میں گذر چکی۔

والحدیث اخرجه الترمذی والنسائی، وقال الترمذی: حدیث حسن، واخرجه ابن ماجہ عن حدیث عباد والد یحییٰ عن زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ قالہ المندزی۔

عن سهل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال: **وَاللّٰهُ لَا تُفْنِي**

یہدی اللہ بھداک رجلا واحد اخیرک من حمرا النعم۔  
مضمون حدیث واضح ہے کہ اگر کسی شخص کی کوشش سے ایک شخص بھی ہدایت پر آجائے تو وہ اس کے لئے سرخ اونٹوں  
سے افضل ہے جو کہ عربوں کے نزدیک محبوب چیز تھی، اس سے بھی نشر علم کی فضیلت معلوم ہو رہی ہے۔  
وحدیث اخرجه البخاری وسلم والنسائی مطولانی غزوة خيبر، وقوله هذا العلي رضي الله تعالى عنه، قاله المنذرى۔

## باب الحديث عن بنی اسرائیل

اس باب پر کلام چنن الواب قبل باب روایہ حدیث اهل الکتاب میں گذر چکا۔

## باب فی طلب العلم لغير الله تعالى

عن ابی هريرة رضي الله تعالى عنه قال قال رسول الله صلى الله تعالى عليه واله وسلم: من تعلم علمها ما

يبتغي به وجه الله لا يتعلمه الا ليصيب عرضا من الدنيا لم يجد عرف الجنة يوم القيامة يعني ربحها۔  
یعنی جو شخص ایسا علم جس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کیجاتی ہو۔ یعنی علم دین و شریعت۔ اسکو کسی  
متاع دنیوی کے حصول کے لئے سیکھے تو قیامت کے روز وہ جنت کی خوشبو نہ پاسکے گا۔

**شرح الحدیث** | اس حدیث میں ایسے شخص کے لئے علی وجہ المبالغہ دخول جنت کی نفی ہے کہ جنت تو کیا اسکی خوشبو  
بھی اس کو حاصل نہوگی، لیکن اہل سنت کے نزدیک اس قسم کی حدیثیں مؤول ہیں، اور تاویل یہ ہے  
کہ اس سے دخول اول کی نفی مراد ہے، یعنی بغیر سزا بھگتے جنت میں نہ جاسکے گا، ایک تاویل یہ بھی کی گئی ہے کہ ایسا شخص جو جنت  
میں داخل ہو لیکن وہاں کی خوشبو اس کو حاصل نہوگی، اور ایک تاویل سموع من بعض المشایخ یہ ہے کہ نیک لوگوں کو جو  
جنتی ہوں گے قیامت کے روز محشر میں جنت کی لطیف خوشبو اور مہک محسوس ہوگی، تو اس حدیث میں اس کی نفی ہے،  
”مما یتبغی به وجه الله“ کی قید سے استفاد ہو رہا ہے کہ یہ وعید علم دین کے بارے میں ہے اگر کوئی شخص دنیوی علوم کو دنیا کمانے کیلئے  
حاصل کرے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں، دراصل یہ دنیوی علوم جو ہیں حقیقۃً علم ہی نہیں بلکہ صنعت و حرفت کے  
قبیل سے ہیں، علم حقیقی تو وہی ہے جس سے معرفت حق حاصل ہو اور اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ کی اطاعت اور انکی خوشنودی  
حاصل کرنے کا طریقہ معلوم ہو۔ قال اللہ تعالیٰ: انما یخشى الله من عباده العلماء والحدیث اخرجه ابن ماجه، والترمذی وقال:  
هذا حدیث حسن، قاله المنذرى۔

## باب فی القصص

عن عوف بن مالک الاشجعی رضي الله تعالى عنه قال سمعت رسول الله صلى الله تعالى عليه واله وسلم

يقول: لا يقص الامير او مامور او مختال۔

**شرح الحديث على آحسن وجه**  
قصص یعنی وعظ اور تذکیر اسی سے ہے قاص یعنی وعظ اور مبلغ، اس حدیث میں یہ ہے کہ یہ عمل قصص یا تو امیر کرتا ہے، یا اس کا ماتحت مامور، اور اگر ان دو کے علاوہ کوئی اور کرے تو وہ تمسیر شخص مختال اور متکبر ہے۔

یہاں پر یہ سوال ہوتا ہے کہ وعظ و نصیحت تو ہر عالم اور نوٹس کر سکتا ہے، اور اس حدیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ یہ کام صرف امیر یا مامور ہی کا ہے، اور کسی کے لئے مناسب نہیں یا جائز نہیں، اس لئے بعض شرح نے تو اس کی یہ تاویل کی ہے کہ یہ خطبہ پر محمول ہے مطلق وعظ و نصیحت مراد نہیں ہے اس لئے کہ خطبہ دینا وہ امیر یا اس کے مامور ہی کا منصب ہے، ایک تاویل یہ بھی سمجھ میں آتی ہے کہ ممکن ہے یہ مراد ہو ان فی حفرة الأمير أو المامور لا يقص الا مختال، یعنی جو شخص امیر یا اس کے مامور کی موجودگی میں وعظ و نصیحت کرے وہ متکبر ہے لہذا امام یا جو شخص امام کی طرف سے مامور ہو اس کی موجودگی میں دوسرے شخص کو نہیں کرنا چاہیئے اور اگر وہ ایسا کرتا ہے تو سمجھو وہ متکبر ہے، سب سے عمدہ توجیہ وہ ہے جو حضرت اقدس گنگوہی کی تقریر ابوالداؤد میں ہے اس میں اس طرح ہے: القاص المخلص مامور من الله تعالى، قال تعالى: وذكركم ان الذكركم شفع المومنين، یعنی اخلاص کے ساتھ وعظ اور تقریر کرنے والا بھی اللہ تعالیٰ کی جانب سے مامور ہے جیسا کہ آیت کریمہ میں مذکور ہے، پس "او المامور کے عموم میں شخص مذکور بھی داخل ہو جائے گا۔ فليشعر الشيخ رحمه الله تعالى۔

عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ قال جلست فی عصاة من ضعفاء المهاجرین، وان بعضهم

ليست ببعض من العري وقارني يقرأ علينا۔

مضمون حدیث واضح ہے، "وان بعضهم ليست ببعض" یعنی ان حضرات کے پاس پہننے کے لئے کپڑے بھی پورے نہیں تھے جس کی وجہ سے ایک دوسرے کی آڑ میں ہو کر اپنے بدن کو چھپاتے تھے فجلس رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلاحه وسطا ليعدل بنفسه فينا تور رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم ہمارے درمیان بیٹھ گئے ہمارے ساتھ اپنی برابری ظاہر فرمانے کے لئے، یعنی بطور تواضع کے آپ نے ایسا کیا، ثم قال بیده هكذا فتخلعوا وبرزت وجوههم له، یعنی پھر آپ نے اپنے دست مبارک سے اشارہ کر کے یہ سمجھایا کہ تم سب حلقہ باندھ کر بیٹھ جاؤ، چنانچہ وہ سب حلقہ کی شکل میں ہو گئے اور سب کے چہرے اور صورتیں آپ کے سامنے ہو گئیں، ابشروا يا معشر صاعليكم ان المهاجرين بالنور التام يوم القيامة انہ آپ نے فرمایا اے فقراء مہاجرین کی جماعت خوش ہو جاؤ میں تم کو بشارت دیتا ہوں کامل نور کی قیامت کے دن اور آپ نے یہ بھی فرمایا کہ تم لوگ یعنی فقراء مہاجرین جنت میں اغنياء الناس سے پانچ سو سال پہلے داخل ہو گئے۔

یہ حدیث ترمذی شریف میں مختلف الفاظ سے وارد ہوئی ہے، ففی رواية منه: يدخل الفقراء الجنة قبل الاغنياء

بمخمس منہ عام نصف یوم، قال الترمذی حسن صحیح، وفي رواية: يدخل فقرأ المسلمين، وفي رواية: ان فقرأ المهاجرين يخلون الجنة قبل اغنياهم بمخمس منہ عام، وفي رواية: يدخل فقرأ المسلمين الجنة قبل اغنياهم بأربعين خريفاً.

عن انس بن مالك رضي الله تعالى عنه قال قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم لان اتحد مع قوم يذكر الله تعالى من صلاة الغداة حتى تطلع الشمس احب الي من ان اعتق أربعة من ذلوا اسماعيل الخ۔ آپ ارشاد فرما رہے ہیں کہ ذکر کرنے والوں کے ساتھ صبح کی نماز سے طلوع آفتاب تک میں بیٹھوں یہ بات مجھ کو اس سے زیادہ محبوب ہے کہ میں چار غلام آزاد کروں اولاد اسمعیل سے، یعنی خالص عرب، اور حدیث کے دوسرے جز میں بعینہ یہی مضمون عصر کی نماز سے غروب آفتاب تک کے بارے میں ہے۔

ذکر اجتماعی کا ثبوت اور اسکی فضیلت | اس حدیث سے اولاً تو ذکر اجتماعی کا ثبوت ہو رہا ہے، اور دوسرے خاص ان دو وقتوں کی فضیلت۔

اس حدیث سے استرقاق العرب کا جواز سمجھ میں آتا ہے مسئلہ اختلافی ہے، حنفیہ کے نزدیک جائز نہیں حنفیہ کی طرف سے اس کی توجیہ بعض حضرات نے یہ کی ہے کہ انہ محمول علی المبالغة۔

عن عبد الله رضي الله تعالى عنه قال قال لي رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم: اقرأ على سورة النساء، قال: قلت: اقرأ عليك وعليك أنزل؟ قال: اني أحب ان اسمعه من غیری،

یہ حدیث مصنف نے ”باب فی القصص“ کے اندر ذکر فرمائی ہے، ترجمہ الباب اور حدیث میں ظاہراً تو کچھ مناسبت معلوم نہیں ہوتی مگر یہ کہ یہ کہا جائے کہ قرآن پاک تو وعظ و نصیحت کی سب سے جامع کتاب ہے، پھر اس کی تلاوت اس طور پر کرنا کہ ایک پڑھ کر دوسرے کو سنائے معانی پر غور و خوض کے ساتھ یہ قصص اور تذکیر نہیں تو اور کیا ہے۔  
والحدیث اخبرہ البخاری ومسلم والترمذی والنسائی، قالہ المنذری۔

## اختر کتاب العلم

## اول کتاب الاشریة

مصنف نے اولاً بیوع اور تجارت و اجارات کو ذکر فرمایا جو کہ اسباب کسب میں سے ہیں فالآن ینذکر مالا جله الکسب ای الاکل والشرب، چنانچہ کتاب الاشریہ کے بعد کتاب الاطعمیہ کو لائے ہیں، اطعمہ اور اشریہ ان دونوں میں مصنف نے جو

ترتیب اختیار کی ہے یعنی تقدیم الاشرہ علی الاطعمہ جبکہ شرب طعام کے بعد ہوتا ہے چنانچہ صحیح بخاری و سنن ترمذی میں ابواب الاشرہ ابواب الاطعمہ کے بعد ہے، اس میں یہ کہا جائے گا کہ ابتداء اقریش میں یعنی بچہ کی غذا کی ابتداء مشروب ہی سے ہوتی ہے پس مصنف نے بھی اس میں اسی کا لحاظ کرتے ہوئے ایسا کیا۔

## باب تحريم الخمر

شراب کی حرمت موافقات عمری میں سے ہے جیسا کہ حدیث الباب میں مذکور ہے، خمر کی تحريم آیات قرآنیہ کے ذریعہ بتدریج ہوئی ہے۔ اس سلسلہ میں اولاً آیۃ البقرة۔ یسئلونک عن الخمر والمیسر قل فیہما انکم کبیرۃ نازل ہوئی جس میں یہ فرمایا گیا ہے کہ خمر بڑے گناہ کی چیز ہے لیکن اس میں منافع بھی ہیں، جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اللہم ینزل لنا فی الخمر بربا نشفاء کہ اے اللہ شراب کے بارے میں تشفی بخش حکم نازل فرما دیجئے اس پر کچھ روز بعد سورۃ النہار کی آیت نازل ہوئی۔ یا ایہا الذین آمنوا لا تقرؤا الصلاة وانتم سكارى جس میں صرف نماز کے وقت کے قریب شراب کی حرمت بیان کر گئی ہے، چنانچہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے نمازوں کے اوقات میں منادی اعلان کرتا تھا الا لا یقرین الصلاة سکران، اس پر بھی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہی دعا کی جو پہلے کی تھی، اس پر آیۃ المائدہ نازل ہوئی یا ایہا الذین آمنوا انما الخمر والمیسر والانساب والازلام رجس من عمل الشیطان جس کے آخر میں ہے۔ فهل انتم منہتون۔ اس آیت میں صاف طور سے خمر کی تحريم کی گئی اور فرمایا گیا کہ تم اس سے باز آنے والے ہو یا نہیں، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب آیت سنی تو بہت خوش ہو کر فرماتے لگے۔ انتہینا۔ کہ ہاں اے رب ہم اس سے ضرور بچیں گے، یہ سارا مضمون باب کی دوسری حدیث میں مذکور ہے، تحريم خمر تاریخ خمیس میں لکھا ہے کہ اس کا نزول ۶ھ میں ہوا اور تلقیح ابن ابی حجازی میں اس کے بجائے ۳ھ لکھا ہے بعد ازاں کذا فی بامش البذل) عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال نزل تحريم الخمر یوم نزل وہی من خمسة

اشیاء من العنب والتمر والعسل والحنطة والشعیر، والخمر ما شامر العقل وثلاث وددت ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم لم یفارقنا حتی یعہد علینا فیہن عہدا فننتہی الیہ الجدل والکلالۃ وابواب من ابواب الربا۔

منشرح الحدیث اس حدیث میں دو جزر ہیں ایک کا تعلق کتاب الاشرہ سے ہے جس کو ہم بعد میں بیان کریں گے اور دوسرے جزر کا تعلق کتاب الفرائض اور ربا سے ہے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں مسئلہ ایسے ہیں جن کے بارے میں میری تمنا یہ تھی کہ کیا ہی اچھا ہوتا کہ ان مسائل کی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

وداحت فرمادیتے اپنی زندگی میں تاکہ ہم ان پر اچھی طرح عمل پیرا ہو جاتے اور پھر ان تین مسائل کی تعیین فرمائی ان

تین چیزوں سے (۱) میراث جہد کا سلسلہ (۲) کلالہ کا (۳) ربا کا ۔ حافظ فرماتے ہیں کہ جد سے مراد اس کی مقدار میراث ہے جس میں صحابہ کرام کا بہت اختلاف رہ چکا ہے، چنانچہ کتاب الفرائض (بخاری میں) آ رہا ہے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں کہ خود ان سے اس میں مختلف فیصلے منقول ہیں، اور دوسری چیز کلالہ یعنی اس کا مصداق جس میں علماء کا اختلاف ہے من لا ولد له ولا والد، ابوہو العم الاباعد، وغیر ذلک کما فی العون، اور ابواب الربا سے مراد بظاہر ربا الفضل ہے اسلئے کہ ربا کی قسم ثانی یعنی ربا النسیئة اس کی حرمت تو صحابہ کے درمیان متفق علیہ ہے، اور ربا الفضل میں حضرت ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا اختلاف کتاب البیوع میں گذر چکا، حافظ فرماتے ہیں: حضرت عمر کے اس کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے پاس بعض ابواب ربا کے بارے میں نص موجود تھا اور بعض کے بارے میں نہ تھا اسی لئے اس کے معلوم ہونے کی تمنا فرما رہے ہیں۔

**خمر کن چیزوں سے بنائی جاتی تھی** اور حدیث کا جزء اول یہ ہے کہ جب تحریم خمر کا حکم نازل ہوا تو اس وقت خمر عام طور سے پانچ چیزوں سے بنائی جاتی تھی، عنب، تمر، عسل، قنطہ، شعیر، اس سلسلہ میں روایات حدیث مختلف ہیں، چنانچہ صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے: لقد انزل اللہ الایۃ الیٰتی حرم فیہا الخمر وما بالمدينة شراب یشرّب الا من تمر۔ اور حضرت انس ہی سے صحیح بخاری میں ہے: قال: حرمت علینا الخمر حین حرمت وما نجد خمر الا عنب الا قلیلا، وعامة خمرنا البسر التمر۔ اور صحیح بخاری میں ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے: نزل تحریم الخمر وان بالمدينة یومئذ خمسة اشربة ما فیہا شراب العنب، اور صحیحین میں حضرت انس سے مروی ہے: قال: کنت اسقی ابا عبیدہ داباطلمہ وابی بن کعب فضیخ زھود وتمر فجاہم آت فقال ان الخمر قد حرمت، فقال ابو طلحہ: رضی اللہ تعالیٰ عنہ قم یا انس فاهرقہا۔ وفي لفظ۔ قال عبد العزيز بن صهيب قلت لانس ماصو؟ قال بسر ورطب (کذا فی تہذیب السنن لابن یقین)

اشربہ کے بارے میں حنفیہ اور جمہور علماء اس کے بعد جانتا چاہیے کہ اشربہ مسکرہ کی بہت سی قسمیں ہیں خمر، سکر، فضیخ، نقیع الذبیب، طلاء، بادق، المنفث، المثلث، الخلیطان، برثر وغیرہ وغیرہ، شیخین (امام ابو حنیفہ و ابو یوسف) کے نزدیک ان کے

احکام مختلف ہیں جیسا کہ آگے بالتفصیل آ رہا ہے، اور باقی ائمہ ثلاثہ اور امام محمد کے نزدیک ان سب کا ایک ہی حکم ہے، ان حضرات کے نزدیک شراب چاہے انگور سے بنائی جائے خواہ کھجور سے خواہ شہد سے خواہ غلوں سے مسکر ہونے کے بعد سب پر خمر ہی کا اطلاق ہوتا ہے، اور سب کا حکم یکساں ہے کہ ان قسموں میں سے کسی میں سے ایک قطرہ بھی پینا جائز نہیں بلکہ حرام ہے، خواہ لوجہ قلت مقدار سکر پیدا نہ ہو حدیث ماسکر کثیرہ فقلیلہ حرام سے استدلال کرتے ہوئے نیزہ کل مسکر خمر، و الخمر ما خمر العقل، وغیرہ روایات، اور شیخین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک اشربہ محرمہ کی تین قسمیں



اور تین درجات ہیں۔

قسم اول: خمر ہے جو ایک خاص قسم کی شراب کا نام ہے یعنی النبی من مار العنب اذا اشتد وغلا وقذف بالزبد یعنی انگور کا شیرہ خام یعنی غیر مطبوخ جبکہ وہ زمانہ گزرنے کی وجہ سے گاڑھا اور طلیف ہو جائے اور جھاگ مارنے لگے۔

قسم ثانی اور درجہ ثانیہ: اس کا مصداق تین قسم کی شرابیں ہیں (۱) عصیر العنب المطبوخ دون المثلث، یعنی انگور کا شیرہ جس کو اتنا پکا یا جلانے کہ دوثلث سے کم جل جائے، جس کو طلاء بھی کہتے ہیں (۲) اور نقیع التمر اور تیسرے نقیع الزبيب یعنی تمر اور زبيب کی بنیہ غیر مطبوخ بشرط الاشتداد وقذف الزبد، یعنی جب یہ سرگرم ہو جائیں اور سرگرم پیدا ہو جائے۔

قسم ثالث: اس سے مراد وہ بقیہ اشربہ وانبذہ ہیں جو مختلف غلوں وغیرہ سے بنائی جاتی ہیں من الحنطة والشعیر والذرة ومن العسل، خواہ وہ مطبوخ ہوں یا غیر مطبوخ ایسے ہی مثلث عنبی یعنی انگور کا دہ شیرہ جس کا طبخ کی وجہ سے دوثلث حصہ جل جائے اور صرف ایک ثلث باقی رہ جائے، اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ حنفیہ کے یہاں شراب کے اندر اصل دو چیزیں ہیں اول عنب اس سے تو خمر حقیقی بنتی ہے دوسرے تمر و زبيب، زبيب اگرچہ حقیقہ عنب ہی ہے لیکن اس کا حکم عنب سے الگ ہے، حکم کے لحاظ سے وہ تمر کے برابر ہے، اس کے علاوہ دوسرے غلجات سے جو شرابیں بنتی ہیں وہ تیسرے درجہ کی ہیں ان کا حکم الگ ہے، نیز عنب جس سے خمر اصل بنتی ہے اس میں بھی اصل یہ ہے کہ وہ مطبوخ نہ ہو آگ پر اس کو نہ رکھا گیا ہو ورنہ طبخ کے بعد وہ خمر درجہ اولیٰ سے درجہ ثانیہ میں آجاتی ہے اور اس کا حکم بدل جاتا ہے، اب آپ ان مذکورہ بالا اقسام ثلاثہ کا حکم سمجھئے۔ قسم اول یعنی خمر کا حکم یہ ہے کہ اس کا ایک قطرہ بھی پینا حرام ہے، اور اگر بیا تو حد بھی جاری ہوگی خواہ بوجہ قلت کے سکر پیدا نہ ہو اور قسم ثانی یعنی طلاء، نقیع التمر اور نقیع الزبيب اس کا حکم یہ ہے کہ اس کا

نہ پس اگر ادنیٰ درجہ کا طبخ ہے تو اس کو باذن کہتے ہیں اور اگر طبخ سے نصف جل جائے تو اس کو منصف کہتے ہیں اور اگر نصف سے نادر اور دوثلث سے کم جلا ہے تو اس کو طلاء کہتے ہیں، کما فی الہدایۃ عن الجراح الصغیر یہ تینوں قسم کے عصیر مطبوخ باذن منصف اور طلاء کا حکم حرمت میں برابر ہے، لیکن طلاء کا اطلاق مثلث پر بھی ہوتا ہے یعنی وہ عصیر العنب جس کو اتنا پکا یا جائے کہ دوثلث جل جائے یہ طلاء حلال ہے جس کو مثلث عنبی بھی کہتے ہیں، ففی موطا الامم محمد رحمہ اللہ تعالیٰ لایأس بشری الطلاء الذی قد ذهب ثلثہ وبقی ثلثہ وهو لایسکراہ و فی حاشیہ قولہ الذی قد ذهب ثلثہ۔ قید بہ لان الطلاء الذی ذهب اقل من ثلثہ لایحل کما قال فی الجراح الصغیر، محمد بن یعقوب عن ابی حنیفہ قال الخمر حرام قلیلھا وکثیرھا وانکروہ النبی من مار التمر و نقیع الزبيب اذا اشتد حرام، والطلاء وهو الذی ذهب اقل من ثلثہ من مار العنب وما سوا ذلک من الاشراب فلا یأس بہ انتہی۔ وہ یہ نظر ان لا تافح میں کلمات الفقہاء حیث حکم بعضهم علی الطلاء بالحرمة وبعضہم بالحلۃ فان الطلاء یطلق علی امرین احدہما حلال والاخر حرام کما حققہ الفقہ حسن الشرنبلالی فی رسالۃ۔ نزہۃ ذوی النظر لما من الطلاء والتمر۔ اھ طلاء کا ذکر متن میں باب فی الدرازی میں بھی آ رہا ہے۔

پینا مطلقاً حرام ہے لیکن حد اسی وقت جاری ہوگی جب اتنی مقدار پی ہو جس سے سکر پیدا ہو گیا ہو، اور قسم ثالث کا حکم یہ ہے کہ اسکی اتنی مقدار جو مضی الی اسکر نہ ہو نیک نیتی یعنی تقویٰ کی نیت سے پینا جائز نہ ہے، اور تہی اور سستی کی نیت سے پینا حرام ہے، لیکن حد اسی وقت جاری ہوگی جب پینے والے پر نشہ چڑھ جائے، اور ائمہ ثلاثہ و امام محمد کے نزدیک تمام اشربہ و انبذہ کا حکم وہی ہے جو ہمارے یہاں قسم اول کا حکم ہے، اس سے معلوم ہوا کہ عند الجمہور اشربہ کے حکم میں تشدد ہے اور حنفیہ کے نزدیک اس کے اندر بعض قسموں کے لحاظ سے گنجائش ہے۔

حنفیہ جملہ اشربہ کی تحریم کے کیوں قائل نہیں ہیں؟

اب اگر کوئی یہ سوال کرے کہ حنفیہ نے اس میں احتیاط کا پہلو کیوں نہیں اختیار کیا جیسا کہ جمہور کے مسلک میں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حنفیہ کا مسلک اس سلسلہ میں وقت نظر پر بند ہے، اس لئے کہ خمر کے بارے میں اہل لغت کے دو قول ہیں ایک یہ کہ وہ عنیب کے ساتھ خاص ہے صرف انگور کی شراب کو خمر کہتے ہیں، دوسرا قول یہ بھی ہے کہ خمر عام ہے انگوری ہو یا غیر انگوری اگرچہ صاحب ہدایہ نے تو یہاں تک فرمایا ہے کہ خمر کے انگوب کے ساتھ خاص ہونے پر اہل علم کا اتفاق ہے وہ فرماتے ہیں: ولنا ان اسم خاص باطلاق اهل اللغة فيما ذكرناه، ولنا اشتہار استعماله فيه، وفي غيره غيره اه مگر اس پر شیخ ابن الہمام نے نقد کیا ہے، اور خمر کے بارے میں اہل لغت کے دو قول لکھے ہیں، نیز اگے کتاب میں باب آرہا ہے باب الخمر مباحی، جس میں مختلف روایتیں مصنف لائے ہیں، ایک روایت میں ہے، الخمر من مائتین الشجرتين النخلة والعنب، اس روایت سے خمر کا جمہور اور عنیب کے ساتھ خاص ہونا مستفاد ہوتا ہے ایک لحاظ سے اس حدیث سے شخصین کے مسلک کی تائید ہوتی ہے، اس لئے کہ ان کے نزدیک خمر کے اقسام ثلاثہ میں سے قسم ثانی یہی ہے جو کھجور اور انگور سے بنائی جلتے جو حنفیہ کے نزدیک بھی مطلقاً حرام ہے اور عام طور سے احادیث میں مختلف قسموں پر جو خمر کا اطلاق کیا گیا ہے اس سے مقصود بیان لغت اور اطلاق کو بیان کرنا نہیں، بلکہ مقصود بالذات بیان حکم ہے کہ جتنی شرابیں بھی مسکر ہیں وہ بھی خمر کی طرح حرام ہیں، آپ کا مقصد بیان حقائق نہیں بلکہ بیان شرائع ہے، اور دوسرا منشأ حنفیہ کا اس تفصیل اور تجزیہ

لہ دلی ہاشم البذل، و خلاصۃ مذہب الحنفیۃ ان الاشرۃ ثلاثۃ اقسام، الخمر حرم مطلقاً و عشرة احکام، الثانی الاشرۃ الثلاثۃ التخمیر و هو نوعان الہاذق و المنصف، و نفع التمر و هو السكر و نفع الزبيب هذه حرام قلیلاً و کثیراً لکن حرمتها ظنیۃ، والثالث باقی الاشرۃ (التخذۃ من المحبوب و غیرہا) طلال عند الشیخین مالم یسکر و حرام عند محمد و ائمہ ثلاثہ قلیلاً و کثیراً و ادب لغتی، و یحذ علی السكر من کبالی الصبح بخلاف الخمر فید علی قطرة منہا و ان لم یسکر و هذا خلاصۃ مائی الکوکب الدردی اہ بتعرف لیسیر

تہ اور امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے جمہور کا قول اسی کو قرار دیا ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں: اتفق اصحابنا علی تسمیۃ جمیع هذه الانبذۃ خمر لکن قال اکثرہم ہو مجاز و انما حقیقۃ الخمر عمیر العنب و قال جماعة منهم هو حقیقۃ اھ من ہاشم الکوکب مابلا

سے یہ بھی ہے کہ اگر شراب کی تمام قسموں کا بصورت میں حکم مطلقاً حرمت قرار دیا جائیگا تو اس میں بڑا اشکال پیدا ہو جائے گا، جن صحابہ کرام سے تحریم خمر کے بعد بھی شرب نبیذ ثابت ہے جن کی روایات بذل المجہود میں مذکور ہیں، چنانچہ اس میں ہے قال فی البدائع: والوصیفہ والیوسف احتجای حدیث رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم و آثار الصحابة الکرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم، اما الحدیث فما ذکرہ الطحاوی فی شرح الآثار عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اتی بنیذ فشمہ فقطب جہہ ثم دعا بما فیہ فصری علیہ فشرب منه واما الآثار فہما ماروی عن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ کان یشرب النبیذ الشدید ویقول انا لئن لم یخرجہ عنی لایقظ الا النبیذ الشدید و ہما ماروی عن سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ اضاف قوما فسقاہم فسکر بعضهم فحده، فقال الرجل تسقیتم ثم تحذی، فقال علی انما احذک للسكر، وغیر ذلک من الروایات المذكورة فی البذل و فی آخرہ: فاذا ثبت الاحلال من ہولاء الصحابة الکرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم فالقول بالتحریم یرجع الی تفسیقہم، ولہذا عد ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ احلال المثلث من شرائط مذہب السنۃ والجماعۃ، فقال فی بیانہا: ان یفضل اشیین ویجب التفتین وان یری المسح علی الخفین وان لایحرم نبیذ التمر، لما ان فی القول بتحریمہ تفسیق کبار الصحابة رضی اللہ تعالیٰ عنہم، والکف عن تفسیقہم والاسساک عن الطعن فیہم من شرائط السنۃ والجماعۃ، واما ما ورد من الاخبار فیہا طعن ثم مہتا و اذیل ثم قول بوجہہا، الی ان قال: اما التاویل فہو انہا محمول علی الشرب للتلہی توفیقاً بین الدلائل صیانۃ لہا عن التعارض، واما القول بالوجوب فہو ان المسکر عندنا حرام و هو القدر الاخیر لان المسکر یا یحصل بہ الاسکار و انہ یحصل بالقدر الاخیر و هو حرام قلیلہ و کثیرہ، و ہذا قول بوجوب الاحادیث ان ثبتت بحمد اللہ تعالیٰ اھ، و فی ہامش البذل: قال ابن عابدین قال الامام ابو عینیۃ لا انفی بحرمۃ النبیذ و لا اعطیت الدنیا لان فیہ تفسیق بعض الصحابة و لا اشربہا و لا اعطیت الدنیا لانه لا حاجۃ الیہ، فللشرب در فوائہ و تقواہ اھ صاحب بدائع کی طرح بعض روایات اباحت حاشیہ لفسب الراہ میں بھی مذکور ہیں، اس میں یہ بھی ہے کہ روایات منع جیسے کل خمر مسکر و ما اسکر الفرق منہ لئلا الکف منہ حرام، ہذا کلمہ منسوخ نسخہ شربہ الصلب یوم حجۃ الوداع، قالوا: ومن الدلیل علی ذلک انہ کان ینہی و قد عبد القیس عن شرب المسکر و قد واد الیہ بعد فراغہم مصفرة الواہنہم، سبۃ حالہم فسا لہم عن قصبتہم فاعلموہ انہ کان لہم شراب فیہ توام ابدانہم فنجم من ذلک فاذا لہم فی شربہ، وان ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: شہدنا التحریم و شہدنا التحلیل و عیسیم و انہ کان یشرب الصلب من نبیذ التمر حتی کثرت الروایات عنہ بہ و شہرت و اذیعت، و اتبعہ عامۃ التابعین من الکوفیین۔

مع نزول الی اصل

ما اسکر کثیرہ فقلیلہ منہ حرام، اس کو ہمارے علمائے مؤول قرار دیا ہے، یا تو یہ کہا جائے کہ اس سے وہ شرب مراد ہے جو للتلہی ہو لا للتقویٰ، اور یا اس سے وہ آخری جرعر مراد ہے جس سے سکری پیدا ہوا ہے کہ اس کا قلیل و کثیر سب حرام ہے، اور یا پھر اس کو شراب کے اقسام ثلاثہ میں سے قسم اول اور ثانی پر محمول کیا جائے، ان دونوں قسموں کے بارے میں

ہماری رائے بھی یہی ہے، اور ایک جواب اس میں نسخ کا ہے جو ابھی مذکور ہوا، اور ایک جواب یہ ہے کہ حرمت سے مراد یہ ہے کہ ملا الکلف حرام ہے یعنی مفضی الی الحرام ہے کیونکہ جو پینا بغیر نیت تقویٰ کے یعنی تلہی کے لئے ہوگا وہاں پر قلیل کا پینا باعث ہوگا شرب کثیر کا، پس یہ شرب قلیل سبب ہوگا حرام کا اور جو چیز سبب ہو حرام کا وہ خود بھی حرام ہوتی ہے، اور اگر یہ پینا بہ نیت تقویٰ علی الطاعة ہوگا تو اس صورت میں منجر الی الکثیر نہ ہوگا، کذا فی الکوکب ونبیہ: انما یتحتاج الی امثال ہذہ اتاویلاً لما ثبت من بعض الصحابة شرب امثالہا فعلم بطلان النہی لیس مطلقاً عاماً اور ایک توجیہ اور عربی عبارت میں القول بالموجب گذری جس کا مطلب یہ ہے فریق ثانی جو دلیل پیش کر رہا ہے ہم اس کو تسلیم کرتے ہیں اس لئے کہ وہ ہمارے ہی حق میں مفید ہے چنانچہ ہم کہتے ہیں کہ جو مقدار نبیذ کی آدمی کے حق میں مسکر ہو وہ مطلق حرام ہے اس کا قلیل بھی کثیر بھی اور جو مقدار مسکر ہی نہیں اس پر حرمت کا حکم بھی لاگو نہ ہوگا، واللہ تعالیٰ اعلم۔ اس سلسلہ میں امام نسائی بھی حنفیہ سے ناراض ہیں چنانچہ وہ حدیث سعد بن ابی وقاص ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نہی عن قلیل، یا مسکر کثیرہ کے تحت فرماتے ہیں: وفي هذا الحديث دليل على تحريم المسكر قلیلاً وكثیراً، وليس كما يقول المجادعون بتحريمهم آخر الشرية دون ما تقدمها، اذ اختلف بين اهل العلم ان السكر بکلیتہ لا یحدث عن الشرية الاخرية فقط دون ما تقدمها (انصب الراية ص ۳) والحدیث اخرجه البخاری ومسلم والترمذی والنسائی، قالہ المنذری۔

عن عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال لما نزل تحريم الخمر قال عمر اللہم بین لنا فی الخمر بیاناً شفاء الخمر۔ اس حدیث کا مضمون شروع میں گذر چکا، والحدیث اخرجه الترمذی والنسائی، وذكر الترمذی انه مرسل اصح، قالہ المنذری۔

عن علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ رجلان من الانصار دعا وعبد الرحمن بن عوف الخ۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک انصاری شخص نے ان کی اور حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دعوت کی اور ان کو شراب بھی پلائی یعنی تحریم خمر سے پہلے، مغرب کی نماز کا وقت آیا حضرت علی نے امامت کی جس میں سورہ قل یا ایہا الکافرون پڑھی جس میں فطو کر دیا، یعنی اس طرح پڑھا، قل یا ایہا الکافرون (اعبد ما تعبدون ونحن نعبد ما تعبدون) جیسا کہ ترمذی کی روایت میں ہے اس پر سورہ نساء کی آیت نازل ہوئی جس سے صرف نمازوں کے اوقات میں تحریم خمر ہوئی۔

والحدیث اخرجه الترمذی والنسائی، قالہ المنذری۔

عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال كنت ساقی القوم حيث حوت الخمر في منزل ابی طلحة وما شربنا يوماً الا الفضیخ الخ۔

یہ حدیث باب کی پہلی حدیث کی شرح میں مع حوالہ کے گذر چکی، اس حدیث میں یہ ہے کہ جس زمانہ میں تحریم خمر کا

حکم نازل ہوا اس وقت ہم لوگوں کی علم طور سے جو شراب ہوتی تھی وہ نفعی تھی یعنی نبیذ البسر یعنی غیر مطبوخ جو قسم ثانی میں نفع التمر کے نام سے گزر چکی جو ہمارے یہاں بھی حرام ہے الا یہ کہ مطبوخ ہو اس صورت میں جائز ہوگی لا عند الجہور۔

## باب العصیر للخمیر

یعنی انگور کا شیرہ نکالنا خمیر بنانے کے لئے۔

قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم لعن الله الخمر وشاربها وساقيها وبائعها ومبتاعها وعاصرها ومعتقها وحاملها والمحمولة اليه۔

شرح الحدیث یہ حدیث بروایت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ترمذی شریف میں بھی ہے کتاب البیوع میں جس میں اس طرح ہے: لعن رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم في الخمر عشرة، عاصرها، ومعتقها وشاربها وحاملها والمحمولة اليه، وساقيها وبائعها وأكل ثمنها والمشتري لها والمشتراة له، یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے شراب کے بارے میں دس شخصوں پر لعنت فرمائی ہے، عاصر یعنی انگوروں کو شراب بنانے کے لئے چوڑنے والا، اور معتصر جس کے لئے چوڑا جا رہا ہے، اور ظاہر یہ ہے کہ عاصر سے مراد وہ شخص ہے جو دوسرے کیلئے چوڑے اور معتصر سے مراد وہ جو اپنے لئے چوڑے (من الکوکب) اور اس کے پینے والے پر اور اسکے اٹھانے والے پر اور جس کی طرف اٹھا کر لیجائی جا رہی ہے اس پر، اس کے پلانے والے پر اور اس کے فروخت کرنے والے پر، اور اس کا ثمن کھانے والے پر اور اسکے خریداری پر اور جس کیلئے خریدی جا رہی ہو اس پر یہ ترجمہ ترمذی کی روایت کی ترتیب کے اعتبار سے ہے، اور ابوداؤد کی روایت میں صرف نو مذکور ہیں جس میں ایک خود خمر ہے لعن اللہ الخمر، علامہ سندھی فرماتے ہیں ہر چیز کی لعنت اسکے اعتبار سے ہوتی ہے لہذا خمر پر لعنت کا مطلب اسکے پینے کی تحریم اور اس پر نجاست کا حکم لگانا ہے اھ۔ والحدیث اخر جابن ماجہ، قال المنذرى۔

## باب ما جاء في الخمر تحلل

تخلیل خمر (یعنی شراب کو سرکہ بنانے) کا مسئلہ مختلف فیہ ہے امام احمد کے نزدیک جائز نہیں، اسکے نزدیک تخلیل سے حلال نہیں ہوتا اور حنفیہ کے نزدیک جائز ہے، اور امام شافعی کے نزدیک اگر شراب رکھی ہوئی خود بخود سرکہ بن جائے تب تو حلال ہے ورنہ نہیں، اور امام مالک کے نزدیک تخلیل یعنی یہ فعل تو ناجائز ہے لیکن تخلیل کے بعد اس کا پینا حلال ہے۔ (عون عن النیل)

عن انس بن مالك رضى الله تعالى عنه ان اباطلحة سأل رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم

عن ايما مورثوا خمر الان۔

یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ بعض یتیم بچوں کے حصہ میں میراث میں شراب آئی ہے تو آپ نے

اس کو بہادینے کا حکم فرمایا اور سرکہ بنانے کی بھی اجازت نہیں دی، یہ حدیث حنبلہ کے نزدیک تو اپنے ظاہر پر ہے تاویل کی حاجت نہیں اور حنفیہ کے نزدیک ابتداء زمان پر محمول ہے اس لئے کہ وہ لوگ اس کے عادی ہو چکے تھے اور جس چیز کی عادت ہو جاتی ہے اس سے بچنا چونکہ مشکل ہوتا ہے اسلئے آپ نے احتیاطاً اور تنزیہاً تحلیل خمر سے بھی منع فرمایا تاکہ اس کی نفرت دل میں بیٹھ جائے اور دلیل اباحت دوسری روایات ہیں جیسے نعم الامام النخل اور ایک روایت میں ہے خیر فلکم خل خمرکم کافی حاشیۃ الترمذی۔ والحدیث اخرجه سلم والترمذی، قالہ الترمذی۔

## باب الخمر وماہی

عن النعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم: ان

من العنب خمر وان من التمر خمر الخ۔

اس حدیث میں ان ہی پانچ اشیاء کا ذکر ہے جن کا کتب الاشربة کی پہلی حدیث میں ذکر ہے کہ ان سب چیزوں سے خمر بنتی ہے، اور اس کے بعد والی روایت میں ذکر ہے۔ یعنی جوار کا بھی ذکر ہے اور اسی طرح زبیب کا۔

توجیہ الحدیث علی مسلک الحنفیۃ | حاشیہ بذل میں، الارشاد الرضی نے منقول ہے کہ یہ حدیث گو بظاہر حنفیہ کے خلاف ہے لیکن فی الحقیقت اس سے ان کی تائید ہوتی ہے اس لئے کہ لفظ خمر اگر ان تمام اشیاء

کو شامل ہوتا لہذا استعمالاً تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اس تفسیر کی بایں عنوان احتیاج نہ پیش آتی، اس لئے کہ جب قرآن کریم میں تحریم کا ذکر آچکا تو اس کا غنوم ان اشیاء کو بھی شامل ہوتا اور اہل لسان اس کو خود بخود سمجھ جاتے، لہذا معلوم ہوا کہ آپ کی غرض اس تفسیر سے بیان حکم ہے اہ اور باب کی تیسری حدیث میں جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے وہ یہ ہے: الخمر من هاتین الشجرتین: النخلة والعنب۔ اس کے بارے میں بذل اور کوکب دونوں میں یہ تحریر ہے کہ اس سے مقصود حمر نہیں اور ہمارے یہاں شروع میں گذر چکا کہ یہ حدیث ایک لحاظ سے حنفیہ کی تائید کرتی ہے چنانچہ حضرت شیخ حاشیہ کوکب میں تحریر فرماتے ہیں کہ اکثر شراح حدیث تو یہی فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے حمر مقصود نہیں لیکن صاحب نتائج الافکار کا میلان حصر کی طرف ہے فقال بعد البحث: وانما ان المراد بالحکم الذی ارید بیانہ بالحدیث هو حرمة قلیلہ وکثیرہ، وهذا المعنی لا یحقق فی المتخذ من غیر تینک الشجرتین فصیح الحصر المستفاد من ذلک الحدیث بلا غیار۔ میں کہتا ہوں اسلئے کہ حنفیہ کے نزدیک شراب کے اقسام ثلاثہ میں سے جو قسم ثانی ہے اس کا تعلق صرف ان ہی دو سے ہے اور اس کا حکم ہمارے یہاں یہی ہے کہ اس کا قلیل و کثیر حرمت میں برابر ہے، لہذا کہہ سکتے ہیں کہ خود ان احادیث میں

۱۔ الارشاد الرضی۔ ۲۔ کوکب الدرر کی طرح حضرت نگوی کی وہ تقریر ترمذی ہے جو، حدیث شیخ کے پھر پھر مولانا رحمہ اللہ نے جمع فرمائی تھی۔

تنوع اشربہ اور اس کے اختلاف اقسام کی طرف اشارہ موجود ہے جس کو حنفیہ نے اختیار کیا ہے۔

حدیث النعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ الاول اخرجہ الترمذی والنسائی وابن ماجہ، وحدث ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ  
اخرجہ مسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ قالہ المنذری۔

## باب ماجاء فی السکر

سکر بمعنی مسکر وفي بعض النسخ باب النہی عن المسکر

کل مسکر خمر یعنی فی حکم الخمر جس خمر کا بیان آپ اگلے جملہ میں ارشاد فرما رہے ہیں "وکل مسکر حرام، ومن مات  
دھوی شرب الخمر یؤدبہا لم یشر بہا فی الآخرۃ، وید من ادمان سے ہے یعنی کوئی کام علی الدوام کرنا، یعنی جو شخص  
شراب ہمیشہ پیتا رہے گا یعنی پیئے سے توبہ نہیں کرے گا تو اس کو آخرت میں جنت میں شراب ظہور جو سب جنیتوں کو  
ملے گی نہیں ملے گی۔ والحديث اخرجہ مسلم والترمذی والنسائی، وحدث النسائی مختصر قالہ المنذری۔

کل مخمر خمر تخمیر کے معنی تفتیش کے ہیں، نشہ چونکہ آدمی کی عقل کو چھپا دیتا ہے اس لئے خمر کو مخمر کہتے ہیں۔  
ومن شرب مسکراً بخست صلاتہ اربعین صباحاً الخ یعنی جو شخص ایک مرتبہ شراب پیتا ہے تو اس کی چالیس  
دن کی نمازیں ناقص اور بے برکت ہو جاتی ہیں، پس اگر وہ بندہ توبہ کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرماتے ہیں، اور  
جو شخص چوتھی بار شراب پیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو ضرور بالضرور طینۃ الخبال سے پلائیں گے، طینۃ الخبال کی تفسیر  
حدیث میں صدید اهل النار سے فرمائی ہے، اہل نار کا لبو پیپ، آگے حدیث میں ہے کہ جو شخص کسی نابالغ بچہ کو شراب  
پلانے کا تو اس پلانے والے کو بھی اللہ تعالیٰ بالضرور طینۃ الخبال پلائیں گے۔

ما سکر کثیرہ فقلیلہ حرام، یہ حدیث امام محمد اورائمہ ثلاث کے نزدیک اپنے ظاہر اور عموم پر ہے، اور حنفین کے  
نزدیک جیسا کہ پہلے بالتفصیل گذر چکا مؤول ہے۔

والحدیث اخرجہ الترمذی وابن ماجہ، قالہ المنذری۔

قال ابو داود: خربت علی یزید بن عبد ربہ الجرجسی حدیث محمد بن محمد بن حرب۔

اوپر والی حدیث مذکور جس میں البتہ مذکور ہے یہ مصنف کو دو طریق سے پہنچی ہے بطریق تحدیث یعنی سماع من  
لفظ الشیخ اور دوسرے بطریق قرأت علی الشیخ، قرأت علی الشیخ بعض مرتبہ بطریق استفہام کے ہوتی ہے جس طرح یہاں پر  
ہے: حدیث محمد بن حرب، پہلے طریق میں مصنف کے استاد تعنی ہیں، اور دوسرے میں علی بن یزید، اس دوسرے طریق میں  
بتہ کی تفسیر کی زیادتی ہے، بتہ نام ہے نمید العسل کا، نیز یہ کہ اس کو اہل یمن پیتے ہیں۔

قال ابو داود: سمعت احمد بن حنبل یقول: لا الہ الا اللہ! ما کان اثبتہ، امام احمد جرجسی کی توثیق فرما رہے ہیں

بطریق تعجب کے کہ دیکھئے وہ کتنے ثقہ اور ثبوت ہیں، اہل محض میں ان کے برابر کوئی اور نہیں، انھار تعجب کے موقع پر عام طور سے لفظ سبحان اللہ لوگ استعمال کرتے ہیں، کبھی کبھار توحید بھی استعمال کرتے ہیں جیسا کہ یہاں پر ہے۔  
والحدیث اخرجہ البخاری ومسلم والترذی والنسائی وابن ماجہ، قالہ المنذری۔

عن دیکم الحمیري قال سألت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اعز

**شرح الحدیث** ادیکم حمیری حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہم ایسی سرزمین کے رہنے والے ہیں جو سرد ہے، بظاہر مردین ہے اسلئے کہ جیشان میں ہی کا ایک قبیلہ ہے وہاں ہم محنت مشقت کے کام کرتے ہیں اور ہم وہاں پر گہیوں سے شراب بناتے ہیں جس کو پیتے ہیں تقویت کے لئے اور سردی سے بچنے کے لئے، آپ نے دریافت فرمایا کہ کیا اس سے سکر پیدا ہوتا ہے؟ انہوں نے عرض کیا جی ہاں، آپ نے فرمایا اس سے پرہیز کرو، میں نے عرض کیا کہ وہ لوگ تو اس کو چھوڑنے والے نہیں ہیں، آپ نے فرمایا کہ اگر وہ نہ چھوڑیں تو ان کا قاتل کرو  
عن ابی موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال سألت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عن شراب من العسل اعز ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے شراب عسل کے بارے میں سوال کیا، آپ نے فرمایا اس کو بیع کہتے ہیں، میں نے پوچھا کہ لوگ جو اور جواری کی بھی غنیمت بناتے ہیں، آپ نے فرمایا کہ اسی کا نام مزر ہے اور پھر ان سب کے بارے میں آپ نے فرمایا۔ کل مسکر حرام۔

ذره، ضم ذال اور راہ مخفضہ کے فتح کے ساتھ ہے یعنی جوار، جو ایک مشہور غلہ ہے باجرہ کی شکل میں لیکن سفید۔  
والحدیث اخرجہ البخاری ومسلم بخوہ من حدیث سعید بن ابی برة عن امیر، قالہ المنذری۔

عن عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان نبی اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم دجی عن الخمر والمیسر والکوبۃ والغبیراء وقال: کل مسکر حرام۔ میسر یعنی قمار (جوا) اور کوبہ یعنی طبل (ڈھول) اور غبیراء شراب الذرہ جس کو مسکر کہتے ہیں، کوبہ کی تفسیر طبل سے خود کتاب میں چند روایات کے بعد آ رہی ہے، اور بزل میں لکھا ہے: الکوبۃ بالضم صی الزداد الطبل او البربط اوہ بربط یعنی سارنگی۔

عن ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت نہی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عن کل مسکر ومفتقر۔

مذہ ہمارے یہاں بہار پور میں محلہ شاہ ولایت میں ایک پرانے حکیم صاحب تھے (حکیم مختار صاحب مرحوم) جو عالم بھی تھے ان کی عادت بھی یہ تھی کہ جب کوئی بات بطور تعجب بیان کرتے تو اس کو لا الہ الا اللہ کہہ کر بیان کرتے بغیر اللہ ناولد۔

مذہ کہ زانی البزن، وہاں مشہور، ذی ہاشم البذل عن الحیظ الاعظم معہ بضیم الخیمۃ وتشدید المجلۃ المفتوحہ وکون المشاہۃ الفوقیہ وقال اسمہ فی المندیۃ، جوارہ اللہ وضبطہ فی الخیمۃ، تم حجرہ وحنہ راہ وقال عاؤہ عوض عن واو، کذا فی الادب جازہ۔



مفتّر یعنی فتور پیدا کرنے والی چیز، فتور مقدمہ سکر، بوتلم ہے، اعضاء کے اندر سستی، ڈھیلا پن اور غنودگی سی، حاشیہ ابوداؤد میں ہے: حافظ عراقی نے اس حدیث سے حشیشہ (بھنگ) کی حرمت پر استدلال کیا ہے اہ بھنگ ہی جیسی ایک اور چیز ہوتی ہے جس کو دھتورہ کہتے ہیں اس کو بھی بعض لوگ پیتے ہیں یہ بھی محض الی السکر ہونے کا وجہ سے ناجائز ہے۔

کل مسکر حرام وما اسکر منه الفوق فملا الکف منه حرام۔ اس حدیث کا ذکر ہمارے یہاں فریق ثانی کی دلیل میں شروع میں گذر چکا، والحدیث اخرجه الترمذی وقال هذا حدیث حسن، قال المنذری۔

## باب فی الدازی

دازی کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ کسی چیز کے بیج ہوتے ہیں جو بنیذ میں ڈال دیے جاتے ہیں جس کی وجہ سے بنیذ میں اشتداد اور سکر پیدا ہو جاتا ہے کذائی الجمع، اور قانوس میں دازی کے بارے میں لکھا ہے شراب الغساق ہو سکتا ہے یہ وہی ہو جسکو تازی کہتے ہیں، تاز اور کھجور کے درخت سے پانی نکلتا ہے جس کو پیتے ہیں، تازی بھی اگر تازی پی جائے تو اس میں مضائقہ نہیں، مگر رکھنے کی وجہ سے زیادہ دیر تک اس میں جھاگ اور اشتداد ہو جاتا ہے پھر یہ ناجائز ہو جاتی ہے

دخل علينا عبد الرحمن بن غنم فتذاكرنا الطلاء فقال حدثني ابو مالك الاشعري رضي الله تعالى عنه

انه سمع رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم يقول ليشرب من ناس من امتي الخمر يسمون بها غير اسمها، مطلب یہ ہے کہ تبدیل اسم سے کوئی فرق نہیں پڑتا اگر حقیقتہ کوئی شراب سکر، ہو تو وہ خمر ہی کے حکم میں ہوگی خواہ اس کا نام کچھ ہی تجویز کر دیا جائے، حقیقت اور سبکی کا اعتبار ہو گا نہ کہ اسم کا۔

اس روایت میں طلاء کا ذکر ہے، یہاں پر شرح بذل الحمد اور عون المعبود وغیرہ میں اس کی تفسیر طلیخ من عصیر العنب حتی ذهب ثلثاه کیسا تھ کی گئی ہے لیکن جس عصیر کا دوشلث جل گیا، ہو وہ حرام نہیں ہے البتہ جس عصیر کا دوشلث سے کم جلا ہو وہ اشربہ محرمہ میں سے ہے فقنقی المقام ان یفسر حتی ذهب اقل من ثلثیه، ویسے اطلاق طلاء کا ان دونوں ہی قسموں پر ہوتا ہے جیسا کہ کتاب الاشرار کے شروع میں حاشیہ میں گذر چکا: فتنہ۔ والحدیث اخرجه ابن ماجہ اتم من ہذا، قال المنذری۔

بعض جاہل صوفی اور مجاور قسم کے لوگ بھی اس کو پیتے ہیں جیسے رسول شاہی وغیرہ، صاحب عون المعبود نے اس کی حرمت پر تفصیل کلام کیا ہے، کئی ادراک میں بما لا یرید علیہ۔

## باب فی الادعیۃ

عن ابن عمر وابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال شہدا ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

وسلم عنہ عن الدباء والحتم والمزفت والتقیق

ابتداء میں تحریم خمر سے قبل جن برتنوں میں شراب بنائی جاتی تھی اس باب میں ان کا بیان ہے، ان برتنوں میں شراب جلدی تیار ہو جاتی تھی۔

مشکیزہ میں نبیذ بنانے کی مصلحت | شروع میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان برتنوں میں نبیذ بنانے سے بھی منع فرمادیا تھا اور ہدایت کی گئی کہ نبیذ اسقیت یعنی مشکیزوں میں بنائی جائے

مشکیزہ بھی ایسا جس کا منہ اوپر سے بندھن سے باندھ دیا جائے، چنانچہ آئندہ روایت میں آرہا ہے علیکم باسقیۃ الأدمی ثلاث علی افواہہا، اس کی مصلحت یہ تھی کہ جو نبیذ مشکیزوں میں بنائی جائے گی خصوصاً جبکہ اوپر سے اس کا منہ بند کر دیا جائے گا تو اس قسم کے مشکیزہ میں نبیذ میں اگر اشتداد اور سکر کے آثار پیدا ہونے شروع ہوں گے تو اس کا فوراً پتہ چل جائے گا، گیس کی وجہ سے وہ مشکیزہ پھولنا شروع ہو جائے گا، اور اس صورت میں آدمی دھوکہ میں پڑنے سے اور

شراب سکر سے بچ جائے گا، بخلاف ان ادعیہ کے جن میں نبیذ بنانے سے آپ نے منع فرمایا تھا ان برتنوں میں اگر نبیذ بنائی جائے گی تو کوئی ظاہری علامت اشتداد اور سکر کی ان میں ظاہر نہیں ہوتی جس کی وجہ سے خطرہ ہوتا ہے اس کا کہ مبادا اس نبیذ میں سکر پیدا ہو گیا ہو جس کا احساس بنانے والے کو نہ ہو اور وہ اس کو غیر مسکر سمجھ کر پینا شروع کر دے

اصل وجہ اس منع کی یہ ہے جس کا حاصل احتیاط اور عدم اغترار ہے ورنہ اصل مدار حرمت کا برتنوں وغیرہ پر نہیں ہے بلکہ سکر پر ہے نبیذ چاہے برتن میں بنائی جائے یا مشکیزہ میں اگر اس میں سکر پیدا نہیں ہوا تو حلال ہے اور اگر

پیدا ہو گیا تو حرام ہے جیسا کہ بعض روایات میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی تصریح فرمائی ہے غرضیکہ ابتداء زمان تحریم خمر میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان ادعیہ کے استعمال سے بھی منع فرمادیا تھا لیکن پھر جب بعض صحابہ نے یہ عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہمارے پاس ان کے علاوہ اور برتن نہیں ہیں تو اس پر آپ نے ان برتنوں کے استعمال کی اجازت

دیدئی، چنانچہ جمہور کے نزدیک ان ادعیہ کے بارے میں جو منع کی روایات ہیں وہ منسوخ ہیں، پھر بھی کئی اختلاف باقی ہے ادعیہ اربعہ کی تشریح | اب آگے آپ ان ادعیہ مذکورہ فی الحدیث کی تفسیر سنئے: الدباء خشک کدو جس کے اندر

روغن گھریا، المزفت وہ مٹی کا برتن جس پر زفت ملا ہوا ہو، زفت تار کول جیسی ایک چیز سیاہ رنگ کی جس کو کشتی وغیرہ پر بھی ملتے ہیں تاکہ اس کے اندر پانی نہ داخل ہو، بعض روایات میں مقررہ آتا ہے اور یہ دونوں ہم معنی ہیں،

مقیّر جس پر قیّر ملا گیا ہو جس کو قار بھی کہتے ہیں، زفت اور قار دونوں ایک ہی چیز ہیں، المنقیر فعلیل بمعنی مغفول یعنی منقور کھجور کے تنہ کا ایک ٹکڑا جس کے اندر کا گود نکال کر اس کو کھوکھلا کر لیا جاتا ہے، جیسے ہمارے یہاں لکڑی کا اوکھل ہوتا ہے دھان کو شٹنے کے لئے، بعض روایات میں مزفت کے بعد بجائے نقیر کے مقیر آیا ہے، یہ صحیح نہیں، مگر ہو جائیگا اسلئے کہ مقیر اور مزفت تو ایک ہی چیز ہے ان اوعیہ میں نہی کی علت کیا ہے؟ مزفت میں تیل ملا ہوا ہونے کی وجہ سے چونکہ اس برتن کے مسامات بند ہو جاتے ہیں جس کی وجہ سے اس میں اشتداد جلدی پیدا ہو جاتا ہے، دوسرے یہ کہ ان برتنوں کا منہ کھلا ہوا اور چوڑا ہوتا ہے بخلاف مشکیزہ کے جس کا منہ بہت تنگ ہوتا ہے جس میں اشتداد کے وقت انتفاخ ہونے لگتا ہے جس سے آدی کو پتہ چل جاتا ہے بخلاف ان اوعیہ کے، لیکن یہ نہی شروع میں تھی بعد میں آپ کی طرف سے اجازت ہو گئی تھی جیسا کہ اسی باب میں چند روایات کے بعد آ رہا ہے، "کنت ہینکم عن ثلاث وانا امرکم بہن" الحدیث، اور اس کے بعد والی روایت میں ہے، "لما نبی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن الادعیۃ قالت الانصار انہ لا بد لنا قال: فلا اذا" یعنی انصار نے عرض کیا کہ ہمارے لئے ان برتنوں کے علاوہ چارہ کار ہی نہیں ہے اس پر آپ نے فرمایا کہ پھر کچھ حرج نہیں، چنانچہ ائمہ میں سے حنفیہ کے نزدیک یہ نہی منسوخ ہے اور ایسے ہی حنابلہ کے راجح قول میں، اور امام شافعی کے نزدیک کراہت باقی ہے گو تحریم نہیں ہے، اور امام مالک کے نزدیک ان چار میں سے دو میں کراہت ہے، دیار اور مزفت میں، ویسے عام طور سے شرح جمہور کا مسلک نسخ ہی نقل کرتے ہیں، والحدیث اخرہ مسلم والنسائی، قالہ المنذری۔

حدیث رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نبیذ الجرج قلت ما الجرج؟ قال: کل شئی یصنع من مدد یعنی مٹی کی گھڑیا، مگر بدل میں ہے: ای ما ینبذ فی الجرار (الجرار جمع الجرجہ) ولعل المراد من الجرار المدصونہ یعنی روغنی گھڑیا۔ والحدیث اخرہ مسلم والنسائی، قالہ المنذری۔

قدم وفد عبد القیس علی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فقالوا یا رسول اللہ اناخذنا

الحی من ربیعۃ الخ۔

**وفد عبد القیس والی حدیث کی شرح** | ان لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہمارا جو قبیلہ ہے قبیلہ ربیعہ اس کے درمیان اور آپ کے درمیان قبیلہ مضر کے کفار داخل ہیں اس لئے ہم آپ کے پاس صرف اشہر حرم میں آسکتے ہیں، کیونکہ اشہر حرم میں کفار کے نزدیک بھی قتال ممنوع تھا۔ پس آپ ہم کو ایسی چیز کا حکم اور ہدایت فرمائیے جس کو ہم خود بھی مضبوطی سے پکڑیں اور اس کی طرف اپنی قوم کو بھی دعوت دیں جس کو ہم اپنے پیچھے

لہ الجرج لفتح الجیم تشدید الراء جمع جرجۃ کتمر جمع تمرۃ وهو معنی الجرار الواحدة جرجۃ۔ ویدخل فیہ جمیع انواع الجرار من الختم وغیرہ، وقوله من تدب لفتح المیم والذال الطین المجمع السلب، کنزانی النہایۃ، وهذا القرح ان الجرج دخل فیہ جمیع انواع الجرار المتخذہ من المرد الذي هو التراب والطین اھ من العون۔

چھوڑ کر آئے ہیں، آپ نے فرمایا کہ میں تم کو چار چیزوں کا حکم کرتا ہوں اور چار ہی چیزوں سے منع کرتا ہوں، آگے ان چار کا بیان ہے ایمان باللہ یعنی شہادۃ ان لا الہ الا اللہ وان محمد رسول اللہ، اور دوسرا مورا قاضی الصلاۃ، اور تیسرا ایتار الزکوٰۃ، اور چوتھا ادار الخمس یہ چار پور سے ہو گئے، اس حدیث میں حج اور صوم کا ذکر نہیں، لیکن دوسری روایات میں صوم کا ذکر ہے، کما فی البخاری وغیرہ، لیکن حج کا ذکر صحاح کی کسی روایت میں نہیں، یا تو اس لئے کہ وہ اس وقت تک فرض ہی نہ ہوا تھا اس لئے کہ

حج کی فرضیت ایک قول کے مطابق سہ میں ہوئی اور ذی الحجۃ کی وفادہ سہ میں ہے لیکن مشہور یہ ہے کہ حج کی فرضیت سہ میں ہوئی، تو ہو سکتا ہے کہ ترک ذکر حج کی وجہ کچھ اور ہو مثلاً یہ کہ ان کو کفار مضر کی وجہ سے اس پر قدرت نہ ہو یا یہ کہ اس کی فرضیت علی التراخی ہے، یا یہ کہ آپ کا مقصد تمام احکام سے مطلع کرنا نہیں بلکہ بعض احکام سے وغیرہ وغیرہ، لیکن صوم کا ذکر ابوداؤد کے علاوہ دوسری روایات میں ہے تو پھر یہ امور بجائے چار کے پانچ ہو جائیں گے، اس کا ایک جواب جو بیضاوی سے منقول ہے وہ یہ کہ یہاں جتنی چیزیں منقول ہیں وہ سب ایمان باللہ کی تفسیر ہیں لہذا مذکور امر واحد ہوا باقی کو راوی نے اختصاراً یا نسیاناً حذف کر دیا، لیکن حافظ نے اس توجیہ پر یہ اشکال کیا کہ بعض روایات میں شہادۃ ان لا الہ الا اللہ کے بعد ”وعدیدہ واحده“ مذکور ہے جس سے استفادہ ہوتا ہے کہ اسکے بعد جو امور مذکور ہیں وہ شہادت کی تفسیر نہیں بلکہ مستقل ہیں، اسلئے بیضاوی کی توجیہ درست نہیں، لہذا اس کے علاوہ کوئی اور جواب سوچنا چاہیے، ایک جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ حضرات چونکہ کفار مضر کے پڑوس میں رہتے تھے اور اہل جہاد و غنائم میں سے تھے تو ان کے حال کی مناسبت کی وجہ سے امر خاص کی آپ نے زیادتی فرمادی، یا یہ کہا جائے کہ ادار خمس ایتار زکوٰۃ کے عموم میں داخل ہے دونوں کا تعلق مال معین سے ہے، اور ایک جواب یہ دیا گیا ہے کہ وان تو ذوا الخمس کا عطف الایمان پر نہیں بلکہ اس کا عطف اربع پر ہے ای امر ہم باریع و باعطار الخمس یعنی آپ نے ان کو چار چیزوں کا حکم کیا اور ادار خمس کا اھ من القسط لانی ۱۴۱۔

وانھا کھ عن الدباء والحنتم والمزفت والمقین وقتل ابن عبیدہ: النقیص مکان المقین  
ابن عبیدہ کی روایت درست ہے ورنہ تکرار ہو جائے گا اسلئے کہ مرفت اور مقیر دونوں ایک ہیں کا تقدم۔  
قال ابوداؤد: ابو جمرۃ، نصر بن عمران الضبیعی، یہ ابو جمرہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے شاگردوں میں ہیں اور ایک دوسرے راوی ابو جمرہ ہیں بالجار المہملۃ والزاوی المہملۃ وہ بھی ابن عباس کے شاگردوں میں ہیں ان کا نام (عمر بن ابی عطاء) ہے ذکرہ الامام الترمذی فی عدۃ مواضع من جامعہ۔  
والحدیث اخرجہ البخاری وسلم والترمذی والنسائی، قالہ الترمذی۔

والمزادة المجدوبة، وہ بڑا مشکیزہ جس کا منہ اوپر کی طرف سے کاٹ کر چوڑا کر دیا گیا ہو تاکہ اوپر ہی سے پانی نکالا جائے اور اس کے لئے عزلا نہ ہو یعنی مشکیزہ کے نیچے کی طرف کا منہ، ایسے مشکیزہ میں آپ نے نبیذ بنانے سے منع فرمایا اسے کہ اس کا منہ بند نہ ہونے کی وجہ سے اگر اس میں اشتداد پیدا ہوگا تو اس کا انتفاخ نہیں ہوگا جس سے سکر کا پتہ چل جاتا ہے۔ اب یہ کہ کیسے مشکیزہ میں نبیذ بنائی جائے؟ اس کے بارے میں آئمہ روایت میں آ رہا ہے: علیکم باسقیۃ الادم التي یلاش علی افواہہا، یعنی ایسے چرمی مشکیزے جن کے منہ اوپر سے باندھ دیئے جائیں اور اسی کے ہم معنی ہے وہ لفظ جو اس کے بعد والی روایت میں آ رہا ہے: واشربوا فی الجلد الموی علیہ یعنی جس مشکیزہ کے منہ پر وکار یعنی بنی شن باندھا گیا ہو۔ منہ بند ہونے کی صورت میں انتفاخ کی وجہ سے اشتداد کا فوراً پتہ چل جاتا ہے۔

فان اشتد فاکسروہ بالماء فان اعیاکم فافریقوہ، یعنی اس قسم کے مشکیزہ میں بھی اگر نبیذ بنانے سے اشتداد پیدا ہو جائے تو اس میں پانی ملا کر اس کی تیزی کو توڑ دیا جائے، اور اگر اس میں اتنا زیادہ اشتداد پیدا ہو گیا کہ پانی ملانے سے کم نہ ہو اور تم کو عاجز کر دے تو پھر اس کو پھینک دو۔

**حدیث سے مسلک حنفیہ کی تائید** | اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خمر اور بقیہ اشربہ مسکرہ کے حکم میں فرق ہے، اسلئے کہ حقیقی خمر پانی ملانے سے نپاک ہوتی ہے نہ اس کا پینا جائز ہو سکتا ہے اسلئے کہ نپاک چیز پانی ملانے سے پاک نہیں ہوتی بخلاف دیگر انبذہ مسکرہ کے کہ اگر ان میں اشتداد اور سکر پیدا ہو جائے تو ان کو اصلاح کے بعد پینا جائز ہے معلوم ہوا ان کی حرمت لعیینہا نہیں ہے۔ اسی وقت ہے جب وہ حد اسکا رکھ پیچھے، بخلاف خمر کے کہ اس کی حرمت لعیینہا ہے (کذا فی البدل)

حدیث ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اخرجہ سلم والنسائی، وحدیث ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اخرجہ النسائی مسنداً ومرسلًا، وقد اخرج مسلم فی الصحیح حدیث ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی وفد عبد القیس وفیہ... قالہ المنذری۔ عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ... والبیہقی، جمع وہ نبیذ جو شمر سے بنائی جائے۔ اخرجہ النسائی، قالہ المنذری۔ عن ابن بربیدۃ عن ابنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ... نہایت کثرت عن ثلاثہ وانا امرکومہن الخ، اس حدیث کا ذکر ابھی قریب میں گذر چکا۔ اخرجہ سلم والنسائی بمعناہ، قالہ المنذری۔

عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال کان ینقبذ لرسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فی سقاء الخ یعنی آپ کے لئے چمڑے کے مشکیزہ میں نبیذ بنائی جاتی تھی، اگر اتفاق سے مشکیزہ نہ ہوا تو پھر پتھر کے پیالہ میں بنائی جاتی تھی، اس سے بھی یہی معلوم ہوا کہ نبی عن الادعیۃ منسوخ ہے۔ والحدیث اخرجہ البخاری والترمذی وابن ماجہ، قالہ المنذری۔

## باب فی الخلیطین

یعنی دو چیزوں کو ملا کر جو نبید بنائی جائے جیسے زبیب اور تمر یا بسر اور رطب۔

کھجور کی مختلف انواع اور ان کے اقسام | بسر یعنی گدڑی کھجور جس کا کچھ حصہ پک گیا ہو اور کچھ باقی ہو اور رطب وہ جو پوری پک جائے اور تھوڑا جو رطب بن جانے کے بعد خشک ہو جائے۔

اور ایک ہوتی ہے زھو جس کا ذکر اگلی حدیث میں آیا ہے یعنی بسر ملون، وہ بسر جس پر رنگ آنا شروع ہو جائے، اور جو بالکل کچی ہو اس کو بلج کہتے ہیں، شرب خلیطین عند الکھمور ناجائز ہے خواہ مسکر ہو یا نہ ہو کیونکہ حدیث میں اس کی ممانعت آئی ہے، پس اگر وہ غیر مسکر ہے تو اس کی حرمت صرف من وجہ ہے اور اگر مسکر ہو تو اس کی حرمت من وجہین ہے، اور حنفیہ کے نزدیک اگر مسکر نہیں تو جائز ہے ورنہ حرام، مصنف نے اس باب میں فریقین کی دلیل ذکر فرمائی ہے، چنانچہ باکے شروع کی روایات جہود کی دلیل ہیں اور اخیر کی دو حدیثیں حنفیہ کی مستدل ہیں۔

حدیث جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اخرجه البخاری ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ، قالہ المنذری۔

وحدیث ابی قتادہ۔ ثانی حدیث الباب۔ اخرجه مسلم والنسائی وابن ماجہ سننہ، قالہ المنذری۔

سألت ام سلمة رضي الله تعالى عنها ما كان النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم يفيض عنه؟ قالت

كان ينهاها ان تعجم النوى طبعًا او تخطط الزبيب والتمر۔

شرح الحدیث | اس حدیث میں دو چیز ہیں، جزر ثانی تو خلیط سے متعلق ہے جس کا باب ہی چل رہا ہے، اور جزر اول کے مطلب میں دو احتمال ہیں، اول یہ کہ کھجور کی نمید کو زیادہ نہ پکایا جائے اگر پکانا

مقصود ہو، اسلئے کہ زیادہ پکانے سے نمید کے ذائقہ میں تغیر آجائے گا، گٹھلی کا مزہ اور اس کی تلخی شامل ہو جائے گی، اور دوسرا مطلب یہ کہ کھجور کی گٹھلیوں کو نہ پکایا جائے، اسلئے کہ کھجور کی گٹھلی جالوروں اور بکریوں کی غذا ہوتی ہے تو گٹھلیوں کو پکانے سے ان کی غذائیت ختم ہو جائے گی، گٹھلی کا سارا رس نکل جانے کی وجہ سے، ذکر المعینین رضی اللہ تعالیٰ فیہن مسطور

ملہ ان اقسام کی تعیین میں شروع حدیث سے کچھ اختلاف بھی کچھ میں آتا ہے، ذیل میں ہم لسان العرب کا حاصل لکھتے ہیں وہ یہ کہ کھجور کے پھل کے پیدا ہونے سے آخر تک اس کے تغیرات کے اعتبار سے الگ الگ ہونا ہمیں دیکھیں، بالکل شروع میں اس کے پھول کو طلع کہتے ہیں جیسے آم کی سب سے ابتدائی حالت کو ہمارے یہاں کہہ رہے ہیں اس کے بعد جب پھول چھڑ جاتا ہے اور پھل پیدا ہوتا شروع ہوتا ہے تو اس کو فدا کہتے ہیں پھر اس کے بعد کھجور کی شکل و صورت بن جانے کے بعد گٹھلی سخت ہونے تک اس کو بلج کہتے ہیں، اسکے بعد جیسا کہ پھر زھو یعنی رنگت آنے لگے اگر اسی صفر اور اسکو بسر کہتے ہیں، پھر اس کا پکا شروع ہونے سے تمام ہونے تک رطب کہلاتی ہے پھر خشک ہونے کے بعد اس کو تمر کہتے ہیں ۱۵۔

کتابہ، عجم کے معنی نضج یعنی پکانے کے ہیں۔

عن امرأة من بني اسد عن عائشة رضي الله تعالى عنها ان رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم

كان ينبذ له زبيب فيلقى فيه تمر، او تمر فيلقى فيه زبيب۔

اس حدیث میں زبيب اور تمر کی غلطی کا ذکر ہے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا اس کو نوش فرمانا، اور اس کے

بعد والی حدیث میں بھی حضرت عائشہ فرماتی ہیں کنت اخذ قبضة من تمر وقبضة من زبيب فالقيته في اناء

فامرته ثم اسقيه النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم، کہ میں آپ کے لئے اس طرح نبیذ بناتی کہ ایک مٹھی کھجور کی لیتی

اور ایک مٹھی کشمش کی پھر ان کو پانی کے برتن میں ڈال دیتی اور پھر اس کو مل دیتی، اس کے بعد آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

کو پلا دیا کرتی تھی۔

## باب فی نبیذ البسر

عن جابر بن زيد وعكرمة انهما كانا يكرهان البسر وحدها ولا يأخذان ذلك عن ابن عباس رضي الله

تعالى عنهما وقال ابن عباس اخشى ان يكون النساء الذي نهيت عنه وفد عبد القيس۔

شرح الحدیث اس روایت میں یہ ہے کہ جابر بن زید اور عکرمہ نبیذ البسر کو اگرچہ وہ تنہا ہی بنائی گئی ہو مگر وہ سمجھتے

تھے اور اس چیز کو لیا تھا انہوں نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے، اور ابن عباس فرماتے تھے

کہ مجھے اندیشہ ہے اس بات کا کہ جس مزار سے وفد عبد القیس کو منع کیا گیا تھا وہ یہی نہ ہو یعنی نبیذ البسر وحده، پھر آگے

روایت میں یہ ہے قتادہ فرماتے ہیں کہ مزار سے مراد وہ نبیذ ہے جو ختم یا مزیفت میں بنائی جائے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ

عنہما کے کلام سے یہ استفادہ ہو رہا ہے کہ وفد عبد القیس کو مزار سے روکا گیا تھا اور یہ کہ اس کا مصداق نبیذ البسر وحده ہے

لیکن ہمارے سامنے جو وفد عبد القیس کی روایات ہیں ان میں تو کہیں مزار کا ذکر ہے نہیں فالشرع علم بالصواب، اور

آگے قتادہ کے کلام میں یہ آ رہا ہے کہ مزار کہتے ہیں اس نبیذ کو جو ختم اور مزیفت میں بنائی جائے، ان دونوں روایتوں

کو ملانے سے یہ نتیجہ نکلے گا کہ بسر وحده جس کا اس روایت میں ذکر ہے اس سے وہ نبیذ بسر مراد ہے جو ختم یا مزیفت

میں بنائی جائے ورنہ بغیر اس کے بسر وحده کے ممنوع ہونے کی کوئی وجہ ہی نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

## باب فی صفة النبید

یعنی نبیذ بنانے اور اس کو پینے کا طریقہ۔

عن عبد الله بن الديلمي عن ابيه، ان کے والد کا نام فیرز ہے، دیلمی سے مراد وہی ہیں۔

قال اتينا النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم فقلنا يا رسول الله! قد علمت من نحن، ومن اين نحن

فانی من نحن؟ قال: الی اللہ والی رسولہ۔

### شرح الحدیث

اس کی شرح میں یہ بذل الجہود میں لکھا ہے مسند احمد کی روایت کے حوالہ سے کہ فیروز دہلی جو کہ یمنی ہیں یہ اور ان کی قوم جب اسلام لے آئی تو ان کی قوم نے ایک جماعت بطور وفد کے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھیجی جس میں یہ فیروز دہلی بھی شامل تھے، جنہوں نے اگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی قوم کے اسلام کی خبر دی، جس پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے اسلام کو قبول فرمایا، اس موقع پر اس وفد نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے وہ عرض کیا جو یہاں کتاب میں مذکور ہے، یعنی یہ کہ یا رسول اللہ! آپ جانتے ہیں کہ ہم کون ہیں اور کہاں سے آپ کی خدمت میں آئے ہیں اور یہ کہ ہم اسلام لا چکے ہیں، اب ہم آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ اب ہمارا ولی یعنی دوست و یار و مددگار کون ہے؟ تو آپ نے جواب ارشاد فرمایا: اللہ و رسولہ تو اس پر انہوں نے عرض کیا حسینا و رضینا۔

فقلنا یا رسول اللہ! ان لنا اعداء ما نضع دھانچہ۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہمارے یہاں ان گور کے باغات ہیں، ان گوروں کی وہاں فراوانی ہے تو ہم ان ان گوروں سے کس کس طرح فائدہ اٹھا سکتے ہیں؟ آپ نے فرمایا ان کو زربیب بنالو بم نے پوچھا کہ پھر زربیب کو کیا کریں؟ آپ نے فرمایا: ان کی نبیذ بنا کر صبح کی نبیذ شام کے کھانے کے بعد پی لیا کرو، اور رات کی بنی ہوئی نبیذ صبح کے کھانے کے بعد پی لیا کرو، اور فرمایا آپ نے دیکھو! یہ نبیذ مشکیزوں میں بنانا اور مشکوں کے اندر نہ بنانا فائدہ اٹھانے سے بچنا۔ اس جملہ کے دو مطلب ہو سکتے ہیں اولی یہ کہ اس کا تعلق ام بالنبیذ فی الشان سے ہے یعنی اس کی حکمت، وہ یہ کہ جو نبیذ مشکیزہ میں بنائی جاتی ہے اگر اس کو وقت پر نہ استعمال کیا جائے بلکہ مشکیزہ ہی میں رہنے دیا جائے تو وقت گزرنے سے وہ نبیذ خل یعنی سرکہ بن جاتی ہے، اور اس میں کچھ نقصان اور اضعاف نہیں ہے، بخلاف اس کے کہ اگر قلعہ میں بنائی جائے گی اور اس میں دیر تک رہ جائے تو اس صورت میں وہ نبیذ شراب بن جائے گی جس میں اضعاف مال ہے، اور احتمال ثانی یہ کہ اس کا تعلق نبی عن النبیذ فی القل سے ہے کہ نبیذ قلعہ میں نہ بنانا کیونکہ اس صورت میں اگر وہ دیر تک اسی میں پڑی رہی تو وہ سرکہ بن جائے گی جو کہ خلاف مقصود ہے گو حلال ہے، کذا فی البذل نقلاً عن تقریر حضرت الکنسکوی قدس سرہ، والحدیث اخرجه النسائی قال المنذری۔

عن الحسن بن امه عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت کان ینبذ لرسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فی سقاء یو کا اعلالہ عزلاء الخ

### شرح الحدیث

بعض مشکیزوں میں دو منہ ہوتے ہیں ایک اوپر کی طرف جس سے اس میں پانی بھرتے ہیں، اور ایک نیچے کی طرف تلی کی جانب اس کو عزلاء کہتے ہیں، جب مشکیزہ ٹنکا ہوا ہوتا ہے تو اس میں سے جب نبیذ نکالی جاتی ہے تو اسی منہ میں سے نکالتے ہیں جبکی مصلحت یہ لکھی ہے کہ مشکیزہ میں سکر جو پیدا ہونا شروع ہوتا ہے



تو وہ نیچے کی طرف سے ہوتا ہے اس لئے نبیذ جب پیئے ہیں تو وہ نیچے والے منہ سے نکالتے ہیں تاکہ سکر پیدا ہونے کا علم شروع ہو  
میں ہو جائے پینے سے پہلے حدیث کا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لئے ایسے مشکیزہ میں نبیذ بنائی جاتی  
تھی جس کے اوپر ولے منہ کو بندھن سے باندھ دیا جاتا تھا اور پینے کے لئے نبیذ عزار سے نکالی جاتی تھی جو نبیذ صبح کو  
بنائی جاتی تھی اس کو آپ شام میں استعمال فرماتے تھے اور جو نبیذ شام کے وقت بنائی جاتی تھی اس کو آپ صبح کے وقت  
نوش فرماتے تھے۔

اس کے بعد والی روایت میں یہ زیادتی ہے کہ صبح والی نبیذ میں سے شام کے وقت پینے کے بعد اگر کچھ بچ جاتی اس کو پھینک  
دیا جاتا اسی طرح شام والی نبیذ جو صبح کو آپ نوش فرماتے تھے اس کے ساتھ بھی ایسا ہی کیا جاتا مطلب یہ کہ اس بچی ہوئی نبیذ  
کو دوسرے وقت استعمال نہ فرماتے تھے مگر کے خوف سے کہ کہیں سکر نہ پیدا ہو گیا ہو، اور اس مشکیزہ کو دونوں وقت  
فارغ کر کے پانی سے دھو دیا جاتا تھا تاکہ پہلی نبیذ کا کوئی اثر باقی نہ رہ جائے، متھائن بن حیان کہتے ہیں: کہ میرے باپ حیان  
نے اپنی بہن عمرہ سے پوچھا کہ کیا اس مشکیزہ کو ایک دن میں دوبار دھویا جاتا تھا؟ تو انہوں نے فرمایا کہ ہاں دومرتبہ دھویا  
جاتا تھا۔ عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال کان ینبذ للنبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم النبیذ

فیشر بہ الیوم والغد وبعد الغد الی مساء الثالثة الخ

اس روایت میں یہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لئے جو نبیذ بنائی جاتی تھی اس کو آپ جس روز بنائی جاتی تھی  
اس دن اور پھر اس سے اگلے دن اور پھر اس سے اگلے دن تیسرے دن کی شام تک نوش فرماتے تھے پھر اس کے بعد اگر بچی تو  
آپ فرمادیتے کہ خدام کو پلا دی جائے یا بہا دیا جائے، یعنی اگر کوئی اور پینے والا نہ ہو۔

امام ابو داؤد فرماتے ہیں کہ خادموں کو اس لئے پلانے کا حکم فرماتے تاکہ رکنے کی وجہ سے خراب نہ ہو اس لئے اس کو ابھی  
استعمال کر لیا جائے خراب ہونے سے پہلے، خراب ہونے سے مراد نشہ پیدا ہو جانا ہے۔

اس روایت پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ اس سے پہلے متعدد روایات ہیں یہ آیا ہے کہ آپ کے لئے جو نبیذ بنائی جاتی تھی تو  
آپ صبح کی نبیذ شام کو اور شام کی صبح کو نوش فرماتے تھے اور پھر برتن کو دھو کر رکھ دیا جاتا تھا، اور بابہ کی اس آخری روایت  
میں تین روز تک پینا مذکور ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اختلاف زمان پر محمول ہے، گزشتہ روایات گرمی کے زمانہ پر محمول  
ہیں، اور یہ روایت موسم سرما پر۔ والحدیث اخرہ مسلم والنسائی وابن ماجہ، قالہ المنذری۔

## باب فی شراب العسل

ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کان یبہ: ش عند زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا

فیتر بہ عندہا عسلاً الخ۔

## شرح الحدیث

یہ تحریم غسل والی مشہور حدیث ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی گو عادت شریفہ عدل بین الزوجات کی تھی، ہر زوجہ محترمہ کے لئے آپ نے باری مقرر فرما رکھی تھی لیکن روزانہ کسی ایک وقت میں خواہ باری کسی کی بھی بوسلام و ملاقات کے لئے آپ جملہ ازواج مطہرات کے پاس کھڑے کھڑے تشریف لیجاتے تھے، آپ کی ازواج میں سے حضرت زینب بنت جحش نے یہ کیا کہ جب آپ ان کے یہاں پہنچے تو وہ آپ کو شہد کا شربت پلانے لگیں جس کی ایک مصلحت یہ بھی ہوگی تاکہ ان کے پاس کچھ زائد ٹھہرنا ہو جائے، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو جب یہ معلوم ہوا تو اس کے بارے میں حضرت عائشہ خود فرما رہی ہیں کہ میں نے اور حفصہ نے آپس میں یہ طے کیا کہ ہم میں سے جس کے پاس بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائیں تو وہ آپ سے یہ کہے کہ اتنی اجد صناک ریح مغفیر کہ آپ کے منہ سے تو میں مغفور کی بو محسوس کرتی ہوں، چنانچہ پھر ایسا ہی کیا گیا تو آپ نے اس کے جواب میں فرمایا:

بل شربت عسل عند زینب بنت جحش ولین اعود لہ کہ میں نے تو شہد پیا ہے نہ کہ مغفیر، لیکن اسکے ساتھ ہی آپ نے یہ بھی فرمایا کیونکہ آپ کو رات کو گریہ کا تحمل نہ تھا، کہ اچھا آئندہ میں اس کو ہرگز نہ پیوں گا اور یہ بات آپ نے قسم کھا کر فرمائی، اس قصہ کی روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ آپ نے ان سے یہ بھی فرمایا کہ میری اس تحریم کا ذکر کسی سے نہ کرنا، لیکن انہوں نے اس کا ذکر دوسری سے کر دیا اس واقعہ پر یہ آیت شریفہ نازل ہوئی: "یا ایہا النبی لم تحرم ما احل اللہ لک تبغی مرضات ازواجک، اور حضرت عائشہ و حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بارے میں یہ فرمایا گیا، ان تتوبا الی اللہ فقد صفت قلوبکما، کہ تم دونوں کو بھی توبہ کرنی چاہیے کہ تم نے ایک نامناسب کام کیا ہے اور اس کے بعد والی روایت میں ہے: "قالت سودۃ بل اکلت مغفیر اور آپ کا یہ جواب: "سقتنی حفصۃ" جس سے معلوم ہوتا ہے کہ پلانے والی خود حفصہ تھیں فقلت جرست نحلہ العرفط یعنی جب آپ نے یہ فرمایا کہ میں نے مغفیر نہیں پیا بلکہ شہد پیا ہے تو اس پر انہوں نے یہ کہا کہ پھر ایسا ہو سکتا ہے کہ جس کبھی کا وہ شہد تھا جو آپ نے نوش فرمایا اس نے شاید درخت عرفط کا رس چوسا ہوگا اس لئے اس سے پیدا ہونے والے شہد میں اس کا راسخہ آگیا، گویا میری بات صحیح ہے کہ آپ کے منہ سے ریح مغفیر آ رہی ہے۔

شہد کی مکھی جس پھول کا رس چوس کر شہد بناتی ہے تو اس شہد میں اسی کی بو آتی ہے، مغفیر مغفور کی جمع ہے، مغفور ایک درخت کے چپ اور گوند کا نام ہے، جس درخت سے وہ نکلتا ہے اس کو عرفط کہتے ہیں یہ درخت خاردار ہوتا ہے اور اس کے گوند میں سٹاس ہوتا ہے جس کو پانی میں ملا کر بعض لوگ پیتے ہیں لیکن اس میں راسخہ گریہ ہوتی ہے، جب آپ نے اسکے پینے کی نفی فرمائی تو ان زوجہ صاحبہ نے اس کی یہ توجیہ کی جو اوپر مذکور ہوئی۔

لے اسکے بارے میں امام ابو داؤد فرماتے ہیں: ثبت من ثبت النحل یعنی ایک تم کا گھاس جس کو شہد کی مکھی کھایا کرتی ہے اور پھر اس سے شہد بنایا کرتی ہے

## شرب غسل والی حدیث میں اختلاف روایات

ابوداؤد کی اس مذکورہ بالا روایت سے چند باتیں مستفاد ہوئیں  
اول یہ کہ سورۃ تحریم کا شان نزول تحریم غسل کا، ائمہ ہیں، دوسری

بات یہ کہ آپ کو شہد پلانے والی زینب بنت جحش ہیں جیسا کہ ابوداؤد کی پہلی روایت میں ہے، اور دوسری روایت میں یہ ہے  
کہ شہد پلانے والی حضرت حفصہ تھیں اور اشکال کرنے والی آپ پر حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں، اور پہلی روایت  
میں یہ ہے کہ اشکال کرنے والی حضرت عائشہ و حفصہ ان دو میں سے کوئی سی ایک تھیں، ابوداؤد کی یہ دونوں مختلف روایتیں  
اسی طرح صحیح بخاری میں بھی ہیں، ان دونوں حدیثوں کو روایت کرنے والی حضرت عائشہ ہیں، پہلی حدیث بطریق عبید بن  
عمیر عن عائشہ ہے، اور دوسری بطریق عروہ عن عائشہ ہے۔

اکثر شارح علامہ عینی حافظ ابن حجر علامہ قسطلانی رحمہم اللہ تعالیٰ کامیلان اس طرف ہے کہ پلانے والی حضرت زینب  
بنت جحش تھیں اس لئے کہ حضرت حفصہ تو خود حزب عائشہ میں سے تھیں بخلاف زینب کے کہ وہ حزب مخالف میں سے  
ہیں بلکہ اصل مد مقابل وہی ہیں، اور روایت میں اس کی تصریح ہے کہ مجھے اس مسئلہ میں غیرت لاحق ہوئی لہذا اس کا تقاضا  
یہی ہے کہ پلانے والی حضرت عائشہ کی حزب مخالف سے ہوں، حضرت سہارنوردیؒ نے بھی بذیل میں اسی کو ترجیح دی ہے  
بلکہ دوسری روایت کو غلط قرار دیا ہے، فرماتے ہیں: وهذا غلط من اعداء الرواة، وانما كانت سقۃ زینب كما ذكره المؤلف  
فی الروایۃ المتقدمۃ اھ یہ کلام امر ثانی سے متعلق ہوا۔

## آیت کے شان نزول میں تحریم غسل اور تحریم ماریہ کا اختلاف

اور امر اول جو مستفاد ان الحدیث ہے یعنی یہ کہ تحریم کا تعلق غسل سے ہے  
یہ بات بھی مختلف فیہ ہے اس کا مقابل یہ ہے کہ اس تحریم سے مراد تحریم ماریہ  
تبطیہ ہے، یہ اختلاف بھی مشہور بین المفسرین والمحدثین ہے، لیکن تحریم غسل

کی روایات صحیحین کی ہیں، اور تحریم ماریہ والی روایات غیر صحیحین کی ان دونوں اختلافات پر کلام مختصر مگر جامع، الابواب  
والتراجم ص ۱۳۴ میں مذکور ہے اس کی طرف رجوع کیا جائے، اس میں یہ بھی ہے: قال ابن کثیر: الصیح انہ کان فی تحریمہ العسل  
وقال الخطابی: الاکثر علی ان الآیۃ نزلت فی تحریم ماریۃ۔ الی آخرافیہ، تحریم ماریہ کا واقعہ اس طرح لکھا ہے کہ ایک مرتبہ  
حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جبکہ آپ بیت حفصہ میں تھے اور حفصہ آپ سے اجازت لے کر کسی ضرورت سے  
باہر گئی ہوئی تھیں آپ نے حضرت ماریہ کو وہاں بلا کر ان سے صحبت فرمائی، دایسی میں حضرت حفصہ نے جب دیکھا تو اس  
پر انہوں نے ناگواری کا اظہار کیا، اس پر آپ نے ماریہ کو اپنے اوپر حرام قرار دے دیا جس پر سورۃ تحریم کی آیات نازل  
ہوئیں، جلالین میں اسی قول کو اختیار کیا گیا ہے اور حاشیہ جمل میں اس تحریم ماریہ والے قصہ کو تفصیل سے نقل کیا ہے  
فارجع الیہ لوشنت، یہاں پر ایک واقعہ اور ہے یعنی آپ کے ایلام اور اعترال عن النساء کا جس میں یہ ہے کہ آپ نے  
اپنی ازواج سے ایک ماہ تک علاحدہ رہنے کی قسم کھائی تھی اور پھر اس قسم کو آپ نے پورا بھی فرمایا تھا اور یہ ہمینہ تنہائی

میں اپنے غزفہ میں گذرا تھا، اس کا سبب کیا ہوا تھا حافظ فرماتے ہیں کہ اس میں جی سی طرح اختلاف ہے، جس طرح مذکورہ بالا تحریم میں اختلاف ہے، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس اعتزال کا سبب آپ کی ازواج کا نفقہ میں زیادتی کی طلب ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ اس کا سبب افشار راز ہے کہ تحریم غسل یا ماریہ کے بعد آپ نے اس تحریم کے اظہار سے منع فرمایا تھا لیکن ان زوجہ نے اس کو بجائے اخلا کے ظاہر کر دیا تھا اس پر آپ نے ناراض ہو کر ایک ماہ کیلئے جدائی اختیار فرمائی تھی لیکن جس تحریم کی وجہ سے آپ پر عتاب ہوا وہ یہ اعتزال عن النساء نہیں جیسا کہ ترمذی کی روایت سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ حقیقۃ فی الکوکب الدرری فی کتاب التفسیر فارجع الیہ لوضاحت۔

حدیث الباب الاول اخرجہ البخاری ومسلم والنسائی، والثانی اخرجہ البخاری ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ مختصراً وطولاً، قال المندزی۔

## باب فی النبذ اذا علی

فَتَحَيَّنْتُ فِطْرَةَ نَبِيٍّ صَنَعَتْهُ فِي دِيَارِ شَعْرَانِيَّتِهِ بِهِ فَاذْهَبْ نَشْأَتُ الْوَحْيِ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ آپ کا روزہ تھا تو میں وقت افطار کا انتظار کرتے ہوئے افطار کے وقت آپ کے پاس وہ نبیذ لے گیا جس کو میں نے دیار کے اندر بنایا تھا جب میں اس کو آپ کی خدمت میں لیکر آیا تو وہ اس وقت جوش مار رہی تھی یعنی فساد اور سکر پیدا ہونے کی وجہ سے تو آپ نے فرمایا: اضرب بہذا الحائط، کہ اس نبیذ کو دیوار پر پھینک مارو، کیونکہ یہ ان لوگوں کی شراب ہے جو اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتے۔ والحدیث اخرجہ النسائی وابن ماجہ، قال المندزی۔

## باب الشرب قائماً

نہی ان یشرب الرجل قائماً۔

شرب قائماً کے بارے میں اختلاف روایات | شرب قائماً کے بارے میں روایات دونوں قسم کی وارد ہیں، منع کی بھی اور جواز کی بھی، امام بخاری نے تو صحیح بخاری میں شرب قائماً کا باب باندھ کر صرف حدیث جواز یعنی حدیث علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو یہاں ابوداؤد میں اس کے بعد آرہی ہے۔ ذکر فرمائی ہے، ابن بطال کی رائے تو یہ ہے کہ امام بخاری کا اشارہ اس طرف ہے کہ ان کے نزدیک احادیث منع ثابت نہیں، قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ امام مالک اور امام بخاری نے احادیث نہی کی تخریج نہیں کی، ہاں امام مسلم نے ان کی تخریج کی ہے چنانچہ مسلم کی ایک روایت میں مرفوعاً عن ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس طرح ہے: لا یشربن احدکم قائماً فمن نسي فليستقي۔ حافظ فرماتے ہیں کہ علامہ کی اس سلسلہ میں آثار مختلف ہیں، اول ترجیح اور یہ کہ احادیث جواز اثبت اقویٰ

ہیں احادیث نہی سے، دوسرا قول یہ کہ احادیث منع منسوخ ہیں احادیث جواز سے بقریۃ عمل الخلفاء الراشدين و معظم الصحابة والتابعین بالجواز تیسرا قول جمع بین الروایتیں ہے، پس بعض نے کہا کہ قیام سے مراد مٹی ہے اور امام طحاوی نے فرمایا کہ احادیث نہی عدم تسمیۃ عند الشرب پر محمول ہیں یعنی جو شخص جلدی میں کھڑے کھڑے بغیر بسم اللہ کے پئے، اور اگر باقاعدہ بسم اللہ پڑھ کر پیات ہے تو اس طرح کھڑے ہو کر پینے میں کچھ حرج نہیں، اور تیسری رائے اس میں یہ ہے کہ احادیث نہی کراہت تنزیہ پر محمول ہیں اور احادیث ثبوت بیان جواز پر، و هذا حسن المسالك واسلمها، اور ایک قول اس میں یہ بھی ہے کہ احادیث نہی طب پر محمول ہیں اور شفقت پر کہ ایسا نہ ہو کہ کھڑے ہو کر پینے میں جلد بازی میں گلے میں پھنسا لگ جائے، لہذا اطمینان سے بیٹھ کر پینا چاہیئے اھ ملخصاً من الادبۃ ۲۴۹ اور ایک قول اس میں یہ بھی ہے کہ احادیث جواز فضل وضوء یا زہزم پر محمول ہیں اور احادیث نہی اس کے علاوہ پر۔

والحدیث اخرجه مسلم والترمذی وابن ماجہ بخوہ، و حدیث علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ثانی حدیثی الباب اخرجه البخاری والترمذی والنسائی، قالہ المنذری۔

## باب الشرب من فی السقاء

نهی عن الشرب من فی السقاء وعن رکوب الجلالة والمجتمۃ

شرح الحدیث | یعنی آپ نے منع فرمایا ہے مشکیزہ کے منہ سے منہ لگا کر پینے سے، جس کی علامت نے مختلف مصلحتیں لکھی ہیں مثلاً یہ کہ ممکن ہے کہ مشکیزہ میں کوئی موزی جائز وغیرہ ہو، یا یہ کہ ایک دم پانی حلق میں پہنچنے سے پھنسا لگ جائے، یا پانی چھلک کر پینے والے کے کپڑے تر ہو جائیں، نیز ہمیشہ یا بار بار ایسا کرنے سے مشکیزہ کے اندر اس سے بو پیدا ہو جاتی ہے۔

آگے حدیث میں رکوب جلالہ کی ممانعت ہے، جلالہ وہ جانور ہے جو گھٹلا پھرنے کی وجہ سے کثرت سے پلیدی کھاتا ہو حتیٰ کہ اس کے پسینہ میں سے نجاست کی بو آئے لگے۔

آگے حدیث میں ہے، والمجتمۃ مجتمۃ کو مصبورہ بھی کہتے ہیں یعنی مجتمہ جانور کے کھانے سے آپ نے منع فرمایا، مجتمہ اس جانور (چرند و پرند) کو کہتے ہیں جس کو شرعی ذبح پر قدرت کے باوجود قسید کر کے تیر وغیرہ سے نشانہ بنا کر مارا جائے۔ والحدیث اخرجه البخاری والترمذی والنسائی وابن ماجہ، و لیس فی حدیث البخاری وابن ماجہ ذکر الجلالۃ والمجتمۃ، قالہ المنذری۔

## باب فی اختناث الاسقیۃ

اسقیۃ جمع ہے سقاہ کی یعنی مشکیزہ، اور اختناث سے مراد مشکیزہ کے منہ کو باہر کی طرف موڑ دینا تاکہ اس میں جستی

اور سختی سی آجائے تاکہ پھر اس سے منہ لگا کر پانی پی سکیں، یہ ترجمہ بلفظ الحدیث ہے، حدیث کے الفاظ بھی یہی ہیں، اس ترجمہ الباب میں اور اوپر والے میں غرض کے اعتبار سے کوئی فرق نظر نہیں آتا، دونوں باب قریب ہی قریب ہیں۔  
اس باب کی دوسری حدیث میں اختناث اسقہ کا جواز مذکور ہے جس کی مختلف توجہات ہو سکتی ہیں، یہ کہ منع کا تعلق بڑے مشکیزہ سے ہے یا یہ کہ اباحت کا تعلق احیاناً پر ہے کہ کبھی کبھار ایسا کر سکتے ہیں اور منع کا تعلق کثرت اور عادت پر ہے کہ اسی کی عادت ڈال لی جائے، یا یہ کہ نہی محمول ہے شفقت پر اور ثبوت اباحت اور جواز پر (بذل) و حدیث ابی سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اخرجہ مسلم والترندی وابن ماجہ، والحدیث الثانی اخرجہ الترمذی، قالہ المتذری۔

### باب فی الشرب من ثلثة القدح

یہی الفاظ حدیث کے بھی ہیں، ثلثة القدح پیالہ کی وہ جگہ تھاں سے وہ ٹوٹ رہا ہو، موضع الانکسار اس جگہ منہ لگا کر پینے سے منع کی مختلف مصاحح ہو سکتی ہیں، مثلاً یہ کہ وہ حصہ غیر نظیف ہو تا ہے اس میں میل جم جائیگی وجہ سے، یا یہ کہ اس کے ہونٹوں میں چیمہ جانے کا اندیشہ ہے۔

وان ینفخ فی الشراب، یعنی پینے کی چیز میں پھونک مارنے سے آپ نے منع فرمایا، یہ پھونک مارنا چاہے تو کسی تنکہ وغیرہ کو پانی سے دور کرنے کی وجہ سے ہو، یا اس کو ٹھنڈا کرنے کی نیت سے، کیونکہ یہ ادب اور نظافت کے خلاف ہے پھونک کے ساتھ اس میں تھوک گرنے کا امکان ہے، آگے مستقل ایک باب آرہا ہے، باب فی النفخ فی الشراب، جس میں یہ حدیث مذکور ہے، نہی ان یتنفس فی الاناء او ینفخ فیہ۔

### باب فی الشرب فی انیۃ الذهب والفضۃ

كان حذيفة رضي الله تعالى عنه بالمداثن فاستسقى فأتاه دهقان بآناء من فضة فرماه به الخ  
یعنی حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو کہ مدائن میں رہتے تھے جن کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہاں کا امیر بنایا تھا ایک روز انہوں نے پانی طلب کیا تو ان کے پاس ایک دھقان یعنی جو دھری چاندی کے پیالہ میں پانی سے کرایا تو انہوں نے اس کو پھینک دیا اور فرمایا کہ میں نے اس کو ویسے ہی نہیں پھینکا بلکہ میں نے اس کو اس میں لانے سے منع کیا تھا

لہ علامہ یعنی نے اس جملہ کا ترجمہ ہی کیا ہے ولفظ: فری القدح بالشرب اور فی الشراب بالقدح، اور حضرت نے بذل میں تحریر فرمایا ہے فرما بہ ای رمی حذیفۃ الدھقان بذلک الاناء یعنی حضرت حذیفہ نے وہ پیالہ اس دھقان پر دے مارا اور حضرت شیخ کے حاشیہ بذل میں ہے، ویؤید ما افادہ شیخ ما فی النسخ من اختلاف الروایات ففی روایۃ فری بنی وجہہ، و فی اخری مایا لو ان یصیبہ وجہہ اھ

مگر یہ بات نہ آیا حالانکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا ہے بس حریر اور دیباچ سے، یعنی مردوں کو، اور منع فرمایا ہے سونے چاندی کے برتن میں پینے سے، یعنی مطلقاً للرجال والنساء، اور فرمایا کہ یہ چیزیں دنیا میں صرف کفار کیلئے ہیں اور تمہارے لئے صرف آخرت میں۔

والحدیث أخرجه البخاری ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ، قالہ المنذری۔

## باب فی الکراع

برتن یا چلو کے واسطے کہ بغیر براہ راست حوض یا نہر سے منہ لگا کر پانی پینا۔

دخل النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ورجل من اصحابہ علی رجل من الانصار وهو یحول الماء فی حائطہ ..... ان کان عندک ماء ہات ہذا اللیلۃ فی شئ والا کرعنا۔

ایک مرتبہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھ ایک صحابی ایک انصاری کے باغ میں پہنچے جو کہ اپنے باغ میں پانی دے رہے تھے، تو آپ نے فرمایا کہ اگر تمہارے پاس اس رات کار کھا ہوا یا سی پانی مشکیزہ میں موجود ہو (تو لے آؤ) ورنہ ہم اس گول کو منہ لگا کر پانی پی لیں گے، انہوں نے عرض کیا کہ ہاں یا رسول اللہ میرے پاس رات کا مشکیزہ میں رکھا ہوا پانی موجود ہے۔

اس واقعہ میں اگرچہ کراع کی ذہبت نہیں آئی لیکن یہ ہے کہ آپ نے اس کا ارادہ فرمایا، نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو مشکیزہ یا صراحی میں رات کا رکھا ہوا ٹھنڈا پانی مرغوب تھا۔

کتاب الاشراف کے آخری باب کی آخری حدیث میں آ رہا ہے، کان یستعذب للنبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم الماء من بیوت السقیاء، کہ آپ کے لئے مہیوت السقیاء سے جو کہ ایک چشمہ کا نام ہے جو مدینہ منورہ سے دو دن کی مسافت پر واقع ہے شیریں پانی لایا جاتا تھا۔

اس پر بڈل میں لکھا ہے: یہ اسلئے کہ اس زمانہ میں مدینہ کے اکثر پانی مالح اور کھارا ہوتے تھے۔

حضرت حاجی صاحب نور اللہ مرقدہ کا ایک معمول | سید الطائفہ حضرت حاجی صاحب نور اللہ تعالیٰ مرقدہ کے بارے میں مشہور ہے جس کو ہم نے حضرت شیخ سے بارہا سنا کہ

حضرت حاجی صاحب خوب ٹھنڈا پانی نوش فرماتے تھے، اور فرماتے تھے کہ ٹھنڈا پانی پی کر الحمد للہ دل سے نکلتا ہے اور گرم پانی پینے میں یہ بات نہیں ہے، خود ہمارے حضرت شیخ بھی بہت تیز ٹھنڈا پانی پینے کے عادی تھے اور اپنی تائید کے لئے حضرت حاجی صاحب کا یہ مقولہ نقل فرمایا کرتے تھے۔

والحدیث أخرجه البخاری وابن ماجہ، قالہ المنذری۔

## باب فی الساقی متی یشرب

عن عبد الله بن ابي اوفى رضى الله تعالى عنه ان النبي صلى الله عليه وآله وسلم قال ساقى القوم  
اخرهم شرباً، لوكون کو پانی پلانے والا اپنے پینے کے اعتبار سے سب سے اخیر میں ہوا کرتا ہے۔

اس حدیث میں ادب اور استقباب کا بیان ہے کہ ہونا ایسا چاہیئے۔ بخلاف اس کے کہ پانی پلانے والا اگر اپنے نفس  
کو مقدم رکھے تو یہ اس کے حرص کی علامت ہوگی کذا فی البدل، نیز اس میں یہ بھی ہے کہ اگر کوئی ساقی اپنے حصہ کے بقدر  
پانی پہلے ہی لے لے تب بھی کوئی حرج نہیں ہے، جائز ہے اھ  
والحدیث اخرجه الترمذی والنسائی وابن ماجہ مختصراً، قالہ المتذری۔

عن انس بن مالك رضى الله تعالى عنه ان النبي صلى الله عليه وآله وسلم اتى بلبن قد شيب  
بماء وعن يمينه اعرابي وعن يساره ابو بكر الخ۔

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پانی ملا، ہوا دودھ (یعنی لسی)، لایا گیا جبکہ آپ کی دائیں جانب ایک  
اعرابی اور بائیں جانب صدیق اکبر موجود تھے، آپ نے اولاً خود نوش فرمایا، اس کے بعد سچا ہوا اس اعرابی کو عطا  
فرمایا، اور فرمایا، الا یمن فالایمن، یعنی دائیں جانب والا رائج اور مقدم ہے بائیں جانب والے پر، اس حدیث کو  
بظاہر ترجمۃ الباب سے مناسبت نہیں ہے، اور بدیل میں حضرت گنگوہی کی تقریر سے یہ نقل فرمایا ہے کہ مصنف اس  
حدیث کو اس باب میں بظاہر اس لئے لائے ہیں کہ اوپر والا قاعدہ، ساقی القوم آخرهم شرباً اس صورت میں ہے جبکہ کوئی  
شخص مشترک چیز کو اپنے ساتھیوں کے درمیان تقسیم کر رہا ہو، وہاں پر اس کو چاہیئے کہ اپنے حصہ کی چیز بعد میں لے، اور  
جہاں جو چیز خالص اپنا حق ہو یا اپنی ملک ہو پہلے سے، یا اس کو ہدیہ کی گئی ہو اس کے لئے یہ نہیں ہے کہ وہ دوسرے  
کو اپنے اوپر مقدم کرے اھ فللہ الشرح۔

شمائل ترمذی میں ایک روایت میں یہ ہے: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں اور  
حضرت خالد بن الولید دونوں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حضرت سمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے یہاں گئے، وہ  
ہمارے پاس ایک پیالہ میں دودھ لے کر آئیں جس کو آپ نے نوش فرمایا، میں آپ کی دائیں جانب تھا اور خالد بائیں  
جانب، تو آپ نے کچے ہوئے دودھ کو جب تقسیم کا ارادہ فرمایا تو مجھ سے آپ نے فرمایا کہ حق تو یہ تمہارا ہے، لیکن اگر تم چاہو  
تو میں اس میں خالد کو ترجیح دے دوں، میں نے عرض کیا کہ آپ کا سؤر مبارک ایسی معمولی چیز نہیں جس پر کسی دوسرے  
کو ترجیح دیجائے، لہذا وہ انہوں نے خود ہی نوش فرمایا۔

اس روایت کے بعد امام ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ حضرت سمونہ حضرت خالد بن الولید اور ابن عباس رضی اللہ



تعالیٰ عنہم اور اسی طرح یزید بن الاصم ان تینوں کی خالہ تھیں اہ گویا اسی وجہ سے یہ دونوں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مکان کے اندر داخل ہوئے حضرت میمونہ کے محرم ہونے کی وجہ سے۔

تنبیہ :- اس حدیث انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں جو آیا ہے .. وعن یحییٰ بن اعرابی یہ حدیث چونکہ بخاری میں بھی ہے اس پر حافظ نے فتح الباری میں (کتاب المساقاة) میں لکھا ہے کہ ابن التین نے بعض شراح سے نقل کیا ہے کہ اس اعرابی سے مراد حضرت خالد بن الولید ہیں، اس پر یہ اشکال کیا گیا ہے کہ حضرت خالد بن الولید جیسے شخص کو تو اعرابی نہیں کہا جاسکتا حافظ فرماتے ہیں: شاید اس تفسیر کا باعث وہ حدیث ابن عباس ہو جو ترمذی میں ہے قال دخلت انا و خالد بن الولید علی میمونہ الحدیث، (المنذکر قریباً) شاید اس قائل نے یہ سمجھا کہ قصہ ایک ہی ہے جو کہ صحیح نہیں اصلے کہ ترمذی والی روایت میں جو قصہ مذکور ہے وہ بیت میمونہ کا ہے اور اس حدیث انس کا قصہ یہ دار النس میں پیش آیا۔ الی آخر ابسط۔ لہذا ایک کو دوسرے پر محمول کرنا غلط ہے۔ والحدیث اخرجہ البخاری و مسلم و الترمذی و النسائی و ابن ماجہ، قال المنذری۔

كان اذا شرب تنفس ثلاثا وقال: هو انا و امرأ و ابنا۔  
یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا معمول پینے کی چیز میں یہ تھا کہ آپ اس کو تین سالس میں پیتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ تین بار میں پینا بہت زیادہ خوش گوار اور پینے میں ہلکا اور پھندا وغیرہ لگنے کے ضرر سے پاک ہے۔  
پینے کا ایک ادب تو اس حدیث میں مذکور ہے کہ پانی کم از کم دو یا تین سالس میں پیا جائے ایک سالس میں پیا جائے، کما تقدم فی کتاب الطہارۃ "واذا شرب فلا يشرب نفسا واحدا" اور دوسرا ادب روایات میں یہ آتا ہے "واذا شرب احدکم فلا يتنفس فی النار" کہ پانی پینے کے درمیان جب سالس لے تو برتن کو منہ سے جدا کر لیا جائے، برتن کے اندر سالس نہ لیا جائے۔  
اس حدیث کو ترجمہ الباب کے ساتھ کوئی خصوصی مناسبت تو ہے نہیں، بس یہ ہے کہ یہ بھی منجملہ آداب شرب میں سے ایک ادب ہے۔ والحدیث اخرجہ مسلم و الترمذی و النسائی، قال المنذری۔

## باب فی النفخ فی الشراب

نہی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان یتنفس فی الاناء او ینفخ فیہ۔  
نفخ فی الشراب سے نہی کی حدیث قریب میں بھی گزری ہے، یہ احادیث تو واضح ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دو مستقل ادب علیحدہ علیحدہ ہیں یعنی ایک تو ایک ہی سالس میں پینے کی ممانعت، دوسرے برتن میں سالس لینے کی ممانعت، لیکن بعض روایات کے الفاظ ذرا مشکل میں محتاج تاویل جیسا کہ مثلاً ایک روایت میں ہے جو اکثر کتب صحاح میں ہے جس کے الفاظ یہ ہیں "ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کان یتنفس فی النار ثلاثا" اس حدیث سے بھی راوی کا مقصود تعدد تنفس کو بیان کرنا ہے کہ آپ تین سالس میں پانی پیتے تھے اور پانی پینے کے درمیان سالس لیتے تھے، مطلب نہیں کہ برتن کے اندر سالس

لیتے تھے ورنہ دوسری حدیث کے خلاف ہو جائے گا۔ اس لئے حافظ منذری رحمہ اللہ تعالیٰ ان دونوں حدیثوں کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: والجمع بینہما ظاہر۔

عن عبد اللہ بن بسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال جاء رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم الی ابی

فنزول علیہ فقد مر الیہ طعاماً الخ

**شرح الحدیث**

عبد اللہ بن بسر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میرے والد کے پاس ہمارے گھر تشریف لائے، میرے والد صاحب آپ کے لئے کھانا لے کر آئے تھے یعنی مالیدہ جو کھجور اور پنیر اور مکھن سے بنتا ہے اس کے بعد پیٹنے کے لئے پانی لائے جو آپ نے نوش فرمایا اور بقیہ دائیں جانب والے کو دیا۔ اس کے بعد کھجور نوش فرمائی۔ آگے روایت میں ہے۔ فجعل یلقی النوی علی ظہر اصبعہ السبابة والوسطی کہ کھجور کھاتے وقت اس کی گٹھلی کو اپنی دو انگلیوں سبابة اور وسطی کی پشت پر رکھتے تھے، یعنی گٹھلی اس برتن میں نہ ڈالتے تھے جس میں کھجوریں رکھی ہوئی تھیں تاکہ گٹھلیاں کھجوروں کے ساتھ خلط نہ ہوں جو کہ خلاف ادب ہے، اب یہ کہ اس کے بعد ان گٹھلیوں کو کیا کرتے تھے؟ تو جواب یہ ہے کہ پھینک دیتے تھے، یعنی اولاً ان کو ہاتھ کی پشت پر رکھا اور پھر پھینک دیا، یعنی آپ ان کو کھجور کی پلیٹ میں تو کیا رکھتے ہاتھ کی سیدھی جانب میں بھی ان کو نہیں رکھا جس طرف سے کھاتے ہیں جو کہ غایت نظافت کی بات ہے، کذا فی الیذل عن فتح الودود بتوضیح۔

اس روایت کے الفاظ کتب حدیث میں مختلف ہیں، ترمذی کی روایت میں ہے (کتاب الدعوات میں) یلقی النوی باصبعہ اور مشکاة میں بروایت مسلم یلقی النوی بین اصبعیۃ ہے اور ایک روایت میں "فجعل یلقی النوی علی ظہر اصبعہ" جس طرح یہاں الوداد میں ہے، اسی لئے ان روایات مختلفہ کے پیش نظر الکوکب الدری ۳۲ میں اس جملہ کی شرح اس طرح کی ہے: ای کان یجمع الاصبعة فیضع من فیہ الزواۃ علی ظہر ہما فیفتح مابین الاصبعة حتی یسقط النوی من بینہما علی الارض، یعنی پہلے دو انگلیوں کو ملا کر ان کی پشت پر اس گٹھلی کو رکھ دیتے تھے اور پھر ان دونوں انگلیوں میں فصل کر دیتے تھے جس سے وہ نیچے گر جاتی تھی، اس صورت میں بین الاصبعة اور علی ظہر الاصبعة دونوں باتیں پائی گئیں فللہ در الشرح رحمہ اللہ تعالیٰ۔ حدیث الباب میں یہ بھی ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان صحابی کے یہاں کھانا نوش فرمانے کے بعد جب واپسی کا ارادہ فرمایا تو انہوں نے آپ سے دعا کی درخواست کی تو آپ نے ان کے لئے یہ دعا فرمائی: اللہم بارک لہم فمارزقہم، واغفر لہم وارحمہم جو کہ بہت مختصر اور جامع دعا رہے، ہمیں اور آپ کو بھی اس پر عمل کرنا چاہیے کہ جب کسی کے یہاں کھانا کھائیں تو اس کے لئے اس طرح دعا کریں۔

اس روایت میں فقد مر الیہ طعاماً کے بعد ہے: شرابا ہ بشراب

کیا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا معمول کھانا پینا ہی پانی نوش فرمانے کا تھا؟ فشرب۔ اس پر حضرت شیخ حاشیہ بادل میں فرماتے ہیں: لہذا فی شربہ

عليه الصلاة والسلام على الطعام ويخالفه ما قال ابن القيم: لم يكن من هديه ان يشرب على طعامه فيفسده اه يعني اس حدیث سے کھانے کے بعد ساتھ ساتھ پانی پینے کا یہ چل رہا ہے گویا آپ کھانے کے بعد ساتھ ہی پانی بھی نوش فرماتے تھے، لیکن حافظ ابن قیم نے زاد المعاد میں اس کے خلاف لکھا ہے وہ یہ کہ آپ کا معمول کھانے پر پانی پینے کا نہ تھا اس لئے کہ یہ منقرض ہے، انہوں نے زاد المعاد میں صرف اتنا ہی لکھا ہے لیکن آپ کے اس معمول کے ثبوت اور تائید میں کسی حدیث یا روایت کا حوالہ نہیں دیا بلکہ صرف اس کی تائید میں ایک شاعر کا قول لکھا ہے، اس میں قدیم اطباء کی رائے بھی معلوم کرنے کی ضرورت ہے کہ ان کی رائے اس بارے میں کیا ہے مشہور یہی ہے کہ وہ اس میں تاخیر شرب کے قائل ہیں اور یہ کہ وہ ہضم طعام میں مفید ہے، میرے والد صاحب حکیم محمد الیوب مرحوم و مغفور باقاعدہ طبیب حاذق تھے ان کا معمول تو کھانے کے ساتھ ہی پینے کا تھا اسی طرح ہمارے حضرت شیخ بھی۔ اس حدیث کو بظاہر ترجمۃ الباب سے کوئی مناسبت نہیں مگر بہت کھینچ تان کر مثلاً یوں کہا جائے کہ فلانہ بشراب شرب سے مراد یہ ہے کہ آپ نے اپنی عادت شریفہ کے مطابق پانی نوش فرمایا اور آپ کا معمول پینے میں عدم التفعی فی الشرب ہی تھا

والحدیث اخرجه مسلم والترمذی والنسائی، قال المنذری۔

## باب ما یقول اذا شرب البن

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال کنت فی بیت میمونة رضی اللہ تعالیٰ عنہا فدخل رسول اللہ

صلی اللہ تعالیٰ علیہ والوسلعم ومعه خالد بن الولید فجاءوا بضبین مشوینین علی شامتین الخ۔

**شرح الحدیث** حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ میں اپنی خالہ حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر میں تھا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بھی وہاں تشریف لائے، آپ کے ساتھ خالد بن الولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے پس آپ کے پاس دو ضب یعنی گاوے۔ جن کو بھونا گیا تھا دو لکڑیوں پر رکھ کر۔ لائی گئیں، آپ نے ان کو دیکھ کر اظہار نفرت کے طور پر تھوکا، اس پر حضرت خالد نے عرض کیا کہ شاید آپ کو ان سے کراہت آتی ہے آپ نے فرمایا ہاں۔

**ایک اشکال وجواب** بذیل میں حضرت گنگوہی کی تقریر سے نقل کیا گیا ہے کہ جب آدمی کے سامنے کوئی کھانے پینے کی قسم کی ایسی چیز آتی ہے جس سے اس کو نفرت ہوتی ہے تو اس کو متلی می ہونے لگتی ہے جس کی

لہ یا کم از کم یہ کہے کہ اس وقت آپ نے ایسا کیا۔ تمہ وہ لکھتے ہیں قال الشاعر۔

لا تکل عند اکل سخی وبرد : ودخل الحمام تشرب ماء

فاما ما اجتنبت فذلك حمًا : لم تخف احیت فی الجوف داء

دہ سے منہ میں پانی آجاتا ہے۔ جس کو پھر تھوکرنا پڑتا ہے، ایسا ہی یہاں بھی ہوا کہ غیر اختیاری طور پر آپ کے منہ میں کراہت کی دہ سے پانی سا آگیا، اب ظاہر ہے اس کو نگلنا تو طبعِ سلیم کے لئے گوارہ نہیں ہو سکتا اس کو تھوکا ہی جائے گا، یہ بات نہیں کہ آپ نے قصدِ اظہار کراہت کے لئے تھوکا، تاکہ اس حدیث کے خلاف ہو جائے۔ کان لایذم ذوقا ولا یدرد دکا فی الشاغل کہ آپ کھانے پینے کی چیز میں نہ عیب نکالتے تھے نہ اسکی زیادہ تعریف ہی فرماتے تھے اھ اور آگے کتاب الاطعمۃ میں حدیث آرہی ہے۔ «ما عاب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم طعاما قط ان اشتہاہ اکلہ وان کرہہ ترکہ۔»  
ضرب کے بارے میں ائمہ کا اختلاف ہے، ائمہ ثلاث کے نزدیک بلا کراہت جائز ہے، اور حنفیہ کے نزدیک مکروہ ہے کتاب الاطعمۃ میں «باب فی اکل الضیف ستقل باب آرہا ہے۔»

آگے حدیث میں یہ ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جب آدمی کوئی کھانے کی چیز کھائے تو اس کو چاہئے کہ یہ پڑھے۔ اللہم بارک لنا فیہ واطعمنا خیر امنہ، اور جب دودھ پئے تو یوں کہے۔ اللہم بارک لنا فیہ وذننا منہ واطعمنا خیر امنہ۔ نہ کہے اسلئے کہ کھانے پینے کی چیزوں میں سب سے بہتر دودھ ہی ہے کہ وہ طعام و شراب دونوں کا کام کرتا ہے۔ بذل میں لکھا ہے کہ گویا دودھ اسی حیثیت سے فوقیت رکھتا ہے لحم پر بھی، اگرچہ لحم کے لئے اور خوبیاں ہیں جس کی وجہ سے وہ سید الطعماء کہلاتا ہے۔ والحدیث اخرجہ الترمذی وقال حسن، قالہ المنذری۔

### باب فی ایکاء الانیۃ

یعنی برتن کے منہ کو ڈھانک کر رکھنا اور مشکیزہ ہو تو اس کے منہ کو بندھن سے باندھ دینا کھلانے چھوڑنا خصوصاً رات کے وقت میں۔

حدیث الباب میں ہے کہ رات کو دروازہ بسیم اللہ پڑھ کر بند کر دیا کرو، اسلئے کہ شیطان بند دروازہ کو نہیں کھول سکتا، اور ایسے ہی چراغ کو بسیم اللہ پڑھ کر بجھا دیا کرو، اور ایسے ہی اللہ تعالیٰ کا نام لے کر برتن کو ڈھانپ دیا کرو اگرچہ کسی لکڑی کے ذریعہ سے ہی ہو جس کو تم اس برتن کے اوپر عرض میں رکھ دو اور ایسے ہی مشکیزہ کا منہ بھی باندھ دیا کرو اسی طرح بعد والی روایت میں آرہا ہے کہ شیطان کو اس بات کی طاقت نہیں دی گئی کہ وہ بند دروازہ کو کھول سکے یعنی جس کو بسیم اللہ پڑھ کر بند کیا گیا ہو، اور اسی طرح نہ وہ بندھن کھول سکتا ہے اور نہ ڈھکا ہوا برتن، اور اظہارِ مصباح کی حکمت آپ نے بیان فرمائی کہ بعض مرتبہ فوسقہ یعنی چوہی لوگوں کے گھروں میں آگ لگادیتی ہے، یعنی رات میں اگر جلتا ہو چراغ چھوڑ دیا جائے تو ہو سکتا ہے کہ چوہی جلتے چراغ کی بنی کو تیل کے لایح میں کھینچ کر کسی جگہ لے جائے اور پھر اس سے آگ لگ جائے۔

اس حدیث میں یہ آیا ہے کہ بند دروازہ کو شیطان نہیں کھول سکتا، لیکن سوال یہ ہے کہ اوپر صحن جو کھلا ہے جسکو

بند نہیں کیا جاسکتا، وہاں سے تو آسکتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ جامع الصغیر میں بروایت احمد یہ زیادتی ہے: انہم لم یؤذن بہم فی التسنؤ کہ شیاطین کو دیوار پھاند کر اوپر سے آنے کی اجازت نہیں ہے، اگر آئیں گے تو دروازہ ہی سے آئیں گے۔  
 حدیث جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ الاول ازجہ البخاری و مسلم والنسائی، وحدیث الثانی ازجہ مسلم والترمذی ابن ماجہ والترمذی اور اسی حدیث جابر کے تیسرے طریق میں یہ زیادتی آرہی ہے کہ اپنے چھوٹے بچوں کو شام کے وقت سنبھال کر رکھو، باہر مت نکلنے دو، اسلئے کہ شام کے وقت میں جنات کا انتشار ہوتا ہے وہ شرارت کرتے ہیں اور اچک لیتے ہیں۔  
 اس بات کا اہتمام ہم نے اپنے بچپن میں دیکھا ہے کہ گھر کی بوڑھی عورتیں بچوں کو شام کے وقت باہر نکلنے سے منع کیا کرتی تھیں۔ اور اس کے بعد والی روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے پانی طلب فرمایا تو ایک شخص بھاگا ہوا گیا اور ایک پیالہ میں نمیندے کر آیا، یہ شخص یہ پیالہ کھلا ہوا لے کر آیا تھا۔ آپ نے فرمایا: الاخمر قتلہ دو ان تعرض علیہ عوداً۔ کہ تو نے اس کو ڈھک کیوں نہ دیا اگرچہ اس پر ایک لکڑی ہی رکھ لیتا۔  
 والحدیث الثالث، مکت علیہ المتذری، وازجہ البخاری فی مواضع، والترمذی، و مسلم، وابن ماجہ قالہ الشیخ محمد عوامہ، والحدیث الرابع ازجہ البخاری و مسلم بخوہ من حدیث ابی صراح و ابی سفیان طلحہ بن نافع عن جابر و ازجہ مسلم ایضاً من حدیث ابی صراح و مدہ، قالہ المتذری۔

عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کان یستعذب لہ الماء من بیوت السقیاء۔ اس حدیث کا حوالہ اور مضمون باب فی الکرم میں گذر چکا۔ آخر کتاب الاشریہ۔

وهذا آخر ما اردت ايرادہ فی هذا الحجر، وهو الجزء الخامس من الدر المنصور، وقد شرعت فیہ فی العشرۃ الاخیرہ من شہر رمضان ۱۲۳۳ھ الذی ہو شہر الصبر والغفران الذی انزل فیہ القرآن، فی المدینۃ المنورۃ علی صاحبہا الف الف تحیۃ وسلام، وقد کنت نازلًا فی العوالی فی بیت حبیب اللہ قربان علی المظاہری، وهو الذی اعاننی فی جمع المواد والامار والتحریر حسب اعانتہ فی الحجر الرابع فجزاہ اللہ تعالیٰ وسائر من اعاننی فی هذا التالیف احسن الجزاء وانا ارجو من لطف اللہ تعالیٰ وکرمہ ان یتمم هذا الشرح فی ستۃ اجزاء فکانہ بقی جزء واحد، واسأل اللہ سبحانه وتعالی السداد والتوفیق لما یحب ویرضی وان یکمل هذا الشرح ویجعله فالصا لوجه الکرم ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم وصلى اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا ومولانا محمد وآلہ وصحبہ اجمعین۔ آمین

محمد عاقل عفا اللہ عنہ

لہ الاثنتہ احادیث من الباب الاخری فان کتبہا بعد الرجوع الی الهند فی مہارنقور۔